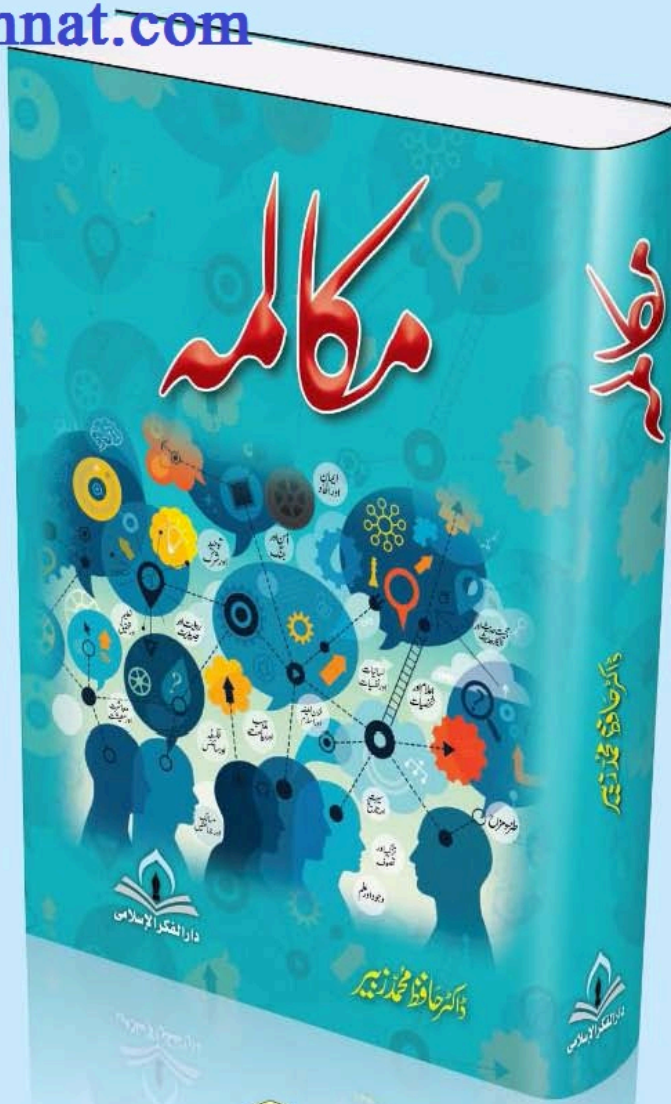
www.KitaboSunnat.com

اس کتاب کے ابواب کے موضوعات علی الترتیب درج ذیل ہیں

① وجود اور علم۔ ② ایمان اور الحاد ③ توحید اور شرک ④ روایت اور جدیدیت ⑤ سیرت اور تاریخ۔ ⑥ فلسفہ اور سائنس۔ ⑦ مذہب اور ریاست۔ ⑧ لسانیات اور نفسیات۔ ⑨ معاشرت اور معیشت۔ ⑩ تعلیم اور تحقیق۔ ⑪ تزکیہ اور تصوف۔ ⑫ فنون لطیفہ اور اسلام۔ ⑬ امن اور جنگ۔ ⑭ اعلام اور شخصیات۔ ⑮ مسالک اور جماعتیں۔ ⑯ طنز و مزاح۔ ⑰ حجیت حدیث اور انکار حدیث



17 ابواب | 810 صفحات

دیدہ زیب ٹائٹل | امپورٹڈ کاغذ | بہترین پرنٹنگ

رعایتی قیمت 500 روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ اسلامیہ®

لاہور: G/F-26 ہادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
042-37244973 - 37232369

فیصل آباد: بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد
041-2631204 - 2641204

0300-8661763 0321-8661763
www.facebook.com/maktabaislamia1
maktabaislamiainfo@gmail.com
www.maktabaislamia.com.pk

نسیم نثار ہائی اسکول
نزد ہمدرد چوک، نیوٹاؤن شپ، لاہور
واٹس ایپ نمبر: 03004093026



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں!

نام کتاب: مکالمہ

مصنف: ڈاکٹر حافظ محمد زبیر (0300-4093026)

ناشر: دارالفکر الإسلامی

پرنٹنگ: ثوبان نعمان پرنٹنگ پریس، لاہور 0300-8661763

صفحات: 816

قیمت: 1000 روپے

طبع اول: جنوری، 2018ء

ای میل: mzubair@ciitlahore.edu.pk
hmzubair2000@hotmail.com

ملنے کا پتہ:

☆ مکتبہ اسلامیہ

(لاہور) G/F-26 ہادیہ حلیمہ سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور 042-37244973 - 37232369

(فیصل آباد) بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد 041-2631204 - 2641204

☆ عبدالمتین مجاہد: K-36، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 0300-4199099

☆ مجلس تحقیق اسلامی، J-99، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 042-35839404

☆ قرآن اکیڈمی، یسین آباد، فیڈرل بی ایریا، کراچی۔ 021-36337361

مصنف کی دیگر کتب:

☆ وجود باری تعالیٰ: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں

☆ صالح اور مصلح: کتاب وسنت اور سلف صالحین کے منہج پر تزکیہ نفس اور اصلاح احوال کا پروگرام

☆ اسلام اور مستشرقین ☆ مولانا وحید الدین خان: افکار ونظریات

☆ فکر غامدی: ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ

☆ عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج

مصنف کو فیس بک پر فالو کریں:

https://www.facebook.com/drhafizmuhammadzubair/

مصنف کی جملہ کتب کے پی ڈی ایف ورژن کا ڈاؤن لوڈ لنک:

http://kitabosunnat.com/musannifeen/muhammad-zubair-temi.html

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکالمہ

ڈاکٹر حافظ محمد زبیر

اسسٹنٹ پروفیسر، کامسائٹس انسٹی ٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، لاہور

ریسرچ فیلو، مجلس تحقیق اسلامی، ماڈل ٹاؤن، لاہور

ریسرچ فیلو، شعبہ تحقیق اسلامی، قرآن اکیڈمی، لاہور

دار الفکر الإسلامی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



انتساب

اہلیہ محترمہ کے نام

کہ بلاشبہ میں آج جو کچھ بھی ہوں، اس ہونے کے

ظاہری اسباب میں سے ایک بڑا سبب وہ بھی ہیں۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



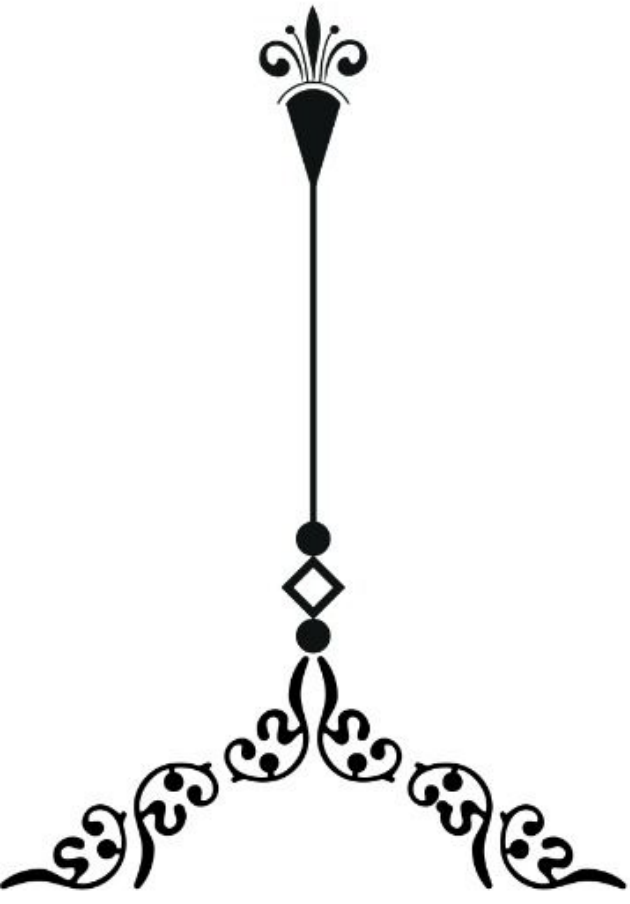
وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

[النحل: 125]

”اور ان سے مکالمہ کریں، اس طریقے سے جو بہترین ہو۔“

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



مکالمہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہرست مضامین

مقدمہ 1

باب اول: وجود اور علم 6

وجود اور علم 7

خدا کی محدودیت 7

حادث کی علت 7

وجود کا ادراک 7

موجود کون؟ 8

علم الاعتبار اور علم التفسیر 8

وحدت الوجود کی مختلف تعبیرات 8

نظریہ ارتقاء، نظریہ وحدت الوجود اور نظریہ تخلیق 9

وجود باری تعالی 11

شیخ ابن عربی اور جاوید احمد غامدی 13

وحدت الوجود اور ائمہ دین کے ردود 14

ڈاکٹر اسرار احمد اور نظریہ وحدت الوجود 19

وحدت الوجود کے مصادر 22

توحید اسماء وصفات اور امام ابن تیمیہ پر تجسیم کا طعن 23

اشاعرہ اور ماتریدیہ کے باہمی اختلافات 27

علم کیا ہے؟ 29

علم الوجود اور فلسفیوں کی حماقت 29

فلسفہ علم 30

خوابوں کی دنیا 31

اپنے رب کو خواب میں دیکھنا 32

دار ارقم فاؤنڈیشن کے تحت وجود باری تعالی پر لیکچر 34

باب دوم: ایمان اور الحاد 35

خدا کے وجود پر غور 36

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نظریہ ارتقاء سے انٹیلیجنٹ ڈیزائن تھیوری تک 36
اسٹرنگ تھیوری 37
سوشل سائنسز اور سائنسز کی ترقی یا عصر حاضر کا عذاب؟ 39
ایمان کا زور اور عقل کا شور 41
فتنہ اور علاج 42
تقدیر کا مسئلہ 42
مستشرقین اور ملحدین کے نزدیک قرآن مجید کے مصادر 46
ایک ملحد سے احادیث کے معانی پر مکالمہ 48
الحاد (atheism) پھیلانے والی این۔جی۔اوز 49
الحاد (atheism) کی تبلیغ کے خلاف قانون سازی کی ضرورت 51
قادیانی ملحدین، شیعہ ملحدین اور سنی ملحدین کی سرد جنگ 52
مخلص ملحدین 54
ملحد کی نماز 55
ملحد اور مومن 55
ملحد اور مولوی 55
داڑھی والے ملحد اور بے داڑھی کے مومن 56
ملحد اور گندی مکھی 57
انڈر سٹینڈنگ محمد از علی سینا 58
ملحد کا المیہ: شارٹ اسٹوری 60
الحاد: اسباب، اقسام، رد اور علاج 60
ملحدوں کی حکمت عملی 62
الحاد کا علاج: الہامی کتابوں اور نبیوں کا طریق کار 64
کافر اور غیر مسلم میں فرق 64
کلمہ گو کا کفر اور مشرک ہونا 66
باب سوم: توحید اور شرک 68
عقیدہ اور اخلاق 69

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدااور انسان 69
توحید اور دلیل 69
استغاثہ کے مسئلہ میں بریلوی علماء کی دلیل کا تجزیہ 69
شرک اور استغاثہ 72
رسول اللہ ﷺ نور تھے یا بشر؟ 76
مردے کا وسیلہ 77
وطن کی محبت 77
موضوع حدیث 78
قبلہ رخ تھوکنا 78
کیا رسول اللہ ﷺ کی ذات کو نور کہنا شرک ہے؟ 80
باب چہارم: روایت اور جدیدیت 82
جدیدیت اور جدید 83
دار آزمائش 83
خدا کی تخلیق 83
تنہائی کا عذاب 84
تنہائی کی نعمت 85
تین بیانیے 87
روایتی بیانیے کا اصل مسئلہ 88
روایتی اور جدید بیانیے کا فرق 90
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی! 91
مذہبی بیانیے کا المیہ: شارٹ اسٹوری 93
دلیل کی فاحشہ 94
دین میں سند کا مقام 94
مرسل روایت کی حجیت 95
رد حدیث اور انکار حدیث کا فرق 97
کتب احادیث کے تراجم: پبلشرز کی خدمت میں 98

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید کی نسائی تعبیر 100
مرد وزن کی مساوات 101
متجدد اور مجدد کا فرق 103
شریعت اور فقہ کا فرق 104
اجتہاد کیا ہے؟ 106
اجتہاد اور مقاصد شریعت 109
امام شافعی کا قول قدیم اور قول جدید 113
صحیح جواب کے لیے پہلے اپنے سوالات درست کیجیے 115
امام ابو حنیفہ کا خروج دجال اور نزول عیسی علیہ السلام کے بارے عقیدہ 116
امام مہدی کی آمد 118
دجال کے بارے تجدد پسندوں کا اختلافی بیانیہ 119
شاہ نعمت اللہ ولی کا دیوان 121
آدم علیہ السلام کی اولاد میں بہن بھائی کا نکاح 122
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیشاب اور خون 124
داڑھی اور پردہ: روایت سے جدیدیت تک 125
غیر شرعی فقہی حیلوں میں ملوث مدارس پر زکوۃ خرچ کرنا 128
ہیروں اور نقدی پر زکوۃ 129
حاملہ اور مرضعہ خاتون کا روزہ 133
مزدور کا روزہ 134
ایک مجلس کی تین طلاق 137
دو گواہوں کی غیر موجودگی میں طلاق کا حکم 142
بیوی پر ہاتھ اٹھانا 145
لونڈی کا ستر: فقہاء کی نظر میں 146
خواتین کا اپنے بالوں کو کاٹنا 148
حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور لونڈی کی چھان پھٹک کرنے کے آثار 149
سجدہ تلاوت کا طریق کار 150

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سماجی اور انسانی علوم 152
جاہلیت قدیمہ اور جدیدیت 152
باب پنجم: سیرت اور تاریخ 153
خلافت وملوکیت از مولانا مودودی اور اصول تاریخ کی تنقیح 154
خلافت وملوکیت از سید مودودی کا اصل مسئلہ 154
خلافت سے ملوکیت تک 157
جماعت اسلامی کے جیالوں کی خدمت میں 159
نبوی خلافت اور اسلامی جمہوریت 161
خلافت کے بارے مروی چند روایات کی تحقیق 162
ملوکیت کے بارے مروی تین بنیادی احادیث کا مطالعہ 163
کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے؟ 165
کیا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ کی طرف سفر خروج تھا؟ 166
امیر معاویہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا تلبیہ پر اختلاف 169
خال المومنین کہنے کا حکم 171
انقلاب برپا کرنے کے لیے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کا منہج 172
سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر درود یا یزید پر لعنت 174
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایک دوسرے کو لعن طعن کرنا 177
عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا مناظرہ 179
مولانا عمار خان ناصر صاحب کے فالوورز کی خدمت میں 180
باب ششم: فلسفہ اور سائنس 183
فلسفے کی اہمیت 184
فلسفے کا رد 184
فلسفہ، سائنس اور مذہب 187
مذہب اور سائنس: الحاد سے ایمان کی طرف آنے کا رستہ 188
سائنس اور فلاسفی آف سائنس میں فرق 194
زمین اور نظام شمسی کی اوریجنل ویڈیو 195

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا زمین گول ہے؟ 196
قدیم اور جدید انسان کی تاریخ کا مذہبی اور سائنسی بیانیہ 198
علم الآثار (archaology) 199
2050ء میں دنیا کیسی ہو گی؟ 200
گوا تم بدھا کی فلاسفی 202
مقدمہ 205
باب ہفتم: مذہب اور ریاست 207
دین اور سیاست 208
مذہب اور ریاست 208
انسان اور مسلمان 211
کیا اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے؟ 213
کیا اسلامی ریاست کی اصطلاح استعمال کرنا غلط ہے؟ 215
حنفیت، اہلحدیثیت، غامدیت اور سیکولرازم: کرنے کا اصل کام 217
علم اور طاقت 219
داعش پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فکری اثرات 221
دہشت گردوں کے امام کی تلاش میں 223
مذہبی طبقات کی خدمت میں 225
طیب اردوغان کی صفائی مہم 226
یہ اچھی جمہوریت ہے! 227
ٹرمپ کو فتح مبارک ہو 228
جنت الحمقی اور جہیم العقلاء 228
باب ہشتم: لسانیات اور نفسیات 229
متن کے پیچھے 230
خاموشی اور اظہار 230
ہر بات 230
فیس بک لکھاری 230

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذہن کا مطالعہ 230
سنجیدگی اور مزاح 230
اردو املاء کے قواعد وضوابط 231
لفظ اور معنی کے باہمی تعلق کی نسبتیں 236
لفظ کے بارے تھیوریز 238
لفظ اور معنی: مذہب، ادب، لغت اور ذہن کے تناظر میں 239
مرد اور عورت: دانشوروں کی نظر میں 240
تحریر کی بلاغت 241
انگریزی اردو 242
عربی زبان میں بہتری کیسے لائی جائے؟ 244
اردو گالی: نفسیاتی، لسانی، معاشرتی اور مذہبی تناظر میں 246
اسلام میں حلال 249
قوم کے سیاسی لیڈر 250
لسانیات اور نفسیات 252
معاشرت اور نفسیات 252
جنسیات اور نفسیات 253
خوابوں کی دنیا 253
خوابوں کی اہمیت 254
خوابوں کی تعبیر 256
سفید اور سیاہ ہاتھی 257
خواب میں محرم سے مباشرت کرنا 259
دو خوابوں کی تعبیر 260
خواب میں چاند کا دیکھنا 261
میرے خواب 263
مراقبہ، تخلیہ روح اور حقیقت کا علم 265
مراقبہ، خواب، سائنس اور متوازی دنیا 267

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عاشقوں کی جنت 271
خاندانی الجھاؤ: فرائیڈ کی خدمت میں 272
چلڈرن سائیکالوجی 274
اینگری برڈ 275
مرغیاں 277
باب نہم: معاشرت اور معیشت 279
دعاء اور محبت 280
قطع تعلقی اور ناراضگی 280
فیس بک کا استعمال 280
فیس بک ایڈکشن 280
کرکٹ اور مووی 280
وقت کا ضیاع 281
اکتاہٹ اور تھکاوٹ 281
مشقت کی زندگی 281
گندگی کا ڈھیر 281
حجاب اور زینت 281
ٹائٹس کا فتنہ 282
ماں اور بیٹی 282
باپ اور اولاد 282
بیوی اور شوہر 282
بیوی کی دینداری 283
جذبات کی زبان 283
میاں بیوی کا تعلق 283
میاں بیوی کی کاؤنسلنگ 285
بیوی پر بلاوجہ کی ٹینشن نہ نکالیں 286
بیوی کے ساتھ زبردستی کرنا 288

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوی اور جنسی تشدد 290
میاں بیوی میں اورل سیکس 291
کنواروں اور کنواریوں کی خدمت میں 294
شادی کس سے کریں؟ 295
دیندار لڑکے سے شادی کا شوق رکھنے والی لڑکیوں کی خدمت میں 297
دوسری شادی: خیال یا وسوسہ 298
کورٹ میرج کے بارے ایک غلط فہمی 300
نکاح مسیار 301
عورت کی عدت کی حکمت 303
ایبنارمل بچے کا قتل کرنا 304
لڑکیوں کے مدارس میں ہوسٹل کی شرعی حیثیت 306
استخارہ 307
ساس، سسر کی خدمت 308
کیا ساس، سسر کی خدمت واجب ہے؟ 310
میڈم! مجھے لڑکے پسند ہیں 312
یونیورسٹی کلچر اور لڑکے لڑکیوں کی پاکیزہ دوستیاں 316
محبت اور شادی 319
محبت نیوز: کیمرہ وومین، شرم وحیاء کے ساتھ، عفیفہ شمسی 321
منہ بولی بہن 326
غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا 328
اجنبی عورت سے مصافحہ پر علامہ قرضاوی صاحب کا ایک فتوی 329
یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے! 331
والدین کی زیادتی 332
خوش رہنا سیکھیں! 334
دوست بنانے کا معیار 335
عورت کی مسجد کی نماز افضل ہے یا گھر میں؟ 337

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسجد اور کلچر 340
عورت: لوئر، مڈل اور ہائر کلاس میں 341
قبلہ رخ تھوکنا 342
امتحان، کھیل کود اور شاپنگ کی وجہ سے روزہ ترک کرنا 342
دین کی دعوت اور تبلیغ میں زکوۃ کی رقم خرچ کرنا 345
ویلنٹائن ڈے: ایک حیاء سوز تہوار 347
رسم ورواج کی اہمیت اور ضرورت 348
برکینی (Burkini) 350
غیر مسلموں کے حقوق اور ان سے تعلقات 351
پوپ فرانسس اور مسلمان علماء 352
یورپین کونسل برائے فتوی اور تحقیق 354
سی پیک معاہدہ: امکانات اور خدشات 355
ہالووین اور دین کیپٹلزم 357
اسلامی بینکاری 359
سودی بینکاری کے خاتمے کا آسان طریق کار 361
کریڈٹ کارڈ کی تبلیغ 362
بٹ کوائن (Bitcoin) 364
امام مسجد کا سرکار سے تنخواہ لینا 366
اسٹوڈنٹ کی کمائی 367
باب دہم: تعلیم اور تحقیق 369
مدرس اور معلم 370
گوگل: تحقیق کا بنیادی ترین مصدر 370
یونیورسٹی گریجویٹس کے لیے دینی تعلیم 370
دینی مدارس کے طلباء کے لیے ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی 372
بی۔ایس اسلامک اسٹڈیز کا پروگرام اور ایچ۔ای۔سی 374
مدارس کے طلباء اپنی صلاحیت کیسے بڑھائیں؟ 375

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدارس کے طلباء کے لیے کیریئر کاؤنسلنگ 377
ایجوٹینمنٹ (Edutainment) 378
یونیورسٹی میں تدریس 381
ماں بننے کی صلاحیت 384
یونیورسٹی میں بچیوں کی تعلیم 385
بچیوں کی اعلیٰ تعلیم: مسئلے کا حل 386
سیکس ایجوکیشن از ارشد جاوید 389
اچھا لکھاری 390
کتاب خرید کر مصنف سے تعاون کریں! 392
انٹرنیشنل امپیکٹ فیکٹر ریسرچ اور کمپیٹلزم 394
آکسفورڈ جرنل آف اسلامک اسٹڈیز 397
ہائر ایجوکیشن کمیشن کی تصدیق شدہ تحقیق 404
مقالہ جات کے سپروائزروں کی خدمت میں 407
یونیورسٹیوں کی درجہ بندی 408
انٹرنیشنل اسلامک ریسرچ سنٹر کا قیام 410
یونیورسٹیوں میں ٹی۔ٹی۔ایس پر ملازمت: ایک جائزہ 411
باب یازدہم: تزکیہ اور تصوف 416
انسان اور تزکیہ 417
انسان کی تقدیر 417
ضبط نفس (Self Control) 417
چھوٹی نیکی 418
موسیٰ اور خضر 418
آزمائش اور صبر 418
دعاء کی قبولیت 418
بڑا سانحہ 419
اندر کا انسان 419

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سچا انسان 419
تنہائی کا اقرار 419
صفائی اور گناہ 419
عورت کی محبت 419
اللہ کی محبت 420
یکسوئی 420
اسکرین کا فتنہ 420
فیس بک چھوڑ دو! 421
دنیا سے محبت 421
استاذ اور شاگرد 421
تنہائی اور خود نمائی 421
تسليف الصوفية وتصويف السلفية 421
رمضان اچھا کیسے گزاریں؟ 421
رمضان ٹرانسمیشن کا نام تبدیل ہونا چاہیے! 424
اعتکاف اور لیلۃ القدر 425
لیلۃ القدر میں دعاء 427
دعاء اور تقدیر 428
پروردگار کے سامنے مسلمانوں کی شکایتیں نہ لگاؤ! 429
عشرہ ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل 431
شب براءت: احادیث کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ 432
خیال کی لذت 433
گناہ کے خیال اور میلان سے بچنے کی تدابیر 435
گناہ کی عادت کو ترک کرنے کی تدابیر 436
نفس کو کنٹرول کیسے کیا جائے؟ 436
بھیڑیوں کا معاشرہ 438
شیطان کی چال 440

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قلب کا جاری ہونا 441
زندگی سے بیزاری 443
مصیبت اور نعمت کی آزمائش 445
مرنا کون سا آسان کام ہے! 447
ایمان کا سیکھنا 448
ایمان حاصل کرنے کے ذرائع 450
قرآن مجید کا اثر 451
عبادت میں دل نہیں لگتا! 453
عبادت اہم ہے یا خدمت؟ 454
وہ ہم میں سے نہیں ہے! 455
ایک ہی شخص میں جنت اور جہنم والے اعمال کا جمع ہونا 457
جنت میں داخل کرنے والے اعمال: مسلک پرستوں اور مسلک بیزاروں کے لیے 458
ہلاک ہونے والوں کی خدمت میں 460
پوسٹ ڈیلیٹ کرنا 461
میسنجر انباکس 463
مدرسے کا طالب علم 464
فحش گفتگو 465
علمائے اہل حدیث کا ذوق تصوف 466
علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کا ایک صوفی سے مباہلہ 472
2014ء کی قابل ذکر نعمت 473
ترجمہ قرآن کلاس کا آغاز 474
پیغام ٹی۔وی پر تعمیر کردار کا پروگرام 475
جزاک اللہ خیرا 476
مقدمہ 478
باب دوازدہم: فنون لطیفہ اور اسلام 481
محبت کی خواہش 482

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹائم لائن سے ہوم تک 482
خواتین ناول نگار اور مذہبی رومانویت 482
اسلام کی تبلیغ میں تفریحی ادب کا استعمال 483
تصویر کا مسئلہ 484
موویز اور فلمیں دیکھنا 486
حضرت یوسف علیہ السلام پر فلم بنانا اور اس کا دیکھنا 488
فلم اور ڈرامہ انڈسٹری اور کرنے کا کام 489
مووی اور فلم بنانا 490
بلین ڈالرز بیوٹی انڈسٹری 492
قرآن اور شاعر 493
کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شاعرانہ ذوق رکھتے تھے؟ 496
قرآن مجید شعر ہے یا نثر؟ 497
صدر اسلام میں شاعری 499
میر و غالب کی شاعری 502
شاعری کیا ہے؟ 504
کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟ 506
قاری حنیف ڈار صاحب اور موسیقی 507
احادیث اور موسیقی 509
موسیقی: صحابہ اور تابعین کی نظر میں 509
موسیقی: مذاہب اربعہ اور مسالک ثلاثہ کا موقف 511
اسلامی میوزک 512
اردو کے بہترین ناول 513
جانگلوس از شوکت صدیقی: ایک تنقیدی مطالعہ 514
جنت کی تلاش از رحیم گل 519
آل پاکستان ڈیکلامیشن کانٹیسٹ 520
اہلیہ کے نام محبت کا خط 522

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عشق کیا ہے؟ 523
فن تعمیر کی شرعی حیثیت 524
لڈو کھیلنے کا شرعی حکم 526
فیس بک ایک مایا جال ہے! 528
فیس بک استعمال کرنا چھوڑ دیں! 528
باب سیزدہم: امن اور جنگ 531
جذبہ شہادت 532
شکوہ اور جواب شکوہ 532
حلب کی بربادی 532
حلب جل رہا ہے! 533
حلب پر پوسٹیں لگانے کا فائدہ کیا ہے؟ 533
جہاد کے معانی کی تجدید 534
جہاد کا معنی اور مفہوم 535
مذہبی، سیاسی اور ریاستی دہشت گردی 537
غیر مسلموں کے حقوق اور ان سے تعلقات 539
پوپ فرانسس اور مسلمان علماء 540
کشمیر کا جہاد 542
غزوہ ہند کے بارے احادیث 544
مسلمانوں کے مسائل کا حل: دعوت و تبلیغ یا جنگ و جدال 545
جنگجو مسلمانوں کی خدمت میں 547
مستقبل کی سپر پاور 548
دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف جنگ کے نتائج 549
مسلمان اور یہودی 551
تحریک آزادی اور روہنگیا 551
باب چہاردہم: اعلام اور شخصیات 552
والدہ محترمہ 554

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ 555
سید ابو الاعلی مودودی رحمہ اللہ 557
مولانا تقی عثمانی صاحب کا تبصرہ کتاب 559
تین بڑے آدمی 560
احمد جاوید صاحب 561
استاذ حامد کمال الدین 562
استاذ ادریس آزاد 563
استاذ نعمان علی خان 563
اعلی حضرت کی فقہی بصیرت 567
فاضل بریلوی اعلی حضرت کو رحمہ اللہ کہنا 567
ڈاکٹر خضر یاسین صاحب کی تکفیری مہم 570
قرآن مجید کا ترجمہ، خلاصہ اور تفسیر حرام ہے؟ 571
مولانا امجد عباس صاحب 572
ڈاکٹر اثر الاسلام سید 574
ڈاکٹر شبیر احمد اور انکار حدیث 575
قاری حنیف ڈار صاحب کے انکشافات 577
مذہبی دکان 579
امام بخاری رحمہ اللہ اور پروفیسر طفیل ہاشمی صاحب 580
پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی صاحب کے ساتھ 581
خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب 582
مولانا عمار خان ناصر صاحب کی خدمت میں 584
محمد حسن الیاس صاحب کی خدمت میں 585
انجینئر محمد علی مرزا صاحب کی ایک ویڈیو پر تبصرہ 587
مدرسہ سے ہارورڈ تک 590
ناقدین کی خدمت میں 593
اتفاق اور اختلاف 594

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب پانزدہم: مسالک اور جماعتیں 596
میرا کوئی مسلک نہیں ہے! 597
تعبیر دین کا اختلاف 597
اخوان الصفا 597
تنقید کے اصول اور آداب 599
بغض اور تکفیر 600
لبرل ازم اور انتہا پسندی 601
شیعہ مجالس کی حالت زار 602
مکتب اہل بیت سے وابستہ حضرات 603
صفویت کیا ہے؟ 604
شیخین کو گالی دینے کا حکم 606
غدیر خم کا واقعہ 607
واقعہ فدک کی حقیقت 610
فدک کے مسئلہ میں السیدۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی ناراضگی 611
انبیاء کی وراثت کے بارے اہل بیت اور ازواج مطہرات کا موقف 613
اہل بیت اور اہل بیعت کی باہمی محبت 615
کیا اہل بیت میں ازواج مطہرات شامل ہیں؟ 616
نکاح متعہ اور آل بیت 617
متعہ کے جواز کے دلائل 618
کیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ امام جعفر الصادق رحمہ اللہ کے شاگرد تھے؟ 620
اعلی حضرت کی مسلمان امت کی تکفیر میں خدمات 622
اعلی حضرت اور سنیوں اور بریلیوں کی تکفیر 624
وہابیوں، دیوبندیوں اور غیر مقلدین کا خدا 625
اتحاد امت اور تکفیری سوچ 626
بریلویت کے اصل امام 628
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت 629

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توہین رسالت کا قانون اور سزا 630
فرقہ اہل حدیث اور فکر اہل حدیث 633
اہل حدیث کا ذوق عبادت 634
سلفیہ اور اہل الحدیث 636
سلفیوں کی خدمت میں 637
سلفی تند خو ہیں یا نرم مزاج 640
اکیسویں صدی میں امت مسلمہ کی امامت 641
فکری اہل حدیث 642
مسلک سے براءت نہیں، مسلک کی اصلاح 644
تنظیم سازی اور جماعتیں بنانے کی شرعی حیثیت 646
جماعتی زندگی اختیار کیجیے! 648
فرد اور جماعت 648
جماعت کی طبعی عمر 649
دین کا دعوتی ماڈل، انقلابی ماڈل اور جہادی ماڈل 649
دھرنے سے خروج تک 651
دعوتی یا تبلیغی جماعت کیسی ہونی چاہیے؟ 654
دیوبند کی تبلیغی جماعت کا نصاب دعوت و تربیت 655
تبلیغی جماعت کے بڑوں کی خدمت میں 657
اہل حدیثوں میں دعوتی کام 657
ملی مسلم لیگ 659
ملی مسلم لیگ کا نیا پاکستان 661
حزب التحریر اور اجتہاد تبنی کی بدعت 665
حزب التحریر اور اجتہاد تبنی کی دلیل 674
حزب التحریر: افکار و نظریات 675
حزب التحریر کے جیالوں کی خدمت میں 678
تنظیم اسلامی کا اجتماع 680

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، صوفی، سلفی اور تحریکی کی خدمت میں 681
اہل حدیث میں اختلاف 682
اہل حدیث کو احناف سے اختلاف کیا ہے؟ 684
احناف اور اہل حدیث کی خدمت میں 686
مسلک پرستی کا فتنہ 690
فکر فراہی کے پانچ طبقات 693
مکتب غامدی اور بھولے بادشاہ 694
مغرب زدہ 695
اسلام اور ٹیکنالوجی 697
کیا فیس بک آلہ تبلیغ ہے؟ 699
دینی صحافت کا ایک بہترین مجلہ 701
درود ابراہیمی: امت کے حق میں بہترین دعا 702
باب شانزدہم: طنز و مزاح 704
ہنسنا منع ہے! 705
مثبت اور منفی ذہن 708
فراغت کا فتنہ 708
خواتین اور چوہے 708
کیا جنت میں حوریں ملیں گی؟ 709
بیویاں 709
فیس بک پر ان ایکٹو فرینڈز کو ان فرینڈ کرنا 710
ٹھیکدار 712
قومی صفات 713
بدمعاش کلاس 715
باب ہفدہم: حجیت حدیث اور انکار حدیث 718
قرآن مجید کی روایات 719
قرآن مجید کی حفاظت کا اصل ذریعہ کتابت یا حفظ؟ 721

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب وسنت کا باہمی تعلق 723
سنت اور حدیث میں فرق 725
تواتر عملی کی سند کہاں ہے؟ 727
کیا اللہ کا دین صحیح اور ضعیف ہو سکتا ہے؟ 728
عہد نبوی اور عہد صحابہ میں احادیث کی کتابت 730
امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا حجیت احادیث اور آثار صحابہ کے بارے موقف 732
خبر واحد سے دین کا قطعی علم ثابت ہوتا ہے 733
حدیث سے ثابت شدہ عقیدہ قطعی ہے یا ظنی؟ 742
حدیث کی درایتی تحقیق 744
ایک ملحد سے احادیث کے معانی پر مکالمہ 746
منکرین حدیث کی شطحیات 747
احادیث کے بارے قاری حنیف ڈار صاحب کے مغالطے 749
امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ محدثین، مفسرین اور فقہاء کی نظر میں 751
کتب احادیث میں شیعہ راویوں سے روایت 754
انکارِ حدیث کیا ہے؟ 756
صحیح بخاری کے قلمی نسخے 756
صحیح بخاری کا قدیم ترین نسخہ 758
امام بخاری سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر بغض رکھنے والوں کی خدمت میں 760
صحیح بخاری کا مقام علمائے دیوبند کی نظر میں 760
کیا صحیح بخاری منزل من اللہ ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہیں؟ 761
نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر 763
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر پر تحقیقی نظر از سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ 764
حدیثوں پر غیرت اور ان کا انکار 766
لڑکی کی رضامندی کی قانونی عمر 767
شکریہ قاری حنیف ڈار صاحب 768
بکری کے قرآن مجید کی آیات کھا جانے کی روایت 769

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضاعت کبیر کے بارے روایات کی صحت 770
غزوہ احد میں اللہ کے رسول ﷺ کے دندان مبارک کا شہید ہونا 772
قاری حنیف ڈار صاحب پرویزی فکر کے نقش قدم پر 774
قاری حنیف ڈار صاحب اور محدثین کرام کے منہج کا فرق 775
غامدی صاحب اور انکار حدیث 777
چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹی سے شادی 778
آتش نمرود اور پرویزی فکر 781
خلاصہ کلام 782

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

موضوع کا تعارف

یہ کتاب دراصل مدارس سے فارغ التحصیل نوجوان محققین کے لیے مرتب کی گئی ہے اور اس کا مقصد مکالمہ کے اصول سکھلانا ہے کہ استدلال کیسے کرنا ہے؟ جن محققین کو اس کتاب میں پیش کیے گئے نتائج فکر و تحقیق سے اتفاق ہو تو ان کے لیے تو یہ مفید ہے ہی لیکن جنہیں نتائج سے اتفاق نہ بھی ہو تو اگر وہ ذہین ہوئے تو اس کتاب کے مطالعے سے ان میں استدلال کرنے کی صلاحیت پروان چڑھے گی جیسا کہ ابن رشد کی کتاب "بدایۃ المجتھد" کا مقصد بھی ہے لیکن وہ فقہی کتاب ہے جبکہ یہ فکری تصنیف ہے۔

استاذ محترم نے ایک مرتبہ راقم کا ایک مضمون دیکھا جو کہ نزول عیسی ابن مریم علیہ السلام پر تھا تو فرمانے لگے کہ لوگ بلاغت صرف پڑھتے ہیں اور تم نے اس کا استعمال بھی سیکھ لیا ہے۔ وہ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ علوم پڑھنے پڑھانے والے تو بہت ہیں بلکہ درس نظامی کی درسی کتب کے حفاظ بھی مل جائیں گے لیکن ان کی تطبیق کرنے والے نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ان کا کہنا یہ بھی تھا کہ اصول فقہ پڑھنے کے لیے دو سال چاہییں اور اس کی تطبیق کے لیے بیس سال کی ضرورت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ درس نظامی کے علوم و فنون کا، استدلال و استنباط میں استعمال، نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے۔ منطق کے حفاظ بھی روز مرہ مکالمے میں اس کے استعمال اور تطبیق کی تربیت نہیں رکھتے ہیں۔ تو اس کتاب کا ایک بڑا مقصد یہ ہے کہ روایتی علوم و فنون کی بنیادی مصطلحات اور ان کی تطبیق کی روشنی میں اپنے موقف کو ثابت کرنے کی تربیت پائی جائے۔

تالیف کا پس منظر اور مقصد

راقم کی یہ کوشش رہی ہے کہ روزانہ فیس پر کسی علمی، تحقیقی اور فکری مسئلے میں کوئی مختصر تحریر شیئر کر دی جائے۔ اس طرح تین سال کے عرصے میں کافی ساری تحریریں جمع ہو گئیں کہ جن میں سے اکثر تحریریں مختلف دوستوں کے سوالات کے جوابات میں تھیں۔ ان میں سے اکثر موضوعات اس قابل تھے کہ انہیں کتابی صورت دی جاتی تو ان تحریروں میں سے منتخب تحریروں کی تہذیب و تنقیح کے بعد انہیں "مکالمہ" کے عنوان سے اس کتاب کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض دوستوں نے اس بات کا ذکر کیا کہ وہ میری فیس بک تحریریں کاپی کر کے اپنے پاس کمپیوٹر یا لیپ ٹاپ وغیرہ میں محفوظ کر لیتے ہیں کہ وہ انہیں اچھی لگتی ہیں اور وہ دوسروں کو بھی فارورڈ کرتے رہتے ہیں۔ تو اس سے یہ احساس پیدا ہوا کہ خود سے ہی ان تحریروں کو جمع کر کے ایک کتابی صورت دے دی جائے۔ پھر یہ بھی ہوا کہ بعض ویب سائیٹس مثلاً "دلیل" وغیرہ پر بعض تحریریں کالموں کی صورت میں جب شائع ہوئیں تو بعض کالموں کے ویورز کی تعداد پچاس ہزار کو بھی پہنچ گئی اور ان کو شیئر کرنے والوں کی تعداد ہزاروں میں ہو گئی۔ تو اس سے بھی توجہ ہوئی کہ کچھ تحریروں میں جان ہے اور موضوع بھی اہم اور وقت کی ضرورت ہے لہذا انہیں شائع ہو جانا چاہیے۔ پس اسی پس منظر میں یہ تحریریں کتابی صورت میں جمع کی گئی ہیں کہ شاید اس سے اس احساس کو بھی تقویت ملے کہ فیس بک پر سب فضول کام نہیں ہو رہا، یا صرف وقت ہی ضائع نہیں ہو رہا بلکہ کچھ نہ کچھ کام کی بات بھی ہو رہی ہے۔

یہ کتاب دراصل فیس بک پر موجود مختلف دوستوں سے مکالمے ہیں کہ جن میں کچھ ملحد تھے تو کچھ ماڈرنسٹ، کچھ منکرین حدیث تھے تو کچھ مقلد محض، کچھ مسلک پرست تھے تو کچھ مسلک بیزار، کچھ شاعر تھے تو کچھ صحافی وغیرہ۔ فیس بک پر بہت لوگ موجود ہیں بلکہ مفتیان کرام، شیوخ الحدیث، علماء، پروفیسرز، اساتذہ، طلباء، شعراء، ادباء، ڈاکٹرز، انجینئرز، لکھاریوں اور صحافیوں کی ایک بڑی تعداد تک موجود ہیں کہ فیس بک ایک چوراہا بن چکا ہے کہ جہاں ہر کوئی بیٹھا ہے لہذا سوشل میڈیا پر کافی علمی حلقے موجود ہیں جو آپس میں مکالمہ کر رہے ہیں۔ میرے ساتھ فیس بک پر علماء، مفتیان، پروفیسرز، پی۔ایچ۔ڈی ڈاکٹرز، دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء اور یونیورسٹی گریجویٹس کی ایک بڑی تعداد ایڈ ہے لہذا بہت دفعہ علمی اور دلچسپ گفتگو رہتی ہے۔ اگرچہ یہ بات بھی درست ہے کہ فیس بک زیادہ تر وقت گزاری اور اپنی ذات کی ایڈورٹزمنٹ کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

کتاب کے مطالعہ کا طریق کار

کتاب کو دیکھنا اور ہے، پڑھنا کچھ اور، سمجھنا کچھ اور، اور ہضم کرنا کچھ اور۔ کتاب کو دیکھنا تو یہی ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ جیسے کتاب کا ٹائٹل دیکھ لیا، فہرست مضامین (content list) دیکھ لی، کوئی دو چار مقامات سے پڑھ کر بھی دیکھ لیا۔ بہر حال اس کا بھی بہت فائدہ ہے۔ اور نہ سہی تو کم از کم دوسروں پر بوقت ضرورت رعب ڈالا جا سکتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کتاب دیکھی ہے۔

اور ہر شخص میں ہر صلاحیت نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ کتابیں دیکھ سکتے ہیں، کچھ پڑھ بھی سکتے ہیں، کچھ سمجھ بھی لیتے ہیں اور کچھ ہضم کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہضم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ کتابوں میں بیان کیے گئے افکار اور باتیں اس قابل ہوتی ہیں کہ آپ ان کی جگالی کرتے رہیں، کبھی تقریر میں تو کبھی تحریر میں، یہاں تک کہ وہ آپ کے تحت الشعور کا حصہ بن جائیں۔

کچھ کتابیں دیکھنے کی ہوتی ہیں، کچھ پڑھنے کی، کچھ سمجھنے کی اور کچھ ہضم کرنے کی۔ تو بعض کتابیں اسی لائق ہوتی ہیں کہ انہیں صرف دیکھا ہی جائے کہ انہیں پڑھنا وقت کا ضیاع ہی شمار ہوتا ہے۔ اردو بازار سے آج کل پبلش ہونے والی اکثر کتابوں کی صورت حال یہی ہے کہ وہ صرف ایک نظر دیکھنے کے لائق ہیں۔ تو ہر کتاب کو پڑھنے بیٹھ جانا بھی ایک قسم کی بے وقوفی ہے۔

سب سے پہلے آپ کسی کتاب کی فہرستِ مضامین دیکھیں اور جو عناوین آپ کو اپنی دلچسپی کے معلوم ہوں تو انہیں متعلقہ صفحہ پر جا کر پڑھنا شروع کر دیں۔ اس طرح آپ اس کتاب کے پانچ سات مقامات پڑھ لیں۔ اسی سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ آپ کو وہ کتاب دیکھنی ہے، پڑھنی ہے، سمجھنی ہے یا ہضم کرنی ہے یا وہ کتاب آپ کے مطلب کی ہے بھی یا نہیں۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ کتاب اگر ایک سے زائد موضوعات پر مشتمل ہو جیسا کہ ہماری کتاب بھی ایسی ہی ہے تو اس کتاب میں سب کچھ ریڈر کی دلچسپی کا نہیں ہوتا لہذا ریڈر کو چاہیے کہ پہلے ان موضوعات کا مطالعہ کر لے جو اس کی دلچسپی کے ہوں یا جن پر اس کا پہلے سے کچھ مطالعہ ہو یا جو اس کے مزاج سے مناسبت رکھتے ہوں یا جو اس کی ذہنی سطح کے قریب کے ہوں۔

اسی طرح کتاب پڑھنا ایک مزاج ہے، جو ہر کسی میں نہیں پایا جاتا۔ کچھ لوگ پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں اور کچھ سننے کے۔ جس کی بک ریڈنگ کی عادت ہو، اسے لیکچر سننا اور دیکھنا مشکل لگتا ہے۔ اور جس کا لیکچر سننے اور دیکھنے کا مزاج ہو تو سے کتاب پڑھنی مشکل لگتی ہے۔ یہ کوئی ہارڈ اینڈ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فاسٹ رُول نہیں ہے لیکن عام طور ایسے ہی ہوتا ہے کہ کوئی ایک مزاج بن جاتا ہے؛ پڑھنے کا یا پھر سننے کا لہٰذا دوسرا کام مشکل لگتا ہے۔

منہج بحث و تحقیق

اس کتاب میں ہم نے جان بوجھ کر کوشش کی ہے کہ تفصیلی حوالہ جات نقل نہ کیے جائیں اور مختصر ترین حوالہ پر اکتفاء کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک فکری کتاب ہے کہ جس کا مقصد فکری ذوق کی بیداری اور اس کی تربیت کرنا ہے۔ تحقیقی کتاب کا مزاج بہت مختلف ہوتا ہے کہ جس میں حوالہ جات اور ریفرنسز کو بہت اہمیت حاصل ہوتی ہے اور ریڈر انہی میں ہی کھویا رہتا ہے۔ اور اب ہمارے ہاں بدقسمتی سے تحقیق کے نام پر اس قدر تکلف جاری ہے کہ تحقیق محض چند رسمیات کی پیروی کا نام بن کر رہ گیا ہے اور تحقیق برائے تحقیق سے فکری ذوق اور تخلیقی صلاحیتیں مرتی چلی جا رہی ہیں۔ اور کسی مقالے کی تحقیق کے معیاری ہونے کا پیمانہ یہ بن چکا ہے کہ اس میں کتنے حوالے لگائے ہیں اور کیسے لگائے گئے ہیں۔

تو ایسے میں جبکہ تخلیق تو بالکل جیسے مر چکی ہو، اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ فکری ذوق کو دوبارہ بیدار کیا جانا چاہیے۔ اور اس کے لیے کوئی ایسا ٹیکسٹ مرتب کرنا چاہیے کہ جس میں ریڈر کا زیادہ زور حوالے گننے اور دیکھنے کی بجائے متن کے فہم اور تجزیے پر ہو۔ تو اگر اس کتاب میں پیش کیے گئے افکار اور نظریات میں جان ہو گی تو حوالوں کا کیا ہے، وہ تو بعد والے بھی لگا دیں گے کہ مستقبل بعید میں کوئی ایم۔فل یا پی۔ایچ۔ڈی کا بے کار سا اسٹوڈنٹ اسے مخطوطہ (manuscript) سمجھ کر اس کی تخریج و تحقیق کر دے گا۔ اور اگر اس کتاب کے افکار اور نظریات ہی مردہ ہوں گے تو انہیں حوالوں کی بیساکھیوں سے کھڑا کرنے کی کوشش کرنا وقت کا ضیاع ہو گا۔

یہ کتابوں تین جلدوں پر مشتمل ہے کہ جس کی پہلی جلد اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ پہلی جلد میں چھ ابواب کو شامل کیا گیا ہے جو وجود اور علم، الحاد اور ایمان، توحید اور شرک، روایت اور جدیدیت، سیرت اور تاریخ اور فلسفہ اور سائنس کے موضوعات پر مشتمل ہیں۔ دوسری جلد میں بھی چھ ابواب ہیں جو مذہب اور ریاست، لسانیات اور نفسیات، معاشرت اور معیشت، تعلیم اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحقیق، تصوف اور تزکیہ اور فنون لطیفہ کے موضوعات کے بارے بحث کر رہے ہیں۔ اور تیسری جلد میں پانچ ابواب ہیں جو امن اور جنگ، اعلام اور شخصیات، مسالک اور جماعتیں، طنز و مزاح اور انکار حدیث کے موضوعات کو شامل ہیں۔

اظہارِ تشکر

میں سب سے پہلے اپنے ان دوستوں کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے فیس بک پر میری تحریروں پر مثبت انداز میں کمنٹس کی صورت میں نقد کی کہ اس نقد کی وجہ سے مجھے بہت سے مقامات کی تصحیح یا مزید وضاحت کا موقع ملا۔ اور اس طرح ایک کتاب اپنی اشاعت سے پہلے ہی ایویلیوایشن کے مرحلے سے بخوبی گزر گئی کہ جس سے بلاشبہ اس کی بہت سی خامیاں اور کوتاہیاں دور ہو گئی ہوں گی۔ اس کتاب میں بعض دوستوں کے قیمتی کمنٹس کو بھی شامل کیا گیا ہے تاکہ بات میں مزید نکھار پیدا ہو۔

میں اپنے شاگرد سلال احمد کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ میں معاونت فرمائی۔ اور اپنی اہلیہ محترمہ کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں نہ صرف مفید مشوروں سے نوازا بلکہ اس کی اشاعت کے لیے بھاری رقم بھی بطور قرض جاری فرمائی۔

رہی یہ بات کہ قرض لے کر کتاب شائع کرنا کیا صحیح طرز عمل ہے؟ تو بات یہ ہے کہ شروع شروع میں مجھے اپنی کتاب شائع کرنے کا بہت شوق تھا، میں بھی مصنف بننا چاہتا تھا، اپنے ساتھ مولف کا ٹیگ لگانا چاہتا تھا، یہ بھی چاہتا تھا کہ لوگ میری تحقیق پر مجھے داد دیں وغیرہ۔ پھر جب دو چار کتابیں شائع ہو گئیں، انہیں خوب پذیرائی بھی مل گئی، دادِ تحقیق بھی وصول ہو گئی تو یہ خواہش جاتی رہی۔ اب تو ایک کتاب تکمیل کے بعد سال بھر پڑی رہتی ہے اور کبھی سوچتا ہوں کہ شائع کروا دوں کہ نظریات اور افکار کی اصلاح بھی دعوت و جہاد ہی کی ایک صورت ہے۔ اور کبھی سوچتا ہوں کہ اتنا کچھ تو شائع ہو رہا ہے، مزید کی کیا ضرورت ہے؟ پس اسی گومگو کی کیفیت میں کبھی کوئی کیفیت غالب ہوئی تو کتاب پبلشر کے پاس پہنچ جاتی ہے۔ یہ بات مستقبل کے مصنفین کے لیے عرض کر دی ہے کہ اگر لوگوں میں علم بانٹنے کا شوق ہے تو اس پر پیسے بھی اپنے ہی لگانے پڑیں گے۔

ابو الحسن علوی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب اول

وجود اور علم

اس باب میں وجود اور علم (Being and Knowledge) کے بارے بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجود اور علم

وجود کے بارے ہر سوال کے جواب کی تقدیر یہ ہے کہ وہ علم سے دیا جائے لہذا "وجود کیا ہے؟" کا سوال ایک لغو اور بے معنی سوال ہے۔ انسان اگر اس سوال کا جواب دے بھی دے تو اس کے جواب کی حقیقت یہ ہے کہ وجود کے بارے اس کا علم کیا ہے؟ یعنی "علم الوجود کیا ہے؟"۔ تو اصل سوال کہ جسے حل کرنا انسان کی ترجیح میں ہو سکتا ہے، "علم" کا ہے نہ کہ "وجود" کا۔

خدا کی محدودیت

کچھ وجودیوں کا دعوی ہے کہ دوسرا وجود مان لینے سے خدا محدود ہو جائے گا، ان سے کوئی یہ پوچھے کہ یہ خیال کہ دوسرا وجود مان لینے سے خدا محدود ہو جائے گا، خود خدا کا ہے یا اس کے غیر کا؟

حادث کی علت

کچھ وجودیوں کا دعوی ہے کہ علت (cause) اگر قدیم ہے تو معلول (effect) بھی قدیم ہو گا کہ یہ دونوں ایک ساتھ واقع ہوتے ہیں لہذا خالق اور مخلوق دونوں کا وجود ایک ہی ہے ورنہ تو دونوں "قدیم" قرار پائیں گے۔

کاش! انہیں کوئی علت کے بالقوۃ (potentially) قدیم ہونے اور بالفعل (actually) حادث ہونے کا فرق سمجھا دے۔ مخلوق کی علت، صفت خلق ہے۔ اور یہ صفت قدیم بھی ہے اور حادث بھی یعنی بالقوۃ قدیم ہے اور بالفعل حادث ہے۔

دوسرا یہ کہ صفت خلق کو بالفعل قدیم بھی مان لیا جائے تو بھی خالق سے مشابہت لازم نہیں آتی کہ کسی شیء کے ازلی (eternal) ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ازل میں تھی بلکہ یہ ہے کہ وہ ازل سے اب تک موجود ہے۔ اور یہ دعوی کسی مخلوق کے حق میں ثابت نہیں ہے۔ تو قدیم وہ ہے جو کہ ازل سے اب تک ہے اور حادث وہ ہے جو ایک خاص وقت میں ہے۔

وجود کا ادراک

بعض سائنسدانوں اور صوفیوں کا مذہب ہے کہ مادہ (matter) نام کی کوئی شیء موجود نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، جو ہے وہ محض ہمارا ادراک (perception) ہے، یہی مشرکین مکہ کا عقیدہ تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ (14) لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ﴾ [الحجر: 15]

"اور اگر ہم ان پر آسمان کا ایک دروازہ کھول دیں اور وہ اس میں چڑھنے لگیں تو لازماً یہ کہیں گے کہ ہماری آنکھیں باندھ دی گئی ہیں بلکہ ہم ایک ایسی قوم ہیں کہ ہم پر جادو کر دیا گیا۔"

موجود کون؟

شیخ ابن عربی کے مداحوں میں سے کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ معبود موجود ہے، عابد نہیں۔۔۔ خالق موجود ہے، مخلوق نہیں۔۔۔ غفار موجود ہے، مغفور نہیں۔۔۔ رب العالمین موجود ہے، عالمین نہیں۔۔۔۔

علم الاعتبار اور علم التفسیر

"اعتبار" وہی ہے جو ذہن میں ہو اور جس کا اظہار ہو جائے، وہ اعتبار کہاں؟ وہ تو تفسیر ہے بھائی، تفسیر۔ اور اعتبار، لفظ کو سیاق و سباق (context) سے کاٹ دینے کا نام ہے نہ کہ اصل معنی سے کٹ جانے کا، یہ بات ہمیں ان عامل سلفیوں نے سمجھائی ہے جو جھاڑ پھونک کے لیے قرآنی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔

وحدت الوجود کی مختلف تعبیرات

وحدت الوجود کے بارے بعض حنفی علماء نے وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد مخلوق کا نہ ہونا نہیں بلکہ نہ ہونے کے برابر ہونے جیسا ہے۔ اور یہ بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے کہ اگر آپ وحدت الوجود سے مراد یہ لیتے ہیں کہ مخلوق کی حقیقت "مثل معدوم" ہے تو وحدت الوجود کی اس تعبیر پر بدعت یا کفر یا شرک کا فتوی نہیں لگ سکتا اور نہ ہی لگانا چاہیے بلکہ یہ توحید کی کیفیات میں سے ایک کیفیت ہے جو سالک پر کبھی کبھار طاری ہو جاتی ہے اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "مجموع الفتاوی" میں یہی بات نقل کی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن اگر وحدت الوجود سے آپ کی مراد یہ ہے کہ مخلوق کی حقیقت "کالمعدوم" ہے تو یہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، سلفیہ اور اہل حدیث کے نزدیک بڑی گمراہی ہے کہ مخلوق کے وجود کی حقیقت کو "اعیان ثابتہ" قرار دے کر خالق اور مخلوق کے "اتحاد" کا رستہ ہموار کرنا ہے کہ صفت علم موصوف سے جدا نہیں ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وحدت الوجود کی ہر تعبیر کا حکم ایک نہیں ہے، کچھ توحید کی کیفیات میں سے ہیں اور کچھ کفر و شرک ہیں۔

نظریہ ارتقا، نظریہ وحدت الوجود اور نظریہ تخلیق

کلاسیکل فلاسفی اور ماڈرن سائنس میں "وجود" کی بحث میں ایک تو قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں میں ایک سلسلہ مراتب (hierarchy) قائم کیا جاتا ہے۔ اور دوسری قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں میں حرکت عمودی ہے، اگرچہ بعض وجودیوں نے اسے دائروی (circular) بھی قرار دیا ہے لیکن اس کے باوجود اس کی اصل ان کے ہاں بھی عمودی نزولی (downward) ہی رہتی ہے اور اس کے دائروی ہی ہونے پر اصرار "دائرے" کی اصل سے ناواقفیت کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

ارتقاء میں یہ حرکت صعودی (upward) ہے کہ حاضر سے غیب کی جانب سفر کیا گیا ہے اور اسے سائنسی طریقہ قرار دیا گیا۔ اور اس کا نتیجہ خدا کے انکار کی صورت میں سائنسی تحقیق کے نام سے ہمارے ہاتھوں میں تھمانے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ ارتقاء پسند دہریوں نے غیب میں صرف قوانین فطرت (laws of nature) کا اقرار کیا ہے اور انہی اندھے بہرے قوانین کو ہی اس کائنات کا خالق حقیقی بھی قرار دیا ہے۔ ارتقاء کی تھیوری پر ایمان رکھنے والوں کی دلیل کی ساخت کا اگر منصفانہ تجزیہ کیا جائے تو یہ اپنی اصل میں سائنسی اپروچ کی بجائے اعتقادی اسلوب (dogmatic approach) کی حامل ہے۔

البتہ وجودیوں کے ہاں حرکت نزولی (downward) ہے اور انہوں نے غیب سے حاضر تک کا سفر کیا ہے۔ اور مخلوق کے وجود کے انکار اور خالق کے وجود کو وجود مطلق (absolute being) ثابت کرنے کو کبھی عقل و منطق اور کبھی کشف و وجدان کے نام سے مسلمانوں کے عقائد کی فہرست میں داخل کرنے کی بھونڈی کوشش کی گئی ہے۔ وحدت الوجود کو ثابت کرنے کے لیے جو تحقیقی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلوب اختیار کیا گیا، بعض نے اسے فلسفیانہ اور بعض نے کشفی طریق کار قرار دیا حالانکہ اس طریق کار کا منصفانہ جائزہ یہ بتلاتا ہے کہ یہ نہ تو فلسفیانہ اپیروچ ہے کہ اس میں مذہبی اثر واضح طور موجود ہے اور نہ ہی کشفی ہے کہ ان کا کشف آپس میں بھی نہ صرف مختلف فیہ ہے بلکہ ایک دوسرے کے انکار کی بنیاد پر کھڑا ہے بلکہ امر واقعہ میں یہ اپیروچ اپنی ساخت میں سوفسطائی (sophistic) ہے۔

ارتقاء کے نظریے کو منضبط صورت میں پیش کرنے والا بھی ایک عیسائی پادری تھا اور وحدت الوجود کے نظریے کو مرتب کرنے والا بھی عیسائی صوفی تھا۔ ڈارون پادریوں اور علماء میں ارتقا کی تھیوری اور اس کی متعدد تشریحات (versions) کی مقبولیت کا باعث بنا تو فلاطینوس صوفیوں اور زاہدوں میں وحدت الوجود پر ایمان کا ذریعہ بنا۔ جتنا ارتقا پسند دہریے غیب پر ایمان لاتے ہیں، وجودی اسی قدر حاضر کو مانتے ہیں۔

ارتقائیت حاضر میں ہی رہی اور غیب کی معرفت حاصل نہ کر سکی اور وجودیت غیب میں رہی اور حاضر کا مشاہدہ نہ کر سکی۔ اور عدل ان دونوں انتہاؤں کے مابین ہے کہ خالق اور مخلوق دونوں کا وجود "حق" ہے کہ وجود تو اپنی پہچان ہی وجودِ مخالف سے حاصل کرتا ہے۔ اگر مخالف وجود نہ ہو گا تو اپنی معرفت بھی حاصل نہ ہو گی کہ سب معرفتیں "من وتو" کی بنیاد پر قائم ہیں۔ ارتقائیت اور وجودیت کی مثال قطبین (poles) کی سی ہے کہ اپنی ذات میں تو ایک انتہا ہیں لیکن نقطہ عدل کو سمجھنے میں ان کی اہمیت مسلم ہے۔ یہ نقطہ عدل فقہا اور محدثین کا نظریہ تخلیق ہے کہ جو قصہ آدم اور حوا علیہما السلام کی صورت میں کتاب وسنت میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

"نظریہ ارتقا" اور "نظریہ وحدت الوجود" دو ورلڈ ویو (world view) ہیں، جو کتاب وسنت کے "نظریہ تخلیق" کے ورلڈ ویو کے متبادل کے طور پیش کیے گئے اور دونوں کو پیش کرنے والے عیسائی ہیں۔ پہلا احسان ایک عیسائی پادری کا ہے اور دوسرا عیسائی صوفی کا۔ پہلے کا نام ڈارون ہے اور دوسرے کا فلاطینوس۔ پس ارتقا (Theory of Evolution) اور وحدت الوجود (Theory of the Unity of Being) الحاد کے ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں کہ دونوں نظریہ تخلیق کے منکر ہیں۔ ارتقا پسندوں نے تخلیق کو اندھے بہرے قوانین اور مادے کا فعل قرار دیا تو وجودیوں نے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"تخلیق" کو "تقدیر" کا معنی دے کر اللہ کے خالق حقیقی ہونے کا انکار کر دیا۔

وجود باری تعالی

عظیم فلسفی ابن سینا کا کہنا ہے کہ انہوں نے طب کے مطالعہ کے بعد فلسفے کا مطالعہ شروع کیا اور ارسطو کو پڑھنا شروع کیا تو اس کی ایک تحریر کا چالیس بار مطالعہ کیا تو بھی کچھ پلے نہ پڑا کہ ارسطو کہنا کیا چاہتا ہے؟ یہاں تک کہ اسے ارسطو کی تحریر کی شرح میں فارابی کی ایک تحریر ملی تو اس وقت انہیں ارسطو کچھ سمجھ آیا۔ اسی لیے میری سوچی سمجھی رائے یہی ہے کہ فلسفہ دراصل، ادب کی ایک شاخ ہے۔ ایک خاص اسلوب کلام ہے کہ جس سے آپ مانوس ہو جائیں اور اصطلاحات کی ایک لغت ہے کہ جس سے آپ واقف ہو جائیں تو آپ فلسفہ سمجھ جاتے ہیں۔

تو وحدت الوجود بھی ایک فلسفہ ہے۔ اتنی آسانی سے ذہن کی گرفت میں آنے والا نہیں کہ آپ اس کی تائید یا اس پر نقد شروع کر دیں۔ وحدت الوجود کے بارے ابن عربی کے نظریہ اور اس پر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی نقد کو وہی شخص صحیح طور سمجھ سکتا ہے کہ جو "وجود" کے بارے افلاطون، ارسطو، فلاطینوس، ابن سینا، شہاب الدین سہروردی اور ملا صدرا کے نظریات سے کسی قدر واقف ہو۔

صورت حال کچھ ایسی ہی ہے کہ جس طرح وحدت الوجود کی تائید کرنے والوں میں سے سو میں سے ننانوے نے براہ راست شیخ ابن عربی کو نہیں پڑھا اور نہ ہی ان کے عظیم ناقدین ابن تیمیہ اور علامہ تفتازانی رحمہما اللہ وغیرہ کو براہ راست پڑھا ہے۔ اسی طرح انکار کرنے والوں میں سے بھی سو میں سے ننانوے نے نہ تو شیخ ابن عربی کو بلا واسطہ پڑھا ہے اور نہ ہی ان کے عظیم ناقدین کا بلا واسطہ مطالعہ کیا ہے۔ دونوں طرف سے زیادہ تر حسن ظن اور سوئے ظن کے اصولوں سے کام چلایا جاتا رہا ہے۔

راقم نے تقریباً دو سال اس موضوع کا مطالعہ کیا۔ اس پر موید ین اور منکرین کی دو صد کتب جمع کیں۔ اب جا کر معلوم ہوتا ہے کہ کچھ پلے پڑا ہے۔ اور اب یہ خواہش ہے کہ کسی ایسے صاحب حال وجودی کی صحبت نصیب ہو کہ جس سے بات کرتے وقت کم از کم یہ تو احساس ہو کہ اس نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا اعتراض سمجھ لیا ہے۔ البتہ ابن عربی کی بات سمجھنے والے خال خال مل جاتے ہیں۔

نظریہ وحدت الوجود پر شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی طرف سے چند اعتراضات یہاں نقل کر رہا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں۔ اگر آپ کو سمجھ آ جائیں تو آپ وحدت الوجود کو سمجھتے ہیں۔ اور اگر ان کا جواب سوجھ جائے تو آپ اس نظریے کی وکالت کے اہل ہیں اور میں آپ سے استفادے کا خواہش مند۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کا خلاصہ ہے کہ وجودیوں کا کہنا ہے کہ "معدومات" کے "اعیان" عدم میں "ثابت" ہے جبکہ عدم "شیء" ہے۔ پس "وجود" اور "ثبوت" کے مابین فرق کرنے کے باوجود ان دونوں میں "اتحاد" ماننے کی وجہ سے یہ "اتحادیہ" میں شامل ہیں کہ ان کے نزدیک "واجب الوجود"، "ممکن الوجود" کا "عین ثابت" ہے۔

اسی طرح ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ وجودیوں کا کہنا یہ ہے کہ "حق" کے ساتھ کچھ نہیں تھا اور وہ اپنی ذات میں "متجلی" تھا کہ "خلیت الہیہ" کے "نزول" کے ساتھ "حقیقت نبوت" کی گرہ ظاہر ہوئی جو "وجود" کے لیے آئینہ بن گئی اور "حق" اس میں ظاہر ہوا۔ پس ان کے نزدیک "ظاہر" اور "مظہر" ایک ہی ہیں۔ اور اگر "ظہور" سے مراد "وجود" ہے تو "حق" کا ظہور تکرار کے ساتھ ہوا اور اگر "ظہور" سے مراد "وضوح" ہے تو "مخلوق" تو ہے نہیں تو "وضوح" کس کے لیے ہے؟

اسی طرح ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ جب وجودیوں نے "اعیان" کو "مظہر حق" یا "محلی الی" کہا تو کیا یہ "عین ذات" ہیں، تو اس صورت میں مخلوق کا "عین ثابت"، اللہ کی "ذات" ہی ہے؟ یا "حق" نے ان "اعیان" کو روشن کر دیا تاکہ وہ اسے جان سکیں تو اس صورت میں ذات باری تعالیٰ "معدوم" کا "معلوم" بن گئی؟

اسی طرح ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ وجودیوں کا کہنا ہے کہ اسمائے الہیہ، "وجود حق" اور "اعیان" کے مابین "نسبت" اور "اضافت" ہیں۔ اسماء کے احکام، "اعیان ثابتہ" ہیں جو "عدم" میں ہیں۔ اور یہ احکام "اعیان" میں "تجلی حق" کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ اور "اعیان" حق کا آئینہ ہیں کہ جن میں وہ اپنے "اسما" کو دیکھتا ہے۔ پس جب وہ "اعیان" میں ظاہر ہوا تو "اسماء کی نسبت" قائم ہوئی اور ظاہری کثرت اسی "نسبت" کی ہے کہ اسماء کے احکام "اعیان" کی صورت میں ظاہر ہوئے اور "وجود" اعیان پر "فائض" ہو کر ان میں "ظاہر" ہوا تو "اعیان" کے پہلو سے "تفرق"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حاصل ہوا حالانکہ "وجود مطلق" وہ ہے جو "اذہان" میں "معقول" ہوتا ہے نہ کہ "اعیان" میں "ثابت"؟

اسی طرح ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ وجودی جسے "سر قدر" کہتے ہیں اس کے مطابق حق "اعیان" کا محتاج ہے کہ اعیان پر ایسی ہی "تجلی" ہوتی ہے جیسا کہ ان کی "اقتضاء" ہے لہذا حق ان کے سامنے "عاجز" اور "مجبور" ہے۔ اور ان کے قول کے مطابق "حق" نے وہ جانا جس کا اسے پہلے "علم" نہ تھا؟ حالانکہ وہ ان "ممکنات" کو جانتا ہے جو اس نے پیدا نہیں کیں۔

یہ تو چند ایک اعتراضات نمونہ کے لیے پیش کیے ہیں۔ اور اگر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے وحدت الوجود پر شرعی اور عقلی نوعیت کے جمیع قسم کے اعتراضات کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب مرتب ہو جاتی ہے۔ اور شیخ الاسلام رحمہ اللہ کی کتب مجموع الفتاوی، بيان تلبيس الجهمية في تأسيس بدعهم الكلامية، درء تعارض العقل والنقل، الرد على المنطقيين، الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح میں وحدت الوجود کے رد میں اس قدر مباحث موجود ہیں کہ معلوم پڑتا ہے کہ ان کی زندگی کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد اس الحادی نظریے کا رد تھا۔

شیخ ابن عربی اور جاوید احمد غامدی

کسی نے سوال کیا کہ شیخ ابن عربی اور غامدی صاحب میں کیا فرق ہے؟ میں نے کہا: جو معقول اور مجذوب میں ہوتا ہے۔ اس نے کہا: آپ نے یہ کیا کہہ دیا؟

میں نے کہا: غامدی صاحب پر حد فتوی گمراہی کا لگایا گیا ہے۔ میرے علم میں کوئی مکتب فکر ایسا نہیں ہے کہ جس نے انہیں کافر قرار دیا ہو۔ اور رہے شیخ ابن عربی، تو کوئی مکتب فکر ایسا نہیں ہے کہ جس کے نمائندہ علماء نے ان کی تکفیر میں مستقل کتاب نہ تصنیف کی ہوں۔

پس جو لوگ ایک ایسے شخص (ابن عربی) کے متبع اور مدح خواں ہوں کہ جس کی تکفیر پر نمائندہ علما کی چالیس کتابیں موجود ہوں، انہیں کیا حق پہنچتا ہے کہ ایک ایسے شخص (غامدی) کی اتباع پر لعن طعن اور فتوی بازی کریں کہ جس پر حد فتوی گمراہی کا ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ وحدت الوجود کی جاہلیت قدیمہ سے تو فکر غامدی کی نوخیز جدیدیت بھلی ہے۔ اور غامدی صاحب اسی لیے تو معقول

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی ہیں کہ اس جاہلیت قدیمہ کو رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین کے "متوازی دین" قرار دیتے ہیں۔ اور غامدی صاحب کی یہ بات بالکل بجا ہے کہ اگر وجودی فکر بھی متوازی دین نہیں ہے تو پھر عیسائیت اور ہندومت بھی اسلام کے متوازی دین نہیں ہیں۔

وحدت الوجود اور ائمہ دین کے ردود

وحدت الوجود کے بارے عام تاثر یہی ہے کہ اس پر نقد صرف سلفی حضرات نے کی ہے اور اس کی ابتداء ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے ہوئی ہے، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ وحدت الوجود کے سب سے پہلے ناقد علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ ہیں۔ ان کے بعد تقریباً اڑھائی صد کے قریب حنبلی، حنفی، شافعی، مالکی، اشعری، ماتریدی اور سلفی علما کی ایک جماعت نے ہر دور میں اس نظریہ کا رد کیا ہے۔ اور یہ تنقیدات وہ ہیں جو ریکارڈ پر ہیں اور جو نقد تاریخ کے اوراق میں محفوظ نہ ہو سکا، وہ اس کے علاوہ ہے۔ اس نظریہ کے رد میں چند ائمہ کی لکھی جانے والی کتب درج ذیل ہیں کہ جن میں علامہ تفتازانی، ملا علی القاری، علامہ سبکی اور امام سخاوی رحمہم اللہ جیسے حنفی اور شافعی اہل علم بھی شامل ہیں:

1) رسالة في ذم ابن عربي لصدر الدين محمد الكاملی (652ھ)؛ شیخ ابن عربی کی مذمت میں ایک مقالہ از صدر الدین محمد الکاملی۔
2) نصيحة صريحة لقطب الدين محمد الشافعی، ابن القسطلانی (686ھ)؛ صریح نصیحت از ابن قسطلانی الشافعی۔
3) أشعة النصوص في هتك أستار الفصوص لعماد الدين أحمد ابن إبراہیم الواسطی الشافعی (711ھ)؛ فصوص کے پردے چاک کرنے والی نصوص کی کرنیں از عماد الدین الشافعی۔
4) البيان المفيد في الفرق بين الإلحاد والتوحيد لعماد الدين أحمد ابن إبراہیم الواسطی الشافعی (711ھ)؛ الحاد اور توحید میں فرق کرنے والا مفید بیان از عماد الدین الشافعی۔
5) الرد الأقوم على ما في فصوص الحكم، النصوص على الفصوص،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقيقة مذهب الاتحاديين أو وحدة الوجود، لابن تيمية (728ھ)؛ فصول الحكم کا بہترین رد، فصوص کے رد میں وارد ہونے والی نصوص، اتحادیہ اور وجودیہ کا مذہب از ابن تیمیہ الحنبلی۔

6) بيان حكم ما في الفصوص، القول المنبي عن ترجمة ابن عربي، لابن السعودی عبد اللطيف بن عبد الله بلبان الكردی (736ھ)؛ فصوص کے حکم کا بیان، ابن عربی کے بارے خبردار کرنے والا صریح قول از ابن بلبان الکردی۔

7) رسالة في التحذير من ابن عربي وكتابه الفصوص لعلی بن عبد الكافی السبكی الشافعی (756ھ)؛ ابن عربی اور اس کی کتاب فصوص الحکم سے انتباہ کے بارے ایک مقالہ از علی بن عبد الکافی الشافعی۔

8) الرد على أباطيل كتاب فصوص الحكم لسعد الدين التفتازانی (792ھ)؛ فصوص الحکم کی باطل باتوں کا رد از سعد الدین التفتازانی۔

9) فتاوى في ابن عربي لقاضی سراج الدين عمر بن رسلان الشافعی البلقينی (805ھ)؛ ابن عربی کے بارے فتاوی از قاضی سراج الدین البلقینی۔

10) تسورات النصوص على تهورات الفصوص لمحمد بن محمد الغزی الشافعی (808ھ)؛ فصوص کی جراتوں پر نصوص کی پکڑ از محمد الغزی الشافعی۔

11) بيان فساد مذهب ابن عربي لأحمد بن أبی بكر الزبيدی الشافعی (815ھ)؛ ابن عربی کے مذہب کے فساد کا بیان از احمد الزبیدی الشافعی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

12) حاشية على الفصوص لقاضى أحمد بن ناصر المقدسى الشافعى (816ھ): فصوص الحكم پر حواشى از احمد المقدسى الشافعى۔

13) مؤلف في الرد على ابن عربي لجمال الدين محمد بن عمر العوادى الشافعى (816ھ): ابن عربی کے رد میں ایک مقالہ از جمال الدین العوادى الشافعى۔

14) كشف الظلمة عن هذه الأمة لمحمد بن على بن نور الدين الموزعى (825ھ)؛ اس امت سے ظلمتوں کی دوری از نور الدین الموزعى۔

15) تحذير النبيه والغبي من الافتتان لتقى الدين محمد بن أحمد الفاسى المكى (832ھ)؛ ہر عاقل اور احمق کے لیے فتنے سے تنبیہ از تقى الدين الفاسى۔

16) فتوى في التحذير من ابن عربي لشيخ القراء شمس الدين محمد بن محمد الجزرى (833ھ)؛ ابن عربی سے انتباہ از شمس الدين الجزرى۔

17) الحجة الدامغة لرجال الزائغة لإسماعيل بن أبى بكر المقرى الشافعى (837ھ)؛ گمراہوں پر اخیر حجت از اسماعیل الشافعى۔

18) الرد على فصوص الحكم لابن زكنون علاؤ الدين على بن حسين المشرقى الحنبلى (837ھ)؛ فصوص الحكم کا رد از ابن زكنون الحنبلى۔

19) فاضحة الملحدين وناصحة الموحدين لمحمد بن محمد البخارى الحنفى الصوفى الأشعرى (841ھ)؛ ملحدین کی رسوائی اور موحدین کی خیر خواہی از محمد البخارى الحنفى۔

20) فتح النبي في الرد على ابن سبعين وابن عربي لقاضى محمد بن أحمد

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بن عثمان البساطی المالکی (842ھ)؛ ابن سبعین اور ابن عربی کے رد میں نبوی فتح از قاضی محمد المالکی۔

21) كشف الغطاء عن حقيقة التوحيد وذكر الأئمة الأشعريين ومن خالفهم من المبتدعين وبيان حال ابن عربي وأتباعه المارقين لبدر الدين حسين بن عبد الرحمن بن محمد الأهدل الشافعی (855ھ) ؛ توحید کی حقیقت کا انکشاف، اشعری ائمہ اور ان کے بدعتی مخالفین کا تذکرہ اور ابن عربی اور دین سے نکل جانے والے اس کے متبعین کا بیان از بدر الدین الاهدل الشافعی۔

22) الرد على ابن عربي لسراج بن مسافر بن زكريا المقدسی الحنفی (856ھ)؛ ابن عربی کا رد از سراج المقدسی الحنفی۔

23) حجة السفرة البررة على المبتدعة الفجرة الكفرة في نقد الفصوص لابن عربي لمنصور بن الحسن بن على الكازرونی الشافعی (860ھ)؛ ابن عربی کی فصوص الحکم پر نقد میں نیکوکار لکھنے والے علماء کی بدعتی اور فاسق وفاجر کافروں پر حجت از منصور الکازرونی الشافعی۔

24) قصيدة في الرد على الفصوص لابن الحمصی قاضی عمر بن موسی المخزومی الشافعی (861ھ)؛ فصوص الحکم کے رد میں ایک قصیدہ از ابن الحمصی الشافعی۔

25) الرد على ابن عربي لمحمد بن محمد بن عبد الرحمن الشافعی الاشعری (874ھ)؛ ابن عربی کا رد از محمد الشافعی۔

26) تنبيه الغبي على تكفير ابن عربي لإبراہيم بن عمر البقاعی الشافعی (885ھ)؛ ابن عربی کے کافر ہونے میں احمق کے لیے انتباہ از ابراہیم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

البقاعی۔

27) القول المنبي عن ترجمة ابن العربي لشمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوی الشافعی (902ھ)؛ ابن عربی کے احوال زندگی کے بارے بہترین مقالہ از شمس الدین السخاوی الشافعی۔

28) فتوی في الفصوص لسعدی آفندی سعد الله بن عیسی (945ھ)؛ فصوص کے بارے فتوی از سعدی آفندی۔

29) تسفیه الغبي في تنزیه ابن عربي لخطیب جامع السلطان محمد الفاتح مفتی الدیار الرومیة إبراہیم الحلبی (956ھ)؛ ابن عربی کو بری قرار دینے والے بے وقوفوں کی حماقت از ابراہیم الحلبی۔

30) تنزیه الکون عن اعتقاد إسلام فرعون لزین العابدین محمد بن محمد العمری (970ھ)؛ فرعون کے اسلام کے نجس عقیدے سے کائنات کی تطہیر از زین العابدین العمری۔

31) حقیقة التوحید في الرد علی ابن عربي لعبد الله بن عمر الحمیری الشافعی (972ھ)؛ ابن عربی کے رد میں توحید کی حقیقت کا بیان از عبد اللہ الحمیری الشافعی۔

32) رد الفصوص، الرد علی القائلین بوحدة الوجود، فر العون ممن یدعی إیمان فرعون، للملا علی بن سلطان القاری (1014ھ)؛ فصوص الحکم کا رد، وحدت الوجود کے قائلین کا رد اور فرعون کے ایمان کے قائلین کی علمی بے مائیگی کا بیان از ملا علی القاری۔

33) فتح الودود في التکلم في مسألة العینیة ووحدة الوجود لمحمد حیات بن إبراہیم السندی (1163ھ)؛ عینیت اور وحدت الوجود کے مسئلے میں محبوب کی فتح از محمد حیات السندی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

34) نصرة المعبود في الرد على أهل وحدة الوجود للصنعانی (1182ھ)؛ وحدت الوجود کے قائلین کے رد میں معبود حقیقی سے تعاون از علامه الصنعانی۔

35) الصوارم الحداد القاطعة لعلائق مقالات أرباب الاتحاد لمحمد بن علی الشوکانی (1250ھ)؛ وجودیوں کے ارباب فکر ونظر کے مقالات کی کمر توڑ دینے والی تیز وتند تلوار از علامه الشوکانی۔

جب اتنی بڑی تعداد میں ہر مکتب فکر سے ائمہ دین نے اس نظریے کا رد کیا ہو تو ایسے نظریہ کے اختیار کرنے سے اجتناب ہی لازم ہے کہ کم از کم شک تو پڑ گیا کہ یہ توحید ہے یا کفر۔ اور کسی ایسے عقیدے کو اختیار کرنا یا اس کا دفاع کرنا کہ جس کے بارے امت کے کبار علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہو کہ یہ کفریہ عقیدہ ہے، حکیمانہ رویہ نہیں ہے۔

پھر عجب تماشا یہ ہے کہ وجودیوں کی ایک جماعت اس بات پر اصرار کرتی ہے کہ فلاں فلاں علماء نے اپنی تحقیق سے رجوع کر لیا تھا حالانکہ ایسی بات ہر گز نہیں ہے۔ جو دور چار علما کے رجوع کے بارے کچھ حوالے پیش کیے جاتے ہیں تو وہ اس مسئلے میں کہ وہ علماء پہلے شیخ ابن عربی کو کافر قرار دیتے تھے تو اب انہوں نے یہ کہا کہ ہم اسے کافر نہیں کہتے کہ کسی کو کافر قرار دینے میں حد درجہ احتیاط لازم ہے۔ رہا وحدت الوجود کا گمراہ کن نظریہ ہونا تو اس کے وہ پھر بھی بدستور قائل رہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ اور نظریہ وحدت الوجود

بہت سے دوست یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ وحدت الوجود کے قائل تھے؟ تو میرا جواب یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک تو وحدت الوجود کو بطور نظریہ بیان کرتے تھے نہ کہ عقیدہ کے طور پر۔ اور دوسرا وہ جس نظریہ وحدت الوجود کے قائل تھے، وہ نظریہ، وہ نہیں ہے کہ جس کے شیخ ابن عربی قائل تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے وحدت الوجود کا جو نظریہ پیش کیا، وہ کلاسیکل فلاسفی اور ماڈرن سائنس کا آمیزہ ہے جبکہ وجودیوں کے نظریہ وحدت الوجود کی بنیاد یونانی فکر وفلسفہ، نوافلاطونیت، جہمیہ اور معتزلہ کے اصول تھے اور ان کے نظریہ پر ہم مفصل گفتگو اپنی کتاب "وجود باری تعالی:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں" میں کر چکے ہیں۔

وجودیوں کے نظریہ وحدت الوجود میں مراتب، سات ہیں جبکہ تنزلات، چھ ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ احدیت سے وحدت، وحدت سے وحدیت، وحدیت سے روح، روح سے مثال، مثال سے جسم اور جسم سے انسان میں تنزل ہوا ہے۔ یہ چھ یا سات مراحل ابن عربی کے بعد کے وجودیوں کے ہاں ہیں جبکہ ابن عربی نے تین مراحل بیان کیے ہیں کہ جن کا خلاصہ عالم غیب، عالم برزخ اور عالم ظاہر ہے۔ ابن عربی کے بعد کے وجودیوں نے ابن عربی ہی کی فکری بنیاد کو متنوع تفصیلات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

اس کے برعکس ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے ہاں یہ مراتب تین ہیں:۔ ان کے نزدیک قدیم اور حادث میں جو ربط ہے، وہ کلمہ "کن" ہے کہ جس سے ساری مخلوق وجود میں آئی۔ اب فقہا اور محدثین کا موقف تو یہ ہے کہ کلمہ "کن" کہنے سے مخلوق وجود میں آگئی لیکن ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ اس کو فلسفیانہ رنگ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ کلمہ "کن" یعنی کلام الٰہی ہی نے ایک "خنک نور" کی صورت اختیار کر لی۔

پس پہلا مرتبہ تو یہ ہے کہ کلمہ "کن" نے ایک نور کی صورت اختیار کی اور اس نور سے فرشتوں کی تخلیق ہوئی۔ اور پھر اس "نور" نے "نار" یعنی آگ کی صورت اختیار کی کہ جس سے جنات کی تخلیق ہوئی اور یہ دوسرا مرتبہ ہوا۔ اور اسی مرتبے میں اس "نار" سے بگ بینگ ہوا کہ جس سے ساری کائنات وجود میں آئی ہے۔ اور تیسرے مرتبے میں ارتقاء ہوا کہ جس میں اللہ کے اذن سے آدم علیہ السلام ارتقا کے بعد وجود میں آئے۔ ارتقاء پسندوں اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ میں فرق یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب یہ کہتے ہیں کہ ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے میں ارتقاء، فطرت کا انتخاب (natural selection) نہیں تھا بلکہ خدا کے حکم کے تحت تھا۔

وحدت الوجود کے مسئلے میں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے کلام کی دو وجوہات تھیں جو انہوں نے خود بیان کی ہیں؛ ایک تو قدیم اور حادث کے مابین ربط تلاش کرنا اور دوسرا بعض بزرگ شخصیات سے طعن کو دور کرنا اور ان کا دفاع کرنا۔ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ اپنی کتاب "ام المسبحات" کہتے ہیں کہ اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی شیخ ابن عربی کو مرتد کہے تو کوئی بڑا فرق نہیں پڑتا لیکن اگر کوئی شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کو مرتد اور گمراہ کہے تو یہ تشویش کی بات ہے۔ اور ان دو بزرگوں یعنی شاہ ولی اللہ دہلوی اور مجدد الف ثانی رحمہما اللہ سے طعن کو دور کرنے کے لیے انہوں نے اس مسئلے میں کلام کیا ہے۔

باقی معاصر سلفیوں نے ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ پر جو نقد کی ہے تو بغیر سوچے سمجھے اور ان کا مکمل موقف پڑھے جانے بغیر کی ہے۔ اور اس موضوع پر ان کی تمام تحریروں کو سامنے نہیں رکھا بلکہ دو چار جملوں سے اپنے مطلب کی بات نکال کر وہ تمام فتوے بھی ان پر لگا دیے جو ابن عربی پر آج کی تاریخ تک لگائے گئے تھے۔ حالانکہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ تو اس تصور کو ایک بے وقوفی سمجھتے ہیں جو ابن عربی کا ہے۔ باقی وہ وحدت الوجود کی اصطلاح ضرور استعمال کرتے ہیں لیکن اس معنی میں نہیں جو کہ وجودیوں کے ہاں ہے۔ عرصہ ہوا کہ اس موضوع پر سہ ماہی حکمت قرآن میں ایک مفصل تحریر شائع کی تھی کہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا نظریہ وحدت الوجود ہے کیا؟ اور پھر یہ عرض بھی کی تھی کہ اب جسے نقد کا شوق ہے، وہ ضرور پورا کرے کہ ہم خود ان کے اس نظریے کے قائل نہیں ہیں لیکن یہ ضرور کہتے ہیں کہ جس پر نقد کرنی ہو، پہلے اس کے نقطہ نظر کے جمیع جوانب کو اچھی طرح سمجھ ضرور لیا جائے۔

میں یہاں ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے نظریہ وحدت الوجود کا دفاع نہیں کر رہا، صرف اتنا کہہ رہا ہوں کہ ان کا نظریہ وہ نہیں ہے جو ابن عربی اور وجودیوں کا ہے۔ اور مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ صرف اتنی بات لکھ دینے سے کہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا وحدت الوجود کا نظریہ وہ نہیں ہے، جو شیخ ابن عربی کا ہے، بعض سلفیوں نے مجھے یہ طعن دیا کہ میں وحدت الوجود کا دفاع کرتا ہوں۔ ایسی جذباتیت اور تعصب پر فاتحہ ہی پڑھی جا سکتی ہے نہ کہ کوئی مکالمہ کیا جا سکتا ہے۔

اور ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کا نظریہ بھی میری نظر میں درست نہیں ہے لیکن اسے کفر اور شرک قرار دینا تو یہ تحکم ہے، البتہ اسے بدعت کہا جا سکتا ہے کہ یہ سلف کا نقطہ نظر نہیں ہے لیکن ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ بھی اسے اپنے عقیدے کے طور بیان نہیں کرتے رہے۔ ان کی وفات سے پہلے اس موضوع پر بہت سے لوگوں نے ان سے گفتگو کا وقت مانگا تھا کہ جن میں راقم بھی شامل تھا، لیکن اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا موقع نہ بن سکا اور وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور یہ بھی واضح رہے کہ وحدت الوجود کا یہ نظریہ، تنظیم اسلامی کا نظریہ نہیں ہے اور نہ ہی تنظیم اسلامی نے کبھی اس کو اپنے عقیدے کے طور بیان کیا ہے لہذا اس حوالے سے بعض سلفیوں کی تنظیم اسلامی پر نقد بھی ایک غیر اخلاقی رویہ ہے۔[1]

صحیح بات یہی ہے کہ کلمہ "کن" سے مخلوق عدم سے وجود میں آئی ہے نہ کہ کلمہ "کن" نے ہی مخلوق کی صورت اختیار کی ہے، کیونکہ یہ مان لینے سے یہ شبہہ لازم آسکتا ہے کہ اللہ کی صفت کلام یعنی کلمہ "کن" جو اگرچہ اس کی ذات سے علیحدہ ہو گیا، وہ مخلوق کا مصدر ہے۔ اور دل اس پر مطمئن نہیں ہوتا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسی علیہ السلام کو اسی معنی میں کلام (Logos) ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ قرآن مجید نے بھی حضرت عیسی علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا ہے لیکن اس معنی میں نہیں کہ جیسے بائیبل میں ہے۔[2]

ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی دینی، دعوتی اور ملی خدمات کی وجہ سے ہمیں ان کے بارے امید ہے بلکہ ہم ان کے بارے دعا گو بھی ہیں کہ اللہ عزوجل ہماری اور ان کی علمی اور عملی خطاؤں سے در گزر کرتے ہوئے، انہیں اور ہمیں جنت الفردوس میں جمع فرمادیں۔ آمین یارب العالمین!

وحدت الوجود کے مصادر

ایک اہم بحث یہ بھی ہے کہ وحدت الوجود کے عقیدے کے مصادر کیا ہیں؟ یعنی اس عقیدے کا ماخذ کتاب وسنت ہے یا کچھ اور ہے؟ اگر تو یہ عقیدہ کتاب وسنت سے ثابت کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نصوص میں یہ عقیدہ موجود تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تبلیغ کیوں نہ کی؟ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کو یہ کیوں سمجھ نہ آیا؟ فقہا اور محدثین نے اس کا ذکر کیوں نہ کیا؟ اور صرف صوفیا کی نظر اس طرف کیوں گئی اور صوفیا میں بھی ابن عربی ہی کو

[1] تنظیم اسلامی کے امیر جناب حافظ عاکف سعید صاحب کی ہدایت پر راقم نے ڈاکٹر صاحب کی کتاب "ام المسبحات" میں جہاں جہاں وحدت الوجود کے بارے کچھ اشتباہات تھے، تو ان پر حواشی لگائے تھے۔ اب یہ کتاب راقم کے حواشی کے ساتھ ہی پبلش ہو رہی ہے۔

[2] In the beginning was the Word, and the Word was with God, and the Word was God (Genesis: 1: 1)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پہلی مرتبہ اس کا کامل شعور ساتویں صدی ہجری میں جا کر کیونکر حاصل ہوا۔ اور خاص طور جبکہ صوفیا یہ دعوی کرتے ہیں کہ یہ محض ایک نظریہ نہیں بلکہ خالص توحید ہے۔ پس اگر اخص الخواص کی یہی خالص توحید ہے تو رسول اللہ ﷺ، صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ دین، فقہا اور محدثین وغیرہ اس توحید سے کیوں محروم رہے؟

اگرچہ بعض صوفیا نے قرآن مجید کی نصوص سے کھینچا تانی فرما کر اس سے وحدت الوجود کا نظریہ اخذ کرنے کی کوشش کی ہے لیکن محقق صوفیا کا قول بہر حال یہی رہا ہے کہ اس نظریے کا اصل مصدر وحی نہیں بلکہ کشف اور وجدان ہے۔ مولانا عبد الباری ندوی رحمہ اللہ اس بارے اپنی کتاب "تجدید تصوف وسلوک" میں مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کا موقف لکھتے ہیں:

> "مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود مسائل کشفیہ ہیں، کسی نص کے مدلول نہیں۔ ایسے مسائل کے لئے یہی غنیمت ہے کہ وہ کسی نص سے متصادم نہ ہوں یعنی کوئی نص ان کی نافی نہ ہو۔ باقی اس کی کوشش کرنا کہ نص کو ان کا مثبت بنایا جائے، اس میں تفصیل ہے کہ نص اس کی محتمل ہو تو درجہ احتمال تک اس کا رکھنا غلو تو نہیں مگر تکلف ہے اور درجہ احتمال سے بڑھا دینا غلو ہے۔ اور اگر وہ محتمل بھی نہ ہو تو اس کا دعوی کرنا احتمالاً یا جزماً صریح تحریف ہے۔"

توحید اسماء وصفات اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ پر تجسیم کا طعن

سلفیت کے ناقدین میں سے مجھے کوئی ایسا پڑھنے کو نہیں ملا کہ جس نے سلفیت کو سمجھ کر نقد کی ہو۔ اگرچہ ممکن ہے کہ ایسے لوگ ہوں لیکن میرے مطالعے میں نہیں آسکے۔ یا یہ بھی ممکن ہے کہ جنہوں نے بھی نقد کی ہے، وہ اپنی سمجھ کے مطابق کی ہے نہ کہ سلفیہ کے بیان کے مطابق۔ صفات کے باب میں سلفیت کا خلاصہ "معلوم المعنی" اور "متشابہ الکیفیۃ" ہے اور اس ایک جملے کی تشریح کے لیے بیسیوں صفحات چاہییں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جو اس جملے پر مبنی صفات کے بارے سلفی موقف پر اخلاص کے ساتھ کوئی علمی نقد کرنا چاہتا ہے، اسے لفظ و معنی کے مابین تعلق کے بارے پیش کی جانے قدیم تھیوریز سے ضرور گزرنا چاہیے۔ اہل علم میں سلفیت کا معیاری ورژن اسے ہی سمجھا جاتا ہے جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے پیش

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے۔اور ابن تیمیہ رحمہ اللہ بہت بڑا دماغ ہے بلکہ بہت بڑا فلسفیانہ دماغ ہے۔اور ان کی بات اتنی سادہ نہیں ہوتی کہ جتنی ناقدین بلکہ ان کے پیروکار بھی سمجھتے ہیں۔اگر ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ کہہ رہے کہ وحدت الوجود شرک ہے تو کسی وجودی کو یہ طعن نہیں کرنا چاہیے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سطحی بات کی ہے کہ ہم تو ایک ہی وجود کی بات کرتے ہیں تو ابن تیمیہ نے شرک کا فتوی کیسے لگا دیا؟ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسے "اتحاد مطلق" کے باب میں داخل کر کے شرک قرار دیتے ہیں۔

سلفیت پر عقلی و منطقی نقد کے لیے ضروری ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب "درء تعارض العقل والنقل" پر نقد ہو۔لیکن اس کتاب پر نقد سے پہلے اس کو سمجھنا ضروری ہے اور اس کو سمجھنے کے لیے قدیم فلسفہ اور کلام میں رسوخ چاہیے۔اور ناقدین کو اس کے لیے وقت نکالنا پڑے گا۔

اب ہم اس مسئلے کی طرف آتے ہیں کہ ہمارے ہاں بعض لوگوں نے سلفیہ پر یہ طعن کیا ہے کہ وہ مجسمہ یعنی اللہ کے لیے جسم مانتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے سلفیہ کے موقف کو سمجھا نہیں ہے۔اور نہ سمجھنے کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ گہرائی نہیں ہے اور دوسری یہ کہ گہرائی تو ہے لیکن تعصب کی وجہ سے ان کے موقف کو اس طرح سے بیان نہیں کیا جا رہا جیسا کہ وہ خود بیان کرتے ہیں۔اور ایسا ہر کسی نے کیا یا ہر کسی کو دوسرے سے کچھ ایسی ہی شکایت رہی کہ اس نے ہمارا موقف غلط بیان کیا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جب تک متشابہ الکیفیہ کی قید ہے تو تجسیم لازم نہیں آتی کہ متشابہ الکیفیہ لفظ کے معنی ہی کا دوسرا پہلو ہے۔متشابہ الکیفیہ سے یہ معلوم ہوا کہ حقیقت، من وجہ یعنی ایک اعتبار سے نامعلوم ہے جبکہ معلوم المعنی سے معلوم ہوا کہ حقیقت، من وجہ یعنی دوسرے پہلو سے معلوم ہے۔ پس سلفیہ حقیقت کے من جمیع الوجوہ یعنی تمام اعتبارات سے ادراک کے قائل نہیں ہیں بلکہ من وجہ یعنی ایک اعتبار سے ادراک کے قائل ہیں۔آپ معلوم المعنی سے زیادہ متشابہ الکیفیہ کے پہلو پر زیادہ غور کریں تو سلفیہ کے موقف پر صحیح طور پہنچ جائیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ان کے نزدیک "قدم" کا حقیقی معنی ثابت ہے اور یہی اس کا مرادی معنی ہے۔"قدم" اپنے حقیقی معنی میں نص ہے کہ تفویض اس لیے نہیں ہو سکتی کہ الزامی جواب یہ ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ "قدم" سے کم از کم "ید" مراد نہیں ہے یعنی ایک دوسری ہی صفت۔ تو کچھ تو تحدید ہو گئی، جب کچھ تحدید ہو گئی تو تفویض نہ رہی۔ پس "قدم" اپنے حقیقی معنی میں "ما سیق الکلام لأجلہ" کے مقصود میں ہے لیکن متشابہ الکیفیہ کی قید کے ساتھ۔ اور اس پر مزید سوال یا غور و فکر یا وضاحت حاصل کرنے کے بدعت ہونے کے فتوی کے ساتھ۔

تیسری بات یہ ہے کہ الزامی جواب میں سلفیہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اشاعرہ ماتریدیہ کے سات یا آٹھ صفات مان لینے سے اگر تجسیم لازم نہیں آتی تو ہمارے جمیع صفات کے مان لینے سے تجسیم کیسے لازم آتی ہے؟ کیا صفت کلام کے لیے منہ اور جبڑوں کے ہونے کا سوال پیدا نہیں کیا جا سکتا یا صفت ارادہ کے لیے دل کے ہونے کا سوال پیدا نہیں کیا جا سکتا یا صفت سماعت اور بصارت کے لیے کان اور آنکھیں ہونے کے سوالات پیدا نہیں ہو سکتے؟ اگرچہ ان سوالات کے جواب دینے میں خاص طور صفت کلام میں اشاعرہ ماتریدیہ بہت دور نکل گئے کہ کلام کو کلام نفسی بنا دیا اور قرآن مجید کو "کلام الہی" کی بجائے "عبارت کلام" بنا ڈالا حالانکہ قرآن مجید نے کہا ہے کہ صفت کلام وہ ہے کہ جسے کلیم اللہ علیہ السلام نے سنا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکالمہ بھی کیا۔

یہ صرف صفات کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ جمیع امور غیبیہ کا ہے۔ جنت کا لفظ جو قرآن مجید نے استعمال کیا ہے، اس کا معنی معلوم ہے لیکن اس کا کوئی مصداق کامل ہمارے علم میں نہیں ہے۔ یعنی جنت کا معنی باغ ہے لیکن اس کی کیفیت متشابہ ہے۔ پس اگر کوئی یہ کہے کہ جنت سے مراد اسکول ہے یا ہسپتال ہے تو یہ "تاویل" کا طریقہ ہے اور اس کے جاری کرنے والوں کو "متاولہ" یعنی تاویل کرنے والے کہتے ہیں۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ جنت کا معنی معلوم نہیں ہے تو یہ "تفویض" کا طریقہ ہے اور اسے اختیار کرنے والوں کو "مفوضہ" کہتے ہیں۔ اور کوئی اگر یہ کہے کہ جنت کا معنی معلوم ہے لیکن کیفیت متشابہ ہے تو یہ سلفی اسلوب ہے اور اسے ماننے والوں کو سلفیہ کہتے ہیں۔

اور اگر تاویل کر بھی لی جائے تو مجاز مراد لینے کی صورت میں لفظ سے حقیقت زائل نہیں ہوتی، کیونکہ لفظ تو حقیقی معنی کا ظرف ہے۔ اگر حقیقت زائل ہو جائے تو لفظ قائم نہ رہے گا بلکہ ختم ہو جائے گا کیونکہ لفظ سے حقیقت کو زائل کر کے اس کے مجاز کا کوئی تصور ممکن نہیں ہے کہ مجاز تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حقیقت کی وجہ سے قائم ہے۔

ایک دوست نے تبصرہ کیا کہ سلفیہ اللہ کی صفات کی ایسی شرح بیان کرتے ہیں کہ جس سے تجسیم لازم آتی ہے۔ جواب: مجھے آپ کے تبصرے سے اتفاق نہیں ہے۔ دیکھیں! ہر نظام فکر میں اپنا اسلوب تعبیر ہے، آپ کسی نظام فکر کی تعبیر کو اس کے الفاظ ہی سے دیکھیں، اپنے فہم سے دیکھیں گے تو یہ درست نہ ہوگا، جو کہ اکثر ہوتا ہے۔ اور آپ کا یہ مطالبہ بھی درست نہیں ہوگا کہ سلفی تعبیر آپ کے الفاظ یا سوالات کے جوابات میں اپنا موقف واضح کریں، کیونکہ جواب تو دیا جا سکتا ہے لیکن پھر وہ سلفی تعبیر نہ رہے گی۔ سلفی تعبیر وہ تبھی کہلائے گی جبکہ وہ اپنے نظام فکر میں بیان ہو گی جیسا کہ علم استدلال میں حنفی اور شافعی قواعد لغویہ کا اپنا ایک نظام فکر ہے۔

پس سلفی نظام فکر میں صفت "ید" کے بارے آلہ جارحہ کا سوال کرنا یا سوچنا درست نہیں ہے۔ لہذا وہ صفت ید کی بحث میں یہ لفظ ہی استعمال نہیں کرتے۔ "ید" کا معنی کسی کو لغت سے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایسے الفاظ کا معنی لغت سے نقل کرنا تکلف ہے۔ "ید" کا ترجمہ "ہاتھ" کیا جائے گا اور ہاتھ کا معنی سب اہل لغت جانتے ہیں۔ اس کے لیے لغت کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں ہے کہ لغت کے لکھے جانے سے پہلے ہی سب اہل زبان اس کے معنی سے واقف تھے بلکہ لغت کا معنی محل نظر ہے کہ "ید" کو آلہ جارحہ قرار دے دیا حالانکہ اس کی حقیقت یہ نہیں۔ بہر حال یہ ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ "ید" یا "ہاتھ" کا جو معنی معروف ہے، اہل زبان اس کو جانتے ہیں لیکن اہل زبان جانور اور انسان کے ہاتھ میں فرق کرتے ہیں بلکہ انسان اور انسان کے ہاتھ میں بھی فرق کرتے ہیں جیسا کہ اردو زبان میں چہرے کے لفظ کا اطلاق انسان کے چہرے پر بھی ہو سکتا ہے اور گھوڑے کے چہرے پر بھی حالانکہ دونوں کی حقیقت فرق ہے۔ پس اللہ عزوجل کی صفت "ید" کا مصداق دنیا میں موجود نہیں ہے، معنی کے اعتبار سے مصداق موجود ہے، کیفیت کے اعتبار سے نہیں ہے۔ فلاسفہ کی اصطلاح میں معنی کا جوہر ثابت ہے، صورت نہیں۔ معنی کا جوہر کہا ہے، صرف لفظ جوہر کو نہ پکڑ لیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس خلاصہ یہ ہوا کہ صفت باری تعالی میں معلوم المعنی ہونے کی وجہ سے تفویض نہیں ہے اور متشابہ الکیفیہ ہونے کی وجہ سے تجسیم نہیں ہے۔ باقی کسی بھی نظام فکر کے معانی ضروری نہیں ہے کہ پہلی مرتبہ ہی شعور کی گرفت میں آجائیں۔ کچھ غور کرتے رہیں گے تو چیزیں کھلتی چلی جائیں گی۔

مولانا عبد الحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ نے توحید اسماء وصفات میں معلوم المعنی اور متشابہ الکیفیۃ کو صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ کا مذہب قرار دیا ہے۔ مولانا سلیم اللہ خاں رحمہ اللہ اپنے ایک فتویٰ میں جو کہ ماہنامہ وفاق المدارس کے نومبر 2010ء کے شمارہ میں شائع ہوا، مولانا عبد الحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ کے قول کا ذکر کیا ہے۔

اشاعرہ اور ماتریدیہ کے باہمی اختلافات

دوست نے سوال کیا ہے کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ کا نام بہت سنتے رہتے ہیں اور یہ بھی موٹا موٹا سا معلوم ہے کہ ان کا سلفیہ سے کیا فرق ہے کہ سلفیہ جمیع صفات باری تعالی میں حقیقی معنی جاری کرتے ہیں جبکہ یہ گروہ تاویل کر کے ان صفات کا مجازی معنی بیان کرتے ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ان کا آپس میں کیا اختلاف ہے یعنی اشاعرہ اور ماتریدیہ کا؟

اشاعرہ اور ماتریدیہ میں تقریباً دس بارہ کے قریب اختلافات ہوں گے جبکہ بعض نے انہیں پچیس تیس بھی بنا دیا ہے۔ اور ان میں بھی بنیادی قسم کے اختلافات شاید دو چار ہی ہیں۔ مثلاً اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل کی ذاتی اور ازلی صفات سات ہیں یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ، کلام، سمع، بصر جبکہ ماتریدیہ کے نزدیک یہ آٹھ ہیں۔ اور ماتریدیہ نے تکوین کو بھی ذاتی اور ازلی صفات میں شمار کیا ہے جبکہ اشاعرہ کے نزدیک تکوین صفات فعلیہ میں سے ہے۔ اور ان کے نزدیک صفات فعلیہ کل کی کل حوادث میں سے ہیں۔ ایک فرق یہ بھی ہے کہ اشاعرہ کے نزدیک صفات فعلیہ، حادث ہیں جبکہ ماتریدیہ کے نزدیک ازلی ہیں۔

دوسرا بڑا فرق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اشاعرہ کے نزدیک کسی فعل کا حسن وقبح شرعی ہے جبکہ ماتریدیہ کے نزدیک عقلی ہے۔ اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ کوئی کام اچھا اس لیے ہے کہ شرع نے اسے اچھا کہا ہے اور برا اس لیے ہے کہ شرع نے اسے برا کہا ہے یعنی خیر وشر میں خیر کا خیر ہونا اور شر کا شر ہونا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شرع سے معلوم ہوا ہے۔ اس کے برعکس ماتریدیہ کا کہنا یہ ہے کہ خیر کا خیر ہونا اور شر کا شر ہونا عقلی بھی ہے البتہ ہم اس خیر کے اختیار کرنے اور شر سے بچنے کے مکلف شرع کے حکم سے بنتے ہیں۔

صفت کلام میں ان کا اختلاف یہ ہے کہ اشاعرہ کے نزدیک جب قاری صاحب قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو جو ہم قاری صاحب سے سنتے ہیں، وہ کلام الٰہی کی "حکایت" ہے جبکہ ماتریدیہ کے نزدیک جو ہم قاری صاحب سے سنتے ہیں، وہ کلام الٰہی نہیں بلکہ اس پر دلالت کرنے والی "عبارت" ہے۔ پس ماتریدیہ کے نزدیک مخلوق کے لیے کلام الٰہی کو سننا ممکن نہیں یا دوسرے الفاظ میں مسموع، کلام الٰہی نہیں بلکہ اس پر دال ہوتا ہے جبکہ اشاعرہ کے نزدیک کلام الٰہی کا سننا ممکن ہے۔

اسی طرح اشاعرہ کے نزدیک تکلیف مالا یطاق یعنی اللہ عزوجل کا مخلوق کو ایسی چیز کا مکلف بنانا کہ جس کی وہ طاقت نہ رکھتے ہوں، جائز ہے جبکہ ماتریدیہ کے نزدیک "تکلیف ما لا یطاق" (unbearable-burden) جائز نہیں ہے۔ اور "تحمیل مالا یطاق" دونوں کے نزدیک جائز ہے۔[1] اسی طرح ماتریدیہ کے نزدیک نبی کے لیے مرد ہونا شرط ہے جبکہ اشاعرہ کے نزدیک مرد ہونا شرط نہیں ہے۔ علاوہ ازیں اشاعرہ کے نزدیک ایمان، مخلوق ہے جبکہ ماتریدیہ کے نزدیک غیر مخلوق ہے۔ اشاعرہ کے نزدیک عمل، ایمان میں شامل ہے جبکہ ماتریدیہ کے نزدیک شامل نہیں ہے۔ اشاعرہ اللہ عزوجل کے افعال میں حکمت اور تعلیل کے قائل نہیں ہیں جبکہ ماتریدیہ قائل ہیں۔

اسی طرح ماتریدیہ کے نزدیک اسم اور مسمی، یعنی جس کا اسم ہے، ایک ہی شیء ہیں جبکہ اشاعرہ دونوں میں فرق کے قائل ہیں۔ ماتریدیہ کے نزدیک اہل ایمان کا ہمیشہ جہنم میں رہنا اور کافروں کا ہمیشہ جنت میں رہنا نقلاً اور عقلاً ممکن نہیں ہے جبکہ اشاعرہ کے نزدیک یہ ممکن ہے۔ ماتریدیہ کے نزدیک کفر کا گناہ معاف نہیں ہو سکتا جبکہ اشاعرہ کے نزدیک عقلاً معاف ہو سکتا ہے۔ ماتریدیہ کے نزدیک اللہ کی رضا اور محبت، اس کے ارادے کی طرح، معاصی کو شامل نہیں ہے جبکہ اشاعرہ کے

[1] "تکلیف ما لا یطاق" سے مراد انسان پر اس کام کا بوجھ ڈالنا ہے جو کہ اس کی قدرت اور استطاعت سے باہر ہو جیسا کہ انسان سے اڑنے کا مطالبہ کرنا جبکہ "تحمیل ما لا یطاق" سے مراد انسان پر اس کام کا بوجھ ڈالنا ہے کہ جس میں اس کے لیے مشقت زیادہ ہو لیکن وہ اس کی استطاعت میں ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا بہ۔ تو یہ دعا اسی لیے سکھائی گئی ہے کہ یہ کام انسان کے بس میں تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نزدیک شامل ہے وغیرہ

علم کیا ہے؟

علم "تمیز" کا نام ہے یعنی حق و باطل اور خیر و شر میں تمیز کرنے کی صلاحیت جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ﴾ [العنکبوت: 3] ترجمہ: پس اللہ عزوجل سچوں کو جھوٹوں سے لازماً جدا کر دے گا۔ اور علم کی حقیقت "تقدیر" ہے اور حال "خشوع" ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل آن واحد میں موجود ہیں، یہ تقدیر ہے یعنی علم کی حقیقت ہے اور اصل علم، علم الہی ہے۔ پروردگار کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [فاطر: 28]

"سواء اس کے نہیں، اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔"

تو علم کا لازمی نتیجہ خشوع ہے۔ اس معیار پر تم ہر اس شیء کو پرکھ سکتے ہو کہ جس کی طرف اس کے علم ہونے کی نسبت کی جاتی ہے۔ اگر خشوع حاصل ہو تو وہ علم، علم ہے، چاہے دنیوی ہو یا دینی۔ اور اگر خشوع حاصل نہ ہو تو جہالت ہے، چاہے دین کا علم ہو یا دنیا کا۔

علوم کے مزاج کی بات کرو تو فلسفے کا مزاج تکبر کا ہے اور سائنس کا عاجزی کا۔ خالص فلسفی "متکبر فقیر" ہیں اور پیور سائنسدان "عاجز سلطان"۔ علم چاہتے ہو تو پیور سائنسدانوں کے پاس بیٹھو اور اگر فقر کے ساتھ تکبر ایک ہی پیکج میں چاہیے تو فلسفیوں کے پاس بیٹھنا شروع کر دو۔

علم الوجود[1] اور فلسفیوں کی حماقت

کہا جاتا ہے کہ فلسفے کے سب بڑے سوال "وجود کیا ہے؟" اور "علم کیا ہے" ہیں۔ اب دونوں کو ملائیں تو "وجود کا علم کیا ہے" یا "علم الوجود" فلسفے کا سب سے بڑا سوال قرار پاتا ہے۔ اور آسان الفاظ میں اس سوال کا حاصل یہ ہے کہ تصورِ شیء (consciousness)، نفسِ شیء (object of the consciousness) کے مساوی (identical) جائے۔

رہا تصورِ شیء کا نفسِ شیء سے یکساں (identical) ہو جانا تو یکساں ہونے کے دو معانی ہیں؛ ایک

[1] علم الوجود (ontology)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ کہ تصورِ شیء، نفسِ شیء کے متوازی(parallel)ہو جائے تو اس معنی میں یہ درست ہے کہ اس کا مقصود تصورِ شیء اور نفسِ شیء کی مطابقت نہیں بلکہ تصورِ شیء کا نفسِ شیء پر ایسا حکم لگانا ہے کہ جس سے وہ اس شیء کو دوسری اشیاء سے ممیز کر سکے۔ لیکن فلاسفہ اس معنی پر راضی نہیں ہیں کہ یہ شیء کی حقیقت نہیں ہے بلکہ شعور کا شیء پر حکم ہے۔

دوسرا معنی یہ ہے کہ تصورِ شیء، نفسِ شیء کے مطابق ہو جائے تو یہ ایک حماقت ہے کہ جس میں فلسفی مبتلا ہوئے ہیں اور اپنے قوت استدلال یا قوت بیان سے دوسروں کو بھی اس وہم کی اہمیت کے شبہے میں ڈال دیا۔ آگ اگر اپنی حرارت کی خاصیت اور پہاڑ اپنے بوجھل پن کی صفت کے ساتھ اگر ذہن میں منتقل ہو جائے گا تو تمہارا ذہن باقی رہ سکے گا کیا؟ یہ لوگ علم کے نام پر اپنے لیے اذیت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اور ان کے قول کی حقیقت یہ ہے کہ علم اور وجود کو ایک کرنا چاہتے ہیں۔ جب وہ ایک ہو جائے گا تو وہ وجود ہی وجود ہو گا، خارج میں بھی اور ذہن میں بھی، اور وہ علم کہیں نہیں ہو گا۔

اسی طرح اس مطابقت سے فلسفی کے ہاں شیء کی حقیقت کا علم تو مکمل ہو جائے گا لیکن ایک وجود بڑھ جائے گا بلکہ خارجی وجود عبث قرار پائے گا کہ وجود اور علم ایک ہی مقام پر یعنی شعور انسانی میں ہی مطابق ہو گئے تو خارجی وجود کی ضرورت نہ رہی۔

فلسفہ علم

علمیات (epistemology) کا یہ کم المیہ ہے کہ علم کی پچپن تعریفات نقل کر دی ہیں اور پھر تماشا یہ کہ ہر ایک تعریف پر دسیوں اعتراضات بھی قائم کر دیے ہیں۔ ہمیں اللہ نے اپنے فضل سے اتنی صلاحیت سے نوازا ہے کہ ان تعریفات میں دو چار کا تو اضافہ کر ہی سکتے ہیں لیکن عرض یہی ہے کہ جب آپ منطقی اصول وضوابط کی سان پر سنار کی ٹھوکا ٹھاکی کی طرح جامع مانع تعریف تیار کرنے کی کوشش کریں گے تو اس کا یہی نتیجہ نکلے گا کہ علم کی پانچ درجن تعریفات آپ کے ہاتھ آ جائیں گی اور اپنی زندگی یہی جانے بغیر گزار دیں گے کہ "علم کیا ہے؟"

آپ علم کی تعریف "ادراک" یا "اعتقاد جازم" یا "حصول صورۃ" یا "انکشاف تام" وغیرہ سے کریں گے تو خود یہ الفاظ محتاج تعریف ہوں گے۔ پھر ان الفاظ کی تعریف میں اگر کوئی مشکل لفظ آ گیا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو اس کی تعریف کی احتیاج ہو گی۔ ہمارے ہاں "کتاب التعریفات" (Book of Definitions) انہی اصولوں پر قائم ہیں۔

ذرا زیادہ گہرائی میں جائیں گے تو لفظ تعریف کی تعریفات میں گم ہو جائیں گے جیسا کہ ہمارے ہاں کتابیں تعریف کی تعریفات سے بھری پڑی ہیں۔ پس اس بارے کسی منطقی غور وخوض کی بجائے علم کی شرعی اور عرفی تعریف ہی کافی تھی۔

لطیفہ: ایک فلسفی دریا پار کرنے کے لیے کرائے کی کشتی میں سوار ہوا۔ فلسفی نے باتوں باتوں میں ملاح سے پوچھا کہ فلسفہ جانتے ہو؟ ملاح نے کہا: نہیں۔ فلسفی نے ملاح سے کہا: تیری تو آدھی زندگی برباد گئی۔ دریا میں کچھ آگے جا کر کشتی ڈولنے لگی۔ ملاح نے فلسفی سے پوچھا: تیرنا جانتے ہو؟ فلسفی نے کہا: نہیں۔ ملاح نے کہا: تیری تو ساری گئی۔

خوابوں کی دنیا

لوگ اپنے مطالعہ اور مزاج کی بدولت مختلف چیزوں میں تجسس رکھتے ہیں۔ کسی کو خدا کے بارے کھوج ہے تو کسی کو کائنات کے راز تلاش کرنے میں دلچسپی۔ مجھے سب سے زیادہ تجسس خوابوں کی دنیا کے بارے رہا ہے بلکہ ابھی تک ہے کہ یہ کیا دنیا ہے کہ جس میں ہم پہنچ جاتے ہیں اور اس دنیا کے کرداروں کی کیا حقیقت ہے؟

ڈیکارٹ کا کہنا تھا کہ جب میں جاگ رہا ہوتا ہوں تو مجھے یہ دنیا حقیقی لگتی ہے اور جب سو رہا ہوتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا حقیقی ہے۔ اس حد تک تو بات ٹھیک ہے کہ دوران خواب وہ دنیا حقیقی لگتی ہے لیکن میں بہر حال اس بارے ڈیکارٹ کی طرح اتنا عقلمند واقع تو نہیں ہوا کہ جاگنے کے بعد بھی اس شبہے میں پڑ جاؤں کہ ان دونوں میں سے کون سی دنیا حقیقی ہے؟

مذہب، تصوف اور نفسیات تینوں میں اس بارے کچھ باتیں موجود ہے۔ مثلاً قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں ہماری روح ہمارے جسم کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اب یہ روح کہاں جاتی ہے؟ واللہ اعلم۔ تصوف والوں کا خیال ہے کہ شاید عالم مثال میں جاتی ہے حالانکہ عالم مثال کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ وہ آئیڈیل دنیا ہے اور خواب میں ہمیں جس دنیا کا مشاہدہ ہوتا ہے، وہ ناقص ہوتی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، بالکل ہماری اس دنیا کی طرح۔ اور اسی طرح یہ عالم برزخ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہمارے خواب کے سارے کردار فوت شدگان نہیں ہوتے ہیں۔

ماہرین نفسیات میں سے فرائیڈ وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ لاشعور کی دنیا ہے لیکن بہت دفعہ مجھے یا کسی دوسرے شخص کو یہ تجربہ ہوتا ہے کہ وہ خواب میں کوئی ایسا واقعہ دیکھتے ہیں جو مستقبل میں اسی طرح واقع ہو جاتا ہے جیسا کہ خواب میں ہوا ہوتا ہے تو لاشعور مستقبل کے واقعات تک کیسے رہنمائی کر سکتا ہے؟ جبکہ شعور یہی کام حالت بیداری میں نہیں کر سکا۔

یہاں بھی فرائیڈ نے ایک تھیوری لگائی ہے کہ یہ اصل میں سوتے میں لاشعور کا ہمارے مستقبل کے بارے تجزیہ ہوتا ہے جو کہ درست ثابت ہوتا ہے۔ فرائیڈ کی یہ بات بعض خوابوں کے بارے شاید درست ہو لیکن مستقبل کے بارے ہر خواب ایسا نہیں ہوتا ہے کہ ذہن سوتے میں اس کا اس قدر صحیح تجزیہ کر سکے کہ وہ وحی کا علم معلوم ہونے لگے۔ ایسے خوابوں کے بارے مذہب کا بیان یہ ہے کہ یہ فرشتے کی طرف سے ہوتے ہیں اور اگر اچھے ہوں تو انہیں مبشرات کہا جاتا ہے۔ تو کیا ایسے خوابوں کے کردار فرشتے ہوتے ہیں؟ واللہ اعلم بالصواب۔

مجھے ذرا کچھ فرصت ملے تو اس حوالے سے کوئی تخلیقی کام کرنا چاہتا ہوں کہ میرے خیال میں شاید خواب کی حقیقت جان لینے سے وجود کے بارے بہت سی گتھیاں سلجھ جائیں گی۔ اور واضح رہے کہ میرا اصل مسئلہ خوابوں کی دنیا ہے نہ کہ خوابوں کی تعبیر۔ یعنی خواب میں ہم جہاں پہنچ جاتے ہیں، یا جن لوگوں سے ملتے ہیں، یا جو کچھ کام کرتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس بارے لوگوں کے کیا خیالات رہے ہیں یا ہیں۔

اپنے رب کو خواب میں دیکھنا

دوست کا کہنا ہے کہ اس نے رات خواب میں اپنے رب کو دیکھا ہے کہ وہ مرنے کے بعد اپنے رب کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے پروردگار کو دیکھا اور پروردگار نے اس کو دیکھا اور پروردگار نے اس سے باتیں کیں۔ پروردگار نے اس کو معاف کر دیا اور اس سے راضی ہوا اور اس سے مصافحہ بھی کیا۔ اور جب وہ پروردگار کو حساب دے کر جانے کے لیے مڑا تو اس نے پروردگار کی محبت اپنے دل میں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محسوس کی اور اس سے عرض کی کہ وہ اس سے ملاقات کے لیے آسکتا ہے تو پروردگار نے کہا کہ ہاں! جب چاہے آسکتا ہے۔ ایسے خوابوں کی کیا تعبیر ہے؟

جواب: اس میں دو باتیں ہیں؛ ایک تو خواب میں اپنے رب کو دیکھنے کے بارے علمی بحث اور دوسرا ایسے خواب کی تعبیر۔ جہاں تک خواب میں اپنے رب کو دیکھنے کی بات ہے تو قاضی عیاض رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں کہا ہے کہ علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خواب میں اپنے رب کو دیکھنا جائز اور صحیح ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ خواب میں اپنے رب کو دیکھنا جائز ہے۔

البتہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ وہ خواب میں اپنے پروردگار کو جس صورت میں دیکھے گا تو وہ پروردگار کی حقیقی صورت نہیں ہے کہ اس کی مثل کچھ بھی نہیں ہے بلکہ وہ خواب میں اپنے رب کو اپنے شعور کے نزدیک بہترین صورت کی صورت میں دیکھے گا۔ اور بعض اوقات شیطان بھی خواب میں انسان کو گمراہ کر سکتا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے کئی مرتبہ خواب میں اپنے پروردگار کو دیکھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث میں مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب کو خواب میں اچھی صورت میں دیکھا ہے۔

تو ایک بات تو یہ طے ہے کہ اللہ عزوجل کو اس دنیا میں جاگتے میں نہیں دیکھا جا سکتا جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ تم میں کوئی شخص اپنی موت سے پہلے اپنے پروردگار کو نہ دیکھے گا۔ اور قرآن مجید میں حضرت موسی علیہ السلام کو بھی انکار ہوا کہ آپ پروردگار کو نہیں دیکھ سکتے لہذا مراقبے میں اور جاگتی آنکھوں خدا کو دیکھنے کا دعوی باطل ہے۔ البتہ خواب میں اس کا امکان ہے لیکن اس کا فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس نے اپنے رب ہی کو دیکھا ہے، شیطان کو نہیں۔ ہمارے پاس اس فیصلے کے لیے کوئی معیار موجود نہیں ہے۔

جہاں تک ایسے خواب کی تعبیر کا تعلق ہے تو اہل تعبیر اس کی مختلف طرح سے تعبیر کرتے ہیں جیسا کہ اگر کسی نے خواب میں یہ دیکھا کہ وہ پروردگار کو دیکھ رہا ہے تو وہ آخرت میں اپنے رب کو دیکھے گا، ان شاء اللہ۔ اور جس نے دیکھا کہ اس کے رب نے اس سے بات چیت کی ہے تو اس پر پروردگار کی طرف سے رحمت اور نعمت نازل ہو گی۔ اور جس نے اپنے اور پروردگار کے مابین حجاب دیکھا تو وہ گناہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کبیرہ کا مرتکب ہے۔اور جس نے اپنے رب سے سرگوشی کی تو اسے اپنے رب کا قرب حاصل ہو گا۔

دارارقم فاؤنڈیشن کے تحت "وجود باری تعالی" پر لیکچر

کل بروز جمعہ بتاریخ 17 نومبر 2017ء صبح 9 بجے دارارقم ہیڈ آفس، لاہور میں "وجود باری تعالی" (existence of God) کے موضوع پر راقم کا لیکچر ہوا کہ جس میں وجود باری تعالی اور ہماری زندگی کے پہلو سے گفتگو کی گئی۔ دہریت اور الحاد کے حوالے سے راقم کی ایک کتاب "وجود باری تعالی: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں" بھی شائع ہو چکی ہے۔ میرے خیال میں وقت کی ایک اہم ضرورت یہ بھی ہے کہ ہم اسکولز میں سائنس پڑھانے والے اساتذہ کی ایسی تربیت کریں کہ وہ مسلمان بچوں کو اسلامی نظریہ تخلیق کی روشنی میں سائنس کا مطالعہ کروائیں۔ اسلامی نظریہ تخلیق کو ہم نے اپنی کتاب "اسلامی نظریہ حیات" میں تفصیل سے ڈسکس کیا ہے۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دوم

ایمان اور الحاد

اس باب میں ایمان اور الحاد (Belief and Atheism) کے بارے بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدا کے وجود پر غور

خدا کے وجود پر غور ضرور کرو لیکن اتنا بھی نہیں کہ "بھیجا" باہر ہی آجائے۔

نظریہ ارتقاء سے نظریہ آفرینش ہوشمند تک

سائنسی حقائق کی دنیا نظریہ ارتقاء کو اب بہت تیزی سے پیچھے چھوڑ رہی ہے اور اب نیا نظریہ "آفرینش ہوشمند" (Intelligent Design) کا دور دورا ہے۔ تخلیق کار سائنسدانوں نے انٹیلیجنٹ ڈیزائن پر بیسیوں کتب مرتب کر دی ہیں، بے شمار سائنسی حقائق جمع کر دیے ہیں، سینکڑوں ریسرچ آرٹیکلز لکھ دیے ہیں، دسیوں ریسرچ سینٹرز چلا دیے ہیں۔

اس نظریے کا خلاصہ یہ ہے کہ ارتقاء کے عمل میں ڈارون کا یہ دعوی کرنا کہ یہ فطری انتخاب (Natural Selection) کے تحت ہوا تھا، قطعی طور غلط ہے اور سائنسی حقائق اس بات پر مجبور کرتے ہیں کہ ہم یہ مانیں کہ ارتقاء کا عمل کسی عقل (intellect) کے عمل دخل کے تحت ہوا ہے۔ ذیل میں ہم ان چند کتابوں کا تذکرہ کر رہے ہیں جو ڈارون کے نظریہ ارتقاء کے خلاف اور نظریہ انٹیلیجنٹ ڈیزائن کے حق میں سائنسدانوں نے لکھی ہیں۔

پہلی کتاب ڈاکٹر فرانسس کولنز (Francis S. Collins) کی ہے کہ جس کا عنوان The Language of God: A Scientist Presents Evidence for Belief ہے۔ ڈاکٹر کولنز نے فزیکل کیمسٹری میں پی۔ایچ۔ڈی، ییل یونیورسٹی سے مکمل کی ہے اور وہ امریکہ میں نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ (NIH) کے ڈائریکٹر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ National Human Genome Research Institute کے بھی ڈائریکٹر رہے ہیں۔

ایک اور اہم کتاب مائیکل بیہے (Michael Behe) کی ہے کہ جس کا عنوان Darwin's Black Box: The Biochemical Challenge to Evolution ہے۔ ڈاکٹر مائیکل امریکہ میں پنسیلوانیا یونیورسٹی میں بائیو کیمسٹری کے پروفیسر ہیں۔ ان کی کتاب نظریہ ارتقاء پر کی جانے والی سائنسی تنقیدوں میں ایک بنیادی ماخذ سمجھی جاتی ہے۔

ایک کتاب ڈاکٹر ولیم ڈیمبسکے (William Dembski) اور ڈاکٹر جوناتھم ویلز (Jonathan

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

wells) کی ہے کہ جس کا عنوان The Design of Life: Discovering Signs of Intelligence in Biological Systems ہے۔ ڈاکٹر ولیم ڈیمبسکے ایک ریاضی دان ہیں اور انہوں نے ایم آئی ٹی (MIT) سے ریاضی میں، شکاگو یونیورسٹی سے فزکس میں اور پرنسٹن یونیورسٹی سے کمپیوٹر سائنس میں پوسٹ ڈاکٹریٹ کی ہے۔

واضح رہے کہ پوسٹ ڈاکٹریٹ پی۔ایچ۔ڈی کے بعد کا مرحلہ تحقیق ہے۔ ان کے شریک مصنف (co-author) ڈاکٹر جوناتھن ویلز نے ایک پی۔ایچ۔ڈی مائلیکیولر اور سیل بائیالوجی میں کیلیفورنیا یونیورسٹی سے جبکہ دوسری پی۔ایچ۔ڈی مذہب میں ییل یونیورسٹی سے مکمل کی ہے۔

ایک اور کتاب ڈاکٹر اسٹیون مایر (Stephen Meyer) کی ہے کہ جنہوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے فلاسفی آف سائنس میں پی۔ایچ۔ڈی مکمل کی ہے۔ ان کی کتاب کا نام Signature in the Cell: DNA and the Evidence for Intelligent Design ہے۔

ایک اور کتاب ڈاکٹر تھامس وڈوارڈ (Thomas Woodward) اور جیمز گل (James Gill) کی ہے کہ جس کا عنوان The Mysterious Epigenome: What Lies Beyond DNA ہے۔ ڈاکٹر تھامس نے یونیورسٹی آف فلوریڈا سے تاریخ سائنس میں پی۔ایچ۔ڈی مکمل کی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سی کتابیں ہے کہ جن کا ذکر ہم طوالت کے اندیشے سے نہیں کر رہے ہیں۔

نظریہ اوتار (String Theory)

بگ بینگ کے مطابق شروع میں یہ کائنات محض ایک نقطہ تھی کہ جسے ماہرین طبیعیات ابتدائی اکائی/وحدت (initial singularity) کا نام دیتے ہیں۔ یہ نقطہ لامحدود کثافت (infinite density) اور لامحدود درجہ حرارت (infinite temperature) کا حامل تھا۔ اب اس بارے ماہرین طبیعیات کی آراء مختلف ہیں کہ اس نقطے کا سائز کیا تھا؟

بعض کا خیال ہے کہ ابتدائی اکائی/وحدت (initial singularity) کہ جس سے اس کائنات کا آغاز ہوا ہے، اس میں کسی قسم کا مادہ، توانائی، زمان اور مکان موجود نہیں تھا۔ آسان الفاظ میں یہ کائنات لامحدود حد تک چھوٹے نقطے (ex-nihilo) یعنی عدم (A State of Physical

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Nothingness) سے وجود میں آئی ہے۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ ابتدائی اکائی/وحدت (initial singularity) کہ جس سے اس کائنات کا آغاز ہوا ہے، ایک طبعی حقیقت (Physical Reality) ہے۔

آسان الفاظ میں یہ کہ شروع میں اس نقطے میں جو کمیت (Mass) تھی وہ عمومی یا سہ جہاتی (three dimensional) نہیں تھی بلکہ لامحدود حد تک سکڑی ہوئی (Infinitely Compressed) تھی۔ اسٹیون ہاکنگ کے بقول یہ کائنات پلانک سائز (Planck Size) کی تھی یعنی اس کا سائز ایک سینٹی میٹر کا اربواں-دس کھربواں-دس کھربواں (billion-trillionth-trillionth) حصہ تھا۔ پروفیسر ڈاکٹر پرویز ہود بھائے کا خیال ہے کہ جب وقت کا آغاز ہوا تو اس وقت اس کائنات کا حجم کوئی ٹینس کے بال برابر تھا۔

یہ تو اس کائنات کے ابتدائی سائز کی بات ہوئی اور اب ذرا اس کے پھیلاؤ کے تناسب (rate of expansion) پر کچھ بات ہو جائے۔ اگر ہم یہ فرض کریں کہ شروع میں یہ کائناتی اکائی/وحدت (singularity) ایک سینٹی میٹر قطر کے سکے (coin) جتنی تھی تو لمحہ بھر میں یہ ہماری کہکشاں (Milky Way) سے ایک کروڑ گنا زیادہ پھیل گئی۔ اسے ماہرین طبیعیات تیز رفتار پھیلاؤ (Inflation) کا نام دیتے ہیں۔

لیکن چونکہ آئن اسٹائن کا نظریہ اضافت (Theory of Relativity) اس تیز رفتار پھیلاؤ کو ڈیفائن کرنے سے قاصر ہے لہذا بعض ماہرین طبیعیات نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ اور بعض نے کہا کہ اس عمل کی وضاحت کے لیے ایک نئے نظریہ کی ضرورت ہے جو نظریہ اضافت اور نظریہ مقادیر برقیات (Quantum Theory) کو ملا کر بنایا جائے اور اسے کشش ثقل کا نظریہ مقادیر برقیات (Quantum Theory of Gravity) کہا جاتا ہے۔

لیکن یہ تھیوری تاحال پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ پائی ہے۔ اسے نظریہ ہمہ شے (The Theory of Everything) بھی کہا جاتا ہے کہ جس پر معروف ماہر طبعیات اسٹیون ہاکنگ کی کتاب The Theory of the Everything بھی ہے۔ بعض نے اسے نظریہ اوتار (String Theory) کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام بھی دیا ہے اور بعض اسے ایم-تھیوری (M-Theory) بھی کہتے ہیں۔

شروع میں اسٹرنگ تھیوری کے کئی ایک متون (versions) سامنے آئے تھے کہ جنہیں ملا کر انہیں ایک ماسٹر تھیوری (M-Theory) کی صورت دی گئی کہ جس میں مادے کی گیارہ جہات (eleven dimensions) پر بحث کی گئی تھی۔ ایم-تھیوری کے مطابق زمان ومکان کی گیارہ جہتیں ہیں کہ جن میں ایک وقت کی اور دس مکان کی ہیں۔

مکان کی سات جہتیں اس قدر چھوٹی ہیں کہ ہمارے مشاہدے سے باہر ہیں۔ چار جہتیں تو آپ کے علم میں ہیں لیکن اس کے علاوہ کے سمجھنے کے لیے اگر کسی ماہر فزکس سے سوال کریں گے تو فی الحال وہ یہی جواب دے گا کہ ابھی میں خود ان کو اپنے تصور کی گرفت میں لانے کی کوشش کر رہا ہوں، جب کرلوں گا تو سمجھا بھی دوں گا۔[1]

سوشل سائنسز اور سائنسز کی ترقی یا عصر حاضر کا عذاب؟

عذاب شروع ہو چکا لیکن سرکش قوم، قوم عاد کی طرح ان بادلوں کو عذاب کی بجائے رحمت کے بادل سمجھ رہی ہے۔[2] نہیں کہاں معلوم کہ وہ حقیقت (reality) کی تلاش اور کھود کرید کے نام پر اپنی قبر کھود رہے ہیں۔ وہ بہت خوش ہیں کہ وہ اس تصویری پہیلی (jigsaw-puzzle) کو مکمل کرنے کے قریب ہیں کہ جس کی خاطر انہوں نے سینکڑوں علوم ایجاد کر لیے لیکن انہیں معلوم نہیں کہ ان کا خدا انہیں کتنا بڑا جھٹکا دینے والا ہے کہ اس پزل کے مکمل ہونے سے ٹوٹے پھوٹے انسان نہیں بلکہ تھکے ہارے گدھے کی تصویر سامنے آنے لگی ہے۔ اب کی بار ان کا خدا ان باغیوں پر وہاں سے آیا ہے کہ جہاں کے بارے میں انہیں گمان بھی نہیں ہے۔[3]

ان کا جرم کیا ہے؟ ان کا جرم وہ ہے کہ جو ماضی میں عذاب دی گئی قوموں کے تمام جرائم پر بھاری ہے۔ ان غداروں نے اپنے پروردگار کا انکار کر دیا جیسے کوئی ناہنجار اولاد اپنے باپ کا انکار کر دے۔ ماضی

[1] اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے راقم کی کتاب "وجود باری تعالی: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی" میں کا مطالعہ مفید ہے۔

[2] الأحقاف: 24

[3] الحشر: 2

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی قوموں نے تو رسولوں اور آخرت کا انکار کیا تھا کہ بھلا کوئی اپنے باپ کا بھی انکار کر سکتا ہے؟ انہوں نے اپنے ایجاد کردہ علوم کو اپنے خالق کے انکار کی دلیل بنالیا۔ سوشل سائنسز ہو یا سائنسز، علم کی ہر شاخ کا مقصد اول یہ ٹھہرا کہ وہ اپنے مالک کا تمسخر اڑائے۔ یہ خدا کا مذاق اڑا رہے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ آج ایک بار پھر خدا ان سے بہت بڑا مذاق کرنے جا رہا ہے۔[1]

انہوں نے خدا کا انکار کر دیا اور خدا نے فلسفہ، سائیکالوجی، لسانیات، اکنامکس، سیاسیات، ہسٹری، ادب، ریاضی اور فزکس وغیرہ میں حقیقت (reality) کے نام پر ان کے ہاتھ میں تضادات (paradoxes) تھما دیے۔ ہر علم، چاہے وہ سائنسی ہی کیوں نہ ہو، دوسرے کی نفی پر کھڑا ہے۔ ہر ڈسپلن میں ایک نظریہ دوسرے کی جڑیں کاٹ رہا ہے۔ یہ اگر نیلز بوہر کی بات مان لیتے کہ کچھ یقینی نہیں ہے تو شاید اس عذاب سے بچ جاتے لیکن انہوں نے کہا کہ ہم اب ایک ایسی مساوات بنانے کے قریب ہیں کہ جس کے ذریعے کائنات کی ہر شیء کو ڈیفائن کر دیں گے۔ یہ کوانٹم میکانکس اور تھیوری آف ریلٹوٹی کو ملا کر تھیوری آف ایوری تھنگ بنانا چاہتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان نے ہر سبجیکٹ میں اتنا سوچ لیا ہے اور وہ بھی متضاد کہ اب سوچ کا یہی تضاد اس کے لیے عذاب بننے جا رہا ہے۔ علم کی ہر شاخ ختم نہ ہونے والی متضاد تھیوریز کا ایک سمندر بنتی جا رہی ہے۔ اب ان میں سے جو تو کمینے علوم ہیں، اکنامکس، فلسفہ، سائیکالوجی، لسانیات، تاریخ اور ادب وغیرہ تو وہ بقائے اصلح (survival-of-the-fittest) کے تحت اپنا قد اونچا کرنے کے لیے دوسرے کی گردن پر کھڑے ہوں گے اور جو نیوٹرل علوم شمار ہوتے ہیں، نظریاتی فزکس اور بائیالوجی وغیرہ تو ان کے بہترین لوگ اجتماعی خودکشیاں کریں گے۔

ان ظالموں نے خدا کے بنائے ہوئے ذہن کو اس کے انکار کا سب سے بڑا ٹول بنالیا تو اب دیکھو! بندگان خدا محسوس کر رہے ہیں کہ اب کی بار بھی خدا تمہیں تباہ و برباد کرنے کے لیے کوئی لشکر نہیں اتارے گا۔[2] یہ صدمے کی موت مریں گے اور انہیں یہ صدمہ ان کے علوم پہنچائیں گے، ان کے لیبارٹری میں ثابت شدہ تجربات کے نتائج پہنچائیں گے۔ اور خدا اس سے پہلے ان کو یہ صدمہ پہنچا چکا،

[1] البقرة: 15

[2] یس: 28

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نیلز بوہر کے ہاتھوں لیکن وہ نہ سنبھلے، انہوں نے انکار کی روش جاری رکھی۔ تو اب محسوس ہوتا ہے کہ خدا ان سے کھیل رہا ہے اور وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم خدا سے کھیل رہے ہیں۔[1] خدا کے لیے انکار کا یہ تجربہ نیا نہیں ہے کہ قوم نوح سے قوم شعیب تک کے انکار کی مثالیں وہ خود بیان کر چکا لیکن ان کے لیے عذاب کا یہ تجربہ بالکل نیا ہوگا۔

ایمان کا زور اور عقل کا شور

انسان کی فکری تاریخ کا خلاصہ یہ ہے کہ فلسفہ اور سائنس دونوں ہر دور میں اپنے ماننے والوں سے ہر سطح پر ایمان بالغیب کا تقاضا کر رہے ہوتے ہیں لیکن ساتھ ہی مذہب کو یہ طعنہ دے رہے ہوتے ہیں کہ اس کا علمیات (epistemology) سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

انسان اور کائنات کے وجود کی اپنے وقت کی بہترین عقلی و منطقی تعبیر یعنی افلاک تسعہ اور عقول عشرہ کا نظریہ، آج ٹام اور جیری کے کارٹون سے زیادہ مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کلاسیکل اور قرون وسطی کے فلسفیوں کے نزدیک یہی عقل کا منتہی تھا اور مذہبی عقل پرستوں نے مذہب کی حقانیت اور عافیت اسی میں سمجھی کہ کسی طرح صحائف کی مذہبی تعبیر اور ان خالص عقلی خرافات میں ہم آہنگی اور موافقت ثابت کر دی جائے۔ بھئی، عقل تو تب بھی پوری ہی تھی، اضافہ تو مشاہدے میں ہو رہا ہے۔ اور اگر تمہارا خیال ہے کہ عقل بھی مکمل ہو رہی ہے تو اسے تھوڑا اور بڑا ہو لینے دو۔ پھر جب یہ بالغ ہو جائے تو پھر دیکھنا کہ یہ مذہب کا مذاق اڑانے کے قابل رہی ہے یا نہیں؟

اور اب اکیسویں صدی میں سائنسی تحقیقات کی معراج خلائی مخلوق (aliens) کی دریافت ہے کہ جس پر ناسا (NASA) بھی کام کر رہا ہے۔ ایک مذہبی شخص کا فرشتوں پر ایمان لانے کا تعلق تو علمیات سے نہیں ہے البتہ خلائی مخلوق (aliens) کے وجود پر ایمان رکھنا عین علمی اور سائنسی رویہ ہے۔ فرق کچھ بھی نہیں ہے، یہاں ہر طرف پیغمبر موجود ہیں، مذہب میں بھی، فلسفے میں بھی اور سائنس میں بھی۔ البتہ اہل مذہب کو یہ ترجیح حاصل ہے کہ وہ ایمان بالغیب کا دعوی کرتے ہیں جبکہ باقی صرف عقل کا شور مچاتے ہیں اور حقیقت ان کے قول کی بھی ایمان بالغیب ہی ہے۔

[1] آل عمران : 54

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احمد جاوید صاحب کا ایک قول ہے کہ "ایمان کا زور بہت ہے اور عقل کا شور"۔ اگر آپ نے عقل کا شور دیکھنا ہو تو کسی فیس بکی فلسفی کی وال پر چلے جائیں، بہت نظر آئے گا اور ایمان کا زور تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ کبھی کبھی دل کرتا ہے کہ احمد جاوید صاحب کے اقوال کی شرح کروں لیکن پھر جیسے محسوس ہوتا ہے کہ شرح سے لفظ کے معانی محدود ہو جائیں گے۔ پس میری شرح کے بغیر اس جملے پر غور کریں تو بہت سے معانی اور احوال دریافت ہوں گے۔

فتنہ اور علاج

اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کی آزمائش کے لیے ہر دور میں فتنے پیدا کیے ہیں اور ہر دور کے فتنے ایک جیسے نہیں ہوتے۔ روایات میں ملتا ہے کہ جوں جوں قیامت قریب آتی جائے گی، فتنے نہ صرف تعداد میں بڑھتے چلے جائیں گے بلکہ اپنے حجم اور سائز میں بھی بڑے ہوتے چلے جائیں گے اور پھر قرب قیامت میں اُس سب سے بڑے فتنے کا ظہور ہو گا کہ جس سے انبیاء نے بھی پناہ مانگی ہے یعنی دجال کا فتنہ۔

فتنہ عربی زبان کا لفظ ہے کہ جس کا معنی ہی آزمائش ہے۔ یہ دنیا آزمائش کے لیے بنی ہے اور آزمائش ہی کا دوسرا نام امتحان ہے۔ اور اللہ عزوجل نے اپنے بندوں کو امتحان میں ڈال رکھا ہے، یہ اس دنیا کو دیکھنے کا اسلام کا تناظر ہے۔ جہاں اللہ عزوجل نے فتنوں کو پیدا کیا، وہاں ہی ان کا علاج بھی پیدا کیا ہے۔ جس طرح کوئی بیماری ایسی نہیں ہے کہ جس کی دوا موجود نہ ہو، اسی طرح کوئی فتنہ ایسا نہیں ہے کہ بندہ اس کا شکار ہو جائے، اور اس کا علاج موجود نہ ہو۔

البتہ جس طرح ہر بیماری کی دوا اللہ نے پیدا تو کر دی ہے لیکن اسے تلاش کرنا تو ہماری ذمہ داری ہے نہ کہ فرشتوں کی، اسی طرح فتنوں کا علاج اللہ نے پیدا کر دیا ہے، اب اسے ڈھونڈ نکالنے کے ویسی ہی محنت کرنا جیسا کہ سائنسدان اپنی لیبارٹری میں کرتا ہے، یہ علماء کی ذمہ داری ہے۔ سائنسدان کیا کرتا ہے؟ وہ مسلسل تجربات کرتا ہے، اسے اپنے مقصد میں بہت دفعہ ناکامی ہوتی ہے، اس کا تجربہ الٹا پڑ جاتا ہے، اس کی محنت ضائع ہو جاتی ہے لیکن وہ ہمت نہیں ہارتا، وہ لگا رہتا ہے یہاں تک کہ جہد مسلسل سے اپنی مراد تک پہنچ جاتا ہے اور پھر ایک دنیا اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحاد یعنی خدا کا انکار ایک بہت بڑا فتنہ ہے کہ جس کا شکار بہت سے مخلص نوجوان بھی ہو جاتے ہیں۔ ملحد سائنسدان کارل ساگاں کی مرتب کردہ "کوسموس" سیریز جو امریکن ٹیلی ویژن پر 1980ء میں پہلی مرتبہ دکھائی گئی، سے عوام کو پہلی مرتبہ کائنات کی وسعتوں کا اندازہ ہوا۔ اب اس سیریز کو مرتب کرنے والا اگر کوئی مومن ہوتا تو لوگ اسے دیکھ کر "اللہ اکبر" پڑھتے لیکن چونکہ بنانے والا ملحد تھا لہذا اسے دیکھ کر لوگ الحاد کی طرف مائل ہو جاتے ہیں کیونکہ بنانے والے کا مقصد ہی الحاد پھیلانا تھا اور اس نے میڈیا اور سائنس کو ایک ٹول کے طور استعمال کر لیا لہذا لوگ فتنے کا شکار ہو گئے۔

میڈیا اور سائنس کو بطور ٹول استعمال کرنے کی وجہ سے ایک بڑا فتنہ پیدا ہو گیا تو اللہ عزوجل نے اس کے علاج کے ٹولز بھی پیدا کر دیے۔ اور وہ مسحور کن آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے قراء کی جماعت ہے جو بلاشبہ سینکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ مکمل تنہائی اور یکسوئی کی حالت میں یہ تلاوت آپ کے وجود، احوال اور انفس کی ری کنڈیشننگ کر دیتی ہے۔ لیکن اس ملحد کو تلاوت سے فائدہ نہیں ہو گا جس کا الحاد، علمی آزمائش سے سفر کر کے خواہش نفس کے اسٹیشن پر اتر چکا ہو۔ جب الحاد، خواہش نفس کی تسکین کی ایک کامل دلیل بن جائے تو اب یہ آزمائش نہیں بلکہ بغاوت ہے اور باغیوں پر اللہ نے اپنی ہدایت کے دروازے خود ہی بند کر رکھے ہیں۔

تقدیر کا مسئلہ

دوست کا سوال ہے کہ تقدیر، قضاء ہے یا علم یعنی اللہ کا فیصلہ ہے جو اس کی مخلوق میں، مخلوق کی مرضی کے بغیر جاری ہوتا ہے یا مخلوق کے بارے اللہ کا یقینی علم ہے۔ جواب: یہ سوال بہت اہم ہے اور بنیادی ہے۔ میں نے اس موضوع پر جس قدر سوچ بچار کی ہے تو مجھے یہ معلوم پڑتا ہے کہ تقدیر کہیں قضاء ہے اور کہیں علم، کہیں اللہ کا فیصلہ ہے اور کہیں اس کا یقینی علم۔

اصل میں چیزیں دو ہیں؛ ایک انسان کی موت اور حیات، آزمائش اور نعمت وغیرہ تو ان میں تو انسان مجبور محض ہے اور یہ اللہ کا فیصلہ ہیں۔ آپ اور میں اس دنیا میں نہ تو اپنی مرضی سے آئے ہیں اور نہ ہی جائیں گے، اگر کوئی بچہ پیدائشی طور معذور، بدصورت پیدا ہوتا ہے، یا کسی کو اللہ نے بے پناہ صحت اور حسن سے نوازا ہے تو اس میں انسان کو ذرا برابر بھی اختیار نہیں ہے۔ آپ اور مجھ پر جو نعمت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے یا بیماری آتی ہے تو ہمارے نہ چاہتے ہوئے آتی ہے، نہ ہمارا ارادہ ہوتا ہے اور نہ ہی فعل لیکن ہم نعمت اور آزمائش دونوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پس ایک ڈومین تو وہ ہے کہ جس میں انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے، کل اختیار اور فیصلہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔

اور دوسری ڈومین انسان کے افعال کی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کچھ نہ کچھ کرتا رہتا ہے؛ اچھا یا برا، تو یہ سب ہم اپنے اختیار سے کرتے ہیں۔ اس میں انسان کی طرف سے دو چیزیں شامل ہوتی ہے؛ ایک ارادہ اور دوسرا قدرت۔ اگر انسان کسی کام کا ارادہ کر لے لیکن اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ کام نہیں ہو سکتا۔ اور اگر انسان کسی کام کی قدرت رکھتا ہو لیکن اس کا ارادہ نہ کرے تو بھی وہ کام نہیں ہوتا۔ یہ بات ہم عمومی ضابطے کے طور بیان کر رہے ہیں۔ اب انسان جب کوئی کام کرتا ہے اور اس کے کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس نے پہلے اس کام کا ارادہ کیا اور پھر اس کو بالفعل کیا تو اللہ عزوجل اس کام کو وجود عطا فرما دیتے ہیں۔ پس انسان کا فعل اور اللہ کا اس کے فعل کو پیدا کرنا، اس سے ایک فعل اس دنیا میں وجود میں آ جاتا ہے۔

جس طرح اللہ عزوجل نے انسان کو پیدا کیا ہے، اسی طرح اس کے افعال کو بھی پیدا کیا ہے۔ اگر اللہ عزوجل انسان کے فعل کو پیدا نہ کریں تو وہ فعل وجود میں نہیں آ سکتا۔ حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل علیہما السلام کو ذبح کرنے کے لیے چھری چلا دی لیکن اللہ عزوجل نے ان کے فعل کو اپنی قدرت سے پیدا نہیں کیا تو حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح نہیں ہوئے۔ تو ایک انسان کی قدرت ہے اور ایک اللہ کی قدرت۔ انسان اپنی قدرت سے "فاعل" بنتا ہے اور اللہ عزوجل اپنی قدرت سے "خالق" بنتے ہیں۔ تو ان دونوں قدرتوں سے ایک فعل کو وجود مل جاتا ہے۔ پس انسان کی نیکی اور گناہ میں فاعل انسان ہی ہے اور فاعل ہونے میں انسان کا اختیار مکمل ہے لیکن اس کی نیکی اور گناہ کی تخلیق اللہ عزوجل کی قدرت سے ہوتی ہے کہ اللہ عزوجل ہی ہر چیز کے خالق ہیں اور انسان اپنے افعال کا فاعل تو ہے لیکن خالق ہر گز نہیں ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنی خلق کے لیے انسان کے فعل کو سبب بنا دیا ہے، پس جب سبب پایا جائے گا تو خلق بھی موجود ہو جائے گی۔

یہاں ایک گہری بحث ہے کہ ارادہ کرنا بھی ایک فعل ہے، اور یہ افعال القلوب میں سے ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ارادے کا فاعل انسان ہے جبکہ خالق اللہ تعالی ہے۔ یہ فرق ملحوظ رہنا چاہیے۔ دوسری بات یہ کہ ارادے کا وجود اور شیء ہے اور ارادے کی رضا اور شیء ہے۔ بعض اوقات ارادہ موجود ہوتا ہے لیکن رضا نہیں ہوتی۔ ارادے کے خلق میں جبر ہے جبکہ ارادے پر عمل میں اختیار ہے۔

دوست کا کہنا ہے کہ وقت ایک مستقل چادر کی مانند ہے جو ماضی سے لے کر مستقبل تک تنی ہوئی ہے، پس ماضی، حال اور مستقبل بیک وقت موجود ہیں۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ اس سوچ کو رد کرتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے مسائل ہیں۔ مثال کے طور پر Grandfather Paradox کو ہی لے لیجیے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ماضی، حال اور مستقبل بیک وقت موجود ہیں تو وقت میں سفر (Time Travel) کیا جا سکتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ماضی میں جا کر اپنے دادا کو قتل کر دیتا ہے تو پھر اس کا وجود ہی نہیں رہنا چاہیے۔ اور اگر وہ موجود ہی نہیں تو پھر ماضی میں جا کر دادا کو کیسے قتل کر سکتا ہے؟ اسی طرح یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر ماضی حال اور مستقبل بیک وقت موجود ہیں تو پھر ان گنت کائناتوں کا وجود، جو وقت کے ہر لمحے پر موجود ہیں، ماننا پڑے گا جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مسائل اس تصورِ وقت کے ساتھ ملحق ہیں۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ اس کے برعکس وقت کا ایک اور تصور پروفیسر وائٹ ہیڈ (Prof. Whitehead) کے توسط سے پیش کرتے ہیں۔ اس تصور کے تحت وقت مستقل نہیں ہے بلکہ دریا کی طرح بہتا ہوا (Flowing) ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وقت کا ہر لمحہ اللہ تعالی تخلیق کر رہے ہیں اور یہ عمل ہر آن جاری ہے۔

اس تصور کو پیش کرنے کے بعد علامہ تقدیر کے پیچیدہ مسئلے کی وضاحت کرتے ہیں کیونکہ ہر لمحہ تخلیق ہو رہا ہے لہذا علامہ کے نزدیک انسان کو اختیار ایک بہت ہی محدود حیثیت میں اور بہت مختصر وقت کے لیے کسی لمحے اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ اور جب یہ عطا ہوتا ہے تو اس لمحے اللہ تعالی اپنے مستقبل کے علم کو محدود کر لیتے ہیں، اور مستقبل کو ایک امکان (Possibility) کی بجائے امکانات (Possibilities) کی صورت میں چھوڑ دیتے ہیں، تاکہ انسان اپنے اختیار کو استعمال کر کے ان امکانات میں سے کسی ایک کا انتخاب کر لے۔

اس بارے ہمارا تبصرہ یہ ہے کہ وقت اللہ کے علم میں ایک چادر کی مانند ہی ہے جبکہ انسان کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوزیشن سے دریا کا بہاؤ ہے۔ اور اہم بات یہ ہے کہ علامہ کا یہ تصور تقدیر خدا کو مجبور بنانے کے مترادف ہے اور جو مجبور ہو، وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ شرط خدا نے اپنے اوپر خود عائد کی ہے لہذا یہ جبر نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے اپنے اوپر کوئی شرط عائد کی ہے یا نہیں، اسے معلوم کرنے کا صرف ایک ہی مصدر اور ذریعہ ہے اور وہ وحی الٰہی ہے۔ اور وحی الٰہی سے ہمیں کچھ ایسا معلوم نہیں ہوا کہ خدا نے اپنے اوپر کچھ ایسی شرط عائد کر کے اپنے آپ کو مجبور بنا رکھا ہے لہذا جب تک وحی سے دلیل نہیں آجاتی تو ایسی شرط انسانوں کی طرف سے خدا پر عائد ہو گی نہ کہ خود خدا کی طرف سے کیونکہ خدا کی طرف سے تو وہ ایک امکان کے درجے میں زیر بحث ہے جب تک کہ ثابت نہ ہو جائے۔

مستشرقین اور ملحدین کے نزدیک قرآن مجید کے مصادر

مستشرقین اور ملحدین کی ایک جماعت نے شعر جاہلی کو قرآن مجید کا ایک اہم مصدر قرار دیا ہے۔ کلیر ٹزڈال نے اپنی کتاب "قرآن مجید کے مصادر" میں اس بارے مفصل بحث کی ہے۔ اس کے مطابق پیغمبر اسلام ﷺ نے اُمیہ بن ابی الصلت اور امرؤ القیس کے اشعار سے استفادہ کرتے ہوئے قرآن وضع کیا ہے۔

اس کے بقول امیہ بن ابی الصلت کے درج ذیل اشعار سے قرآن مجید کی بعض آیات ماخوذ ہیں:

ویوم موعدهم أن يحشروا زمرا

يوم التغابن إذ لا ينفع الحذر

مستوسقين مع الداعي كأنهم

رجل الجراد زفته الريح منتشر

وأبرزوا الصعيد مستوجرز

أنزل العرش والميزان والزبر

يقول خزانها ماكان عندكم

ألم يكن جاء من ربكم حذر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محققین کا کہنا یہ ہے کہ اس بات کی کوئی تاریخی دلیل نہیں ہے کہ یہ اشعار اُمیہ کے ہیں۔ غالب گمان یہی ہے کہ بنو عباس کے دور کے کسی شاعر کے اشعار ہیں کہ جس نے اپنی شاعری میں قرآنی اسلوب کے ٹانکے لگائے ہیں۔ عربی زبان وادب کے طلبہ یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ اسلامی دور کے بعض شعراء نے اپنے کلام کی نسبت جاہلی شعراء کی طرف بھی کی ہے، جیسا کہ ہمیں "حماد الراویہ" اور "خلف الأحمر" کے نام ملتے ہیں۔ لہٰذا کچھ بعید نہیں کہ مابعد کے زمانوں کے کسی شاعر نے اپنے کلام میں قرآنی اسلوب کا ٹانکا لگانے کے بعد اس کی نسبت بڑے شعراء کی طرف کر دی ہو۔

اُمیہ بن ابی الصلت طائف کا رہنے والا تھا۔ نزولِ وحی کے زمانے میں یہ شخص موجود تھا اور 9 ہجری میں اس کی وفات ہوئی ہے۔ اسے بت پرستی سے بے رغبتی تھی۔ دورِ جاہلیت میں اس کا شمار حنفاء میں ہوتا تھا۔ ایک نبی کے آنے کی خبر بھی دیتا تھا لیکن اسے امید یہ تھی کہ وہ نبی یہ خود ہو گا۔ پس جب اسے اللہ کے رسول ﷺ کی بعثت کی خبر ملی تو حسد کی وجہ سے انکاری ہوا۔ یہ بحرین چلا گیا تھا اور 8 سال قیام کے بعد جب واپس طائف آیا تو اس نے اہل طائف سے پوچھا کہ محمد ﷺ کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ محمد ﷺ اپنے آپ کو نبی قرار دیتے ہیں جیسا کہ تم اس کی خواہش رکھتے تھے۔

اس پر وہ طائف سے مکہ آیا اور آپ سے ملاقات کی اور آپ سے پوچھا کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں۔ اس نے کہا کہ میں آپ سے کل گفتگو کروں گا اور اپنی ایک جماعت لے کر آؤں گا۔ آپ بھی صحابہ کی جماعت کے ساتھ تشریف لائے اور لوگ بیت اللہ کے سائے میں بیٹھے۔ اُمیہ نے پہلے اپنا کلام پیش کیا، نثر کہی اور پھر شعر کہا۔ اب اس نے آپ سے کہا کہ اس کا جواب دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے سورت یس کی تلاوت شروع کی اور جب آپ نے سورت مکمل کر لی تو وہ اچھل کر کھڑا ہوا اور پاؤں گھسیٹتے ہوئے مجلس سے دوڑ گیا۔

قریش کے سرداروں نے اس کا پیچھا کیا اور پوچھا کہ محمد ﷺ کے بارے تمہاری کیا رائے ہے۔ اس نے کہا کہ وہ حق پر ہیں۔ انہوں نے پوچھا: کیا تم ان کی اتباع کرو گے؟ اس نے کہا کہ میں ابھی اس بارے غور کروں گا۔ اُمیہ نے نزول وحی کا زمانہ پایا ہے اور 9 ہجری تک زندہ رہا ہے، لہٰذا جہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مستشرقین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن مجید اس کے اشعار سے ماخوذ ہے وہاں اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ اُمیہ نے قرآن کے مضامین اور اسالیب کو اپنے اشعار میں نقل کیا ہو، جیسا کہ اُس نے تورات وانجیل کے مضامین کو بھی اشعار کی صورت دی ہے۔

استاذ محمد عبدالمنعم خفاجی کا کہنا یہ ہے کہ اُمیہ اپنے اشعار میں قرآنی اسالیب وتراکیب سے استفادہ کرتا ہے۔اُمیہ اپنے اشعار میں اکثر وبیشتر آخرت، جنت، جہنم اور سابقہ امتوں کے قصے بیان کرتا تھا۔ اس کے اشعار میں بہت سے قصے ایسے ہیں جو تورات وانجیل کے بیان سے کلی طور مشابہہ ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے قرآن مجید کی طرح تورات وانجیل سے بھی استفادہ کیا ہے۔

مشرکین مکہ، جو آپ کو شاعر، کاہن اور مجنون کا لقب دینے سے بھی باز نہ آئے، کیسے ممکن ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی اُمیہ کے اشعار سے مشابہت کو نظر انداز کر دیا ہو۔ عتبہ بن ربیعہ جب سردارانِ قریش کا مطالبہ لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ نے اسے قرآن کا کچھ حصہ سنایا تو اس نے واپس آکر اپنی مجلس میں یہی بیان دیا کہ میں نے ایک ایسا کلام سنا جو نہ شعر ہے، نہ کہانت۔[1]

ایک ملحد سے احادیث کے معانی پر مکالمہ

ملحد کس طرح احادیث کو اپنے معانی پہناتے ہیں تو اس بارے یہ ایک مکالمہ ملاحظہ فرمائیں جو راقم اور ایک ملحد غلام رسول کے درمیان ہوا۔ غلام رسول نے ایک حدیث شیئر کی کہ جس میں حدیث کا ترجمہ ایسا لگایا جو کہ بنتا نہیں تھا اور اسی ترجمے سے وہ اس حدیث میں عریانی اور فحاشی دکھا رہا تھا۔

اس مکالمے کا مطالعہ ان لوگوں کے لیے دلچسپی کا باعث ہو گا جو احادیث پر ملحدین اور منکرین حدیث کے اعتراضات سے پریشان ہو جاتے ہیں۔اس مکالمے سے آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ ظالم کس طرح احادیثوں کا معنی تبدیل کرتے ہیں اور اپنے ذہن کا گند احادیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر ان کے پاس اس کا کوئی علمی جواب بھی نہیں ہے کہ انہوں نے یہ معنی کیوں لیا ہے؟

پس اکثر وبیشتر اگر آپ احادیث کا صحیح ترجمہ نقل کر دیں تو ملحد اور منکر حدیث کا اعتراض ہی رفع ہو جاتا ہے، محض صحیح ترجمہ کر دینے سے۔اس بات کا آپ کو یہ مکالمہ پڑھ کر اندازہ ہو گا کہ حدیث پر

[1] اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے راقم کی کتاب "اسلام اور مستشرقین" کا مطالعہ مفید ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعتراض کی صرف ایک ہی بنیاد تھی اور وہ اس ملحد کا نقل کیا گیا ترجمہ تھا۔ جیسے ہی اس کے ترجمے پر سوالیہ نشان کھڑا ہوا اور وہ اپنے ترجمے سے رجوع کرنے لگا تو حدیث پر سے اعتراض بھی رفع ہو گیا۔ تو زیادہ اعتراض تو ملحدین کے تعصب نے پیدا کیا ہے اور کچھ ان کی حدیث کے بارے جہالت نے بھی۔

ملحد کا ترجمہ یہ تھا:

"عروہ بن الزبیر سے روایت ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا۔ مجھے معلوم نہ ہوا کہ اچانک زینب بنت جحش میرے گھر بغیر اجازت کے آ گئیں، وہ غصہ میں تھیں انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں سمجھتی ہوں جب ابو بکر کی چھوکری اپنے قمیض الٹے تو وہ آپ کو کافی ہے۔"

[سنن ابن ماجہ، حدیث: 1982]

ملحد نے جو روایت پیش کی ہے، اس کا عربی متن یہ ہے:

«عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: مَا عَلِمْتُ حَتَّى دَخَلَتْ عَلَيَّ زَيْنَبُ بِغَيْرِ إِذْنٍ وَهِيَ غَضْبَى، ثُمَّ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَحَسْبُكَ إِذَا قَلَبَتْ بُنَيَّةُ أَبِي بَكْرٍ ذُرَيْعَتَيْهَا»

اس روایت میں ملحد نے "بنية" کا ترجمہ "چھوکری" اور "ذريعتى" کا ترجمہ "قمیص" کیا ہوا ہے؟ جبکہ ان کا ترجمہ بالترتیب "چھوٹی بیٹی" اور "چھوٹے بازو" ہے یعنی جب ابو بکر رضی اللہ عنہ کی چھوٹی بیٹی آپ کے سامنے اپنے چھوٹے چھوٹے بازو لہراتی ہے تو کیا آپ کے لیے اتنا ہی کافی ہو جاتا ہے کہ آپ ان کی بات پر اعتماد کر لیں۔

دہریت (atheism) پھیلانے والی این-جی-اوز

"مشعل" ایک امریکن این-جی-او ہے کہ جس کا ہیڈ آفس گارڈن ٹاؤن، لاہور میں ہے۔ اس این۔جی۔او کے چیئرمین جناب پروفیسر ڈاکٹر پرویز ہود بھائے ہیں۔ یہ این-جی-او پچھلی کئی دہائیوں سے انگریزی میں شائع شدہ مذہب مخالف، اسلام مخالف اور خدا مخالف لٹریچر کو اردو زبان میں منتقل کر کے نہ صرف پبلش کر رہی ہے بلکہ فری میں ڈسٹری بیوٹ کر رہی ہے کہ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کا مقصد پاکستانی معاشرے اور اسلامی جمہوریہ پاکستان میں ملحدوں (atheists) کی تعداد میں اضافہ کرنا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس این-جی-او نے دہریت کو پھیلانے میں غیر علمی بلکہ سیاسی پارٹیوں کے جیالے پن والا رویہ اختیار کیا ہے۔ مثلاً معروف ملحد کارل ساگاں ملحد کی ایک کتاب "کوسموس" کہ جس کا ترجمہ اس این-جی-او نے پبلش کیا ہے، کے صفحہ 240 کی ابتدا اس جملے سے ہوتی ہے:

"کچھ احمقوں کا دعوی ہے کہ کسی خالق نے دنیا کو بنایا ہے۔"

اب ایسی کتابیں کہ جن میں خدا پر ایمان رکھنے والوں کو احمق کہا جارہا ہے، اسلامی جمہوریہ پاکستان میں "سائنس" اور "علم" کے نام پہ پبلش کی جارہی ہیں۔

تمام دوستوں سے اپیل ہے کہ اس پوسٹ کو زیادہ سے زیادہ شیئر کریں بلکہ کوئی بھائی اس این-جی-او کو بین کرنے کے نام سے ایک فیس بک پیج بھی بنادیں کہ جس میں اس کی منفی اور الحادی سرگرمیوں کے بارے کچھ مواد ہو اور پھر اس پیج کے ذریعے اس مسئلے کو سوشل میڈیا سے میڈیا میں ہائی لائٹ کیا جائے تاکہ ملک کی اکثریت یعنی مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کرنے والے مواد کو قانونی طور بین کرنے کی راہ ہموار ہو سکے کہ ایسے مواد کے پبلش نہ کرنے کے بارے ہمارے آئین میں بھی ہدایات موجود ہیں۔

مسئلہ یہ نہیں کہ ملحدوں نے خدا کے نہ ہونے کو سائنس سے ثابت کر کے کسی علمی رویے کا ثبوت دیا ہے کہ جس کا علمی جواب وقت کی ضرورت ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ملحدوں نے مذہب، خدا، اور اہل ایمان کو گالیاں دیتے ہوئے انسانی جذبات کو مجروح کرنا شروع کر دیا ہے اور قانون اسی قسم کی ناانصافیوں کی تلافی کے لیے ہوتا ہے۔

پس ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ قانون اس کی اجازت نہیں دیتا کہ آپ خدا کے ماننے والوں کو بے وقوف یا احمق کہیں، اگر مذہبی لوگ کچھ ایسا کرتے ہیں کہ جس سے دوسروں کی دل آزاری ہو یا ہونے کا اندیشہ بھی ہو تو قانون فوراً حرکت میں آتا ہے۔ اور معلوم کرنا ہو تو آج اردو بازار کا ایک چکر لگا کر معلوم کر لیں کہ آج کل کون کون سی کتابوں کی اشاعت پر قانونی پابندی ہے۔ اور بعض مذہبی کتابوں کے بارے جان کر آپ کو حیرت ہو گی کہ انہیں کیوں بین کیا جارہا ہے۔ تو مذہبی کتابوں کے ساتھ یہ امتیازی سلوک کیوں ہے کہ انہیں تو فوراً بین کر دیا جاتا ہے اور ملحدوں کی کتابوں کو، چاہے وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئین مخالف بھی ہوں، کوئی پوچھتا ہی نہیں ہے۔ اگر اتنا ہی آزادی کی پری بننے کا شوق ہے تو مذہبی طبقات کو بھی فریڈم آف ایکسپریشن دینا چاہیے۔

بعض دوستوں کا خیال ہے کہ دہریوں کی کتابوں کو بین (ban) کرنے کا مطالبہ درست نہیں کہ انہیں دلیل سے جواب دینا چاہیے۔ تو ہمارا ان دوستوں سے سوال یہ ہے کہ کیا دہشت گردوں کا لٹریچر بین کیا جانا چاہیے؟ یا حکومت کو چاہیے کہ انہیں بین (ban) کرنے کی بجائے ان کی دلیل کا جواب دے؟

الحاد کی تبلیغ کے خلاف قانون سازی کی ضرورت

ہمارے معاشرے میں الحاد کی تبلیغ کے تین بڑے پلیٹ فارمز ہیں۔ ایک سوشل میڈیا کہ جس پر فیس بک پیجز، بلاگز اور گروپس وغیرہ کی صورت میں باقاعدہ پلاننگ سے الحاد پھیلایا جاتا رہا ہے۔ دوسرا تعلیمی ادارے کہ اکیڈمیوں، کالجز اور یونیورسٹیوں میں بعض ایسے ملحد پروفیسر حضرات موجود ہیں جو بچوں کو سائنس اور سوشل سائنسز کے نام پر غیر محسوس انداز میں الحاد کی تعلیم دیتے ہیں۔ تیسرا این جی اوز ہیں جیسا کہ مشعل نامی این۔جی۔او کا ہم پہلے ہی تذکرہ کر چکے ہیں کہ جو الحادی کتب کا انگریزی سے اردو میں ترجمہ کروا کے پھیلا رہے ہیں۔

جس طرح حکومت نے مذہبی انتہا پسندی کے بارے میں قانون سازی کی ہے کہ جس میں مدارس کی رجسٹریشن بھی شامل ہے، اور علماء نے اس کو سچے دل سے قبول بھی کیا ہے، اسی طرح الحاد کے بارے بھی قانون سازی کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں دہشت گرد اور ملحد دونوں ایک ہی درجے کے ریاست مخالف (anti state) عناصر ہیں کہ دونوں ریاست کی تباہی چاہتے ہیں۔ دہشت گرد، ریاستی ڈھانچے کو گرانا چاہتا ہے تو ملحد ریاست کی آئیڈیالوجی کو ڈھانا چاہتا ہے۔

اگر ہمارے بچے مدرسے میں دہشت گرد بننے نہیں جاتے تو اکیڈمی، کالج اور یونیورسٹی میں ان کے والدین، لاکھوں میں فیسیں ادا کر کے انہیں ملحد بنانے کے لیے نہیں بھیجتے ہیں۔ ہمارے معاشرے میں 98 فی صد لوگ خدا کے قائل ہیں اور قائل رہنا چاہتے ہیں۔ انہیں مولوی کے نام پر خدا، رسول اور مذہب سے بیزار کرنا قانونی اور اخلاقی جرم ہے۔ لہذا جسے خدا سے زیادہ ہی ناراضگی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے تو وہ یا تو اپنے ہم جولیوں کے پاس یورپ چلا جائے یا پھر خاموش رہے، اور الحاد پھیلا کر ریاست کی آئیڈیالوجی کے خلاف سازشیں نہ کرے۔

اور ہم تو الحاد کے موضوع پر تفصیل سے لکھ چکے ہیں کہ اس کے کئی ایک اسباب ہیں اور تعلیمی اداروں میں الحاد کے پھیلنے کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ملحد لڑکوں کو کوئی ملحد لڑکی چاہیے کہ جس میں خدا اور مذہب کا کوئی خوف نہ ہو اور آگے کی کہانی واضح ہے۔ دو چار ایسے بھی ہیں کہ جنہوں نے غلطی سے دو چار کتابیں پڑھ لی ہیں اور اب ان سے وہ ہضم نہیں ہو رہی ہیں لیکن اکثر کا مسئلہ لڑکی کا حصول ہے، بس۔ اور ایسی لڑکیاں انہیں یورپ میں ہی مل سکتی ہیں۔

نامور علماء، مذہبی جماعتوں، اسلامی تحریکوں، دینی مدارس اور خدا پر ایمان رکھنے والے مومنوں کو اس وقت یہ فیصلہ کرنا ہوگا کہ حکومت کو اس بات پر مجبور کریں کہ جس طرح اس ملک میں انتہا پسندی کی تبلیغ کو بین کر دیا گیا، اسی طرح الحاد کی تبلیغ کو بھی ناممکن بنا دیا جائے۔ جس طرح دینی مدارس سے طالبانی فکر کی تبلیغ کرنے والے اساتذہ کو پیغام دیا جاتا رہا ہے، اسی طرح اکیڈمی، کالج اور یونیورسٹی میں الحاد کی تبلیغ کرنے والے ٹیچرز کو بھی واضح پیغام جانا چاہیے۔

ہمیں نہ تو دہشت گرد بننا ہے اور نہ ہی ملحد۔ جس طرح زیرو فی صد برداشت طالبانی فکر کے لیے رکھی گئی ہے، اسی طرح الحادی فکر کے لیے بھی رکھی جائے۔ لیکن یہاں اگر دوہرے معیارات چلائے گئے کہ انتہا پسندی کے شبہے میں تو بندہ اٹھا لیں اور الحاد کی تبلیغ کی کھلی چھوٹ دے رکھیں تو اس ریاست کو تباہ ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اور یہ فطرت کا اصول ہے، کوئی مذہبی پیشین گوئی نہیں۔ اگر 98 فی صد انتہا پسند نہیں بن سکتا تو اس پر الحاد بھی نہیں تھوپا جا سکتا، جو کہ خود ایک انتہا پسندی ہے۔

اس ملک میں دہشت گرد دو ہیں؛ انتہا پسند اور ملحد۔ اور اگر مولوی سے مراد دہشت گرد ہے تو پھر ملحد بھی مولوی ہی ہے۔ دونوں معصوم بچوں کو ریاست کے خلاف ورغلا رہے ہیں، ایک عملی طور اور دوسرے نظریاتی طور۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قادیانی ملحدین، شیعہ ملحدین اور سنی ملحدین کی سرد جنگ

جو لوگ الحاد (atheism) کی طرف مائل ہوتے ہیں، وہ مختلف قسم کا مذہبی پس منظر رکھتے ہیں۔ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ قادیانیوں اور اہل تشیع کا الحاد کی طرف رجحان اہل سنت سے بہت بڑھ کر ہے۔ الحاد کے اسباب جہاں نفسانی، نفسیاتی اور معاشرتی ہیں، وہاں اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ بھی ہے کہ بہت سے لوگ اس لیے ملحد (atheist) بن جاتے ہیں کہ ان سے اپنے مذہب یا مسلک کے بارے لوگوں کے شرعی و عقلی سوالات اور اعتراضات کا جواب نہیں بن پڑتا۔

اب یا تو ملحد کو اپنے مذہب اور مسلک کا اتنا علم نہیں ہوتا یا پھر اس کا مذہب اور مسلک ہی اس قابل نہیں ہوتا کہ اس کا دفاع کیا جا سکے لہذا وہ ملحد بن جانے میں ہی عافیت سمجھتا ہے کہ کون روز روز کے اعتراضات اور سوالات کا جواب دیتا پھرے۔ دلچسپ بات بلکہ لطیفہ یہ ہے کہ ایسے مختلف مذہبی پس منظر رکھنے والے ملحد جب ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوتے ہیں تو اپنے مذہبی پس منظر پر خاموشی اور دوسرے کے بارے میں خوب زبان درازی کرتے ہیں۔ مثلاً سنی سے دہریہ بننے والے ملحد کی خواہش ہو گی کہ وہ اہل بیت پر خوب زبان درازی کرے کہ جس پر شیعہ ملحد خاموش رہتا ہے۔ اس کا بدلہ شیعہ ملحد ازواج مطہرات پر زبان درازی کے ذریعے لیتا ہے۔

اور قادیانی سے ملحد بننے والے اللہ کے رسول ﷺ پر خوب زبان درازی کر رہے ہوں گے لیکن جیسے ہی غلام احمد قادیانی کی باری آئے گی تو ان کا لب ولہجہ نرم پڑے جائے گا۔ مجھے تو ان ملحدوں کے رویے دیکھ دیکھ کر ہنسی آتی ہے کہ ایک سنی ملحد جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف زہر آلود پوسٹ لگاتا ہے تو شیعہ ملحد یہ کہتے ہوئے کہ بھئی میں ملحد تو ہوں لیکن شیعہ کتابوں میں یہ پڑھا ہے یا شیعہ میں ایسے نہیں ہوتا ہے، جیسے الفاظ کہہ کر ممیانے لگ جاتا ہے۔

وہ ملحد جو ماضی میں اسماعیلی شیعہ تھا، اسماعیلیوں کے تصور خدا کی بات پر بات کا رخ پھیر دے گا لیکن اہل سنت کے خدا کو خوب برا بھلا کہے گا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ نام نہاد ملحدین کی یہ جماعت ایک ہی پلیٹ فارم پر ایک دوسرے کو گمراہ کرنے میں لگی ہوئی ہے۔ اب دیکھیں ان میں سے کون کامیاب ہوتا ہے۔ جنہیں فری تھنکرز کی زیارت کا موقع ملا ہے، وہ اس حقیقت حال سے بخوبی واقف ہوں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گے بلکہ وہ تو کمنٹ سے بھی اندازہ لگا لیتے ہوں گے کہ ملحد بھائی صاحب "سابق فلاں" تھے۔

یا تو امر واقعہ یہ ہے کہ ان ملحدوں نے اپنے آپ کو اسلام سے باہر کر لیا لیکن اپنے سابقہ مذہبی عقائد اور مسلک سے باہر نہیں کر سکے ہیں۔ یا پھر یہ ایک دوسرے کو گمراہ کرنے میں لگے ہیں کہ شیعہ ملحد، سنیوں میں زیادہ ملحد چاہتا ہے اور سنی ملحد، شیعوں میں زیادہ ملحدوں کی خواہش رکھتا ہے کہ ان کا خیال ہے کہ شاید اس طرح سے وہ اپنے ڈربے کی مرغیوں کی تعداد میں اضافہ کر سکتے ہیں۔

مخلص ملحدین

بعض ملحدین کی الحاد اور اسلام کے بارے پوسٹیں دیکھ کر بچپن میں پڑھا ہوا عمرو عیار کا کردار یاد آ جاتا ہے۔ اسی طرح کے ایک ملحد نے اپنے ایک پلیٹ فارم پر ایک پوسٹ لگائی کہ وہ الحاد سے اسلام کی طرف واپس آنا چاہتا ہے لیکن انہیں کوئی مسلمان پہلے اس کے لیے قائل کرے یا رستہ بتلائے تو پھر وہ واپس ہو گا۔

اب اس پر سادہ لوح مسلمانوں نے اسے مخلصانہ تجاویز دینی شروع کر دیں کہ جن پر وہ معصومانہ عیاری سے تبصرہ کرتا رہا۔ اب کسی نے مشورہ دیا کہ قرآن، حدیث پڑھ لو تو جواب دیا کہ وہ تو پہلے ہی پڑھ لی ہے، اس سے افاقہ نہیں ہوا۔ کسی نے کہا کہ کلمہ پڑھ لو تو جواب دیا کہ وہ پڑھنے سے بھی دل کا یقین تو حاصل نہیں ہو رہا وغیرہ وغیرہ۔

راقم نے سب سے پہلے ان صاحب کی ہسٹری کھنگالی تو معلوم ہوا کہ دو دن پہلے ہی اسلام کے خلاف زہر آلود پوسٹیں لگا چکے ہیں کہ جن میں اسلام سے اپنی شدید نفرت کا اظہار بھی کر چکے بلکہ پوسٹ کا عنوان ہی "اسلام سے نفرت" تھا۔ اس پر راقم نے ان صاحب کی عیاری بھانپ لی اور انہیں وہ جوابات دیے جو کہ قرآن مجید نے بعض سازشی منافقوں کو دیے ہیں کہ جو اپنے اخلاص کی قسمیں کھاتے نہیں تھکتے تھے۔

خالق، اپنی مخلوق کے رویوں کو بہت بہتر طور سمجھتا ہے۔ کیا مالک یہ نہ جانے گا کہ اس کے غلاموں کی نفسیات کیا ہیں اور وہ کب، کہاں سے، کیا بات اور کیوں کرتے ہیں؟ اللہ تعالی نے اپنی کتاب قرآن مجید میں کافروں اور منافقوں کی سازشوں کا خوب بھانڈا پھوڑا ہے جیسا کہ یہود کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منافقین کے بارے کہا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ صبح ایمان کے ساتھ کرو اور شام کو کفر کا اعلان کر دو۔ اور یہ سب اسی لیے ہے کہ مومن ان ملحدوں کے بارے ہر وقت سادہ لوحی سے نہ سوچیں۔ یہ در اصل مخلص ملحدین ہیں، اپنے الحاد کے ساتھ مخلص۔

ملحد کی نماز

ایک اچھا ملحد (atheist) وہ ہے جو نماز بھی پڑھے اور اپنے بچوں کو قرآن بھی پڑھوائے، یہ بعض ملحدوں کا کہنا ہے۔ او ملحدو! حقیقت یہ ہے کہ تم انتہائی کوشش کے باوجود خدا کو اپنے اندر سے نہیں نکال پائے، خدا تمہارے وارثوں (genes) میں ہے، کب تک اس سے لڑتے رہو گے، تمہارے الفاظ اور تمہارا عمل اس بات کا گواہ ہے کہ تم خدا کے خلاف جنگ میں اپنے آپ سے بھی ہار چکے ہو۔

اب اپنے اندر کے اصل مومن کے انکار کے لیے کبھی دل آزاری کا بہانہ مار رہے ہو اور کبھی مذہبی جنون کو طعنہ دے رہے ہو۔ فیس بک پر الحاد کے اظہار میں تمہیں کوئی خطرہ نہیں، ہاں حقیقی زندگی میں ہے؟ جو باپ کی دل آزاری سے بچتے ہیں، وہ ایک جہاں کی دل آزاری میں مصروف ہیں؟

اسی لیے تو ہم کہتے ہیں کہ خدا کوئی ایسی شیء نہیں ہے جو باہر سے تمہارے دماغ میں انڈیلی جا سکے بلکہ خدا وہ ہے جو تمہارے اندر سے اگلوایا جائے گا۔

ملحد اور مومن

ملحد: میں کیسے یقین کر لوں کہ خدا ہے؟ مومن: رسول اللہ تو ہیں ناں۔ رسول اللہ ﷺ کا وجود ہی خدا کے وجود کی روشن دلیل ہے اور حالی دلیل بھی ہے اور تاریخی بھی۔

سوال اصل میں یہ ہے کہ ایمان باللہ اصل ہے یا ایمان بالرسول؟ ہم نے پہلے رسول کو مانا یا خدا کو؟ ہم خدا کو اس لیے مانتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کہا ہے، یا کسی اور وجہ سے؟ تو اگر رسول کو پہلے مانا ہے تو سوال تو رسول پر کریں، خدا پر کرنا تو درست ترتیب نہیں ہے۔

ملحد اور مولوی

بعض ملحد نیوٹن کے حرکت کے تیسرے قانون کے عین مطابق مولوی کا ردعمل ہیں۔ یہ ہنسنے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی بھی بات ہے اور رونے کی بھی۔ نیوٹن کا حرکت کا تیسرا قانون یہ ہے کہ ہر عمل کا ایک رد عمل ہوتا ہے جو مقدار میں برابر لیکن سمت میں مخالف ہوتا ہے۔

ہم بعض اوقات ملحدین کا پس منظر جانے بغیر ان کے اعتراضات کو علمی سمجھ کر انہیں علمی جواب دینا شروع کر دیتے ہیں جبکہ کسی ملحد سے مکالمہ کرنے سے پہلے اس کی شخصیت کا خاموش ذہانت کے ساتھ جائزہ لینا بہت ضروری ہے۔

مثلاً اگر آپ کی کسی ایسے ملحد (atheist) سے ملاقات ہو جو کہ فاضل درس نظامی ہو تو پہلی ہی نظر میں یہ مت گمان کریں کہ اسے خدا کے بارے کوئی علمی شبہہ لاحق ہو گیا ہے بلکہ سب سے پہلا کام یہ کریں کہ اس سے دوستی کر کے یہ معلوم کریں کہ اس کے مدرسے کی زندگی میں اس کے ساتھ کوئی جسمانی یا جنسی تشدد تو نہیں ہوا؟

اور اگر وہ ملحد آپ کے اخلاص اور ہمدردی کی وجہ سے آپ سے اپنا غم شیئر کر لیتا ہے تو اس ملحد کے سامنے اس مولوی صاحب کو خوب دعائیں دیں کہ جن کی برکت سے یہ فاضل یہاں تک پہنچا، ان شاء اللہ، الحاد کا مرض جاتا رہے گا۔ بھئی، اب اس سارے سیاق وسباق میں دعائیں دینے کا معنی تو واضح ہی ہے ناں؟

ہم عرض کر چکے ہیں کہ الحاد کوئی علمی مسئلہ نہیں ہے، اس کے اسباب نفسانی، نفسیاتی، معاشرتی اور تقدیری زیادہ ہیں۔ آپ صحیح سبب تلاش کر لیں، مریض سے ہمدردی کا اظہار کریں، مریض کا مرض جاتا رہے گا۔

داڑھی والے ملحد اور بے داڑھی کے مومن

پروردگار! ہمیں داڑھی والے ملحدوں کی صحبت سے بچا اور بے داڑھی مومنوں کی محبت نصیب فرما۔ آمین یارب العالمین۔ اس جملے کو سادہ سمجھ کر تبصرہ نہ کریں، اس میں بہت گہرائیاں اور وسعتیں ہیں۔ ایک دو کی طرف اشارہ کیے دیتا ہوں کہ اللہ نہ کرے کہ مستقبل قریب میں داڑھی والے مسلمان امت کو لعن طعن کرنے اور کوسنے کا مذہبی فریضہ سرانجام دے رہے ہوں اور امت اپنے حق میں آواز بلند کرنے والوں کے لیے بے داڑھی والوں کی راہ دیکھ رہی ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور داڑھی رکھنے سے کوئی مومن تھوڑا بن جاتا ہے، داڑھی تو ڈارون کے بھی تھی، فرائیڈ کی بھی، کارل مارکس کی بھی۔ عیسائیت میں ارتداد اور مذہب بیزاری کا آغاز داڑھی والوں سے ہی ہوا تھا۔ مسلمانوں میں بھی آپ کو ایسے داڑھی والے نظر آجائیں گے جو خدا یا مذہب یا امت سے بیزار ہیں۔

یہ تحریر داڑھی پر نقد نہیں بلکہ داڑھی والے ملحدوں سے سادہ لوح مسلمانوں کو خبردار کرنے کے لیے ہے۔ اور کسی کے الحاد کا تعین اس سے نہ کریں کہ اسے آپ سے کتنا اختلاف ہے بلکہ اس سے کہ اسے امت سے کتنا بغض ہے۔ یہ امت اس دنیا میں اللہ کے وجود اور اس کے بھیجے ہوئے دین کی واحد نشانی ہے۔ یہ نہیں، تو کون سا دین؟ اور کاہے کا ایمان؟

ملحد اور گندی مکھی

جس طرح گندی مکھی ہمیشہ گند پر ہی بیٹھتی ہے اور نہ صرف بیٹھتی ہے بلکہ بیٹھنے کے بعد جہاں جاتی ہے، گند پھیلا کر آجاتی ہے، کچھ اسی قسم کا معاملہ آج کل کے ملحدین کا بھی ہے۔ انہیں قرآن مجید اور احادیث میں بیان شدہ پیغمبر اسلام ﷺ کے ہزاروں فضائل اور دین اسلام کی سینکڑوں خوبیاں نظر نہیں آئیں گی لیکن چند آیات اور روایات متشابہات کہ جن میں ان ملحدوں کے لیے آزمائش کا خوب سامان موجود ہے، ان کی نظروں سے کبھی اوجھل نہ رہیں گے۔

کچھ دن پہلے ملحدوں کے ایک فیس بک پیج کو وزٹ کیا اور وہاں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف برپا طوفان بدتمیزی پر بعض سنجیدہ کہلوائے جانے والے ملحدین کو راقم نے یہ باور کروایا کہ وہ "فری تھنکرز" (free thinkers) ہونے کے صرف وہم میں مبتلا ہیں، دراصل وہ "بائیسڈ تھنکرز" ہیں کہ جنہیں پیغمبر اسلام اور دین اسلام کی کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔

حدیث کی کتاب صحیح بخاری ہی کو لے لیں، اس میں کتنی زیادہ روایات ایسی ہیں کہ جو دین اسلام کی خوبی بیان کرنے میں قطعی ہیں لیکن کسی ملحد کو آج تک حدیث کے اس غالب ذخیرہ میں سے کوئی حدیث نقل کرنے کی توفیق نہیں ہوئی بلکہ انہیں تیس ہزار احادیث میں وہی تیس احادیث یا مکمل قرآن مجید میں سے وہ چند آیات ہی بار بار یاد آتی ہیں کہ جن میں ان کی آزمائش کا مکمل سامان موجود ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی لیے تو قرآن مجید نے کہا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب سے بہتوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہتوں کو گمراہ بھی کرتا ہے۔[1] جس کا دل ہدایت کی طرف مائل ہو، اس کے لیے قرآن مجید اور احادیث آزمائش نہیں بنتے لیکن جس کا دل شروع ہی سے فتنے کی طرف مائل ہو تو اس کے لیے یہی قرآن مجید اور احادیث آزمائش بن جاتی ہیں۔ اللہ نے تو خود بیان فرما دیا ہے کہ ہم نے آیات متشابہات جان بوجھ کر اس کتاب میں رکھی ہیں تاکہ فتنہ پروروں کے لیے آزمائش بنیں۔

اگر یہ ملحد اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے معاملے میں متعصب نہ ہوں تو لازماً مسند احمد کی یہ حدیث بھی شیئر کریں کہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں کہا: "اے بادشاہ! ہم جہالت میں پڑے تھے، بتوں کی عبادت کرتے ہیں، مردار کھاتے تھے، بدکاری کرتے تھے، رشتہ داروں سے رشتہ توڑتے تھے، پڑوسیوں سے برا سلوک کرتے تھے، جو ہم میں سے مضبوط تھے، وہ کمزور کو دبا لیتے تھے۔ ان حالات میں اللہ نے ہماری طرف ایک ایسے شخص کو رسول بنا کر بھیجا کہ جس کے حسب نسب، عفت و عصمت اور صدق و امانت سے ہم خوب واقف تھے۔ انہوں نے ہمیں توحید کی دعوت دی کہ ہم صرف اللہ ہی کی عبادت کریں۔ ان پتھروں اور بتوں کی عبادت ترک کر دیں کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے۔ ہمیشہ سچی بات کہیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں، رشتہ داروں سے رشتہ داری جوڑیں، پڑوسیوں سے اچھا سلوک کریں، حرام کاموں سے بچیں، لوگوں کا خون بہانے سے بچیں، بدکاری سے بچیں، جھوٹ سے بچیں، یتیم کا مال کھانے سے بچیں اور پاکدامن عورت پر تہمت لگانے باز رہیں...."

انڈر سٹینڈنگ محمد از علی سینا

ایک دوست نے ایک عیسائی مصنف علی سینا کی ایک کتاب "انڈر سٹینڈنگ محمد" کا اردو ترجمہ پڑھنے کو دیا اور ساتھ ہی اس پر تبصرہ کرنے کو کہا۔ آج فرصت میں کتاب دیکھنے کا موقع ملا، اور میرا فوری تبصرہ تو یہی تھا کہ اسے کتاب کہنا کتاب کی توہین ہے۔ پوری کتاب رسول اللہ ﷺ پر گالم گلوچ سے بھری پڑی ہے۔

[1] البقرۃ: 26

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کتاب کو پڑھ کر ابکائیاں تو کی جاسکتی ہیں، کوئی جواب نہیں دیا جاسکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جواب کسی علمی دعوی کا ہوتا ہے نہ کہ گالم گلوچ کا۔ گالم گلوچ کا جواب صرف اور صرف صبر ومصابرت ہے۔ اور علمی دعوی، علمی حقائق کی بنیاد پر ہوتا ہے، اصول تحقیق اور مناہج بحث کی روشنی میں ہوتا ہے نہ کہ ذہنی وساوس اور اوہام کی بنیاد پر۔

اس مصنف کی تحریر کا ہر ہر صفحہ چیخ چیخ کر یہ پکار رہا ہے کہ یہ نفسیاتی مریض ہے اور جس مرض میں یہ مبتلا ہے، اسے ذہنی اختلال (psychosis) کی بیماری کہتے ہیں کہ جس میں انسان کے جذبات اور خیالات میں کوئی معقول اور بامعنی ربط موجود نہیں ہوتا۔ دوسرا نفسیاتی مرض جو اس مصنف کو لاحق ہے وہ اسلاموفوبیا (Islamophobia) ہے۔ علی سینا کے بقول اس کی زندگی کا مقصد اسلام کا خاتمہ ہے۔ ابھی تو اور بھی بہت سے مرض ذہن میں آرہے ہیں کہ جن میں یہ شخص مبتلا ہے لیکن تحریر لمبی ہو جائے گی۔

بس مختصراً یہ عرض ہے کہ جن لوگوں کو استشراق (oriental-ism) کے موضوع سے کچھ دلچسپی ہے تو ان کے لیے اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ علی سینا کی اس تحریر کی علمی قدر قیمت کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ اس کا دیباچہ "ابن وراق" نے لکھا ہے یعنی چور کا گواہ جیب کترا۔

صحیح بات تو یہی ہے کہ ملحدوں اور مرتدوں کی ایک جماعت ایسی بھی ہے کہ جسے قرآن مجید ہٹ دھرم کہتا ہے اور ایسے لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھے، انھیں اگر کوئی معجزہ بھی دکھایا جاتا تو وہ کہتے کہ ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اور آج کل کے ملحدوں اور مرتدوں کو بھی عقلی و منطقی دلیل تو کجا، آپ خدا بھی دکھا دیں، تو بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ یہی کہیں گے کہ یہ خطائے حس (hallucination) ہے۔ بس مصطلحات بدل گئی ہیں، رویے وہی ہیں۔

نفسیات اور سائنس کی چند اصطلاحات ان کے ہاتھ لگ گئی ہیں کہ جنہیں یہ گھما پھرا کر دین اسلام کے خلاف استعمال کرتے رہتے ہیں اور ان کا علاج یہی ہے کہ انہی مصطلحات کو ان کے خلاف استعمال کیا جائے۔ اب کے مذہبی لوگ بہت پڑھے لکھے اور ذہین ترین افراد ہیں۔ یہ ملحد ان کے خلاف نفسیات کی دو چار اصطلاحات کیا استعمال کریں گے کہ وہ نفسیات کا پورا انسائیکلو پیڈیا ان پر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انڈیل دیں گے۔ اگر آپ کسی ملحد کو کہیں کہ میری دعا قبول ہو جاتی ہے تو وہ جواب میں کہے گا کہ یہ احتمال (probability) ہے اور کچھ نہیں۔ تو تمہاری سائنس بھی تو احتمال (probability) ہو سکتی ہے، کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم بندر کی بجائے سور کی اولاد ہو، جیسا کہ اب بعض بیالوجسٹ یہ دعوی کر رہے ہیں کہ مذکر سور نے مونث چمپینزی سے تعلق قائم کیا تو انسان نکل آیا، ایوولوشن والا انسان۔

ملحد کا المیہ: شارٹ اسٹوری

پہلا منظر: بستر مرگ پر ایڑیاں رگڑتے ملحد (atheist) نے سوچنا شروع کیا کہ اس کی آزمائش کی آخر وجہ کیا ہے؟

دوسرا منظر: جیسے ہی خدا کا نام اس کے ذہن میں آیا تو وہ سر تا پاؤں غصے سے بھر گیا۔

تیسرا منظر: اس نے ارد گرد دیکھا اور خدا کو گالی دینے کے لیے پورے وجود سے زور لگایا لیکن اس کا سانس حلق میں ہی اٹک کر رہ گیا۔

الحاد: اقسام، اسباب، رد اور علاج

الحاد کو سمجھنے کی غرض سے ہم اسے دو قسموں میں بانٹ سکتے ہیں؛ علمی الحاد اور نفسانی الحاد۔ علمی الحاد بہت ہی نادر ہے کہ جس میں کسی شخص کو علمی طور خدا کے وجود کے بارے شکوک و شبہات لاحق ہو جائیں۔ اور یہ لوگ دنیا میں گنے چنے ہیں جیسا کہ فلاسفہ اور نظریاتی سائنسدانوں کی جماعت۔

نفسانی (sensual) الحاد بڑے پیمانے پر موجود ہے کہ جس میں ایک شخص کو خدا کے وجود کے بارے شکوک و شبہات علمی طور تو لاحق نہیں ہوتے بلکہ وہ اپنی خواہش نفس کے سبب خدا کے بارے شکوک و شبہات کا اظہار کرتا رہتا ہے۔ اس قسم کا ملحد عموماً اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہوتا ہے اور اپنی خواہش کو علم سمجھ رہا ہوتا ہے۔ دیسی ملحدوں کی بڑی تعداد ایسے ہی لوگوں پر مشتمل ہے۔

علمی الحاد کا سبب صرف ایک ہے اور وہ ہے فلسفہ، چاہے فلسفہ برائے فلسفہ ہو یا فلاسفی آف سائنس ہو، قدیم دور اور قرون وسطی (middle ages) میں الحاد کا سب سے بڑا سبب فلسفہ و منطق تھا لہذا اس دور میں فلسفہ و منطق کا رد وقت کی ایک ضرورت تھی۔ عصر حاضر میں الحاد کا سب سے بڑا سبب "فلاسفی آف سائنس" یا "نظریاتی سائنس" ہے لہذا اس دور میں فلسفے کا رد بے معنی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"فلاسفی آف سائنس" یا "نظریاتی سائنس" کا رد وقت کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اسٹیون ہاکنگ کے زمانے میں کانٹ کو جواب دینا عقلمندی کی بات نہیں ہے۔

ہم اس بات کا اندازہ اس سے لگالیں کہ ہمارے ارد گرد کتنے ملحد ہیں جو ہمیں ارسطو کی منطق یا کانٹ کی پیور ریزن سے دلیل دیتے نظر آتے ہیں، دو چار بھی نہیں، یہ ملحد وہی ہیں جن کی کل دلیل بگ بینگ یا ارتقاء وغیرہ کے نظریات ہیں۔ لہذا الحاد کے رد کی خواہش رکھنا اور فلسفہ سے اس کی امید رکھنا وقت کا ضیاع ہے کیونکہ معاصر الحاد کا سبب فلسفہ ہے ہی نہیں۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ آدمی اگر ذہین اور گہرا ہو تو فلسفہ پڑھنے پڑھانے سے اس کی ذہانت اور گہرائی بڑھ جاتی ہے تو اس حد تک فلسفے کی افادیت میں شبہ نہیں ہے لیکن ذہانت اور گہرائی بڑھانے کے اور بھی بہت سے ذرائع ہیں۔

الحاد کے رد کے بارے ایک بات تو یہ ہے کہ الحاد اصلاً ہماری تہذیب کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مغربی تہذیب سے درآمد شدہ ہے لہذا الحاد کا رد ہماری مسلم تہذیبوں میں کوئی مستقل کام نہیں بلکہ ایک عارضی اور وقتی ضرورت ہے۔ آپ کو کوئی دیسی ملحد ایسا نہیں ملے گا کہ جس پر انگریز کا ٹھپہ نہ ہو۔ یعنی یہ لوگ اپنی سوچ سے ملحد نہیں بنے بلکہ الحاد ان میں باہر سے انڈیلا گیا ہے، چاہے فلسفے اور نظریاتی سائنس کی کتابیں پڑھنے کے رستے، چاہے مغربی ادیبوں اور شاعروں کے رستے، چاہے ہالی وڈ کی فلموں اور مووِیوں کے رستے، چاہے فلسفہ اور سائنس کی درسی کتابوں کے ذریعے، چاہے معاشرے میں موجود الحاد سے متاثر افراد سے میل جول کے رستے وغیرہ۔

پس پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاں سے یہ الحاد کی پراڈکٹ درآمد ہو رہی ہے، اس پر قانونی پابندی لگانی چاہیے جیسا کہ ملحدوں کی کتابوں کے انگریزی سے اردو تراجم پر۔ دوسری بات یہ ہے کہ جو الحاد انگریزی میں ہے، اس کا جواب انگریزی میں آنا چاہیے اور جو اردو میں ہے تو اس کا جواب اردو میں دے دیا جائے۔

تیسری بات جو اہم تر ہے، وہ علمی الحاد اور نفسانی الحاد کا جدید علم نفسیات کی روشنی میں تجزیہ ہے۔ جس دن ہم یہ کام کر لیں گے، اس دن ہم فلسفیوں اور فلسفے، ملحدوں اور الحاد کا ذہنی تکبر خاک میں ملا دیں گے۔ ذہنی الحاد اور نفسانی الحاد دونوں اصل میں نفسیاتی مسائل ہیں مثلاً دیسی ملحد عام طور وہ ہوتے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ جنہیں گھر میں بچپن میں کم توجہ ملی ہو یا وہ معاشرے میں اس سے زیادہ توجہ کے خواہاں ہوں کہ جو انہیں مل رہی ہوتی ہے لہذا وہ معاشرے میں توجہ حاصل کرنے کی شعوری اور لاشعوری کوششوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے یہ بات آتی ہے کہ خدا کے بارے شکوک وشبہات کا اظہار کر کے وہ جلد ہی لوگوں میں توجہ حاصل کر سکتے ہیں تو وہ اس قسم کی حرکتیں شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو علمی جواب دینا وقت کا ضیاع ہے۔ آپ اگر ان کا بہتر علاج چاہتے ہیں تو انہیں توجہ دیں، انہیں اہمیت دیں، ان کا مسئلہ ختم ہونا شروع ہو جائے گا۔

اگر آپ ذہنی الحاد کا نفسیاتی جائزہ لیں تو اس کی وجہ کثرت سے فلسفے اور نظریاتی سائنس کا مطالعہ ہے۔ انسان کی ذہنی ساخت ایسی ہے کہ اگر سارا دن مرغیوں کے بارے پڑھے گا تو خواب میں بھی اس کو مرغیاں ہی نظر آئیں گی۔ تو اگر ایک شخص تسلسل سے خدا کے بارے شکوک وشبہات پر مبنی لٹریچر کا مطالعہ کرے گا یا ویڈیوز دیکھے گا تو اسے تو بیداری کیا خواب میں بھی شکوک وشبہات ہی پیدا ہوں گے۔ تو الحاد انسان کا فطری مسئلہ کبھی بھی نہیں رہا ہے، نہ علمی الحاد اور نہ نفسانی، سب خارجی اسباب کی وجہ سے ہے۔ آپ اس سبب کو تلاش کر کے دور کر دیں، الحاد ختم ہو جائے گا۔ قرآن مجید الحاد کو علم کے مقابلے میں ظن وتخمین سے زیادہ مقام نہیں دیتا۔ اور فلاسفی کل کی کل ظن وتخمین ہی ہے، کیا "فلاسفی آف سائنس" ظن وتخمین نہیں ہے؟

پھر الحاد کے رد اور اس کے علاج میں بھی فرق ہے۔ الحاد کے رد سے لوگ مسلمان نہیں ہوتے ہیں بلکہ ملحدوں کا شر کم ہو جاتا ہے۔ الحاد کے علاج سے مراد یہ ہے کہ ہمارا مقصد ملحدوں کو لاجواب کرنے کی بجائے دین کی طرف راغب کرنا ہو اور علاج میں عقلی ومنطقی دلیلیں کم ہی مفید ہوتی ہیں۔ الحاد کا علاج صرف اور صرف قلبی اور روحانی طور ممکن ہے کہ جو نبیوں اور رسولوں کا طریق کار تھا یعنی صحبت صالحین یا قرآن مجید کی صحبت وغیرہ جیسا کہ قرآن سے تعلق کا وہ درجہ کہ جس کے اہل کو حدیث میں "صاحب قرآن" کہا گیا ہے۔

ملحدوں کی حکمت عملی

ملحدوں سے مکالمہ (dialogue) کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان کی حکمت عملی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(strategy) سے واقف ہوا جائے۔ اہم تر بات یہ ہے کہ سطحی ذہن کا ملحد ہمیشہ فروعات پر بحث کرنے کی کوشش کرے گا اصولوں پر نہیں۔ یعنی وہ آپ کو رسول کریم ﷺ کی شادیوں، تعدد ازواج، لونڈی، غلام، حجاب، نقاب، جہاد، طالبان، داعش وغیرہ جیسے تصورات میں الجھانے کی کوشش کرے گا اور اسے خدا اور مذہب کے انکار کی دلیل بنائے گا۔

ایسے ملحدوں کو فروعات کی بجائے پہلے اصولوں پر لانا چاہیے۔ مکالمے کے لیے پہلا موضوع "خالق ہے یا نہیں ہے" ہونا چاہیے۔ جب "خالق کا ہونا" ثابت ہو جائے تو پھر "مخلوق کی مقصدیت" کو موضوع بحث بنانا چاہیے کہ خالق کی تخلیق بامقصد ہے یا نہیں۔ جب تخلیق کا بامقصد ہونا ثابت ہو جائے تو پھر "مذہب کی ضرورت" کو موضوع بحث بنائے کہ مذہب کا ہونا ضروری ہے یا نہیں۔ جب "مذہب کی ضرورت" ثابت ہو جائے تو پھر صرف اسلام ہی کے تمام مذاہب میں مذہب برحق ہونے کو موضوع بحث بنایا جائے۔

جب خدا کا وجود اور مذہب کی ضرورت ثابت ہو جائے تو پھر رسالت کی ضرورت پر بحث کی جائے کہ اگر خدا ہے تو رسالت ضروری ہے یا نہیں۔ جب رسولوں کی ضرورت ثابت ہو جائے تو پھر محمد رسول اللہ ﷺ کے رسول ہونے پر بحث کی جائے کہ وہ اللہ کے سچے رسول ہیں یا نہیں۔ جب ان کا سچا رسول ہونا ثابت ہو جائے تو اب آپ کے لیے اس ملحد کو یہ سمجھانا مشکل نہیں ہے کہ محمد ﷺ نے اتنی شادیاں کیوں کیں؟

جب خدا، مذہب اور رسالت ثابت ہو جائیں تو اب آخرت اور جنت و جہنم پر بحث کی جائے۔ جب ان تمام اصولوں پر بحث ہو جائے تو اب فروعات کو زیر بحث لانے میں حرج نہیں ہے۔ جو لوگ اصولوں میں آپ سے متفق نہ ہوں تو ان سے فروعات میں بحث پر وقت ضائع کرنا درست نہیں۔

اور یہ اس لیے بھی کہ بڑا ذہن ہمیشہ اصولوں پر بحث کرتا ہے نہ کہ فروعات پر۔ اصول درست ہوں تو فروعات بھی درست ہی ہوتی ہیں یا انہیں صرف درست توجیہ (justification) کی ضرورت ہوتی ہے لیکن اگر اصول ہی غلط ہوں تو پھر فروعات کبھی درست نہیں ہو سکتی۔ اور الحاد کو زیر بحث لاتے ہوئے اس کے اصولوں کو ضرور موضوع بحث بنانا چاہیے۔ ملحد ہشیار ہے، وہ آپ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گراؤنڈ پر کھیلنا چاہتا ہے، آپ اس کے میدان پر کھیلیں یعنی ملحد کے خدا کو موضوع بحث بنائیں اور وہ قوانین فطرت ہیں۔

ملحد کی کوشش ہو گی کہ آپ سے اس بات پر مکالمہ کرے کہ خدا نے یہ دنیا بنائی ہے یا نہیں اور آپ کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ ملحد کے عقیدے کو موضوع بحث بنائیں کہ قوانین فطرت (laws of nature) اس کائنات کے خالق ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

اور الحاد کا اصل الاصول نظریہ ارتقاء ہے۔ ملحدوں کے پاس دلیل کی کل جمع پونجی نظریہ ارتقاء ہے۔ آپ اس نظریے پر بات کرنے کے لیے ملحد کو آمادہ کریں اور اس کو غلط ثابت کر دیں تو ملحد کے ایمان و یقین کی کل عمارت زمین بوس ہو جائے گی۔

الحاد کا علاج: الہامی کتابوں اور نبیوں کا طریق کار

الہامی کتابوں اور رسولوں کی دعوت میں الحاد کے علاج کا طریق کار عقلی و منطقی نہیں بلکہ فطری و قلبی ہے۔ ہماری عاجزانہ رائے میں اصولی بات یہی ہے کہ دل پہلے اپنے رب کی طرف جھکتا ہے، ذہن بعد میں اس سے اطمینان حاصل کرتا ہے۔ دل کے جھکنے کے بعد آپ کا ذہن خدا کے انکار کی دلیل کو اس کے وجود کی دلیل بنا کر دکھا دے گا۔

ذہن کا کیا ہے، وہ تو کرائے کا ٹٹو ہے، کسی طرف بھی چل پڑے تو اس کے دلائل سمجھنا تو کجا انبار لگانا شروع کر دیتا ہے۔ اگر محض عقل و منطق سے کسی کو خدا سمجھ میں آتا تو آدھے سے زیادہ فلسفی مسلمان ہوتے اور نصف تو کجا ہمیں تو سابقہ اڑھائی ہزار سالہ تاریخ فلسفہ میں دو چار بھی نہیں ملتے۔

کتابوں اور رسولوں کا خدا تک پہنچانے کا طریقہ بہت مختلف ہے، اور وہ یہ ہے کہ خدا باہر سے تمہارے ذہن میں نہیں ڈالا جا سکتا، بلکہ تمہارے اندر سے اگلوایا جائے گا، اور یہ سب صحبت سے ہی نصیب ہوتا ہے۔

کافر اور غیر مسلم میں فرق

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ کافر اور غیر مسلم میں کیا فرق ہے؟ جواب: کافر کا لفظ کفر سے بنا ہے کہ جس کا بنیادی معنی چھپا لینا ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الفتح میں کسان اور کاشتکار کو کافر کہا گیا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے،اس معنی میں کہ وہ بیج کو زمین میں چھپادیتے ہیں۔اور کافر اسے کہتے ہیں جو حق بات کو چھپالیتا ہے یعنی حق سامنے آجانے کے بعد اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ یہ تو اس لفظ کا لغوی اور اصطلاحی معنی ہے لیکن عرفی معنی میں اس لفظ کو گالی بھی سمجھا جاتا ہے۔

پس کافر وہ ہے کہ جس کے سامنے حق بات پہنچ جائے اور وہ اس کی تصدیق نہ کرے۔اور حق بات سے مراد دو چیزیں ہیں؛ایک یہ کہ کسی شخص تک یہ بات پہنچ جائے، کسی بھی ذریعے سے کہ محمد ﷺ،اللہ کے رسول ہیں اور وہ ان کے رسول ہونے کی تصدیق نہ کرے تو وہ کافر ہے۔یا کسی تک یہ بات پہنچ جائے، کسی بھی ذریعے سے کہ قرآن مجید،اللہ کی کتاب ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے اور وہ اس کے اللہ کی کتاب ہونے کی تصدیق نہ کرے تو یہ بھی کافر ہے۔اسلام کی دعوت پہنچنے سے مراد یہی ہے اور جس تک یہ دعوت پہنچ گئی اور اس نے تصدیق نہ کی تو وہ کافر ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی قسم ! کہ جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، میری امت میں جس یہودی اور عیسائی نے میرے بارے میں سن لیا کہ میں اللہ کا رسول ﷺ ہوں،اور پھر وہ مجھ پر ایمان لائے بغیر مر گیا تو وہ جہنمی ہے۔

اس روایت کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس تک اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت کی خبر نہ پہنچی ہو، تو وہ کافر نہیں ہے۔ جہاں تک غیر مسلم کی اصطلاح کا تعلق ہے تو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمان نہیں ہیں۔ان میں کافر بھی شامل ہیں اور کافروں کے علاوہ ایک اور جماعت ان لوگوں کی کہ جن تک اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔پس غیر مسلم ایک وسیع اصطلاح ہے کہ جو کفار کو بھی شامل ہے اور ان لوگوں کو بھی کہ جن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی لہذا وہ مسلمان بھی نہیں ہے اور کافر بھی نہیں ہیں کیونکہ حجت، رسولوں کی بعثت اور دعوت کے پہنچنے کے بعد ہی قائم ہوتی ہے۔ایسے لوگوں کے بارے روایات میں آتا ہے کہ اللہ عزوجل قیامت والے دن امتحان لیں گے اور جو ان میں سے کامیاب ہوں گے، وہ جنت میں داخل ہوں گے۔

جہاں تک کافر کو غیر مسلم کہنے کا مسئلہ ہے تو اگر تو مقصود یہ ہو کہ یہودیوں،عیسائیوں،ہندوؤں کی تکفیر نہیں کرنی تو اس صورت میں یہ جائز نہیں ہے کیونکہ جس کی تکفیر اللہ اور اس کے رسول

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ﷺ نے کی ہو تو ان کی تکفیر نہ کرنا بھی کفر اور ضلالت ہے۔ اور اگر کافر کو غیر مسلم کہنے میں مقصود یہ ہو کہ انہیں دعوت کے عمل کے ذریعے اسلام کے قریب کر سکے یا ان کے دلوں سے اسلام دشمنی اور مسلمانوں کے بارے بغض اور نفرت کم کر سکے تو اس صورت میں ایسا کہنا جائز بلکہ مستحسن ہو گا۔

ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ غیر مسلم میں کافر بھی شامل ہیں لہذا غیر مسلم ہونے کا مطلب ہر صورت میں یہ نہیں ہے کہ وہ کافر نہیں ہے۔ البتہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جس تک اللہ کے رسول ﷺ کے آخری نبی ہونے کی دعوت پہنچ چکی ہو اور وہ آپ کے آخری نبی ہونے کا انکار کر دے تو وہ کافر ہے۔ اور جس تک اللہ کے رسول ﷺ کے آخری نبی ہونے کی دعوت ہی نہ پہنچی ہو تو وہ غیر مسلم ہے۔ باقی کافر کو غیر مسلم کہنے کی ایک وجہ اوپر بیان کر چکا ہوں کہ ہمارے عرف میں یہ تقریباً ایک گالی بن چکا ہے اگرچہ یہ شرع میں گالی نہیں ہے لہذا ہمارے آئین میں شاید اس وجہ سے بھی غیر مسلم کے لفظ کو اختیار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

کلمہ گو کا کافر اور مشرک ہونا

میں بعض دوستوں نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا کوئی کلمہ گو کسی صورت کافر اور مشرک نہیں ہو سکتا اور آپ کا اس بارے کیا وہی موقف ہے، جو غامدی صاحب کا ہے؟ جواب: کلمہ گو کا کافر اور مشرک ہونا ایک بات ہے اور کلمہ گو کو کافر اور مشرک کہنا دوسری بات ہے، دونوں میں فرق ہے۔ اور اس دوسرے عمل کو تکفیر کہتے ہیں یعنی کسی کو کافر ڈیکلیئر کرنا۔

ایک کلمہ گو کافر اور مشرک ہو سکتا ہے، قرآن کا بیان یہی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ انسانوں کی اکثریت اللہ پر ایمان بھی رکھتی ہے مگر اس ایمان کے ساتھ ساتھ وہ مشرک بھی ہیں۔ پس انسان بعض اوقات کفر اور ایمان یا کفر اور شرک کو جمع کر لیتا ہے۔ اور یہ عجیب نہیں ہے لیکن ہمیں حکم یہ ہے کہ ہم کسی کو کافر ڈیکلیئر کرنے میں حد درجہ احتیاط کریں کہ اس کی اجازت اضطراراً ہے نہ کہ یہ کوئی دینی فریضہ ہے۔

ہم نے تکفیر کے موضوع پر اپنی کتاب میں اس بارے تفصیل سے لکھا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیانِ کفر اور تکفیر میں فرق ہے۔ بیانِ کفر واجب ہے جبکہ تکفیر ایک بوجھ ہے۔ بیانِ کفر یہ ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ آپ کفریہ اور شرکیہ عقائد کو کفر اور شرک کہیں تو یہ اصول دین میں سے ہے۔ اور تکفیر یہ ہے کہ آپ کسی کے کفریہ اور شرکیہ عقائد کی بنا پر اسے کافر، مشرک اور مرتد کہیں اور پھر اس کے اثرات بھی مرتب کریں کہ اس کا نکاح ختم ہو گیا، وراثت جاری نہ ہو گی۔

اسی طرح تکفیر یا تو معین کی ہوتی ہے یا غیر معین کی۔ معین کی تکفیر سے مراد یہ ہے کہ آپ کسی فرد اور گروہ کا نام لے کر تکفیر کریں مثلاً یہ کہ زید کافر ہے یا اہل تشیع کافر ہیں، یا پارلیمنٹ کافر ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ اور اصولی بات یہ ہے کہ غیر معین کی تکفیر کی جا سکتی ہے بلکہ یہ شرعی فریضہ ہے۔ غیر معین کی تکفیر کی مثال یہ ہے کہ آپ یہ کہیں کہ جو یہ کہتا ہے کہ قرآن مجید کے دس پارے غائب ہو گئے، وہ کافر ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ خالق کا وجود اور مخلوق کا وجود ایک ہی وجود ہے، تو وہ کافر ہے۔

غیر معین کی تکفیر تو عبادت ہے کہ جب آپ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں تو اس وقت یہ تکفیر کر رہے ہوتے ہیں کہ آپ نے آیت پڑھی کہ جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے تو وہی کافر ہیں تو آپ نے تکفیر تو کر دی ہے۔ لیکن کسی معین شخص، گروہ اور جماعت کی نہیں بلکہ ایکس۔ وائے۔ زی کی تکفیر کی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فتاوی میں یا تو بیانِ کفر ہے یا غیر معین کی تکفیر ہے کہ جسے بعض لوگوں نے شدت پسندی سمجھ لیا حالانکہ وہ عین دینی فریضہ تھا۔

جہاں تک معین کی تکفیر کا معاملہ ہے تو اس بارے راقم کی رائے یہی ہے کہ اگر مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے علماء کا کسی معین شخص یا جماعت کی تکفیر پر اتفاق ہو جائے تو اسے کافر کہا جائے گا جیسا کہ غلام احمد قادیانی اور قادیانی گروہ ہیں۔ اور جن کی تکفیر کے بارے مسلمان علماء کا اختلاف ہو تو میں ذاتی طور ان کی تکفیر کا قائل نہیں ہوں۔

باقی یہ بات کہ عند اللہ، یعنی اللہ کے ہاں، کون کافر ہے کون نہیں، تو یہ قیامت والے دن ہی معلوم ہو گا۔ دنیا میں جنھیں کافر اور مشرک کہا جاتا ہے تو یہ ایک اجتہادی فیصلہ ہے کہ جس میں غلطی کا امکان ہے۔ واللہ اعلم۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب سوم

توحید اور شرک

اس باب میں توحید اور شرک (Monotheism and Polytheism) کے بارے
بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقیدہ اور اخلاق

تمہارے با اخلاق ہونے کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ کے بارے تمہارا عقیدہ درست ہے، البتہ یہ مطلب ضرور ہے کہ انسانوں کے بارے تمہارا عقیدہ صحیح ہے۔ اور میرے بد اخلاق ہونے کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ اللہ کے بارے میرا عقیدہ غلط ہے البتہ یہ مطلب ضرور ہے کہ انسانوں کے بارے میرا عقیدہ درست نہیں ہے کہ میں انہیں حقیر اور کمتر سمجھ رہا ہوں۔

خدا اور انسان

ہماری زندگی کی ترتیب یہ نہیں ہے کہ ہم مسائل پیدا کریں اور خدا انہیں حل کرے بلکہ ہماری زندگی کی اصل ترتیب شاید یہ ہے کہ خدا کا کام ہمارے لیے مسائل پیدا کرنا ہے اور ہمارا کام انہیں حل کرنا ہے کیونکہ وہ ہمارا امتحان لے رہا ہے نہ کہ ہم اس کا۔ آؤ! جسمانی بیماریوں سے لے کر خلاؤں کے سفر تک کے اپنے مسائل حل کریں۔

توحید اور دلیل

میں مکمل اخلاص کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ توحید وہی ہے جو سلفیوں/اہل حدیثوں نے بیان کر دی ہے، البتہ دلیل ان کے مخالف کے پاس بھی ہے، اور وہ یہ کہ آدم کو سجدے سے انکار یا تو ابلیس نے کیا تھا یا پھر سلفی/اہل حدیث نے کیا ہے۔ بھئی، اب آپ جو اخلاص سے سمجھتے ہیں، بیان کر دیں۔ اس میں غصہ کرنے والی بات کیا ہے۔ جو میں نے سمجھا، آپ کو بیان کر دیا۔ جو آپ نے سمجھا، وہ آپ مجھے بیان کر دیں۔ میں صرف اتنی بات پر غصہ نہیں کروں گا کہ آپ مجھے اپنی ایسی رائے سنانا چاہتے ہیں کہ جس سے میں متفق نہیں ہوں۔ ہاں، جو ہم دونوں کے کرنے کا کام ہے، وہ یہ ہے کہ اپنی رائے ایک دوسرے پر تھوپنے کی کوشش نہ کریں، بس سنا دیں اور سامنے رکھ دیں۔

استغاثہ کے مسئلہ میں بریلوی علماء کی دلیل کا تجزیہ

ہمارے فاضل دوست جناب زاہد صدیق مغل صاحب نے فوت شدگان یا غیر حاضر انبیاء اور اولیاء اللہ سے، پریشانی میں مدد مانگنے اور مشکل میں ان کی دہائی دینے کے بارے، بریلوی علماء کا موقف

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی فیس بک وال پر کچھ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:

"جو مسلمان اللہ کے سواء کسی کو مستحق عبادت قرار نہ دیتا ہو، اور نہ اولیاء کو متصرف بالذات سمجھتا ہو، نہ ان کو تصور میں مستقل سمجھتا ہو بلکہ یہ سمجھتا ہو کہ اولیاء کرام اللہ کی دی ہوئی قدرت اور اسکے اذن سے تصرف کرتے ہیں اور اسی عقیدے کے ساتھ ان سے استعانت کرے تو اس مسلمان کا یہ فعل شرک ہے، نہ زمانہ جاہلیت کے بت پرستوں کا سا کام ہے۔"

اس موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر فوت شدگان یا غیر حاضر انبیاء اور اولیاء اللہ کو "عبادت کا مستحق" نہ سمجھا جائے تو ان سے مدد مانگنا جائز ہے اور یہ شرک نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ عبادت واستعانت ان کا حق نہیں ہے لیکن کی جاسکتی ہے بشرطیکہ عبادت واستعانت کو ان کا حق نہ سمجھے۔ یہ موقف قطعی طور کتاب وسنت کے خلاف اور شیطان کا دجل اور فریب ہے۔ مشرکین مکہ نہ تو اپنے بتوں کو زمین وآسمان کی تخلیق میں اللہ کا شریک قرار دیتے تھے اور نہ ہی انہیں مستحق عبادت یا متصرف بالذات سمجھتے تھے بلکہ قرآن مجید انہیں مشرک اس لیے قرار دیتا ہے کہ وہ اپنے بتوں سے استغاثہ اور استعانت کو اللہ کے تقرب کا ذریعہ یا اللہ کے ہاں سفارش سمجھتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَـٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ [يونس: 18]

"اور وہ اللہ کے علاوہ اس کی عبادت کرتے ہیں کہ جو انہیں نہ تو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی فائدہ دے سکتے ہیں اور وہ کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔"

اس آیت میں شروع ہی میں اللہ عزوجل نے مشرکین مکہ کا عقیدہ بیان کر دیا کہ وہ بتوں کو مستقل بالذات فائدہ یا نقصان پہچانے والا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اللہ کے ہاں سفارشی تصور کر کے ان سے مدد مانگنے اور ان کی دہائی دینے کے قائل تھے جبکہ اللہ نے ان کے اس فعل کو شرک قرار دیا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾ [الزمر:3]

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اور جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ کچھ اولیاء پکڑ لیے ہیں، وہ کہتے یہ ہیں کہ ہم ان اولیاء کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے بہت زیادہ قریب کر دیں۔"

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مشرکین مکہ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے تلبیہ یوں پڑھا کرتے تھے:

«لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ ... إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ، تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ»

"حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ اے اللہ! آپ کا کوئی شریک نہیں... سوائے اس شریک کے کہ آپ ہی اس شریک کے مالک بھی ہیں اور اس چیز کے بھی کہ جو اس شریک کے پاس ہے۔"

اگر مشرکین مکہ کے اس تلبیہ میں غور کریں تو اللہ کا شریک ٹھہرانے میں انہوں نے کمال درجے کی توحید کا مظاہرہ کیا ہے کہ اے اللہ! اپنے شریک کا بھی تو ہی مالک اور جو اس شریک کے پاس ہے، اس کا بھی تو ہی مالک۔ یعنی اس شریک کا مستقل بالذات تو کچھ بھی نہیں، سب تیرا ہی تیرا ہے۔ اور یہی مشرکین مکہ کی توحید آج بد قسمتی سے برصغیر پاک ہند میں بریلوی طبقہ فکر کے علماء پیش کر رہے ہیں۔

چلیں! قرآن کے علاوہ سنت سے سمجھ لیتے ہیں کہ اس میں تفصیل زیادہ ہوتی ہے۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق ایک صحابی نے آپ ﷺ کو کہا: «مَا شَاءَ اللهُ، وَشِئْتَ» کہ جو اللہ چاہے اور جو محمد ﷺ چاہیں۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا:

«أَجَعَلْتَنِي وَاللهَ عَدْلًا بَلْ مَا شَاءَ اللهُ وَحْدَهُ»

"کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا۔ اور ساتھ ہی حکم دیا کہ صرف یہ کہو کہ جو اللہ چاہے۔"

اب کیا یہ صحابی آپ ﷺ کو مستحق عبادت یا متصرف بالذات سمجھتے تھے؟ کہ آپ ﷺ نے ان کے اس قول کو اللہ کا شریک ٹھہرانے کے برابر قرار دے دیا۔ سنن ترمذی کی ایک اور روایت میں ہے کہ غزوہ حنین سے واپسی پر صحابہ کا گزر ایک درخت "ذات انواط" پر سے ہوا کہ جس سے مشرکین برکت حاصل کرتے تھے تو بعض صحابہ نے عرض کی کہ آپ ہمارے لیے بھی فلاں بیری کے درخت کو "ذات انواط" کا درجہ دے دیں تو آپ نے جواب میں کہا کہ تم مجھ سے وہ مطالبہ کر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے ہو جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا جبکہ انہوں نے ایک قوم کو بتوں کا اعتکاف کرتے دیکھا تھا تو کہا تھا کہ ﴿يَامُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ﴾ [الأعرف: 138] ترجمہ: "اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دیں جیسا کہ ان کے معبود ہیں۔"

تو کیا فتح مکہ کے بعد بھی صحابہ سے یہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ اس درخت کو مستحق عبادت اور متصرف بالذات سمجھ کر آپ ﷺ سے یہ مطالبہ کر رہے تھے؟ ان واقعات میں قابل غور بات یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کیسے انہیں قرآن مجید کی آیات کی تفسیر بنا کر انہیں اللہ کا بیان بنا دیا ہے۔ اب سب بریلوی دوست مل کر کہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ تو وہابی اور اہل حدیث تھے؟ کہ تمہارے بقول تو اتنی چھوٹی چھوٹی سی باتوں پر شرک کے فتوے تو صرف یہی لگاتے ہیں۔

پس فوت شدگان سے مدد مانگنا، چاہے وہ انبیاء ہوں یا اولیاء، اور ان کی دہائی دینا، انہیں اپنے نفع یا نقصان کا مالک سمجھنا، ان کو اس لیے پکارنا کہ ان کو پکارنے سے میری کوئی تکلیف یا غم دور ہو جائے گا یا مجھے کوئی خوشی اور نعمت مل جائے گی، چاہے انہیں مستحق عبادت یا متصرف بالذات سمجھے یا نہ سمجھے، یا غائب یعنی جو زندہ تو ہوں لیکن پاس موجود نہ ہوں، ان سے مدد مانگنا اور ان کی دہائی دینا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ یا شاہ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ وغیرہ کی دہائی دینا یا انہیں مشکل کشا سمجھ کر ان سے مدد مانگنا، اور حاضر سے ایسی مدد مانگنا کہ جس کی وہ قدرت نہ رکھتا ہو مثلاً اس سے بیٹا مانگنا وغیرہ، شرک اکبر ہے اور ایسا کرنے والے دائرہ اسلام سے نکل جاتا ہے کہ یہی وہ شرک ہے جو مشرکین مکہ کا شرک تھا، جو قوم نوح کا شرک تھا بلکہ تمام انبیاء کی قوموں کا شرک یہی تھا اور یہی وہ شرک ہے کہ جس کے رد میں قرآن مجید نازل ہوا ہے۔

شرک اور استغاثہ

ہم اگرچہ ایک دینی روایت کے حامل اور امین ہیں لیکن عقیدہ ہو یا فقہ کا مسئلہ، کسی روایتی مسئلے کی پیشکش (presentation) کے بارے ہمیشہ ہماری کوشش ہوتی ہے کہ وہ ہماری اپنی ہی ہو اور جدید ہو۔ ہم سلفی اور اثری روایت میں اپنا اصل حصہ یہی سمجھتا ہیں کہ ہم نے اس روایت کے ہر بنیادی مسئلے کو، چاہے وہ اجتہاد ہو یا جہاد، روایت ہو یا فہم، فلسفہ ہو یا ادب، ایمان ہو یا اخلاق، ایک ایسے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیانیے کی صورت دے دی ہے کہ جو ایک مرکزی نکتے کے گرد گھومتا ہے اور جو کوئی بھی ہماری کتاب "اسلامی نظریہ حیات" میں غور کرے گا تو اسے اس کا خوب احساس ہو گا۔

استغاثہ مافوق الاسباب ہو تو ناجائز ہے، ماتحت الاسباب ہو تو جائز ہے، یا استغاثہ حقیقی ہو تو ناجائز ہے، اور اگر مجازی ہو تو جائز ہے، یہ کیا فرق ہوا؟ کوئی شک نہیں ہے کہ ہمارے علماء نے اس طرح بحثیں کی ہیں لیکن دینی مسائل کے بیان کرنے میں ہمیں یہ اسلوب طبعاً پسند نہیں ہے۔ ہماری بحث میں نکتہ ہمیشہ ایک ہوتا ہے اور ساری بحث اس مرکزی نکتے کے گرد گھومتی ہے یا اسی کی تفصیل ہوتی ہے جیسا کہ جہاد کی بحث میں بات کی تھی کہ اس کی علت ظلم کا خاتمہ ہے، بس۔ ہمارا مزاج ایک سے زائد علتیں، اسباب، قسمیں بنانے کا نہیں ہے۔ یہ اس لیے بھی بیان کر دیا کہ ہم سلف کے موقف کے حامل تو ہیں لیکن اس کے اثبات کا طریقہ کار اپنا رکھتے ہیں لیکن ہمارے دوست مکالمہ ہم سے کر رہے ہوتے ہیں اور جواب سلف کو دے رہے ہوتے ہیں جو کہ شاید مناسب نہیں ہے۔

پس مذکورہ مسئلے میں مرکزی نکتہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے شرک کو حرام قرار دیا ہے۔ پس استغاثہ اور توسل ہمارا مرکزی نکتہ نہیں ہے کہ ہم اس کو مافوق الاسباب یا ماتحت الاسباب میں تقسیم کریں، کہ کتاب وسنت میں کہیں بھی استغاثہ یا توسل کو نام لے کر حرام نہیں کہا گیا بلکہ شرک کو نام لے کر حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے ہم سے یہ دلیل مانگنا کہ استغاثہ کی فلاں صورت پھر آپ کے نزدیک جائز کیوں ہے؟ انتہائی سطحی مطالبہ ہے۔ اللہ عزوجل نے شرک کو حرام قرار دیا ہے۔ اب اصل سوال یہ ہے کہ کیا استغاثہ اور توسل کی کوئی صورت ایسی ہے جو شرک قرار پاتی ہو؟ تو اس کے جواب میں اس وقت ہمیں صرف استغاثہ پر بات کرنی ہے، توسل پر ہم آگے چل کر بات کریں گے۔

ہمیں شرک کی کسی منطقی اور فنی تعریف میں نہیں جانا کہ سب کو معلوم ہے کہ شرک کا معنی کسی کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے، چاہے اللہ کی ذات میں شریک ٹھہرائے یا افعال میں یا صفات میں۔ اب یہ تو مشرکین مکہ بھی نہیں کہتے تھے کہ اللہ عزوجل کے شریکوں نے اللہ عزوجل سے اس کے اقتدار اور اختیار کی شراکت چھینی ہے یا اس کی مرضی کے بغیر زبردستی حاصل کی ہے بلکہ ان کا عقیدہ یہی تھا کہ اللہ عزوجل نے اپنی مرضی سے وہ شراکت اپنے شریکوں میں تقسیم کی ہے۔ اور یہی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات بریلوی علماء یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اپنے اذن سے انبیاء اور اولیاء کو اپنی قدرت اور اختیار میں شریک بنالیا ہے اور اسی کا قرآن مجید نے انکار کیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ [الملك: 111] ترجمہ: "اس کے اختیار، اقتدار اور سلطنت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔"

پس استغاثہ کی تین صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں استغاثہ کرنے والا، جس سے استغاثہ کر رہا ہو، اسے اللہ کا شریک بنادیتا ہے۔ اور وہ تین صورتیں یہ ہیں کہ فوت شدگان سے استغاثہ کرنا، غائب سے استغاثہ کرنا اور حاضر سے اس چیز کا استغاثہ کرنا کہ جس کی وہ مطلقاً قدرت نہ رکھتا ہو۔ یہاں مسئلہ استغاثے کے فعل کا نہیں ہے بلکہ اس استغاثے کے پیچھے موجود فکر کا ہے کہ جو شرکیہ فکر ہے۔ ان تین صورتوں میں استغاثے کا جو فعل وجود میں آتا ہے، وہ جس سے استغاثہ کیا جارہا ہو، اس کی صفات کو اللہ عزوجل کی صفات کے مماثل مان لینے کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ اصل نکتہ ہے۔ ان تینوں صورتوں میں مخلوق کی صفت حیات، صفت سماعت اور صفت قدرت کو اللہ عزوجل کی صفت حیات، صفت سماعت اور صفت قدرت کے مماثل قرار دے دیا جاتا ہے۔

شرک کے مسئلہ میں بریلوی علماء کو وہی مغالطہ لگا جو معتزلہ کو لگا لیکن دونوں نے نتائج مختلف پیدا کیے کہ پہلا گروہ جاہلیت قدیمہ پر اصرار کرنے لگا تو دوسرے نے جاہلیت جدیدہ کو جنم دیا۔ معتزلہ نے کہا کہ چونکہ صفت قدرت، حیات، ارادہ، سماعت، بصارت اور کلام وغیرہ اللہ عزوجل میں بھی ہیں لہذا ان صفات کو اللہ عزوجل کے لیے مان لینے کا لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ خالق اور مخلوق میں مماثلت ہو جائے گا لہذا خالق کے لیے ان صفات کا انکار کر دو۔ یہ ایک انتہاء تھی جبکہ دوسری انتہاء بریلوی علماء کی ہے کہ خالق اور مخلوق کی صفات میں مماثلت ہو بھی جائے تو شرک اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ ان صفات کو عطائی مانتے رہیں یعنی یہ کہ وہ اللہ کی طرف سے دی ہوئی ہیں۔

اس کے برعکس ائمہ دین اور سلف صالحین کا موقف ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ خالق اور مخلوق دونوں کی صفات کا اقرار کرو لیکن مماثلت کی ہر صورت کی نفی کرو جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ﴾ [الشورى: 11] ترجمہ: اس کی مانند کوئی نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور وہ سمیع اور بصیر ہے۔ اللہ عزوجل سمیع اور بصیر ہے لیکن اس کی سماعت اور بصارت جیسی سماعت اور بصارت اور کسی کی نہیں ہے، نہ ذاتی اعتبار سے اور نہ عطائی اعتبار سے، نہ کلی پہلو سے اور نہ جزئی پہلو سے۔ پس اللہ عزوجل نے ایک صفت سماعت کا اقرار مخلوق کے لیے کیا ہے اور ایک صفت سماعت کا اقرار خالق کے لیے کیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص خالق کی صفت سماعت کی کسی صورت، چاہے کلی ہو جزئی، کو مخلوق میں ثابت کرے، چاہے عطائی مان لے، تو اس نے یہ دعوی کیا کہ اللہ عزوجل نے اپنی صفت سماعت کی ایک صورت اپنے کسی نبی یا ولی کو عطا کر دی اور یہی صفات میں کسی کو اللہ عزوجل کے مماثل اور مقابل قرار دینا ہے اور یہی شرک ہے اور یہی ﴿ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ﴾ ترجمہ: اس کی مانند کوئی نہیں ہے، کے خلاف ہے۔

اس کو ایک اور مثال سے سمجھیں۔ علم ایک صفت ہے، جس کا اثبات اللہ عزوجل نے خالق کے لیے بھی کیا ہے اور مخلوق کے لیے بھی کیا ہے لیکن جس طرح اس صفت علم کا اثبات اللہ عزوجل نے اپنے لیے کیا ہے، اس طرح مخلوق کے لیے نہیں کیا ہے۔ مثلاً اللہ عزوجل نے اپنے لیے صفت علم کا اثبات قرآن مجید میں یوں کیا ہے کہ وہ سینوں کے بھید بھی جانتا ہے، درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا لیکن وہ اس کے علم میں ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا کہ کون کہاں مرے گا، کون کل کیا کرے گا، قیامت کب آئے گی وغیرہ۔ اب اگر کوئی شخص کسی نبی یا ولی کے لیے صفت علم کا اثبات اس طرح کرے جیسے اللہ عزوجل نے اس صفت کا اثبات اپنے لیے کیا ہے تو یہی شرک ہے۔ پس استغاثہ یا توسل ایک فعل ہے، اس اعتبار سے یہ شرک نہیں ہے لیکن اگر کسی سے استغاثہ کی صورت یہ ہو کہ اس میں مخلوق کی صفت کو خالق کی صفت کے مماثل قرار دیا جا رہا ہو تو یہی شرک ہے۔

اب یہ کہنا کہ اللہ کے رسول ﷺ کو کل کا ایسا ہی علم ہے جیسا کہ اللہ عزوجل کو ہے تو یہی تو اللہ کے رسول ﷺ کی صفت علم کو اللہ کی صفت علم کے مماثل قرار دینا ہے اور یہی تو عین شرک ہے، چاہے اس صفت کو عطائی قرار دے۔ اللہ عزوجل نے مخلوق میں اپنی صفات تقسیم نہیں کی ہیں بلکہ مخلوق کو مخلوق کی صفات سے متصف کیا ہے۔ اور یہی تو اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں جا بجا کہا ہے کہ ہم نے اپنی صفات مخلوق میں تقسیم نہیں کی ہیں، نہ قدرت اور نہ ہی اختیار جیسا کہ ارشاد ہے:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"وہ تمہیں خود تمہاری اپنی ہی ذات سے ایک مثال دیتا ہے، کیا تمہارے اُن غلاموں میں سے جو تمہاری ملکیت میں ہیں، کچھ غلام ایسے بھی ہیں، جو ہمارے دیے ہوئے مال و دولت میں تمہارے ساتھ برابر کے شریک ہوں، اور تم اُن سے اُس طرح ڈرتے ہو جس طرح آپس میں اپنے ہمسروں سے ڈرتے ہو؟ اس طرح ہم آیات کھول کر پیش کرتے ہیں، اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔" [الروم: 71]

خلاصہ کلام یہ کہ کسی بھی صفت کو، کسی بھی مخلوق کے لیے، کسی بھی صورت میں، اس طرح ثابت ماننا جیسا کہ وہ صرف اللہ عزوجل کے لیے کتاب وسنت میں ثابت ہے، شرک ہے، چاہے اس کو ذاتی مانے یا عطائی، کلی طور مانے یا جزئی طور۔

رسول اللہ ﷺ نور تھے یا بشر؟

دوست کا سوال ہے کہ رسول اللہ ﷺ نور تھے یا بشر؟ جواب: رسول اللہ ﷺ کے بشر ہونے میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ قرآن مجید میں آپ کو بشر کہا گیا ہے لہذا آپ ﷺ کی بشریت کا انکار، قرآن مجید کا انکار ہے۔ البتہ دوسری بات میں علماء کا اختلاف ہوا اور اس کی وجہ قرآن مجید کی یہ آیت مبارکہ ہے:

﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ [المائدة: 15]

"تمہارے پاس اللہ عزوجل کی طرف سے ایک نور اور روشن کتاب آگئی ہے۔"

نور سے مراد قرآن مجید ہے یا رسول اللہ ﷺ؟ تو قرآنی عبارت میں ان دونوں آراء کی گنجائش موجود ہے اور اس کا اشارہ بھی، اور سلف میں بھی اس بارے دونوں ہی رائے موجود ہیں۔ البتہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ بریلوی حضرات میں سے جو سمجھدار علماء ہیں تو وہ تو نور کہنے میں سلف کی رائے پر ہیں جیسا کہ شارح کنزالایمان وغیرہ لیکن جو سمجھدار نہیں ہیں تو انہوں نے نور ایک ایسے معنی میں کہا ہے جو کہ صریح شرک ہے۔

پس آپ ﷺ کو نور دو معنی میں کہا گیا ہے؛ ایک معنی میں جائز ہے جو کہ سلف کا موقف بھی ہے اور دوسرے معنی میں شرک ہے جو کہ جہلاء کا موقف ہے۔ اس دوسری رائے کے حق میں کوئی دلیل موجود نہیں ہے، نہ کتاب میں اور نہ ہی سنت میں۔ اصل سوال یہ ہے کہ قرآن مجید یا رسول اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کو کس معنی میں نور کہا گیا ہے؟ تو سلف صالحین نے جب رسول اللہ ﷺ کو نور کہا ہے تو اس سے ان کی مراد آپ کی ذات نہیں بلکہ آپ کا "نور ہدایت" یا "نور ایمان" مراد تھا۔

مثلاً امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی تفسیر میں اسکا مفہوم یوں بیان گیا ہے کہ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے جہالت کے اندھیرے دور ہوئے تو اس معنی میں آپ کو نور کہا گیا ہے۔ اسے یوں بھی سمجھ لیں کہ قرآن مجید میں آپ کو "سراجا منیرا" کہا گیا ہے اور سورج کو بھی "سراجا وھاجا" کہا گیا تو اس سے مراد آپ کی ذات نہیں بلکہ آپ کی صفت ہے۔ پس منیر آپ کی صفت ہے، سراج آپ کی صفت ہے، اور نور آپ کی صفت ہے، اس معنی میں کہ آپ "نورِ ہدایت" تھے یا "نورِ ایمان"۔

تو آپ کے نور ہونے سے مراد آپ کا مادہ تخلیق نہیں بلکہ مادہ ایمان ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں مسنون دعا میں منقول ہے: «اللَّهُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُورًا، وَفِي سَمْعِي نُورًا، وَفِي بَصَرِي نُورًا....» ترجمہ: اے اللہ! میرے دل، سماعت، بصارت وغیرہ میں نور پیدا فرمادے۔ اس دعا میں دل کے نور سے دعا کا آغاز ہے اور اختتام اس بات پر ہے کہ میرے پورے نفس میں نور بھر دے۔ تو یہ نور ایمان ہے کہ جس کا ذکر سورہ النور میں بھی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ [النور: 35] ترجمہ: اللہ عزوجل زمین وآسمان کا نور ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس نور سے مراد اللہ کا وہ نور ہے جو مومن کے دل میں ہے۔

پس آپ کی ذات کی نسبت سے دیکھیں تو آپ کے نور سے مراد آپ کا "نور ایمان" ہے اور اگر دوسروں یعنی امتیوں کی نسبت سے دیکھیں تو آپ کے نور سے مراد آپ کا "نور ہدایت" ہے۔ آپ اپنی ذات میں نور ہیں تو اس سے مراد آپ کا مادہ تخلیق نہیں بلکہ ایمان کا مادہ مراد ہے کہ آپ کا مادہ تخلیق تو وہی ہے جو عام انسانوں کا ہے۔ اور اگر آپ کا مادہ تخلیق وہ نور مان لیا جائے جو اللہ عزوجل کا نور ہے تو یہی شرک صریح ہے اور عیسائی اسی معنی میں حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں، وہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنی بیوی سے بیٹا جنا ہے، اتنے بے وقوف تو وہ بھی نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مردے کا وسیلہ

خدائے لم یزل کے لیے مردے کو وسیلہ بنانے والے، کا اصرار ہے کہ مردہ بغیر واسطے کے سنتا ہے!

وطن کی محبت

وطن کی محبت کو شرک کہنا ایسی ہی حماقت ہے جیسا کہ مال اور عورت کی محبت کو شرک قرار دینا۔ وطن کی محبت فطری محبتوں میں سے ہے۔ وطن تو کجا مجھے کسی دوسرے شہر میں اپنے گاؤں کا بندہ مل جائے تو اس تک سے انسیت محسوس ہوتی ہے۔ اسلام ان "فطری جذبوں" کو ختم کرنے نہیں آیا بلکہ ان کی تربیت کرنے آیا ہے۔ اور فطرت سے لڑائی کی صورت میں یقینی شکست تمہارا ہی مقدر ہے۔ البتہ یہ واضح رہے کہ وطن کی محبت اور "وطنیت" (nationalism) میں فرق ہے کہ قرآن مجید نے تو آباء پرستی سے بھی منع کیا چہ جائیکہ "وطنیت" کے نام پر وطن پرستی شروع کر دی جائے۔

موضوع حدیث

کسی حدیث کے موضوع یا ضعیف ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ بات بھی غلط ہے، اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اس بات کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے۔ نماز دین کا ستون ہے یا مومن کی معراج ہے، یہ موضوع روایت ہے، اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا۔ باقی یہ بات درست ہے کہ نماز دین کا ستون ہے اور مومن کی معراج۔ وطن کی محبت ایمان کا جزء ہے، یہ حدیث نہیں ہے لیکن بات درست ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ اے پروردگار! ہم مہاجرین کے دلوں میں مدینہ کی محبت بھی اسی طرح ڈال دے جیسے آپ نے مکہ کی محبت ہمارے دلوں میں ڈال دی تھی۔

قبلہ رخ تھوکنا

دوست کا سوال ہے کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں قبلہ رخ تھوکنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ تمہارا رب تمہارے سامنے ہوتا ہے۔ تو سلف کا جو عقیدہ تھا کہ اللہ عزوجل عرش پر ہے تو یہ حدیث تو اس عقیدے کے خلاف جا رہی ہے۔ سلف کے ہاں اس کا مفہوم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا ہے؟

صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد میں قبلہ رخ دیوار پر تھوک دیکھی تو اسے کھرچ ڈالا اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تم نماز میں ہوتے ہو تو اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہو جبکہ وہ تمہارے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ عزوجل نماز میں نمازی کے چہرے کے سامنے ہوتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اللہ عزوجل نمازی اور قبلے کے درمیان ہوتے ہیں تو یہ الفاظ حدیث کے راوی حمید کا اضافہ ہے کہ حمید نے یہ الفاظ "أو" یعنی شک کے ساتھ بیان کیے ہیں جبکہ دوسری روایات سے ثابت شدہ الفاظ یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نماز کی حالت میں نمازی کے چہرے کے سامنے ہوتے ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی کو نماز کی حالت میں تھوکنا ہی ہے تو اپنے دائیں طرف بھی نہ تھوکے بلکہ بائیں طرف پاؤں کے نیچے تھوک لے۔ تو نمازی کو سامنے اور دائیں طرف تھوکنے سے منع کیا گیا ہے جبکہ بائیں طرف کی اجازت دی گئی ہے لہذا نماز کی حالت میں قبلہ رخ تھوکنا منع ہے۔ لیکن نماز کے علاوہ میں کیا قبلہ رخ تھوکا جا سکتا ہے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور راقم کی رائے اس بارے یہی ہے کہ ممانعت صرف نماز میں ہے جبکہ غیر نماز میں جواز ہے کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ [البقرة: 115] ترجمہ: "تم جس طرف بھی رخ کرو تو اسی طرف اللہ عزوجل ہے۔ لہذا ممانعت کی وجہ مسجد اور نماز ہے۔"

رہی یہ کہ بات کہ اللہ عزوجل عرش پر ہے تو یہ بات قرآن مجید میں سات مقامات پر بیان ہوئی ہے لہذا اس کا انکار یا تاویل، قرآن مجید میں تحریف کے قائمقام ہے اور اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "وجود باری تعالی" کے تیسرے باب میں بیان کر دی ہے۔ اور جو اس روایت میں کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نمازی کے سامنے ہوتا ہے تو اس میں اور قرآن مجید کے بیان میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دونوں میں جمع ممکن ہے۔ سورج ہمارے سامنے بھی ہوتا ہے اور ہم سے اوپر بھی یعنی جہت علو میں۔ لہذا اللہ عزوجل کا عرش پر ہونا اور سامنے ہونا ایک دوسرے کے منافی نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر اس حدیث کو اللہ عزوجل کے ہر جگہ موجود ہونے کی دلیل بنایا جائے تو یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درست نہیں ہے کہ حدیث خود کہہ رہی ہے کہ وہ سامنے ہوتا ہے یعنی تمہارے بائیں یا پاؤں کے نیچے نہیں ہوتا، اسی لیے تو بائیں اور پاؤں کے نیچے تھوکنے کی اجازت دی ہے لہٰذا یہ اعتراض باقی نہیں رہتا کہ عرش پر اللہ کو ماننے سے اللہ عزوجل محدود ہو جاتا ہے۔ جو عرش پر اللہ عزوجل کو اس شبہے سے نہیں مانتے، کیا وہ یہ مانتے ہیں کہ اللہ عزوجل ان کے پاؤں کے نیچے ہے؟ اگر نہیں تو انہوں نے بھی اللہ عزوجل کے لیے مکان مان لیا ہے۔ اور حق اس مسئلے میں وہی ہے کہ جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ وہ عرش کے اوپر ہے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ اور "پر ہونے" اور "اوپر ہونے" میں بھی بہت فرق ہے۔

کیا رسول اللہ ﷺ کی ذات کو نور کہنا شرک ہے؟

ایک دوست کا ہماری سابقہ تحریر پر سوال ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کو نور کہنا شرک کیسے ہو سکتا ہے جبکہ فرشتوں کو نوری ماننے کو کوئی شرک نہیں کہتا۔ جواب: سوال یہ نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات نور ہے یا نہیں ہے؟ اصل سوال یہ ہے کہ یہ نور، اللہ کے نور میں سے ہے یا نہیں؟

پس اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات نور ہے یعنی آپ کا مادہ تخلیق وہ نور ہے، جو فرشتوں کا نور ہے۔ اور یہ دونوں نور، من نور اللہ، نہیں ہیں تو یہ عقیدہ بدعت تو ہو سکتا ہے لیکن شرک نہیں۔ لیکن اگر آپ یہ ایمان رکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات نور ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ آپ کا مادہ تخلیق وہ نور ہے جو اللہ کا نور ہے تو یہ کھلم کھلا شرک ہے کہ جسے شرک جلی یا شرک صریح کہا جاتا ہے۔

تو آپ ﷺ کے نور ہونے کا ایک معنی یہ ہے کہ آپ کے نور کو تخلیق کیا گیا ہے اور ایک معنی یہ ہے کہ وہ اللہ سے نکلا ہے۔ پہلی صورت شرک نہیں بدعت ہے اور دوسری صورت ویسا ہی شرک ہے جو عیسائیوں نے حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے۔ یعنی یہ عقیدہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا بیٹا ماننے کے مترادف ہے۔

پہلی صورت کو ہم بدعت اس لیے کہہ رہے ہیں کہ کہنے کو تو سورج بھی نور ہی ہے لیکن اس کا مادہ تخلیق نور نہیں ہے۔۔ یہی بات آپ ﷺ کے بارے میں ہے کہ آپ نور ہیں لیکن آپ کا مادہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تخلیق نور نہیں ہے۔ اگر آپ کے مادہ تخلیق کو نور مان لیا جائے تو حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ انہیں نور مانا جائے کہ وہ بغیر باپ کے اللہ کے کلام سے براہ راست پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے انہیں قرآن مجید نے اللہ کا کلمہ اور اللہ کی روح قرار دیا ہے۔

عیسائیوں کو یہاں ہی سے غلط فہمی ہوئی اور انہوں نے حضرت عیسی ابن مریم علیہ السلام کے بارے یہ عقیدہ رکھ لیا کہ وہ اللہ کی ذات سے نکلے ہیں تو قرآن مجید نے کہا کہ دیکھو انہوں نے عیسی علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا لیا ہے۔ عیسی ابن مریم علیہ السلام کی پیدائش بہت بڑا معجزہ ہے اور ان کے حسی معجزات بھی بہت بڑے ہیں۔ اگر اللہ کی ذات سے نکلنے کے بارے میں کوئی غلط فہمی کسی نبی کے بارے میں ہو سکتی ہے تو وہ عیسی ابن مریم ہیں نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

باقی رہی یہ دلیل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس وقت بھی نبی تھا جبکہ آدم روح اور جسد کے مابین کے مرحلہ میں تھے۔ تو ان روایات میں واضح الفاظ موجود ہیں کہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اللہ کی تقدیر میں نبی لکھا ہونا ہے نہ کہ بالفعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا موجود ہونا۔ مسند احمد کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ میں اس وقت سے خاتم النبیین مکتوب ہوں جب کہ آدم ابھی مٹی میں گندھے ہوئے پڑے تھے۔ مسند احمد ہی کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ کو کب نبی لکھا گیا تو اس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ اس وقت جبکہ آدم روح اور جسد کے مابین تھے۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب چہارم

روایت اور جدیدیت

اس باب میں روایت اور جدیدیت (tradition and modernity) کے بارے بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جدیدیت اور جدید

"جدیدیت" کا رد ضرور کریں لیکن "جدید" کے رد کی غلطی نہ کریں۔ "خلافت راشدہ" میں نافذ کی گئی "اولیات عمر" سب اس دور کا "جدید تمدن" ہی تھا جو "سلطنت روما" سے مستعار لیا گیا تھا۔ واضح رہے کہ تہذیب (culture) اور تمدن (civilization) میں فرق ہوتا ہے۔ اور ہم نے یہاں تمدن کی بات کی ہے، تہذیب کی نہیں۔

دار آزمائش

جدید ٹیکنالوجی کے رد میں جتنے فلسفے بکھیرے گئے ہیں، وہ اس حقیقت سے ناآشنائی کی بنیاد پر قائم ہیں کہ اس دنیا کے خالق نے اسے "دار آزمائش" بنایا ہے لہذا ہمیں آزمائش ختم کرنے کی کوشش نہیں کرنی کہ وہ تو خدا کے گرینڈ پلان کا حصہ ہے بلکہ آزمائش کے ساتھ زندہ رہنے کا سلیقہ سیکھنا بھی ہے اور سکھانا بھی۔

تو اسمارٹ فون اور فیس بک کے خلاف اسمارٹ فون اور فیس بک کو ہی استعمال کر کے بچگانہ تحریک چلانے کے بجائے اس آزمائش میں کامیابی سے نکل جانے کے طریقے لوگوں کو سکھائیں۔ اور ابھی تو خدا نے اس "جدید" سے بہت بڑی آزمائش تمہارے لیے تیار کر رکھی ہے، کبھی "دجال" کی صورت میں تو کبھی "یاجوج ماجوج" کی شکل میں۔

خدا کی تخلیق

جو اسمارٹ فون کو "ویلیو لوڈڈ" (value-loaded) کہتے ہیں، ان کا حضرت انسان کے بارے کیا خیال ہے؟ کیا یہ "ویلیو نیوٹرل" (value-neutral) ہے؟ آدم کی تخلیق کے وقت فرشتوں کا یہ اعلان کہ "یہ زمین میں خونریزی کرے گا" کس بات کا اشارہ ہے کہ اس کے خالق نے اس کی پیدائش کے وقت اس کی سرشت میں کیا کچھ رکھ دیا ہے!

یہ عجیب منطق ہے کہ "تخلیق" یعنی اسمارٹ فون "ویلیو لوڈڈ" (value-loaded) ہے لہذا اس سے جان چھڑانے کی تحریک چلائیں لیکن اس کا "خالق" یعنی حضرت انسان، "ویلیو نیوٹرل"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ بھئی، یہاں خالق اپنی تخلیق سے زیادہ "ویلیولوڈڈ" ہے۔ اگر جدید سے جان ہی چھڑانی ہے تو اس سے چھڑاؤ جو اس جدید کا خالق ہے کہ وہ تمہارے فلسفے کے مطابق زیادہ "ویلیولوڈڈ" ہے۔

تنہائی کا عذاب

جدید انسان جن آزمائشوں کا شکار ہے، ان میں سے ایک تنہائی کا عذاب بھی ہے۔ وہ بھری مجلس میں تنہا ہے۔ یہ تنہائی اندر اور باہر دونوں طرف سے اسے کاٹ کھا رہی ہے۔ یہ تنہائی ماڈرن لائف اسٹائل نے پیدا کی ہے۔ جوائنٹ فیملی سسٹم کا رواج نہ رہا، رشتہ داروں کی طرف آنا جانا تکلف بن گیا، دوستی کی عادت نہ رہی۔ اور اس سب پر مستزاد یہ ہے کہ اس خلاء کو مصنوعی طریقوں سے پُر کرنے کی کوشش کی گئی۔

انسان "انس" سے ہے کہ یہ اپنے جیسوں سے انسیت اور مانوسیت محسوس کرتا ہے۔ یہ سوشل اینیمل ہے، یہ انسانوں سے تعلق کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ کب تک آپ اسے چیزوں، مشینوں اور مادے سے تعلق کے سہارے گھسیٹتے رہیں گے۔ یہ بہت جلد اس زندگی سے اکتا جائے گا۔ زندگی سے بیزاری محسوس کرے گا اور مرنے کی خواہش پالے گا۔

اس کا حل کیا ہے؟ ہم اس ماڈرن لائف اسٹائل کو ختم نہیں کر سکتے، اس سے لڑنا بے کار ہے۔ یہاں جدید شہری زندگی میں دس کلو میٹر کے ریڈیس میں آپ کو کوئی ایک دوست نہیں ملتا جبکہ دیہاتی زندگی میں ایک گلی میں آپ کے دس دوست نکل آتے ہیں۔ تو اب یہ ذہنی طور پر ایبنارمل نہ ہو تو کیا ہو۔ والدین اپنے بچوں کی ہر خواہش پوری کر سکتے ہیں، ہر ذمہ داری اٹھا سکتے ہیں لیکن انہیں وقت اور پیار نہیں دے سکتے۔

ایسے میں دعوۃ ایکٹوٹیز کو بڑھائیں تو اللہ سے تعلق تو بنے گا ہی لیکن لوگوں سے بھی انٹرایکشن بڑھے گا۔ ویلفیئر کے کاموں میں دلچسپی لیں تو لوگوں کے لیے زندہ رہنے کا جذبہ بیدار ہو گا۔ اور سب سے اہم کہ دوست بنائیں اور ان کے ساتھ وقت گزاریں، اس سے زندگی میں اعتدال آئے گا، ذہنی بیماریاں ختم ہوں گی۔

ماڈرن لائف اسٹائل نے جب ہماری معاشرت کو تباہ کر دیا تو اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے اب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاشرت بھی ورچوئل بنادی گئی کہ اب فیس بک اور واٹس ایپ پر دوستی کی خواہش پوری کرو۔ اہم تو حقیقی معاشرت ہی ہے لیکن اگر وہ میسر نہ ہو تو یہ بھی غنیمت ہے، اس معنی میں کہ تنہائی سے بہتر ہے۔ تنہائی کتنی بڑی آزمائش ہے، کسی بوڑھے شخص سے پوچھو۔

انسان تنہائی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھتے ہیں کہ یہاں کتنے دوست ہیں جو ایک دن فیس بک چھوڑنے کا اعلان لگاتے ہیں لیکن دوسرے دن پھر یہاں آٹپکتے ہیں۔ تو آپ ایک ہی صورت میں اس ورچوئل لائف سے جان چھڑا سکتے ہیں جبکہ آپ کے ارد گرد حقیقی معاشرت موجود ہو؛ سچے دوست، رشتہ دار اور پڑوسی کہ جن کے ساتھ آپ وقت گزار سکتے ہوں۔ اور یہ سب انہوں نے ماڈرن لائف اسٹائل کے ذریعے ختم کر دیا ہے۔

تنہائی کی نعمت

علامہ اقبال بانگ درا میں فرماتے ہیں:

دُنیا کی محفلوں سے اُکتا گیا ہُوں یا رب۔
کیا لُطف انجمن کا جب دِل ہی بُجھ گیا ہو۔

شورش سے بھاگتا ہُوں، دِل ڈھونڈتا ہے میرا۔
ایسا سکوُت جس پر تقریر بھی فدا ہو۔

مرتا ہوں خامشی پر، یہ آرزو ہے میری۔
دامن میں کوہ کے اِک چھوٹا سا جھونپڑا ہو۔

لذّت سَرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں۔
چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو ہاتھ کا سَرَھانا، سبزے کا ہو بچھونا۔
شرمائے جس سے جلوَت ، خَلوَت میں وہ ادا ہو۔

مانُوس اِس قدر ہو صُورت سے میری بُلبُل۔
ننّھے سے دِل میں اُس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو۔

صف باندھے دونوں جانب بُوٹے ہرے ہرے ہوں۔
ندّی کا صاف پانی تصوِیر لے رہا ہو۔

ہو دِل فریب ایسا کُہسار کا نظارہ۔
پانی بھی موج بن کر اُٹھ اُٹھ کے دیکھتا ہو۔

آغوش میں زمیں کی سویا ہوُا ہو سبزہ۔
پھر پھر کے جھاڑِیوں میں پانی چمک رہا ہو۔

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دَم۔
اُمیدِ اُن کی، میرا ٹُوٹا ہُوا دِیا ہو۔

بجلی چمک کے اُن کو کٹیا مری دِکھا دے۔
جب آسماں پہ ہر سُو بادل گھرا ہُوا ہو۔

پچھلے پہر کی کوئل، وہ صُبح کی مؤذّن۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اُس کا ہمنَوا ہُوں، وہ میری ہم نَوا ہو۔

کانوں پہ ہو نہ میرے دَیر وحَرَم کا احساں۔
روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سَحَر نُما ہو۔

پُھولوں کو آئے جس دَم شبنم وضو کرانے۔
رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دُعا ہو۔

اُس خامشی میں جائیں اتنے بُلند نالے۔
تاروں کے قافلے کو، میری صدا درا ہو۔

تین بیانیے[Three Narratives]

کافی غور وفکر کے بعد سمجھ آیا کہ مسئلے کا حل یہ ہے کہ بیانیہ ایک نہ ہو بلکہ تین ہوں؛اخلاقی، قانونی اور مصلحتی۔ اگر تو آج کے اس دور میں اسلام کو قابل عمل دین کے طور نہ صرف دنیا کے سامنے پیش کرنا ہے بلکہ اس کے قابل عمل ہونے کو لوگوں کے دلوں سے منوانا بھی ہے تو پھر بیانیے تین پیش کرنے پڑیں گے۔ اسی طرح ہم نہ صرف ماڈرن ازم کا مقابلہ کر سکتے ہیں بلکہ سیکولرازم کو بھی قرار واقعی جواب دے سکتے ہیں۔

یہ تینوں بیانیے تین قسم کے مخاطبین کے اعتبار سے ہوں جیسا کہ قرآن مجید نے بھی مخاطبین کی قسمیں کی ہیں۔ اگر تو مخاطب وہ لوگ ہوں کہ جو "السابقون" یعنی جنت کے اعلی درجوں یا اے پلس گریڈ کے لیے محنت کرنے والوں میں سے ہیں تو ان کے لیے بیانیہ "اخلاقی" ہونا چاہیے۔ اور اگر مخاطب وہ لوگ ہیں جو "اصحاب الیمین" یعنی جنت کے لیے کسی مناسب گریڈ میں پاس ہونے کے لیے محنت کرنے والوں میں سے ہیں تو ان کے لیے بیانیہ "قانونی" ہونا چاہیے۔ اور اگر مخاطبین

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سفارش سے پاس ہونے کی امید رکھنے والوں میں سے ہیں تو ان کے لیے بیانیہ "مصلحتی" ہونا چاہیے۔

اخلاقی بیانیہ یہ ہے کہ آلات موسیقی سے بچو، بلکہ دف سے بھی بچنے کی کوشش کرو اور صرف خوبصورت آواز پر اکتفا کر لو، اور وہ بھی قرآن مجید کی تلاوت کی صورت میں ہو جیسا کہ الشریم، المعیقلی اور ادریس اکبر وغیرہ۔ اور قانونی بیانیہ یہ ہے کہ دف میں حرج نہیں ہے اور قرآن مجید کے علاوہ گیت اور ایسے اناشید یعنی نظموں اور نغموں وغیرہ میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ جن میں دف یا زبان سے نکالی ہوئی آوازوں سے موسیقیت پیدا کی گئی ہو۔ اور مصلحتی بیانیہ یہ ہے کہ ہلکی پھلکی موسیقی کی اجازت ہے جیسا کہ موبائل ٹونز یا ٹیلی ویژن چینلز کی نیوز وغیرہ کی موسیقی ہے کہ جہاں اصلاً مقصود موسیقی نہیں ہے۔

بعض اوقات میری پوسٹیں "اخلاقی" بیانیے سے متعلق ہوتی ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ تصوف کی باتیں شروع ہو گئی ہیں۔ اور بعض اوقات قانونی بیانیے سے متعلق ہوتی ہیں تو لوگ اس میں فرق نہیں کر پاتے ہیں کہ ایک پوسٹ میں ایک ہی مسئلے کو اخلاقی پہلو سے لیا گیا ہے اور دوسری پوسٹ میں اسی مسئلے کو قانونی نظر سے دیکھا گیا اور تیسری پوسٹ میں اسی بارے مصلحت کے طور پر ایک رائے بیان کی گئی ہے لہذا وہ اسے رائے کا تضاد سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ان تینوں تحریروں میں مخاطبین یعنی جن کو مخاطب کیا گیا ہے، وہ مختلف ہوتے ہیں۔ کوشش کر رہا ہوں کہ اپنی کتاب "اسلامی نظریہ حیات" میں تمام بڑے مسائل کے بارے ان تینوں بیانیوں کو جمع کر دوں لیکن بہت مشکل لگ رہا ہے، ابھی تک تو قانونی بیانیے پر ہی اکتفا کیا ہے۔

روایتی بیانیے کا اصل مسئلہ

دوست کہتے ہیں کہ روایتی مذہبی بیانیہ معاشرے کے مسائل کو مخاطب (address) نہیں کرتا اور یہ بھی کہ یہ بیانیہ معاصر معاشرے کے لیے قابل عمل (applicable) نہیں ہے لہذا اسی لیے وقت کے ساتھ تبدیل بھی ہوتا رہتا ہے۔ ہماری نظر میں روایتی بیانیہ نہ تو وقت کے ساتھ تبدیل ہوتا رہا ہے اور نہ ہی یہ ناقابل عمل ہے بلکہ اصل مسئلہ کچھ اور ہے۔

روایتی بیانیے کا اصل مسئلہ علمی نہیں بلکہ اخلاقی ہے۔ ہمارے پاس قوت استدلال کی کمی نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ ہم اخلاقی بحران کا شکار ہیں۔ ہمارا بیانیہ تو فطرت کو چھونے والا ہے لیکن ہم نے اپنے رویوں سے معاشرے کو اس سے متنفر کر دیا ہے۔ مفتیان کرام اور معاشرے کے عام افراد میں موجود معاشرتی خلاء کو ہر شخص محسوس کر سکتا ہے۔

آج معاشرے کے ایک گناہ گار فرد کو مفتی صاحب سے مسئلہ پوچھتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ مجھے کئی ایسے فون آتے ہیں کہ لوگ مسئلہ پوچھنے سے پہلے ہچکچاتے ہیں، ڈرتے ہیں، خوف میں مبتلا نظر آتے ہیں، پوچھتے ہیں کہ آپ کا مزاج کیسا ہے، بات سن کر ناراض تو نہیں ہوں گے؟ پھر میں انہیں مانوس کرتا ہوں، اور بتلاتا ہوں کہ میں بھی آپ کے جیسا گناہ گار ہوں، انہیں کہتا ہوں کہ یہ تو آپ کے ایمان کی نشانی ہے کہ آپ اس کسی گناہ سے نکلنا چاہتے ہیں کہ آپ نے خود ہی رابطہ کیا ہے۔

سامنے کی بات ہے کہ ٹی۔ٹی۔پی کے بیانیے کو علماء تک نے اٹھا کر پھینک دیا لیکن تبلیغی جماعت اپنے ساتھ جرنیلوں کو بھی چلا لیتی ہے کہ فرق صرف رویوں کا ہے۔ ٹی۔ٹی۔پی نے تھانیدار بننے کی کوشش کی اور تبلیغی جماعت نے منت سماجت کا رویہ اپنایا۔ اب تبلیغی جماعت کیا سیکولر، لبرل اور جدیدیت پسند تحریک ہے؟ ہر گز نہیں۔ ان سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن کم از کم وہ روایت پسند تحریک ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

اسی طرح روایتی بیانیے نے اپنے رویوں سے سنت عادت کو سنت موکدہ، مستحب کو فرض، مکروہ کو حرام کا درجہ دے دیا تو اس سے بھی لوگ متنفر ہوئے۔ جس معاشرے میں لوگ سود کھا رہے ہوں، رشوت لے رہے ہوں، نماز نہ پڑھتے ہوں، زنا اور شراب نوشی میں مبتلا ہوں، شرک و بدعت میں اٹے ہوں، وہاں آپ لوگوں کو ٹوپی پہننانے پر زور لگائیں گے، سوٹ پہننے پر فتوی لگا دیں گے، کالر پہننے اور ایک طرف سے مانگ نکالنے پر انگریز کی اولاد کہہ دیں گے تو لوگ آپ سے نہ صرف خوف میں مبتلا ہوں گے بلکہ ایک فاصلے پر رہنا شروع کر دیں گے۔

ہم کبھی معاشرے میں نکل کر تو دیکھیں کہ معاشرہ کس قدر برائی میں گرا ہوا ہے اور معاشرہ گناہ کی اس دلدل سے نکلنا چاہتا ہے۔ وہ آپ کے پاس آنا چاہتا ہے، مفتی صاحب کے پاس، عالم دین کے پاس، لیکن وہ ہمدردی کے دو بول آپ سے سننا چاہتا ہے، فتوی نہیں۔ آپ اگر اپنا عمامہ اتار کر کسی گناہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گار کو یہ تاثر دیں کہ آپ اس کے جیسے ہی ہیں اور وہ آپ سے اپنے دل کا بوجھ ہلکا (catharsis) کر لے تو اللہ عزوجل آپ سے یقیناً خوش ہوں گے، ان شاءاللہ۔

دو لفظوں میں بات سننا چاہتے ہو تو وہ یہ ہے کہ اگر اپنے بیانیے کو معاشرے کے لیے زیادہ قابل عمل بنانا چاہتے ہو تو اپنے تصورات مفتیوں کے جیسے رکھو اور رویے صوفیوں کے جیسے۔ ذہن تمہارا فقیہوں جیسا تیز ہو اور دل تمہارا صوفیوں جیسا نرم ہو۔ اور فقیہوں اور صوفیوں سے مراد آج کل کے فقیہ اور صوفی نہیں بلکہ قرون اولی کے ہیں۔ اور میں معاصر روحانیت اور تصوف کے اداروں، گدیوں، مزاروں وغیرہ کو ایک دینی کاروبار ہی سمجھتا ہوں۔

روایتی اور جدید بیانیے کا فرق

دوست نے سوال کیا کہ روایتی اور غامدی بیانیے کا فرق علمی اور اصولی نہیں بلکہ عام فہم انداز میں بیان کر دیں کہ سب کو سمجھ آ جائے۔ جواب: میرے نزدیک روایتی (traditionalist) اور جدید (modernist) بیانیے کا فرق وہی ہے جو گناہ اور بغاوت کا فرق ہے۔ اس نے کہا کہ مزید کچھ کھول کر بیان کریں۔

میں نے کہا کہ آدم علیہ السلام سے خطا ہوئی، انہوں نے اپنی خطا پر شرمندگی محسوس کی، توبہ استغفار کی، یہ آدمیت کا بیانیہ ہے۔ آدمیت یہ نہیں ہے کہ گناہ نہیں ہو گا اور معاشرہ معصوم بن جائے گا، بلکہ آدمیت یہ ہے کہ گناہ ہو گا لیکن معاشرہ توبہ استغفار کے حال کے ذریعے اس گناہ کو بھی اپنے پروردگار کا قرب حاصل کرنے کے لیے سیڑھی بنا لے گا۔

اور شیطنت یہ ہے کہ خطا ہو اور وہ خطا کی توجیہ (justification) پیش کرے گا۔ آدمیت اور شیطنت دو رویے ہیں، ایک گناہ کر کے شرمندگی کے اظہار کا رویہ ہے اور دوسرا گناہ کر کے اسے جسٹیفائی کرنے کا رویہ ہے۔ ایک اپنے مالک کا گناہ گار ہے اور دوسرا اپنے مالک کا باغی ہے۔ ایک اپنے آپ کو مالک کا گناہ گار کہہ کر اس کے حضور میں توبہ استغفار کے حال میں ہے اور دوسرا مالک کو یہ سمجھانے کی پوزیشن لیے ہوئے ہے کہ تیرے کلام کا مطلب وہ ہے، جو میں تجھے سمجھا رہا ہوں۔

مولوی سے بھی گناہ ہو جاتے ہیں، وہ معصوم نہیں ہیں، مولوی فلم دیکھ لے گا تو اپنے آپ کو گناہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گار سمجھے گا، وہ ڈاڑھی نہ رکھے گا تو دل میں شرمندگی کا احساس ہو گا، وہ میوزک سنتا ہو گا لیکن اس کے جائز ہونے کی دلیلیں نہیں گھڑے گا، وہ حالات کے جبر کے تحت کسی عورت سے ہاتھ بھی ملا لے گا لیکن بعد میں توبہ استغفار کر لے گا کہ یہ انسانوں کا معاشرہ ہے، فرشتے نہیں ہیں کہ ان کے رب نے انہیں حالات کے جبر کے تحت شرک کرنے اور حرام کھانے کی رخصت بھی دے دی ہے لیکن شرک اور حرام کو جائز کرنے کی نہیں۔ تو مولوی معاشرے کے ساتھ یوں زندگی گزارتا ہے یعنی توبہ اور استغفار کے حال کے ساتھ۔

لیکن اس جدید فکر کی کیا یہ نحوست کم ہے کہ اس نے اس معاشرے سے توبہ اور استغفار کا حال چھین لیا ہے، اب آپ نے بینک سے سود لیا، انہوں نے اسے جائز قرار دے دیا۔ آپ نے لڑکی سے ہاتھ ملا لیا، انہوں نے اس کی دلیل نکال لی۔ آپ نے مووی دیکھ لی، انہوں نے اسے جواز بخش دیا۔ آپ نے میوزک سننے کو عادت بنا لیا، انہوں نے کہا کہ یہ فطرت انسانی ہے۔ آپ نے بے پردگی اختیار کی، انہوں نے کہا کہ اسلام میں پردے کا حکم ہے کہاں؟ آپ نے ریاست سے مذہب کو علیحدہ کر دیا، انہوں نے کہا کہ بالکل ٹھیک کیا، ریاست کا مذہب سے تعلق ہی کیا ہے؟

اور وہ دن دور نہیں کہ انہیں اپنی زندگیوں میں توبہ استغفار کے لیے گناہ ڈھونڈنا پڑے گا لیکن نہیں ملے گا، کیوں؟ کیونکہ وہ اس کے جواز کی دلیل نکال چکے ہوں گے۔ تو تعبیر دین کا فرق ایک طرف، سچ بتلائیں کہ لوگ جن کاموں کو گناہ سمجھ کر کرتے تھے اور اس پر اللہ کے حضور میں توبہ استغفار کرتے تھے، آج لوگ انہی کاموں کو مباح اور جائز سمجھ کر کریں گے تو معاشرے سے انہوں نے توبہ اور استغفار کا حال نہیں چھین لیا تو کیا کیا؟ کیا اپنے ہر الٹے سیدھے عمل کی توجیہ (justification) کی اس ماڈرن اپیروچ سے ایسے صلحاء اور متقین کسی معاشرے میں پیدا ہو سکتے ہیں کہ جو شبہات سے بھی بچنے کو اپنی عادت ثانیہ بنا لیں؟

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی!

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ غامدی صاحب کے مداحین کا کہنا ہے کہ ان کے ناقدین میں سے کسی نے بھی ان کی فکر کو سمجھا ہی نہیں ہے، آپ کی اس بارے کیا رائے ہے۔ جواب: میری

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رائے میں یہ تو نہیں کہنا چاہیے کہ کسی کو غامدی صاحب سمجھ ہی نہیں آئے۔ یہ تو ان کے فکر و بیان کا نقص ہے نہ کہ خوبی کہ وہ کسی کو سمجھ ہی نہ آئیں۔

باقی یہ بات درست ہے کہ بعض اوقات نقد کرنے والے وہ مراد لے لیتے ہیں جو کہ متکلم کا منشا نہیں ہوتا اور یہ سب کے ساتھ ہوا ہے یہاں تک کہ بریلویوں، دیوبندیوں اور اہل حدیثوں نے ایک دوسرے کی عبارتوں کے ایسے مفاہیم مراد لیے ہیں جو کہ متکلم کے وہم و گمان میں بھی نہ تھے۔ ہماری رائے میں یہ نہیں ہونا چاہیے، چاہے آپ کسی کافر پر بھی نقد کر رہے ہوں کہ عدل، نقد کا پہلا وصف ہے۔ اگر یہ ہے تو نقد صحیح ہے ورنہ ناقص ہے۔

جہاں تک غامدی صاحب کا معاملہ ہے تو شروع میں جب "فکر غامدی" کے نام سے ہماری کتاب کے تین ایڈیشن نکلے تو غامدی صاحب کے مداحین سے ایسی ہی باتیں سننے میں آئیں کہ غامدی صاحب کی فکر کو سمجھا نہیں گیا۔ تو اس میں ایک کام تو ہم نے یہ کیا کہ غامدی صاحب سے ان کے گھر پر ملاقات کی، اور جو ہم نے ان کی فکر سے سمجھا تھا، وہ ان کے سامنے ایک ایک کر کے رکھا اور پوچھا کہ کیا ہم نے صحیح سمجھا ہے؟

تو بعض باتوں پر انہوں نے تصدیق کی کہ آپ نے بالکل صحیح سمجھا ہے اور میں یہی کہنا چاہتا ہوں جو کہ آپ سمجھ رہے ہیں۔ اور بعض باتوں میں انہوں نے کہا کہ نہیں اسے یوں نہیں یوں بیان کریں تو میرا مدعا صحیح طور واضح ہوتا ہے۔ پس "فکر غامدی" کے آخری یعنی چوتھے ایڈیشن میں جیسے کہ میں نے غامدی صاحب سے ان کی فکر کو سمجھنے کی تصدیق حاصل کی تھی، اسی طرح اسے بیان کر کے اس پر نقد کیا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ تھی کہ غامدی صاحب کے ایک شاگرد محترم ابراہیم صاحب نے مجھے اس بارے اللہ سے بہت ڈرایا تھا کہ مجھے اس نقد کے لیے اللہ کے ہاں جواب دہ ہونا ہے اور اس کے لیے میں ان کا ممنون ہوں کہ انسان میں اعتدال اسی طرح آتا ہے۔ مجھے ان کے ساتھ وہ مجلس اچھی طرح یاد ہے کہ وہ میری کتاب "فکر غامدی" کے ایک مقام پر بہت برسے تھے کہ اس میں غامدی صاحب کی نیت پر حملہ ہے تو میں نے اس مقام کی اگلے ایڈیشن میں تصحیح کر لی اور ان سے کہا کہ اگر کچھ اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقامات بھی ایسے ہوں تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ ان کی تصحیح بھی کر لی جائے۔

باقی غامدی صاحب کو نہ سمجھ سکنے کی آزمائش اتنی عام ہے کہ اس میں ان کے ہونہار شاگرد بھی شامل ہیں۔ ماہنامہ "الشریعہ" میں ہماری اور غامدی صاحب کے ہونہار شاگرد جناب منظور الحسن صاحب کی جو کہ مجلہ "اشراق" کے مدیر بھی رہے، اور غالباً بیس سال غامدی صاحب کی شاگردی اور صحبت میں گزارے، اسی حوالے سے ایک خط و کتابت بھی شائع ہوئی ہے۔

اور اس کا موضوع یہی ہے کہ غامدی صاحب کا کہنا تھا کہ منظور الحسن صاحب کو میری فکر سمجھ نہیں آئی۔ یہ بہت دلچسپ خط و کتابت ہے کہ جس میں منظور الحسن صاحب کا پورا زور ہے کہ وہ غامدی صاحب کی فکر کو سمجھ چکے ہیں اور میں انہیں کہہ رہا ہوں کہ غامدی صاحب سے تصدیق لائیں کہ آپ ان کی فکر سمجھ چکے ہیں کہ غامدی صاحب نے انہیں اپنا ترجمان ماننے سے انکار کر دیا تھا۔

آسان الفاظ میں غامدی صاحب کے مداحین میں سے جیالوں نے فکر غامدی کو ویسا ہی بنا دیا ہے جیسے کانٹ کا فلسفہ۔ کانٹ کے بارے معروف ہے کہ وہ کہتا تھا کہ مجھے دنیا میں دو ہی لوگ سمجھتے ہیں؛ ایک میں خود اور دوسرا میرا شاگرد۔ اور اس کا کہنا یہ بھی تھا کہ حقیقت یہ ہے کہ میرا شاگرد بھی غلط ہی سمجھا ہے۔ لیکن چلیں، سمجھا تو ہے ناں۔ اللہ کے ولیو! یہ فکر کی بلاغت ہے یا سطحیت!

مذہبی بیانیے کا المیہ: شارٹ اسٹوری

پہلا منظر: ونڈو سیٹ پر بیٹھتے ہی مولانا کی نظر سامنے پڑی تو بس میں کوئی انڈین مووی چل رہی تھی۔ اتنے لوگوں میں صرف مولانا کی آنکھوں پر جیسے حیا غالب آ گئی۔

دوسرا منظر: مولانا نے ساتھ والے مسافر کو دیکھا۔ کلین شیو، پینٹ شرٹ میں ملبوس، نوجوان انہماک سے فلم دیکھنے میں مصروف۔ مولانا کے دل نے اس کی بے دینی پر کڑھنا شروع کر دیا۔

تیسرا منظر: مولانا بس کے ماحول سے بیزار ہو کر دائیں طرف شیشے کی کھڑکی کو کچھ یوں غور سے دیکھنے لگے جیسے سڑک کے اس پار کہیں قدرت کے دلکش مناظر میں کھو گئے ہوں۔

چوتھا منظر: ساتھ والے نوجوان مسافر نے دیکھا کہ مولانا سارا رستے استغفار پڑھتے رہے اور کبھی کبھار شیشے کے اس پار دیکھتے ہوئے آنکھیں بند کر کے سر بھی جھکا لیتے تھے کہ جیسے کچھ بہت ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نامناسب منظر دیکھ لیا ہو۔

دلیل کی فاحشہ

وہ جو معمولی بیماری میں مشاورت کے لیے اس ڈاکٹر کو کنسلٹ کرنے کے عادی ہیں جو ڈگری یافتہ ہو بلکہ زیادہ ڈگریاں رکھتا ہو، انہیں دینی فکر لینے کے معاملے میں سند سے نہیں دلیل کی فاحشہ سے غرض ہے۔ فیا للعجب!

ایک عالم دین دوسرے عالم دین سے تو دلیل سے بحث کر سکتا ہے لیکن جاہل کی دلیل کا جواب عالم دین کے پاس نہیں ہوتا کیونکہ جس رستے سے جاہل کی دلیل آتی ہے، وہاں سے عالم کا گزرنا ممکن نہیں ہے اور اگر وہ گزر جائے تو عالم نہیں رہتا۔

دین میں سند کا مقام

دوست کا سوال ہے کہ کیا امام بخاری رحمہ اللہ کے پاس صرف نحو کی سند تھی؟ انہوں نے عربی زبان کس مدرسے سے پڑھی تھی؟ اگر نہ تو ان کے پاس عربی زبان کی سند تھی اور نہ ہی وہ کسی مدرسہ گئے تھے تو آج دین کی بات کرنے کے لیے کسی سند کا ہونا کیوں ضروری ہے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ سند کا ہونا دین کے لیے ضروری ہے اور دین دو چیزوں کا نام ہے؛ قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ۔ عربی تو ایک زبان ہے، عربی کب سے دین بن گئی کہ جس کے لیے سند کی ضرورت پڑ گئی۔ عربی آپ انگریزوں سے سیکھ لیں، آپ کو کس نے منع کیا ہے؟ دین البتہ وہی ہے جسے آپ، رسول اللہ ﷺ کے قدموں تک پہنچا دیں۔ عربی، صرف نحو، گرامر، بلاغت، منطق وغیرہ تو دین کو سمجھنے کے ٹولز ہیں نہ کہ خود دین۔ اسی لیے انہیں علوم آلیہ کہتے ہیں جو کہ آلہ (tool) سے بنا ہے۔ اور علوم عالیہ صرف دو ہی ہیں یعنی کتاب و سنت۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب کہا جاتا ہے کہ دین کے لیے سند کا ہونا ضروری ہے تو اس سے مراد کسی ادارے کی سند نہیں ہے بلکہ اس سے مراد روایت ہے کہ دین ایک روایت ہے جو رسول اللہ ﷺ سے آگے چلی ہے۔ آپ کے پاس جو دین ہے، کتاب و سنت کی صورت میں، اسے اپنے سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک کے درمیانی ثقہ واسطے (authentic chain) بیان کر کے آپ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قدموں تک پہنچا دیں، بس اصطلاحی معنی میں سند اسی کو کہتے ہیں نہ کہ کاغذ کے ٹکڑے کو۔ مثلاً غامدی صاحب کی سند مولانا حمید الدین فراہی صاحب پر ختم ہو جاتی ہے اور قاری حنیف ڈار صاحب کی غامدی صاحب پر ختم ہو جاتی ہے جبکہ ہمارے مدرسہ کے شیخ الحدیث کی سند رسول اللہ ﷺ تک موجود اور محفوظ ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ دین کی بات کرنے کے لیے سند کی ضرورت نہیں ہے بلکہ کسی بات کو دین ثابت کرنے کے لیے سند کی ضرورت ہے۔ اگر ایک بات دینی سند سے ثابت ہے، اب وہ بات کوئی بھی کر سکتا ہے، اسے اس بات کے کرنے کے لیے کسی سند کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تو دعوت اور تبلیغ کا کام ہے بس۔ مولانا مودودی اور ڈاکٹر اسرار احمد کو رحمہ اللہ کہنے والے بہت ہیں کہ انہوں نے اپنی دعوت و تبلیغ سے روایتی دینی فکر کو اسپورٹ کیا ہے جو کہ مضبوط اور مسلسل سند کی بنیاد پر قائم ہے لیکن سر سید احمد خان اور غلام احمد پرویز کو کوئی رحمہ اللہ نہیں کہتا کہ ان کی فکر کو رسول اللہ ﷺ تو کجا دو نسلیں اوپر پہچانا بھی مشکل ہے۔

امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دین تو نام ہی سند کا ہے، اگر سند نہ ہوتی تو یہاں جو چاہتا دین کے نام پر جو بھی بکواس کر دیتا۔ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سند تو مومن کا ہتھیار ہے، سند کے بغیر وہ کیا غزو فکری (intellectual war) کرے گا؟ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دین تو بس وہی ہے کہ جس میں "حدثنا" موجود ہو اور جو "حدثنا" کے علاوہ ہے، وہ تو شیاطین کے وساوس ہیں۔ امام ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب و سنت کا علم، دین ہے، لہذا خوب دیکھ لو کہ اپنا دین کہاں سے لے رہے ہو یعنی جس سے دین لے رہے ہو، اس کے اپنے دین کی سند رسول اللہ ﷺ کے قدموں تک پہنچ رہی ہے؟ یہ ضرور دیکھ لو۔

مرسل روایت کی حجیت

دوست کا کہنا ہے کہ اسلام کیو۔اے ویب سائیٹ کے اہل علم کا فتوی ہے[1] کہ مرسل روایت

1 شامی عالم دین شیخ صالح المنجد کی سرپرستی میں آن لائن فتوی کی سب سے بڑی سائیٹ جو دنیا کی سولہ بڑی زبانوں میں ہزاروں فتاوی جاری کر چکی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جمہور کے نزدیک حجت نہیں ہے۔[1] جواب: میری رائے میں مرسل روایت کے بارے یہ بات درست نہیں ہے کہ جمہور کا موقف یہ ہے کہ وہ حجت نہیں ہے۔ جمہور کا موقف یہ ہے کہ مرسل کے بارے تفصیل ہے۔ اور یہ بھی اسلام کیو۔اے (Islam-QA) والوں نے غلط کیا ہے کہ اپنے موقف کو راجح بنانے کے لیے امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ وغیرہ کو فقہاء میں ڈال دیا۔ یہ غلط طرز عمل ہے کہ اپنی بات میں وزن ڈالنے کے لیے کبار ائمہ محدثین کو فقہاء بنا کر پیش کر دیں اور اب یہ دعوی کریں کہ محدثین کا موقف تو یہ ہے اور فقہاء یہ کہتے ہیں۔ اب آپ اپنا مطلب نکالنے کے لیے محدثین میں سے امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کو بھی نکال دیں گے۔ یہ انہوں نے درست نہیں کیا۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ احکام میں مراسیل کا حکم اور ہے جبکہ تاریخ میں اور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مغازی، تفسیر اور ملاحم میں تو ہیں ہی مراسیل۔ کیا کریں گے؟ کچھ بھی آپ کے پاس باقی نہیں رہے گا۔ تو احکام شرعیہ اور تاریخی واقعات کے بیان میں بھی مراسیل کے حکم میں فرق ہونا چاہیے۔ اس پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی "مقدمہ اصول التفسیر" میں عمدہ گفتگو ہے۔ اور صاحب فتوی نے اس کو نقل کرنے کی بجائے "العمدۃ" سے معلوم نہیں کیسے کیا کچھ نقل کر دیا۔

متقدمین محدثین مراسیل میں تفصیل کے قائل ہیں اور اس بارے کوئی مطلق حکم جاری نہیں کرتے ہیں۔ علی بن مدینی رحمہ اللہ وغیرہ کے اقوال دیکھ لیں تو ان میں بھی بہت گہرائی اور تفصیل ہے۔

ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ جس طرح حنفیہ میں شروع میں فقہاء میں توسع تھا، کئی ایک رائے موجود ہوتی تھیں، بعد میں ایک صاحب ترجیح ایک رائے متعین کر دیتے اور پھر وہی مفتی بہ قول اور مذہب حنفی بن جاتی اور اس طرح فقہی جمود پیدا ہو جاتا کہ اپنے بڑوں کی رائے میں بھی غور نہ کرتے تو یہی اہل الحدیث میں بھی ہوا ہے کہ ابن حجر رحمہ اللہ کے بعد گویا اصول حدیث میں ایک رائے متعین ہو گئی۔ پس پہلوں نے کیا اختلاف کیا یا ان کے ہاں کیا وسعتیں تھیں، یہ نہیں دیکھا جاتا۔ راجح موقف یا جمہور کا موقف وہی ہے جو کہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بیان کر دیا، کہہ کر گویا حجت تمام کر دی جاتی ہے۔ نہیں، یہ رویہ درست نہیں ہے، خاص طور محققین کے لیے تو بالکل بھی نہیں۔

1 مرسل روایت سے مراد وہ روایت ہے کہ جس میں کوئی تابعی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست کوئی حدیث نقل کرے اور درمیان میں صحابی کا ذکر نہ کرے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رد حدیث اور انکار حدیث کا فرق

قاری حنیف ڈار صاحب کو شکایت ہے کہ انہوں نے دس حدیثوں کا انکار کیا ہے تو لوگ ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں جبکہ وہ نماز روزے، حج زکوۃ، حلال و حرام، خرید و فروخت اور اخلاقیات وغیرہ کی حدیثوں کو مانتے ہیں۔

تو ہمیں یہ عرض کرنا ہے قاری صاحب کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ نے دس حدیثوں کا انکار کر دیا تو آپ پر اتنی لعن طعن ہوئی لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ ایک محدث دس ہزار حدیثوں کو رد کر دیتا ہے، کوئی اس پر لعن طعن نہیں کرتا۔ لوگ اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں، اسے امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے، اس کی تحقیقات سے علماء استفادہ کرتے ہیں، منبروں پر بیان شروع ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث مردود (rejected) ہے، تو فرق کہاں ہے؟

پھر "انکار حدیث" اور "رد حدیث" میں فرق ہے، "انکار حدیث" کا کوئی اصول نہیں ہے، کوئی ضابطہ نہیں ہے، بس دل نہیں مان رہا لہذا حدیث کا انکار کر دو جبکہ "رد حدیث" ایک فن اور آرٹ ہے جو سیکھنے سے آتا ہے۔ حدیث کو مردود قرار دینے کے اصول و ضوابط ہیں جو صدیوں میں متعین ہوئے ہیں، اس پر سینکڑوں کتب مرتب ہوئیں، ہزاروں شروحات لکھی گئیں۔

مسئلہ آپ کی اہلیت اور اسٹائل کا بھی ہے۔ اگر ایم۔بی۔بی۔ایس ڈاکٹر کسی مریض کی رسولی کا علاج کرنے کے لیے آپریشن تھیٹر میں اس کے پیٹ کی چیڑ پھاڑ کریں گے تو اگر مریض صحت یاب نہ بھی ہو تو لوگ ڈاکٹر کو الزام نہیں دیں گے کہ روزانہ ہسپتالوں میں ہزاروں مریض مرتے ہیں۔ پس اصل وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر اس مرض کے علاج کی اہلیت رکھتا ہے اور وہ علاج کے طریقہ کار کی ہدایات یعنی میڈیکل سائنس کو فالو کرتا ہے۔

اور اگر آپ میڈیکل سائنس کی دو چار کتابیں پڑھ کر کسی مریض کے پیٹ کی رسولی نکالنا شروع کر دیں گے تو ہر کوئی آپ کو لعن طعن کرے گا، چاہے آپ کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہوں اور چاہے آپ اس کے پیٹ کی رسولی نکال بھی دیں تو بھی قانون کی نظر میں مجرم ہوں گے۔ پس سمجھنے کی کوشش کریں کہ اہلیت نہ ہونے کے باوجود اس قسم کی حرکتوں کے ذریعے آپ یہی کھلواڑ دین کے ساتھ کر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہے ہیں۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف اور موضوع روایتوں کی نشاندہی کرتے کرتے انسائیکلوپیڈیاز مرتب کر دیے ہیں لیکن انہیں تو دنیا "محدث العصر" کا نام دے دیا ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ نے اپنی نااہلی کے سبب دس حدیثوں کا جس طرح انکار کیا ہے، اس اسٹائل نے پورے ذخیرہ حدیث کے صحیح ہونے پر ایک سوالیہ نشان کھڑا کر دیا ہے؟

احادیث کی جانچ پڑتال یا اس کے رد و قبول کی ایک سائنس مرتب ہو چکی ہے کہ جسے "اصول حدیث" کہتے ہیں۔ اسے صدیوں میں ہزاروں علماء نے مرتب کیا ہے اور اب اس پر تمام مکاتب فکر کے علماء کا اتفاق ہو چکا ہے کہ اسی سائنس کی روشنی میں حدیث کے ذخیرہ کو پرکھا جائے گا۔ حدیث کا رد کرنا اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے جتنا کہ وہ طریقہ کہ جس سے آپ رد کرتے ہیں۔ آپ مروجہ میڈیکل سائنس کا انکار کر کے ایک نیا طریقہ علاج متعارف کروانا چاہتے ہیں جو اسی طرح ممکن ہے کہ آپ میڈیکل سائنس میں اپنا اتنا نام پیدا کر لیں کہ آپ بات کریں تو اس میدان کے ماہرین آپ کی بات کو توجہ سے سنیں، اور وہ اہلیت آپ میں بد قسمتی سے ہے نہیں۔

کتب حدیث کے تراجم: پبلشرز کی خدمت میں

دوست نے سوال کیا ہے کہ ایک روایت میں پڑھا ہے کہ تین لوگوں کے پاس فرشتے نہیں آتے؛ کافر کی لاش، زعفران ملی خوشبو لگانے والا اور وہ شخص جو کہ حالت جنابت میں ہو یہاں تک کہ وہ وضو یا غسل کر لے۔ دوست کا سوال ہے کہ کیا یہ روایت مستند (authentic) ہے۔

ہمیں اس سوال کے جواب کے ساتھ کتب حدیث کے معاصر تراجم پر بھی کچھ بہت ہی ضروری بات کرنی ہے۔ اب ایک عامی شخص کو اس حدیث کے ترجمے سے شبہ پیدا ہوا ہے اور فوراً اس کے ذہن میں سوال آیا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہو سکتی کہ اس میں خوشبو لگانے والے کے بارے کہا جا رہا ہے کہ اس کے پاس فرشتے نہیں آتے، حالانکہ یہ روایت صحیح ہے۔ حدیث کی کتابوں کے اردو تراجم کا مقصد تو یہ تھا کہ لوگ حدیث کے قریب ہوتے لیکن بعض اوقات ترجمہ پڑھ کر تو ان کے شکوک و شبہات میں اضافہ ہو جاتا ہے اور حدیث پر ان کا اعتماد کم پڑ جاتا ہے۔ ہمیں اس میں صرف ریڈر کو گالیاں نہیں دینی چاہییں کہ وہ معترض بے ایمان ہے بلکہ اپنے کام کو بھی ریوائز کر لینا چاہیے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ کہیں ہمارے کام میں ہی تو نقص نہیں ہے؟

حدیث کے کتابوں کے معاصر اردو تراجم یا تو ناقص ہیں کہ ان کے ناقص ہونے کی وجہ سے ریڈر کے ذہن میں اشکالات اور شبہات پیدا ہوتے ہیں یا ملحدوں کو حدیث پر اعتراض کی کوئی دلیل ہاتھ آ جاتی ہے۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ ترجمہ تو کسی حد تک درست ہوتا ہے لیکن مناسب حواشی نہ ہونے کے سبب سے بات واضح نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر حدیث میں بیان شدہ واقعے کا پس منظر اور بیک گراؤنڈ واضح نہ ہو گا تو حدیث کی وضاحت نہیں ہو گی لہذا احادیث کے معاشرتی پس منظر پر کام نہ ہونے کی وجہ سے حدیث کی سمجھ ہی نہیں آتی کہ یہ لاجیکل کیسے ہے؟ یا احادیث کے تراجم پر حواشی تو ہیں لیکن وہی روایتی انداز کے ہیں اور معاصر ذہن کو ایڈریس کرنے والے حواشی موجود ہی نہیں ہیں، لہذا یہ تراجم حدیث سے دور کرنے کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔

معاصر اور جدید ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے احادیث کے تراجم اور حواشی کا کام وقت کی ایک اہم ترین ضرورت ہے۔ اگر ہم نے یہ کام نہ کیا تو ہم لوگوں کی گردنوں پر انکارِ حدیث کی تلوار رکھ کر ان سے حدیث پر ایمان کا مطالبہ کرتے رہیں گے حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات علی وجہ البصیرۃ ہوتے ہیں، آپ کی ہر بات حکیمانہ اور لاجیکل ہوتی ہے۔ پس وقت کی اہم ضرورت ہے کہ قرآن مجید اور احادیث کے تراجم کو معاصر علمی اور ذہنی سطح کے ساتھ میچ کر کے منطقی اور لاجیکل انداز میں یوں بیان کر دیا جائے کہ اسے سنتے اور پڑھتے ہی ایک پڑھے لکھے ذہن میں اسلام پر اعتماد میں یقینی طور اضافہ ہو جائے۔ روایتی انداز میں پبلشنگ کا کام بہت ہو چکا، اب جدید دور کے تقاضوں کے مطابق پبلشنگ کے کام کی ضرورت ہے جو کہ بالکل نہیں ہو رہا ہے۔ اب ہمیں پبلشنگ میں بڑے ناموں کے دائرے سے نکل آنا چاہیے، ان ناموں پر بہت کاروبار ہو چکا، اللہ اس میں برکت دے۔ اگر ہم نے معاصر پڑھے لکھے ذہن کے مطابق کتاب وسنت کی تفہیم اور تشریح کا فرض مکمل نہ کیا تو یہ دین اندھے ایمان کے دعوے سے آگے نہیں بڑھ پائے گا۔

باقی حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زعفران ملی خوشبو عورتیں استعمال کرتی تھیں لہذا مردوں کو اس سے منع کر دیا گیا۔ یہ خوشبو صرف خوشبو نہ تھی بلکہ مائع

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت میں ایک خاص رنگ کی صورت میں بھی ہوتی تھی جو کہ زرد یعنی شوخ پیلا رنگ ہوتا تھا۔ یہ رنگ خوشبو لگانے والے کے کپڑوں پر لگ جاتا تھا جیسا کہ آج کل بریانی میں فوڈ کلر ڈالا جاتا ہے۔ اب چونکہ شوخ پیلا رنگ عورتوں والا رنگ تھا لہذا مردوں کو اس کے استعمال سے منع کر دیا، بلکہ آج بھی مردوں کی اکثریت اس رنگ کو پسند نہیں کرتی۔ اور آج بھی مردوں اور عورتوں میں خوشبو کی تقسیم موجود ہے کہ یہ مردوں کے پرفیومز ہیں اور یہ لیڈیز کے ہیں۔ اگرچہ عام لوگ ایسا کر بھی لیتے ہوں لیکن باذوق مرد، عورتوں کی خوشبو استعمال نہیں کرتے۔ اور باذوق عورتیں، مردوں کی خوشبو کو استعمال نہیں کرتیں۔ آپ ﷺ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے انسانی ذوق میں نفاست پیدا فرمائی۔

قرآن مجید کی نسائی تعبیر

کچھ عرصہ سے قرآن مجید کی نسائی تعبیر کے نام پر عجیب وغریب قسم کی تفسیریں سامنے آنا شروع ہو گئی ہیں۔ اس نسائی تعبیر کا ایک ہی ہدف اور مقصود ہے کہ کسی طرح یہ ثابت کر دیا جائے کہ عورت ہر لحاظ سے مرد کے برابر ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ ﴿خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ [النساء: 1] ترجمہ: اللہ عزوجل نے تمہیں ایک جان [آدم] سے پیدا کیا اور اس جان سے اس کا جوڑا [حواء] کو پیدا کیا۔ اب اس ترجمہ کو مان لینے سے حقوق نسواں کے لیے کام کرنے والے طبقہ کے نزدیک مرد کی عورت پر برتری ثابت ہوتی ہے لہذا انہوں نے اس کا ترجمہ یوں کیا کہ اللہ عزوجل نے تمہیں ایک جرثومے سے پیدا کیا اور پھر اس جرثومے کو دو ٹکڑوں میں بانٹ کر اس کا جوڑا پیدا کیا۔ لیں جی، مساوات بھی ثابت ہو گئی اور ارتقاء بھی۔

اس قسم کی نسائی تعبیرات صرف قرآن مجید میں نہیں کی گئیں بلکہ احادیث کی تشریح میں بھی اس اپروچ کو خوب استعمال کیا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ حدیث میں یہ جو ہے کہ عورت بائیں پسلی سے پیدا کی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت میں اسی قسم کی لچک ہوتی ہے جیسا کہ پسلی میں ہوتی ہے لہذا عورت ہر قسم کے حالات میں ڈھل جاتی ہے۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ واقعی میں عورتیں ایسی ہوتی ہیں یا نہیں، ہمارا موضوع دراصل یہ ہے کہ عربی زبان وبیان کے اصول وضوابط کی روشنی میں ایسے معانی کتاب وسنت کے متن سے نکالنے کی گنجائش موجود ہے یا نہیں؟ عورتوں کی ہر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوبی ضروری تو نہیں کہ کتاب و سنت ہی سے کھینچ تان کر نکالی جائے۔

پس آپ لوگ قرآن مجید کی نسائی تعبیر شوق سے کریں لیکن بس اتنا کریں کہ مردوں کو ان کے حقوق پورے دے دیجیے گا۔ یہ اچھا ہے کہ مشرقی عورت، عورتوں کے حقوق کے نام پر بھی حقوق لے جاتی ہے اور مذہب کے نام پر بھی حقوق سمیٹ لیتی ہے۔ مغرب میں کم از کم اتنا تو ہے کہ مرد کو مساوات کے نام پر کچھ نہ کچھ حقوق ملتے رہتے ہیں۔ یہاں جب مردوں کے حقوق کی بات آتی ہے تو مذہب کی بحث چھیڑ دی جاتی ہے کہ ہمارے مذہب کی روح یہ ہے کہ لیڈیز فرسٹ۔ مرد و زن کی مساوات کا تو یہ بھی مطلب ہے کہ زچگی کی رخصت (maternity leave) مرد کو بھی دی جائے کہ جب ساری رات بچہ روتا ہے تو مرد کو بھی جاگنا پڑتا ہے، اور بیمار ہوتا ہے تو ہسپتالوں کے چکر مرد نے کاٹنے ہیں۔ اور یہ لیڈیز فرسٹ کیا اصول ہوا؟ دونوں برابر ہیں، عورتیں براہ مہربانی اپنی باری کا انتظار کریں۔

مغرب میں کم از کم یہ ہے کہ سپروائزر لیب میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی فی میل اسٹوڈنٹ کے آنسو دیکھ کر پگھل نہیں جاتا بلکہ الٹا ڈانٹ کر کہتا ہے کہ بی بی تم بھی لڑکوں کی طرح ایک اسٹوڈنٹ ہی ہو، کام کرنا ہے تو کرو، ورنہ جاؤ بھاڑ میں۔ یہاں تو آنکھوں میں نمی دیکھ کر مارے شفقت کے سپروائزر صاحب یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ بیٹا کوئی بات نہیں، بس اتنا کام کر کے مقالہ جمع کروا دو، باقی میں دیکھ لوں گا۔ اور ابھی بھی ان کو شکایت ہے کہ انہیں مشرق میں حقوق نہیں ملتے۔ بھئی، مشرق میں اگر ضرورت ہے تو وہ "حقوق مرداں" کی تحریک چلانے کی ہے اور یونیورسٹیوں میں "مین اسٹڈی سینٹرز" کھولنے کی۔

مرد و زن کی مساوات

مرد و زن کی مساوات کے بارے دو بیانیے موجود ہیں؛ ایک مذہبی اور دوسرا لبرل۔ اور باقی بیانیے انہی دو کے بچے ہیں۔ مذہبی بیانیے میں نہ تو مرد و زن مساوی ہیں بلکہ مرد کو خَلقی اور خُلقی یعنی پیدائشی اور دینی دونوں اعتبار سے فوقیت بھی حاصل ہے۔ اللہ عزوجل نے آدم کو پہلے پیدا کیا نہ کہ حواء کو۔ مسجود ملائک آدم کو بنایا نہ کہ حواء کو۔ حواء کی پیدائش، آدم کی پسلی سے کی یعنی اسے آدم کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک فرع کے طور پر وجود بخشا نہ کہ مستقل وجود۔ مرد کو جسمانی طور مضبوط اور قوی بنایا جبکہ عورت کو کمزور۔ یہ تو خَلقی اعتبار سے فضیلت ہوئی جبکہ خُلقی اعتبار سے فضیلت کے دلائل یہ ہیں کہ نبوت اور رسالت مردوں میں جاری فرمائی، عورتوں میں نہیں۔ دوران حیض نماز روزہ نہ کرنے کی وجہ سے عورتوں کے دین کو ناقص کہا جبکہ مردوں کے لیے یہ نقص نہیں ہے۔ جہنم کے مشاہدے میں یہ کہا کہ وہاں عورتیں زیادہ دکھائی جارہی ہیں نہ کہ مرد وغیرہ وغیرہ

اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی عورت اخلاقی اعتبار سے مرد سے افضل نہیں ہو سکتی۔ ہم نوعِ مرد اور نوعِ عورت کی بات کر رہے ہیں۔ مرد اپنی نوع میں پیدائشی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے عورت کی نوع سے افضل رہا ہے اور ہے۔ آپ زندگی کا کوئی شعبہ لے لیں اور اس میں مردوں اور عورتوں کا تقابل کر لیں تو مرد افضل نظر آئیں گے۔

آپ اخلاق اور دینداری کا ہی شعبہ لے لیں، افضل البشر بعد الانبیاء، ایک مرد ہی ہے۔ عشرہ مبشرہ مرد ہی ہیں۔ تصوف سے جہاد کی تاریخ تک کے مطالعہ میں ہر صدی میں ہر طرف مرد ہی مرد نظر آئیں گے جو قطب بھی ہیں، غوث بھی اور ابدال بھی۔ فقہاء بھی ہیں، محدثین بھی اور متکلمین بھی۔ فلسفی بھی ہیں، شاعر بھی اور ادیب بھی۔ غازی بھی ہیں، مجاہد بھی اور سپہ سالار بھی۔ عورتیں بھی ہوں گی لیکن ہم اس وقت تناسب کی بات کر رہے ہیں کہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔

لیکن یہ افضلیت تفاخر اور ظلم کے لیے نہیں ہے بلکہ انکساری اور عدل کے لیے ہے۔ یہ ہمارے خیال میں اصلاح کا وہ نکتہ ہے کہ جسے نظر انداز کیے جانے کی وجہ سے مذہبی بیانیہ متاثر ہو رہا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ تمام نبیوں سے افضل لیکن اپنا احساس تواضع کیا ہے کہ مجھے یونس ابن متی پر بھی فضیلت نہ دو۔ پس اللہ نے مرد کو عورت سے افضل بنایا لیکن اسے اس افضلیت کے تفاخر میں مبتلا رہنے سے منع فرمایا کہ افضل پیدا کرنے کا مقصد ماتحت کا دھیان تھا۔

تو ساری دنیا کا نظام اسی طرح چل رہا ہے کہ کوئی افسر ہے اور کوئی ماتحت۔ ملازمت میں تو عورت کا باس اگر مرد ہو تو کوئی مطالبہ نہیں کرتا کہ اسے برابر کے حقوق دے دو؟ تو گھر میں یہ مطالبہ کیوں ہے؟ پس بڑوں میں یہ احساس ذمہ داری پیدا کرو کہ چھوٹوں سے شفقت کریں، ان پر ظلم نہ کریں،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے حقوق پورے کریں۔ عورت، مرد سے چھوٹی بن کر جتنی مطمئن رہ سکتی ہے، مرد کے برابر کھڑی ہو کر کبھی بھی نہیں۔ یہ نفسیاتی تجزیہ ہے، کر کے دیکھ لیں۔ جس دن عورت کو یہ احساس ہو گیا کہ میرا مرد مجھ سے بہتر نہیں ہے، اس دن وہ اسے اپنے دل سے نکال باہر کرے گی۔

اور جہاں تک لبرل بیانیے کا معاملہ ہے تو اس کی انتہا اس بات پر ہو گی کہ مردوں کو بچے بھی پیدا کرنے چاہییں کیونکہ اس کے بغیر مساوات کا کوئی لبرل تصور مکمل نہیں ہو سکتا۔ اللہ ان لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے کہ کس رستے پر چل پڑے ہیں۔

متجدد اور مجدد کا فرق

دوست نے سوال کیا کہ "متجدد" اور "مجدد" میں کیا فرق ہے؟ جواب: کسی تکنیکی تعریف کی بجائے آسان الفاظ میں جواب دیتا ہوں کہ سب کو سمجھ آ جائے کہ جو فرق غامدی صاحب اور قرضاوی صاحب میں ہے، وہی متجدد اور مجدد میں ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپنی اس بات کو تھوڑا اور کھول کر بیان کریں۔

میں نے کہا دیکھیں کہ فقہاء سے اختلاف علماء بھی کرتے ہیں، قرضاوی صاحب نے بھی کیے ہیں، لیکن وہ فقہاء کو اَون (own) کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اُس علمی روایت کا امین اور محافظ سمجھتے ہیں اور اس کا ایک فرد ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں کہ جو علمی روایت بذریعہ سلف صالحین اور فقہاء و محدثین کے واسطے سے چلی آ رہی ہے۔ وہ اپنی رائے کا اظہار کرنے سے پہلے فقہاء کے اختلافات کو نقل کرتے ہیں، ان میں ترجیح قائم کرتے ہیں یا اگر ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں تو استنباط اور استدلال کے انہی اصولوں کی روشنی میں جو فقہاء نے اصول فقہ کے عنوان سے مدون کر دیے۔

دوسری طرف غامدی صاحب کا معاملہ یہ ہے کہ وہ فقہاء سے بیزاری کا اظہار (disown) کرتے ہیں۔ وہ مسلمانوں کی چودہ سو سالہ علمی روایت سے اپنے آپ کو جوڑنے کی شعوری کوشش نہیں کرتے۔ وہ اپنی سند مولانا اصلاحی صاحب کے واسطے سے مولانا فراہی صاحب تک پہنچا کر مطمئن ہو جاتے ہیں، لہذا وہ اپنی ذہانت اور علم کے باوجود امت کے اجتماعی دھارے سے علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ مجدد، مقلد محض ہوتا ہے۔ مجدد ہر گز مقلد نہیں ہوتا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن وہ علمی روایت سے رسیاں تڑوا کے بھی نہیں بھاگتا بلکہ وہ مسلمانوں کی علمی روایت سے تمسک اختیار کرتا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تقریباً چالیس مسائل میں ائمہ اربعہ سے اختلاف کیا، آج کوئی انہیں متجدد کہنے کی جرات کر سکتا ہے؟ آپ فقہاء سے اختلاف کریں، آپ اپنے معاصر علماء سے اختلاف کریں، لیکن جب تک آپ اپنی چودہ سو سالہ علمی روایت کے قدر دان اور اس سے استفادہ کے قائل رہیں گے، جب تک آپ سلف صالحین اور ائمہ دین کے منہج استدلال اور اصول استنباط پر اعتماد کرتے رہیں گے، بھلے آپ اگلے پچھلوں سے جتنے اختلافات کر لیں، کوئی پختہ عالم دین آپ کو متجدد نہیں کہے گا۔ ہاں، البتہ ہر دور میں کچھ مذہبی بے وقوف ہوتے ہیں کہ جنہیں اپنی جہالت کی وجہ سے متجدد اور مجدد میں فرق نظر نہیں آتا اور وہ مجدد کو بھی متجدد بنا دیتے ہیں۔

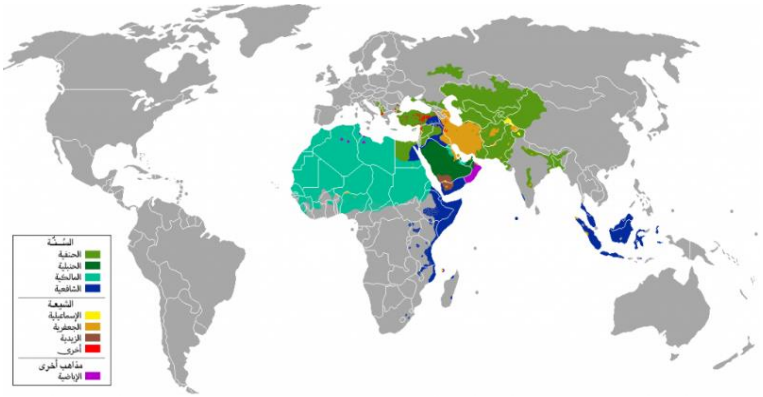
یہی وہ لوگ ہیں کہ جو ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے زمانے میں تھے، تو انہیں وہ متجدد نظر آتے تھے، اور اگر شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے زمانے میں تھے، تو انہوں نے ان پر متجدد ہونے کے فتوے لگائے، لیکن ایسے بے وقوفوں کی رائے وقت کے ساتھ دب جاتی ہے۔ قرضاوی صاحب مجدد نہ بھی ہوں لیکن وہ مجددین کے منہج پر ہیں نہ کہ متجددین کے، اور یہی ہم اس تحریر کے ذریعے کہنا چاہتے ہیں۔ ورنہ کسی صدی کا مجدد کون ہے؟ یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ سنن ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اللہ عزوجل میری امت میں ہر صدی میں ایک ایسے شخص کو پیدا فرمائیں گے جو ان کے لیے ان کے دین کی تجدید کرے گا۔

شریعت اور فقہ کا فرق

شریعت تو کتاب وسنت ہیں اور فقہ، کتاب وسنت کا فہم ہے جو کہ ایک عالم دین کو حاصل ہوتا ہے۔ فقہ، شریعت نہیں ہے بلکہ شریعت کا فہم ہے لہذا یہی وجہ ہے کہ فقہ میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ شریعت ایک ہے جو کہ کتاب وسنت کا متن ہے جبکہ فقہیں زیادہ ہیں کہ جن میں سے آٹھ اس وقت دنیا میں رائج ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com



پس شریعت اور فقہ میں ایک بنیادی فرق تو یہ ہوا کہ شریعت اصل ہے اور فقہ اس کا ماخوذ ہے یعنی فہم ہے۔ دوسرا اہم فرق یہ ہے کہ دوام شریعت کو حاصل ہے نہ کہ فقہ کو۔ پس قیامت تک کے لیے شریعت کی اتباع کو واجب قرار دینا تو لازم ہے لیکن ہر عامی اور عالم کے لیے کسی متعین فقہ کی تقلید کو لازم قرار دینا، اس فقہ کو دوام دینے کے مترادف ہے جو کہ شریعت کا خاصہ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے الفاظ میں شریعت منزل ہے اور فقہ رستہ ہے۔ جس طرح فقہاء کو بائی پاس کر کے شریعت کا فہم حاصل کرنا غلط منہج ہے، اسی طرح فقہاء کی آراء کو منزل بنا لینا بھی غلط ہے۔ فقہاء رستہ ہیں، منزل نہیں۔ اور منزل کتاب وسنت ہے۔

پس معتدل بیانیہ یہی ہے کہ ہر دور کے علماء سلف صالحین کے منہجِ فہم کے مطابق اجتہاد کریں گے۔ یہ اجتہاد قدیم مسائل میں بھی ہو گا کہ جن میں فقہاء اپنی آراء پیش کر چکے کہ ان میں اپنے اجتہاد سے ترجیح قائم کریں اور جدید میں بھی کہ جن میں فقہاء کی آراء موجود نہیں ہیں۔ یہ اجتہاد کرنا علماء پر فرض ہے اور اگر وہ ایسا نہ کریں گے تو یہ دین اس تقلیدی جمود کا شکار ہو جائے گا کہ جس سے معاشرے میں دین پر اعتماد میں کمی واقع ہو گی اور دین کے قابل عمل ہونے کے بارے لوگوں کے خلجان میں اضافہ ہو گا۔

عوام کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے معاصر دور کے علماء کی اتباع کریں۔ اور تقلید اور اتباع میں فرق یہ ہے کہ تقلید میں عالم دین کی پیروی کی جاتی ہے لیکن اس سے دلیل طلب نہیں کی جاتی جبکہ اتباع

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں عالم دین سے دلیل بھی مانگی جاتی ہے اور پیروی عقیدتاً تو دلیل کی ہوتی ہے اور عملاً عالم دین کی ہوتی ہے۔

معاشرے میں مفتیوں کی ایسی بہتات ہے کہ جیسے رمضان میں کھجور کی لیکن سوچوں پر تالے پڑے نہیں ہوئے بلکہ جان بوجھ کر ڈال دیے ہیں۔ اگر دس سال کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مفتی کا کام صرف اتنا ہے کہ فتاوی شامیہ یا فتاوی عالمگیریہ کھول کر سائل کو مسئلہ بتلادے تو بھئی خدا کے لیے ان کتابوں کے آسان فہم ترجمے اور شروحات لکھ کر عوام کے ہاتھ میں تھمادو اور یہ اتنے بڑے بڑے دارالعلوموں کے لیے، زکوتیں، صدقے اور چندے لینا بند کردو تاکہ اسی پیسے سے معاشرے میں غریبوں کی فلاح کا کوئی کام ہو سکے۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ عوام کے ہاتھ میں کتاب وسنت تھمادو کہ ہر شخص کو مجتہد بنادو، میں یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ مفتی صاحب مجتہد مطلق بن کر نئے اصول فقہ اور مصادر دین وضع کرنا شروع کردیں، مقصود کلام یہ ہے کہ علماء اور مفتیان کرام، ساری فقہوں کو ایک ہی فقہ اسلامی شمار کریں، بوحنیفہ ومالک، شافعی وحنبل، بخاری وابن تیمیہ، یہ سب ہمارے فقہاء ہیں، ہم سب کے امام ہیں۔ مقاصد شریعت اور معاشرے کی مصالح کو اہمیت دیں، اور اجتہاد کے ذریعے لوگوں کے مسائل حل کریں۔ اگر علماء اجتہاد نہیں کریں گے تو پھر معاشرے میں وہ لوگ تو اجتہاد کر ہی رہے ہیں کہ جنہیں وہ اجتہاد کا اہل نہیں سمجھتے۔

اجتہاد کیا ہے؟

ایک دوست نے اجتہاد کے بارے پوچھا کہ اجتہاد کیا ہے اور کیا نہیں ہے، اس بارے کچھ روشنی ڈالیں۔ کہنا یہ ہے کہ معاصر دنیا میں اجتہاد اور جہاد دو مظلوم ترین اصطلاحات ہیں کہ ان کے معانی اور مفاہیم میں دو قسم کے طبقات نے غلط فہمیوں کو جنم دیا ہے، انہوں نے بھی کہ جو اسلام کو اتنا وسیع مفہوم دینا چاہتے ہیں کہ دنیا کے سارے مذاہب اسلام میں داخل ہو جائیں اور وہ بھی کہ جو اسلام کو اس قدر تنگ نظری سے دیکھتے ہیں کہ اپنے امام کے علاوہ انہیں کوئی مجتہد مصیب ڈھونڈے سے نہیں ملتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتہاد اور جہاد دونوں اصطلاحات کا مادہ جہد ہے یعنی محنت اور کوشش کرنا۔ جہاد غلبہ اسلام کے لیے کی جانے والی عملی کاوشوں کا نام ہے تو اجتہاد، دین اسلام کے فکری غلبے کی جدوجہد شمار ہوتی ہے۔ اجتہاد کیا ہے؟ اجتہاد نہ تو شریعت میں اضافے کا نام ہے اور نہ ہی شریعت کو منسوخ کرنا ہے جیسا کہ معاصر دانشوروں کا خیال ہے۔ اجتہادی حکم وہ نہیں ہے جو کتاب وسنت پر مجتہد کا اضافہ ہو یا اجتہادی حکم وہ بھی نہیں ہے کہ جس کے ذریعے کتاب وسنت کے احکامات کو رسول اللہ ﷺ کے دور کے ساتھ خاص کر دیا جائے بلکہ اجتہاد، کتاب وسنت کی نصوص کی گہرائیوں اور وسعتوں میں حکم شرعی کی تلاش کا نام ہے۔ اس کو آسان الفاظ میں یوں سمجھیں کہ لفظ ایک بحر ذخار ہے اور پھر کتاب وسنت کے الفاظ تو ان کے تو کیا کہنے؟ کتاب وسنت کے الفاظ میں معانی کا ایک ذخیرہ موجود ہے۔ پس جب کوئی مجتہد کتاب وسنت کے لفظ سے کوئی معنی اخذ کرتا ہے، یا اس معنی کی کسی امر واقعی پر تطبیق (application) کرتا ہے تو ان دو کاموں میں صرف ہونے والی ذہنی کاوش کو اجتہاد کہتے ہیں۔ ایک کام تو کتاب وسنت کی نصوص میں سے شرعی حکم کی تلاش اور دوسرا اس شرعی حکم کی کسی امر واقعی پر تطبیق (application) کے لیے تخریج المناط ہو یا تحقیق المناط، دونوں اجتہاد ہی کی صورتیں ہیں۔[1]

اس کو اگر تھوڑا اور گہرائی میں سمجھنا چاہیں تو جیسے لفظ میں عموماً دو جہات ہوتی ہیں جیسا کہ ایکس اور وائے۔ ایکسز ہیں۔ لفظ کی ایک جہت افقی (horizontal) ہے جو کہ ایکس۔ ایکسز کی صورت میں ہے اور اسے لفظ کی وسعت کہتے ہیں۔ اور لفظ کی دوسری جہت عمودی (vertical) ہوتی ہے جو کہ وائے۔ ایکسز کی صورت میں ہے اور اسے لفظ کی گہرائی کہتے ہیں۔

اب مثال کے طور پر حنفی اصولیین کا کہنا ہے کہ لفظ میں جو عمودی جہت ہے یعنی گہرائی کی جہت، تو اس اعتبار سے لفظ میں آٹھ تہیں ہیں یعنی لفظ کو اگر ایک عمارت سے تشبیہ دیں تو اس میں آٹھ فلورز ہیں۔ جن میں سے چار زمین کے اوپر ہیں جو کہ ظاہر، نص، مفسر اور محکم ہیں اور چار زمین کے نیچے ہیں جو کہ خفی، مشکل، مجمل اور متشابہ ہیں۔

یہ لفظ کی گہرائی ہے کہ لفظ کا معنی ان آٹھ تہوں یا سطحوں میں سے ایک تہہ یا سطح پر ہوتا ہے اور

1 تخریج المناط سے مراد کسی شرعی حکم کی علت تلاش کرنا ہے اور تحقیق المناط سے مراد اس علت کی تطبیق (application) ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجتہد اسے ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح لفظ کی افقی جہت یعنی عرضی جہت میں بھی معانی کا ایک جہاں آباد ہے جیسا کہ عبارت النص، دلالت النص، اشارۃ النص اور اقتضاء النص وغیرہ۔ پس مجتہد، کتاب وسنت پر اضافہ نہیں کرتا بلکہ وہ کتاب وسنت کے لفظ کی گہرائیوں اور وسعتوں میں موجود معانی اور مفاہیم کو آشکار کرتا ہے۔ یہ ذہن میں رہے کہ لفظ کی گہرائی اور وسعت کے پیمانے متعین ہیں جو کہ زبان کے معروف اسالیب کی صورت موجود ہوتے ہیں۔ رہی وہ گہرائی اور وسعت جو بعض اوقات اعتباریت، باطنیت، رافضیت اور قادیانیت وغیرہ کی روشنی میں لفظ سے تکلف اور تصنع سے نکالی جاتی ہے تو وہ زبان وبیان کے معروف اسالیب میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

رہی اجتہاد کا دروازہ بند کرنے کی بات تو اس کا واضح مطلب اپنے دماغ اور ذہن کو بند کر لینا ہے اور ایک مسلمان کیسے اپنے دماغ اور ذہن کو بند کر سکتا ہے۔ اگر مسلمان اپنے ذہن اور دماغ کو بند کر لیں گے تو غیر مسلم تو اپنا دماغ اور ذہن استعمال کر ہی رہے ہیں یا مسلمانوں میں سیکولرزم اور لبرل ازم کی طرف رجحان رکھنے والا طبقہ تو اجتہاد کے نام پر نت نئی تعبیرات سامنے لا ہی رہا ہے۔ اس لیے بہت ضروری ہے کہ علماء اجتہاد کریں اور عوام الناس ان کی اتباع کریں۔ اور علماء کا اجتہاد دو قسم پر ہے؛ پہلی صورت جدید مسائل میں اجتہاد کی ہے اور یہ ہر مسلک کے علماء کر رہے ہیں جیسا کہ اسلامی بینکاری کے بارے اختلاف ہو گیا کہ یہ جائز ہے یا نہیں۔ دوسرا قدیم مسائل میں اجتہاد ہے اور اس کے بارے مقلدین کا موقف یہ ہے کہ ان مسائل میں کسی متعین امام کی تقلید ہی ہو گی اور متجددین کا موقف یہ ہے کہ ان میں نیا اجتہاد ہو گا۔ ہماری نظر میں یہ دونوں انتہائی موقف ہیں اور ہمیں وہ موقف معتدل معلوم ہوتا ہے جو شیخ یوسف القرضاوی کا ہے کہ قدیم مسائل میں جتنے بھی فقہی مکاتب فکر کی آراء ہیں، ان سب کو سامنے رکھ کر انہیں فقہ اسلامی ہی کے ایک درخت کی متنوع شاخیں تصور کرتے ہوئے ان میں ترجیحی اجتہاد کیا جائے کہ کسی ایک فقہ کی رائے کو کسی دوسری فقہ کی رائے پر دلائل کی نسبت سے ترجیح دی جائے جیسا کہ خود کسی ایک فقہ میں ایک سے زائد اقوال ہونے کی صورت میں متاخرین علماء کسی ایک رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس صورت میں اجتہاد سے کوئی نئی رائے سامنے نہیں آئے گی بلکہ ہم روایت ہی کے متبع ہوں گے البتہ وسیع معنوں میں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتہاد اور مقاصد شریعت

یہ کہنا درست نہیں ہے کہ کوئی قطعی الدلالۃ و قطعی الثبوت شرعی حکم اپنے اطلاق میں بعض حالات، مصالح و عرف کی رعایت رکھتے ہوئے تبدیل بھی ہو جاتا ہے۔[1] عرف و احوال کی رعایت رکھتے ہوئے حکم شرعی تو تبدیل نہیں ہوتا لیکن علماء کے فتاوی و اجتہادات ضرور تبدیل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح جن شرعی احکام کو عرف و حالات سے متعلق کر دیا گیا ہو تو ان میں بھی حکم شرعی میں تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ ان احکامات میں شروع ہی سے ہر زمانے کے حالات و وقائع کا لحاظ موجود ہوتا ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ [البقرة: 228]

"یعنی اور ان عورتوں کے لیے حقوق ہیں مانند اس کے کہ جیسی ان پر ذمہ داریاں ہیں عرف کے مطابق۔"

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے بعض حقوق و ذمہ داریاں تو قرآن و سنت کے ذریعے متعین کر دی ہیں جبکہ بقیہ حقوق و ذمہ داریوں کو اس آیت مبارکہ میں معاشرے کے عرف کے ساتھ متعلق کر دیا ہے لہٰذا عرف کی تبدیلی سے یہ حقوق و ذمہ داریاں بھی تبدیل ہوتی رہیں گی، یعنی نص نے شروع ہی سے اپنے اندر ایسی لچک رکھی ہے کہ قیامت تک آنے والے احوال و ظروف کو اپنے اندر سمیٹ لے۔ اسی طرح کسی شرعی حکم کی تطبیق یا اطلاق میں مصالح (public-interest) کا لحاظ تو رکھا جائے گا لیکن ان مصالح کی بنا پر شرعی احکام کو تبدیل نہیں کیا جائے گا۔

مثلاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قحط سالی کے زمانے میں قطع ید کی حد کو ایک عارضی مدت کے لیے ختم کر دیا تھا لیکن معاملہ یہ نہیں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک حد کو ہمیشہ کے لیے ساقط کر دیا ہو بلکہ ہم یہ کہیں گے کہ شرعی حکم کے اطلاق (application) میں کچھ وقتی موانع (restrictions) موجود تھے جن کی وجہ سے ان حالات میں وہ شرعی حکم لاگو نہیں ہو سکتا تھا اور "مانع" خود حکم شرعی ہی کی ایک قسم ہے نہ کہ کسی شرعی حکم کی تبدیلی کا نام ہے۔ اسی طرح اللہ

1 قطعی الدلالۃ سے مراد وہ حکم ہے کہ جس کا معنی اور مفہوم، قطعی اور یقینی طور ثابت ہو۔ اور قطعی الثبوت سے مراد وہ نص ہے کہ جس کی خبر، قطعی اور یقینی طور ثابت ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے رسول ﷺ نے ایک مریض اور بوڑھے شخص پر زنا کی حد جاری کرنے کے لیے سو کوڑوں کی بجائے یہ حکم دیا کہ ایک ایسی شاخ لے کر اس کو مار دی جائے جس میں سو ٹہنیاں ہوں۔ یہاں بھی بنظر غائر دیکھیں تو "سد الذرائع" (to-bar-the-means) کی بنیاد پر شرعی حکم تبدیل نہیں ہوا بلکہ مریض کے لیے شرعی حکم پر عمل کرنے میں "رخصت" کا حکم جاری کیا گیا ہے اور رخصت، عزیمت ہی کی طرح شرعی حکم کی ایک قسم ہے نہ کہ شرعی حکم کا تغیر و تبدل ہے جیسا کہ سفر کی حالت میں نماز میں قصر کرنے کی رخصت ہے اور یہ رخصت علیحدہ سے ایک حکم ہے۔

اس بحث سے ہمارا مقصود یہ ہے کہ مذکورہ بالا أحادیث سے ایسے قواعد أخذ کرنا درست نہیں ہے کہ شارع نے چونکہ مصالح و مقاصد کی خاطر بعض صورتوں میں حکم تبدیل کر دیا ہے مثلاً مریض اور بوڑھے زانی کو سو کوڑوں کی بجائے ایک شاخ لے کر مار دی تو ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے کہ مصالح و مقاصد کی خاطر حکم شرعی کو تبدیل کر دیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ "شارع" (legislature) تو "شارع" ہے اس کا ہر حکم ہی شریعت ہے۔ اس لیے اللہ کے رسول ﷺ کا بوڑھے و مریض زانی کو ایک شاخ لے کر مار دینا بھی ایک شرعی حکم ہے جو امت کو یہ بتلاتا ہے کہ اس قسم کے زانی مجرم پر اس طرح کی سزا لاگو ہو گی۔ اور "مجتہد" مکلف ہے لہذا اس کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ وہ شریعت میں مقاصد شریعت کے نام سے تبدیلی کرے۔

ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بوڑھے زانی جیسی مثال میں علماء کو قرآن و سنت کی وسعتوں اور گہرائیوں سے ایک نیا حکم تلاش کرنا ہے۔ بعض علما نے مقاصد شریعت کا کلیتاً انکار کر دیا جو کہ درست طرز عمل نہیں ہے جبکہ دوسری طرف بعض مفکرین نے مقاصد شریعت کو اس قدر اہمیت دی کہ اس کی تکمیل کے نام پر جزوی تعلیمات کو ترک کرنا شروع کر دیا۔ ایک دفعہ جناب حنیف رامے صاحب نے بسنت کے حق میں یہ دلیل بیان فرمائی کہ اس کے ساتھ ہزاروں لوگوں کا روزگار وابستہ ہے اور انسانی مال کا تحفظ و فروغ، دینِ اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔ پس بسنت پر پابندی لگانا ہزاروں لوگوں کو بے روزگار کرنے کے مترادف ہے۔ یہاں طوالت کے خوف سے اشارتاً اس کا تذکرہ کرتے ہوئے ہم آگے بڑھنا چاہیں گے کہ اجتہاد کرتے وقت مقاصد شریعت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور جزئی تعلیمات میں توازن کی راہ اختیار کرنی چاہیے۔

پس عصر حاضر میں اجتہاد کے حوالے سے سب سے بڑی غلط فہمی اس کی "تعریف" اور اس کے "دائرہ کار" کے ذریعے پیدا کی جارہی ہے۔ اجتہاد کیا ہے؟ اجتہاد کے بارے اس وقت تین قسم کے نظریات علمی حلقوں میں پائے جاتے ہیں:

- اجتہاد شریعت یعنی قرآن وسنت پر اضافہ کرنے کا نام ہے؟
- اجتہاد شریعت یعنی قرآن وسنت کے اُحکام میں تبدیلی اور نسخ کا نام ہے؟
- اجتہاد قرآن وسنت کی وسعتوں اور گہرائیوں میں حکم شرعی کی تلاش ہے؟

بلاشبہ دین اسلام اور شریعت محمدیہ مکمل ہو چکی ہے۔ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد نبوت کا دروازہ قیامت تک کے لیے بند ہو چکا ہے۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ اور ڈاکٹر جاوید اقبال کا خیال یہ ہے کہ قرآن کے بعض مفصل احکام ایسے ہیں جو اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے کی تہذیب وتمدن کے لیے موزوں تھے، آج کل کے زمانے میں ان احکامات کی پیروی ناقابل عمل ہے، لہٰذا ان احکامات میں اجتہاد کرتے ہوئے انہیں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کرنا چاہیے۔ دوسرے الفاظ میں ہم اسے شریعت کو ناقص قرار دیتے ہوئے اس کی تبدیلی کا دعوی کرنے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ پس ان دو حضرات کے نزدیک اجتہاد شرعی احکام کو معاصر تہذیب وتمدن کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کرنے کا نام ہے۔

الطاف اُحمد اعظمی صاحب کا تصور اجتہاد یہ ہے کہ قرآن کے مجمل احکامات کی تشریح میں مروی رسول اللہ ﷺ کی احادیث صرف آپ ﷺ کے زمانے کے حالات کا حل پیش کرتی ہے لہٰذا آج ہمیں آپ ﷺ کی ان روایات کو نظر انداز کرتے ہوئے قرآن کے ان احکامات کی از سر نو تعبیر و تشریح کرنی ہو گی۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ قرآن نے زکوۃ کی ادائیگی کا حکم دیا ہے لیکن اس کے نصاب کو بیان نہیں کیا اور آپ ﷺ نے اپنے زمانے کے عرف ورواج کو ملحوظ رکھتے ہوئے غنا کا ایک نصاب مثلاً ساڑھے سات تولے سونا، ساڑھے باون تولے چاندی، پانچ وسق غلہ و پھل اور اسی طرح مال مویشیوں کا نصاب بھی مقرر کر دیا تھا۔ آج ہمیں اپنے زمانے کے ظروف وحالات کے مطابق غنا کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک تعریف کرتے ہوئے اس نصاب میں تبدیلی کرنا چاہیے اور یہی اجتہاد ہے۔ قرآن وسنت کے احکامات میں اس قسم کی تفریق کرنا کہ قرآن کے مفصل احکامات تو دائمی ہیں جبکہ سنت کے مفصل احکامات وقتی وعارضی دور کے لیے تھے، کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے بلکہ شرعی دلائل اس نظریے کے خلاف قائم ہیں۔ قرآن اور سنت کے احکامات اپنے دوام کے اعتبار سے ایک جیسی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا سنت کے احکامات کو وقتی وعارضی قرار دینا شریعت کو ناقص قرار دینے کے مترادف ہے۔

غامدی صاحب کے تصور اجتہاد سے واضح ہوتا ہے کہ وہ شریعت کی جامعیت اور تکمیل کے قائل نہیں ہیں کیونکہ شریعت اگر مکمل ہے تو یہ کہنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوتی ہے کہ کسی مسئلے میں اگر قرآن وسنت خاموش ہوں تو اجتہاد کیا جائے گا۔ اگر قرآن وسنت کسی مسئلے میں خاموش ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن وسنت ہر مسئلے کا حل پیش نہیں کرتے اور شریعت اسلامیہ ایک جامع شریعت نہیں ہے۔ گویا شریعت کی تکمیل کا کام تاقیامت بذریعہ اجتہاد و مجتہدین جاری وساری رہے گا۔ یہ دونوں انتہاء پسندانہ نکتہ نظر اسلام کے بنیادی تصورات واساسات ہی کے خلاف ہیں۔ ختم نبوت کے عقیدے کا بھی بنیادی تقاضا یہی ہے کہ کسی قسم کی بھی شریعت سازی یا شریعت میں تبدیلی کے دروازے کو بند کیا جائے۔

ان دونوں انتہاء پسندانہ نکتہ ہائے نظر کے مابین ائمہ سلف کا نکتہ نظر یہ ہے کہ اجتہاد، شرعی حکم کی تلاش کا نام ہے۔ یعنی جب بھی کوئی ایسا مسئلہ پیش آتا ہے کہ جس کا حکم واضح اور صریح انداز میں قرآن وسنت میں موجود نہ ہو تو قرآن وسنت کی وسعتوں اور گہرائیوں میں سے اس واقعے سے متعلق حکم شرعی کو مستنبط کرنا اجتہاد ہے۔ استنباط کسی چیز سے ہوتا ہے مثلاً پانی اگر کنویں میں موجود ہے تو اس کے استنباط کا مطلب کنویں میں سے پانی نکالنا ہے نہ کہ کنویں کے باہر سے پانی حاصل کر لینا۔ اسی طرح حکم شرعی کو قرآن وسنت سے نکالنا اجتہاد ہے نہ کہ باہر سے کسی اور خارجی ذریعے سے معلوم کرنا۔ پس قیامت تک آنے والے مسائل کا حل کتاب وسنت میں موجود ہے۔ بعض مسائل کے بارے میں قرآن وسنت نے صریح الفاظ میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے جبکہ اکثر اوقات قرآن وسنت کا منہج یہ رہا ہے کہ وہ ایسے ضوابط، علل اور اسباب بیان کر دیتے ہیں کہ جن کے ساتھ احکام معلق

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں لہٰذا جو جزئیات بھی کسی کلی ضابطے کے تحت آتی ہوں، ان سب کا حکم ایک جیسا ہوگا۔

اسی طرح اگر شرع نے کسی چیز کو کسی علت کی وجہ سے حرام کیا ہے تو وہ علت جن اشیاء میں بھی پائی جائے گی وہ حرام متصور ہوں گی۔ پس قرآن وسنت نے بعض اشیاء کی حرمت تو صریح الفاظ میں بیان کر دی اور اکثر اوقات ایسی علل بیان کر دی ہیں جو کسی چیز کو حرام بنا دیتی ہیں لہٰذا ان علل کی وجہ سے جب ہم کسی چیز کو حرام ٹھہرائیں گے تو اگرچہ ہم یہی کہیں گے کہ فلاں چیز نص سے حرام ہوئی ہے اور فلاں قیاس سے، لیکن دونوں چیزوں کا حکم شریعت یا نصوص میں موجود ہے؛ ایک کا صراحتاً اور دوسری کا قیاساً۔ اسی طرح کا معاملہ ان مسائل کا بھی ہے جن کو مصلحت، سد الذرائع اور عرف وغیرہ جیسے قواعد کی روشنی میں مستنبط کیا جاتا ہے۔ قیاس، اجماع، مصلحت، عرف، سد الذرائع، شرائع من قبلنا، استصحاب اور استحسان وغیرہ جیسے قواعد عامہ کی حجیت بھی قرآن وسنت کی نصوص ہی سے ثابت ہے۔ علماء نے احکام شرعیہ کے استنباط واستخراج میں ان قواعد کے مآخذ یا مصادر ہونے کے دلائل اُصول کی کتابوں میں جمع کر دیے ہیں۔[1]

امام شافعی رحمہ اللہ کا قول قدیم اور قول جدید

دوست کا سوال ہے کہ ماڈرنسٹ یہ کہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ جب تک عراق میں تھے تو ان کی فقہ اور تھی لیکن جب مصر میں گئے تو ان کی فقہ اور ہو گئی۔ اس سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ دیکھیں شہر اور حالات بدل جانے سے انہوں نے اپنی فقہ تبدیل کر لی لہٰذا آج اگر حالات تبدیل ہو گئے ہیں تو نئی فقہ لانے میں کیا حرج ہے؟ اور یہی تو ہمارا بھی نعرہ ہے۔

اس سوال میں دو مسئلے ہیں؛ ایک یہ کہ حالات کے بدل جانے سے فتوی بدل جاتا ہے، اس پر ہم کسی اور وقت میں گفتگو کریں گے۔ ابھی ہم امام شافعی رحمہ اللہ کے کیس کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ پہلے عراق میں تھے تو ایک ہی مسئلے میں کچھ فتوی دیتے تھے لیکن جب مصر چلے گئے تو ان کا فتوی تبدیل ہو گیا۔ لیکن اس کی وجہ شہر اور حالات کی

1 اس موضوع پر مزید تفصیل کے لیے راقم کے پی۔ایچ۔ڈی مقالہ بعنوان "عصر۔ حاضر میں اجتماعی اجتہاد: ایک تجزیاتی مطالعہ" کو دیکھیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبدیلی نہیں تھی بلکہ دلیل اور استدلال کی تبدیلی تھی۔اس کی وجہ امام صاحب کا اپنے اصول استدلال کو ریوائز کر کے انہیں "الرسالۃ" کی صورت میں مرتب کرنا تھا۔ان کا مذہب جدید احتیاط کے اختیار کرنے، مصلحت مرسلہ اور عرف وغیرہ سے عدم تعرض پر مبنی ہے۔

کچھ علماء نے کچھ دوسرے اسباب بھی بیان کیے مثلاً یہ کہ امام شافعی رحمہ اللہ عراق سے نکلے تو مصر جانے سے پہلے مکہ المکرمہ گئے۔ جہاں انہوں نے بہت سے علماء اور محدثین سے استفادہ کیا، کچھ نئی روایات اور دلائل ان کے علم میں آئے۔اس استفادے کے نتیجے میں انہوں نے اپنی فقہی آراء پر نظر ثانی کی تو بعض معاملات میں ان کا فتوی تبدیل ہو گیا۔ دوسرا مصر آمد کے بعد یہاں پر رائج امام لیث بن سعد متوفی 175ھ کی فقہ کے بارے امام شافعی رحمہ اللہ کو ان کے شاگردوں سے علم ہوا بلکہ مصر میں امام مالک رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں مثلاً اشہب بن عبد العزیز رحمہ اللہ سے بھی انہوں نے استفادہ کیا۔ان دو فقہوں کا علم تو ان کے پاس پہلے بھی تھا لیکن اس علمی استفادے سے اس میں اضافہ ہوا اور ان کی آراء میں تبدیلی آئی۔

البتہ یہ کہنا تو بالکل درست نہیں ہے کہ حالات کی تبدیلی سے انہوں نے اپنی فقہ تبدیل کر لی تھی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جن مسائل میں ان کی فقہی رائے تبدیل ہوئی ہے، ان میں سے بعض مسائل ایسے ہیں کہ جن میں عراق اور مصر کے حالات ایک جیسے ہی ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ عراق کے جو شافعی علماء تھے، انہوں نے امام شافعی کے عراقی قول یعنی قول قدیم پر کبھی فتوی نہیں دیا بلکہ ہمیشہ مصری قول یعنی قول جدید پر فتوی دیا ہے۔ اگر یہ سارا کام امام شافعی نے حالات کے تناظر میں کیا تھا تو شروع ہی سے عراق میں فقہ شافعی مختلف رہتی اور مصر میں مختلف نظر آتی لیکن ایسا عملا نہیں ہوا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ شافعیہ کا کہنا یہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قول قدیم یعنی عراقی قول کی تقلید فقہ شافعی میں جائز نہیں ہے۔ چوتھی بات یہ کہ ماڈرنسٹ جو یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قول قدیم میں سختی تھی اور قول جدید میں سہولت اور آسانی تھی کہ مصر میں جا کر وہ سہولت پسند ہو گئے تھے تو امر واقع اس کے خلاف ہے۔ مصر میں جا کر ان کی آراء میں سختی آ گئی تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عراق میں وہ یہ فتوی دیتے تھے کہ سونے چاندی کے برتن میں کھانا پینا مکروہ تنزیہی ہے تو مصر میں یہ فتوی دیتے تھے کہ مکروہ تحریمی ہے۔ لہذا امام شافعی رحمہ اللہ نے لوگوں کو کیا خوب سہولت دی ہے کہ انہیں مزید سخت فتاوی جاری کر دیے؟ اصل مسئلہ دلیل اور استدلال کی تبدیلی کا تھا نہ کہ احوال وظروف کے تغیر کا۔

صحیح جواب کے لیے پہلے اپنے سوالات درست کیجیے!

جناب عمار خان ناصر صاحب نے اپنی ایک حالیہ پوسٹ میں علماء اور مفتیان کرام سے 33 سوالات کیے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ اہل علم کو ان سوالات کا جواب دینا چاہیے۔ ہماری رائے میں اہل علم اور مفتیان کرام کو ان سوالات کا جواب ضرور دینا چاہیے لیکن جواب دینے سے پہلے ان سوالات کو بھی درست کر لینا چاہیے۔

ہر چیز کو دیکھنے کے کئی پہلو اور زاویے ہوتے ہیں۔ یہ سوالات یک رخی سوچ پر مجبور کرتے ہیں اور مفتی کو اس بند گلی میں پہنچا چھوڑتے ہیں کہ یا تو وہ جھنجلاہٹ کا شکار ہو جائے اور جواب ہی نہ دے یا پھر وہ جواب دے تو دے لیکن اسی رخ پر سوچتے ہوئے کہ جس کی طرف سائل اسے لے کر جانا چاہتے ہیں۔

چونکہ عمار صاحب کے یہ سوالات یک رخی سوچ پر مبنی ہیں لہذا ان کا جواب کبھی بھی درست نہیں ہو سکتا۔ غلط سوال کا جواب ہمیشہ غلط ہوتا ہے۔ سقراط کے بارے معروف ہے کہ وہ جواب دینے سے زیادہ سائل کے سوال کو درست کرنے پر وقت لگاتا تھا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ علم، سوال کے درست کر دینے سے ہی حاصل ہو جاتا ہے۔

ذیل میں ہم نمونے کے طور پر جناب عمار خان صاحب کے تین سوالات نقل کر رہے ہیں جو ہمارے نزدیک یک رخی سوچ پر مبنی ہیں۔ اس کے بعد ہم انہی سوالات کو ایسے انداز میں پیش کریں گے کہ جس سے ان میں ایک دوسرے رخ کا بھی اضافہ ہو اور تصویر مکمل ہو جائے۔

- ایک اسلامی ملک میں کسی غیر مسلم طاقت کے خلاف جنگ کا فیصلہ کرنے کا اختیار کس کو ہے؟ آیا سربراہ حکومت کو یا وہاں مقیم کسی بھی جماعت یا گروہ کے افراد کو؟ از عمار خان ناصر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- مسلم ریاست میں کسی غیر مسلم ریاست سے جنگ یا غیر مسلم ریاست کے ساتھ مل کر جنگ کا فیصلہ کرنے کا اختیار کس کو ہے؟ آیا حکومت کو یا پارلیمان کو یا عوام الناس کو کہ جنہوں نے اس جنگ کے نتائج بھگتنے ہیں؟ از حافظ محمد زبیر
- اگر امیر المومنین کسی اقدام کی اجازت نہ دیں اور پھر بھی کوئی گروہ اپنے تئیں اقدام کر ڈالے جس کے نتائج پورے ملک اور پوری قوم کو بھگتنا پڑیں تو ایسے اقدام کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ از عمار خان ناصر
- اگر کسی مسلم ریاست کے امیر المومنین کسی اقدام کی اجازت نہ دیں اور کوئی گروہ اپنے تئیں اقدام کر لے یا کسی مسلم ریاست کی حکومت کوئی اقدام کر لے اور قوم کو اس بارے نہ اعتماد میں لے اور نہ ان سے مشورہ مانگے تو اس اقدام کے نتائج پورے ملک اور پوری قوم کو بھگتنا پڑیں تو ایسے اقدام کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ از حافظ محمد زبیر
- کیا دشمن کی عسکری طاقت کو ہدف بنانے کی صلاحیت حاصل نہ ہونے کی صورت میں اس کے عام شہریوں اور تجارتی مراکز وغیرہ کو حملے کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے؟ از عمار خان ناصر
- کیا دوران جنگ حربی دشمن کی عسکری طاقت کو ہدف بنانے کے علاوہ اس کے ایسے معاشی مراکز کو حملوں کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے کہ جن کی تباہی سے دشمن کا کمزور ہونا یقینی ہو؟ اور اگر دشمن کے عسکری یا معاشی مراکز کی تباہی کی صورت میں ان مراکز میں کام کرنے والے ملازمین مارے جائیں تو اس کا کیا شرعی حکم ہوگا؟ از حافظ محمد زبیر

ہمارے سوالات کا انداز وہ ہے جو مفتی کو کسی بند گلی میں نہیں لے جاتے، اب وہ کھلے میدان میں ہے لہذا جواب دیتے ہوئے جھنجلاہٹ کا شکار ہونے کی بجائے خوش دلی سے جواب دے گا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا نزول عیسی اور خروج دجال کے بارے عقیدہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَخُرُوج الدَّجَّال ويأجوج ومآجوج وطلوع الشَّمْس من مغْرِبهَا ونزول عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَام من السَّمَاء وَسَائِر عَلَامَات يَوْم الْقِيَامَة على مَا وَردت بِهِ الْأَخْبَار الصَّحِيحَة حق كَائِن وَالله تَعَالَى يهدي من يَشَاء إِلَى صِرَاط مُسْتَقِيم [الفقه

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الاکبر: ص 72]

"دجال کا خروج، یاجوج ماجوج کا خروج، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، عیسی ابن مریم علیہ السلام کا آسمان سے نزول اور قیامت کی دیگر جتنی علامات جو کہ صحیح احادیث میں مروی ہیں، سب حق ہیں اور ہو کر رہنے والی ہیں اور اللہ تعالی اس بارے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔"

امام طحاوی، امام ابو حنیفہ، امام محمد اور قاضی ابو یوسف رحمہم اللہ اور ان کے دیگر اصحاب کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَنُؤْمِنُ بِأَشْرَاطِ السَّاعَةِ: مِنْ خُرُوجِ الدَّجَّالِ، وَنُزُولِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ السَّمَاءِ، وَنُؤْمِنُ بِطُلُوعِ الشَّمْسِ مِنْ مَغْرِبِهَا، وَخُرُوجِ دَابَّةِ الْأَرْضِ مِنْ مَوْضِعِهَا [شرح الطحاوية: ص 513]

"اور ہم [یعنی اصحاب حنفیہ] دجال کے خروج، عیسی بن مریم علیہ السلام کے آسمان سے نزول، اور سورج کے مغرب سے طلوع ہونے پر ایمان رکھتے ہیں اور ہم دابۃ الارض کے اپنے مقام سے نکلنے پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔"

ایک مفتی صاحب نے اس شبہے کا اظہار کیا ہے کہ "موطا امام مالک" اور "موطا امام محمد" میں نزول عیسی ابن مریم علیہ السلام اور خروج دجال کا ذکر نہیں ہے۔ "موطا امام مالک" میں تو باقاعدہ ایک باب موجود ہے عیسی ابن مریم علیہ السلام اور دجال کے اوصاف کے بیان میں کہ جس کا عنوان "بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَالدَّجَّالِ" ہے۔

اور جہاں تک "موطا امام محمد" کی بات ہے تو وہ ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کا مقصد فقہی مسائل کی احادیث کو جمع کرنا ہے۔ واضح رہے کہ احادیث کے مجموعے مختلف مقاصد کے تحت جمع کیے گیے۔ اب اگر کوئی شخص "ریاض الصالحین" میں "طہارت" کے مسائل تلاش کرنا شروع کر دے گا یا "بلوغ المرام" میں "رقاق" یعنی دلوں کو نرم کرنے والی حدیثیں ڈھونڈے گا تو پھر ویسی ہی باتیں کرے گا جیسی کہ مفتی صاحب فرما رہے ہیں۔

اور "موطا امام محمد" میں تو آپ کو اخلاق، آداب اور رقاق کے بارے بھی کوئی روایت نہیں ملے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گی لہذا اس پر بھی مفتی صاحب کی طرف سے اگر ایک تنقید ہو جائے کہ یہ اتنے سارے اخلاقیات اور آداب جو اتنی ساری حدیثوں میں بیان ہوئے ہیں، یہ بخاری اور مسلم صاحب کہاں سے لے آئے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ کو تو یہ نہیں ملے تھے۔

سامنے کی بات ہے کہ عقیدے کے مسائل عقیدے کی کتابوں میں تلاش کرنے چاہییں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ مفتی صاحب "طہارت" کے مسائل "شرح المواقف" میں اور "اشراط الساعۃ" کے مسائل "المبسوط" میں دیکھ کر انہیں ماننا چاہتے ہیں۔ چلیں، آپ کی یہ خواہش بھی پوری کر دیتے ہیں کہ "المبسوط" سے لے کر "الدر المختار" تک فقہ حنفی کا کوئی بھی معروف بنیادی مصدر اٹھا کر دیکھ لیں کہ وہاں ایک جزئیہ موجود ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یوں ایلاء کرے کہ خروج دجال یا نزول مسیح ابن مریم تک تیرے قریب نہ آؤں گا تو اس کا کیا حکم ہے؟ اب ثابت ہو گیا ہے دجال کی آمد اور نزول مسیح ابن مریم فقہ کی کتابوں سے؟

امام مہدی علیہ السلام کی آمد

سلفی، اشعری اور ماتریدی تینوں علمی روایتوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مہدی کا آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے۔ بیسویں صدی کے محققین کو اگر نکال دیں تو اس امت کی تاریخ میں صرف ایک جید عالم دین ایسے ہو گزرے ہیں کہ جنہوں نے مہدی کی روایات کے حوالے سے کچھ شبہات کا اظہار کیا ہے ورنہ تو مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین اور صوفیاء وغیرہ کے جمیع مکاتب فکر میں مہدی کی آمد کو اشراط الساعۃ کے ایک بنیادی عقیدے کی حیثیت سے مانا گیا ہے۔

مہدی کی روایات 26 صحابہ سے مروی ہیں اور حدیث کی 38 کتب میں ان روایات کا بیان ہے۔ ابن خیثمہ، ابو نعیم، سیوطی، ابن کثیر، ابن حجر مکی، متقی الہندی، ملا علی القاری، شوکانی اور صنعانی رحمہم اللہ وغیرہ نے تو مہدی کے بارے روایات پر مستقل تصانیف مرتب کی ہیں۔ چوتھی صدی ہجری سے محدثین کی ایک جماعت ان روایات کے متواتر ہونے کا بھی دعوی کر رہی ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ علمی روایات سے بغاوت پیدا ہوئی ہے۔ ہم تقلیدی جمود کے قائل نہیں ہیں لیکن کسی علمی روایت سے تمسک کو لازم سمجھتے ہیں۔ اور علمی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روایات فقہ میں ہوں یعنی حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، ظاہری وغیرہ یا عقیدے میں ہوں سلفی، اشعری اور ماتریدی وغیر ہو تو وہ سب معروف ہیں۔ آپ کو امت کی اصلاح کرنی ہے تو بہتر طریقہ یہی ہے کہ کسی ایک روایت سے تمسک اختیار کر کے اس کی اصلاح کی جس قدر گنجائش ہے، کر لیں۔

لیکن اگر تمام علمی روایات کا ایک مسئلے میں اتفاق ہو جائے تو ان سب کی اصلاح کا خیال بھی دل میں نہ لائیے گا کہ یہ اصلاح نہیں فساد ہے کہ یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اور اگر سلفی، اشعری اور ماتریدی کسی بات پر متفق ہو جائیں اور اللہ نے آپ سے ان سب کی اصلاح کا کام لینا ہو گا تو ذہن میں رکھیے کہ ضرور آپ کے حق میں کوئی فرشتہ نازل ہو کر آپ کے مصلح ہونے کا اعلان کرے گا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مہدی کی احادیثوں کا انکار کر دیں گے تو جھوٹے مہدی پیدا ہونا بند ہو جائیں گے۔ تو ذہن میں رکھیے گا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کے آنے کے بارے کوئی ایک روایت بھی موجود نہیں ہے لیکن اب تک کتنے ہیں جو نبی ہونے کا دعوی کر چکے۔ دنیا میں بے وقوفوں کی اتنی ہی قسمیں ہیں جتنی کھجور کی لہذا کسی بے وقوف کے جھوٹے دعوی پر اگر ہم اپنے عقائد کی ڈینٹنگ پینٹنگ شروع کر دیں گے تو ہم مہدی اور عیسی کیا، نبوت پر ایمان سے بھی جاتے رہیں گے۔

جانیں دیں، اگر ہزاروں محدثین، فقہاء، متکلمین، صوفیاء وغیرہ کا مہدی کی روایتوں پر ایمان تھا تو جہاں آخرت میں وہ جائیں گے، اللہ ان کے پیروکاروں کو بھی ان کے ساتھ وہیں جمع کر دے گا۔ آپ اس حوالے سے پریشان نہ ہوں کہ مہدی کی روایتوں پر ایمان سے کہیں یہ سارے جہنم میں نہ چلیں جائیں۔ اور دعا ہے کہ اللہ آپ سے کوئی اور مثبت کام لے۔

اللہ سے یہ بھی دعا ہے کہ اللہ مہدی کا انکار کرنے والوں سے قرآن کی کوئی خدمت لے لے۔ ویسے یہ بات دل کو لگتی ہے کہ جو حدیثوں کا انکار کرنے والے ہیں، اگر ان میں کوئی اخلاص ہو گا تو اللہ ان سے اپنی کتاب کی خدمت ضرور لے لے گا۔ لیکن اگر نفسانیت کی وجہ سے کر رہے ہوں گے تو شاید کتاب اللہ کی خدمت سے بھی محروم ہی رہیں گے۔

دجال کے بارے تجدد پسندوں کا اختلافی بیانیہ

روایت پسندوں (traditionalists) کا تو اس پر اتفاق ہے کہ دجال ایک شخص ہے کہ جس کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظہور قرب قیامت سے پہلے ہو گا۔ یہ دنیا میں فساد برپا کرے گا اور اسے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام آسمانوں سے نازل ہو کر قتل کریں گے۔ اور اسے اللہ عزوجل اپنے بندوں کی آزمائش اور ان میں کھرے اور کھوٹے کی تمیز کے لیے کچھ ماورائی طاقتیں دے کر دنیا میں بھیجیں گے۔

جہاں تک تجدد پسندوں (modernists) کا معاملہ ہے تو انہوں نے دجال کے بارے مختلف بیانیے جاری کر کے اپنے فالوورز کو کنفیوژن میں مبتلا کیا ہوا ہے۔ جناب غامدی صاحب دجال کو ایک شخص قرار دیتے ہیں کہ جس کا ظہور قرب قیامت کی علامات میں سے ہے اور احادیث دجال اس بارے قرآن کا بیان ہی ہیں لیکن دوسری طرف نزول عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کا انکار کرتے ہیں کہ ان کے بقول اس کی روایات قرآن کے بیان کی روشنی میں محل نظر ہیں۔ غامدی صاحب اپنی کتاب "میزان" میں فرماتے ہیں:

> "دجال، یہ بڑے دغا باز، فریبی اور مکار کے معنی میں اسم صفت ہے۔ اس کا ذکر 'المسیح الدجال' کے نام سے بھی ہوا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت سے پہلے کوئی شخص مسیح ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے گا اور مسلمانوں، یہودیوں اور عیسائیوں کے اندر سیدنا مسیح علیہ السلام کی آمد کے تصور سے فائدہ اٹھا کر اپنے بعض کمالات سے لوگوں کو فریب دے گا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ ایک آنکھ سے اندھا ہو گا اور ایمان والوں کے لیے اس کا دجل اس قدر واضح ہو گا کہ اس کی پیشانی پر گویا کفر لکھا ہوا دیکھیں گے۔"

دوسری طرف جناب مولانا وحید الدین خان صاحب ماہنامہ الرسالہ، مئی 2010ء کے شمارے میں فرماتے ہیں کہ دجال کوئی شخص نہیں ہے بلکہ صفت ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "دجال کے لفظی معنی بہت دھوکا دینے والا ہے۔ دجال اپنا یہ کام تلوار کے ذریعے نہیں کرے گا۔ دھوکا دینا، دلیل کے ذریعے ہوتا ہے، نہ کہ تلوار کے ذریعے۔ چنانچہ دجال علم اور دلائل کے زور پر لوگوں کو بہکائے گا۔ وہ لوگوں کو ذہنی گمراہی میں مبتلا کرے گا... حدیث میں آتا ہے کہ دجال کی پیشانی پر ک، ف، ر (کفر) لکھا ہوا ہو گا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دجال جس دور میں پیدا ہو گا، وہ خدا سے کفر (انکار) کا دور گا، یعنی الحاد کا دور۔"

قاری حنیف ڈار صاحب کا اپنی فیس بک وال پر کہنا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے نزول اور رفع

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا موضوع تو قرآن مجید میں موجود ہے اگرچہ اس کی شرح وبیان میں دو رائے ہیں لیکن دجال کا ذکر ہمیں قرآن میں کہیں نہیں ملتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"قرآن مہدی اور دجال کا سرے سے کوئی ذکر نہیں کرتا، گویا ان دو کا کوئی وجود ہی نہیں، اگر دجال واقعی اتنا بڑا خطرہ تھا اور ہر نبی اس سے اپنی امت کو ڈراتا چلا آیا ہے تو اس کا ذکر قرآن میں ہونا لازمی تھا کیونکہ قرآن حکیم چھوٹے چھوٹے فتنوں کی بات تو کرتا ہے پھر اتنے بڑے فتنے کا ذکر کیونکر نہ کرے گا۔"

فالوورز کی درخواست: جناب متجددین حضرات! امت نے آپ کے کندھوں پر تجدید دین کا بھاری فرض عائد کر رکھا ہے۔ کم از کم کوئی بیانیہ جاری کرنے سے پہلے روایت پسندوں سے نہ سہی، آپس میں تو مشورہ کر لیا کریں۔ روایت پسندوں نے تو چودہ سو سال میں چار بیانیے جاری کیے تھے اور یہاں چودہ سالوں میں چودہ جاری کر کے ہمیں مزید کنفیوژن میں ڈالنے اور آپس میں لڑانے کا ارادہ ہے کیا؟

شاہ نعمت اللہ ولی رحمہ اللہ کا دیوان

شاہ نعمت اللہ ولی [730-820ھ] رحمہ اللہ سلسلہ نقشبندیہ سے تعلق رکھنے والے ایک صوفی بزرگ اور فارسی شاعر ہیں کہ جن کے مکاشفات اور پیشین گوئیوں پر مشتمل ان کی طرف منسوب ایک طویل قصیدہ سوشل میڈیا میں کافی گردش کرتا رہتا ہے۔

دو ہزار سے زائد اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ کئی بار طباعت کے مراحل سے گزرا۔ اور جب بھی نیا طبع سامنے آیا تو وہ قصیدہ نئے حالات وواقعات کے مطابق اپ ڈیٹ ہو چکا تھا۔ اور اس تصحیح وترمیم کا سارا کریڈٹ ان بزرگوں کو جاتا ہے جو حضرت شاہ صاحب سے والہانہ عقیدت رکھتے ہیں۔

ہمارے علم میں اس قصیدے کا کوئی قلمی نسخہ موجود نہیں ہے۔ پہلی مرتبہ یہ قصیدہ 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد شائع ہوا اور اس میں اس وقت تک کے بڑے بڑے واقعات کو حضرت شاہ صاحب کی پیشین گوئیوں کے طور پیش کیا گیا۔ دوسری مرتبہ جب یہ قصیدہ پہلی جنگ عظیم کے بعد شائع ہوا تو اس میں بہت کچھ ترمیم اور اضافہ ہو چکا تھا۔ اور تیسری مرتبہ جب یہ دوسری جنگ عظیم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بعد شائع ہوا تو اس میں کچھ اور بھی اضافے ہو چکے تھے۔

یہ امکان ہے کہ اس قصیدے کے کچھ اشعار شاہ صاحب کے ہوں اور کچھ بعد کے لوگوں کا الحاق ہو۔ یا یہ بھی امکان ہے کہ یہ قصیدہ کل کا کل جنگ آزادی کے بعد ہی وضع کیا گیا ہو اور اسے شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا گیا ہو۔ اور یہ امکان کہ یہ کل کا کل قصیدہ شاہ صاحب کا ہے، درست معلوم نہیں ہوتا کہ خود اس کے مختلف ادوار میں شائع ہونے والے نسخوں میں بہت اختلاف ہے۔

اور پھر یہ کہ اس قصیدے کا کوئی تو قلمی نسخہ ہو گا؟ کہاں سے پبلشرز نے حاصل کیا ہے، وہ سامنے آنا چاہیے۔ صرف اتنا کہنا کافی نہیں ہے کہ فلاں لائبریری میں ایک قلمی نسخہ پڑا ہے۔ پڑا ہو گا لیکن دیکھنے سے ہی معلوم ہو گا ناں کہ وہ قلمی نسخہ اٹھارویں صدی کے اوائل کا ہے یا اواخر کا؟

اس معاملے میں صحیح رویہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو مستقبل کے حالات جاننے کا تجسس ہے تو احادیث میں دور فتن کے بارے جو پیشین گوئیاں کی گئی ہیں، ان کی جمع وتدوین اور تہذیب وتنقیح کر کے کوئی تصویر کشی کر لی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

کیا آدم علیہ السلام کی اولاد میں بہن بھائی کا نکاح جائز تھا؟

دوست کا سوال ہے کہ کیا آدم علیہ السلام کی اولاد میں بہن بھائی کا نکاح جائز تھا؟ میں اس سوال میں ایک لفظ کی تبدیلی کروں گا اور وہ اس قضیے کو سمجھنے کے لیے بہت ضروری ہے۔ سوال یوں ہونا چاہیے کہ کیا آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن بھائی کا نکاح جائز تھا؟ اب سائل کہے گا کہ "اولاد" کو "شریعت" سے بدل دینے سے کیا فرق پڑا؟ تو بہت فرق پڑا کہ اس مسئلے کو دیکھنے کا تناظر (perspective) تبدیل ہو گیا۔

ملحدین کا اعتراض یہ ہے کہ یہ اخلاقاً درست نہیں ہے کہ بہن بھائی کا نکاح آپس میں ہو۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا چیز اخلاقی ہے اور کیا اخلاقی نہیں ہے تو یہ کیسے معلوم ہو گا؟ یعنی اس کو معلوم کرنے کا مصدر اور ماخذ کیا ہے؟ اور اخلاق کو معلوم کرنے کے تین مصادر معروف ہیں؛ مذہب، معاشرہ اور عقل۔ مذہب بھی اس کا تعین کرتا ہے کہ یہ اخلاق ہے اور یہ نہیں ہے، معاشرہ بھی تعین کرتا ہے اور عقل بھی۔ ہر دور میں کچھ اخلاق ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جنہیں معاشرہ اخلاق سمجھتا ہے حالانکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہب میں وہ اخلاق متصور نہیں ہوتے۔

جو لوگ کسی مذہب پر ایمان رکھتے ہیں تو ان کا "تصورِ اخلاق" کل کا کل مذہبی تعلیمات پر استوار ہوتا ہے۔ پس ایک مسلمان کے نزدیک اخلاق وہی ہے جو وحی نے بتلا دیا ہے۔ ایک دور میں اگر شراب پینا اخلاقی حرکت تھی تو دوسرے دور میں وہی غیر اخلاقی ہو سکتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے اخلاقی اور غیر اخلاقی ہونے کو وحی سے ثابت کر دیا جائے۔ پس آسان الفاظ میں "اخلاق کیا ہے؟" کا جواب یہ ہے کہ "اخلاق" اللہ کا حکم ہے۔ ایک زمانے میں پروردگار نے کسی ضرورت کے تحت بہن بھائی کے نکاح کو جائز قرار دیا ہے تو وہ عین اخلاقی ہے اور کسی دور میں نے اس نے کسی حکمت کے تحت اسے ناجائز قرار دے دیا تو یہ بھی عین اخلاقی ہے۔

اس مسئلے کو دیکھنے کا نفسیاتی پہلو بھی ہے۔ چونکہ ہم ایک مذہب کے متبعین میں سے ہیں لہذا ہم بچپن ہی سے ایک بات سنتے ہیں کہ یہ اخلاقی ہے اور یہ غیر اخلاقی ہے لہذا اس کا اخلاقی اور غیر اخلاقی ہونا ہمارے لاشعور تک کا حصہ بن جاتا ہے۔ اور اگر ہمیں اس کے خلاف کوئی بات سننے کو ملے، چاہے پچھلی شریعت اور وحی میں ہی ہو، تو ہمیں اسے قبول کرنے میں ایک رکاوٹ محسوس ہوتی ہے، لیکن یہ رکاوٹ نفسیاتی ہوتی ہے نہ کہ مذہبی۔ اگر مذہب کا تصور اخلاق، شعوری طور واضح ہو گا تو یہ گرہ کبھی نہیں لگے گی۔ اللہ عزوجل نے ایک دور میں دو بہنوں کو نکاح میں رکھنے کو جائز قرار دیا تو دوسرے دور میں منع کر دیا تو دونوں ہی اخلاقی باتیں ہیں۔ عقلی اعتبار سے تو سب بہن بھائی ہیں اور چچا زاد تو ایک پشت اوپر بہن بھائی ہی ہیں۔

دنیا میں اخلاقیات کے جتنے بھی تصورات موجود ہیں، ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جو کسی حد تک اضافی (relative) نہ ہو۔ مذہب اور وحی ایک زمانے تک کے لیے ایک اخلاقی نظام قائم کرتے ہیں اور دوسرے زمانے کے لیے دوسرا اخلاقی نظام آ جاتا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ان اخلاقی نظاموں میں کوئی قدر مشترک نہ تھی بلکہ ان کی بنیادیں ایک ہی تھیں البتہ تفصیلات میں کسی قدر اختلاف تھا۔ اور اب رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی تعلیمات اور نظام ابدی اور تا قیامت ہے۔

باقی رہی امر واقعہ کی بات تو مفسرین مثلاً امام ابن کثیر نے لکھا ہے کہ آدم علیہ السلام کی اولاد جوڑوں کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت میں پیدا ہوتی تھی، مثلاً صبح کو ایک جوڑا پیدا ہوا اور شام کو ایک جوڑا پیدا ہوا۔ تو اب صبح کو جو لڑکی پیدا ہوتی تھی اس کا نکاح شام کو پیدا ہونے والے لڑکے سے جائز تھا۔ اور شام کو جو لڑکی پیدا ہوتی تھی، اس کا نکاح صبح کو پیدا ہونے والے لڑکے سے جائز تھا۔ تو یہ نکاح بھی مطلقاً جائز نہیں تھا بلکہ مشروط تھا اور ہابیل اور قابیل کا اختلاف اسی میں ہوا تھا۔

نبی کریم ﷺ کا پیشاب اور خون

دوست کا سوال ہے کہ کیا وہ روایات صحیح ہیں کہ جن میں ذکر ہے کہ بعض صحابہ نے نبی کریم ﷺ کا پیشاب یا خون پی لیا تھا؟ جواب: جہاں تک آپ کے پیشاب کی بات ہے تو دو روایات ایسی ہیں کہ جن میں یہ منسوب ہے کہ دو عورتوں نے آپ ﷺ کا پیشاب پی لیا تھا؛ ایک نے غلطی سے اور دوسری نے ارادتاً لیکن یہ دونوں روایات ثابت نہیں۔

مستدرک حاکم کی ایک روایت کے مطابق ام ایمن نے آپ ﷺ کا پیشاب غلطی سے پانی سمجھ کر پی لیا تھا لیکن یہ روایت "ضعیف" (weak report) ہے۔ اس روایت کے راوی ابو مالک النخعی کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔ اور دوسرے راوی نُبیح اور ام ایمن کے درمیان سند میں "انقطاع" ہے لہذا روایت "منقطع" (disconnected) ہے۔ دوسری روایت سنن بیہقی کی ہے کہ جس کے مطابق ایک حبشی عورت برکۃ ام یوسف نے آپ ﷺ کا پیشاب ارادتاً پی لیا تھا لیکن اس روایت کی راویہ حکیمہ بنت امیمہ مجہول ہے لہذا روایت "ضعیف" ہے اور اس میں "اضطراب" (contradiction) بھی ہے۔ پس ایسا کوئی واقعہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔

رہی خون پینے والی روایات تو اس بارے کوئی پانچ روایات مروی ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک بھی صحت کے درجے کو نہیں پہنچتی۔ پہلی روایت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے کہ آپ ﷺ نے حجامہ لگوانے کے بعد فاسد خون انہیں گرانے کا حکم دیا تو انہوں نے پی لیا تو آپ ﷺ نے انہیں ڈانٹا۔ اس روایت کی سند میں ایک راوی ہنید بن قاسم ہے کہ جس کی روایت محض "شاہد" اور "متابع" کے طور قابل قبول ہے۔ اسی روایت کی ایک دوسری سند بھی ہے کہ جس میں علی بن مجاہد راوی "ضعیف" ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری روایت سفینہ کی ہے کہ جسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو "مجہول" (anonymous) کہا ہے کہ اس کا راوی بُریہ "مجہول" ہے۔ تیسری روایت سالم ابوہند الحجام سے ہے کہ جسے ابو نعیم نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے حجامہ کروایا تو انہوں نے آپ کا خون پی لیا۔ آپ نے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا کہ خون حرام ہے۔اس روایت کی سند میں ایک راوی ابوالحجاف ہے جو کہ "ضعیف" ہے۔

چوتھی روایت میں قریش کے ایک غلام کا تذکرہ ملتا ہے کہ اس نے آپ ﷺ کا حجامہ کیا اور آپ کا خون پی لیا۔ لیکن یہ روایت بھی "ضعیف" ہے کہ اس میں نافع ابی ہرمز "مجروح" راوی ہے۔ اور پانچویں روایت مالک بن سنان کی ہے اور یہ روایت بھی "مرسل" ہونے کے سبب ضعیف ہے۔

اب اگر کوئی صاحب یہ کہیں کہ پانچ روایات اگرچہ ہیں تو ضعیف لیکن کم از کم واقعہ تو ثابت ہو جاتا ہے کہ ایسا ہوا ہے۔ پس کوئی صاحب اسے "حسن لغیرہ" بنانا چاہیں تو عرض یہ ہے کہ "حسن لغیرہ" وہ روایت بن سکتی ہے کہ جس کے متن میں اضطراب (contradiction) نہ ہو۔ یہاں تو بعض روایات میں ہے کہ کسی صحابی نے ایسا کیا تو آپ مسکرا دیے اور کہیں ہے کہ آپ نے ڈانٹ دیا۔ کہیں ہے کہ آپ نے کہا تمہیں جہنم کی آگ نہ چھوئے گی اور کہیں کہا کہ آئندہ ایسا نہ کرنا یہ حرام کام ہے۔

یہ اضطراب مزید اس بات کو تقویت دیتا ہے کہ واقعہ ثابت بھی ہو جائے تو حکم یعنی جواز ثابت نہیں ہے اور آپ ﷺ کے پیشاب اور خون کا حکم وہی ہے جو عام مسلمانوں کے خون اور پیشاب کا ہے۔ اگر آپ ﷺ کا پیشاب پاک ہوتا تو آپ پیشاب کے بعد ساری زندگی طہارت کا اہتمام کیوں کرتے رہے؟ واللہ اعلم بالصواب

داڑھی اور پردہ: روایت سے جدیدیت تک

دوست کا سوال ہے کہ داڑھی مونڈنے والے مفتی سے فتوی کیوں نہیں لے سکتے، داڑھی کا علم سے کیا تعلق ہے؟ جواب: اصولی طور دو باتیں یاد رکھیں؛ ایک یہ کہ فتوی اس سے لینا چاہیے جو "سبیل المومنین" پر ہو۔ "سبیل المومنین" قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے کہ جس کا معنی ہے کہ وہ رستہ کہ جس پر امت بحیثیت مجموعی چل رہی ہے۔ پس جو شخص امت کی شاہراہ کو چھوڑ کر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کسی پگڈنڈی پر چل پڑے اور لوگوں کو اس پر چلنے کی دعوت دے تو یہ شخص "سبیل المومنین" کے رستے پر نہیں ہے اور ایسے شخص کی اتباع سے قرآن مجید نے سختی سے منع فرمایا ہے۔

دین اسلام کے بنیادی مصادر قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ ہیں۔ کتاب وسنت کی نصوص (text) اور الفاظ کے معانی اور مفاہیم کی کچھ حدود (limitations) ہیں جو شخص ان حدود سے باہر نکل جائے تو "سبیل المومنین" سے منحرف ہو جاتا ہے۔ ان حدود میں رہتے ہوئے اختلاف، اجتہادی اختلاف کہلاتا ہے جو کہ آخرت میں باعث اجر وثواب ہے لیکن ان حدود وقیود کو چھوڑ کر دین کی تعبیر کرنے سے ایک شخص روایت کے دائرے سے نکل کر جدیدیت یعنی ماڈرنٹی کے دائرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ ہم اہل روایت کے اختلاف میں ہمیشہ برداشت کی تلقین کرتے ہیں لیکن رہی بات متجددین کی تو وہ ہمارے فریق مخالف ہیں کہ جن سے ہمارا غزو فکری (intellectual war) ہے، کہ ان کے بارے ہمارا ایمان ویقین یہ ہے کہ یہ اللہ کے دین کو اسی طرح بگاڑ رہے ہیں جیسے یہود ونصاری نے اپنے مقدس صحائف میں تحریف کی۔

داڑھی کے بارے اس امت کے فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس کا مونڈنا جائز نہیں ہے۔ حنفیّہ، مالکیہ، حنابلہ، ظاہریہ، شافعیہ کی ایک جماعت اور محدثین کی جماعت کے نزدیک داڑھی کا مونڈنا حرام ہے البتہ بعض شوافع نے اس کو حرام کی بجائے مکروہ (discouraged) کہا ہے لیکن جائز کسی نے بھی نہیں کہا ہے۔ ابن الہمام رحمہ اللہ "فتح القدیر" میں لکھتے ہیں کہ مشت سے کم ڈاڑھی کٹوانا جائز نہیں ہے۔ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ "فتاوی شامیہ" میں فرماتے ہیں کہ داڑھی مونڈنا مجوسیوں کا فعل ہے۔ ابن عبد البر المالکی رحمہ اللہ "التمہید" میں لکھتے ہیں کہ ڈاڑھی مونڈنا حرام ہے اور یہ ہیجڑوں کا فعل ہے۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے "مراتب الاجماع" میں لکھا ہے کہ علمائے امت کا اتفاق ہے کہ داڑھی کو مونڈنا حرام ہے اور یہ "مثلہ" ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی "الفتاوی الکبری" میں اسے مثلہ قرار دیا ہے۔ اور اس قسم کے اقوال بہت زیادہ ہیں۔ تو ایک وہ شخص ہے کہ جو عوام میں سے ہے، داڑھی مونڈتا ہے لیکن اپنے فعل پر شرمندہ ہے، تو یہ آدمیت ہے لیکن ایک شخص کسی حرام یا گناہ فعل کو شرعی جواز بخشنا شروع کر دے تو یہ شیطان کا رویہ تھا۔ آدم اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیطان کے رویے میں یہی فرق تھا کہ ایک کے ہاں ندامت تھی، دوسرے کے ہاں اپنے غلط فعل کو جسٹیفائی کیا جارہا تھا۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک باؤنڈری لائن ہے، جو اس کے اِدھر ہے وہ ہمارا ہے، چاہے ہم سے ہزار اختلاف رکھے۔ اور جو اس لائن کے اُدھر ہے، وہ اُن کا ہے، چاہے ہم سے ہزار اتفاق کرے۔ اور یہ باؤنڈری لائن "سبیل المومنین" ہے۔ جو شخص کسی مسئلے میں "سبیل المومنین" سے نکل جائے تو اس کی اتباع کسی صورت اور کسی حال جائز نہیں ہے۔ قرآن مجید نے اس کی اتباع سے منع کیا ہے۔ پس فقہاء کا اختلاف داڑھی میں ایک حد تک ہے، اس حد کے بعد دوسری طرف کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کا مسئلہ پردے کا بھی ہے، چہرے کا پردہ ہے یا نہیں، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک چہرے کا پردہ واجب ہے اور یہی ہماری رائے بھی ہے لیکن بعض فقہاء نے اسے مستحب (preferred) کہا ہے لیکن کسی نے اسے "بدعت" نہیں کہا۔ جو بدعت کہے یا ثقافت اور کلچر کہے، وہ اُن کا آدمی ہے، ہمارا نہیں۔

پس فقہائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت کے لیے اپنے سر کو ڈھانپنا لازم ہے لہٰذا سر کو ڈھانپنے کے قول یعنی دوپٹہ اوڑھنے کا انکار کرنے والا "سبیل المومنین" سے خارج ہے اور دین کے معاملے میں اس کی اتباع نہیں ہے۔ اور ایسے لوگوں کا رد ایک دینی فریضہ ہے کہ یہ امت میں تفرقہ پیدا کرتے ہیں، یہ امت کو شاہراہ سے پگڈنڈیوں کی طرف دھکیلتے ہیں۔ رہی ان کی آخرت کی بات تو وہ ہمارا مسئلہ نہیں ہے، وہ اللہ کا معاملہ ہے، اللہ ان کے ساتھ جو کرے، وہ اس کا حق اور فیصلہ ہے۔ ایک اور اہم بات یہ کہ یہاں اس دنیا میں خلاء نہیں ہے، ہمیں بھی یہ معلوم ہے، آپ کو بھی معلوم ہونا چاہیے لہٰذا یہ باتیں کرنے کی بجائے کہ یہ رائے سن کر، یہ فتاوی پڑھ کر افسوس ہوا، اس کی بجائے کچھ وقت کی قربانی دیں اور محنت کریں کہ اہل روایت صدیوں سے یہ دونوں کام کر رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے مخالفین تاریخ کے اوراق میں گم ہو گئے اور وہ آج بھی پوری آن اور شان کے ساتھ زندہ ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کو امام بنانے کی تاکید فرمائی ہے کہ جو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متقی ہو اور یہ حکم نماز کے علاوہ کا بھی ہے۔ اور داڑھی کو رسول اللہ ﷺ نے سنن فطرت میں سے قرار دیا ہے یعنی یہ صرف دین کا حکم نہیں ہے بلکہ انسانی فطرت بھی ہے لہٰذا اس کا مونڈنا انسانی فطرت میں تبدیلی کرنا ہے جو کہ مثلہ کہلاتا ہے۔ اور یہ بھی کہ داڑھی تمام انبیاء کی سنت رہی ہے اور اس کا مونڈنے والا انبیاء کے رستے پر نہیں ہے لہٰذا اس کا فسق وفجور اعلانیہ ہے۔ اور اعلانیہ فسق وفجور والا شخص اگر اپنے فسق وفجور پر شرمندہ ہو تو اسے شرم نہیں دلائی جائے گی بلکہ تنہائی میں نصیحت کی جائے گی لیکن اگر کوئی شخص اپنے فسق وفجور کو نیکی اور تقوی بنا کر پیش کرے تو اسے امام بنانا جائز نہیں ہے، نہ نماز میں اور نہ ہی غیر نماز میں، اور اس کا اعلانیہ رد ضروری ہے تاکہ اللہ کے دین میں اس کی تحریف (corruption) کی کاوشوں کو ناکام بنایا جائے۔

غیر شرعی فقہی حیلوں میں ملوث مدارس پر زکوۃ خرچ کرنا

ایک دوست نے سوال کیا کہ انہیں ایک سال پہلے پنشن میں کوئی دس بارہ لاکھ روپے ملے اور اب ان کا کوئی ذریعہ آمدن نہیں ہے اور انہی پیسوں سے گزارہ چل رہا ہے جو کہ تیزی سے کم ہو رہے ہیں، تو کیا ایسے میں ان پر زکوۃ دینا فرض ہے جبکہ زکوۃ بھی تقریباً 25 ہزار بن رہی ہے؟ میں نے کہا زکوۃ تو فرض ہے۔ انہوں نے کہا کہ مفتی صاحب نے ایک حیلہ (trick) بتلایا ہے، آپ کی اس بارے رائے درکار ہے۔ میں نے کہا کہ جی! عرض کریں۔

انہوں نے ایک بہت بڑی جامعہ کے مفتی صاحب کا نام لیا کہ انہوں نے کہا ہے کہ زکوۃ تو فرض ہے لیکن آپ ایسا کر سکتے ہیں کہ کسی مستحق زکوۃ کو زکوۃ کی رقم ادا کر دیں تو آپ کی زکوۃ ادا ہو جائے گی۔ اب وہ شخص کہ جس نے زکوۃ وصول کی ہے، اس رقم کا مالک ہے، وہ اس میں جیسے چاہے تصرف کر سکتا ہے۔ اور اب وہ زکوۃ وصول کرنے والا اس زکوۃ کی رقم میں سے ایک دو ہزار رکھ لے اور باقی رقم آپ کو ہبہ کر دے یعنی بطور گفٹ دے دے۔ میں نے تو سنتے ہی کہا کہ یہ تو بالکل جائز نہیں ہے، یہ تو زکوۃ کے مقاصد کے خلاف ہے۔

بعض مفتیوں نے فرائض سے بچنے اور حرام کو حلال بنانے کے لیے کیسے کیسے حیلے (tricks) ایجاد کر رکھے ہیں تو اس کا اندازہ اس حیلے سے بھی ہو سکتا ہے کہ ایک خاتون کے پاس اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

200 تولے زیور ہے اور وہ اس کی زکوۃ سے بچنا چاہتی ہے تو زکوۃ تو سال بعد فرض ہوتی ہے، لہذا وہ خاتون گیارہ ماہ بعد اپنے خاوند کو کہے کہ میں نے یہ سونا تمہیں ہبہ یعنی گفٹ کیا۔ اب وہ خاتون اس سونے کی مالک نہ رہی لہذا اس پر زکوۃ فرض نہیں ہے اور خاوند آج کے دن میں مالک بنا ہے لہذا خاوند پر زکوۃ سال بعد فرض ہو گی۔ اور خاوند گیارہ ماہ بعد اپنی بیوی کو وہی سونا دوبارہ ہبہ یعنی گفٹ کر دے۔ اب قانونی اور فقہی نقطہ نظر سے زکوۃ فرض نہیں ہوئی ہے۔

اگر میاں بیوی زکوۃ سے بچنے کے لیے ایسا کر بھی لیں تو پھر بھی اس مال پر زکوۃ فرض ہے کہ یہی "مقاصد شریعت" کے مطابق ہے۔ اور جہاں تک ایسے مدرسوں کا تعلق ہے کہ جن کے منتظمین مفتی حضرات غیر شرعی حیلوں پر مبنی فتوے دیتے ہیں تو ان مدرسوں پر زکوۃ فرض ہے کیونکہ یہ مدرسے ایک قسم کا "مال تجارت" ہیں اور ان مدرسوں کی حیثیت ذرائع پیداوار (means of production) کی سی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید نے یہودی علماء کے بارے کہا ہے کہ اللہ کی آیات کو تھوڑی قیمت کے بدلے بیچ دیتے ہیں تو وہ ان کا کاروبار تھا کہ پیسے لے کر شریعت کو بدل دیا اور یہ ان کا کاروبار ہے جو کہ یہودی علماء سے زیادہ منظم ہے کہ چندے کسی اور سے لیے اور شریعت کو کسی اور کے لیے بدل دیا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ یہودیوں کی طرح مت بن جانا کہ جنہوں نے چھوٹے چھوٹے حیلوں کے ذریعے حرام کو حلال بنا لیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب

ہیروں اور نقدی پر زکوۃ

دوست نے سوال کیا ہے کہ مالکن کے پاس چار کروڑ کے ہیرے ہیں اور اس کے گھر میں کام کرنے والی خادمہ کے پاس چالیس ہزار روپے ہیں جو اس نے دو ہزار کی کمیٹی ڈال کر جمع کیے تھے، دونوں پر ایک سال گزر چکا، تو مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ مالکن پر زکوۃ نہیں ہے کہ فقہاء کے نزدیک ہیروں اور قیمتی پتھروں پر کوئی زکوۃ نہیں ہے اور خادمہ پر زکوۃ فرض ہے کہ خادمہ "صاحب نصاب" ہے کہ اس کے پاس اتنی رقم ہے جو 52.5 تولے چاندی کے برابر ہے۔ اس بارے آپ کی رائے درکار ہے کہ کیا خادمہ اپنی زکوۃ اپنی مالکن کو دے سکتی ہے؟

جواب: فتاوی کے نام پر عجب تماشے لگے ہوئے ہیں۔ بعض علماء کا یہ شکوی بجا ہے کہ مدرسوں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں اصول فقہ کے نام پر اصول اجتہاد کی بجائے، اصول تقلید پڑھائے جا رہے ہیں۔ ہمارے معاصر مفتی صاحب کو اصول فقہ کی کتابوں کے متون زبانی یاد ہوں گے لیکن مجال ہے کہ ایک اصول کی تطبیق بھی بیسیوں فتاوی میں نظر آ جائے الا ماشاءاللہ۔ مفتی صاحبان اپنے فتاوی میں شرعی مقاصد کو بری طرح پامال کر رہے ہیں کہ جس سے احکام شریعت مذاق بنتے چلے جا رہے ہیں لیکن کسی کو احساس ہی نہیں ہے۔ تیس تیس جلدوں کے فتاوی میں سے دو چار فتاوی ایک ساتھ سامنے رکھ کر دیکھ لیں تو کسی صاحب عقل کے لیے ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو جائے۔

تو ہمارے فقہاء نے ایک دور میں کہا تھا کہ ہیروں اور قیمتی پتھروں پر زکوۃ نہیں ہے جبکہ اس دور میں ان کی کوئی "مارکیٹ ویلیو" نہیں ہوتی تھی۔ آج ہیروں اور قیمتی پتھروں کی باقاعدہ عالمی مارکیٹ اور "ری سیل ویلیو" ہوتی ہے۔ وہ سونے اور چاندی جیسی دھاتوں سے بھی بیسیوں گنا مہنگے ہوتے ہیں لہذا ان پر زکوۃ فرض نہ کرنا تقلیدی جمود اور مقاصد شریعت کے خلاف ہے کہ زکوۃ ایسے مال پر ہی فرض ہوتی ہے کہ جس کے بدولت ایک شخص معاشرے میں امیر اور غنی شمار ہو۔

اور دوسری بات یہ کہ آپ ﷺ کے زمانے میں 7.5 تولے سونے کی قیمت اور 52.5 تولے چاندی کی قیمت تقریبا برابر تھی لہذا نقدی کے لیے کسی کو بھی نصاب بنا لیا جاتا تو کوئی حرج نہیں تھا۔ آج دونوں دھاتوں کی قیمتوں میں بہت نمایاں فرق ہے۔ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت (35,000) جتنی کرنسی رکھنے والا ہمارے معاشرے میں ہر گز امیر نہیں ہو سکتا البتہ ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت (370,000) کے برابر نقدی رکھنے والا امیر کہلانے کا مستحق ہے لہذا نقدی کا نصاب 7.5 تولے سونے کی قیمت کو بنایا جائے گا نہ کہ 52.5 تولے چاندی کی قیمت کو۔

آپ ﷺ کے زمانے میں دینار سونے کا سکہ تھا اور درہم چاندی کا سکہ اور یہ دھاتیں کرنسی اور زیور کے طور مستعمل تھیں۔ آج چاندی کا استعمال بطور کرنسی اور زیور کے نہ ہونے کے برابر ہے لہذا چاندی کسی طور بھی کرنسی کا نصاب بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔ اور ماضی قریب میں پیپر کرنسی چھاپنے کے لیے اصلاً معیار سونے کو ہی بنایا جاتا رہا ہے لہذا پیپر کرنسی میں زکوۃ کے لیے بھی زیادہ بہتر معیار سونا ہی ہے۔ اور 52.5 تولے چاندی والے مالک کو آج ہمارے معاشرے اور عرف میں کوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص بھی امیر نہیں سمجھتا ہے۔

اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ زکوۃ تمہارے اغنیاء سے لی جائے گی اور فقراء میں تقسیم کی جائے گی اور یہ زکوۃ کا مقصد عظیم ہے۔اب تو ایسے فتاوی سامنے آرہے ہیں کہ غریب زکوۃ دے رہے ہیں اور امیر وصول فرمارہے ہیں، اناللہ وانا الیہ رجعون۔ یہ اللہ کے دین کے ساتھ مذاق اور کھلواڑ ہے، اور کچھ نہیں۔اور دین کے ہر شعبہ میں اس قسم کے فتاوی کی ایک ہی وجہ ہے کہ مقاصد شریعت اور اصول فقہ صرف کتابوں میں پڑھنے اور مقالات علمیہ میں بحث کے لیے رہ گئے ہیں، علماء ان کی تطبیق سے کوسوں دور ہیں۔

ایک دوست کا کہنا ہے کہ عالمی مارکیٹ میں سونے کی ڈیمانڈ اور قیمت میں اتار چڑھاؤ اور سپر پاورز کا سونے کے ذخائر کو جمع کرنے اور بڑھانے میں رغبت رکھنا واضح طور یہ بتلا رہا ہے کہ سونا آج بھی چیزوں کو ماپنے کے لیے ایک قدر ہے جبکہ چاندی کا معاملہ کسی طور ایسا نہیں ہے۔ میرے علم میں نہیں پاکستان میں کون سا گاؤں یا شہر ایسا ہے کہ جہاں کی عورتیں سونے کی نسبت چاندی کے زیورات میں زیادہ دلچسپی رکھتی یا پہنتی ہوں۔

کچھ دوستوں کا کہنا ہے کہ ہمیں اپنے بڑوں کے فتاوی پر اعتماد کرنا چاہیے، چاہیے کیسے بھی ہوں۔ تو عرض یہ ہے کہ ہمارے فقہاء نے کبار صحابہ سے اختلاف کیا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک کے اجتہادات سے اختلاف کیا کہ جنہیں حدیث کے مطابق علم نبوت سے سیراب کیا گیا تھا، تو کیا کہیں گے کہ فقہاء نے اپنے بڑوں پر اعتماد نہیں کیا تھا؟ تو ایسی کج بحثی کی بجائے اس پر غور کر لیا جائے کہ خود فقہاء کے نزدیک عرف کے بدل جانے سے فتوی بدل جاتا ہے لہذا فقہاء کے اسی اصول کی روشنی میں زیادہ مناسب رائے یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہیروں پر زکوۃ کی فرضیت کا فتوی نہ جاری کیا جائے۔

کچھ دوستوں کا کہنا یہ ہے کہ 35 ہزار پر زکوۃ ہی کیا بنتی ہے کہ فتوی کو ریوائز کرنے کی ضرورت پیش آئے؟ تو عرض یہ ہے کہ مشکل تو یہ بھی نہیں ہے کہ بیس ہزار روپے پر پانچ سو دے دے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ آپ نہیں مانیں گے کہ یہ دینا اس پر فرض کر دو۔ دینے کو تو وہ پانچ سو پر بھی دے دے لیکن یہ دینا اس پر فرض ہے یا نہیں، اس کے لیے مضبوط دلیل چاہیے ہو گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور بعض کا کہنا یہ بھی ہے کہ اگر غریب دو مرلے کا مکان بنانے کے لیے کمیٹیاں ڈال کر دس لاکھ جمع کرے تو اس رقم پر تو زکوۃ ہے اور امیر دس کنال میں دس کروڑ کا بنگلہ بنالے تو زکوۃ ہی نہیں ہے، عجب نہیں ہے! پس جو رقم یا اثاثہ (asset) کسی بنیادی ضرورت مثال کے طور گھر وغیرہ کو پورا کرنے کے لیے جمع کیا گیا ہے تو اس پر نہ تو زکوۃ ہے اور نہ ہی قربانی۔ یہی اصول، اصول کہلانے کے لائق اور درست ہے، باقی تو انتشار ہے نہ کہ اصول۔ ایک فتوی ادھر جا رہا ہے تو دوسرا ادھر، بنیاد تو کوئی ہے ہی نہیں کہ جس پر ایک موضوع کے تمام فتاوی کھڑے ہو سکیں۔

چند احباب کا خیال ہے کہ سال بھر چالیس ہزار روپے پڑے رہے ہیں اور خرچ نہیں ہوئے تو یہ دلیل ہے کہ یہ زائد از ضرورت مال ہے لہذا اس پر زکوۃ دینا بنتی ہے۔ ایک اور دوست نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ گزارش ہے کہ یہ خیال ضروری نہیں کہ درست ہو۔ انسان کو مکان بنانے یا گاڑی خریدنے کے لیے بھی تو رقم درکار ہو سکتی ہے۔ اور یہ رقم متوسط طبقہ عموماً پائی پائی جوڑ کر جمع کرتا ہے۔ آج وہ اپنی کمائی میں سے اگر ابھی تک چالیس ہزار ہی جمع کر پایا ہے جب کہ بنیادی ضرورتیں ابھی باقی ہیں تو گزارش ہے کہ اسے غنی تصور نہ کیا جائے بلکہ ابھی بے چارہ اپنی بنیادی ضروریات کی تگ و دو ہی میں ہے۔ اس شخص کا معاملہ اس فرد سے یقیناً مختلف ہونا چاہیے جس کی تمام بنیادی ضرورتیں پوری ہو چکی ہیں اور اب اسکے پاس چالیس ہزار یا اس سے زیادہ رقم ہے۔

کچھ دوستوں نے "أنفع للفقراء" کا اصول بھی بیان کیا کہ چاندی کو نصاب بنانے میں غریبوں کا فائدہ ہے۔ ایک اور دوست نے تبصرہ کیا کہ یہ بات درست ہے، تاہم یہ صرف ایک پہلو ہے کہ زیادہ زکوۃ تقسیم ہو گی۔ دوسرا پہلو اگر دیکھا جائے تو دینے والا بھی بے چارہ فقیر ہی تو ہے جیسا کہ اوپر میں نے اشارہ کیا ہے کہ ضروری نہیں کہ چالیس ہزار رکھنے والا ہر شخص غنی ہی ہو بلکہ وہ تو خود بعض صورتوں میں فقیر ہی شمار ہو گا۔ تو کیا اس فقیر کا فائدہ شریعت میں مطلوب نہیں ہونا چاہیے؟

یہ آخری نکتہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ بہت سے دلائل اضافی ہوتے ہیں، قطعی نہیں جیسا کہ اسی دلیل کو لے لیں۔ زکوۃ کے لیے چاندی کو نصاب نہ بنانے کی صورت میں بھی غریبوں ہی کا بھلا ہے، کتنی سامنے کی بات ہے لیکن لوگ جب ایک ہی زاویے سے دیکھنے کے عادی بنا دیے جائیں تو انہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے رخ سے دکھائی دینا بند ہو جاتا ہے اور بات سمجھ ہی نہیں آتی۔

حاملہ اور مرضعہ خاتون کا روزہ

حاملہ (pregnant) اور مرضعہ یعنی بچے کو دودھ پلانے والی خاتون کے بارے سلف صالحین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر اس کی ذات یا اس کے بچے کے لیے کسی نقصان کا اندیشہ ہو تو وہ روزہ چھوڑ سکتی ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ روزہ چھوڑنے کو مریض اور مسافر کے لیے مختص کر دینا بالاتفاق ممنوع ہے۔ اب یہاں بعض علماء نے یہ کہا کہ حاملہ اور مرضعہ دراصل مریض ہی ہیں، حالانکہ یہ ایک دھکے کے سوا کچھ نہیں ہے کہ آپ مرضعہ، دودھ پلانے والی ماں کو مریض بنا دیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جہاں بھی مسافر اور مریض جتنی مشقت پیدا ہو گی تو آپ کو روزہ چھوڑنے کی رخصت نکالنی پڑے گی۔ اور حاملہ اور مرضعہ کے لیے سلف صالحین اور فقہاء نے تکلیف مالا یطاق (unbearable-burden) کے سبب سے رخصت نکالی ہے کہ وہ روزہ چھوڑ سکتی ہے۔ اب سلف صالحین میں اس بارے میں اختلاف ہو گیا کہ حاملہ اور مرضعہ اگر روزہ چھوڑ دے گی تو کیا صرف اس کی قضاء ادا کرے گی یا قضاء کے ساتھ فدیہ بھی دے گے یا صرف فدیہ دے گی؟

جمہور کا موقف یہ ہے کہ حاملہ اور مرضعہ روزوں کی قضاء دے گی یعنی دوسرے دنوں میں ان کی گنتی پوری کرے گی جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کا موقف یہ ہے کہ حاملہ اور مرضعہ کو قضاء کا حکم دینا تکلیف مالا یطاق ہے لہذا وہ صرف فدیہ ادا کرے گی کہ حمل کی وجہ سے ایک سال ایک ماہ کے روزے اور دودھ پلانے کی وجہ سے اگلے سال ایک ماہ کے روزے جمع ہو کر ساٹھ روزے بن جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی خاتون لگاتار ہر سال حاملہ ہونے لگیں تو روزوں کی تعداد سینکڑوں میں چلی جاتی ہے اور ان کی قضاء تکلیف مالا یطاق ہے۔ تفسیر طبری میں اس قسم کے اقوال حضرت علی، حضرت عائشہ، عکرمہ، مجاہد، سعید بن جبیر وغیرہ سے بھی مروی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کا کہنا ہے کہ اس رخصت کی دلیل اللہ عزوجل کا قول ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ ہے۔ سلف کی ایک رائے کے مطابق یہ آیت منسوخ ہے۔ دوسری رائے میں اس آیت میں رمضان کے روزوں کی فرضیت سے پہلے ہر ماہ تین

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

روزوں کی فرضیت کا حکم بیان ہوا ہے جو کہ ایام بیض یعنی ہر ماہ چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کے تین روزے تھے۔ اور صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کی رائے کے مطابق یہ آیت نہ تو منسوخ ہے اور نہ ہی اس میں غیر رمضان کے روزوں کی بات ہو رہی ہے بلکہ اس آیت میں "یطیقونـــہ" سے مراد "یطوقونـہ" ہے کہ جس کا معنی یہ ہے کہ جنہیں روزہ رکھنے میں شدید مشقت اٹھانی پڑے تو وہ روزے کی جگہ فدیہ ادا کر سکتے ہیں اور وہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کے قول کے مطابق حاملہ، مرضعہ اور شیخ کبیر یعنی بہت ہی بوڑھا شخص ہیں۔ مجموع الفتاوی اور بیان تلبیس الجہمیۃ میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے۔

پس ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ [البقرۃ: 182] اور ﴿أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ﴾ [البقرۃ: 183] سے معلوم ہوا کہ رمضان کے روزوں کی بات ہے لہذا غیر رمضان کے روزوں والا قول درست نہیں ہے۔ اور جہاں تک نسخ والے قول کی بات ہے تو قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی موجود نہیں ہے کہ جو ہر پہلو سے منسوخ ہو گئی ہو۔ ہاں! البتہ بعض نسخ کے شائقین ایسے بھی ہیں جو جہاد کی آیات سے دعوت تبلیغ کی آیات تک کو منسوخ کر کے ایک تہائی قرآن کو بھی منسوخ قرار دینے سے باز نہیں آتے۔ پس یہ آیت مقیم کے حق میں منسوخ ہے لیکن حاملہ، مرضعہ اور شیخ کبیر کے حق میں باقی ہے، یہ سلف صالحین کے اقوال میں بہترین جمع ہے۔ پس حاملہ، مرضعہ اور شیخ کبیر اگر روزہ رکھ لیں تو بہت بہتر ہے کہ یہی جمہور کا موقف ہے اور محتاط قول ہے۔ اور اگر فدیہ دے دیں تو اس کی بھی اجازت اور گنجائش ہے۔ اور کم از کم فدیہ ایک روزے کے بدلے مسکین کو دو وقت کا وہ کھانا کھلانا ہے جو کہ خود سے کھاتے ہوں اور زیادہ جتنا مرضی دے دیں۔

مزدور کا روزہ

دوست کا سوال ہے کہ مزدور جو کہ تعمیراتی کاموں یا اینٹوں کے بھٹوں پر مزدوری کرتے ہیں، ان کے لیے جون جولائی کے مہینوں کی گرمی میں روزہ رکھنا بہت مشکل ہے، تو ان کے روزے کا کیا حکم ہے؟ جواب: اللہ عزوجل نے دو وجوہات سے روزہ چھوڑنے کی رخصت دی ہے؛ سفر اور مرض۔ بس مریض اور مسافر کے لیے روزہ چھوڑنے میں رخصت ہے لیکن اس کے لیے حکم یہی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ دوسرے دنوں میں جبکہ وہ صحت مند ہو یا مقیم ہو، روزوں کی قضا ادا کرتے ہوئے ان کی گنتی پوری کرے۔

مریض اور مسافر کے لیے روزے میں جو رخصت ہے، اس کی حکمت مشقت ہے کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں پر شریعت کے نام پر ایسی سختی نہیں کرنا چاہتے کہ جس کے وہ مکلف نہ ہوں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرة: 185]

"اللہ عزوجل تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں، نہ کہ تنگی۔"

پس اگر کسی شخص کا پیشہ یا روزگار ایسا ہو کہ جس میں روزہ رکھنے کی صورت میں اسے مسافر اور مریض سے بھی زیادہ مشقت برداشت کرنی پڑتی ہو تو کیا ایسے شخص کے لیے بھی یہ رخصت موجود ہے کہ وہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھ لے؟

جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ مریض اور مسافر کے علاوہ روزہ دوسرے دنوں میں رکھنے کی رخصت کسی کے لیے بھی نہیں ہے جبکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ یہ کہتے ہیں کہ یہ حکمت کے خلاف ہے کہ آپ مریض اور مسافر کو روزہ دوسرے دنوں میں پورا کرنے کی اجازت دیں اور اس سے زیادہ مشقت والے افراد کو روزہ رکھنے پر پابند کریں۔ یہ ایسے ہی ہے کہ لاہور سے اسلام آباد بذریعہ ڈائیو (Daewoo) سفر کرنے والے کو روزہ چھوڑنے کی رخصت ہو لیکن بھٹے پر سارا دن محنت مزدوری کرنے والے کو اس کی رخصت نہ ہو تو یہ حکمت کے منافی ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس قسم کے فتاوی اس وقت صادر ہوتے ہیں جبکہ قیاس کا اصول کہ جس کی اصل حرکت ہے، فقہی جمود کا شکار ہو جائے۔ امام صاحب رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ شرعی احکام کی بنیاد اگرچہ علتیں ہوتی ہیں لیکن بعض مسائل میں حکمت (wisdom) کو علت (cause) پر ترجیح دینی چاہیے تاکہ قیاس کا اصول جمود کا شکار ہو کر بے اعتدالی کی طرف نہ چلا جائے۔

لہذا ان کے نزدیک اگر کسی شخص کو مریض اور مسافر سے زیادہ مشقت درپیش ہو تو اسے رمضان میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے لیکن وہ دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے گا یعنی مزدور چھٹی والے دن یا سردیوں کے چھوٹے دنوں میں روزہ رکھ کر گنتی پوری کر لے۔ راقم کا اسی موقف پر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اطمینان ہے لیکن کسی شخص کی مشقت، مسافر یا مریض کے برابر ہے یا اس سے زائد، اس کا تعین مفتی صاحب کریں، نہ کہ وہ خود۔

اور امر واقعہ یہ ہے کہ مزدوروں کی اکثریت بلکہ سب ہی روزہ نہیں رکھتے ہیں۔ ایسے میں اگر انہیں رخصت کا رستہ دکھا دیا جائے تو ان کی ایک اچھی خاصی تعداد آسانی کے اوقات میں اپنے روزوں کی گنتی پوری کرنے پر آمادہ ہو سکتی ہے۔ اور مریض اور مسافر کے علاوہ مزدوروں کو روزہ چھوڑنے کی رخصت نہ دینے پر اصرار کرنے والے مفتی حضرات کو ایک دن بھٹے پر اینٹیں ڈھونے اور سڑک پر روڑی کوٹنے کی مزدوری کے ساتھ روزہ رکھوانا چاہیے۔

جو لوگ بھی مزدور کو روزہ رکھوانے پر زور لگا رہے ہیں، کبھی انہیں جون جولائی میں آٹھ گھنٹے کی ٹوکری اٹھا کر روزہ رکھنے کا اتفاق بھی ہوا یا نہیں؟ باقی مزدور کو رات کو مزدوری کرنی چاہیے، مزدور کو چھٹی کر لینی چاہیے، یہ ساری تجویزیں یا تو حکومت کو دینے کی ہیں یا پھر چھٹی والے دن مزدور کے گھر راشن بھیجنے کا انتظام معاشرہ لے تاکہ وہ رمضان میں اطمینان سے روزے رکھ سکے۔ وہ تو کسی نے کرنا نہیں ہے، البتہ مزدور کو مزدوری کے ساتھ روزہ بھی رکھوانا ہماری ایمانی ذمہ داری ہے۔

کچھ دوستوں نے مثالیں بیان کی ہیں کہ فلاں مزدور نے روزہ بھی رکھا اور مزدوری بھی کی ہے۔ اس بارے عرض یہ ہے کہ مزدور ایک بہت وسیع اصطلاح ہے کہ آپ کے گھر میں رنگ روغن کرنے والا بھی مزدور ہی کہلاتا ہے لیکن یہاں بات ان مزدوروں کی ہو رہی ہے جو آٹھ گھنٹے جون جولائی میں سر پر ٹوکری اٹھاتے ہیں یا بھٹے میں تپتی آگ میں آٹھ گھنٹے اینٹیں ڈھونے کا کام کرتے ہیں وغیرہ۔ اس پر کسی نے کوئی مثال بیان نہیں کی کہ ان کی کسی ایسے مزدور سے ملاقات ہوئی ہو کہ جو روزہ بھی رکھتا ہو، البتہ لوگ ادھر ادھر کی باتوں میں مصروف ہو گئے۔ پس کچھ تو ملازمت پیشہ افراد کو بھی رخصت دینے کے طعنے مارنے میں مصروف ہیں اور کچھ ٹھیکیداری کو ٹوکری اٹھانے کے برابر لا رہے ہیں۔ اور بعض کا تو خیال ہے کہ مزدور اگر دوسرے شہر سے مزدوری کرنے آیا ہے تو وہ روزہ چھوڑ سکتا ہے کہ مسافر ہے اور جو اسی شہر کا ہے، تو اس کو رخصت نہیں ہے، یہ بھی عجب فرق ہے!

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مجلس کی تین طلاق

دوست کا سوال ہے کہ ایک مجلس میں یا ایک ساتھ تین طلاق کا شرعی حکم کیا ہے؟ جواب:
شریعت اسلامیہ میں طلاق دینے کا صحیح طریق کار یہ ہے:-

- بیوی کو ایک وقت میں ایک ہی طلاق دی جائے۔
- اور یہ طلاق بھی حالت طہر یعنی بیوی کی پاکی کی حالت میں ہو۔
- اور یہ طلاق اس طہر میں ہو کہ جس میں بیوی سے مباشرت یا تعلق زوجیت قائم نہ کیا ہو۔

پس ایسے طہر میں کہ جس میں بیوی سے مباشرت نہ کی ہو، ایک طلاق دینا طلاق سنی کہلاتا ہے جبکہ ایک وقت میں تین طلاقیں دینا یا حیض و نفاس کی حالت میں طلاق دینا یا جس طہر میں بیوی سے تعلق قائم کیا ہو، اس میں طلاق دینا، طلاق بدعی ہے یعنی سنت کے مطابق نہیں ہے اور بدعت ہے۔

جب عورت کو حالت طہر میں ایک وقت میں ایک طلاق دی جائے تو یہ طلاق، طلاق رجعی کہلاتی ہے اور اس کی عدت تین حیض ہے۔ اگر اس عدت میں خاوند رجوع کر لے تو عورت اس کے نکاح میں باقی رہے گی۔ اور اگر خاوند حالت طہر میں ایک طلاق دینے کے بعد رجوع نہ کرے تو عدت گزرنے کے بعد عورت اپنے خاوند سے جدا ہو جاتی ہے لیکن اس صورت میں عورت کے پاس دو آپشن ہوتے ہیں:-

- چاہے تو اپنے سابقہ خاوند سے دوبارہ نکاح کر لے۔
- اگر چاہے تو کسی اور مرد سے نکاح کر لے۔

طلاق کی یہ صورت طلاق احسن یعنی بہترین طلاق کہلاتی ہے کہ جس میں ایک طلاق کے ذریعے دوران عدت رجوع نہ کر کے بیوی کو فارغ کر دیا جاتا ہے اور اس میں آپس میں دوبارہ نکاح کا آپشن بھی موجود رہتا ہے۔ ہمارے ہاں جہالت کے سبب سے عوام، بلکہ عرضی نویس اور وکلاء تک بھی ایک ہی وقت میں تین طلاقوں کے تحریری نوٹس بھجوا دیتے ہیں حالانکہ یہ طرز عمل سراسر شریعت کے خلاف ہے۔ سنن النسائی کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو ایک شخص کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے خبر دی گئی کہ جس نے ایک ہی ساتھ اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دی تھیں۔ آپ ﷺ (یہ سن کر) غصے سے کھڑے ہو گے اور فرمایا: کیا کتاب اللہ کو کھیل تماشا بنا لیا گیا ہے جبکہ میں ابھی تمہارے درمیان موجود ہوں۔ (اللہ کے رسول ﷺ کو اس قدر شدید غصے میں دیکھ کر حاضرین مجلس میں سے) ایک شخص نے کہا: کیا میں اسے (یعنی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے والے کو) قتل کر دوں؟ اسی طرح قرآن مجید میں ہے ﴿الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ﴾ [البقرۃ: 229] ترجمہ: طلاق دو مرتبہ ہے۔ اس آیت مبارکہ میں "طلقتان" یعنی دو طلاقیں نہیں کہا ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ طلاق دو مرتبہ ہے یعنی ایک بار ایک طلاق ہے اور پھر دوسری بار کسی دوسرے وقت میں دوسری طلاق ہو گی۔ پس ایک وقت میں ایک ہی طلاق جائز ہے۔

اب طلاق دینے کا شرعی طریق کار تو یہی ہے کہ ایک وقت میں ایک طلاق دے لیکن اگر کوئی شخص ایک وقت میں ایک سے زیادہ طلاق دے دے تو کیا یہ واقع ہو جاتی ہیں؟ تو اس میں اختلاف ہو گیا۔ اکثر اہل علم کے نزدیک ایک وقت کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں اور پاکستان میں عام طور حنفی علماء کا موقف یہ ہے کہ ایک وقت میں تین طلاقیں دینا طلاق بدعی ہے اور ایسا کرنے والا گناہ گار ہے لیکن تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی جبکہ اہل علم کی ایک دوسری جماعت کا موقف یہ ہے کہ ایک وقت میں تین طلاقیں، طلاق بدعی ہیں اور اس کا مرتکب گناہ گار ہو گا لیکن یہ تین طلاقیں ایک ہی طلاق شمار ہوں گی۔ پاکستان میں بعض حنفی علماء اور عام طور اہل حدیث علما کا یہی موقف ہے۔ ہماری رائے میں دوسرا موقف ہی راجح، کتاب و سنت اور مقاصد شریعت کے مطابق ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت کے الفاظ ہیں:

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: طَلَّقَ رُكَانَةُ بْنُ عَبْدِ يَزِيدَ أَخُو بَنِي الْمُطَّلِبِ امْرَأَتَهُ ثَلَاثًا فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ، فَحَزِنَ عَلَيْهَا حُزْنًا شَدِيدًا، قَالَ: فَسَأَلَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَيْفَ طَلَّقْتَهَا؟ قَالَ: طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا، قَالَ: فَقَالَ: فِي مَجْلِسٍ وَاحِدٍ؟ قَالَ: نَعَمْ قَالَ: فَإِنَّمَا تِلْكَ وَاحِدَةٌ فَأَرْجِعْهَا إِنْ شِئْتَ قَالَ: فَرَجَعَهَا فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ: يَرَى أَنَّمَا الطَّلَاقُ عِنْدَ كُلِّ طُهْرٍ»

"حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ نے اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے دیں اور اس پر شدید غمگیں ہوئے۔ راوی کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان صحابی سے دریافت فرمایا: تم نے اپنی بیوی کو کیسے طلاق دی ہے؟ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے اسے تین طلاقیں دی ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: کیا ایک ہی وقت میں تین طلاقیں؟ رکانہ نے عرض کی: جی ہاں! اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: یہ صرف ایک ہی طلاق ہے۔ پس اگر تو چاہتا ہے تو اپنی بیوی سے رجوع کر لے۔ پس رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے رجوع کر لیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ ہر طہر میں ایک طلاق ہو گی۔ (یعنی خاوند نے اگر تین طلاقیں دینی ہو تو ایک ساتھ دینے کی بجائے ہر طہر میں ایک طلاق دے گا یعنی ایک ایک مہینے کے وقفے کے ساتھ دوسری اور تیسری طلاق دے گا)۔"

جو علماء ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک ہی طلاق شمار کرتے ہیں جیسا کہ امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم، شیخ احمد شاکر اور علامہ البانی رحمہم اللہ وغیرہ تو ان کے نزدیک یہ روایت مقبول (accepted) ہے جبکہ جمہور علماء جو کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے ہیں تو ان کے نزدیک یہ روایت ضعیف ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کی زندگی میں، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں ایک ہی وقت کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دینے کا رجحان بہت بڑھ گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ ایسے شخص کی کیا سزا تجویز کرنی چاہیے جو ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دیتا ہے جبکہ شریعت نے سختی سے اس سے منع فرمایا ہے۔ صحابہ کرام کی باہمی مشاورت سے یہ طے پایا کہ ایسے شخص کی سزا یہ ہے کہ اس پر تین طلاقیں قانوناً نافذ کر دی جائیں۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ:

«عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: "كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي بَكْرٍ، وَسَنَتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ، طَلَاقُ الثَّلَاثِ وَاحِدَةً، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرٍ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ أَنَاةٌ، فَلَوْ أَمْضَيْنَاهُ عَلَيْهِمْ، فَأَمْضَاهُ عَلَيْهِمْ»

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی تھیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ لوگوں نے طلاق کے معاملے میں جلدی کی ہے (یعنی ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینے لگ گئے ہیں) حالانکہ انہیں اس بارے مہلت دی گئی تھی (کہ وہ تین طہر یا تین مہینوں میں تین طلاقیں دیں)۔ کاش! کہ ہم ایسے لوگوں پر تین طلاقیں جاری کر دیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں تین طلاقوں کے طور جاری کر ہی دیا۔"

پس اس وقت سے اہل علم میں یہ اختلاف چلا آ رہا ہے کہ ایک وقت کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی یا تین۔ جمہور کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ (judgement) اگرچہ سیاسی اور قانونی نوعیت کا تھا لیکن چونکہ اس میں صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت کی مشاورت بھی شامل تھی لہذا ہمارے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فیصلہ حجت (binding) ہے جبکہ اہل علم کی دوسری جماعت کا کہنا یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ سیاست و قضاء سے تعلق رکھتا ہے جو اس وقت کے لوگوں کے لیے تو بطور قانون لازمی امر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن بعد میں آنے والے علماء، مفتیان کرام اور جج حضرات کے لیے اس فیصلے کی حیثیت ایک عدالتی نظیر (precedent) سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور جب یہ عدالتی فیصلہ اصل قانون (primary source of Islamic law) سے ٹکرا رہا ہو گا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ سے تو اس صورت میں اصل قانون کو ترجیح دی جائے گی۔ اور اس فیصلے (judgement) کی یہ توجیہ کی جائے گی کہ یہ فیصلہ ضرورت کے نظریہ کے تحت عبوری اور وقت دور کے لیے ایک صدارتی آرڈیننس کی حیثیت رکھتا تھا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے "إعلام الموقعين" میں لکھا ہے کہ صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عباس، زبیر بن عوام، عبدالرحمن بن عوف، ایک روایت کے مطابق حضرت علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتوی ہے کہ ایک وقت کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی ہیں۔ تابعین میں سے حضرت عکرمہ، طاؤس رحمہ اللہ اور تبع تابعین میں محمد بن اسحاق، خلاص بن عمرو، حارث عکلی، داؤد بن علی رحمہم اللہ اور بعض اہل ظاہر، بعض مالکیہ، بعض حنفیہ اور بعض حنابلہ کا بھی یہی موقف رہا ہے کہ ایک مجلس کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوں گی۔

یہ بیان کرنا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ 1929ء میں مصر میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی اہل علم کی ایک جماعت کی سفارشات پر وضع کیے جانے والے ایک قانون کے ذریعے ایک وقت کی متعدد طلاقوں کو قانوناً ایک ہی طلاق شمار کیا جاتا ہے۔ اسی قسم کا قانون سوڈان میں 1935ء میں، اردن میں 1951ء میں، شام میں 1953ء میں، مراکش میں 1958ء میں، عراق میں 1909ء میں اور پاکستان میں 1961ء میں نافذ کیا گیا۔ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک شمار کرنے والوں میں معاصر حنفی علما میں معروف دیوبندی عالم دین مولانا سعید احمد اکبر آبادی (انڈیا)، مولانا عبد الحلیم قاسمی (جامعہ حنفیہ گلبرگ، لاہور) اور جامعہ ازہر کے فارغ التحصیل بریلوی حنفی عالم دین مولانا پیر کرم شاہ (سابق جج سپریم اپیلیٹ شریعت بنچ، پاکستان) وغیرہ بھی شامل ہیں۔ معاصر علمائے عرب میں شیخ ازہر شیخ محمود شلتوت حنفی (جامعہ ازہر، مصر)، ڈاکٹر وہبہ الزحیلی شافعی (دمشق، شام)، شیخ جمال الدین قاسمی، شیخ سید رشید رضا مصری اور ڈاکٹر یوسف قرضاوی نے بھی ایک وقت کی تین طلاقوں کو ایک ہی شمار کیا ہے۔[1]

ضمنی فائدہ کے طور پر ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ایک ہی وقت کی تین طلاقوں کی صورت میں پہلے سے طے شدہ حلالہ کا مروجہ طریق کار یا حیلہ، شرعاً ناجائز اور نکاح باطل (void) ہے کیونکہ یہ وقتی نکاح ہے اور وقتی نکاح اسلام میں جائز نہیں ہے۔ سنن ابن ماجہ کی ایک صحیح روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں کرائے کے سانڈ کے بارے خبر نہ دوں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: کیوں نہیں اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ نے فرمایا: وہ حلالہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالی حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت فرمائے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ اگر میرے پاس حلالہ کرنے والے اور کروانے والے کو لایا گیا تو میں انہیں سنگسار کر دوں گا۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ ہمارے نزدیک راجح اور صحیح موقف کے مطابق شریعت اسلامیہ میں

[1] مزید تفصیل کے لیے حافظ صلاح الدین یوسف صاحب کی کتاب "ایک مجلس کی تین طلاقیں اور ان کا شرعی حل" دیکھیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہوتی ہیں۔ اگرچہ عملاً میں ایسا ہی کرتا ہوں کہ سائل سے پوچھ لیتا ہوں کہ آپ کا مسلک کیا ہے؟ اگر حنفی ہو تو اس کے مسلک کے مطابق جواب دے دیتا ہوں اور اگر اہل حدیث ہو تو اہل حدیث علماء کا موقف بتلا دیتا ہوں۔ اور اگر کوئی میری رائے جاننا چاہے تو اپنا موقف بتلا دیتا ہوں۔ اور یہ اس لیے کرتا ہوں کہ میں نہیں چاہتا کہ یہ بیچارے اس بات پر پریشان ہوں کہ ان کی مرغیاں (followers) میرے دڑبے میں کیوں آ رہی ہیں اور خواہ مخواہ میرے رد میں اپنی توانائیاں اور اوقات ضائع کرنے بیٹھ جائیں کہ خود میری کوئی اوقات نہیں ہے کہ میرے رد میں قیمتی اوقات کھپائے جائیں۔ ان مسائل میں ایک دوسرے سے جو علمی کشتیاں لڑی جا چکی ہیں تو اس کے نتیجے میں سب مذہبی پہلوان اکھاڑے میں تاحال ہانپ رہے ہیں۔ اب انہیں بھی سکون چاہیے اور یہ سکون آپ انہیں اسی طرح میسر کر سکتے ہیں کہ انہیں اطمینان کروا دیں کہ آپ کو ان کی مرغیوں (followers) سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ خواہ مخواہ میں ایک علمی بحث کرنا چاہتے ہیں کہ شاید اس رستے سے امت میں تقلیدی جمود اور مادر پدر آزادی کے مابین اجتہادی رویہ پروان چڑھ سکے۔

دو گواہوں کی غیر موجودگی میں طلاق کا حکم

دوست نے سوال کیا کہ کیا دو گواہوں کی غیر موجودگی میں طلاق ہو جاتی ہے؟ جواب: فقہاء نے طلاق کی دو قسمیں بیان کی ہیں؛ ایک طلاق سنی ہے اور دوسری طلاق بدعی۔ اگر تو اُس طریقے کے مطابق طلاق دی جائے جو کتاب وسنت میں بیان ہوا ہے تو اسے "طلاق سنی" کہا جاتا ہے اور اگر اس طریقے کے مطابق طلاق نہ دی جائے جو کتاب وسنت میں مذکور ہے تو اسے "طلاق بدعی" کہتے ہیں۔

اب سب فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس طریقے کے مطابق طلاق دینی چاہیے کہ جو کتاب وسنت میں بیان ہوا ہے۔ اور شریعت میں طلاق دینے کا طریقہ یہ ہے کہ اُس حالت طہر میں ایک طلاق دے کہ جس میں عورت سے مباشرت کا تعلق قائم نہ کیا ہو اور اس طلاق پر دو گواہ بھی بنائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس طریقہ کار کو اپنی کتاب صحیح البخاری میں "وَطَلاَقُ السُّنَّةِ: أَنْ يُطَلِّقَهَا طَاهِرًا مِنْ غَيْرِ جِمَاعٍ، وَيُشْهِدَ شَاهِدَيْنِ" ترجمہ: سنت طلاق یہ ہے کہ عورت کو طہر یعنی پاکی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی حالت میں طلاق دے اور اس طہر میں طلاق دے کہ جس میں اس سے مباشرت کا تعلق قائم نہ کیا ہو اور طلاق پر دو گواہ بنالے، کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔

پس طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو ایک وقت میں تین طلاقیں دے دیں یا پہلی طلاق سے رجوع کیے بغیر دوسری طلاق دے۔ طلاق بدعی یہ بھی ہے کہ ایک شخص حالت حیض (menses) یا حالت نفاس (postpartum-period) میں بیوی کو طلاق دے۔ بدعی طلاق یہ بھی ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو اس طہر میں طلاق دے کہ جس میں اس سے تعلق قائم کر چکا ہو۔ اور بدعی طلاق یہ بھی ہے کہ ایک شخص دو گواہوں کی غیر موجودگی میں بیوی کو طلاق دے۔ طلاق کے باب میں شریعت یہ چاہتی ہے کہ طلاق کے وقت شوہر کی پوری رغبت بیوی کی طرف موجود ہو اور شوہر اپنے مکمل ہوش و حواس میں ہو۔

پس علماء میں اختلاف اس میں ہو گیا کہ اگر کسی شخص نے کتاب و سنت کے طریقے کے مطابق طلاق نہ دی، تو کیا اس کی طلاق ہو جائے گی؟ جمہور علماء (majority) کا کہنا یہ ہے کہ ایسی طلاق دینے والا گناہ گار ہو گا لیکن طلاق ہو جائے گی لیکن بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ ایسی طلاق دینے والا گناہ گار بھی ہے اور ایسی طلاق واقع بھی نہیں ہو گی۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"الطلاق البدعي أنواع منها: أن يطلق الرجل امرأته في حيض أو نفاس أو في طهر مسها فيه، والصحيح في هذا أنه لا يقع." [مجموع الفتاوى: 58/20]

"اگر کسی شخص نے حالت حیض یا حالت نفاس میں یا ایسے طہر میں بیوی کو طلاق دی کہ جس میں بیوی سے تعلق قائم کر چکا ہو تو یہ طلاق بدعی ہے اور صحیح قول کے مطابق یہ طلاق نہیں ہوتی ہے۔"

شیخ بن باز رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ طلاق بدعی اگر عدد میں ہو تو واقع ہو جاتی ہے اور اگر حالت میں ہو تو واقع نہیں ہوتی جیسا کہ اگر ایک ساتھ تین طلاقیں دی ہیں تو یہ طلاق کے عدد میں بدعت ہے لہذا تین طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اور اگر حالت حیض یا حالت نفاس یا اس طہر میں طلاق دی ہے کہ جس میں عورت سے مباشرت کر چکا ہو تو وہ طلاق واقع نہیں ہوتی ہے اگرچہ ایسا کرنے والا گناہگار ہو گا اور یہ طلاق کی حالت میں بدعت ہے۔ اور شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ حالت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیض، حالت نفاس اور اس طہر میں کہ جس میں بیوی سے تعلق قائم کیا ہو، ان تین صورتوں اگر مجھ سے عورت کی عدت کے دوران فتوی پوچھا جائے تو راجح قول کے مطابق یہ کہتا ہوں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ اور اگر عدت کے بعد پوچھا جائے تو جمہور کے قول کے مطابق طلاق کے واقع ہونے کا فتوی دیتا ہوں۔

اسی طرح معاصر علماء میں علامہ البانی رحمہ اللہ کا فتوی یہ ہے کہ حالت حیض، حالت نفاس اور اس طہر میں کہ جس میں بیوی سے تعلق قائم کیا ہو، اسے دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی اور اسی طرح دو گواہوں کی غیر موجودگی میں بھی طلاق نہیں ہوتی ہے جبکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ دو گواہوں کی غیر موجودگی میں طلاق کے قائل ہیں۔ متقدمین میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ، امام محمد الباقر رحمہ اللہ، امام جعفر الصادق رحمہ اللہ، عطاء رحمہ اللہ، ابن جریج رحمہ اللہ اور ابن سیرین رحمہ اللہ وغیرہ دو گواہوں کے بغیر طلاق کو طلاق شمار نہیں کرتے ہیں جبکہ جمہور کا موقف ہمیشہ یہی رہا ہے کہ دو گواہوں کے بغیر بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ البتہ اہل تشیع میں موقف یہی ہے کہ دو گواہوں کے بغیر طلاق نہیں ہوتی ہے۔ امام ابن حزم، شیخ ابو زہرہ اور شیخ احمد شاکر رحمہم اللہ کا موقف بھی یہی ہے کہ طلاق کے وقت دو گواہوں کی موجودگی واجب ہے۔

طلاق کے مسائل میں اگر کوئی راقم کی طرف رجوع کرے تو اس سے پوچھ لیتا ہوں کہ آپ کا مسلک کیا ہے؟ اگر حنفی ہو تو اس کے مسلک کے مطابق جواب دے دیتا ہوں اور اگر اہل حدیث ہو تو اہل حدیث علماء کا موقف بتلا دیتا ہوں۔ لیکن اگر کوئی راقم کی رائے جاننا چاہے تو اپنا موقف بتلا دیتا ہوں، اور وہ یہی ہے کہ میرے نزدیک طلاق بدعی واقع نہیں ہوتی ہے کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس نے ہمارے اس دین میں اس چیز کا اضافہ کیا کہ جو دین میں نہیں ہے، وہ مردود ہے۔ اب یہ کہ دو گواہوں کی غیر موجودگی میں طلاق، طلاق بدعی ہے یا نہیں تو اس میں اختلاف ہو گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اسے طلاق بدعی شمار کرتے ہیں جبکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اسے طلاق بدعی میں شمار نہیں کرتے ہیں کہ ان کے نزدیک شروع میں طلاق میں گواہ بنانے کا حکم موجود نہ تھا، اور یہ حکم بعد میں خاص حالات میں دیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوی پر ہاتھ اٹھانا

دوست نے سوال کیا ہے کہ کیا بیوی پر ہاتھ اٹھانا جائز ہے؟ جواب: اس مسئلے میں اصل حکم یہ ہے کہ بیوی پر ہاتھ نہ اٹھائے جیسا کہ صحیح مسلم میں اللہ کے رسول ﷺ کے بارے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی بھی نہ تو اپنی کسی بیوی پر ہاتھ اٹھایا اور نہ ہی کسی خادم کو مارا۔ تو سنت کا اہتمام کرنے والوں کے لیے تو اسوہ حسنہ یہی ہے اور قرآن مجید میں بھی یہی حکم ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء: 19] کے الفاظ میں نقل ہوا ہے کہ ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی گزر بسر کرو۔

سنن ابو داؤد کی ایک روایت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں پر ہاتھ مت اٹھاؤ۔ تو کچھ عرصہ بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے اور کہا کہ اے نبی کریم ﷺ! آپ کے اس حکم کی وجہ سے بہت سی عورتوں نے اپنے شوہروں پر چڑھائی شروع کر دی ہے۔ تو آپ نے اپنا حکم واپس لے لیا۔ پھر کچھ ہی عرصہ بعد بہت سی خواتین ازواج مطہرات کے پاس اپنے شوہروں کی شکایات لے کر جمع ہو گئیں تو آپ نے خطبہ دے کر صحابہ سے کہا کہ جن کی عورتیں میرے پاس ان کی شکایات لے کر آئی ہیں، وہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کو پسند نہیں فرمایا کہ جو اپنی بیویوں پر ہاتھ اٹھاتے ہوں۔ پس قرآن مجید میں جو بیویوں کو مارنے کی اجازت ہے تو اس کا ایک معنی تو یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی پر نشوز کی صورت میں ہاتھ اٹھا لے، اگرچہ اسے حکم یہی ہے کہ وہ ہاتھ نہ ہی اٹھائے لیکن اگر اٹھا لے، تو خاوند سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ تفسیر ابن کثیر اور تفسیر قرطبی وغیرہ میں موجود شان نزول کی روایات میں ہے کہ ایک صحابی نے اپنی بیوی کے نشوز پر انہیں تھپڑ دے مارا تو وہ اپنے والد کے ساتھ آپ کی خدمت میں آئیں تو آپ نے کہا کہ خاوند سے قصاص لیا جائے لیکن اس پر اللہ عزوجل نے یہ آیات نازل فرما دیں تو آپ نے فرمایا کہ ہم نے کچھ ارادہ کیا تھا اور اللہ عزوجل نے کچھ اور چاہا۔

دوسری بات یہ ہے کہ بیوی پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت عمومی (general) نہیں بلکہ استثنائی (exceptional) ہے کہ صرف ان عورتوں پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت دی گئی ہے کہ جن میں نشوز

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی سرکشی اور بغاوت ہو۔ قرآن مجید گھر کے ادارے میں مرد کی حاکمیت کو برقرار رکھنا چاہتا ہے کہ وہ گھر کا سربراہ اور اولاد کا مربی (mentor) ہے۔ اور اگر عورت، مرد کی اس حاکمیت کو قبول نہ کرے اور اس کے بالمقابل کھڑی ہو جائے تو اسے نشوز کہتے ہیں۔ اور یہ رویہ خاندان، اولاد اور نسل سب کچھ تباہ کر دینے کے مترادف ہے۔ جس گھر میں عورت کا نشوز ہو گا، وہاں اولاد کبھی اپنے باپ کی فرمانبردار نہیں ہو سکتی بلکہ اس کی عزت تک نہیں کرے گی۔

تیسری بات یہ کہ ہاتھ اٹھانے کی بھی اجازت ہے، حکم نہیں ہے جیسا کہ حالت احرام سے نکلنے کے بعد کہا کہ ﴿فَاصْطَادُوا﴾ [المائدۃ: 2] ترجمہ: تم شکار کر لو۔ اب اس کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی احرام سے نکلنے کے بعد شکار کر لے تو گناہ اور کفارہ نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ادھر سے حاجی احرام سے نکلے، اور ادھر سے بندوقیں پکڑ کر چالیس لاکھ کا مجمع شکار پر نکل کھڑا ہو۔ چوتھی بات یہ ہے کہ وہ بھی ہلکی مار کی اجازت ہے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ یہ اجازت بھی آخری درجے میں دی گئی کہ پہلے وعظ و نصیحت ہو۔ اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو بستر علیحدہ کر لیں۔ اور اگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو پھر کچھ سختی کرنے کی اجازت ہے تاکہ ایک چھوٹے ضرر کو قبول کر کے ایک بڑے ضرر سے بچا جا سکے اور وہ بڑا ضرر طلاق کا ضرر ہے۔ واللہ اعلم۔ اور معاشرے میں جو لوگ بیویوں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں تو وہ قرآن مجید پڑھ کر نہیں اٹھاتے، معاشرہ ویسے ہی اخلاقی طور پر بہت گرا ہوا ہے۔ لہذا اس ظلم کو ختم کرنے کے لیے اخلاقی تربیت کی ضرورت ہے نہ کہ قرآن مجید کو تبدیل کرنے کی۔

لونڈی کا ستر: فقہاء کی نظر میں

دوست نے سوال کیا کہ لونڈی کا ستر کیا ہے؟ میں نے کہا کہ قرآن مجید میں سورۃ احزاب، آیت 59 میں حکم ہے کہ ﴿وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ یعنی مومنوں کی عورتیں اپنے اوپر جلباب لٹکا لیں اور جلباب وہ چادر ہے جو زمانہ جاہلیت میں عورتیں اپنے سر پر اوڑھتی تھیں اور غیر محرم کے سامنے اسی چادر سے گھونگھٹ نکال لیتی تھیں۔ اور مومنوں کی عورتوں میں آزاد اور لونڈی دونوں شامل ہیں۔

اس نے کہا کہ مجھے قرآن مجید سے نہیں فقہاء کی رائے بتلائیں۔ میں نے کہا کہ امام ابن حزم، امام

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابن تیمیہ، امام ابو حیان الاندلسی رحمہم اللہ۔ اس نے کہا آپ یہی کہنا چاہتے ہیں ناں کہ یہ حضرات بھی آزاد عورت اور لونڈی کا ستر ایک ہی جیسا بیان کرتے ہیں اور ان دونوں میں زیادہ فرق نہیں کرتے۔ مجھے ان کا موقف نہیں جاننا بلکہ مجھے ان فقہاء کا موقف بیان کریں کہ جن کی بات مولانا عمار خان ناصر صاحب کر رہے ہیں۔

میں نے کہا: بھائی بات یہ ہے کہ متقدمین فقہاء نے عام طور اپنی کتابوں میں جس ستر کا ذکر کیا ہے، وہ نماز کے باب میں، نماز میں عورت کا ستر ہے۔ اور اس ذیل میں متقدمین فقہاء نے یہ نقل کیا ہے کہ لونڈی کا ستر، یعنی نماز میں، ناف سے گھٹنوں تک ہے۔ اس نے کہا یہ ہوئی نا بات۔

اب یہ بتلائیں کہ کیا لونڈی اتنے سے مختصر کپڑوں میں نماز پڑھ سکتی ہے؟ میں نے کہا: یہ فقہاء نے نہیں کہا کہ وہ اتنے مختصر کپڑوں میں نماز پڑھے بلکہ فقہاء یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اس کی نماز کب باطل ہو گی اور کب نہیں؟ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر ستر کی جگہ سے اس کا کپڑا سرک جائے تو اس کی نماز باطل ہو گی اور اگر اس کے علاوہ سے کپڑا سرک جائے تو نماز باطل نہ ہو گی۔

تو یہ لونڈی کے لیے نماز میں دی گئی ایک رخصت کا بیان ہے، بس۔ اگر فقہاء مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک بیان کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ مرد جانگی میں نماز پڑھا کریں بلکہ یہ بتلانے کا مقصد صرف یہ ہے کہ اگر نماز میں اس جگہ سے کپڑا سرک جائے اور جسم کا کوئی حصہ کھل جائے تو وہ نماز باطل ہو جائے گی۔

اس نے کہا: مزا نہیں آیا، مولانا عمار خان ناصر تو لونڈی کو دیکھنے ویکھنے کی بات کر رہے تھے۔ میں نے کہا: ٹھیک ہے کہ متاخرین فقہاء نے اس مسئلے میں، یعنی نماز میں لونڈی کے ستر کے مسئلے میں، اس کا بھی اضافہ کر دیا ہے کہ اگر کوئی مرد کسی لونڈی کو خرید رہا ہے، اور یہ واضح رہے کہ لونڈی استمتاع کے لیے ہی خریدی جاتی تھی، تو اس کے لیے لونڈی کو کس حد تک دیکھنا جائز ہے جیسا کہ فقہاء نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ اگر کسی آزاد عورت سے منگنی کا ارادہ ہے تو اسے کس حد تک دیکھ لینا جائز ہے۔ اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ لونڈیاں بازار میں محض ستر ڈھانپ کر بیٹھی ہوتی تھیں۔

اس نے کہا کہ آپ اس قسم کی توجیہات سے ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ فقہاء سے غلطیاں نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئیں۔ میں نے کہا: نہیں، فقہاء معصوم نہیں تھے، ان سے غلطیاں ہوئی ہیں، لیکن اتنی نہیں جتنی استاذ امام سے آئے روز ہو رہی ہیں۔ بس، مسئلہ یہی ہے کہ دوسروں کو یہ نصیحت کرنا آسان ہے کہ مان لیں کہ آپ کے اکابر سے غلطی ہو سکتی ہے لیکن خود سے یہ اقرار کرنا بہت مشکل ہے کہ استاذ امام سے بھی غلطی ہو جاتی ہے۔

خواتین کا اپنے بالوں کو کاٹنا

ایک خاتون کا سوال ہے کہ کیا کوئی عورت اپنے بالوں کو کاٹ سکتی ہے؟ جواب: دیکھیں، اس قسم کے مسائل میں آراء کا اختلاف موجود ہے اور اس کی بنیادی وجہ دلیل سے زیادہ مزاج کا مسئلہ ہے۔ کچھ دینی مزاجوں میں سختی ہے تو وہ کھینچ کر دین سے سخت حکم نکال ہی لیتے ہیں۔ اور جن دینی مزاجوں میں نرمی ہے تو وہ آسانی کی طرف مائل رہتے ہیں اور تکلف سے استدلال نہیں کرتے۔

کچھ علماء کی رائے ہے کہ خاتون اپنے سر کے بال چھوٹے کر سکتی ہے لیکن اتنے چھوٹے نہ کرے کہ مردوں سے مشابہت ہو جائے کہ جسے بوائے کٹنگ کہتے ہیں، وہ نہ کروائے۔ اور کچھ کے خیال میں یہ جائز نہیں ہے۔ کچھ کی رائے یہ ہے کہ اگر خاوند کی خواہش ہو تو اس کے لیے بیوی ایسا کر سکتی ہے۔ اور کچھ کا خیال کہ ضرورت میں ایسا جائز ہے مثلاً بالوں میں جوئیں وغیرہ پڑ جائیں تو جائز ہے لیکن بلا ضرورت ایسا نہ کرے۔ رائے کا یہ اختلاف کٹنگ کے علاوہ ڈائے (dye) کرنے کے بارے میں بھی ہے کہ وہاں بھی اگر ایک رائے جواز کی ہے تو دوسری یہ بھی ہے کہ ضرورت کے بغیر ڈائے نہیں کر سکتے اور ضرورت سے ان کی مراد بالوں کا وقت سے پہلے سفید ہونا ہے وغیرہ۔

لیکن میری رائے میں اس قسم کے مسائل میں خوبصورتی اور حسن کے حصول کے لیے بھی کٹنگ یا ڈائے وغیرہ جائز ہے۔ اس میں کسی قسم کا کوئی حرج نہیں ہے کہ خوبصورتی اور حسن کا حصول خود دین میں مطلوب ہے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق ازواج مطہرات اتنے بال کاٹ لیا کرتی تھیں کہ جو ان کے کندھوں سے بس تھوڑا نیچے تک ہوتے تھے۔ تو بال کاٹنے میں حرج نہیں ہے بس اتنے زیادہ نہ کاٹے کہ وہ مردوں سے مشابہہ ہو جائیں۔ اور نہ ہی ڈائے کرنے میں حرج ہے البتہ بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ ڈائے کا کلر ایسا نہ ہو کہ جس سے دوسرے کو دھوکا ہو یعنی کوئی زیادہ عمر کی خاتون

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی عمر کم بتلانے کے لیے ایسے کلمہ سے ڈائے نہ کریں کہ جس سے دوسرے کو اشتباہ لاحق ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور لونڈی کی چھان پھٹک کرنے کے آثار

بعض دوستوں نے سوال کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے بعض آثار میں ہمیں ملتا ہے کہ وہ لونڈی خریدتے وقت لونڈی کی چھان پھٹک کرتے ہوئے اس کی پنڈلیاں دیکھتے تھے، اس کی کمر، پیٹ اور سینے پر ہاتھ رکھتے تھے، تو اس سب کی کیا حقیقت ہے؟

ان آثار کے تمام طرق کو سامنے رکھیں تو دو باتیں سامنے آتی ہیں؛ ایک یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ لونڈی کا بھاؤ تاؤ کرنے یعنی فقہی معنی میں ایجاب و قبول کرنے کے بعد یہ کام کرتے تھے۔ اور ایجاب و قبول کے بعد یہ لونڈی ان کی ملکیت تھی لہذا اس میں ان کا اس قسم کا تصرف جائز تھا۔ بعض روایات میں «إذا اشتری» ترجمہ: جب خرید لیتے اور بعض میں «فراضاهم على ثمن» ترجمہ: جب بیچنے والوں سے قیمت طے کر لیتے، کے الفاظ ہیں جو اس بات کی وضاحت ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ یہ چھان پھٹک سودا مکمل ہونے کے بعد کرتے تھے۔

اب اس پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ لونڈی خریدنے وقت ایجاب و قبول اور سودا ہونے کے بعد اس کی چھان پھٹک کا کیا فائدہ؟ تو فائدہ ہے کہ جسے جمہور فقہاء کی زبان میں "خیار مجلس" کہتے ہیں اور یہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ہی کی روایت سے مروی ہے کہ جب تک خرید و فروخت کرنے والے جدا نہیں ہو جاتے، اس وقت تک ان دونوں کو اپنے سودے سے واپسی کا اختیار ہے۔ پس وہ اس خیار مجلس کی سہولت کے تحت یہ چھان پھٹک کرتے تھے کہ خرید لینے کے بعد اگر کوئی جسمانی عیب موجود ہے، تو وہ دیکھ لیں۔

دوسری بات جو بیان ہوئی ہے، وہ یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سینے، پیٹ اور کمر پر جو ہاتھ رکھتے تھے تو وہ کپڑوں کے اوپر سے رکھتے تھے۔ یعنی یہ چھان پھٹک بھی لباس کے اوپر سے ہی ہوتی تھی جیسا کہ بیہقی کی روایت میں «وكأنه كان يضعها عليها من وراء الثوب» ترجمہ: گویا کہ وہ اپنے ہاتھ کپڑے کے اوپر سے رکھتے تھے، کے الفاظ ہیں البتہ پنڈلی کا کپڑا اٹھا کر دیکھ لیتے تھے۔

اور بعض آثار ایسے بھی ہیں کہ جن کی سند میں کلام بھی موجود ہے۔ جس نے آثار کی تحقیق کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے میں کچھ کلام دیکھنا ہو تو انباکس میں رابطہ کر لیں، لنک شیئر کر دیتا ہوں لیکن کلام عربی زبان میں ہے۔

ایک دوست نے کہا کہ ایسے موضوعات پر بات کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ تو عرض ہے کہ یہاں فیس بک پر ہر پوسٹ کی ایک ہسٹری ہوتی ہے کہ ایک مسئلہ اٹھتا ہے، اس پر بہت سے لوگ گفتگو کرتے ہیں، مکالمے کا ماحول گرم ہوتا ہے، کچھ لوگ بحث کو غلط رخ پر لے جانا چاہتے ہیں تو ہمیں پھر اس پر گفتگو کرنی پڑتی ہے۔ اب چونکہ آپ کے پاس وہ لوگ ایڈ نہیں ہیں جو میرے پاس ہیں لہذا آپ کے علم میں نہیں ہوتا کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ ایسی گفتگو مجبوراً گی جاتی ہے، وضاحت کے لیے، نہ کہ ہم لوگوں کو بتلا رہے ہوتے ہیں کہ یہ مسئلے بھی موجود ہیں بلکہ یہ مسئلے پہلے ہی سے لوگوں کے علم میں ہوتے ہیں۔ کچھ ملحدوں (atheists) نے طعنے لگا لگا کر کہا کہ صحابہ یہ کام کرتے تھے، تو اب آپ جواب نہ دیں تو کیا کریں؟ اور کچھ ماڈرنسٹوں نے استدلال کرنا شروع کر دیا کہ صحابہ تو یہ کچھ بھی لونڈی سے کر لیتے تھے تو آپ مذہبی لوگ ہمیں یونیورسٹی میں لڑکیوں سے محض ہاتھ ملانے سے بھی منع کرتے ہیں؟ اب آپ وضاحت نہ کریں تو کیا کریں؟ تو بات یونیورسٹی میں لڑکیوں سے ہاتھ ملانے سے چلی تھی کہ غامدی صاحب کے حلقہ کے کچھ دوستوں نے اس کے تناظر میں صحابہ کے بارے یہ باتیں شروع کر دیں تو یہ سب کچھ لکھنے کی یہ ہسٹری ہے۔

سجدۃ تلاوت کا طریقہ کار

ایک دوست کہ جنہیں غالباً شوافع کے پیچھے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے، کا سوال ہے کہ سجدۃ تلاوت کا صحیح طریق کار کیا ہے؟ اس بارے رہنمائی فرما دیں۔ جواب: فقہی مسائل میں میرا جواب دینے کا انداز یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں فقہاء کی مختلف آراء کا تذکرہ کر دیا جائے اور پھر جو رائے ہمیں کتاب وسنت کے زیادہ قریب معلوم ہو، اس کے راجح (preferred) ہونے کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ ہماری نظر میں یہ تمام فقہیں، ایک بڑی فقہ یعنی فقہ اسلامی کی شاخیں ہیں لہذا فقہی مسائل میں کتاب وسنت کی اتھارٹی میں ان تمام سے استفادہ کرنے کی صورت میں ہی کوئی معتدل رائے سامنے آسکتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہر حال سجدہ تلاوت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ سنت ہے جبکہ حنفیہ کے نزدیک یہ واجب ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ جس نے سجدہ تلاوت کو ترک کیا تو اس پر گناہ نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ سجدہ تلاوت کے لیے وضو کا ہونا شرط ہے یا نہیں، اس میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ بعض نے وضو کے ہونے کو لازم قرار دیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وضو لازم نہیں ہے کہ سجدہ تلاوت نماز نہیں ہے، صرف سجدہ ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا عمل یہ نقل ہوا ہے کہ وہ بغیر وضو بھی سجدۂ تلاوت کر لیتے تھے۔

تیسرا مسئلہ سجدہ تلاوت کے طریق کار کا ہے۔ اگر نماز کے علاوہ سجدہ تلاوت کرنا ہے تو جمہور (majority) فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ سجدہ کے لیے تکبیر تحریمہ نہیں کہیں گے جیسے شروع نماز میں ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہتے ہیں جبکہ بعض شافعیہ تکبیر تحریمہ کے قائل ہیں۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ سجدہ تلاوت کے لیے نہ تو تکبیر تحریمہ ہے اور نہ ہی سلام ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے بلکہ صرف سجدہ کے لیے جاتے وقت اللہ اکبر کہنا ہے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہنا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ تلاوت کی آیت پر اللہ اکبر کرتے ہوئے سجدہ میں جاتے تھے۔

اور سجدے میں وہ دعا کرنی ہے جو کہ سنت میں منقول ہو مثلاً صحیح مسلم میں یہ دعاء «سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَهُ، وَصَوَّرَهُ، وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ، تَبَارَكَ اللهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ» ہے۔ ترجمہ: میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا ہے کہ جس نے اسے بنایا ہے اور جس نے اپنی قوت اور قدرت سے میرے چہرے کو پھاڑ کر اس میں سے کان اور آنکھیں نکالی ہیں۔ اللہ تعالی بہت بابرکت اور پیدا کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ اگر نماز میں ہو تو نماز میں سجدہ تلاوت کے لیے جاتے وقت نہ تو رفع الیدین کرنا ہے اور نہ ہی جلسہ استراحت کرنا ہے کہ سجدہ تلاوت کے بارے منقول روایات میں ان باتوں کا ذکر نہیں ہے۔

اور آخری بات یہ کہ ہمارے ہاں اکثر ائمہ نماز باجماعت میں سجدہ تلاوت والی آیات پڑھنے سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گریز کرتے ہیں تو یہ درست نہیں ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا معمول تھا کہ ہر جمعہ کے دن فجر کی نماز کی پہلی رکعت میں سورۃ الم السجدۃ کی تلاوت کرتے تھے کہ جس میں سجدہ ہے اور دوسری رکعت میں سورۃ الدھر کی تلاوت کرتے تھے تو اس بارے سنت کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

سماجی اور انسانی علوم

انسانوں نے جو علوم ایجاد کیے ہیں، انھیں سوشل سائنسز، ہیومینیٹیز، مینیجمنٹ سائنسز، پیور سائنسز وغیرہ جیسی تقسیمات سے موسوم کیا گیا ہے۔ ہیومینیٹیز کے علوم کا مقصد آئیڈیل انسان اور سوشل سائنسز کا مقصد آئیڈیل سوسائٹی پیدا کرنا تھا۔

عہد حاضر میں، چلیں آئیڈیل نہ سہی مگر ماضی کے انسان سے بہتر انسان اور ماضی کے معاشروں سے بہتر معاشرے اگر ہم ان علوم کی بدولت وجود میں لے آئے ہیں تو مبارک ہیں یہ علوم۔

اور اگر معاملہ اس کے برعکس ہے کہ ماضی کا انسان آج کے انسان سے اور ماضی کا معاشرہ آج کے معاشروں سے بہت بہتر تھا، تو پھر کیا سوشل سائنسز اور ہیومینیٹیز میں ہزاروں کی تعداد میں جو پی ایچ ڈی کے مقالے، ریسرچ آرٹیکلز اور کتابیں پبلش کی گئی ہیں، اگر ان سب کو دریا برد کر دیا جائے تو آج کے انسان اور انسانی معاشروں پر کوئی فرق پڑے گا؟

جاہلیت قدیمہ اور جدیدیت

بھئی، کچھ لوگ جاہلیت قدیمہ کی گود میں بیٹھ کر جدیدیت کا رد کرنا چاہتے ہیں، ان سے بچ کر رہو۔ ان کی داڑھی، ٹوپی اور تسبیح تمھیں کسی غلط فہمی میں نہ ڈال دے۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب پنجم

سیرت اور تاریخ

اس باب میں سیرت اور تاریخ (History and Biography of the Prophet) کے بارے بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلافت وملوکیت از مولانا مودودی رحمہ اللہ اور اصول تاریخ کی تنقیح

دوست نے سوال کیا ہے کہ مولانا مودودی رحمہ اللہ کی کتاب "خلافت وملوکیت" کے بارے کیا رائے ہے؟ میں نے کہا کہ بے کار کی کتاب ہے، اگر آپ کے پاس ہو تو ردی والے کو دے دیں۔ اس نے کہا کہ اس میں مسئلہ کیا ہے؟ سید مودودی رحمہ اللہ نے تو تاریخ کے بنیادی مصادر سے صرف حوالے جمع کیے ہیں، کوئی اپنی طرف سے باتیں بنا کر تھوڑی لکھی ہیں۔ میں نے کہا کہ مولانا مودودی رحمہ اللہ بیسویں صدی کے بہت بڑے مفکر ہے، ان کی فکری اور تحریکی خدمات کا انکار ممکن نہیں ہے لیکن جہاں تک اس کتاب کا معاملہ ہے تو اس میں مولانا نے چند بنیادی غلطیاں کی ہیں جو درج ذیل ہیں:-

مولانا کی پہلی غلطی تو یہ ہے کہ یہ کہہ کر کہ تاریخ کی کتابوں کو ہم اصول حدیث سے نہیں پرکھ سکتے کہ اس طرح تاریخ میں سے کچھ باقی نہ بچے گا، تاریخ کے نام پر ہر رطب ویابس کو قبول کر لیتے ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ حدیث اور تاریخ کو پرکھنے کے اصول ایک جیسے نہیں ہیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ تاریخی روایات کی جانچ پڑتال کے کوئی اصول ہی نہیں ہیں۔ کبھی کبھار دل کرتا ہے کہ اصول تاریخ کے فن پر ایک مستقل مقالہ تصنیف کر دیا جائے۔

دوست نے کہا کہ کوئی ایک دو اصول تاریخ بتلائیں کہ جن کی روشنی میں ہم کسی تاریخی واقعے کی صحت وضعف کو جانچ سکیں۔ میں نے کہا کہ بہت آسان ہے کہ جو مفاہیم قرآن مجید اور سنت صحیحہ سے قطعی دلالت کے ساتھ ثابت ہیں، ان سے متضاد کوئی تاریخی روایت مروی ہو تو وہ مردود ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ چاہے حدیث کی مستند ترین کتاب میں وہ روایت مروی ہو تو پھر بھی مردود ہو گی؟ میں نے کہا کہ اس روایت کی تاویل کی جائے گی۔

المیہ تو یہ ہے کہ جو اخبار آحاد کو اس لیے قبول نہیں کرتے کہ وہ قرآن مجید کے خلاف ہیں حالانکہ وہ قرآن مجید کے خلاف نہیں ہوتی بلکہ ان کے فہم قرآن کے خلاف ہوتی ہیں، وہ تاریخ کے رطب ویابس کو قبول کرنے میں دیر نہیں لگاتے، چاہے وہ قرآن مجید ہی کے خلاف کیوں نہ ہو۔ بھئی، یہاں تمہیں وہ درایت کے سارے اصول بھول جاتے ہیں کہ جنہیں لگا لگا کر تم صحیح سند سے ثابت شدہ حدیثوں کا انکار کرتے ہو۔ اگر اتنے ہی قرآن مجید سے مخلص ہو تو درایت کے ان اصولوں کو ان

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تاریخی واقعات پر لگاؤ کہ جو قرآن مجید کی نص کے خلاف ہیں۔ صحابہ کی عدالت اور ثقاہت قرآن مجید کی قطعی دلالت سے ثابت ہے اور اس کے خلاف جو تاریخی واقعہ منقول ہو گا، تو وہ مردود شمار ہو گا۔

مولانا کی دوسری غلطی یہ ہے کہ صحابہ کے مناقب اور فضائل کہ جن سے حدیث کی مستند کتابیں بھری پڑی ہیں، ان میں سے ایک روایت کا بھی ذکر نہیں کیا لیکن تاریخی کتابوں سے ان کے بارے مروی شر کو جمع کر دیا ہے۔ اب صحابہ کے بارے جو شر کتب تاریخ میں چھٹانک چھٹانک پھیلا ہوا تھا، وہ جب ایک جگہ جمع کر دیا گیا تو سوا سیر بن گیا اور اس طرح صحابہ کی بری تصویر سامنے آئی۔

ہر انسان میں خیر کا پہلو بھی ہوتا ہے اور شر کا بھی۔ آپ اگر میری چھیانوے نیکیاں بیان کرنے کے بعد چار کوتاہیاں نقل کریں گے تو لوگ اس پر توجہ ہی نہیں کریں گے لیکن اگر کوئی میری چار کوتاہیوں پر کتاب لکھ دے گا تو عام لوگوں میں میرا امیج ایک شریر انسان کا سامنے آئے گا۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ کی غلطی یہی ہے کہ انہوں نے صحابہ کے بارے مروی خیر کا ذکر تو بہت ہی کم کیا جبکہ شر بہت سا جمع کر دیا۔ اور وہ شر بھی ایسا کہ جس کی کوئی مستند حیثیت نہیں ہے۔

خلافت و ملوکیت از سید مودودی رحمہ اللہ کا اصل مسئلہ

مولانا مودودی رحمہ اللہ کی کتاب خلافت و ملوکیت پر ایک مختصر تبصرہ فرمایا تھا کہ جس پر ملا جلا رد عمل سامنے آیا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سید مودودی رحمہ اللہ کی دو کتابیں "الجہاد فی الاسلام" اور "پردہ" ایسی لاجواب اور شاہکار کتابیں ہیں کہ جو صدیوں میں لکھی جاتی ہیں لیکن "خلافت و ملوکیت" واقعتاً ایک ردی کتاب ہے۔ اور میرا یہ تاثر بطور ایک محقق کے ہے نہ کہ یہ کوئی جذباتی تنقید ہے۔

چلیں، "خلافت ملوکیت" کا مرکزی خیال یہ ہے کہ خلافت کا ادارہ ملوکیت میں کیسے تبدیل ہوا۔ اس موضوع پر سید مودودی رحمہ اللہ نے کوئی ایک صد صفحات لکھے ہیں کہ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ملوکیت نے قدم رکھنا شروع کیے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ ادارہ پوری طور ملوکیت میں تبدیل ہو چکا تھا۔

بھئی، میں کوئی جذباتی تنقید کر کے متنفر نہیں کر رہا کہ سید مودودی رحمہ اللہ نے صحابہ پر طعن کا دروازہ کھولا یا جماعت اسلامی صحابہ پر سب و شتم کرنے والی جماعت ہے۔ میں "خلافت و ملوکیت"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے شہ پارے کی علمی و تحقیقی قدر و قیمت کی بات کر رہا ہوں۔ سید مودودی علیہ الرحمۃ نے "خلافت وملوکیت" جن تاریخی مصادر سے مرتب کی ہے، ان میں سے کچھ تو شیعہ کے ہیں جیسا کہ شرح ابن ابی الحدید اور مروج الذہب جبکہ کچھ اہل سنت کے ہیں جیسا کہ طبقات ابن سعد، طبری، الاستیعاب، الکامل، البدایہ والنہایہ وغیرہ

میں یہ بھی نہیں کہتا کہ طبری تو شیعہ تھا اور یہ اور وہ۔ میرا سادہ سا سوال یہ ہے کہ سید مودودی رحمہ اللہ نے ان تاریخی مصادر سے جو واقعات نقل کیے ہیں، ان کے ان واقعات کے لینے کے بنیادی اصول کیا تھے؟ کہ انہوں نے ہی انہی کتابوں میں موجود وہ واقعات چھوڑ دیے کہ جو ان واقعات کے خلاف تھے کہ جو انہوں نے نقل کیے ہیں۔ مثلاً سید مودودی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میری تحقیق کا مستند ترین ماخذ طبقات ابن سعد ہے۔ اب طبقات ابن سعد سے انہوں نے یہ واقعہ تو نقل کر دیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ کو بر سر منبر گالیاں دیتے تھے لیکن یہ واقعہ نقل نہ کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے بھی عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو بر سر منبر گالیاں دیں۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ محقق نے اپنی کتاب کے مقدمے میں کہیں کسی اصول کا ذکر نہیں کیا کہ جس کی روشنی میں یہ کتاب مرتب کی گئی ہو۔ آج دنیا جانتی ہے کہ تاریخ ایک فن ہے نہ کہ مجرد قصے اور واقعات جمع کرنے کا نام۔ تاریخ نویسی، تاریخی ڈسکورس، تاریخ کو دیکھنے کے زاویوں، مورخین کی نفسیات وغیرہ پر بہت کام ہو چکا لیکن "خلافت وملوکیت" کے مطالعے سے معلوم پڑتا ہے کہ محقق صاحب تاریخ کو پڑھنے، سمجھنے اور لکھنے کے جدید زاویہ ہائے نگاہ اور ابحاث سے بالکل ناواقف ہیں۔

آپ خود ہی بتلائیں کہ آپ اگر اپنی کتاب میں مصادر احادیث کی روشنی میں دین کا کوئی تصور پیش کرنا شروع کر دیں لیکن آپ کے پاس احادیث کے قبول ورد کا کوئی اصول نہ ہو تو آپ قوم کو کیا نتیجہ دیں گے۔ چلیں، مان لیتے ہیں کہ سید مودودی رحمہ اللہ کے ذہن میں کچھ اصول تھے کہ جن کی روشنی میں یہ کتاب مرتب ہوئی لیکن ان اصولوں نے جو نتائج دیے، میں انہیں کیسے قبول کر لوں جبکہ وہ صریح احادیث کے خلاف ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں کہ اسلام کا غلبہ میرے بعد بارہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلفاء تک جاری رہے گا اور سید مودودی کہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ نہیں، بادشاہ تھے۔ باقی، یہ بات تو سب مانتے ہیں کہ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف میں علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے۔ لیکن یہ تو ایک ضمنی مسئلہ ہے کہ حق پر کون تھا، کتاب کا موضوع تو یہ ہے کہ ملوکیت کب شروع ہوئی؟

بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ تاریخ کی مستند کتاب تو کجا ہمارے ہاں تاریخ اسلام کی سرے سے کوئی کتاب ہے ہی نہیں سوائے "مقدمہ ابن خلدون" کے۔ یہ کیا تاریخ ہے کہ جیسے سوائے قتل وغارت، جنگ وجدال اور خون خرابے کے مسلمانوں نے کوئی کام کیا ہی نہیں۔ تاریخ تو تمدن، کلچر، روایات، رسوم ورواج، فنون، جذبات اور قوموں کے عروج وزوال وغیرہ کے تنقیدی اور تجزیاتی مطالعے کا نام ہے۔ طبقات ابن سعد، طبری، الکامل، البدایہ وغیرہ کے مصنفین سب "اخباری" ہیں نہ کہ "مورخین"۔

آج میں پاکستان کی تاریخ مرتب کرنے بیٹھوں اور پچھلے پندرہ بیس سالوں میں ضرب عضب، طالبان، خود کش حملوں، دہشت گردی، قتل وغارت اور جرائم کے واقعات اخبارات سے جمع کر دوں تو مستقبل کے لوگوں کو پاکستان ایک جہنم ہی معلوم ہوگا کہ جس میں کوئی سکون میں نہیں تھا۔ البتہ آج ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستان میں امن کتنے فی صد ہے اور قتل وغارت کتنے فی صد؟ اور یہی ہماری تاریخ کے ساتھ ہوا ہے لہذا تاریخ اسلام مرتب کرنے کی ضرورت ابھی تک باقی ہے۔

خلافت سے ملوکیت تک

سید مودودی رحمہ اللہ کی کتاب "خلافت وملوکیت" کے حوالے سے کچھ گزارشات پیش کی تھیں تو بعض دوستوں نے کہا کہ آپ کو اگر سید مودودی رحمہ اللہ کے جواب سے اتفاق نہیں ہے تو خود سے اس سوال کا جواب دیں کہ خلافت کا ادارہ ملوکیت میں کیسے تبدیل ہوا؟

ہماری نظر میں یہ سوال ہی غلط ہے بلکہ بے کار کا سوال ہے۔ سید مودودی رحمہ اللہ کی کتاب پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ نہ تو انہیں "خلافت" کے شرعی معنی ومفہوم کا ادراک ہے اور نہ ہی انہوں نے اس پر غور کیا ہے کہ قرآن مجید نے "ملوکیت" کو کس نظر سے دیکھا ہے؟ آج اگر کوئی طالب بطور محقق اس موضوع پر پی ایچ ڈی کرنا چاہے گا تو میرا پہلا تبصرہ یہی ہوگا کہ یہ موضوع ہی غلط ہے، یہ خلط

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مبحث ہے۔

مثال کے طور سید مودودی رحمہ اللہ خلافت اور ملوکیت میں یہ فرق بیان کرتے ہیں کہ ملوکیت میں حکمران شاہی محلوں میں رہنا شروع کر دیتے ہیں۔ کمال ہے! حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل نہیں تھا کیا؟ ایسا شاندار کہ جس کے فرش بھی اس قدر شفاف شیشے کے کہ ملکہ بلقیس کو دھوکا لگ گیا کہ فرش ہے بھی کہ نہیں۔

ملک اور بادشاہ ہونا اگر اسلام میں مذموم ہوتا تو حضرت یوسف، حضرت طالوت، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام بادشاہ ہوتے کیا؟ حضرت طالوت علیہ السلام کے بارے تو خود قرآن مجید نے کہا ہے کہ اللہ عزوجل نے ان کی بعثت بطور بادشاہ فرمائی تھی کہ ﴿إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا﴾۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ عزوجل نے خلیفہ بھی کہا اور وہ بادشاہ بھی تھے۔ تو خلافت اور ملوکیت دو متضاد نظام ہیں ہی نہیں کہ خلافت سے ملوکیت تک کا عنوان درست ثابت ہو۔

پس خلیفہ تو اللہ عزوجل نے انسان کو بنایا ہے نہ کہ محض مسلمان کو۔ قرآن مجید کی آیت ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ [البقرة: 30] ترجمہ: بے شک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں، کا یہی معنی ہے کہ انسان خلیفہ ہے کہ آگے ﴿قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا﴾ [البقرة: 30] ترجمہ: فرشتوں نے کہا کہ کیا آپ اس کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد پھیلائے گا، کے الفاظ ہیں کہ ان الفاظ کا حقدار حضرت آدم علیہ السلام نہیں، انسان ہے۔ اور ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ﴾ [الفاطر: 39] سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کافر بھی ہو سکتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید میں خلیفہ کی اصطلاح انسان کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ پس کچھ خلفاء ایسے ہوں گے جو کہ انبیاء اور رسولوں کے نقش قدم پر ہوں تو یہی خلفائے راشدین ہیں۔ اور کچھ ایسے خلفاء ہوں گے جو انبیاء اور رسولوں کے نقش قدم پر نہ ہوں گے اور یہی ناکام خلفاء ہوں گے جیسا کہ ﴿فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ [مريم: 59] میں ہے لیکن ہوں گے خلفاء ہی۔ اور ملوک میں سے وہ جو کہ اللہ عزوجل کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم کے مطابق فیصلے کریں گے تو یہی وہ ملوک ہیں کہ جنہیں حدیث کے مطابق قیامت والے دن اللہ کے عرش کا سایہ نصیب ہوگا۔

کہنے کو تو بہت سی باتیں ہیں لیکن اختصار کی غرض سے کچھ باتیں کر دی ہیں۔ خلاصہ کلام یہی ہے کہ سید مودودی رحمہ اللہ نے مغربی افکار کے زیر اثر ملوکیت کو مطلقاً مذموم سمجھا اور اس کے متبادل کے طور پر خلافت کو مطلق خیر قرار دے کر ایک بے کار کی بحث پیدا کر دی کہ خلافت اسلامی نظام ہے اور ملوکیت غیر اسلامی حالانکہ خلافت اور ملوکیت دونوں اسلامی اور غیر اسلامی ہو سکتے ہیں۔ یہ اصل نکتہ ہے جو کتاب و سنت سے قطعی طور ثابت ہے، اگر تو ان اصطلاحات کی اصل کتاب و سنت سے ہی جوڑنی ہے تو۔

جماعت اسلامی کے "جیالوں" کی خدمت میں

سید مودودی رحمہ اللہ کے جنت میں داخل ہونے کے جتنے اسباب تم بیان کر سکتے ہو، اس میں دو چار کا اضافہ ہی کر دوں گا، ان شاء اللہ۔ یہ تو میرا سید مودودی رحمہ اللہ کی آخرت کے بارے حسن ظن ہے، اور مجھے امید ہے کہ یہ سچ ثابت ہوگا۔

لیکن اگر تم مجھ سے یہ مطالبہ کرو گے کہ میں سید مودودی رحمہ اللہ کی فاش غلطیوں پر نقد نہ کروں تو یہ غلط مطالبہ ہے۔ سید مودودی رحمہ اللہ کی کتاب "خلافت و ملوکیت" کا اندازِ تحقیق سراہنا تو کجا، اس کا عنوان بھی اس قدر مضحکہ خیز ہے کہ اسے جسٹیفائی کرنا ہی ممکن نہیں ہے۔

اور پھر خلافت و ملوکیت نامی کتاب آنے سے پہلے اس معاشرے کے کتنے نوجوانوں کی زبانوں پر یہ سوال تھا کہ خلافت کا ادارہ ملوکیت میں کیسے تبدیل ہو گیا؟ ہم بھی معاشرے کا حصہ ہے، ہم بھی معاشرے میں اٹھتے بیٹھتے ہیں، ہمیں بھی معاشرے کے سوالات اور رجحانات کا علم ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ سید مودودی رحمہ اللہ نے اپنی غلط بحثوں سے ایک غیر ضروری سوال کو جماعتی وسائل استعمال کر کے پھیلایا اور پھر خود سے یہ دعوی کرنے لگ گئے کہ میں نے اس کتاب سے معاشرے کی ایک بڑی ضرورت پوری کر دی ہے۔

مجھے افسوس سے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس وقت جماعت سے تعلق رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسی ہے کہ جو سید مودودی رحمہ اللہ کا ویسا ہی دفاع کرتے ہیں جیسا کہ معصوم کا دفاع کیا جاتا ہے۔ افسوس، صد افسوس ہے، ان جیالوں پر۔ مودودی رحمہ اللہ کو صحابی تو کیا نبی کی طرح معصوم سمجھتے ہیں کہ جن پر نقد کرنا جیسے توہین رسالت کے برابر کا جرم ہو۔ اگرچہ رٹ یہی لگائی ہوئی ہے کہ ہم سید صاحب رحمہ اللہ کو انسان سمجھتے ہیں، ان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ اور ذرا سی نقد پر ریسپانس ایسے کیا ہے کہ جیسے نبی کے مقام سے کسی کو گرا دیا گیا ہو۔

اگر اتنا ہی انہیں انسان سمجھتے ہو تو ان کی دو چار غلطیاں ہی نقل کر دو۔ کبھی اکیلے میں بیٹھ کر غور کرنا۔ ڈھونڈے سے تمہیں ان کی غلطیاں نہیں ملیں گے کہ تم نے کبھی انہیں دل سے انسان سمجھا ہی نہیں۔ تمہارے نزدیک وہ عظیم ہیں، عظیم انسان، عظیم تر۔ پچھلی صدی کے نہیں بلکہ چودہ صدیوں کے مجدد۔ اور ہر جماعت کے مقلد، اپنے امام سے ایسی ہی عقیدت میں مبتلا ہیں۔

باقی زبان کی تو مجبوری ہے کہ فتوی لگ جائے گا، زبان سے تو تم نے انسان ہی کہنا ہے۔ کچھ اندھی تقلید سے باہر آؤ، میری پوسٹ پر تمہارے کمنٹس چیخ چیخ کر بتلا رہے ہیں کہ معصوم پر نقد ہو گئی ہے۔ علماء نے ہر فن کے مجددین کی غلطیاں نکالی ہیں، اور سید مودودی رحمہ اللہ تو ان جلیل القدر ائمہ اور فقہاء کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہیں کہ جن پر نقد ہو چکی ہے۔

باقی اب یہ مت کہنا کہ میرا انداز تنقید تلخ ہے کہ مجھے اس کا احساس ہے لیکن کیا سید صاحب رحمہ اللہ کا صحابہ پر انداز تنقید بہت دھیما ہے جو سب مسالک کو خواہ مخواہ میں آگ لگ گئی۔ اور یہ بھی مت کہنا کہ مجھ سے تمہاری نقد برداشت نہیں ہو پائی۔ تمہاری نقد کے اسالیب دیکھ کر میں دل سے یہ سمجھتا ہوں کہ مودودی رحمہ اللہ کے دفاع میں تمہاری کسی پر نقد اس کے جنت میں جانے کے لیے کافی سبب ہے۔

اور یہ بات بھی درست ہے کہ یہ جیالے صرف جماعت کے پاس نہیں ہیں بلکہ ہر مذہبی جماعت اور مسلک میں بڑی تعداد انہی لوگوں کی ہوتی ہے، چاہے شیعہ، بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث ہوں، یا تبلیغی جماعت، دعوت اسلامی، تحریک منہاج القرآن اور جماعۃ الدعوۃ وغیرہ ہوں، ہر جگہ یہ رویہ آپ کو عام ملے گا کہ ہر صورت اپنے اپنے "اکابر" کا دفاع کرنا ہے کیونکہ مذہبی جماعتیں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسالک تعصب پر قائم ہیں اور اس تعصب کی بنیاد "اکابر پرستی" ہے۔ جماعتوں اور مسلکوں کے ان رویوں پر تفصیلی گفتگو ہم نے اس کتاب کے پندرہویں باب "مسالک اور جماعتیں" میں کی ہے۔ ان رویوں کو دیکھ کر اب تو اکثر یوں دعا گو رہتا ہوں کہ اے پروردگار! مجھے کوئی ایسا شاگرد نہ دینا جو مجھ پر تنقید سن کر بھڑک اٹھے، اور مجھے کوئی ایسا شاگرد نہ دینا جو میری ہر بات کا دفاع ہی شروع کر دے۔

باقی یہ بات درست ہے کہ جماعت میں بہت سے کارکنان سلجھے ہوئے بھی ہیں، گفتگو میں کبھی بھی تہذیب اور سائستگی کا دامن نہیں چھوڑتے، اخلاق کے اعلیٰ معیار پر فائز ہیں، اختلاف کرنے کے آداب اور سلیقے سے واقف بھی ہیں، مولانا مودودی رحمہ اللہ کی بات بات کا بے جا دفاع نہیں کرتے لیکن ایسے سمجھدار دوست ہر جگہ کم ہیں۔

نبوی خلافت اور اسلامی جمہوریت

کچھ دوستوں کا خیال ہے کہ افضل البشر، سید الرسل اور خاتم المرسلین، نبی کریم ﷺ نے خلافت راشدہ کا جو ادارہ قائم کیا تھا، وہ تیس سال بعد دھڑام سے گر گیا۔ اور اب یہ اپنی اسلامی جمہوریت سے جو خلافت قائم کرنے چلے ہیں، وہ تیس سال سے زیادہ عرصہ قائم رہے گی؟

کچھ معلوم بھی ہے کہ جنون میں کیا کچھ کہے چلے جا رہے ہو! خلافت کے اس نظام کہ جس کے قیام کی خاطر تم نے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی ہیں، کے ایک ناکام نظام ہونے کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو گی کہ وہ چودہ صدیوں میں صرف تیس سال قائم رہ سکا۔ تمہاری اس خلافت سے تو کمیونزم بہتر تھا جو کم از کم ستر سال تو نکال ہی گیا۔

اور نبی کریم ﷺ کی تربیت یافتہ جماعت بھی اسے تیس سال سے زیادہ نہیں چلا سکی تو یہ اسے تیس سال سے زیادہ عرصہ کے لیے چلا لیں گے۔ کمال ہے کہ تم صحابہ کی جماعت سے زیادہ باکمال ہو کہ اس نظام کو کہ جسے امت چودہ صدیوں میں تیس سال سے زیادہ عرصہ کے لیے نہیں چلا سکی تو تم چلا لو گے؟ اپنے سوالات کے جوابات کی رٹ لگا رکھی ہے کہ جن کے جوابات میں نے دے بھی دیے ہیں۔ اب ذرا اس سوال کا جواب دے دو۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کا قائم کردہ ادارہ خلافت اتنا کمزور نہیں تھا اور نہ ہی اس کو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلانے والے اتنے غیر تربیت یافتہ تھے کہ تیس سال بعد ہی ادارہ دھڑام سے گر گیا ہو۔ خلافت کے ادارے میں کمزوری ضرور آئی ہے لیکن یہ ادارہ اسی شان اور اسٹرکچر کے ساتھ صدیوں کھڑا رہا ہے کہ جس شان کے ساتھ یہ صحابہ کی جماعت کو ملا تھا۔ اگر ایسا نہیں تھا تو آج تم مسلمان ہوتے کیا؟

یہاں سندھ میں اسلام کا پودا کس نے لگایا؟ افریقہ، یورپ اور وسط ایشیا کی ریاستوں پر کس نے دستک دی؟ اسلامی تہذیب اور تمدن کا کوئی ایک ادارہ ایسا بتلاؤ کہ جو اپنے کمال کو پہلے تیس سال میں پہنچا ہو؟ قرآن مجید، حدیث، فقہ وغیرہ جیسے تمام دینی علوم وفنون تیس سال تو کجا ایک صدی کے بعد مدون ہونے شروع ہوئے۔ جلیل القدر فقہاء، محدثین، فلاسفہ، متکلمین، سائنسدان، سیاست دان، سپہ سالار، شہسوار کس صدی کی خلافت میں پیدا ہوئے؟ مجھے کہتے ہیں کہ میں کتاب لکھوں۔ تمہاری یہ خواہش بھی ضرور پوری کروں گا کہ بہت ضروری ہے کہ لوگوں کے دلوں سے غیر نبی کی عصمت نکالی جائے۔

خلافت کے بارے مروی چند روایات کی تحقیق

دوست نے سوال کیا ہے کہ کیا یہ روایت صحیح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد بارہ خلفاء ہوں گے۔ یہ روایت اپنی صحت میں سب سے اعلی درجہ کی صحیح روایت ہے کہ جسے متفق علیہ کہتے ہیں۔ اس روایت کو امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ دونوں نے اپنی صحیح میں نقل فرمایا ہے۔

صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں: «لَا يَزَالُ الْإِسْلَامُ عَزِيزًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ خَلِيفَةً» کہ یہ دین اسلام بارہ خلفاء تک غالب رہے گا۔ حدیث کے ظاہری الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ بارہ خلفاء آپ ﷺ کے بعد مسلسل ہوں گے۔ کہ جس اسلام کی آپ نے بات کی ہے، وہ آپ کے زمانے میں موجود اسلام ہے۔ اس کے بارے آپ کہہ رہے ہیں کہ یہ اسلام بارہ خلفاء "تک" غالب رہے گا۔ اس حدیث میں "إلى" بمعنی "تک" کے الفاظ اس کا قرینہ ہیں کہ یہ خلفاء مسلسل ہوں گے۔

اب اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہاں جن بارہ خلفاء کی بات ہو رہی ہے، وہ عادل ہی ہوں گے یا ان سے ظلم کا صدور بھی ہو سکتا ہے؟ کہ ظاہر حدیث میں صرف خلفاء کی بات ہے اور ان کے دور خلافت کے بارے جو اصل پیشین گوئی کی گئی ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام خوب غالب ہو گا یا پھیلے گا۔ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے ایک نکتہ یہ بھی حاصل ہوا کہ کسی زمانے میں خلافت کا نظام ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ اس زمانے میں دین اسلام کے غلبے اور پھیلاؤ کے تجزیے سے ہوگا نہ کہ حکمران کے شخصی احوال سے۔

دوسری روایت کہ جس کے بارے سوال کیا گیا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں منقول ہے کہ تم میں جب تک اللہ عزوجل چاہیں، نبوت باقی رہے گی۔ اس کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ ہو گی۔ وہ بھی جب تک اللہ عزوجل چاہیں، باقی رہے گی۔ پھر کاٹ کھانے والی ملوکیت آئے گی، وہ بھی جب تک اللہ عزوجل چاہیں، باقی رہے گی۔ پھر ظالمانہ ملوکیت آئے گی، وہ بھی جب تک اللہ عزوجل چاہیں، باقی رہے گی۔ پھر خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہو گی۔

اس روایت کی صحت وضعف کے بارے اگرچہ اختلاف ہے لیکن صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے۔ جہاں تک سند کی بات ہے تو اس روایت کی سند کا مدار داؤد بن ابراہیم الواسطی پر ہے، کہ اسی کا نام داؤد بن ابراہیم العقیلی بھی ہے جیسا کہ امام ابن جوزی اور امام سخاوی رحمہما اللہ سے منقول اقوال میں ہے۔ اور اس داؤد بن ابراہیم کے بارے ابن ابی حاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ بولتا ہے اور "متروک الحدیث" ہے۔ اور اگر داؤد بن ابراہیم الواسطی کو داؤد بن ابراہیم العقیلی سے علیحدہ شخصیت مان بھی لیا جائے تو پھر بھی روایت کا اصل حکم "توقف" کا ہو گا کہ اس بارے شبہ آ گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ملوکیت کے بارے مروی تین بنیادی احادیث کا مطالعہ

خلافت کے ملوکیت میں تبدیل ہونے کے بارے میں تین بنیادی روایات موجود ہیں۔ ایک مسند احمد میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جس کے مطابق خلافت، کاٹ کھانے والی ملوکیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ دوسری روایت سنن الترمذی میں حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جس کے مطابق خلافت، ملوکیت میں تبدیل ہو جائے گی۔ تیسری روایت سنن الدارمی میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی ہے کہ جس کے مطابق نبوی خلافت، رحمت والی ملوکیت میں تبدیل ہو جائے گی۔

اسناد سے پہلے ہم ان روایات کے بنیادی متون پر بحث کر لیں کہ یہ متون ہی آپس میں ٹکرا رہے ہیں کہ جسے اصطلاح حدیث میں "اضطراب" کہتے ہیں جو کسی حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ بنتا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اگر سید مودودی رحمہ اللہ کا مقدمہ مان لیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ملوکیت کے نمائندہ تھے تو پہلی روایت کے مطابق وہ مذموم ہیں۔ دوسری روایت کے مطابق نہ ممدوح ہیں اور نہ ہی مذموم۔ اور تیسری روایت کے مطابق وہ ممدوح ہیں کہ روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ جس طرح پہلے نبوت اور رحمت تھی، اس طرح اس کے بعد ملوکیت اور رحمت ہو گی۔ یعنی نبوت کی رحمت پر، ملوکیت کی رحمت کو قیاس کیا گیا ہے۔

پھر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ خلافت جب تک اللہ چاہے گا، اس وقت تک باقی رہے گی۔ اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ تیس سال تک باقی رہے گی۔ یہ بھی ان روایات کا باہمی "اضطراب" ہے کہ اللہ کی مشیئت کو تیس سال سے متعین کر دیا گیا۔ اللہ جو چاہیں گے، اور تیس سال، دونوں ایک بات نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ روایت سفینہ رضی اللہ عنہ "مضطرب" ہونے کے ساتھ "شاذ" اور "منکر" بھی ہے۔ "شاذ" تو اس لیے کہ متفق علیہ روایات یہ بیان کر رہی ہیں کہ اسلامی خلافت بارہ خلفاء تک جاری رہے گی اور روایت سفینہ رضی اللہ عنہ کے مطابق تیس سال میں ختم ہو جائے اور جب ثقہ راوی، اوثق کی مخالفت کرے تو روایت "شاذ" کہلاتی ہے جو ضعیف ہی کی ایک قسم ہے۔

جہاں تک اسناد کی بحث ہے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا مدار داؤد بن ابراہیم الواسطی العقیلی پر ہے جو کہ "متروک الحدیث" ہے لہذا روایت ضعیف ہے۔ اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی بنیاد سعید بن جمہان پر ہے کہ جس کے بارے ابو حاتم رحمہ اللہ نے کہا کہ "لا یحتج به" یعنی قابل اعتماد نہیں ہے جبکہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے "صدوق له أفراد" کہا ہے جو کہ توثیق یعنی کسی کو ثقہ قرار دینے کا ادنی ترین درجہ ہے۔ یہ "صدوق" کا وہ تیسرا درجہ ہے کہ جس کے بارے علماء نے کہا ہے کہ "یکتب حدیثه ولا یحتج به" یعنی اس کی حدیث لکھ لی جائے گی لیکن اس پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔ اور یہی وہ "صدوق" ہے کہ جس پر کثرت وہم غالب ہو۔ ابن عدی نے "الکامل فی الضعفاء" میں اس روایت کو "منکر" کہا ہے۔

اور تیسری روایت تو مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا کہ تم اس کو صحیح کہو یا ضعیف کہ اس سے دین

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے کسی بنیادی تصور میں بگاڑ لازم نہیں آتا کہ اس میں رحمت والی ملوکیت کا تذکرہ ہے اور پھر ہمارا اختلاف لفظی ہو گا کہ ہمارے نزدیک وقت کے ساتھ خلافت کا ادارہ کمزور ہوا ہے اور تمہارے نزدیک خلافت، رحمت والی ملوکیت میں تبدیل ہوئی۔

میں پورے شعور کے ساتھ بات کر رہا ہوں اور میں نے اپنی تکفیر اور خروج والی کتاب میں اس کی طرف اشارے بھی کیے ہیں کہ سید مودودی رحمہ اللہ کی "خلافت وملوکیت" جیسی ردی تحقیق ہی معاصر تکفیریوں اور خارجیوں کا مصدر بنی ہے۔ تکفیریوں اور خارجیوں کا لٹریچر اٹھا کر دیکھیں، امام سے تو کم لفظ مودودی رحمہ اللہ کے لیے استعمال ہی نہیں کرتے۔ یقیناً مودودی رحمہ اللہ نہ تکفیر کے حق میں تھے، نہ ہی خروج کے، لیکن جو "اوپن اینڈڈ" (open ended) ردی تحقیق وہ چھوڑ گئے ہیں، تو اس کا نتیجہ ہے کہ آج انہیں تکفیری اور خارجی اپنا امام کہتے ہیں۔

اور سید مودودی رحمہ اللہ کے جیالوں کی خدمت میں یہ بھی عرض ہے کہ سید صاحب رحمہ اللہ پر نقد کی وجہ سے مجھے جو جماعت کے خلاف پروپیگنڈا مہم چلانے، عظیم اسکالر کی تنقیص کرنے، علم کا ڈھونگ رچانے، علمی بد دیانتی، سید مودودی سے حسد وبغض رکھنے، جہالت وغیرہ کے کیا کیا طعنے دیے گئے ہیں اور منکر حدیث اور گدھا تک کہا گیا ہے تو میں اس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں۔ اور پہلے بھی خود بھی کوشش کرتا تھا اور گھر والوں کو بھی کہتا تھا کہ جماعت کو ووٹ ڈالیں اور آئندہ بھی ایسا ہی کرتا رہوں گا۔ خوش رہیں، میں آپ پر تنقید کر کے بھی اور آپ کی تنقید سن کر بھی، آپ کے لیے اپنی خلوت میں دعا گو رہوں گا کہ اللہ عزوجل آپ کو مجھ سے بہتر جنت عطا فرمائے۔

کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے؟

دوست نے سوال کیا ہے کہ کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد تھے؟ اگر تھے تو کیا سلف میں سے کسی نے انہیں خلیفہ راشد کہا ہے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ خلافت راشدہ کو چار خلفاء تک محدود کرنا درست نہیں ہے۔ اور کسی بھی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ خلافت راشدہ چار کے عدد ہی کو محدود ہے۔ اس بارے جو روایات نقل کی جاتی ہے، وہ نہ صرف ضعیف ہیں بلکہ صحیح روایات کے خلاف بھی ہیں۔ اور اگر ان کو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح مان بھی لیا جائے تو بھی ان سے یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ خلفائے راشدین چار ہی ہیں بلکہ اہل سنت کا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور امام مہدی رحمہ اللہ کے خلیفہ راشد ہونے پر اتفاق ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ خلیفہ راشد کی اصطلاح سلف میں نہیں تھی بلکہ یہ بعد میں متعارف ہوئی ہے۔ کتاب وسنت کی اصطلاحات خلافت اور خلفاء ہیں جیسا کہ متفق علیہ روایت میں ہے کہ «وأنه لا نبي بعدي، وسيكون الخلفاء فيكثرون» ترجمہ: میرے بعد نبی کوئی نہیں ہے لیکن خلفاء بہت سے ہوں گے۔ البتہ کتاب وسنت میں بعض خلفاء کو "ناخلف" کہا گیا ہے اور بعض کو "راشد"۔

تیسری بات یہ ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بلاشبہ خلیفہ راشد تھے لیکن سلف میں چونکہ خلیفہ راشد کی اصطلاح مروج نہیں تھی لہذا براہ راست تو ایسی کوئی عبارت آپ کو نہیں ملے گی لیکن ایسی عبارات ضرور مل جائیں گی کہ جن کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خلیفہ راشد تھے جیسا کہ امام مجاہد رحمہ اللہ سے منقول ہے: «لو رأيتم معاوية لقلتم هذا المهدي» ترجمہ: اگر تم معاویہ رضی اللہ عنہ کو دیکھتے تو یہ کہتے کہ یہ امام مہدی رحمہ اللہ ہی ہیں۔ اور امام مہدی کا خلیفہ راشد ہونا اہل سنت اور اہل تشیع دونوں میں متفق علیہ ہے۔

کیا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ کی طرف سفر خروج تھا؟

دوست نے سوال کیا ہے کہ کیا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا؟ اور اگر یہ خروج تھا تو کیا یہ خروج آج کے ظالم اور گناہ گار حکمرانوں کے خلاف خروج کے جواز کی شرعی دلیل ہے؟ اور اسی طرح کیا آج کے حکمرانوں کے خلاف خروج کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اسوہ پر عمل کہا جائے گا؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس بارے دو رائے ہیں کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ کی طرف سفر کس غرض سے تھا؟ معروف رائے تو یہی ہے کہ یہ سفر، یزید کے خلاف اقدام کے لیے کوفیوں کی حمایت اور نصرت حاصل کرنے کے لیے تھا۔ اب اس رائے کے حاملین میں پھر یہ اختلاف ہو گیا کہ اس اقدام کی شرعی حیثیت کیا تھی؟ کیا یہ واجب درجے کا شرعی حکم تھا؟ یا جائز تھا؟ یا اجتہادی خطا تھی؟

اس بارے ایک رائے جواز کی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام شرعاً جائز تھا کہ واجب کہنا تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے درست نہیں ہے کہ خود اہل بیت میں سے حضرت عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما اور دیگر کبار صحابہ نے انہیں اس اقدام سے روکا تھا۔ تو وہ ایک شرعی واجب سے کیسے روک سکتے تھے؟ یا خود اس سے پیچھے رہ سکتے تھے؟

اہل سنت میں ہی دوسری رائے یہ بھی رہی ہے کہ یہ اقدام ایک سیاسی خطا تھی لیکن واضح رہے کہ اس خطا کے باوجود ان کے نزدیک سیدنا حسین رضی اللہ عنہ عند اللہ ماجور ہیں، اہل جنت کے جوانوں کے سرداروں میں سے ہیں اور ان کے قاتلین ملعون ہیں۔ اس رائے کی طرف اپنے رجحان کا اظہار امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ[1] نے کیا ہے۔ اور عصر حاضر میں مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب اپنی کتاب "واقعہ کربلا: ایک نئے مطالعے کی روشنی میں" میں اسی کی طرف میلان رکھتے ہیں۔

ایک تیسری رائے یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ کی طرف اقدام، یزید کے خلاف خروج کی غرض سے نہیں تھا بلکہ اہل کوفہ کی اصلاح پیش نظر تھی۔ اس رائے کا اظہار ہندوستانی عالم دین کفایت اللہ السنابلی نے اپنی کتاب "یزید بن معاویہ" میں کیا ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو کہ نو سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے اور اپنی اس رائے کے حق میں انہوں نے تاریخی مصادر سے کچھ نصوص بیان کیے ہیں کہ جو ان کے نزدیک ان کی رائے کی صحیح ہونے کی دلیل ہیں۔

مولانا عمار خان ناصر صاحب نے حال ہی میں اس موضوع پر کچھ پوسٹیں لگائی ہیں تو میں ان سے اور ان اہل علم سے خاص طور سے گزارش کروں گا جو کہ تحقیقی اور علمی معاملات میں جذباتی نہیں ہیں کہ وہ اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں، چاہیں کتاب کے نتائج اٹھا کر پھینک دیں، لیکن صحیح علمی موقف قائم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر نئی تحقیق کو کم از کم فرضیے (hypothesis) کے

[1] یہاں مجھے ضمنا ایک بات یہ بھی کہنی ہے کہ واقعہ کربلا پر دیوبندی عالم دین مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب کی کتاب آج تک اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب میں سے محقق ترین کتاب کہلانے جانے کے لائق ہے، چاہیں آپ مولانا کے موقف سے اتفاق کریں یا نہ کریں لیکن انداز تحقیق ایسا علمی اور غیر جذباتی ہے کہ اسے سراہے بغیر کوئی محقق رہ نہیں سکتا بشرطیکہ وہ غیر متعصب ہو۔ مولانا نے تاریخی روایات کے رد وقبول میں درایت کے اصول کا خوب استعمال کیا ہے۔ اور دوسری طرف سید مودودی علیہ الرحمۃ کی کتاب "خلاف وملوکیت" ہے کہ اس کتاب کا مطالعہ قاری پر یہ تاثر چھوڑتا ہے کہ تاریخی واقعات کے رد وقبول کا اصول صرف ایک ہی ہے اور وہ ہے مصنف کی ذاتی پسند اور ناپسند۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

درجے میں رکھ کر ریسپانس کیا جائے، نہ کہ یہ کہا جائے کہ ان کو پڑھنے کے لیے کلیجا منہ کو آتا ہے۔ عوام تو یہ کہہ سکتی ہے لیکن ایک محقق اتنا جذباتی نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر نئی تحقیق کو ایک مفروضے کا درجہ دے کر اس کے قبول اور رد کا فیصلہ اصول تحقیق کی روشنی میں کرتا ہے۔

اس بارے راقم کی رائے یہ ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا کوفہ کی طرف سفر، محض اصلاح کی غرض سے نہ تھا تو کیا یہ خروج تھا؟ تو ہماری نظر میں یہ "خروج" بھی نہیں تھا کہ اس کو بنیاد بنا کر ہم اس ملک میں باغیوں اور خوارجیوں کو خروج کے جواز کی ایک مضبوط دلیل پکڑا دیں۔ اور اللہ نہ کرے کی کسی سنی ملک کی شیعہ اقلیت "خروج" کو "اسوہ امام" قرار دے کر امت کو مزید جنگ کی وادی میں دھکیل دے۔ اور ویسے بھی خوارجی ہونا کوئی ایسا شرف نہیں ہے کہ کسی صحابی کو اس سے متصف کیا جائے۔

یزید نے جب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کوفہ کے لیے نکل رہے ہیں تو انہیں اس سفر سے روکیں تو عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب میں لکھا کہ حسین رضی اللہ عنہ کا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے جو تم سوچ رہے ہو۔ اور یہ معروف خط اور کچھ دیگر شواہد ایسے ہیں جو اس بات کی دلیل ہیں کہ کوفہ کا سفر خروج نہیں تھا۔ اگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا سفر خروج ہوتا تو ان کا رخ دمشق کی طرف ہوتا کہ جہاں یزید موجود تھا۔

البتہ یہ کہنا درست ہے کہ یہ سفر محض اہل کوفہ کی اصلاح کی غرض سے بھی نہیں تھا۔ دراصل سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کوفہ میں جا کر وہاں کے حالات دیکھ کر کوئی فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ اب وہ فیصلہ فرض کریں کہ خروج کا بھی ہو سکتا تھا کہ اگر انہیں اہل کوفہ کی حمایت اور نصرت حاصل ہو جاتی۔ اور وہ فیصلہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی طرح وقت کے حکمران سے بیعت کر لیں جیسا کہ معروف تاریخی روایات کے مطابق دشمنوں کو جو تین شرائط سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھیں؛ ان میں سے ایک یہ تھی کہ مجھے خود یزید سے ملنے دو۔ تو جب سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے فیصلہ ہی کوفہ پہنچ کر کرنا تھا کہ انہوں نے کیا کرنا ہے تو وہاں پہنچنے سے پہلے کے ان کے سفر پر خروج کے لفظ کا اطلاق کسی طور درست نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امیر معاویہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا تلبیہ پر اختلاف

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ بعض لوگ سنن النسائی کی ایک روایت کا حوالہ دیتے ہیں کہ جس میں ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ میدان عرفات میں تھے کہ کہنے لگے کہ کیا بات ہے، میں لوگوں کو تلبیہ پکارتے ہوئے نہیں سن رہا۔ انہیں بتلایا گیا کہ لوگ معاویہ رضی اللہ عنہ سے ڈر رہے ہیں۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ یہ سن کر اپنے خیمے سے باہر نکلے، اور کہا: «لبيك اللهم لبيك لبيك» کہ علی رضی اللہ عنہ کی عداوت میں لوگوں نے سنت چھوڑ دی ہے۔

اس روایت سے استدلال یہ کیا جاتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت، جابرانہ ملوکیت تھی کہ جس میں ان کے ظلم اور جبر کے خوف سے لوگوں نے تلبیہ کہنا چھوڑ دیا تھا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ استدلال اس وقت درست ثابت ہو جبکہ روایت ثابت ہو۔ اس روایت کی سند میں خالد بن مخلد راوی ہے، جو کہ شیعہ ہے بلکہ اپنی شیعیت کی طرف داعی ہے۔ اور محدثین کا اصول یہ ہے کہ جو اپنی بدعت کی طرف داعی ہو تو اس کی روایت قابل قبول نہیں ہے۔

ابن عدی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں تشیع غالب تھا۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا کہ یہ رافضی ہے اور رافضیت کا داعی بھی ہے۔ صالح بن محمد رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو گالیاں دیتا تھا۔ ابو داود رحمہ اللہ نے کہا کہ صدوق ہے لیکن اس میں تشیع موجود ہے۔ امام احمد اور امام ابو حاتم رحمہما اللہ نے کہا کہ اس کی احادیث منکر ہیں وغیرہ وغیرہ

دوسری بات یہ ہے کہ جو بعض محدثین نے اس راوی کی توثیق کی ہے، تو وہ بھی "صدوق" کے درجہ میں کی ہے کہ جس کی حدیث لکھی جائے گی لیکن "قابل احتجاج" نہیں ہے۔ اور بعض علماء نے یہ بھی کہا ہے جیسا کہ ابن رجب الحنبلی رحمہ اللہ نے، کہ اس کی روایت اہل کوفہ سے ہو تو قابل قبول نہیں ہے جبکہ اہل مدینہ سے ہو تو قابل قبول ہے۔ اور یہ روایت اہل کوفہ سے ہے لہذا مردود ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مسند احمد کی روایت کے مطابق ابن عباس نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے ساتھ طواف کیا اور دیکھا کہ وہ بیت اللہ کے چاروں ارکان یعنی کونوں کو چھو رہے ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی؟ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بیت اللہ کا ہر کونہ ایسا ہے کہ اسے چھونا بنتا ہے۔ ابن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نہیں ہے کہ آپ نے صرف حجر اسود اور رکن یمانی کو چھوا ہے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کی رائے درست ہے۔ تو معاویہ رضی اللہ عنہ کا تو حق کے مقابلے میں طرز عمل یہ ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر یہ روایت درست بھی ہے تو اس کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجتہاد تھا کہ تلبیہ آہستہ آواز سے کہا جائے لیکن جب ابن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے سامنے آئی تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ جیسے فقہاء صحابہ، معاویہ رضی اللہ عنہ کو فقیہ شمار کرتے تھے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کسی نے شکایت کی کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صرف ایک وتر پڑھتے ہیں تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ٹھیک کرتے ہیں، وہ فقہاء میں ہیں۔

دوست کا کہنا ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کی سند کو صحیح کہا ہے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ البانی رحمہ اللہ نے احادیث کی تصحیح و تضعیف پر بہت عمدہ کام کیا ہے اور ہم خود ان کے کام سے استفادہ کرتے ہیں لیکن ان کے مقلد محض نہیں ہیں کہ علماء کی نظر میں بھی انہوں نے بعض صحیح روایات کو ضعیف، اور بعض ضعیف روایات کو صحیح کہا ہے اور ان پر علماء کے استدراکات معروف ہیں۔

دوسرا یہ کہ اگر مجھے موقع ملے تو تحقیق حدیث کی اس معاصر تحریک کے بعض وضع کردہ اصولوں کا بھی تجزیہ کروں کہ جن کی روشنی میں کسی روایت کو صحیح یا ضعیف قرار دیا جا رہا ہوتا ہے کہ میری نظر میں روایت کی تحقیق تو دوسرا درجہ ہے، اس کے بعض اصول بھی محل نظر ہیں۔ اب ان اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ اگر کسی راوی پر جرح بھی ہو اور اس کی توثیق بھی موجود ہو تو جمہور کی رائے معتبر ہو گی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ کیا اصول ہے؟ اور خاص طور وہ مکتب فکر کہ جو تفقہ میں جمہور کی رائے کی حجیت کا قائل نہیں ہے لیکن روایت کی تحقیق میں جمہور کا قول حجت بنا رہے ہیں؟

ایک دوست نے کہا کہ میں تحقیق کا قائل ہوں۔ میں نے کہا کہ تحقیق تو سبھی کر رہے ہیں، میں تو تخلیق کا قائل ہوں کہ کوئی نئی بات کرنے کو ہے تو کرو، ورنہ بیٹھے رہو۔ نئی بات یہی ہے کہ کتب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احادیث میں مروی تاریخی روایات کے قبول ورد کے روایتی ودرایتی اصولوں کو نظر ثانی کی ضرورت ہے جیسا کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ہر وہ روایت کہ جس میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی مذمت ہو، موضوع اور جھوٹ ہے۔ پس تاریخ کی تحقیق میں واقعے کے رد وقبول کے اصول متعین کرنے کی ضرورت ہے کہ جس قوم نے احادیث وضع کرنے کی جرات کر لی ہو، کیا آپ اس سے امید کر سکتے ہیں کہ اس نے تاریخ وضع نہیں کی ہو گی؟

خال المومنین کہنے کا حکم

دوست کا سوال ہے کہ کیا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خال المومنین کہنا جائز ہے۔ جواب: قرآن مجید میں ازواج مطہرات کو امہات المومنین کہا گیا ہے یعنی اہل ایمان کی مائیں۔ اور ان کے امہات المومنین قرار دینے میں مقصود دو چیزیں ہیں؛ ان کی تعظیم اور اکرام اور ان سے نکاح کی حرمت کا بیان۔ اس کے علاوہ کے احکامات اس رشتے میں ثابت نہیں ہوتے مثلاً ازواج کے لیے امت سے پردہ کرنا لازم ہے وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح اگر ازواج مطہرات سے متعلق کسی رشتے کو بھی عمومی حیثیت میں بیان کر دیا جائے تو اس میں حرج نہیں ہے جبکہ اس رشتے کے بیان سے مقصود تعظیم اور اکرام ہو نہ کہ کسی شرعی حکم کا بیان۔ پس امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اگر "خال المؤمنین" کہا جائے تو یہ جائز ہے جبکہ مقصود ان کی تعظیم اور اکرام ہو نہ کہ کسی شرعی حکم کا اثبات۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں بہت سے بزرگوں کو اپنا چچا، ماموں، خالہ وغیرہ کہہ کر پکارتے ہیں کہ مقصود ان افراد کی عزت اور احترام ہوتا ہے نہ کہ کسی رشتے کا بیان۔

اور خال المومنین کا لقب صرف امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہیں دیا گیا بلکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بھی دیا گیا۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر اعتراضات کی وجہ سے ان کا یہ لقب امت میں زیادہ معروف ہو گیا، یہاں تک کہ اس نام سے مستقل کتب تصنیف کی گئیں۔ قدیم ترین کتاب جو ہمیں "تنزیه خال المومنین معاویة بن سفیان عن الظلم والفسق" کے نام سے ملتی ہے، وہ قاضی ابو یعلی الحنبلی [526-451ھ] کی ہے۔ حال ہی میں [2012ھ] ابو عبداللہ حمزہ النابلی نے "خال المومنین معاویه بن سفیان رضی الله عنه" کے نام سے ایک مختصر کتاب شائع کی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابو بکر الخلال کی سنداً صحیح روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے سامنے یہ سوال رکھا گیا کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میں نہ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کاتب وحی مانتا ہوں اور نہ ہی "خال المؤمنین" اور کہتا ہے کہ انہوں نے خلافت غصب کر لی تھی۔ تو امام احمد رحمہ اللہ نے جواب میں کہا کہ یہ ردی اور بدترین رائے ہے۔ ایسی رائے رکھنے والوں سے بچنا چاہیے اور ان کے ساتھ نہ بیٹھنا چاہیے اور ہم ان کی اس رائے کی حقیقت واضح کریں گے۔ امام احمد رحمہ اللہ سے ایک اور روایت میں ہے کہ ان کے سامنے یہ بات رکھی گئی کہ کچھ لوگ امیر معاویہ رحمہ اللہ کو "خال المؤمنین" کہنے سے انکاری ہیں تو امام احمد رحمہ اللہ اس پر غصہ میں آ گئے اور کہا کہ ان کے پاس اس اعتراض کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔

انقلاب برپا کرنے کے لیے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد کا منہج

بعض دوستوں کا کہنا ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا عمل ملوکیت کے خلاف "تجدید خلافت" کا اقدام تھا۔ ہماری نظر میں صحیح تعبیر یہ ہے کہ خلافت کا ادارہ کمزور ہو گیا تھا، "فاضل" (senior) کی موجودگی میں "مفضول" (junior) کی بیعت پر اصرار ہو رہا تھا لہذا خلافت کے ادارے کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور ان کا یہ احساس بالکل درست تھا کہ اگر یہ ادارہ اتنی جلدی کمزور ہو گیا تو خلافت کی اس عمارت کو گرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔

پس قانونی لحاظ سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی فکر اور اس کے لیے ان کا "اقدام" بالکل درست تھا بلکہ ان کے ایمان کا تقاضا تھا لیکن یہ "اقدام" تھا کیا؟ ہمیں اس میں دوستوں سے اختلاف ہے۔ فقہی لحاظ سے یہ سوال اہم ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے انقلاب کے لیے "خروج" کا رستہ اختیار کیا تھا یا نہیں؟ ہم نے اپنی پچھلی پوسٹوں میں یہ وضاحت کی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے انقلاب کے لیے ہرگز "خروج" کا رستہ اختیار نہیں کیا اور نہ ہی ان کے کوفہ کی طرف سفر کو "خروج" کہا جا سکتا ہے کہ وہ دراصل کوفہ اور اہل کوفہ کے احوال کا جائزہ لینے کے لیے نکلے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہیں رستے میں روک لیا گیا تو انہوں نے جو تین شرائط پیش کی، ان میں سے ایک یہ تھی کہ مجھے یزید کے پاس جانے دو لیکن ظالموں نے ان کی اس شرط کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ڈاکٹر عرفان شہزاد صاحب نے سوال اٹھایا ہے کہ اگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے خروج کا رستہ اختیار

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا تھا تو ان کی اولاد نے ان کے اسوہ پر عمل کیوں نہ کیا؟ حضرت علی زین العابدین، حضرت محمد الباقر، حضرت جعفر الصادق، حضرت موسی الکاظم، حضرت علی الرضا، حضرت محمد الجواد، حضرت علی الھادی، حضرت حسن العسکری رحمہم اللہ میں سے کسی نے بھی بنو امیہ کے خلاف نہ تو خود خروج کیا اور نہ ہی اپنے زمانے میں بنو امیہ کے خلاف ہونے والے کسی خروج میں شمولیت اختیار کی بلکہ ایک طرح سے گوشہ نشین ہو گئے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نے واقعتاً خروج کیا تھا تو بعد میں ان کی اولاد نے ان کے اسوے پر عمل کیوں نہ کیا؟ اور ایک نیا اسوہ کیوں جاری کیا؟ کیا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ملوکیت پھر سے خلافت میں تبدیل ہو گئی تھی کہ سب مطمئن ہو گئے کہ اب خروج کی ضرورت باقی نہ رہی؟ یا کیا وجہ تھی؟

ہماری نظر میں بات بالکل واضح ہے کہ کوئی ملوکیت ولوکیت تھی ہی نہیں البتہ کچھ خرابیاں تھیں، کمیاں کوتاہیاں تھیں، شخصی بھی اور دینی بھی، کہ جس کے سبب بعض کبار صحابہ نے یزید کی بیعت نہیں کی اور ان کا یہ اقدام بالکل درست تھا کہ یہی ان کے ایمان کا تقاضا تھا۔ لیکن جب انہوں نے حالات کو دیکھا اور غور کیا کہ ہمارے بیعت نہ کرنے سے یزید کی خرابی کی اصلاح تو نہ ہو گی لیکن امت میں شر پیدا ہو جائے گا تو انہوں نے اپنے اقدام سے رجوع کر لیا کہ یہاں معاملہ کفر واسلام کا نہیں تھا، افضل و مفضول کا تھا۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ اپنے اس جذبے میں بالکل سچے اور حق پر تھے کہ وہ یزید کے مقابلے میں خلافت کے اصلاً حقدار تھے اور یزید کا ان سے کوئی مقابلہ نہ تھا لیکن وہ یہی غور کر رہے تھے کہ کسی بڑے شر کے پیدا ہوئے بغیر کس طرح خلافت کے ادارے کی کمزوری کو دور کیا جا سکے اور اسی غور و فکر میں انہوں نے کوفہ کا سفر کیا تھا۔ اور جب انہیں رستے میں احوال کا علم ہوا کہ اس طرح کے اقدام سے خرابی تو دور نہیں ہو گی لیکن شر پھیل جائے گا کہ امت تقسیم ہو جائے گی تو انہوں نے یزید سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا کہ مسلمانوں کے مابین صلح قائم رہے جیسا کہ خود ان سے پہلے ان کے بڑے بھائی سیدنا حسن رضی اللہ عنہ، معاویہ رضی اللہ عنہ سے "صلح" کر کے یہی "سنت" جاری فرما چکے تھے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ظالموں نے ان میں صلح جوئی، جنگ سے گریز اور قیام امن کے جذبے کے غلبے کو محسوس کرتے ہی انہیں شہید کر ڈالا کہ ان کا مقصد ہی امت میں پھوٹ ڈلوانا تھا اور وہ یہ کام اسی طرح کر سکتے تھے۔ اور نواسہ رسول ﷺ اور ان کے خاندان کے مظلومانہ اور بہیمانہ قتل سے بڑھ کر کیا شر وہ امت میں پیدا کر سکتے تھے؟ پس انہوں نے یہ شر خوب پیدا کیا اور اس کے بعد سے امت تقسیم ہوئی اور ایسی تقسیم ہوئی کہ آج تک ہم اس کے نتائج بھگت رہے ہیں۔ پھر بنو امیہ کے بعد بنو عباس آئے اور انہوں نے بنو امیہ کے ساتھ وہ کیا کہ جس کا وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے لیکن آل حسین میں کسی نے اس طرف جانا تو دور کی بات اس بارے سوچا بھی نہیں کہ یہی لوگ دراصل امن کے پیامبر تھے۔

یہ بھی ایک سوال ہے کہ ظالم اور جابر حکمران کے خلاف خروج "اسوہ حسینوی" ہے یا نہیں؟ اگر یہ "اسوہ حسینوی" ہے تو بعد میں آنے والے "ائمہ معصومین" نے اس اسوے کی پیروی کرتے ہوئے بغاوت اور خروج کیوں نہ کیا اور سکوت اور گوشہ نشینی کی زندگی کیوں اختیار کر لی۔ یا تو پھر بعد کے بنو امیہ بہت نیک ہو گئے تھے یا عادل حکمران تھے؟ اور پھر آل بیت سے نسبت رکھنے والے بنو عباس نے بنو امیہ کے ساتھ جو کیا ہے، کیا وہ اس سے کم ہے کہ جس کی نسبت یزید کی طرف کی جاتی ہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر درود یا یزید پر لعنت

دوست کا سوال ہے کہ عاشورا کے دن کو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر درود کے لیے مختص کرنا چاہیے یا یزید پر لعنت کے لیے؟ میں نے کہا کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ پر کثرت سے درود بھیجیں کہ درود آپ کو ان سے زیادہ قریب کرے گا۔ اس نے کہا کہ کیسے درود بھیجیں؟ میں نے کہا کہ «أللهم صلی علی محمد وعلی آل محمد۔۔۔۔» ترجمہ: اے اللہ! محمد ﷺ پر اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما اور آل محمد پر بھی اپنی رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔ اور آل محمد میں آل علی، بلاشبہ شامل ہیں۔

اس نے کہا کہ یزید پر لعنت بھیجنے کا حکم کیا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے کہ جس میں امت میں اختلاف ہے۔ ایک قول ہے کہ یزید پر لعنت کی جائے گی کہ اس کے حکم سے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، خانہ کعبہ کو آگ لگائی گئی، اہل مدینہ کی ایک ہزار مسلمان عورتوں سے زنا بالجبر کیا گیا، مسجد نبوی میں گھوڑے باندھے گئے۔ اور ابھی فیس بک پر ایک امیج پوسٹ دیکھ رہا تھا کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس میں سید مودودی رحمہ اللہ کی کتاب "خلافت وملوکیت" کا حوالہ دے کر یہ باتیں شیئر کی گئی تھیں اور "یزید پر لعنت بے شمار" کے عنوان کو تقریباً 5600 لوگوں نے شیئر کیا ہوا تھا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یزید کے لیے رحمت کی دعا کی جائے گی کہ وہ قسطنطنیہ پر حملہ کرنے والے اس لشکر کا سپہ سالار تھا کہ جس کے بارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغفرت کی بشارت دی تھی۔ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تو یزید کے زمانے میں ہوئی ہے لیکن یزید کے حکم پر نہیں ہوئی بلکہ اس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر افسوس کا اظہار کیا اور آل بیت کے وظائف جاری کیے۔ اب ان میں سے بعض نے کہا کہ یزید کے گورنر ابن زیاد کے حکم پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا جبکہ بعض نے یہ بھی کہا کہ یزیدی لشکر کی بجائے، اہل کوفہ نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ البتہ ان کا اس پر اتفاق ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے بدلہ لینے میں یزید ویسا ہی معذور تھا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، قاتلان عثمان سے قصاص لینے میں معذور تھے۔ اور یزید پر جو دیگر الزامات لگائے گئے ہیں تو وہ ان کے نزدیک جھوٹ اور مبالغہ ہیں۔ اس قول کی تفصیل دیکھنی ہو تو مولانا عتیق الرحمن سنبھلی کی کتاب "سانحہ کربلا: ایک نئے مطالعہ کی روشنی میں" اور مولانا کفایت اللہ السنابلی کی کتاب "یزید بن معاویہ" دیکھی جاسکتی ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ یزید پر نہ لعنت کی جائے اور نہ ہی اس سے محبت رکھی جائے جیسا کہ امام ذہبی رحمہ اللہ نے کہا ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام ابن الصلاح، امام ابن حجر، امام ابن تیمیہ، امام غزالی اور امام ابن کثیر رحمہم اللہ بلکہ اکثر اہل سنت علماء کا موقف یہی ہے کہ ہم یزید پر لعنت نہیں بھیجیں گے۔ اکثر علماء کا کہنا یہ بھی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت، یزید کے حکم پر نہ ہوئی اور نہ ہی وہ اس سے راضی تھا بلکہ یہ گورنر کوفہ ابن زیاد کا ذاتی اقدام تھا کہ جسے یزید نے ناپسند کیا۔ لیکن چونکہ یزید نے قاتلان حسین رضی اللہ عنہ سے قصاص اور بدلہ نہیں لیا لہذا اس سے محبت بھی نہیں رکھی جاسکتی۔ یہی جمہور اہل سنت کا قول ہے اور ہمارا رجحان بھی اسی قول کی طرف ہے۔ اور یزید پر جو دیگر الزامات لگائے گئے ہیں تو ان میں بہت مبالغہ آرائی ہے۔

اب یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوا ہے کہ کیا قاتلان حسین پر عمومی لعنت کی جاسکتی ہے اگرچہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معین شخص پر نہ ہو کہ اس کے لیے متواتر درجے کی روایت کا قطعی ثبوت چاہیے ہو گا کہ اسی نے قتل کیا ہے ورنہ تو مسئلہ اجتہادی ہو گا اور اجتہاد کی بنیاد پر لعنت جائز نہیں ہے۔ اور عمومی لعنت یہ ہے کہ قاتلان حسین پر لعنت! تو اس بارے بعض علماء کا کہنا ہے کہ عمومی لعنت کی جا سکتی ہے کہ یہ لعنت کتاب و سنت میں بھی بعض افعال کے ساتھ مختص کر کے بیان ہوئی ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ عمومی لعنت سے بھی بچنا چاہیے کہ قاتل اگر سچی توبہ کر لے تو اللہ عزوجل کے ہاں معافی کا دروازہ تو کھلا ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتلوں نے توبہ کر لی اور اسے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول بھی فرما لیا۔ البتہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قاتلان حسین رضی اللہ عنہ پر عمومی لعنت فرمائی ہے۔

ایک چوتھا قول یہ ہے کہ یزید پر لعنت کی جائے گی اور اس پر بھی لعنت کی جائے گی جو یزید پر لعنت نہ کرے۔ اور یہ اہل تشیع میں عام ہے لیکن ہمارے نزدیک یہ بنیاد پرستی اور انتہا پسندی کی علامت ہے۔ "ملعون ملعون یزید ملعون، جو نہ مانے وہ بھی ملعون" یہ ہمارے نزدیک ویسی ہی بات ہے کہ جیسے "کافر کافر شیعہ کافر، جو نہ مانے وہ بھی کافر"۔ آپ موقف ضرور رکھیں لیکن اپنے موقف کو دوسرے پر نافذ (impose) نہ کریں۔ آپ نفرت کو اپنے مذہب اور مسلک کی بنیاد بنائیں گے تو یہی نفرت کسی دن آپ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔ میں خود ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں کہ ہمارا سارا ننھیال اہل تشیع کی فیملی سے ہے اور میں اپنے شیعہ دوستوں سے بھی یہی گزارش کروں گا کہ اپنے مذہب کی بنیاد یزید سے نفرت کی بجائے، حسین سے محبت پر رکھیں۔ آئیں، عاشورا میں محبت پھیلائیں، محبت کو عام کریں، حسین سے محبت۔ اور اس کا اظہار اسی طرح ہو گا کہ یزید پر لعنت کی بجائے، حسین کے لیے درود ہماری زبانوں پر ہو، رضی اللہ عنہ۔ دوست نے کہا کہ کیا یزید پر لعنت کرنے پر آپ کو کوئی ٹینشن ہوتی ہے؟ میں نے کہا کہ وہ میرا کیا لگتا ہے کہ مجھے اس پر ٹینشن ہو جبکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب لعنت کر دی جاتی ہے تو وہ آسمانوں کی طرف جاتی ہے یہاں تک کہ آسمان کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں۔ پھر وہ لعنت زمین میں آتی ہے اور جس پر لعنت کی گئی ہوتی ہے، اس کا رخ کرتی ہے۔ اگر تو وہ اس کا مستحق ہو تو اس پر اتر جاتی ہے اور اگر مستحق نہ ہو تو لعنت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرنے والے کی طرف لوٹ جاتی ہے۔اور مجھے تو آل علی سے محبت ہے بلکہ طبعی محبت ہے کہ میں خود علوی ہوں اور کسے اپنے باپ دادا سے محبت نہیں ہوتی ! پس مجھے حسین سے محبت کے لیے کسی یزید کے واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔

صحابہ کا ایک دوسرے کو لعن طعن کرنا

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ صحیح مسلم کی ایک روایت کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے امراء کو حکم دیتے تھے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کریں، کیا یہ روایت صحیح ہے۔ جواب: صحیح مسلم کی روایت کے جو الفاظ ہیں، وہ یہ ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنایا اور ان سے سوال کیا: مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسُبَّ أَبَا التُّرَابِ؟ کہ ابو تراب رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے سے آپ کو کس چیز نے روکا ہے؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس روایت میں یہ کہیں نہیں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کوئی حکم دیا تھا بلکہ سوال کیا تھا۔[1] دوسری بات یہ ہے کہ اس سوال کا مقصد کیا تھا؟ تو یا تو اس سوال کا مقصد یہ تھا کہ جبکہ دوسرے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہہ رہے ہیں تو آپ کیوں رکے ہوئے ہیں؟ تو صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے تین وجوہات بیان کیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے یہ یہ مناقب ہیں لہذا میں دوسروں کی طرح ان کو برا بھلا نہیں کہہ سکتا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ ساری باتیں خاموشی سے سنیں اور ان کی تردید نہیں فرمائی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو کسی کام کی ترغیب دلائی ہے تو یہ واضح رہے کہ یہاں "سب" کا لفظ استعمال ہوا ہے کہ اس کا اصل معنی

[1] سوشل میڈیا کے نوجوان داعی محمد علی مرزا صاحب نے اپنے ایک ویڈیو بیان میں حدیث کے اس حصے کا ترجمہ یوں کیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہیں؟ یہ اس لیے عرض کر دیا کہ معلوم ہو جائے کہ کس طرح احادیث کے غلط تراجم کے بیان سے غلط فہمیاں پھیلتی ہیں اور بات کیا سے کیا بن جاتی ہے۔ اب عام سامع کو محمد علی مرزا صاحب کی تقریر سے یہ تاثر ملے گا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالیاں دینے کا حکم دیا۔ تو پہلے آپ اس بات پر تو آئیں ناں کہ صحیح ترجمہ کیا ہے کہ سوال پوچھا تھا نہ کہ حکم دیا تھا۔ اب اس پر بحث کر لیں کہ سوال پوچھنے کا مقصد کیا تھا؟ تو یہ انداز تحقیق درست اور مبنی بر اعتدال شمار ہو گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گالی دینا نہیں بلکہ عار دلانا ہے۔ اور عار بعض اوقات اشاروں سے بھی دلائی جاتی ہے، اسی لیے شہادت کی انگلی کو "سبابة" کہتے ہیں۔ پس اس صورت میں معنی یہ ہو گا کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی غلطیاں اور خامیاں بیان کر کے انہیں عار کیوں نہیں دلاتے؟

تیسری بات یہ کہ اس روایت کو دو طرح سے سمجھا جا سکتا ہے؛ ایک مفہوم تو وہ ہے جو کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یہ پوچھ رہے ہیں کہ کچھ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہہ رہے ہیں تو تم کیوں رکے ہو؟ یعنی تم نے ان میں کیا اچھا دیکھا ہے کہ انہیں برا بھلا نہیں کہہ رہے۔ تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ دراصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خوبیاں جاننا چاہ رہے تھے۔

دوسری روایت کہ جس کے بارے کہا جاتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر نے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما پر لعن طعن کی، یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن رضی اللہ عنہ نے مکہ میں خطبہ دیا اور کہا: «إِنَّ نَاسًا أَعْمَى اللهُ قُلُوبَهُمْ، كَمَا أَعْمَى أَبْصَارَهُمْ، يُفْتُونَ بِالْمُتْعَةِ»، يُعَرِّضُ بِرَجُلٍ کہ کچھ لوگ کہ جن کے دل اندھے ہیں اور اللہ نے ان کی آنکھیں بھی لے لی ہیں، متعہ کے جواز کا فتوی دیتے ہیں۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا اشارہ کسی شخص کی طرف تھا۔

پہلی بات یہ ہے کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے الفاظ عام ہیں، انہوں نے کسی کی تعیین نہیں کی۔ دوسری بات یہ ہے کہ راوی نے جو شرح کی ہے، اسے اصول حدیث میں "ادراج" کہتے ہیں یعنی راوی کا روایت میں اضافہ۔ روایت کے قائل حضرت عبد اللہ بن زبیر ہیں، لہذا روایت موقوف ہوئی۔ ان حضرت عبد اللہ بن زبیر کے قول میں اضافہ "ادراج" ہے۔ اور "ادراج" کے بارے قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی غریب لفظ کی شرح نہ ہو تو مردود ہے۔ یہ تو اصول حدیث سے جواب ہوا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر "ادراج" کو قبول بھی کر لیں تو بھی "رجل" نکرہ ہے اور نکرہ غیر متعین ہوتا ہے لہذا راوی نے بھی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تعیین نہیں کی۔ یہ علم لغت سے جواب ہوا۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ قرائن یہ کہتے ہیں کہ بعض شارحین یا مترجمین نے جو اس سے یہ سمجھ لیا کہ یہ "رجل" حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تھے، تو یہ درست نہیں ہے کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، تو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی بیعت نہ کرنے کے اختلاف کی وجہ سے مکہ چھوڑ کر طائف منتقل ہو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئے تھے اور وہاں ہی ان کی وفات ہوئی اور وہاں ہی وہ مدفون ہیں۔ یہ تاریخ سے جواب ہوا۔

چوتھی بات یہ ہے کہ کتب احادیث میں صرف یہ روایات نہیں ہیں کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ایسا کام کرتے تھے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے بھی ایسی روایات مروی ہیں۔ اور اہل تشیع کے علماء کا ایک گروہ تو ان روایات کو بنیاد بنا کر صحابہ پر لعن طعن کو جائز قرار دیتا ہے کہ جب امام نے لعن طعن کی ہے تو یہ لعن طعن کرنا، امام کی سنت ہے۔ اور انہوں نے اپنے تئیں اس کی بہت سی صحیح سندیں جمع کر رکھی ہیں کہ امام علی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر لعن طعن کرتے تھے۔ اور ہمارے نزدیک یہ دونوں باتیں درست نہیں کہ یا تو دونوں طرف سے گھڑی گئی ہیں یا سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ اگر کوئی یہ کہے کہ ایسا مان لینے میں کیا حرج ہے اور بھی تو روایات ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لعن طعن کرنے والا مومن نہیں ہو سکتا لہذا صحابہ کرام سے یہ بعید ہے کہ وہ ایمان کے اعلی درجہ پر فائز تھے۔ باقی اس کے علاوہ جو روایات ہیں، تو آپ وہ بھی لے آئیں تو ہمارے پاس ان سب روایات کے بھی جوابات ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا مناظرہ

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ مولانا عمار خان ناصر صاحب نے صحابہ اور سلف صالحین کے ایک دوسرے پر تنقید کے حوالے سے کچھ واقعات ذکر کیے ہیں کہ جن میں سے ایک واقعہ یہ بھی ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ نے جس طرح تمہاری آنکھوں کو اندھا کیا، اسی طرح تمہارے دل کو بھی اندھا کر دیا ہے۔ کیا یہ واقعہ درست ہے؟

عمار خان ناصر صاحب ہمارے لیے محترم ہیں اور قابل آدمی ہیں۔ ہم پہلے بھی اپنے قارئین کو توجہ دلا چکے ہیں کہ لونڈیوں کے مسئلے میں وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بعض ایسے واقعات نقل کر چکے ہیں کہ جو یا تو سند کے اعتبار سے قوی نہ تھے یا ان کا معنی درست نہیں لیا گیا تھا۔

بات یہ ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ صحابہ معصوم (innocent) تھے اور نہ ہی ہم یہ دعوی کرتے ہیں کہ ان سے کوئی گناہ نہیں ہوتا تھا لیکن ان کے غیر معصوم ہونے کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ وہ ہر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وہ گناہ بھی کر لیتے تھے جو کہ ہم کرتے ہیں۔ عمار خان ناصر صاحب کی غلطی یہ ہے کہ وہ صحابہ کو غیر معصوم سمجھنے کے ساتھ انہیں ہمارے جیسا گناہ گار ثابت کرنے کی کوشش میں لگے ہیں جو کہ اصولی طور درست نہیں ہے کہ وہ خیر القرون میں سے تھے لہذا ہم سے بہت بہتر تھے۔

میں اتنا گیا گزرا ہونے کے باوجود تنقید میں کچھ اعتدال کا خیال کر سکتا ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صحابہ کرام یہ نہ کرتے ہوں؟ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ عمار خان ناصر صاحب کی باتیں پڑھ کر اگر تو یہ احساس پیدا ہوتا کہ صحابہ اور سلف صالحین ہمارے جیسے ہی تھے تو بھی غنیمت تھا۔ لیکن ان کی باتیں پڑھ کر یہ احساس قوی ہو جاتا ہے کہ صحابہ اور سلف صالحین ہم سے بہت گئے گزرے تھے۔

اس واقعے کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مکہ المکرمہ میں منبر پر خطبہ دیا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سامنے بیٹھے تھے۔ اور دوران خطبہ انہوں نے یہ کہا کہ یہاں کچھ لوگ ایسے بھی بیٹھے ہیں جو متعہ کو حلال سمجھتے ہیں اور یہ ایسے لوگ ہیں کہ جنہیں اللہ نے آنکھوں سے بھی اندھا کر دیا اور ان کا دل بھی اندھا کر دیا ہے۔

خطبہ کے بعد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک شخص کی معیت میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے ملتے ہیں اور انہیں جواباً کہتے ہیں کہ تمہاری ماں بھی متعہ کرتی تھی، اس سے جا کر پوچھ لو۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس پر خاموش ہو جاتے ہیں اور اپنی ماں اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے جا کر پوچھتے ہیں تو وہ انہیں کہتی ہیں کہ میں نے تمہیں منع کیا تھا کہ ان ہاشمیوں سے الجھنا نہیں ہے کہ تم ان کو پورا نہیں پڑ سکتے۔ اور جہاں تک متعہ کی بات ہے تو حقیقت یہی ہے کہ تم بھی متعہ کی اولاد ہو۔

یہ وہ جھوٹا واقعہ ہے کہ جسے غالی شیعوں نے گھڑ کر متعہ کے جواز کی دلیل کے طور اپنی کتابوں میں عام کیا ہے۔ اور مولانا عمار خان ناصر صاحب ایسے واقعات بیان کر کے صحابہ کا غیر معصوم ہونا ثابت کر رہے ہیں۔ مولانا عمار صاحب سے گزارش ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ صحابہ غیر معصوم ہیں لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں ہے کہ اتنے ہی غیر معصوم تھے جتنے کہ آپ ہیں۔

مولانا عمار خان ناصر صاحب کے فالوورز کی خدمت میں

مولانا عمار خان ناصر صاحب نے صحابہ کرام کے ایک دوسرے پر لعن طعن کرنے کے حوالے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے دو واقعات کا ذکر کیا تھا کہ جس کے دفاع میں راقم نے پوسٹ لگائی تھی کہ عمار صاحب نے صحابہ کرام کے بارے میں جن واقعات کا تذکرہ کیا ہے، وہ درست نہیں ہیں۔ اس پر عمار صاحب کے ایک شاگرد نے یہ کمنٹ کیا کہ عمار صاحب نے جس واقعے کا ذکر کیا تھا، وہ صحیح مسلم میں بھی ہے۔

صحیح مسلم کی روایت کے جو الفاظ ہیں، وہ یہ ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا اور یہ کہا کہ کچھ لوگ ہیں جو متعہ کے بارے میں فتنے میں مبتلا ہیں یعنی متعہ کو جائز کہتے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ عزوجل نے ان کی آنکھوں کو بھی اندھا کر دیا جیسا کہ ان کے دلوں کو اندھا کر دیا ہے۔ اب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کسی کا نام نہیں لیا بلکہ عمومی انداز میں ذکر کیا ہے۔

اور عجیب بات ہے کہ راوی کہ جس نے روایت بیان کی ہے، اس نے بھی "أناسا" کے لفظ کی جب شرح بیان کی تو یہی کہا کہ "برجل" کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی مراد کوئی ایک شخص تھا۔ یعنی خود شاہد واقعہ نے بھی تعیین مناسب نہیں سمجھی کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بیان میں تعریض اس قدر خفی تھی کہ تعیین ممکن ہی نہ تھی۔ اور اگر شاہد واقعہ تعیین بیان بھی کر دیتا تو بھی یہ امکان موجود تھا کہ اسے غلط فہمی ہوئی ہے کہ جبکہ متکلم نے خود نام نہیں لیا تو مخبر یعنی خبر نقل کرنے والا کیسے یہ دعوی کر سکتا ہے کہ متکلم کی مراد یہ تھی۔

اور اب صحیح مسلم کی روایت پر غور کریں تو محسوس ہو گا کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا ایمان بول رہا ہے۔ آج اگر مفتی تقی عثمانی صاحب یہ کہیں کہ کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو شادی شدہ کے لیے رجم کی سزا کا انکار کرتے ہیں اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی آنکھوں کے ساتھ ان کے دل کی بصارت کو بھی اللہ نے لے لیا ہے تو یہ غیرت ایمانی ہے نہ کہ شخصی تنقید۔ اور اگر کوئی یہ کہے کہ مفتی صاحب نے غامدی صاحب کو آنکھوں اور دل کا اندھا کہا ہے اور اسے استدلال کا نام دے تو اس پر رویا ہی جا سکتا ہے اور کیا کیا جا سکتا ہے!

بات یہ ہے کہ مسالک اپنے فقہی مسائل کے اثبات اور متجددین اپنے جدید اسلام کے اثبات کے لیے صرفی، نحوی، بلاغی اور منطقی، معلوم نہیں کیسے کیسے نکتے اور عجائب نکال لاتے ہیں تو کیا صحابہ کرام اس قابل نہیں ہیں کہ ہم ان علوم آلیہ کو ان سے طعن کو دور کرنے میں خادم کا درجہ دے دیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو اپنے استاذ امام یا اپنے نفس کے دفاع میں علم و اخلاق کی ہر وادی میں گھومتے پھرتے ہیں، انہیں صحابہ کرام کے دفاع پر یہ وعظ یاد آجاتا ہے کہ وہ بھی تو انسان ہی تھے، اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

میں اس بات کو مانتا ہوں کہ سپاہ صحابہ رد عمل کی تحریک تھی لیکن اس کا یہ جو نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت اور تعظیم کا مومنوں کے دلوں میں گھر کر جانا، اور ان کے دفاع میں حساس ہونا، تو یہ صد فی صد قرآن مجید کا مطالبہ تھا۔ جنہیں اپنے استاذ امام سے طعن دور کرنے میں یہ حدیثیں یاد آتی ہیں کہ مومن سے شر کو دور کرنا خیر کا کام ہے، انہیں صحابہ کے دفاع میں یہ وعظ یاد آتا ہے کہ وہ بھی تو انسان ہی تھے۔ تو اب بھی ہم آپ سے یہ نہ کہیں کہ بھئی، مسئلہ آپ کا علمی ہی نہیں اخلاقی بحران کا بھی ہے، تو کیا کہیں؟ دوسروں کو دیانت کے وعظ کرنے سے کوئی خود سے دیانت دار نہیں بن جاتا۔ دوسرے کم از کم اس لحاظ سے بہتر ہے کہ جھگڑے میں آپ کی اگلی نسلوں تک نہیں جاتے، آپ تک ہی محدود رہتے ہیں۔ آپ اگر واقعتاً معتدل ہوتے تو یہ آپ کے استاذ تک پہنچے تھے، آپ بھی ان کے استاذ تک محدود رہتے۔

باقی یہ بات درست ہے کہ مولانا عمار خان ناصر صاحب میں بہت سی خوبیاں ہیں کہ جن کے ہم معترف ہیں۔ کسی پر تنقید کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ شر محض ہی ہے، یہ تو ہماری تحریروں سے واضح ہے ہی۔ اور کسی پر تنقید کا مطلب یہ بھی نہیں ہوتا کہ ہم اپنے آپ کو اس سے علمی اور اخلاقی طور بہتر سمجھتے ہیں بلکہ صرف اتنا ہے کہ وہ ہم پر نقد کرتے ہوئے فلاں فلاں چیز کا دھیان کر لے تو تنقید بھی ہو جائے گی اور ہمارے حقوق بھی متاثر نہیں ہوں گے۔ اور تنقید میں مبالغے کے بغیر بات بنتی نہیں ہے، یہ بھی واضح ہے لیکن آپ یہ مبالغہ ہم پر تنقید میں کر لیں، ہمارے بڑوں پر نہیں۔ یہی عرض کرنا مقصود ہے۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ششم

فلسفہ اور سائنس

اس باب میں فلسفہ اور سائنس (Philosophy and Science) کے بارے بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فلسفہ کی اہمیت

مغربی فکر و فلسفہ پر اور مسلم فلاسفی پر چند کتابیں پڑھنے کے بعد یہی کہنے کو جی چاہتا ہے کہ "فلسفہ پڑھنے سے بہتر ہے کہ ٹام اینڈ جیری کے کارٹون دیکھ لو۔" اس سے ان شاء اللہ، نہ صرف وہ ذہنی بلندی بھی حاصل ہو گی جو فلسفیوں کا نصیب رہی ہے بلکہ عام انسانوں کی ذہنی پستی کا واہمہ بھی جاتا رہے گا۔ ذہین کو اس کی ضرورت نہیں ہے اور کند ذہن کو اس کا فائدہ نہیں ہے۔ آسان الفاظ میں عام فہم باتوں کو اپنی "کتاب التعریفات" کے اسلوب میں بیان کرکے دوسروں پر رعب جمانے کا کام فلسفیوں نے کیا ہے۔

بڑے فلسفی کی بات کو دنیا میں دو لوگ ہی سمجھ پاتے ہیں؛ ایک وہ خود اور دوسرا اس کا شاگرد۔ اور حقیقت یہ ہے کہ شاگرد بھی غلط ہی سمجھتا ہے۔ اور اس نعمت پر اللہ کا شکر واجب ہے۔ کبھی کبھی دل کرتا ہے کہ فلسفیوں کے ان ذہنی مسائل پر لکھا جائے کہ جو علم فلسفہ کی تخلیق کا سبب بنے۔ اے فلاسفہ کی جماعت! تم عام لوگ ہو، تم میں کچھ خاص نہیں ہے سوائے اس کے کہ کمہار نے مٹی پر محنت کی، لوہار نے لوہے پر اور تم نے اظہار فکر کے ایک خاص اسلوب بیان پر۔

فلسفے کی آٹھ شاخیں ہیں: - ما بعد الطبیعیات (metaphysics)، علمیات (epistemology)، لسانیات (linguistics)، نفسیات (psychology)، اخلاقیات (ethics)، جمالیات (aesthetics)، منطق (logic) اور قانون (law)۔ پہلی اور دوسری شاخ کے بارے ہم نے اس کتاب کے پہلے باب "وجود اور علم" میں جبکہ تیسری اور چوتھی شاخ کے بارے میں آٹھویں باب "لسانیات اور نفسیات" میں گفتگو کی ہے۔ اخلاقیات اور جمالیات پر ہماری کتاب "اسلامی نظریہ حیات" میں جامع بحث موجود ہے۔ منطق پر کوئی باقاعدہ تو نہیں لیکن بے قاعدہ بحث میری کتاب "وجود باری تعالی" میں ہے جبکہ یہاں قانون سے مراد فلسفہ قانون ہے اور اس پر بھی کچھ بحث اس کتاب کے ساتویں باب "مذہب اور ریاست" میں موجود ہے۔

فلسفے کا رد

فلسفے سے نہ تو دین اسلام کو کوئی خطرہ رہا ہے، نہ ہے اور نہ ہو گا اور نہ ہی اس کا رد کوئی دینی ذمہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داری ہے۔ فلسفہ ایک ایسا موضوع ہے کہ جب تک آپ اس پر محنت کر کے اسے سیکھ نہ لیں اور اس کی باقاعدہ تربیت نہ لے لیں، یہ آپ کو سمجھ نہیں آتا۔ افلاطون نے سقراط سے اور ارسطو نے افلاطون سے برسوں فلسفے کی تربیت پائی ہے تو انہیں فلسفہ سمجھ آیا ہے۔ ابن سینا نے لکھا ہے کہ مجھے طب کے بعد فلسفے کے مطالعہ کا شوق ہوا تو میں نے ارسطو کی ایک کتاب چالیس مرتبہ پڑھی لیکن کچھ سمجھ نہیں آئی یہاں تک کہ فارابی کا واسطہ ملا تو ارسطو سمجھ آیا۔ یہ ابن سینا کہہ رہا ہے تو عام افراد کا کیا کہنا؟

پس فلسفہ ایک آزمائش ہے لیکن انہی لوگوں کے لیے جو اس کی باقاعدہ تربیت لے کر اس میں مبتلا ہونے کا شوق رکھتے ہیں۔ عام لوگوں کی تو سمجھ سے ہی بالاتر ہے تو انہیں یہ کیا فتنہ میں مبتلا کرے گا۔ پس طلبۃ العلم اور عوام الناس کو فلسفہ سیکھنے اور سکھانے کی دعوت دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ پہلے یہ سیکھیں کہ آپ کے ذہن میں تشکیک کیسے پیدا ہوتی ہے اور پھر اس کا جواب ڈھونڈیں، یہ دین کی بہت بڑی خدمت ہے، اللہ اکبر!

پس ہماری عوام کا ایک مسئلہ ہے ہی نہیں، ہم پہلے وہ مسئلہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اور پھر اس کا حل تلاش کر کے دین کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ معلوم نہیں دین کی خدمت کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ اور یہ بھی سب مانتے ہیں کہ اکثر کی ذہنی سطح اتنی ہوتی ہی نہیں ہے کہ فلسفہ سمجھ پائے تو چند لوگوں کا ہی مسئلہ باقی رہ گیا ناں؟

اور رہی دینی ذمہ داری کی بات تو دینی ذمہ داری نص صریح سے ثابت ہوتی ہے۔ اور نص صریح صرف اتنی ہے کہ فلسفی تک اللہ کا پیغام پہنچا دو کہ اس سے کہہ دو بھائی یہ تمہارے خالق کا پیغام ہے، باقی تم نے نہیں ماننا تو تمہارا اور اس کا حساب کتاب آخرت میں۔ میں تو ایک عاجز اور چھوٹے ذہن کا انسان ہو۔ پس یونانی فلسفے کا رد اللہ کے رسول ﷺ کی ذمہ داری تو نہ تھی البتہ امام غزالی رحمہ اللہ کی تھی، کیا یہ کہنا درست ہو گا؟

یہی قرآن کا منہج ہے کہ جب بھی مشرکین مکہ نے کوئی عقلی اعتراض کیا تو اللہ نے اس کا عقلی جواب دینے کی بجائے آخرت کی دھمکی لگا دی یا اپنا حکم سنا دیا۔ اب خالق اپنی حقیر مخلوق کے اعتراض کو اتنی اہمیت دے کہ اسے مطمئن کرنے کی کوشش میں اس کے برابر کھڑا نظر آیا، تو یہ محال ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا یہ دعوی کہ عصر حاضر میں اسلام کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج فلسفہ ہے تو اس بات میں مبالغہ ہے۔ فلسفے کو مسلمانوں میں سمجھنے والے کتنے ہیں؟ ایک فی صد بھی نہیں، تو چیلنج کس چیز کا؟ ہاں، دہشت گردی کو ایک چیلنج کہا جائے تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ امریکہ کو ایک چیلنج کہا جائے تو بات سمجھ میں آتی ہے کہ یہ تمام مسلمانوں کے مسائل ہیں لیکن فلسفے کا چیلنج کیا چیلنج ہوا کہ سائنس کے اثرات کی وجہ سے اب تو فلسفہ کے ڈیپارٹمنٹ تک یونیورسٹیوں میں نزع کے عالم میں ہیں۔ فلسفہ پڑھنا پڑھانا قصہ ماضی بن چکا۔ چوٹی کے سائنسدان اسٹیون ہاکنگ (Stephen Hawking) وغیرہ فلسفے کے مرنے پر مہر ثبت کر چکے۔ اور ہم اسے دوبارہ اہمیت دے کر زندہ کرنا چاہتے ہیں۔

باقی جسے فلسفے کے اثرات کہا جاتا ہے، وہ فلسفے کے اثرات نہیں ہیں بلکہ انسانی جبلت اور خواہش نفس کے نتائج ہیں۔ قوم لوط، فرائیڈ کے فلسفے سے ہزاروں سال پہلے اس فعل شنیع میں مبتلا تھی کہ جسے آج مغرب میں فرائیڈ کے فلسفے کا نتیجہ قرار دیا جاتا ہے۔ اور منگولوں اور تاتاریوں میں وحشت، بربریت اور حب تفوق ایڈلر وغیرہ جیسوں کے فلسفوں کے آنے سے بہت پہلے موجود تھی۔

باقی انسان کو ذہین ہونا چاہیے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہم اس کے قائل ہیں کہ بڑا سے بڑا فلسفی بھی کسی مسلمان کے سامنے موجود ہو تو بات چیت کے بعد یہ نہ کہہ سکے کہ کسی کند ذہن سے گفتگو ہوئی ہے۔ لیکن ذہین ایک کمہار بھی ہو سکتا ہے، ایک لوہار بھی اور ایک فلسفی بھی۔ اس کے لیے فلسفہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اور فلسفی ہی ذہین ہوتے ہیں، اس سے بے کار بات کوئی نہیں ہے۔ ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ ان کی ذہانت کا ایک ہی سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک خاص اسلوب میں گفتگو کرنے پر محنت کی ہے اور اس کی تربیت حاصل کر لی ہے۔ بس فلسفہ سادہ اور عام فہم بات کو پیچیدہ اور گنجلک اسلوب میں بیان کرنے کا ایک فن ہے اور اس سے زائد کچھ بھی نہیں ہے۔

باقی جس طرح دیگر مذاہب کے لوگوں نے اسلام پر اعتراضات کیے ہیں، اسی طرح کچھ فلسفیوں نے بھی نفس مذہب پر اعتراضات کیے ہیں۔ بس ان کا جواب کچھ لوگ دینا چاہیں تو دے دیں، اس میں کیا اختلاف ہے۔ لیکن ایک مسلمان کی دینی ذمہ داری فلسفی تک رسول کی خبر کو پہنچانا ہے نہ کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو مطمئن کرنا اور اس کے مزعومہ عقلی شبہات کا جواب دینا۔ بس یہ فرق واضح رہے۔

آخر الذکر کو ایک دینی ذمہ داری قرار دینا، اللہ کو اپنے خلاف گواہ بنانے کے مترادف ہے کہ اے اللہ! میں یہ بھی کر سکتا تھا اور یہ میری دینی ذمہ داری بھی تھی، لیکن نہیں کیا، لہذا اب مجھ سے اس کا حساب لیں۔ بلکہ عاجز بن کر رہیں کہ اے پروردگار! میرا کام پیغام پہنچانا تھا، یہی سادہ سا مفہوم مجھے آپ کی کتاب سے سمجھ آیا کہ اسے آپ کی مخلوق تک پہنچا دوں۔ اور اسی کی میں صلاحیت رکھتا تھا۔ اس سے زیادہ کا مجھ پر بوجھ نہ ڈالیں اور اس کا مواخذہ نہ کریں۔

فلسفہ، سائنس اور مذہب

ہم سائنس کے دور میں مذہب پر فلسفے کے اعتراضات کا جواب دینا چاہتے ہیں۔ ہم اپنے آبائی قبرستان میں نطشے کو اس کی قبر سے کھڑا کر کے، اسے کندھوں سے جھنجھوڑتے ہوئے یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ تو نے یہ اعتراض کیا تھا کہ "خدا مر چکا ہے۔" اب بول، میں تیرے اس اعتراض کا مسکت جواب لایا ہو، اور وہ جواب یہ ہے کہ "نطشے مر چکا ہے۔" ابے، بولتا کیوں نہیں ہے؟ سانپ سونگھ گیا ہے کیا؟ چپ کرا دیا نا تجھے!

اور ہمارے گھر میں ہمارے بچے کے بیگ میں رکھی ہوئی ہمارے ہی پیسوں سے خریدی گئی بیالوجی کی کتاب اسے یہ تعلیم دے رہی ہے کہ بیٹا ارتقائی درخت ایک حقیقت ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ سائنسدان کی بات ایسی ہی حقیقت ہے جیسا کہ پیغمبر کی بات۔ اور سائنسی اکتشافات (scientific discoveries) پر ایمان نہ لانے والے جاہل ہیں۔

ہم سائنسدانوں کی بنائی ہوئی دنیا میں ان فلسفیوں کی عظمت تلاش کر رہے ہیں کہ جو صبح کا اخبار دیکھ کر اپنا فلسفہ مرتب کرتے تھے، جو اس بات پر منطقی دلیلوں کا انبار لگا سکتے تھے کہ عورت کے عقل داڑھ نہیں ہوتی لیکن ایک عامی کی طرح اپنی بیوی کا منہ کھول کر عقل داڑھ دیکھنے کی انہیں توفیق نہ تھی، جو اپنا فلسفہ بیان کرنے کے بعد کسی مرید کے سوال کے جواب میں کہتے کہ بچے معلوم نہیں وجدان کی کس کیفیت میں مجھ سے یہ الفاظ صادر ہو گئے، اب تو مجھے خود معلوم نہیں کہ ان کے کیا معانی ہیں؟

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہاں ملے گی یہ عظمت، سوائے فلسفے کی چند کتابوں اور آپ کے ذہن کے۔ اگر دین کی خدمت کا جذبہ ہے تو نظریاتی سائنس؛ نظریاتی بیالوجی اور نظریاتی فزکس سے پیدا ہونے والے الحاد کا جواب دیں جو کہ آپ کے بچے کے بستے اور بیگ میں بھی موجود ہے اور آپ کے ٹی۔وی لاؤنج میں بھی۔ بھئی، فلسفہ بھی مر گیا اور فلسفی بھی۔ اب سائنس کا زمانہ ہے اور سائنسدانوں کا ذہنوں پر غلبہ ہے۔

مذہب اور سائنس: الحاد سے ایمان کی طرف آنے کا رستہ

پچھلے دو دن لاہور میں مذہب اور سائنس کے عنوان پر منعقد ہونے والی ایک ورکشاپ میں شرکت کا موقع ملا۔ ورکشاپ میں اسپیکر محترم ڈاکٹر باسط بلال کوشل صاحب تھے جو کہ امریکہ سے سوشیالوجی اور فلسفہ میں ڈبل پی۔ایچ۔ڈی ہیں اور لمز یونیورسٹی میں استاذ ہیں۔ کانفرنس کا بنیادی موضوع، مذہب اور سائنس میں تنازع یعنی اختلافات کی وجوہات اور مفاہمت کی راہ نکالنے کی بنیادیں تلاش کرنا تھا۔ اور اس مقصد کے حصول کے لیے چار روزہ ورکشاپ میں کچھ انگریزی اور کچھ اردو ٹیکسٹ کا مطالعہ کیا جانا تھا۔

پہلے روز ورکشاپ کے بعض شرکاء کا خیال تھا کہ سائنس اور مذہب میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ دونوں کی ڈومین مختلف ہے۔ ہماری رائے میں بھی ایسا ہی تھا اور ہم یہ بات نوبل پرائز سائنسدانوں کی ایک جماعت کے حوالے سے اپنی نئی کتاب "وجود باری تعالی: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں" میں بالتفصیل کر چکے ہیں کہ خود سائنس کے بڑے لوگوں کی ایک جماعت اس بات کی شد و مد سے مدعی رہی ہے کہ سائنس اور مذہب ایک دوسرے کو اسپورٹ کرتے ہیں نہ کہ ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچتے ہیں۔ ان سائنسدانوں میں نیوٹن، گلیلیو، کیپلر، کوپر نیکس، ڈیکارٹ، پاسکل، فرائیڈے، میکس ویل، پاسچر، آئن اسٹائن، میکس پلانکس، ہائزن برگ وغیرہ شامل ہیں اور ان کے اقوال کی تفصیلات ہماری کتاب میں موجود ہیں۔

لیکن ظاہر بات ہے کہ اگر پہلے دن ہی اتنے بڑے سائنسدانوں کی یہ بات مان لی جاتی جو کہ قرآن مجید کا بھی دعوی ہے کہ اس کائنات میں غور و فکر تمہیں لازماً خدا تک پہنچا کر رہتا ہے تو اگلے تین ہم نے جھک مارنی تھی؟ پس یہ گویا کہ پہلے سے طے تھا کہ ہال کے نیچے بیٹھے ہر شخص نے اس پر طوعاً و کرہاً

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان لانا ہے کہ سائنس اور مذہب میں اختلاف ہے۔ ہمیں پتہ ہے کہ اس کی مثالیں بیان کی جاسکتی ہیں لیکن سائنس اور مذہب میں تنازع کی جو مثال بھی آپ لائیں گے تو وہاں یا تو مذہب کرپٹ ہے جیسا کہ ہندومت، عیسائیت وغیرہ یا پھر سائنس کرپٹ ہے جیسا کہ ڈاکنز کی بیالوجی اور ہاکنگ کی فزکس۔ جہاں دونوں خالص ہیں، وہاں کوئی تنازع (conflict) نہیں ہے۔

بلکہ دونوں میں تنازع ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ وہی خالق ہے کہ جس نے کائنات بنائی اور اس کی تدبیر کے لیے لاز آف نیچر زسیٹ کیے کہ جن کا مطالعہ سائنس کا علم کہلایا۔ اور دوسری طرف اسی خالق نے انسانوں کو زندگی گزارنے کے لیے ایک ضابطہ حیات دیا تو ایک ہی مصدر سے صادر ہونے والے دونوں علوم یا ایک ہی مصنف کی دو تصانیف آپس میں ایک دوسرے سے ٹکرائیں گی یا اسپورٹ کریں گی؟ واضح بات ہے کہ اسپورٹ کریں گی اور یہ سو فی صد عقلی بات ہے۔ اور وہاں ٹکرائیں گی جہاں کوئی کرپٹ ریڈر ایک تصنیف میں ایک عبارت کا مفہوم وہ مراد لے لے گا جو دوسری کے خلاف جارہا ہوگا تو یہ ٹکراؤ تو اس مِس انڈر سٹینڈنگ نے پیدا کیا لہذا حل یہی ہے کہ غلط فہمی کو دور کیا جائے، یہ میرا نقطہ نظر تھا۔

کانفرنس کے اگلے روز کیس اسٹڈی کے طور پر مولانا دریا آبادی صاحب رحمہ اللہ کی آپ بیتی کے چند اوراق کا مطالعہ کروایا گیا کہ جس میں مولانا کے کفر سے ایمان کی طرف آنے کے ذرائع اور راستوں کا بیان ہے۔ مولانا کا کہنا تھا کہ وہ فلسفہ اور منطق کی کتب پڑھنے کی وجہ سے الحاد کی طرف چلے گئے تھے اور تقریباً دس سال اس میں مبتلا رہے۔ پھر مشرکانہ مذاہب بدھ مذہب، جین مت، کنفیوشزم وغیرہ کی فلاسفی کا مطالعہ کیا تو کچھ روحانیت کی طرف آئے۔ پھر جوگیانہ اور ہندوانہ تصوف کا مطالعہ کیا تو مزید روحانیت کی طرف بڑھے، پھر قبر پرستی کی طرف آئے، تو مزید روحانیت میں داخل ہوئے۔ پھر احمد علی لاہوری کا انگریزی ترجمہ قرآن مجید پڑھنے کے بعد تو جیسے مکمل مسلمان ہو گئے۔ اب یہ شخص کی آپ بیتی تھی، اور جیسی ہے، ویسی ہی ہے، ہم اس میں کوئی تبدیلی تو نہیں کر سکتے لیکن سوال یہ پیدا ہوا کہ الحاد سے ایمان کی طرف آنے کا رستہ کیا ہے؟

باسط بلال صاحب بار بار زور دیں کہ مشرکانہ مذاہب، جوگیانہ تصوف اور لاہوری ترجمہ قرآن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کفر والحاد ہی ایمان کی طرف آنے کا رستہ ہے جبکہ میرا کہنا تھا کہ یہ غلط ہے، اور اصل رستہ کتاب وسنت ہی ہے۔ البتہ ایک شخص کے لیے یہ رستہ بن گیا ہے تو یہ تقدیر ہے، یہ ایک شخص کی بایو گرافی ہی ہے، اور اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ اس دنیا میں ہر ملحد، جو ایمان کی طرف آتا ہے تو وہ اسی راستے سے آتا ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ، الحاد سے ایمان کی طرف تصوف کے واسطے سے آئے۔ تو رستہ تو کوئی بھی ہو سکتا ہے، کوئی ملحد کتاب وسنت سے بھی ایمان کی طرف آ سکتا ہے۔ اس پر باسط بلال صاحب نے کہا کہ مجھے سمجھائیں کہ کتاب وسنت سے ایمان کی طرف کیسے آ سکتا ہے؟

میں نے کہا کہ آپ کتاب وسنت کی وہ تعبیر اور تشریح، بیانیہ یا ورژن پیش کریں جو حکمت اور استدلال، لاجک اور عقل پر مبنی ہو۔ تو اس پر وہ اپنے مخصوص اسٹائل میں کہنے لگے کہ یہ بات تو نیچے ریڑھی والا بھی جانتا ہے، آپ عالم فاضل اور پی۔ ایچ۔ ڈی ہو کر ایسی سطحی باتیں کر رہے ہیں؟ میں نے کہا کہ ریڑھی والا تو ایتھی ایسٹ کا معنی بھی نہ جانتا ہو گا؟ لیکن وہ اپنی بات پر اصرار کرتے رہے۔ میں نے کہا کہ اس کا حل تو یہی ہے کہ میں نیچے سے کسی ریڑھی والے کو لے آتا ہوں تاکہ واضح ہو جائے کہ ایک پی۔ ایچ۔ ڈی، عالم دین اور ریڑھی والے کی ذہنی سطح اور علم میں کوئی فرق ہے یا نہیں ہے؟ بہر حال اس پر انہوں نے صرف اتنا کہا کہ میں بھی آپ کے ساتھ نیچے جاؤں گا لیکن انہوں نے پھر اس کے لیے ہمت نہیں کی۔

باسط صاحب نے کہا کہ یہاں ہر گھر میں ایک ملحد موجود ہے۔ میں نے کہا کہ آپ مبالغہ کر رہے ہیں، کیا آپ نے اس پر مقداری تحقیق (quantitative research) کر رکھی ہے؟ کہنے لگے ہر گھر نہ سہی، دوسرے گھر میں تو ملحد موجود ہے۔ میں نے کہا کہ ایک طرف آپ کتاب وسنت والوں کو دباتے ہیں اور دوسری طرف آپ کے اپنے بیانات ایسے ہیں جو کہ مشاہدے کے خلاف ہیں۔ ہم بھی اس سوسائٹی کا حصہ ہیں، ٹھیک ہے یہاں الحاد موجود ہے، اس کا علاج ہونا چاہیے، اس کے لیے فکر مند رہیں لیکن واعظین جیسا مبالغہ تو نہ کریں کہ ہر دوسرے گھر میں ملحد بیٹھا ہے۔ بس ورکشاپ میں حضرت کے سائنسی دلائل کچھ ایسی ہی نوعیت کے تھے کہ جیسے ایک فلسفی اس بات پر عقلی اور نقلی دلائل کے انبار لگاتا ہے کہ عورت کے عقل داڑھ نہیں ہوتی لیکن سامنے بیٹھا ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولوی کہتا ہے کہ حضرت آپ کے سامنے اتنی عورتیں بیٹھی ہیں، ان میں سے کسی ایک کا منہ کھلوا کر دیکھ لیں لیکن وہ فلسفی صاحب اس طرف نہیں آتے بلکہ اپنی بات کے عقلی اور منطقی ہونے پر اصرار کیے چلے جاتے ہیں۔ اب مولوی کی یہ بات سائنسی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کے پاس سائنس کی ڈگری نہیں ہے اور سامنے والے کے پاس چونکہ بڑی ڈگریاں ہیں لہذا اس کی ہر بات سائنسی ہے۔

بھئی، نیچے سے ریڑھی والا پکڑ لائیں اور اس سے پوچھ لیں کہ ایک ملحد کو ایمان کی طرف لانے کے لیے کیا کرنا چاہیے؟ جب آپ کے بقول ریڑھی والے کو بھی وہ بات پتہ ہے جو علماء اور مذہبی طبقے کر رہے ہیں۔ اور آپ کے بقول آپ کو علماء اور مذہبی طبقے کی اس بات سے بغض ہے تو اس کا حل تو یہی ہے کہ ریڑھی والے کو بلوا لیں تاکہ پتہ چل جائے کہ کھوتا گھوڑا ایک ہی ہے یا فرق ہے؟ اور جب آپ کا دعوی ہے کہ پاکستان میں ہر گھر میں یا چلیں دوسرے گھر میں ملحد بیٹھا ہے تو اپنے سامنے موجود پچاس افراد سے پوچھ لیں، یہ پچاس گھرانے ہی ہیں، کہ ان میں سے کتنوں کے گھروں میں ملحد بیٹھے ہیں؟ آپ دوسرے کو دبکا لگاتے ہیں کہ میرے سوال کا جواب ہاں یا ناں میں دو اور خود آپ کی صورت حال یہ ہے کہ ایک سوال اصرار سے کیا گیا کہ نبیوں اور رسولوں کا ملحدوں کو ایمان کی طرف لانے کا کیا طریقہ کار رہا ہے تو آپ نے ہاں ناں تو کجا، گول مول جواب بھی دینے سے پہلو تہی کی، کیا یہ علمی بددیانتی نہیں ہے؟ یہ الفاظ آپ کو میں نے اس لیے کہے ہیں کہ آپ چھوٹی چھوٹی سی بات پر علماء کو یہ کہتے ہیں کہ کیا یہ علمی بددیانتی نہیں ہے کہ آپ کے سوال کا جواب علماء ہاں یا ناں میں نہیں دے رہے؟

اب وہاں شرکائے مجلس میں یونیورسٹی اور مدرسہ سے تعلق رکھنے والے لوگ تھے، کچھ پی۔ایچ۔ڈی تھے، کچھ عالم فاضل تھے، کچھ یونیورسٹی میں پڑھا رہے تھے، کچھ مدرسہ میں۔ اب باسط صاحب بار بار اس بات کو دہرائیں کہ اس چھت کے نیچے سارے جاہل بیٹھے ہیں۔ میں نے جب اس پر اعتراض کیا کہ یہ تو اکاڈیمک لینگویج نہیں ہے اور نہ ہی اکاڈیمک ایٹی چیوڈ ہے کہ سب کو جاہل کہیں اور بار بار کہتے چلے جائیں۔ تو وہ جواب میں فرمانے لگے کہ میں اپنے آپ کو بھی تو کہہ رہا ہوں۔ میں نے کہا کہ آپ اپنے کو جو مرضی کہیں، میں کون ہوتا ہوں پوچھنے والا؟ لیکن آپ کو یہ اختیار کس نے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیا کہ آپ اپنے سامنے والے کو بھی یہی بات کہیں، یہ تو اخلاقی طور کسی صورت درست نہیں ہے۔

ایک دوست نے کہا کہ اس میں مسئلہ کیا ہے کہ ایک شخص کافر ہے، مرتد ہو چکا ہے، اب وہ اسلام کی طرف کفر کے ذریعے ہی آجائے۔ میں نے کہا کہ آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں کہ اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے جب تک کہ آپ اپنی اس رائے کو ایک عاجزانہ رائے (humble opinion) کے طور پیش کرتے رہیں لیکن یہاں محسوس یہ ہو رہا ہے کہ کتاب وسنت سے الرجی ہے۔ مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمہ اللہ الحاد سے ایمان کی طرف ہندو فلاسفی، جین مت، بدھ مذہب، جوگیانہ تصوف اور احمدی ترجمہ کے رستے آئے لیکن کیا الحاد سے ایمان کی طرف آنے کا ایک ہی رستہ ہے؟ جب رستے سے ایک سے زیادہ ہیں تو ان میں کتاب وسنت کا ایک رستہ ماننے میں کیا حرج ہے؟ یعنی میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ کتاب وسنت ہی کو واحد رستہ مانیں جبکہ میرے نزدیک بہترین رستہ یہی ہے لیکن کم از کم گیارہ راستوں میں سے گیارہواں رستہ تو ایک آپشن کے طور ہی سہی، کتاب وسنت کو مانیں۔

اب پھر یہ بحث چل پڑی کہ ملحد جو کتاب وسنت کو مانتا ہی نہیں وہ کیسے اس کے ذریعے ایمان کی طرف آئے گا؟ میں نے کہا کہ جیسے نبی لاتے تھے۔ کیا کسی نبی اور رسول نے کفر، شرک اور الحاد ہی کو ایمان کی طرف لانے کا رستہ بنایا ہے؟ کیا آپ ﷺ کے زمانے میں ملحد نہیں تھے؟ خود قرآن مجید نے کہا ہے کہ عرب کے معاشرے میں مشرک بھی تھے اور ملحد بھی جنہیں قرآن مجید نے دہریہ کہا ہے۔ آپ ﷺ سے تقریباً ہزار سال پہلے یونانی فلسفہ گزر چکا، نوافلاطونیت بھی گزر چکی، پوری دنیا میں یونانی فلسفہ اور اس کی روایتیں عام ہو چکیں لیکن خود قرآن مجید نے یا رسول اللہ ﷺ نے کوئی ایک لفظ بھی ایسا کہا کہ فلسفہ پڑھو تاکہ ملحدوں کو مسلمان کر سکو۔

مجھے ملحدوں کو مسلمان کرنے کے لیے فلسفہ پڑھنے میں مسئلہ نہیں ہے۔ میں نے کہا مجھے مسئلہ تب ہوتا ہے جب کہ آپ کتاب وسنت پڑھنے والوں پر طنز کرتے ہیں، ان کا مذاق اڑاتے ہیں، فقرے چست کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ جیسے کام تو ہم نابغے (intellectuals) کر رہے ہیں یہ ایڈیٹ اور بے وقوف ٹائم ضائع کر رہے ہیں کہ جس سے الحاد کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی علاج نہیں ہونے والا۔ یہ بہت بڑا ایٹی چیوڈ پرابلم ہے۔ میں نے کہا کہ ہمارا بحیثیت قوم اصل مسئلہ اخلاقی اور ایمانی ہے۔ اخلاقی دلیل، علمی دلیل سے ہمیشہ بڑھ کر ہوتی ہے۔ اور اس دنیا میں ہم ملحدوں کو اگر بڑی تعداد میں اسلام کی طرف لانا چاہتے ہیں تو وہ ہمارے فلسفیانہ دلائل سے مطمئن ہو کر نہیں آئیں گے، وہ تو وہ پہلے ہی ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ تو ان کی اکثریت ہمارے ایمان اور اخلاق سے متاثر ہو کر ادھر آئے تو سو آئے۔

اور نبی اپنے ایمان اور اخلاق سے قرآن مجید کو میڈیم بنا کر ایمانی احوال منتقل کرتے ہیں کہ جو کفار کے ایمان لانے کا سبب بنتے ہیں۔ اسی بات کو سوچ لیا جائے کہ آج اگر نبی امی اس دنیا میں موجود ہوتے تو کیا کانٹ اور نطشے کا فلسفہ پڑھتے کہ ملحدوں کو ایمان کی طرف لائیں یا انہیں اللہ کا کلام پڑھ پڑھ کر سناتے کہ جسے سن کر وہ ایمان لے آتے؟ یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ ہم قرآن پڑھتے ہیں تو ملحد ایمان نہیں لاتے، الٹا مذاق اڑاتے ہیں۔ تو یہ تو رسول کے ساتھ بھی تھا لیکن بہت سے ایمان بھی لے آتے تھے لیکن اس میں کرنے کا کام یہی ہے کہ صرف قرآن نہ پڑھا جائے، پہلے قرآن پڑھنے والے کا ایمان اور اخلاق بنایا جائے، پھر قرآن مجید کی تاثیر منتقل ہو گی، اگر تو مخاطب میں کسی قسم کی کوئی خیر موجود ہے تو، یعنی وہ عنید اور سرکش نہیں ہے۔

ہم تو بھئی دو سال سے اس مسئلے پر لکھ رہے ہیں، بہت کچھ پبلش ہو چکا، یہ سوچی سمجھی رائے ہے جو ایک کتابی صورت میں جلد ہی سامنے آ جائے گی۔ آپ کی رائے میں وزن ہو گا تو لوگ اس کو قبول کر لیں گے، ہماری رائے میں جان ہو گی تو اسے قبول عام حاصل ہو جائے گا۔ بس ہمیں ایک دوسرے کی رائے سن لینی چاہیے اور عاجزی سے اپنی رائے پیش کر دینی چاہیے لیکن یہ ایٹی چیوڈ بالکل بھی درست نہیں ہے کہ دنیا جہاں کی یونیورسٹیوں پر تنقید تو یوں کریں کہ جیسے وہ سب گدھے تیار کرنے میں لگے ہیں لیکن جب اپنی فکر پیش کرنے لگیں تو اس سے اختلاف کرنے والوں سے آپ کا رویہ ایسا ہو کہ محسوس ہو کہ آپ بھی اس کام پر ہی لگے ہیں کہ آپ کے سامنے بیٹھ کر لوگ آپ کی فکر کی بس جگالی کر لیں۔ ٹھیک ہے ہوٹل میں کھانا اچھا تھا لیکن ایک سوچنے سمجھنے والا انسان دوسرے کے فکر کی جگالی نہیں کر سکتا۔ اور شروع لیکچر میں ہی ان کو یہ دھمکی لگا دیں کہ اس سے ہٹے تو پھر میں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے پروا نہیں کرنی اور نہ ہی تمہارا لحاظ کرنا ہے، بھلے ڈگری ہو یا داڑھی، کیا یہ نبی کریم ﷺ کا بات کرنے کا انداز تھا؟ یا اسے ایکاڈیمک لینگویج کہتے ہیں؟ سلطان راہی اور پروفیسر کی زبان میں کچھ تو فرق ہونا چاہیے۔ آپ بس ایک کام کریں جو کر سکتے ہیں کہ اپنی فکر عاجزی سے پیش کرتے رہیں، بس!

ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب نے کمنٹ کیا کہ ان سے کہنا تھا کہ کبھی "میں مسلمان کیسے ہوا" نامی کتب پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ ایمان کی طرف پہنچنے کے سینکڑوں حادثاتی طریقے ہو سکتے ہیں۔ بعضوں کو تو اولاد کے مرنے پر توبہ نصیب ہو گئی، تو کیا اب اولاد کو مارنا شروع کر دیں؟ حضرت موسی علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے جادوگر جادو جاننے کی بنا پر ایمان لائے کہ جو کچھ حضرت موسی علیہ السلام نے کیا وہ جادو نہیں تھا۔ تو کیا اس کے بعد حضرت موسی علیہ السلام نے جادو سکھانے کا سکول کھول لیا تھا کہ لوگ معجزے اور جادو میں فرق جان کر ایمان کی طرف آسکیں؟

سائنس اور فلاسفی آف سائنس میں فرق

ملحدوں اور دہریوں کے مکر و فریب میں یہ سب سے بڑا مکر ہے جو یہ لوگ سادہ لوح انسانوں کا ایمان بگاڑنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ "فلاسفی آف سائنس" کو "سائنس" بنا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ لوہے کو سونے میں ملا کر اس کے سونا ہونے کا تاثر دے کر اسے بیچتے ہیں۔ یہ سائنسی نظریہ اور سائنسی حقیقت میں فرق نہیں کرتے۔

"سائنس" اور چیز ہے اور "فلاسفی آف سائنس" اور چیز ہے۔ پیور سائنس نہ تو خدا کا انکار کرتی ہے اور نہ ہی اثبات، البتہ خدا کے اثبات کی ایک علامت ضرور ہو سکتی ہے۔ اس لیے "پیور سائنٹسٹ" کبھی بھی دہریہ نہیں ہو گا بلکہ یا تو خدا کا اثبات کرے گا جیسا کہ اکثر کا معاملہ ہے، یا پھر عاجزی کا اظہار کرے گا کہ مجھے نہیں معلوم، یا یہ سائنس کی ڈومین نہیں ہے۔

اس کے برعکس "فلاسفی آف سائنس" نرا الحاد ہے، جو سائنس کے نام سے پڑھا پڑھایا جا رہا ہے۔ فزکس کہ جس کا لیبارٹری میں اثبات کیا جاتا ہے، وہ پیور سائنس کا ڈومین ہے اور "نظریاتی فزکس" کے اکثر مباحث ظن و تخمین سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ "نظریاتی فزکس" میں جو کچھ پیش کیا جا رہا ہے، وہ سائنس کا مذہبی ورژن ہے، وہ سائنس فکشن ہے، جسے ماننے کے لیے سائنسدانوں پر اس سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ ایمان لانا پڑتا ہے کہ جتنا کسی نبی اور رسول پر ایمان لانے کا مطالبہ ہے۔

وارم ہول، بلیک ہولز، پیرالل ارتھ اور ملٹی ورس وغیرہ کے تصورات سائنس کی دنیا کے "ہیری پوٹر" نہیں تو اور کیا ہیں؟ ان میں اور مذہبی معتقدات پر ایمان لانے میں کتنا فرق ہے؟ اگر سوال کیا جائے کہ وارم ہول کی دلیل کیا ہے؟ تو جواب یہ ملتا ہے کہ بھئی، آپ نے انٹر سٹیلر مووی نہیں دیکھی؟ بھئی، میں تو مذہبی آدمی ہوں، مووی نہیں دیکھتا، گناہ کا کام ہے۔ جاہل مولوی نہ ہو تو!

بھئی، کیوں لوگوں کو بے وقوف بنا رہے ہیں؟ اپنے افسانوں (myths) کو سائنس کے نام پر پیش کر رہے ہو اور مذہب کو چیلنج دے رہے ہو کہ ان کہانیوں کا انکار سائنس اور عقل سے ثابت کرو۔ اور خود تمہارا حال یہ ہے کہ تمہارے بہترین، ہاکنگ جیسے، بعد میں کھسیانی بلی کی طرح معذرت کر لیتے ہیں کہ بھئی، افسانہ نگاروں اور فلم میکروں سے معذرت، ہم غلطی پر تھے۔ تو اس عاجزی کا اظہار پہلے کر لیتے کہ دیسی لبرز کا ایمان تو خراب نہ کرتے کہ وہ تمہاری بات کو پیغمبروں کی بات کا درجہ دینا شروع ہو گئے ہیں۔

اور بگ بینگ پر ایمان کو بھی اسی فہرست میں شامل کر لیں کہ اس کی سائنسی دلیل "کوانٹم گریوٹی" ہے۔ اور اب آپ مذہبی بے وقوف سوال کریں گے کہ "کوانٹم گریوٹی" کیا چیز ہے؟ بھئی، ابھی ہم اس دلیل کی تلاش میں ہیں۔ جب مل جائے گی تو تمہیں بھی بتلا دیں گے۔

او بھئی ملحدو! اپنی ان "ٹین کمانڈمینٹس" کو اپنے "بوجھے" میں رکھو اور سائنس کے نام پر مذہب کو چیلنج دینا بند کر دو۔ اسٹیون ہاکنگ، کارل ساگاں اور رچرڈ ڈاکنز تینوں یہی کرتے ہیں کہ "فلاسفی آف سائنس" کو "سائنس" بنا کر پیش کرتے ہیں۔

زمین اور نظام شمسی کی اوریجنل ویڈیو

کچھ عرصے سے یہ تلاش کر رہا تھا کہ سپیس سے ہماری زمین کیسی دکھتی ہے، یا زمین اپنے ایکسز اور سورج کے گرد کیسے گردش کرتی ہے یا ہماری زمین ہمارے نظام شمسی میں کیسے نظر آتی ہے؟ کہ اس موضوع پر کوئی اوریجنل ویڈیو مل جائے جو ناسا وغیرہ جیسے اداروں نے تیار کی ہو۔

ابھی تک جو کچھ امیجز بھی مل رہی ہیں، وہ بھی ساری اینیمیٹڈ ہیں اور آرٹسٹوں کا کمال ہیں۔ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے کوئی بھائی رہنمائی کر دیں تو پیشگی شکر گزار ہوں کہ کیا خلاء سے زمین، ہمارے نظام شمسی، زمین کے اپنے ایکسز اور سورج کے گرد گھومنے کی کوئی ایک بھی اور ینجبل ویڈیو یا امیج موجود ہے؟

بھئی، یہ واضح کر دوں کہ میرا اس سائنسی عقیدے پر ایمان ہے کہ زمین گول ہے، اپنے ایکسز کے گرد گھومتی ہے اور سورج کے گرد بھی گھومتی ہے۔ اور زمین کے علاوہ سیارے بھی سورج کے گرد گھومتے ہیں لہذا اس بارے کج بحثی سے گریز کریں۔ اور نہ ہی یہ پوسٹ سائنس پر کسی مذہبی نوعیت کی تنقید ہے۔

میں تو بس اس سائنسی ایمان کو قابل مشاہدہ بنانا چاہتا ہوں اور شاید اسے قابل مشاہدہ بنانا میرا سائنسی حق تو بنتا ہی ہے۔ اور سائنسی اور عقلی طرز عمل کا بھی یہی تقاضا ہے کہ اندھا ایمان نہ لاؤ۔

کیا زمین گول ہے؟

پہلے انہوں نے کہا کہ زمین مکمل گول (spherical) ہے، بالکل فٹ بال کی طرح۔ اور ابھی تک عوام الناس کا ایمان اسی پر ہے کہ یہ فٹ بال کی طرح گول ہے۔ کسی اسکول میں پرنسپل کی میز پر پڑے زمین کے گلوب اور سائنس کی ٹیکسٹ بکس سے لے کر ناسا (NASA) کی امیجز اور ویڈیوز تک میں زمین کو مکمل گول دکھایا جاتا رہا ہے۔

بعد میں ان پر یہ انکشاف ہوا ہے کہ زمین "کروی متطاول" (oblate spheroid) ہے۔ oblate کا معنی یہ ہے کہ زمین اپنے پولز (poles) پر فلیٹ (flat) ہے۔ زمین کا ڈائیامیٹرا گر خط استواء سے شمار کیا جائے تو وہ تقریباً چالیس کلومیٹر پولز سے شمار کیے جانے والے ڈائیامیٹر سے زیادہ ہے۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے کسی نے زمین کو اس کے دونوں پولز سے اندر دبا دیا ہو۔

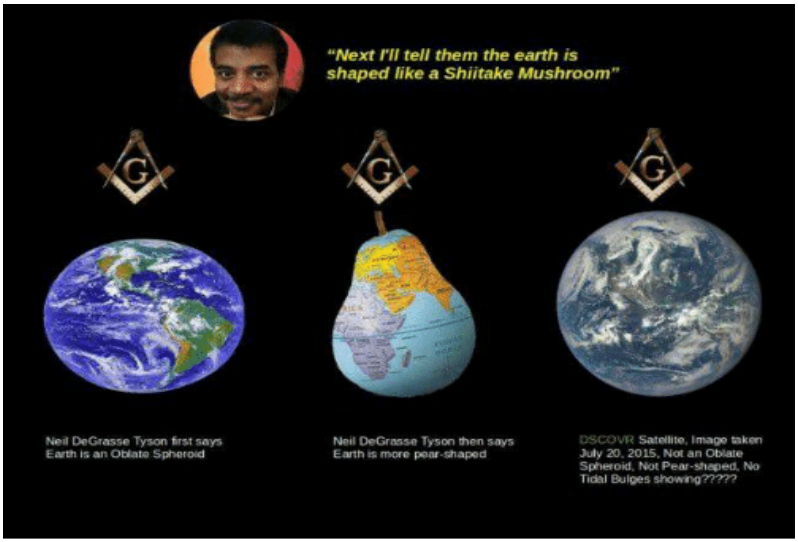
اس کے بعد ان پر یہ انکشاف ہوا کہ زمین ناشپاتی نما (pear shaped) بھی ہے۔ بڑے بھائی نیل دی گراس ٹائسن (Neil deGrasse Tyson) کو تو آپ جانتے ہوں گے؟ ارے، انہیں کون نہیں جانتا، وہی Cosmos: A Spacetime Odyssey والے۔ وہ یہ باتیں کر رہے ہیں۔ چلیں انہیں رہنے دیں، اپنی ناسا (NASA) نے ان تینوں تھیوریز کو کیسے جمع کیا ہے، اس پر بھی سر دھنیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

> Exactly how round is the Earth? The shape of the Geode, as it is called, is nearly a perfect sphere, but because the earth is spinning, it is about 21.5 kilometers flatter at the poles, and bulged-out at the equator by about the same amount. There are also other 'higher-order' shape deviations which make the Earth slightly pear- shaped with a larger southern hemisphere surface area than in the northern hemisphere, but at a level of a kilometer or so in radial girth. The biggest effect, though, is its polar flattening.[1]

اب یہ کہہ رہے کہ زمین کی حرکت کی وجہ سے یہ پولز پر فلیٹ ہے ورنہ مکمل گول ہی ہے۔ تو بھئی پہلے آپ نے سپیس سے زمین کے گول ہونے کے جو امیجز دکھائے تھے تو وہ کیا زمین کی بریکیں لگوا کر لیے تھے کہ بہناذرا رکنا، ہم آپ کی ایک فوٹو لے لیں تاکہ آپ پولز پر فلیٹ معلوم نہ ہوں۔



بھئی، مجھے اعتراض صرف یہ ہے کہ مجھے ناشپاتی کی شکل پسند نہیں ہے اور بہت سے لوگوں کو زمین کی انڈے والی صورت بھی پسند نہیں آرہی کہ اگر آپ نے اسے پولز سے تھوڑا اور دبا دیا تو یہ

[1] https://image.gsfc.nasa.gov/poetry/ask/a11818.html

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بالکل ہی فلیٹ ہو جائے گی، سی۔ڈی کی طرح، فلیٹ بھی اور گول بھی، اور وہی پادریوں والا عقیدہ کہ زمین فلیٹ ہے۔ لوگ اب زمین کو فٹ بال کی طرح گول ہی دیکھنا چاہتے ہیں، اس لیے اسے براہ مہربانی گول ہی رہنے دیں ورنہ سائنس پر ہمارا ایمان متزلزل ہو جائے گا۔ پہلے بھی تو آپ زمین گول (spherical) کر ہی دکھاتے رہے تو ہم نے کبھی کفر کیا تھا؟

قدیم اور جدید انسان کی تاریخ کا سائنسی اور مذہبی بیانیہ

شاگرد: استاذ! سائنس وائنس تو انسان کی تاریخ کے بارے کچھ اور ہی کہانی بیان کرتی ہے کہ یہ پہلے نازک اندام جنوبی مانس تھا، پھر گرانڈیل جنوبی مانس بنا، پھر قابل آدمی (homo habilis) بنا، پھر کھڑا آدمی (homo erectus) بنا، پھر باشعور آدمی (Neanderthal) بنا اور پھر باشعور باشعور آدمی (homo sapiens) بنا جو کہ جدید انسان ہے۔ اور ان کا دعوی ہے کہ اس انسانی ارتقاء کے حق میں ان کے پاس سائنسی شواہد بھی ہیں۔

اور دوسری طرف مذہب کا کہنا یہ ہے کہ اللہ تعالی نے زمین کی مٹی کا خلاصہ (essence) لیا، اس کا گارا بنایا، اس گارے سے آدم کا پتلا بنایا، پتلے میں روح پھونک دی، آدم کی پسلی سے اماں حوا کو پیدا کیا، دونوں کو آسمانوں کی جنت میں رکھا، دونوں نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا، اس پر اللہ عزوجل نے اس دنیا میں بھیج دیا اور یہ موجود انسان ان دونوں کی نسل میں سے ہیں۔ اور اس بیان سے مقدس صحیفے بھرے پڑے ہیں۔ تو ان دونوں کہانیوں میں آپ کوئی تطبیق دے سکتے ہیں؟

استاذ: بچے! اگر تمہیں تطبیق ہی چاہیے کہ تم مذہب اور سائنس دونوں پر ایمان لانا چاہتے ہو تو جمع کی صورت یہ ہے کہ دونوں کہانیاں سچی ہیں کہ موجودہ انسان دراصل دو قسم کا ہے؛ ایک وہ جو آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہے، زمین کا خلیفہ ہے اور یہ وہی انسان ہے کہ جس کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور یہ انسانوں کی سپیریئر نسل ہے۔ اور دوسرا انسان وہ ہے جو "باندر" کی اولاد ہے یعنی "ایوولوشن والا انسان"۔ اور اس گھٹیا انسان کو اس سپیریئر نسل کی خدمت کے لیے پیدا کیا گیا ہے یعنی غلامی کے لیے۔ تو یہ ایک ایسا بیانیہ ہے کہ جس کے ذریعے تم مذہب اور سائنس میں تطبیق پیدا کر سکتے ہو۔

شاگرد: استاذ! آپ طنز کر رہے ہیں یا سنجیدہ گفتگو ہے؟ استاذ: بچے! جس دن تم یہ جان لو گے،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس دن تم استاذ بن جاؤ گے۔ ویسے اتنا بتلادوں کہ جدید آدمی کے بارے ان کا اختلاف ہے کہ وہ نی اینڈر تھال (Neanderthal) کی نسل میں سے ہے یا مشرق وسطی سے یورپ میں آیا تھا۔ کیا سمجھے، مشرق وسطی سے، یعنی نبیوں کی سرزمین سے، میسوپوٹیمیا سے۔[1] باقی ان کے سائنسی شواہد کی قدر وقیمت کا ہمیں بخوبی علم ہے کہ فی الحال ان میں ربڑ کی طرح اتنی لچک ہے کہ جو کہانی مرضی بنالو۔

علم الآثار (Archaeology)

تیسری جنگ عظیم کے ایک ہزار سال بعد کیمبرج یونیورسٹی کے آرکیالوجی ڈیپارٹمنٹ کے پروفیسروں کی ایک ٹیم نے جنگ میں تباہ ہونے والے ایک شہر کی کھدائی شروع کی اور مقصد یہ تھا کہ ہزار سالہ پرانی انسانی تہذیب اور تمدن کے بارے نت نئے انکشافات ہوں۔ تیسری جنگ عظیم نے سب کچھ تباہ کر دیا تھا، کچھ بھی نہیں باقی بچا تھا۔ اب نئے انسان تھے، نئی تہذیبیں تھیں اور نئی امنگیں کہ پرانے انسان کے بارے جانا جائے۔

کھدائی کے دوران پروفیسروں کو فلیکس کا ایک ٹکڑا ملا جو کہ جل کر راکھ ہو چکا تھا، اس کا صرف ایک حصہ باقی تھا کہ جس میں کسی اجنبی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ یہ تحریر بہت اہم تھی، وہ سب بہت جوش میں تھے کہ اس دریافت سے قدیم انسان کے بارے وہ معلومات ملنے والی تھی جو کہ انتہائی سائنسی تھیں۔

فلیکس کا ٹکڑا لیبارٹری میں لایا گیا، قدیم زبانوں کے ماہر پروفیسروں کی جماعت نے کئی مہینوں کی شب وروز کی محنت کے بعد وہ عبارت پڑھ لی، وہ انگریزی زبان کی عبارت تھی کہ جس کا مطلب تھا:

printed by 03004093026

اس عبارت کو بنیاد بنا کر ہسٹری کے بڑے بڑے ریسرچ جرنلز میں تحقیقی مضامین لکھے جانے لگے کہ جن میں قدیم انسان کی تاریخ کے بارے میں مختلف تھیوریز پیش کی گئیں۔ ان میں سب سے

[1] میسوپوٹیمیا سے مراد دجلہ اور فرات کے درمیان کی سرزمین ہے اور اسے قدیم ترین تہذیب اور بقیہ تمام تہذیبوں کا گہوارا (cradle of civilizations) مانا جاتا ہے یعنی دنیا کی تمام بڑی تہذیبوں نے اس قدیم ترین تہذیب سے جنم لیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقبول تھیوری یہ تھی کہ قدیم زمانے کے لوگ اتنے ترقی یافتہ تھے کہ ہر انسان کو انہوں نے ایک نمبر الاٹ کر رکھا تھا جو کہ اس کی پہچان تھا۔

پھر مزید کچھ شہروں کی کھدائی سے یہ خیال پختہ ہوتا چلا گیا کہ وہاں بھی دو چار فلیکس ایسے ملے کہ جن میں کچھ ایسی ہی عبارت تھی لیکن اس کے شروع میں 0300 کی بجائے 0333 تھا۔ پس سائنسدان اس حقیقت تک پہنچ گئے کہ انسانوں کو نمبر لگانے کا رواج دنیا کے سارے نہ سہی تو اکثر علاقوں میں موجود تھا۔ تاریخ کے اس اہم دور کے بارے مزید تحقیق کے لیے اس کو اصطلاحاً "نمبر ایج" (Number Age) کا نام دے دیا گیا جو "آئرن ایج" (Iron Age) کے بعد کا زمانہ تھا۔ مذہب کو چھوڑ کر قدیم انسان کی تاریخ معلوم کرنے کا عین سائنسی طریقہ! اب بولنے کی باری آپ کی ہے۔

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی!

مجھے تخلیق (creativity) سے دلچسپی ہے لہذا نئے نئے آئیڈیاز کے بارے پڑھتے رہنے میں رغبت ہے بلکہ مجھے گیمز اتنی پسند نہیں ہیں لیکن "پلے اسٹور" میں جا کر نئی نئی گیمز کو ڈاؤن لوڈ کرنا اور ان میں پیش کیے گئے نت نئے آئیڈیاز پر غور کرنا کہ انہیں اسلام کے لیے کیسے استعمال کیا جا سکتا ہے یا ان سے ذہن کی تخلیقی صلاحیتیں کیسے بیدار کی جا سکتی ہیں تو وہ میں کرتا رہتا ہوں۔ اس کے لیے عموماً "ایڈیٹر چوائس" والی گیمز کا مطالعہ رہتا ہے۔

کل کافی دیر اس آئیڈیا کے تحت ویب پیجز کی ورق گردانی رہی کہ 2050ء تک دنیا کیسی ہو گی؟ یا سائنس اور ٹیکنالوجی میں کون سے ایسے دس بیس آئیڈیاز ہیں کہ اگر وہ عملی صورت میں سامنے آ گئے تو یہ دنیا تبدیل ہو جائے گی۔ مجھے لگتا ہے کہ مذہبی لوگوں کے لیے یہ جاننا بہت ضروری ہے، چاہے ہم اس سب کچھ کے جاننے کے باوجود کچھ نہ کر سکتے ہوں لیکن تخلیقی اذہان کا مطالعہ خود ہمارے ذہن کی سوئی ہوئی تخلیقی صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں معاون ثابت ہو گا، ان شاءاللہ۔

جن چیزوں میں بہت تیزی سے دنیا میں ترقی ہو رہی ہے، ان میں سے ایک "آرٹیفیشل انٹیلیجنس" ہے۔ امید یہ کی جا رہی ہے کہ 2025ء تک آپ کا کمپیوٹر اس قابل ہو جائے گا کہ وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کی طرح سوچ سکے یعنی ایسے روبوٹ ایجاد ہو جائیں گے جو انسان کے جیسے باشعور ہوں گے۔ چائنہ میں تو ایسی روبوٹ گرلز بننا شروع ہو گئی ہیں کہ جن سے شادی کی جا سکے۔ اور چائنیز اس میں اس لیے زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں کہ وہ آپ کی اپنی مرضی کی بیوی ہو گی، جیسی آپ چاہیں گی، سو فی صد ویسی۔ اب کسے ایسی بیوی نہیں چاہیے، اتنی فرمانبردار، مسکراہٹ۔ اسی طرح اگلے دس سال میں ایسے سوٹ ایجاد ہو سکنے کا امکان ہے جو آپ کو اسپائڈر مین جیسی طاقت فراہم کر سکیں۔ 2030ء تک گھروں میں کام کاج کے لیے روبوٹس کا استعمال شروع ہو جائے گا۔

دوسرا بڑا فیلڈ کہ جس میں بہت تیزی سے ترقی ہو رہی ہے، وہ "ورچوئل ریئیلیٹی" کا میدان ہے۔ اگلے چند سالوں میں ٹیکسٹ بکس ختم ہو جائیں گے اور اس کی جگہ "ورچوئل ریئیلیٹی" لے لے گی۔ اگلے چند سالوں میں "ورچوئل ریئیلیٹی" کے ذریعے نہ صرف ایک استاذ اپنے اسٹوڈنٹس کو ماضی کی سیر کروا سکے گا جیسے کسی جنگ کے میدان کی بلکہ مستقبل میں بھی لے جا سکے گا۔ آپ اپنی امیجنری ورلڈ تخلیق کر سکیں گے۔ اور 2045ء تک امکان ہے کہ آپ "میٹرکس" (Matrix) کی جیسی دنیا میں رہ رہے ہوں گے کہ اس وقت تک یہ ممکن ہو جائے گا کہ انسانی ذہن کو کمپیوٹر کے ساتھ لنک کر دیا جائے۔ اور انسان پارٹ ٹائم کمپیوٹر یا مشین بن جائے گا۔

تیسرا بڑا میدان تھری۔ ڈی پرنٹنگ کا ہے۔ بڑے بڑے پرنٹرز کے لیے تھری۔ ڈی پرنٹنگ پر بہت تیزی سے کام ہو رہا ہے بلکہ چائنہ میں تو تقریباً دس گھر تھری۔ ڈی پرنٹنگ سے بنائے جا چکے ہیں۔ کتنا عجیب ہے ناں کہ آپ اپنے لیپ ٹیپ میں اپنی گاڑی اور اپنا گھر ڈیزائن کریں گے اور اپنے پرنٹر سے اس کو نکال لیں گے، مسکراہٹ۔ اگلے دو سالوں میں ہوم ڈیلیوری کے لیے ڈرونز کا استعمال عام ہو سکے گا۔ 2025ء تک اسمارٹ فون ختم ہو جائے گا اور اگر آپ کے پاس ہوا تو لوگ آپ پر ہنسیں گے۔ ان کی جگہ چھوٹی چھوٹی بریسلیٹس لے لیں گی جو اسمارٹ فون کا کام کریں گی۔ اگلے دس سالوں میں گاڑیاں خود سے چلنا شروع ہو جائیں گی اور دو مختلف زبان جاننے والے ایک دوسرے کی بات مکمل طور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں گے۔ اور ہم مسلمانوں کے پاس 2050ء کے بارے میں کہنے کے لیے کیا ہے کہ دنیا کیسی ہو گی؟ "اس وقت تک دجال آ چکا ہو گا"۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گوا تم بدھا کی فلاسفی

دوست کا سوال ہے کہ گوا تم بدھا کی فلاسفی کیا تھی کہ جس پر اس نے بدھ مذہب کی بنیاد رکھی تھی؟ جواب: بدھا نے اپنے غور و فکر کے نتیجے میں فلسفہ حیات کو تین جملوں میں یوں ڈیفائن کیا:-

بدھا کی پہلی فائنڈنگ یہ تھی کہ "to live is to suffer" یعنی زندگی غموں اور دکھوں کا نام ہے اور سب سے بڑا غم اور دکھ خود زندگی ہے کہ اسی کی وجہ سے سب غم اور دکھ ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو کوئی دکھ اور غم بھی نہ ہو۔ اس کی دوسری فائنڈنگ یہ تھی کہ اس دکھ اور غم کی وجہ تعلق ہے۔ جب آپ کا کسی چیز یا انسان سے تعلق قائم ہو جاتا ہے تو آپ دکھ اور غم محسوس کرتے ہیں، اور اگر کسی چیز یا انسان سے یہ تعلق نہ ہو تو یہ دکھ اور غم بھی نہیں محسوس کرتے۔ اسے وہ "Attachment leads to suffering" کے اصول سے بیان کرتا ہے۔

اس کو سادہ سی مثال سے یوں سمجھیں کہ اگر کوئی بچہ فوت ہو جائے تو ماں کو جتنا دکھ ہوتا ہے، اتنا اس ماں کی سہیلی یا پڑوسن کو نہیں ہوتا۔ آپ کا موبائل گم ہو جائے تو جتنی ذہنی اذیت یا قلبی تکلیف آپ کو ہو گی، اتنی آپ کے دوست کو نہیں ہو گی کہ آپ کا جو اس موبائل سے تعلق ہے، وہ آپ کے دوست کا نہیں ہے۔ اسی طرح استاذ کو اپنے اس شاگرد کے رویے کی تکلیف زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ جس سے اس کا زیادہ تعلق ہو وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بدھا نے اس کا جو حل نکالا، وہ بہت عجیب تھا اور یہی اس کی فلاسفی کا تیسرا اصول ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ غم اور دکھ سے بچنے کے لیے تعلقات کو ختم کر دو، چیزوں سے بھی اور انسانوں سے بھی۔ اور اسے وہ "نروان" حاصل کرنا کہتا ہے۔ اس "نروان" سے انسان نہ صرف چیزوں اور انسانوں سے تعلق ختم کر لیتا ہے بلکہ دوبارہ پیدا ہونے کے چکر سے بھی نکل جاتا ہے جیسا کہ ہندوستان میں معروف عقیدہ یہی تھا کہ سات جنم ہیں۔ پس بدھا کے خیال میں دوسرے جنم میں پیدا ہونا دوبارہ عذاب مول لینے کے مترادف تھا لہذا اس پیدائش اور دوبارہ پیدائش کے چکر (re-birth cycle) سے نکل جاؤ۔ عیسائیوں میں رہبانیت، بدھ مت سے آئی اور مسلمان صوفیوں میں عیسائیوں سے آئی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب دکھوں اور غموں سے نجات کے لیے تعلقات (attachments) کو ختم کرنا ہے اور تعلقات کو ختم کرنے کے لیے اس نے "نروان" حاصل کرنے کا جو طریق کار بتلایا ہے، وہ آٹھ اصولوں پر زندگی گزارنا ہے۔اور وہ آٹھ اصول یہ ہیں:-

- راست نظر (right view)
- راست نیت (right intention)
- راست گفتگو (right speech)
- راست کردار (right action)
- راست معاش (right livelihood)
- راست کوشش (right effort)
- راست ذہن (right mindfulness)
- راست توجہ (right meditation)

بدھا کی فلاسفی کے برعکس اسلام کا فلسفہ حیات یہ ہے کہ زندگی خوشی اور غم (comedy and tragedy) دونوں کا نام ہے۔انسان کی زندگی میں تقریباً دو تہائی خوشی ہے اور ایک تہائی غم۔انسان کو چیزوں اور انسانوں سے تعلق کے ذریعے آزمایا گیا ہے اور اگر وہ اس آزمائش میں "خوشی میں شکر" اور "غم میں صبر" کے دو رویوں کے ذریعے کامیابی حاصل کر لیتا ہے تو اس کے بدلے میں نہ ختم ہونے والی زندگی ہے کہ جس میں خوشی ہی خوشی ہے، کسی غم اور دکھ کا نام ونشان تک بھی نہیں ہے۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ دوم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

مکالمہ کی دوسری جلد قارئین کے پیش خدمت ہے۔اس جلد میں فیس بک اور سوشل میڈیا پر شیئر کی جانے والی اُن تحریروں کو جمع کرنے کے بعد تہذیب و تنقیح کے ساتھ پبلش کیا جارہا ہے جو مذہب اور ریاست، لسانیات اور نفسیات، معاشرت اور معیشت، تعلیم اور تحقیق اور تصوف اور تزکیہ کے موضوعات سے متعلق تھیں۔

اس کتاب کی پہلی جلد کے موضوعات وجود اور علم، الحاد اور ایمان، توحید اور شرک، روایت اور جدیدیت، فلسفہ اور سائنس تھے جبکہ تیسری جلد کے موضوعات امن اور جنگ، اعلام اور شخصیات، مسالک اور جماعتیں، انکار حدیث اور حجیت حدیث، فنون لطیفہ اور اسلام، اور طنز و مزاح ہیں۔

اس جلد میں بہت سی تحریریں ایسی بھی جمع ہو گئی ہیں کہ جنہیں معروف معنی میں فتوی کہتے ہیں لیکن میں واضح کر دوں کہ میں معروف معنی میں مفتی نہیں ہوں۔ شرعی مسائل میں ایک رائے اور اس کے دلائل رکھتا ہوں اور اس پر اعتماد بھی ہے لیکن قارئین سے گزارش یہی ہے کہ میری کسی رائے پر عمل کرنے سے پہلے دو راسخ علماء سے مشورہ لے لیں۔ اگر وہ مشورہ دے دیں تو عمل کر لیں۔

میں ہمیشہ یہ کوشش کرتا ہوں کہ روایت کے دائرے میں رہوں اگرچہ تقلیدی جمود کا قائل نہیں ہوں لہذا سلف کی فقہی آراء میں سے جسے کتاب و سنت کے زیادہ موافق اور لوگوں کی مصالح کے لیے زیادہ مفید پاتا ہوں تو اسے ترجیح دے دیتا ہوں، چاہے وہ معروف رائے نہ بھی ہو۔ اسی حوالے سے میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے متاثر ہوں لیکن چونکہ مسلم معاشروں میں معروف فقہی آراء شریعت کا درجہ اختیار کر جاتی ہیں لہذا عوام اور خواص ان کی پابندی کرنے بلکہ کروانے کے بارے بھی زیادہ حساس ہوتے ہیں تو اس لیے عرض کر دیا کہ دو معروف علماء سے رائے لے لیں۔

اور مجھے ان آراء کے حوالے سے یہ بھی نہیں کہنا کہ مجھے کوئی ڈر اور خوف ہے کہ ان پر عمل کی صورت میں میرا کوئی آخرت میں مواخذہ ہو گا بلکہ مجھے تو اپنے رب سے قوی امید ہے کہ اللہ عزوجل اس کام پر آخرت میں کوئی خاص اجر عطا فرمائیں کہ جب تقلیدی جمود کی وجہ سے لوگوں کے لیے شریعت پر عمل ایک چیلنج بنتا جارہا تھا تو روایت سے تمسک اختیار کرتے ہوئے شریعت کی سہولتوں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رخصتوں کا تعارف کروایا گیا۔

البتہ دینی طبقات سے رواداری کے تعلق کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے فالوورز کے بارے یہ امید بھی نہ لگائی جائے کہ ہمارے فالوور بن جائیں۔ اس لیے یہ فقہی آراء ایک علمی رائے کے طور پیش کی گئی ہیں تاکہ دینی طبقہ خاص طور معتدل علماء ان آراء پر کھلے دل و دماغ سے غور کریں اور ان پر بحث کے دروازے کھولیں۔ اور عوام میں سے جن کو راقم کی تحقیق پر اعتماد ہو تو وہ ان پر عمل بھی کر سکتے ہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ دو معتمد علماء سے بھی رائے لے لیں اور پھر کوئی فیصلہ کریں۔

میرا اصل تعارف مفتی ہونا نہیں ہے بلکہ میں ایک مفکر، نقاد اور محقق ہوں۔ دین کے ہر شعبے میں ایک مکمل سوچ رکھتا ہوں اور کوشش کرتا ہوں کہ طلباء میں فکری صلاحیتیں پروان چڑھیں۔ اس کتاب کا اصل مقصد بھی طلباء کی فکری صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرنا ہے۔ اور فکر و نظر کے ساتھ تحقیق کی جستجو بیدار کرنا اور تحقیقی اسالیب اور مناہج کا تعارف بھی زیر بحث رہا ہے۔

جزاکم اللہ خیرا

ابو الحسن علوی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ہفتم

مذہب اور ریاست

اس باب میں مذہب اور ریاست (Religion and State) کے بارے بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دین اور سیاست

بھائی، مجھے یہ مشورہ دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں تمہیں دین سکھاؤں اور سیاست پر تبصرہ سے دور رہوں۔ میں نے سیاسیات میں کم از کم ماسٹرز کیا ہے اور تم نے شاید ہی کوئی سیاست کی کتاب زندگی میں دیکھی ہو۔ اور میں شاید ہی کسی رات عالمی خبریں؛ جنوبی ایشیا سے لے کر لاطینی امریکہ تک، پڑھے بغیر سویا ہوں اور تم نے شاید ہی کسی دن عالمی خبریں دیکھی ہوں۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ جس معاشرے کا میں حصہ ہوں، وہاں اکثریت "سیاسی نابالغوں" ہی کی ہے۔

مذہب اور ریاست

تاریخی تناظر میں:

معلوم تاریخ میں جس قدیم ترین تہذیب اور شہری ریاست کا ہمیں علم ہے، اس کے قائم کرنے والے سمیری تھے۔ 4000-5500 قبل مسیح دجلہ اور فرات مابین جنم لینے والی سمیری تہذیب میں مذہب اور ریاست کا گہرا تعلق موجود ہے اور یہ تعلق آئندہ آنے والی جمیع تہذیبوں کی پیدا کردہ شہری ریاستوں میں موجود رہا ہے یہاں تک کہ یونانیوں نے آکر پہلی مرتبہ 300-500 قبل مسیح میں مذہب کو ریاست سے جدا کیا۔

اور تاریخ ایک واقعہ ہے جو اپنے معروف ذرائع سے قابل تصدیق (verifiable) ہے۔ پس تاریخی پس منظر بذات خود تو کوئی دلیل نہیں ہے لیکن فریق مخالف کی حیرت کو کم کرنے کا باعث ضرور ہے۔ دوسرا یہ کہ تاریخ انسانی میں مذہب اور ریاست کے تعلق کا مطالعہ یہ اشارہ کرتا ہے کہ مذہب، انسان کے فطری اجتماعی شعور کا ایک لازمی تقاضا رہا ہے۔ کچھ لوگوں کو اس بات کو سمجھنے کے لیے ذہن پر تھوڑا دباؤ ڈالنا پڑے گا۔

عمرانی تناظر میں:

سوسائٹی کے اصول و مبادی میں سے ایک اہم اصول مذہب ہے۔ سماجی ربط اور ہم آہنگ سازی (social relationship and integration) کے بغیر تو سوسائٹی کی کوئی تعریف

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مکمل نہیں ہے۔ ورنہ تو ایک ہجوم ہے، جیسے کسی سیاسی جماعت کے جلسے میں ہوتا ہے۔ سماجی ربط اور ہم آہنگ سازی میں مذہب سے بڑھ کر کوئی فیکٹر نہ موجود ہے، نہ مفید ہے۔ اور سوسائٹی کے بغیر ریاست کا تصور ممکن نہیں ہے جس طرح خاندان کے بغیر سوسائٹی کا تصور نہیں ہے۔ فرد، خاندان، معاشرہ اور ریاست ایک سوشل آرڈر ہے۔

قانونی تناظر میں:

کسی آئیڈیالوجی پر ایمان کے بغیر ریاستی قانون پر صحیح معنوں میں عمل درآمد ممکن ہی نہیں ہے۔ قانون کے احترام اور اس پر عمل درآمد اسی صورت ممکن ہے جبکہ قانون ریاست کی طرف سے کسی نظریاتی بنیاد پر نافذ کیا گیا ہو اور شہریوں کی طرف سے نظریے کی بنیاد پر قبول کیا گیا ہو۔ قانون بغیر آئیڈیالوجی کے نہ تو نافذ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل درآمد ہو سکتا ہے۔ اور اسی آئیڈیالوجی کا نام مذہب ہے۔

نفسیاتی تناظر میں:

انسانوں کے اجتماعی شعور (collective consciousness) کی انفعالی قوت (passivity) کی تسکین کا مذہب کے علاوہ کوئی ایسا خارجی مصدر موجود نہیں ہے کہ جو خود شعور کے لیے بھی قابل اطمینان ہو۔

عقلی تناظر میں:

اجزاء کا وہ باہمی تعلق جو ان کے ایک کل بننے اور کہلوانے میں بنیادی عنصر کی اہمیت رکھتا ہے کہ آپ کل سے اس کو خارج کر کے کل کا اثبات کسی طور نہیں کر سکتے۔ اجزاء یہاں شہری ہیں اور کل ریاست ہے۔ لہذا شہریوں کا مذہب ہو گا لیکن ریاست کا نہیں، چہ معنی دارد؟

جمالیاتی تناظر میں:

ایک ریاست کو مثالی ریاست بننے کے لیے جس مثالی تصور عدل اور خیر کی ضرورت ہے، وہ انسان کے اندر سے نہیں، اس کے خارج ہی سے فراہم ہو سکتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مذہبی تناظر میں:

ہم مخلوق ہیں اور اللہ تعالی خالق ہیں۔ خالق نے مخلوق کی دنیاوی مصالح اور اخروی فلاح کے لیے دین اسلام کی صورت میں ایک ضابطہ حیات فراہم کیا ہے۔ دنیاوی مصالح کا فیض مسلمان اور کافر دونوں کے لیے عام ہے جبکہ اخروی فوز وفلاح صرف اہل ایمان کے لیے ہے۔ آسمانی ضابطہ حیات میں انسان کی جن مصالح کا دھیان رکھا گیا ہے وہ اس کے دین، جان، عقل، مال اور عزت سے متعلق ہیں۔ خالق اپنی جمیع مخلوق کی ان مصالح کو اس آخری ضابطہ حیات کی تنفیذ سے پورا کرتے ہیں۔ یہ ضابطہ حیات ایک ایسا نظام عدل ہے جو مخلوق کے مخلوق پر سے مذہبی، جانی، عقلی، مالی اور نفسیاتی ظلم کو ختم کرتا ہے۔ خالق محض تھیورائزر نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اپنی مخلوق کی جمیع تقاضوں کو پورا کرنے کا ذمہ دار ہے لہذا وہ تھیورائزر کے ساتھ قاضی بھی ہو گا اور اپنی مخلوق میں اس کا رول انفعالی نہیں فاعلی یعنی ایکٹو ہو گا۔ پس ایک تھیوری ہے اور دوسرا اس تھیوری کا نفاذ ہے۔ ہر تھیورائزر کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تھیوری نافذ ہو۔ تھیوری کو شریعہ کا نام دیا گیا اور اس کے مخلوق انسانی میں جاری اور ساری کرنے کے طریق کار کو منہاج کہا گیا۔ تھیوری کی غایت دنیاوی مصالح اور اخروی فلاح ہے جبکہ منہاج کی غایت اس غایت اولی کی اعلی درجے میں تکمیل ہے۔

اور مخاطبین کی دو قسمیں ہیں؛ مسلمان اور کفار۔ مسلمان کے لیے دلیل "علم الوحی" ہے۔ عقل کا کردار اس میں اضافہ یا تنسیخ یا تخریب کا نہیں بلکہ اس پر ایمان لانے اور وحی ہی کے متعین کردہ اصول وضوابط کی روشنی میں اس کی تشریح اور وضاحت کا ہے۔ پہلا کام عوام کا اور دوسرا علماء کا ہے۔ مخاطبین کی دوسری قسم کے لیے دلیل دو قسم کی ہے؛ اخلاق اور طاقت۔ اگر مسلم معاشرہ یا حکومت یا ریاست کمزور ہے تو دلیل اخلاق کی قوت میں ہے اور اگر مسلم معاشرہ یا حکومت یا ریاست طاقتور ہے تو دلیل تلوار کی طاقت ہے۔

عقل کا میدان اخلاق میں عالی پن پیدا کرنا ہے یا طاقت میں بالادستی نہ کہ دلیل کا کوئی نیا نظام کھڑا کرنا۔ یہ آخری صورت نہ تو صحابہ اور سلف صالحین کا منہج ہے اور نہ ہی مفید۔ صحابہ اور سلف صالحین یا تو مجسمہ اخلاق تھے یا شہسوار میدان، ان میں کوئی بھی فلسفی اور متکلم نہیں تھا۔ اگر فلسفیانہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کاوشیں حقیقت تک پہنچا پاتیں تو فلاسفہ کی ایک جماعت ضرور اسلام تک پہنچتی۔ اس لیے تاریخ اسلام نے یہ سوال تو ضرور پیدا کیا ہے کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے یا اخلاق سے، صوفیاء کا اس کے پھیلنے میں اہم کردار رہا ہے یا مجاہدین کا، لیکن یہ بحث کسی نے نہیں اٹھائی کہ متکلمین اسلام نے اتنے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا۔

انسان اور مسلمان

ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر زاہد صدیق مغل اپنی فیس بک کی ایک تحریر میں فرماتے ہیں:

"ان کا کہنا ہے کہ جدید ریاست مذہب سے ماوراء رہ کر اپنے تمام شہریوں کے حقوق کا تعین کرتی ہے لیکن آپ ایسا کہنے والوں سے پوچھئے گا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ مذہب سے ماوراء رہ کر یہ جو حقوق ڈیفائن کرتی ہے، ان حقوق کا ماخذ کیا ہے؟ ان میں سے پچاس فیصد سے زائد کو تو اس سوال کی ہوا بھی نہیں لگی ہوتی، یہ بس ایک عام سی چلتی ہوئی بات کرتے ہیں، یہ سوال سن کر سٹ پٹا کر کچھ ادھر ادھر کی کہنے لگیں گے۔ پھر جو اس سوال کا جواب واقعی جانتے ہیں، ان کی اکثریت بھی اس کا جواب دینے سے جان بوجھ کر احتراز کرتی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اس سوال کا اصل جواب دینے سے غلط فہمیوں سے بنے گئے اس جال کے تار ٹوٹ جاتے ہیں جس کے ذریعے یہ عوام الناس کا شکار کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں سے بہت تھوڑے ہی یہ جانتے اور کہنے کی جرات رکھتے ہیں کہ جی، ان حقوق کا ماخذ تنویری فکر سے ماخوذ ہیومن رائٹس فریم ورک ہے۔ تو گویا اب ان کی پوزیشن یہ ہوئی کہ جدید ریاست لبرل ہیومن رائٹس کے تناظر میں اپنے شہریوں کے حقوق کا تعین کرتی ہے۔ اور یہ مذہب سے ماوراء وغیرہ جیسے الفاظ محض اپنی پوزیشن کو خوشنما دکھانے کے لئے بولے جاتے ہیں۔ تو ہم ان سے کہتے ہیں کہ جس طرح آپ یہ کہتے ہو کہ ریاست کو چاہیے کہ وہ شہریوں کے حقوق ہیومن رائٹس سے اخذ کرے بعینہ ہمارا یہ مقدمہ ہے کہ ریاست کو اپنے تمام شہریوں کے حقوق کا تعین قرآن وسنت کی روشنی میں کرنا چاہئے۔ بتایئے اس میں سوائے ترجیحات کے کیا منطقی مسئلہ ہے؟ آخر ایک بندہ مؤمن قرآن وسنت کو پیچھے کر کے تنویری فکر سے ماخوذ ہیومن رائٹس کو کیوں کر مقدم کرلے؟"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح مزید ایک مقام پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"یہ آپ سے کہیں گے کہ پہلے ہیومن (انسان) بنو بعد میں مسلمان۔ یہ سیکولرز کی عوام الناس کو پھانسنے کی ایک دیرینہ خوشنما دلیل ہے۔ آپ ان سے پوچھیے کہ اچھا بتاؤ مسلمان ہونے سے قبل انسان ہونے کا کیا مطلب ہے؟ دیکھیے مسلمان ہونے کا مطلب یہی ہے نا کہ میں اصلاً و حقیقتاً خدا کا بندہ ہوں۔ بتایئے کیا میری اس حقیقت سے ماوراء اور ماقبل بھی میری کوئی ایسی حقیقت ہے جس کا آپ مجھ سے اقرار کروانا چاہتے ہیں؟ دراصل یہ بات کہنے والوں کی اکثریت کو اس بات کا مطلب ہی معلوم نہیں ہوتا۔ میں کون ہوں؟، فی زمانہ اس کے دو غالب جواب ہیں؛ ایک یہ کہ میں خدا کا بندہ (مسلمان) ہوں، دوسرا یہ کہ میں آزاد و قائم بالذات ہوں۔ مسلمان ہونے سے قبل انسان ہونے کی دعوت کا اصل مطلب اسی بات کا اقرار کروانا ہے کہ میں اصلاً آزاد ہوں۔ پھر یہ جو خود کو مسلمان وغیرہ سمجھا جاتا ہے تو یہ اس آزاد ہستی کے اپنے ارادے کے تحت اختیار کردہ اپنی ذات کے بارے میں کچھ تصورات ہیں جو اصل حقیقت نہیں۔ اصل حقیقت میرا وہ ارادہ ہے جو حقیقت تخلیق کرتا ہے۔ خوشنما باتیں کر کے لوگوں کو کیوں گمراہ کرتے ہو؟ اپنا سچ کھل کر بتاؤ۔"

جناب مزید ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"اب یہ جو مسلمانیت کے بجائے انسانیت کا حوالہ دیتے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کی اصل بات، جس کا خود ان میں سے بہت سوں کو بھی ادراک نہیں، آپ کے سامنے رکھ دی جائے۔ میں اپنے انسان ہونے کے بارے میں مختلف بنیادی حوالے رکھ سکتا ہوں، مثلاً ایک یہ کہ میں اصلاً سب سے پہلے مغل ہوں، یا یہ کہ میں اصلاً پنجابی ہوں، یا یہ کہ میں اصلاً پاکستانی ہوں، یا یہ کہ میں اصلاً مزدور یا سرمایہ دار طبقے کا نمائندہ ہوں، یا یہ کہ میں اصلاً مسلمان، ہندو یا عیسائی ہوں۔ اپنی ذات کے ادراک کے لئے میں جو بھی حوالہ اختیار کرتا ہوں، اسی کی بقاو غلبے کے لئے جدوجہد کرنے کا اخلاقی جواز رکھتا ہوں۔ اب یہ آپ سے کہیں گے کہ تم اصلاً یہ سب نہیں ہو، بلکہ یہ سب تو تمہاری اصل کا اظہار ہیں۔ اب آپ ان سے پوچھئے کہ بتاؤ پھر اصل میں میں کیا ہوں؟ تو یہ آپ سے کہیں گے کہ اصل میں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تم ایک آزاد و خود مختار (قائم بالذات) ہستی ہو جسے یہ حق ہے کہ وہ اپنے ارادے سے خیر کو متعین کرے۔ پس مسلمان ہونا یہ اصل نہیں بلکہ صرف اپنے ارادے کے تحت ایک خیر کو ڈیفائن کر لینا ہے۔ یہ واحد خیر نہیں بلکہ خیر کے لاتعداد تصورات میں سے بس ایک ہے۔ یعنی خدا کا حوالہ چھوڑ دو، زمین پر اپنے ارادے سے بنائے ہوئے خیر کے حوالوں کو اپناؤ، اسی کے لئے جدوجہد کرو۔ یہ ہے ان کے نزدیک انسان ہونے کا اصلی معنی، جس کا یہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اقرار کروانا چاہتے ہیں۔ یہ بات اچھی طرح، جی بہت ہی اچھی طرح، سمجھ رکھنی چاہئے کہ انسان ہونا میری اصل نہیں بلکہ خدا کا بندہ ہونے کی ممکنہ صورتوں میں سے بس ایک صورت ہے۔ میرے وجود، یعنی ہونے کی امکانی صورتیں یہ تھیں کہ میں درخت ہوتا، جانور ہوتا، پہاڑ ہوتا، پتھر ہوتا یا پھر فرشتہ و جن ہوتا، مگر میں کچھ بھی ہوتا اپنے وجود کی ہر امکانی صورت میں خدا کا بندہ (مخلوق) ہی ہوتا۔ اس کائنات میں میرے وجود کا ایسا کوئی امکان نہیں جہاں میں اصلاً خدا کے بندے کے ماسواء کچھ اور بھی ہوتا۔ انسان ہونا میری اصل نہیں بلکہ میرے لئے ایک حادثہ ہے، ان معنی میں کہ خدا نے جس حال میں چاہا مجھے پیدا کیا اور وہ مجھے انسان بنانے پر مجبور نہ تھا، یہ محض اس کا فضل ہے۔ پس یہ سوال کہ اصلاً مسلمان ہو یا انسان، تو اس کا بالکل واضح جواب یہ ہے کہ اصلاً اور حقیقتاً میں خدا کا بندہ (مسلمان) ہوں، انسان حادثاتی طور پر ہوں۔ میں لازماً being with God ہوں، نہ کہ اس سے ماوراء کوئی ہستی۔ اپنے انسان ہونے کو ڈیفائن کرنے کا اس کے علاوہ میرے پاس کوئی دوسرا حوالہ نہیں، سوائے اس کے کہ میں خود مختاریت کا دعوی کروں۔ میں کون ہوں؟، اس سوال کا جواب میں جو نہی خدا کے حوالے کے بغیر دینے کی کوشش کرتا ہوں، میں لازماً خود کو خدا سے ماوراء و ماقبل وجود (being without God) فرض کر لیتا ہوں، اور یہی الحاد کی بنیاد ہے۔ خدا کا وجود میرے شعور انسانیت سے ماقبل ہے، لاالہ الااللہ اسی بات کا اقرار ہے۔ مسلمان بننے سے قبل انسان بنو، اسی کلمے کا انکار ہے۔"

کیا اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے؟

لبرل کا سوال ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، یہ کس آیت یا حدیث کا ترجمہ ہے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جواب: یہ کس آیت اور حدیث کا ترجمہ ہے کہ اسلام ایک نامکمل ضابطہ حیات ہے کہ جسے انسانوں نے مکمل کرنا ہے؟ اسلام اگر مکمل ضابطہ حیات نہیں ہے تو کیا نامکمل ضابطہ حیات ہے، یہ کہنا چاہتے ہو؟ یہ تو تمہارے اسٹائل میں جواب ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ اسلام مکمل ضابطہ حیات نہیں ہے تو اب اس کو مکمل کون کرے گا؟ آپ! اور مکمل کرنا اس لیے ضروری ہے کہ زندگی گزارنے کے لیے تو مکمل ضابطہ چاہیے نہ کہ نامکمل یا ناقص۔ نامکمل ضابطے سے تو نامکمل معاشرے پیدا ہوں گے، پس ایک اچھے معاشرے کی تشکیل کے لیے ایک مکمل ضابطہ حیات کا ہونا ضروری ہے۔ اور اب وہ اسلام تو ہے نہیں تو پھر کہاں سے آئے گا؟ یا تو اسلام کے ضابطے کو مکمل کرو گے یا اس کے مقابلے میں کوئی نیا ضابطہ بنا کر لاؤ گے۔

دوسری صورت کی تو تمہارے اندر نہ تو جرات ہے اور نہ ہی صلاحیت کہ اسلام کے مقابلے میں کوئی ضابطہ حیات بنا لاؤ۔ تو رہی پہلی بات تو اس میں اسلام تو رہا ناقص، تو اس کے نقص کی تکمیل جناب لبرل صاحب فرمائیں گے۔ پس دین اسلام جو اللہ نے دیا، وہ تو ناقص تھا، اور جو لبرل کے اجتہاد کی چھلنی سے تیار ہو گا، وہ مکمل ہو جائے گا۔ یہ دین اسلام میں اپنا حصہ چاہتے ہیں جیسے اسلام نہ ہوا، سرکار کے کسی ادارے کا ٹینڈر ہوا۔

یہ لوگ دراصل اللہ کے ساتھ اس کے حقوق میں شراکت چاہتے ہیں، یہ خالق کا حق ہے کہ وہ مخلوق کو پابند کرے، تم کون ہوتے ہو کہ اسلام کو ناقص کہہ کر اب اس کی تکمیل کے نام پر لوگوں کی آزادیاں ان سے چھیننے لگ جاؤ، وہ آزادیاں جو ان کے خالق نے انہیں دی ہیں۔ اب ان بیچاروں کو معلوم ہی کیا کہ ان کے خالق نے انہیں کیا آزادیاں دے رکھی ہیں کہ جنہیں معاصر وضعی قوانین (manmade laws) نے ان سے چھین رکھا ہے۔ یہ خالق کی پابندی سے بھاگے ہیں اور اب انسانی قوانین کی بیڑیوں میں آزادی کے سانس گن رہے ہیں۔

رہی یہ بات کہ اسلام میں یہ کہاں ہے کہ وہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے تو یہ اسلام میں بہت جگہ موجود ہے۔ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ [الأنعام: 38] ترجمہ:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہم نے اس کتاب میں کوئی کمی نہیں چھوڑی ہے۔اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے کہ ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ [النساء: 59] ترجمہ: جس چیز میں بھی تمہارا اختلاف ہو جائے تو اس اختلاف کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹادو یعنی کتاب وسنت سے اس کا حل لے لو۔اور عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب نفی کے سیاق میں نکرہ ہو تو وہ اپنے عموم میں نص بن جاتا ہے جیسا کہ یہاں ہے۔

اور ضابطہ کا مطلب صرف قانون نہیں ہے، ضابطہ میں قانون بھی داخل ہے اور ہدایت بھی، ایک طرف ضابطہ فوجداری (criminal law) ہے تو دوسری طرف ضابطہ اخلاق (code of conduct) بھی ہے۔اس لیے ضابطہ کا لفظ قانون سے بہت وسیع معانی رکھتا ہے۔ جس دین کی یہ شان ہو کہ اس میں بیت الخلاء جانے اور نکلنے کا طریقہ بھی سکھلایا گیا ہو، اس کے بارے ان کا دعوی ہے کہ یہ مکمل ضابطہ حیات نہیں ہے، کمال ہے! اب یہ اسلام کو نامکمل ضابطہ قرار دے کر اس کی تکمیل فرمائیں گے، یہ منہ اور مسور کی دال!

کیا اسلامی ریاست کی اصطلاح استعمال کرنا غلط ہے؟

دوست نے سوال کیا ہے کہ کیا اسلامی ریاست کی اصطلاح استعمال کرنا غلط ہے؟ عرض یہ ہے کہ بالکل کی جاسکتی ہے اور کرنی چاہیے۔ یہ اصطلاح استعمال کی جاسکتی ہے، اس لیے کہا کہ زبان وبیان کے قواعد واسالیب کی روشنی میں اس اصطلاح کا استعمال بالکل درست ہے۔اور یہ اصطلاح استعمال کرنی چاہیے، اس لیے کہا کہ عرفی معانی ومفاہیم کی ادائیگی میں اس کی اہمیت مسلم ہو چکی ہے۔

الجھن اصل میں یہاں سے پیدا ہوئی کہ انگریزی لفظ state کا اردو میں ترجمہ عربی لفظ ریاست سے کر دیا گیا۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ایک انگریزی لفظ کے مفہوم کی ادائیگی کے لیے عربی زبان سے لفظ کیوں لیا گیا کہ اردو تو ہے ہی کرائے کی زبان، عربی سے نہ لیا تو فارسی سے لے لیں گے۔ایشو اصل میں یہاں سے پیدا ہوا کہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں نے انگریزی لفظ state کا ترجمہ "دولۃ" سے کیا اور اردو والوں نے ایک ایسے عربی لفظ سے کر دیا جو کہ عربی زبان میں سیاست شرعیہ کے میدان میں عرفی اصطلاح بن چکا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عربی زبان میں ریاست کے لفظ کا استعمال احادیث اور آثار میں بھی ملتا ہے اور بعد ازاں جب علوم مدون ہونا شروع ہوئے تو سیاست شرعیہ پر لکھی جانے والی کتب میں اس لفظ کا استعمال کثرت سے ہوا یہاں تک کہ یہ لفظ ایک خاص معنی میں عرف بن گیا مثلاً شرف، بزرگی، مقام وغیرہ جیسا کہ رئیس کا لفظ بھی اسی سے نکلا ہے۔ اور عربی زبان کا بہت معروف محاورہ جو کہ عام طور فقہاء اور علماء کے ہاں مستعمل ہوا، وہ یہ ہے: "انتهت إليه الرياسة" کہ اس علم اور فن میں شرف اور بزرگی ان پر ختم ہو گئی۔ محمد بن علی القلعی متوفی 630ھ غالباً وہ پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے اپنی کتاب کا نام "تهذيب الرياسة وترتيب السياسة" رکھا کہ اس لفظ کو امراء اور حکمرانوں کے اعمال وافعال کی تہذیب کے لیے استعمال کیا۔

پس ریاست کا لفظ اگر آپ اس معنی میں استعمال کر رہے ہیں کہ جس معنی میں یہ سیاست شرعیہ میں استعمال ہوا ہے تو اس معنی میں اسلامی ریاست کا مفہوم اسلامی امارت ہے اور اس لحاظ سے یہ بالکل درست معنی ہے۔ اور اگر آپ ریاست سے مراد ریاست کا جدید تصور لے رہے ہیں تو پھر بھی اسلامی ریاست کی مصطلح استعمال کرنا درست ہے کہ اس سے مراد اسلامی نظام ریاست ہوتی ہے۔ لیکن اس میں اتنا واضح رہے کہ اسلامی نظام ریاست میں جغرافیے کی کوئی اہمیت نہیں بلکہ اسلامی نظام ریاست آبادی، حکومت اور اقتدار اعلی سے مل کر وجود میں آتا ہے۔ پس مکہ المکرمہ میں بھی اسلامی نظام ریاست موجود تھا کہ جسے اسلامی نظام امارت کا نام بھی دے سکتے ہیں، چاہے اس کی حدود یا باؤنڈریز نہ بھی تھیں بلکہ متعین حدود تو مدینہ کی ریاست کی بھی نہ تھیں۔

نظام امارت میں ایک امیر ہے، دوسرا مامور ہے اور تیسرا امر ہے۔ اور جدید تصور ریاست کی روشنی میں امیر حکومت ہے، مامور آبادی ہے اور تیسرا امر الہی ہے یعنی اقتدار اعلی ہے۔ پس ان تین چیزوں کے ملنے سے جو نظام وجود میں آتا ہے، اسے نظام امارت یا نظام ریاست کہتے ہیں۔ اور ریاست کے اسلامی ہونے کا معنی یہ ہے کہ امیر، مامورین میں امر الہی کو جاری وساری کرنے کے لیے خلافت یعنی نیابت کا کردار ادا کرے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حنفیت، اہل حدیثیت، غامدیت اور سیکولرازم: کرنے کا اصل کام

روزنامہ جنگ، 24 دسمبر 2017ء کے پہلے صفحہ پر ایک نمایاں خبر لگی ہے کہ جس میں امریکی پروفیسر ڈاکٹر ابراہیم موسی، ڈاکٹر قبلہ ایاز، خورشید ندیم اور عمار خان ناصر صاحب وغیرہ کے "مذہب اور ریاست" کے باہمی تعلق پر کچھ بیانات اس خبر کی زینت بنے ہیں۔

خورشید ندیم صاحب کے بقول سب سے بڑی غلطی جو پاکستان بننے کے بعد ہوئی وہ یہ سمجھنا تھا کہ "اسلام" ریاست پاکستان کا دین ہے۔ ان کے بقول "اسلام" معاشرے کا دین ہے اور ریاست کا کوئی دین نہیں ہوتا۔ مسلمانوں میں جتنی بھی احیائی تحریکیں ہیں، وہ بس طاقت کا حصول چاہتی ہیں اور دنیا میں مسلمانوں میں ہونے والے ظلم وستم کی اصل ذمہ داری یہی انقلابی تحریکیں ہیں۔

یہ وہی مذہبی بیانیہ ہے جو سارا غامدی مکتب فکر بیان کرنے میں لگا ہوا ہے اگرچہ اس میں ان کے بیان کے لیولز مختلف درجہ کے ہیں۔ کچھ تو دہشت گردی کی جڑیں مدارس میں تلاش کرنے میں ہی لگے رہتے ہیں اور دینی مدارس کو دہشت گردی کی اصل بنیاد سمجھتے ہوئے ریاستی اداروں کو موٹیویٹ کرتے رہتے ہیں کہ وہ ان مدارس پر لشکر کشی کریں۔ اور کچھ کو سارے فساد کی جڑ "پولیٹیکل اسلام" میں نظر آتی ہے۔

غامدی مکتب فکر کے فالوورز نہ صرف الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں اپنا فکر بہت محنت سے پھیلا رہے ہیں بلکہ ایک نوجوان نسل کو بھی اس فکر کا امین بنانے کے لیے پوری محنت اور تندہی سے تیار کر رہے ہیں۔ ایسے میں روایت پسند حلقے کیا کر رہے ہیں تو اس کا جواب ہے کہ کچھ نہیں کر رہے۔ ان میں سے اکثر کو یہ سمجھانا ہی مشکل ہو جاتا ہے کہ "فکری کام" بھی کوئی کرنے کا کام ہے اور یہ میدان علماء نے لبرلز، تجدد پسند اور سیکولر طبقے کے لیے خالی چھوڑ رکھا ہے۔

میری خواہش ہے کہ یہاں فیس بک پر تین اہل علم موجود ہیں؛ ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب جو کہ فاضل درس نظامی ہیں، بریلوی مکتب فکر سے تعلق ہے، معاشیات میں پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں، اور قائد اعظم یونیورسٹی میں اکنامکس کے شعبہ میں اسسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ دوسرا ڈاکٹر محمد مشتاق صاحب ہیں، دیوبندی مکتب فکر سے تعلق ہے، قانون میں پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں، اور انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلام آباد میں لاء کے ڈیپارٹمنٹ میں ایسوسی ایٹ پروفیسر ہیں۔ اور تیسرا حامد کمال الدین صاحب ہیں، اہل حدیث مکتب فکر سے تعلق ہے، فاضل وفاق المدارس السلفیہ ہیں، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد سے ایل۔ ایل۔ ایم الشریعہ ہیں اور ایک فکری مجلے ایقاظ کے مدیر ہیں۔ تو یہ تینوں حضرات فکری ذہن رکھنے والے روایت پسند دانشور ہیں۔ اگر آپ کو ان میں سے کسی صاحب سے اختلاف ہے تو آپ اپنے مکتب فکر میں سے کسی اور ایسی شخصیت کو اس کام کے لیے منتخب کر سکتے ہیں کہ جو اس کام کے لیے آپ کے نزدیک موزوں، مناسب اور اہل ہو لیکن یہ کام اگر تمام مکاتب فکر کی اجتماعی کاوش کا نتیجہ ہو تو ایسی صورت میں بہت مثبت نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

یہ تینوں مل کر اگر کراچی، لاہور، اسلام آباد اور پشاور میں ایک ایک دن کی "فکری ورکشاپس" درس نظامی کے فارغ التحصیل طلباء کے لیے منعقد کروائیں تو اس سے روایت پسند اہل علم میں نوجوانوں کی ایک ایسی کھیپ تیار کی جاسکتی ہے جو فکری چیلنجز کا جواب دینے کی اہلیت رکھتی ہو۔ اور الحاد، دہریت، جدیدیت، مابعد جدیدیت، مغربی افکار، استشراق، انکار حدیث اور تجدد پسندی جیسے جدید فتنوں کا نہ صرف گہرائی میں درک رکھتی ہو بلکہ اس کا جواب دینے کی مشق بھی کر چکی ہو۔ بعد ازاں ایڈوانس نوعیت کی ورکشاپس بھی منعقد کروائی جاسکتی ہیں۔

بھئی، غامدی مکتب فکر اسی لیے ہر جگہ نمایاں ہے کہ وہ کام کر رہے ہیں۔ جو کام کرے گا، لوگ اسی کو جانیں گے، اس لیے کام کریں۔ روایت پسندوں کے مخالفین آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں لیکن وہ ہر جگہ نظر آتے ہیں اور آپ کے جو نمائندے بھی وہاں ان کی کسی تقریب میں پہنچ جاتے ہیں تو بجائے اپنی بات کرنے کے انہی کی ہاں میں ہاں ملا کر واپس آجاتے ہیں۔

میں نے اہل حدیث طلباء کی فکری تربیت کے لیے ایک "بیانیہ" اسلامی نظریہ حیات کے نام سے تیار کیا تھا۔ اب خواہش اور کاوش بھی ہے کہ اشاعت کے بعد وہ وفاق المدارس السلفیہ کے نصاب میں شامل ہو جائے۔ یہی کام حنفی علماء کے کرنے کا بھی ہے ورنہ تو حنفی مدارس میں عمار خان ناصر صاحب جیسے اسکالرز پیدا ہوتے رہیں گے اور اہل حدیث مدارس میں مبشر احمد لاہوری صاحب جیسے۔ یا تو ان کو دل سے قبول کر لیں، اگر نہیں کر سکتے تو ان کے لیول کے فکری مصلحین پیدا کریں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم اور طاقت

ایک بزرگ دیوبندی عالم دین نے کسی نوجوان اہل حدیث عالم دین کے بارے تبصرہ کیا کہ بندہ بہت قابل ہے لیکن چڑھ اہل حدیثوں کے ہاتھ گیا، اگر یہ دیوبندی ہوتا تو کہاں سے کہاں پہنچ جاتا۔

ان دیوبندی عالم دین کی یہ بات اصولی طور صد فی صد درست ہے۔ آپ کی قابلیت، صلاحیت، دانشوری، فکر و فلسفہ سب خاک میں مل جائے گا، اگر آپ کو انہیں پھیلانے کے لیے کچھ قوتیں میسر نہ ہو سکیں۔ اس لیے تو ہم نے بہت پہلے لکھ دیا تھا کہ مستقبل قریب میں اسلام کے نام پر دو ہی بیانیے باقی رہ جائیں گے؛ ایک سلفی اور دوسرا اثنا عشری کہ ان دونوں کے پیچھے ریاست کی طاقت ہے۔

دنیا میں وہی فقہیں رائج ہوئیں کہ جنہیں حکومتوں کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ ابن ابی لیلی، لیث بن سعد اور داؤد ظاہری وغیرہ کی فقہیں کتابوں میں رہ گئیں لیکن ائمہ اربعہ اور ابن حزم رحمہم اللہ کی فقہ ریاستی لاء بننے کی وجہ سے آج تک عملاً معاشرے میں ہمیں نظر آتی ہیں۔ تو اپنے افکار کا رواج چاہتے ہو تو رستہ یہی ہے کہ اپنے علم کو طاقت کا ستون میسر کر دو، پھر اگر سطحی بھی ہو گا تو عام ہو جائے گا۔ ہم مسلکی، جماعتی اور تحریکی تعصب سے نہیں نکل سکتے۔ ہم مذہبی لوگ کیا سائنسدان تک ابھی تک اس بات سے نہیں نکل سکے کہ یہ روسی سائنسدان ہے اور یہ امریکی۔

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ نے اسی عصبیت کو اپنے فکر و فلسفہ کی بنیاد بنایا ہے۔ اس زمانے میں عصبیت قبائلی ہوتی تھی، آج قبائلی نظام ختم ہو چکا، اب جماعتی موجود ہے لہذا جماعتی عصبیت کا رجحان بڑھ گیا ہے۔ آپ اگر ادیب ہیں اور کمیونسٹ رجحان رکھتے ہیں، تو دنیا بھر کے کمیونسٹ آپ کو پبلش کریں گے گویا کمیونسٹ طبقہ آپ کے افکار کے پھیلنے کے لیے ایک ذریعہ اور واسطہ بن جائے گا۔ یہی صورت حال سرمایہ داروں کی بھی ہے اور مذہبی لوگوں کی بھی۔ بلکہ ایک ہی مذہب میں موجود مسالک اور جماعتوں میں بھی عصبیت موجود ہے۔ اہل حدیث کی جماعت کسی دیوبندی عالم دین کی فکر کی ترویج کا ذریعہ نہیں بنے گی، چاہے وہ مسلکی فکر نہ بھی ہو اور دیوبندی مسلک کسی اہل حدیث عالم کی فکر کو پبلش نہیں کرے گا، چاہے وہ عالم اسلام سے متعلق ہو، الا ماشاء اللہ۔

علم اور طاقت کا ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ مغرب نے اپنے فکر و فلسفہ کو اپنی سیاسی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عسکری طاقت کے بل بوتے پر پھیلایا ہے اور یہ بات اظہر من الشمس ہے۔ "دلیل کی قوت" کیا ہوتی ہے؟ یہ ایک بے کار کی ترکیب اضافی ہے، قوت تو قوت ہے، سیاسی ہو یا عسکری۔ جتنی بڑی طاقت سے، چاہے مسلکی ہو، جماعتی ہو، تحریکی ہو، لسانی ہو، قومی ہو، ریاستی ہو، مذہبی ہو، یا سیاسی ہو، آپ وابستہ ہو جائیں گے، اتنی ہی آپ کی دلیل بھی قوی ہو جائے گی، یہ دنیا اسی اصول پر چل رہی ہے۔ اس کو ایک سادہ سی مثال سے سمجھ لیں کہ جو علماء کسی مسلک، جماعت یا تحریک کی خوب نمائندگی کرتے ہیں، وہ مسلک، جماعت اور تحریک انہیں خوب پبلش کرتی ہے، بھلے ان کا فکر و فلسفہ ردی ہی کیوں نہ ہو۔ اور جو علماء کسی کے نمائندہ بن کر نہیں لکھتے تو انہیں اپنا پبلشر خود بننا پڑتا ہے، بھلے سقراط جیسی دانشوری رکھتے ہوں۔

اگر تو یہ چاہتے ہو کہ دنیا میں تمہارا نام اور کام باقی رہے تو اس کا طریقہ یہی ہے کہ طاقت کے منابع (power sources) پر قبضہ کرو، یا انہیں تخلیق کرو، یا ان سے گہرا رابطہ پیدا کرو، ورنہ تاریخ کے صفحات میں گم ہو جاؤ گے۔ اور یہ بات یہاں تمام مسالک، مذہبی جماعتوں اور اسلامی تحریکوں کے نمائندوں کو سمجھ آچکی ہے۔ اور ان سب کی فکر "اپنی فکر" نہیں ہے بلکہ "اللہ کی فکر" ہے، یہ بھی واضح ہے۔ اور اگر آخرت کی شہرت چاہیے تو اس سب کچھ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو، یہ پہلی سے بھی اہم بات ہے۔ دنیا میں کامیابی کے معیارات کچھ اور ہیں، اور دین میں کامیابی کے معیارات کچھ اور۔

اور اگر دنیا اور آخرت دونوں کی شہرت اور ناموری چاہیے تو پہلی کے لیے دعا کر لیا کرو کہ اے پروردگار! میری فکر اگر صالح ہے تو اسے طاقت کے سرچشموں اور قوت کے ستونوں سے سیراب فرمادے اور دوسری پر عمل یعنی خود کا عمل یہی ہو کہ طاقت کے سرچشموں اور قوت کے ستونوں کے حصول بلکہ قرب سے بھی بچتا رہے کہ سو میں سے ننانوے کا ایمان ان کے حاصل ہو جانے یا ان کے قریب آجانے سے داؤ پر لگ جاتا ہے۔ اور وہ ایک فی صد جو محفوظ رہتے ہیں وہ رات کے راہب اور دن کے شہسوار ہوتے ہیں۔ اور المیہ یہ بھی ہے کہ اس میدان میں کودنے والوں کی اکثریت بلکہ سب کے سب اپنے آپ کو اسی ایک فی صد میں شمار کر رہے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

داعش پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فکری اثرات

کچھ دوستوں نے توجہ دلائی کہ قاری حنیف ڈار صاحب کا یہ دعوی ہے کہ داعش وغیرہ جیسی دہشت گرد جماعتوں پر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے گہرے فکری اثرات ہیں۔ قاری صاحب کا کہنا ہے کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی اپنی فکر میں خوارجی (extremist) تھے اور یہ جماعتیں بھی خوارجی فکر کی حامل ہیں۔

میرے پاس ایک نوجوان آیا، کوئی سترہ سال اس کی عمر ہو گی، آتے ہی کہنے لگا کہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں، مجھے بتائیں کیسے کروں؟ اور اس کا جذبہ ایسا تھا کہ جیسے اب گھر جانے کی بجائے میدان جہاد میں ہی جائے گا۔ میں اس وقت قاری حنیف ڈار صاحب کے لیول کا مفکر تھا، فوراہی اس کا ذہن پڑھ لیا کہ یہ کہیں سے طالبان کا لٹریچر پڑھ کر آیا ہے۔ میں نے کہا: بھئی، کن چکروں میں پڑ گئے ہو، یہ ٹی۔ٹی۔پی کے لوگ غلط ہیں۔ وہ نوجوان سنجیدگی سے پوچھنے لگا کہ یہ ٹی۔ٹی۔پی کون ہے؟ میں نے کہا: طالبان، اس نے پوچھا: طالبان کون ہیں؟

میں نے سوچا کہ یہ کسی کشمیری جہادی تحریک کے لٹریچر سے متاثر ہوا ہے لہذا جہادی تحریکوں کے نام لینا شروع کر دیے۔ لیکن حیران کن بات تھی کہ وہ نوجوان کسی جہادی تحریک سے واقف نہ تھا۔ میں نے تنگ آ کر کہا: بھئی، کہاں سے جہاد کے لیے اتنے موٹیویٹ ہو گئے ہو؟ نوجوان نے کہا کہ میرے گھر میں حدیث کی ایک کتاب تھی، جس میں جہاد کے فضائل پر حدیثیں تھیں، میں نے وہ پڑھی ہیں اور آپ کے پاس آ گیا ہوں، میں اللہ کے رستے میں شہید ہونا چاہتا ہوں لیکن مجھے کچھ پتہ نہیں ہے کہ میں نے کیسے شہید ہونا ہے؟

اسی طرح ایک اور نوجوان بہت ہی جذبہ تھا اس میں، میں نے پوچھا کہ اتنا جہادی جذبہ کہاں سے ملا آپ کو؟ کہنے لگا کہ نسیم حجازی کے ناولوں سے۔ میں شک میں ہی رہا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ لیکن جس نے نسیم حجازی کے ناول پڑھے ہو تو اسے معلوم ہے کہ یہ ممکن ہے۔ اسی طرح ہمارے ایک جاننے والے کو پولیس والے اٹھا کر لے گئے۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو کیوں لے گئے تھے؟ انہوں نے بتلایا کہ میں "دار السلام" کی کتابیں بیچتا ہوں۔ میں نے کہا: "دار السلام" کی کتابوں میں ایسا کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے؟انہوں نے کہا کہ بعض دہشت گرد پکڑے گئے ہیں،ان کے پاس سے "دارالسلام" کی کتابیں برآمد ہوئی ہیں۔میں نے سوچا کہ دہشت گردوں کے پاس تو قرآن مجید بھی برآمد ہوتا ہے تو یہ لوگ خدا کو کیوں نہیں پکڑتے؟یہاں ان کی ساری سمجھداری ختم ہو جاتی ہے۔

اب ہم آپ کو نکتے کی بات بتلانا چاہتے ہیں،وہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص 1949ء میں نسیم حجازی کے لکھے گئے ناول کو پڑھ کر دہشت گرد بن جاتا ہے تو اس میں کمال نسیم حجازی کا نہیں،دہشت گرد کا ہے۔یہ بات لسانیات میں معاصر دنیا کا ذہین ترین فرنچ فلسفی کہہ رہا ہے کہ جسے لوگ دریدہ (Derrida) کے نام سے جانتے ہیں کہ جس نے ڈی۔کنسٹرکشن (deconstrcution) کی تھیوری دی جو پوسٹ ماڈرن ازم کی بنیاد بنی۔

اس تھیوری ایک تعبیر کے مطابق آج کے دور میں مصنف مر چکا ہے۔تحریر مرتب کرنے کے بعد مصنف کا رشتہ تحریر سے ختم ہو جاتا ہے اور اب قاری اور ریڈر کے اوپر ہے کہ وہ اس تحریر سے کیا نتائج اخذ کرتا ہے۔اور قاری اور ریڈر اس تحریر سے جو بھی نتائج اخذ کرے گا تو وہ درست ہوں گے۔ ہر تحریر کا ایک بنیادی اسٹرکچر ہوتا ہے،اس اسٹرکچر کی روشنی میں اس تحریر سے جو نکلے، نکال لو، چاہے وہ مصنف کی منشا ہو یا نہ ہو۔پہلے یہ کام شاعروں کے ساتھ ہوتا تھا کہ ان کے شارحین ان کے کھاتے میں وہ باتیں بھی ڈال دیتے جو ان کی مراد نہ ہوتی تھیں اور اب سب سے زیادہ یہ کام مذہبی لٹریچر کے ساتھ ہو رہا ہے۔

دریدہ کی تھیوری استعمال کی جائے،اور اگر آپ ذہین ہوں تو آپ قاری صاحب کی تحریر سے ابو بکر بغدادی کی فکر نکال سکتے ہیں۔ان بے وقوفوں کو کیا پتہ کہ لفظ ایک سمندر ہے کہ جس سے جو چاہیں نکال سکتے ہیں،لیکن بندہ ذہین ہونا چاہیے۔پس آتھر،اتھارٹی ہے،میں زندہ ہوں،مر نہیں گیا۔ میری تحریر سے اگر کوئی ایسا مطلب نکالتا ہے جو کہ میری مراد نہیں تھی،تو میں ہر گز یہ حق نہیں دوں گا۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی زندہ ہیں،اپنے شاگردوں کی صورت میں،ان کی تحریر کا وہ مطلب جو کبار علماء کو سمجھ آیا ہے،ان علماء کو سمجھ آیا جو اپنی سند ابن تیمیہ رحمہ اللہ تک پہچانتے ہیں،وہی ان کی تحریر کا مطلب ہے،نہ کہ وہ جو قاری حنیف ڈار کو سمجھ آیا ہو یا دہشت گرد کو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے استاذ مولانا حافظ عبد الرحمن مدنی صاحب نے اپنے استاذ شیخ محمد بن عطیہ السالم، انہوں نے اپنے استاذ شیخ عبد العزیز بن عبد اللہ آل باز، انہوں نے اپنے استاذ شیخ عبد الحق ہاشمی، انہوں نے اپنے استاذ شیخ احمد بن عبد اللہ بن سالم بغدادی، انہوں نے اپنے استاذ شیخ عبد الرحمن بن حسن بن محمد بن عبد الوھاب، انہوں نے اپنے استاذ اور دادا شیخ محمد بن عبد الوھاب، انہوں نے اپنے استاذ شیخ عبد اللہ بن ابراہیم مدنی، انہوں نے اپنے استاذ شیخ عبد القادر التغلبی، انہوں نے اپنے استاذ شیخ المحدث عبد الباقی، انہوں نے اپنے استاذ احمد بن مفلح الوفائی، انہوں نے اپنے استاذ شیخ احمد بن موسی الحجاوی، انہوں نے اپنے استاذ شیخ احمد بن محمد المقدسی، انہوں نے اپنے استاذ شیخ احمد بن عبد اللہ عسکری سے، انہوں نے اپنے استاذ شیخ علاؤ الدین مرداوی، انہوں نے اپنے استاذ شیخ ابراہیم بن قندس البعلی، انہوں نے اپنے استاذ شیخ ابن اللحام، انہوں نے اپنے استاذ شیخ ابن رجب الحنبلی، انہوں نے اپنے استاذ شیخ ابن قیم الجوزیہ، اور انہوں نے اپنے استاذ شیخ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا۔ ایسی سینکڑوں اسناد کے بعد بھی کوئی بے وقوف یہ کہہ سکتا ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کو کوئی جانتا ہی نہیں تھا اور انہیں تو داعش نے مشہور کیا ہے۔

دہشت گردوں کے امام کی تلاش میں: شارٹ اسٹوری

گوانتاناموبے نامی خلیج پر ایک بند کمرے میں اعلی امریکی فوجی افسران کا اجلاس ہو رہا تھا کہ جس کا موضوع وہ عرب قیدی تھے کہ جنہیں شمالی اتحاد نے پکڑ کر امریکہ کے حوالے کیا تھا۔ اجلاس کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ کسی طرح ان جہادیوں کے فکری امام تک رسائی حاصل کی جائے کہ وہ ہے کون کہ جس نے ان میں اتنی انرجی بھر دی ہے کہ یہ روس کے بعد اب امریکہ سے بھی ٹکرا گئے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے امریکہ کے بہترین ماہرین نفسیات کی مدد بھی حاصل کی گئی تھی۔

دنیا کے ان ذہین ترین گدھوں کا خیال یہ تھا کہ اگر ہم نے قیدیوں سے براہ راست ان کے فکری امام کے بارے پوچھ گچھ کی تو وہ لازماً ہمیں کسی اور کا نام بتلا کر غلط رستے پر ڈالنے کی کوشش کریں گے لہذا مشترکہ اجلاس میں طے یہ پایا کہ ہر قیدی کا علیحدہ علیحدہ انٹرویو لیا جائے گا۔ اور انٹرویو پینل میں فوجی افسران کے ساتھ سائیکالوجسٹ بھی موجود ہوں گے جو اس قیدی کے الفاظ و کلمات، لب و لہجے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور حرکات و سکنات وغیرہ سے یہ اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ اس کی زندگی پر سب سے زیادہ اثر کس کا ہے۔

قیدیوں کے انٹرویوز شروع ہوئے، سوشل سائنسز اور ہیومینیٹیز میں سوالنامہ تیار کرنے میں جتنی مہارتیں استعمال کی جاسکتی تھیں، کی گئیں کہ سوالنامہ پُر کرنے والے کو شک بھی نہ پڑے کہ اس سے اصل سوال کیا کیا جارہا ہے اور اس کا ذہن بھی پڑھ لیا جائے۔ علاوہ ازیں فوجی افسران نے بلا کی ذہانت استعمال کرتے ہوئے بھی کبھی گھما پھرا اور کبھی بے پرواہی کے انداز میں سوالات کرنا شروع کیے اور ماہرین نفسیات نے غیر محسوس انداز میں قیدیوں کا ریسپانس نوٹ کرنا شروع کر دیا۔

ایک قیدی سے سوال ہوا کہ اسے سب سے زیادہ محبت کس شخصیت سے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ احمد سے۔ دوسرے سے سوال کچھ یوں کیا گیا کہ مسلمانوں میں سب سے عظیم مفکر کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ احمد ہے۔ تیسرے قیدی سے سب سے بڑے عالم دین کا سوال ہوا تو اس نے کہا کہ احمد بن حنبل۔ انٹرویوز ختم ہو چکے تھے اور اعلیٰ امریکی فوجی افسران اور دانشوروں کا اجلاس جاری تھا اور ان کے چہرے خوشی سے دمک رہے تھے اور وہ دمکتے بھی کیوں نہ کہ انہوں نے دہشت گردوں کا امام تلاش کر لیا تھا۔ دوسرے اجلاس میں دہشت گردوں کے امام، احمد بن حنبل کو پکڑے کی اسٹریٹیجی طے پا رہی تھی۔

احمد بن حنبل کا ایڈریس معلوم کرنے کے لیے قیدیوں پر تشدد کیا گیا، انہیں کرنٹ لگایا گیا، بے لباس کیا گیا، بھوکا رکھا گیا، الٹا لٹکایا گیا، ناخن اکھاڑے گئے لیکن کسی قیدی نے بھی امام احمد بن حنبل کا ایڈریس نہ بتلایا بلکہ سب نے کہا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ قیدیوں سے مایوس ہو کر امریکیوں نے ساری دنیا میں احمد بن حنبل کی تلاش میں جاسوس پھرا دیے لیکن بے سود، احمد بن حنبل کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا، دو سال کی ان تھک محنت کے باوجود ان کا ادنیٰ سا سراغ بھی نہ ملا۔ دو سال بعد، اسی بند کمرے میں، امریکی فوجی افسران اور دانشوروں کا ایک اور اجلاس منعقد ہو رہا تھا کہ جس کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ دہشت گرد، امریکیوں سے زیادہ ذہین ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینی طبقات کی خدمت میں

میں ایک عرصے سے جاوید چوہدری کو پڑھتا چلا آرہا ہوں کہ ایک دو باتیں جو یقین سے ان کے بارے کہی جاسکتی ہیں؛ وہ یہ ہیں کہ ایک تو ان کی تحریر کا معاشرے کے ایک بڑے طبقے پر اثر ورسوخ ہے اور دوسرا یہ کہ وہ مخلص آدمی ہیں، بھلے کنفیوژڈ ہوں۔ اور تیسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ مذہبی طبقات کو فی زمانہ ایسے ترجمانوں کی ضرورت ہے جو جاوید چوہدری جیسا قلم اور معاشرتی رسوخ رکھتے ہوں لیکن مذہبی طبقات اس ضرورت کو کسی درجے میں محسوس کرنے سے قاصر ہیں۔ مولانا مودودی رحمہ اللہ سے سو اختلافات سہی، لیکن ان کے قلم کے بعد کوئی ایک ایسا قلم کہ جس نے امت کے ذہین طبقات کو انہی کی طرح متاثر کیا ہو، کہاں نظر آتا ہے؟ باقی عوامی سطح پر دین کا کام بہت ہوا ہے، اس سے انکار نہیں ہے۔

بد قسمتی سے مذہبی طبقات کا مزاج جوڑنے سے زیادہ توڑنے کا بن چکا ہے۔ ہم لوگوں کو اپنے دھارے میں شامل کرنے کی خواہش کم اور نکالنے کی کاوش زیادہ کرتے ہیں۔ ہم داعیانہ مزاج سے زیادہ مناظرانہ ذہن رکھتے ہیں۔ اور دعوت تبلیغ محض کسی جماعت میں چار ماہ، سال لگا لینے کا نام نہیں ہے بلکہ دعوت تبلیغ، ایک مزاج ہے۔ اور جس میں یہ مزاج رچ بس جائے، وہ دعوت تبلیغ کے نبوی منہج پر ہے۔ اور جس میں دعوت تبلیغ کا نبوی مزاج ہو گا، تو وہ ایک ہاتھ سے دشمن پر تلوار اٹھائے گا تو دوسرے ہاتھ سے اس کے لیے دعا کرے گا۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی جان کے دشمنوں تک کے لیے نہ صرف خواہش رکھیں بلکہ دعا کا بھی اہتمام کریں کہ اللہ ان کو دین اسلام کا سپاہی بنا دے اور ہم کلمہ گو مخلص مسلمان دینی بھائیوں کے بارے ایسا سوچ لینے سے بھی محروم ہیں۔ بھائی، ہم سب کے علم میں ہے کہ مذہبی طبقات کے پاس دنیا کے بہترین ذہن کو متاثر کرنے کے لیے کون سے رجال موجود ہیں؟ اللہ نے ہماری آزمائش اسی میں رکھ چھوڑی ہے کہ ہمیں یہ شخصیات اپنے طبقات سے باہر ہی ملی ہیں، لیکن انھیں ادھر لانے کی آرزو اور کوشش تو ہم نے ہی کرنی ہے نا۔ آپ کے پاس قلم کا ہتھیار نہ سہی، دعا کا ہتھیار تو ہے نا۔ لیکن اب تو یہ سوچتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کہ کیا ہمارے دعا کے ہتھیار بھی اتنے ہی کند ہیں جتنے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے؟

پس جو لوگ بھی غلبہ دین کے لیے کام کر رہے ہیں انہیں یہ اہتمام کرنا چاہیے کہ جس میں کوئی اچھی خاصیت دیکھیں، تقریر کی، تحریر کی، ذہانت کی، اخلاق کی، معاشرے میں اثر ورسوخ کی وغیرہ تو دعا کریں کہ اللہ عزوجل اسے دین اسلام کا موید بنادے۔ اور شاید ہمیں کبھی کبھار، تنہائی میں، سجدے کی حالت میں، اللہ سے کچھ لوگوں کو مانگتے رہنا چاہیے، جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ مانگا کرتے تھے۔ یہ اس مسئلے کو دیکھنے کا ایک زاویہ ہے، کل نہیں۔ لہذا دوسرے زاویے بھی درست ہو سکتے ہیں، مجھے انکار نہیں ہے۔

طیب اردوغان کی صفائی مہم

فوجی بغاوت کے بعد سے طیب اردوغان نے نہ صرف فوج بلکہ پولیس، ججوں، بیوروکریٹس اور محکمہ تعلیم میں بھی صفائی کا ہفتہ منانا شروع کر دیا ہے اور ہمارے خیال میں ریاست کی نظریاتی بنیادوں کو مضبوط کرنے کے لیے ایسا کرنا بہت ضروری ہے، چاہے وہ کچھ بھی ہوں۔ طیب اردوغان جس قدر صفائی پسند واقع ہوئے ہیں، ان سے یہی امید تھی کہ وہ گند کو کسی صورت برداشت نہیں کریں گے۔ اپنی اسی طبیعت کی وجہ سے تو وہ 1996ء میں استنبول کے کامیاب ترین میئر قرار پائے تھے اور اپریل 2016ء میں جا کر اردوغان کی حکومتی پارٹی کے اسپیکر اسمبلی نے پہلی بار اعلانیہ اپنا ایجنڈا یہ بھی بیان فرمایا کہ ہم مسلمان ملک ہیں اور ہم اپنے ملک میں آئین کو اسلامی بنانا چاہتے ہیں۔

ہمارے بعض دوستوں کو طیب اردوغان صاحب کی صفائی مہم پر اعتراض ہے، تو ان کے جواب میں عرض یہ ہے کہ اگر فوجی بغاوت کامیاب ہو جاتی تو کیا فوج اردوغان کے حامیوں کو سیلوٹ مارتی، انہیں پھول بوٹے لگاتی، ترقیاں عطا کرتی، امریکہ کے ویزے لگا کر دیتی؟ یہ تو شکر کریں کہ اردوغان حکومت صرف معطلی پر اکتفا کر رہی ہے، اگر مصر کی طرح فوجی بغاوت کامیاب ہو جاتی یا حسینہ واجد جیسی سیکولر جمہوری حکومتی ہوتی تو اردوغان کے سارے حامی نہ صرف معطل ہوتے بلکہ جیلوں میں قید ہوتے، تشدد کیے جاتے، قتل کیے جاتے، پھانسیاں دیے جاتے، پتہ نہیں کیا کیا، کیا جاتا اور دنیا خاموش رہتی، لبرل بھی اور میڈیا بھی، اور وہ ڈاڑھی والے بھی ساری نصیحتیں بھول چکے ہوتے جو غلط

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فہمی میں اپنے آپ کو اسلام پسند سمجھتے ہیں۔

جو اپنے آفس کے چپڑاسی کو دبانے کی ہزار دلیلیں رکھتے ہیں، انہیں اردوغان پر اعتراض ہے کہ وہ بغاوت کی حمایت کرنے والوں کو دبا کیوں رہا ہے؟ کمال ہے! دوسری طرف مغرب کو دیکھیں، کہ یورپی یونین نے اردوغان سے سختی سے کہا ہے کہ فوجی بغاوت کرنے والے قیدیوں کو پھانسی نہ دی جائے، حالانکہ ان کی وجہ سے تین صد لوگ قتل ہوئے، اور انسانی حقوق کے چیئرمین کہہ رہے ہیں کہ ہم جیلوں تک رسائی حاصل کر کے قیدیوں کی صورت حال دیکھیں گے کہ ان کے حقوق پورے کیے جا رہے ہیں یا نہیں؟

ہمیں اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اسلام میں قیدیوں کے حقوق ہے لیکن اس وقت تمہاری ان نصیحتوں پر لعنت بھیجنے کو دل کرتا ہے جبکہ مصر میں فوج ہزاروں کو قتل کر دیتی ہے، سینکڑوں کو پھانسی لگا دیتی ہے۔ بنگلہ دیش میں سیکولر جمہوری حکومت سینکڑوں کو تختہ دار پر لٹکا دیتی ہے لیکن تمہاری آواز بھی نہیں نکلتی کہ وہ مرنے والے اسلام پسند ہیں۔ لیکن جب تمہارے بھائیوں کی باری لگتی ہے تو تمہیں مذہب، انسانیت، اخلاقیات، حکمت، مصلحت معلوم نہیں کیا کیا یاد آ جاتا ہے۔ چپ کر کے پڑے رہو! اللہ میاں باریاں لگا رہے ہیں۔ اسلام پسندوں نے اگر صبر کر لیا ہے تو تم بھی تھوڑا حوصلہ کر لو، کوئی مر نہیں جاؤ گے اتنی سی سختی سے، کہ اللہ میاں نے تمہیں بھی قیامت تک باقی رکھنا ہے، کہ اس کا یہی وعدہ ہے شیطان سے!

یہ اچھی جمہوریت ہے!

ووٹ ہیلری کو زیادہ پڑے ہیں لیکن صدر ٹرمپ منتخب ہوئے۔ ہیلری کو کل ملا کر 59739748 ووٹ پڑے جبکہ ٹرمپ کو 59520091 ووٹ پڑے یعنی ہیلری کو تقریباً پونے دو لاکھ ووٹ زیادہ ملے۔

حیرانگی کی بات ہے نا! لیکن یہی جمہوریت ہے، ادھر پاکستان میں بھی۔ ذرا غور کریں کہ ٹرمپ کم ووٹ لینے کے باوجود کیسے جیت گیا ہے؟ لیکن کیا یہ جمہوریت کا کھلا تضاد نہیں ہے کہ عوامی جمہوریت، منتخب نمائندوں کی جمہوریت کا انکار کر رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ٹرمپ کو فتح مبارک ہو!

اب یہ تو مستقبل میں ہی معلوم ہو گا کہ ٹرمپ کی فتح امریکہ کے لیے باعث برکت تھی یا سبب نحوست لیکن جس طرح سے وہ جیتا ہے، اس پر تو مبارکباد بنتی ہے! کچھ دوستوں کا خیال ہے کہ امریکہ کی تباہی کے لیے ٹرمپ کا جیتنا ضروری ہے لیکن مجھے نہیں معلوم کہ امریکہ کے زوال کے لیے احمق مرد زیادہ مفید ہو سکتا تھا یا کرپٹ خاتون۔ البتہ امریکیوں نے بے وقوف مرد کو تجربہ کار خاتون پر ترجیح دے کر یہ ضرور بتلا دیا کہ امریکہ میں آج بھی عورت کو مرد کے برابر نہیں سمجھا جاتا۔

دی انڈی پینڈنٹ کے 21 اگست 2017ء کے شمارے کے مطابق ییل یونیورسٹی میں منعقدہ ایک کانفرنس کے موقع پر ماہرین نفسیات نے خبردار کیا کہ ٹرمپ خطرناک حد تک ذہنی بیماری (dangerous mental illness) کا شکار ہے۔

جنت الحمقیٰ اور جہیم العقلاء

جن کا خیال ہے کہ نواز شریف کے بعد دیگر کرپٹ سیاستدانوں کا بھی احتساب ہو گا، وہ "جنة الحمقی" (paradise of fools) میں رہ رہے ہیں اور جنہیں یہ امید ہے کہ عمران خان کے آنے سے نیا پاکستان بن جائے گا وہ "جهيم العقلاء" (hell of the wise) کے باسی ہیں۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ہشتم

لسانیات اور نفسیات

اس باب میں لسانیات اور نفسیات (Linguistics and Psychology) کے بارے
بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متن کے پیچھے

متن (text) کے پیچھے ایک دنیا آباد ہے، مصنف کے تخیلات اور احساسات و جذبات کی۔ اس دنیا میں جھانکنے کی کوشش کرو، شاید کہ انسان کچھ سمجھ آجائے۔

خاموشی اور اظہار

بعض اوقات خاموشی، اظہار سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے بشرطیکہ آپ کا مخاطب ذہین ہو۔ بلیغ سے مراد وہ بات جو دل تک پہنچ جائے کہ ابلاغ، تبلیغ اور بلاغت کے الفاظ بھی اسی مادہ (root word) سے ہیں۔

ہر بات

ہر بات فیس بک پر کرنے کی نہیں ہوتی، کاش کوئی ان "بالغ بچوں" کو سمجھادے۔

فیس بک لکھاری

بھائی روزانہ لکھنا ضروری نہیں ہے، اگر آج نہیں آرہا تو مت لکھو ورنہ اچھے لکھاری مارے غم کے لکھنا بند کردیں گے۔

ذہن کا مطالعہ

دوست نے کہا کہ میں تمہارے ایک لفظ سے دس خیالات پڑھ سکتا ہوں، میں نے کہا کہ فخر کی بات نہیں، میں اس عذاب سے گزر چکا ہوں کہ میں بیس پڑھ سکتا تھا۔ دوست نے کہا کہ اس عذاب سے جان چھڑانے کی کوئی تدبیر؟ میں نے کہا کہ سادگی اختیار کرلو، چاہے تکلف سے کرو۔ اور میری مراد لباس کی سادگی نہیں ہے، سوچ بچار میں سادگی۔

سنجیدگی اور مزاح

انتہائی سنجیدگی، بہترین مزاح کو جنم دیتی ہے بشرطیکہ حس لطافت فعال ہو۔ اور حس لطافت سے مراد فنون لطیفہ کی حس ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اردو املاء کے قواعد وضوابط

اردو الفاظ کی املاء ماہرین زبان کے نزدیک تاحال متفق علیہ نہیں ہے بلکہ ہر زبان میں معاملہ کچھ ایسا ہی ہے۔ انگریزی کو ہی لے لیں تو امریکہ اور برطانیہ کی انگریزی کی املاء میں بہت فرق موجود ہیں کہ ایک ہی لفظ کے سپیلنگ وہ کچھ لکھتے ہیں اور یہ کچھ لہذا املاء پر اتفاق ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ قرآن مجید میں بھی املاء کے اختلافات موجود ہیں جیسا کہ قراءات، ضبط اور رسم الخط کا علم رکھنے والے ان سے بخوبی واقف ہیں۔

یہ واضح رہے کہ "املاء"، "خط" اور "رسم الخط" میں فرق ہوتا ہے۔ املاء سے آسان الفاظ میں کسی لفظ کے سپیلنگ مراد ہوتے ہیں۔ خط سے مراد "فونٹ" ہے یعنی لکھنے کا اسٹائل وغیرہ جیسا کہ اردو میں "نسخ" اور "نستعلیق" وغیرہ خط ہیں۔ اور رسم الخط سے مراد اردو کو "رومن" یا "دیوناگری" یا "فارسی" رسم الخط میں لکھنا ہے۔ "دیوناگری" ہندی زبان کو لکھنے کا رسم الخط ہے۔ تو اردو زبان کے رسم الخط کی تبدیلی کی تحریک کہ اردو کو "رومن" یا "دیوناگری" میں لکھنا چاہیے تو یہ حماقت ہے اور کچھ نہیں کہ اس کا مطلب زبان کو ایک مرتبہ مار کر دوبارہ زندہ کرنے کی کوشش کرنا ہے۔

علاوہ ازیں جہاں تک املاء کی بات ہے تو ہمارے ہاں جو لوگ غلطی سے املاء کی تصحیح یا اصلاح وغیرہ پر کوئی ایک آدھا مضمون یا کتاب دیکھ لیں تو ایک ایکسپرٹ کی طرح دوسروں کی تصحیح شروع کر دیتے ہیں کہ یہ لفظ یوں نہیں یوں لکھا جاتا ہے بلکہ ان میں سے تو بعض کو "اردو" کے "اردو" کہلوائے جانے پر بھی اعتراض ہوتا ہے کہ ان کا اصرار ہے کہ اسے "ریختہ" کہو کہ یہی اس کا اصل نام ہے۔

لیکن انسان اگر اس موضوع پر زیادہ نہ سہی لیکن دو چار اچھی کتابیں ہی دیکھ لے تو اس میں اتنی عاجزی پیدا کرنے کے لیے کافی ہیں کہ اگر کوئی اچھا رائٹر ایسے لکھ رہا ہے تو اس کی بھی گنجائش نکلتی ہی ہو گی۔ مثال کے طور ڈاکٹر گوہر شاہی کی کتاب "اردو املا اور موزاو قاف" ایک اچھی کتاب ہے کہ جسے "مقتدرہ قومی زبان" نے شائع کیا ہے جو پندرہ ماہرین لسانیات کے منتخب مقالات پر مشتمل ہے۔ مثال کے طور ترقی اردو بورڈ، انڈیا نے دو کتابیں شائع کی ہیں؛ ایک رشید حسن خان صاحب کی "اردو املا" اور دوسری ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی "املا نامہ"۔ ان دونوں کتابوں میں بھی املاء کے قواعد

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں یکسانیت نہیں ہے جیسا کہ پہلے کے نزدیک "ذرا" لکھنا چاہیے تو دوسرے کے نزدیک "زرا" اصل املا ہے۔ پہلے کے نزدیک "آزمایش" صحیح املاء ہے تو دوسرے کے نزدیک "آزمائش"۔[1] پہلے کے نزدیک "چوں کہ" لکھنا چاہیے اور دوسرے کے نزدیک "چونکہ" وغیرہ وغیرہ

املاء کے زیادہ تر اختلافات "ہائے مختفی"، "ہمزہ" اور "نون غنہ" سے متعلق ہیں۔ مثلاً "ڈراما" لکھنا چاہیے یعنی "الف" کے ساتھ یا "ڈرامہ" یعنی "ہائے مختفی" کے ساتھ۔ تو اس میں اہل لغت کا کہنا ہے کہ وہ الفاظ جو انگریزی زبان سے آئے ہیں، انہیں "ہائے مختفی" کی بجائے "الف" سے لکھنا چاہیے یعنی "ڈراما"۔ لیکن اس میں بھی ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ دیکھنا چاہیے کہ اہل زبان اس لفظ کو بول کیسے رہے ہیں۔ اگر وہ یعنی ان کی ایک بڑی تعداد "ڈرامہ" بھی بول رہی ہے یعنی بولنے میں "ہائے مختفی" کی آواز بھی نکال رہی ہے تو دونوں طرح لکھنا ہی راجح قرار دیا جائے۔

ماہرین لسانیات کا کہنا یہ ہے کہ عربی الفاظ کہ جن کے آخری میں ہمزہ ہے، اردو میں انہیں لکھتے وقت ہمزہ غائب کر دیں جیسا کہ "علماء" کو "علما" لکھیں۔ میں نے اپنی کتاب "صالح اور مصلح" میں ایسے ہی کیا تھا لیکن اب کی بار اپنی کتاب "مکالمہ" میں اسے "علماء" ہی لکھنے کا اہتمام کیا ہے کہ یہ خواہ مخواہ کا تکلف ہے اور رائج املاء کی مخالفت ہے کہ ہمارے ہاں اردو لکھنے پڑھنے والا بڑا طبقہ مذہبی ہے اور اسے عربی الفاظ کو عربی اصل کے ساتھ املاء اور عربی لہجے میں ادائیگی کی ایسی عادت ہے کہ اسے ترک کرنے کی دعوت دینا بھی تکلف محض ہے۔

اسی طرح ماہرین لسانیات کا کہنا ہے کہ جن عربی الفاظ کے آخر میں الف مقصورہ ہے تو ان کو اردو میں "الف" کے ساتھ لکھا جائے اور "یاء" کو املاء میں سے ختم کر دیا جائے مثلاً "تقوی" کو اردو میں "تقوا" اور "دعوی" کو "دعوا" لکھا جائے۔ یہ بھی تکلف ہی ہے کہ یونانیوں کے اصول "شعور حرف بوسیلہ سماعت" کے مطابق اس کی املاء "تقوی" رکھنے میں بھی حرج نہیں ہے۔ اور مجھے بھی یہی پسند ہے کہ اس سے ہم عربی اصل سے بھی جڑ جاتے ہیں اور یہ دو علیحدہ حروف معلوم نہیں ہوتے اور رائج اور عرف کا بھی دھیان رہ جاتا ہے۔ بلکہ پہلی مرتبہ جب میں نے "دعوا" لکھا ہوا دیکھا تو سوچ میں

[1] اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام یعنی دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کے املاء کے فیصلوں میں ہمزہ کو باقی رکھا گیا ہے نہ کہ یاء کو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی پڑ گیا کہ یہ کیا لفظ ہے کیونکہ رائج املاء بہر حال "دعوی" ہی کی ہے اور عوام اسی سے واقف ہیں۔ اب لسانیات کی کتابیں پڑھنا نہ تو ہر کسی کے بس میں ہے اور نہ ہی ہر کسی کا شوق ہے اور اردو زبان کی نشر واشاعت میں حکومت کی کتنی دلچسپی یا کردار ہے، وہ بھی واضح ہے۔ تو ایسے میں اخبار پڑھ کر اردو سیکھنے والے عوام سے امید رکھنا کہ وہ آپ کی اردو معلی کو سمجھ پائیں گے، بے کار ہے۔ اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام یعنی دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور میں یاء کو باقی رکھا گیا ہے۔

اسی طرح ایک اور اختلاف یہ بھی ہے کہ اردو میں تائے مدورۃ یعنی گول تاء نہیں ہے لہذا عربی کے جن الفاظ کے آخر میں گول تاء ہے، انہیں اردو میں استعمال کرتے وقت تائے مبسوطہ یعنی لمبی تاء سے لکھنا چاہیے یعنی "رحمۃ" کو "رحمت" لکھنا چاہیے۔ عام الفاظ میں تو اس ضابطے کا دھیان رکھنا ہی چاہیے بلکہ عرف میں بھی رکھا ہی جاتا ہے کہ اردو میں "جنت" لکھا جاتا ہے نہ کہ "جنۃ"۔ لیکن مصطلحات (terminology) کے استعمال میں اگر ان الفاظ کو گول تاء کے ساتھ بھی لکھ دیا جائے جیسا کہ وہ عربی یا دینی مصادر میں ہیں تو بھی حرج نہیں ہے مثلاً ہمارے ہاں بڑے بڑے لوگ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" لکھتے ہیں نہ کہ "السلام علیکم ورحمت اللہ"، اس لیے دونوں طرح ہی درست ہے۔ اسی طرح میری رائے میں تو "زکات" کو "زکوۃ" لکھنے میں بھی حرج نہیں ہے بلکہ میں تو قرآنی مصطلحات کو اسی طرح لکھنا راجح املاء سمجھتا ہوں کہ یہ معروف املاء بھی ہے، کم از کم اس امت کے لیے کہ جس کا اوڑھنا بچھونا قرآن مجید ہے۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ انہیں "زکاۃ" اور "صلاۃ" لکھ لینا چاہیے کہ عربی زبان میں یہ الفاظ ایسے ہی ہیں تو یہ اس کا جواب دیا ہے۔ لیکن جب اردو ضابطے سے نکلنا ہی ہے تو عربی زبان کی بجائے قرآن مجید کی املاء میں پناہ لینا زیادہ بہتر ہے کہ ہمارے عام لوگ عربی املاء سے ناواقف ہیں لیکن قرآن مجید کی املاء سے بچپن ہی میں نورانی قاعدہ پڑھتے ہوئے واقف ہو جاتے ہیں۔ اور اسی طرح "صلوۃ" کو بھی واحد کے طور "صلات" تو لکھ لیں گے لیکن جمع میں پھر "واؤ" واپس لوٹ آئے گی جیسا کہ "صلوات" ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب یہ اعتراض کریں کہ اب ہم نورانی قاعدے سے اردو کی املاء سیکھیں گے! تو عرض یہ ہے کہ آپ نے اپنی عوام کو املاء سکھانے کا اور بندوبست کیا بھی کیا ہے؟ اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام یعنی دائرہ معارف اسلامیہ،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی املاء میں بھی ایسے الفاظ میں قرآنی املاء ہی کو باقی رکھنے کی رائے کو ترجیح دی گئی ہے۔

اب "لیے" اور "دیے" وغیرہ کو "لئے" اور "دئے" لکھنا چاہیے یا "لیئے" اور "دیئے" تو اس میں ماہرین لسانیات میں تینوں رائے موجود ہیں:- کچھ صرف "یاء" سے لکھتے ہیں، کچھ صرف "ہمزہ" سے اور کچھ دونوں سے اور ہر کسی کے پاس اپنی اپنی دلیل موجود ہے۔ اردو میں شامل کیے جانے والے انگریزی الفاظ کو ایک ساتھ لکھنا چاہیے یا علیحدہ علیحدہ مثلاً "یونیورسٹی" کو "یونی ورسٹی" تو اس بارے میں دونوں رائے موجود ہیں اور دونوں کے پاس اپنی اپنی دلیل ہے۔ میری رائے میں بس کوئی سی صورت آپ کو اچھی لگے، اسے اختیار کر لیں۔ اور دوسرے کی "تصحیح" یا "اصلاح" کا فریضہ سرانجام نہ دیں کہ تاحال املاء کی بہت سی صورتیں متفق علیہ نہیں ہیں۔

اصولی اختلاف اس بارے میں یہ ہے کہ "شعورِ حرف بوسیلہ سماعت" اصل ہے یا "شعورِ حرف بوسیلہ حدوث"۔ یونانیوں کا کہنا یہ ہے کہ حرف کے اسی شعور کا اعتبار ہو گا جو سماعت سے حاصل ہوتا ہے جبکہ اہل ہند کا عمومی رجحان اس بارے یہ ہے کہ حرف کا شعور وہی معتبر ہے جس کی ادائیگی پر انسان قدرت رکھتا ہو۔

اسے ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ عربی زبانی میں "ڑ" نہیں ہے تو اگر اہل عرب "پہاڑ" کا لفظ سنیں گے تو اب اس "پہاڑ" کے لفظ کی ادائیگی میں ان کے لیے "سماعت" اصل ہے یا "حدوث"۔ یعنی انہوں نے جیسے یہ لفظ سنا ہے، ایسے ہی اس کی ادائیگی ضروری ہے یا اس لفظ کی ادائیگی ویسے ضروری ہے جیسے ان کے حنجرہ صوت (larynx) کے لیے آسانی ہو؟

میرا رجحان اس طرف ہے کہ یہ دونوں اصول اپنی جگہ درست ہیں اور کسی زبان کی املاء میں ان دونوں سے برابر طور استفادہ کرنا چاہیے اور استفادے کی اصل عرف اور رواج کو بنایا جائے کہ زبان میں جو املاء رائج اور عام ہے، اگر وہ ان دونوں میں سے کسی بھی اصول کے تحت آ رہی ہے تو اسے رائج رہنے دینا چاہیے، اس کی اصلاح یا تصحیح پر اصرار وقت کا ضیاع ثابت ہو گا۔ واضح رہے کہ املاء کی تصحیح اور اصلاح میں بھی فرق کیا جاتا ہے کہ تصحیح، غلط املاء کی ہوتی ہے جبکہ اصلاح سے مراد رائج املاء کا تعین

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔

ایک دوست نے کہا کہ یہ دونوں اصول تو زبان بولنے سے متعلق ہیں نہ کہ لکھنے سے۔ تو عرض یہ ہے کہ یہ اصول زبان بولنے اور لکھنے دونوں سے متعلق ہیں اور یہ صرف ہم نہیں کہہ رہے بلکہ بعض ماہرین لسانیات کا بھی یہی کہنا ہے جیسا کہ مذکورہ بالا کتاب "اردو املا اور موزاو قاف" کا مقدمہ دیکھ لیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ خود ان اصولوں کی تراکیب میں غور کر لیں کہ "شعورِ حرف بوسیلہ سماعت" اور "شعورِ حرف بوسیلہ حدوث"۔ تو "شعورِ حرف" ان تراکیب میں اصل ہے باقی دونوں تو اس کے وسائل ہیں۔ اور اب یہی "شعورِ حرف" ہے کہ جس کا اظہار املاء میں بھی ہونا ہے اور لفظ میں بھی۔

پڑھنے کا فن (Art of Reading)

کتاب کو دیکھنا اور ہے، پڑھنا کچھ اور، سمجھنا کچھ اور، اور ہضم کرنا کچھ اور۔ کتاب کو دیکھنا تو یہی ہے کہ جیسے کتاب کا ٹائٹل دیکھ لیا، فہرست مضامین (content list) دیکھ لی، کوئی دو چار مقامات سے پڑھ کر بھی دیکھ لیا۔ بہر حال اس کا بھی بہت فائدہ ہے۔ اور نہ سہی تو کم از کم دوسروں پر بوقت ضرورت رعب ڈالا جا سکتا ہے کہ میں نے فلاں فلاں کتاب دیکھی ہے۔

اور ہر شخص میں ہر صلاحیت نہیں ہوتی۔ کچھ لوگ کتابیں دیکھ سکتے ہیں، کچھ پڑھ بھی سکتے ہیں، کچھ سمجھ بھی لیتے ہیں اور کچھ ہضم کرنے کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ہضم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کچھ کتابوں میں بیان کیے گئے افکار اور باتیں اس قابل ہوتی ہیں کہ آپ ان کی جگالی کرتے رہیں، کبھی تقریر میں تو کبھی تحریر میں، یہاں تک کہ وہ آپ کے تحت الشعور (sub consciousness) کا حصہ بن جائیں۔

کچھ کتابیں دیکھنے کی ہوتی ہیں، کچھ پڑھنے کی، کچھ سمجھنے کی اور کچھ ہضم کرنے کی۔ تو بعض کتابیں اسی لائق ہوتی ہیں کہ انہیں صرف دیکھا ہی جائے کہ انہیں پڑھنا وقت کا ضیاع ہی شمار ہوتا ہے۔ اردو بازار سے آج کل پبلش ہونے والی اکثر کتابوں کی صورت حال یہی ہے کہ وہ صرف ایک نظر دیکھنے کے لائق ہیں۔ تو ہر کتاب کو پڑھنے بیٹھ جانا بے وقوفی ہے، یہ بات واضح ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور کتاب پڑھنا ایک مزاج ہے، جو ہر کسی میں نہیں پایا جاتا۔ کچھ لوگ پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں اور کچھ سننے کے۔ جس کی بُک ریڈنگ کی عادت ہو، اسے لیکچر سننا اور دیکھنا مشکل لگتا ہے۔ اور جس کا لیکچر سننے اور دیکھنے کا مزاج ہو تو اسے کتاب پڑھنی مشکل لگتی ہے۔ یہ کوئی ہارڈ اینڈ فاسٹ رُول نہیں ہے لیکن عام طور ایسے ہی ہوتا ہے کہ کوئی ایک مزاج بن جاتا ہے؛ پڑھنے کا یا پھر سننے کا لہذا دوسرا کام مشکل لگتا ہے۔

لفظ اور معنی کے باہمی تعلق کی نسبتیں

لفظ اور معنی میں تعلق کی نسبتوں کا علم بہت اہم ہے کہ اس کا علم نہ ہونے کی وجہ سے فتنوں کے خلاف کام کرنے والے خود فتنوں میں مبتلا ہو سکتے ہیں۔ اور اس کی وجہ اخلاص اور للہیت کی کمی نہیں ہو گی بلکہ دینی علوم میں رسوخ نہ ہونا اور تنقیدی تجزیہ کی صلاحیت میں کمی ہونا ہو گا۔

اس باب میں اصولی بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ لفظ کے معنی سے تعلق کی نسبت یا تو لغوی ہوتی ہے یا عرفی یا شرعی۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ اہل لغت نے ایک لفظ کا کیا معنی مراد لیا ہے، اور عرف اور رواج میں اس لفظ کا معنی کیا لیا جاتا ہے اور شرع میں اس لفظ کا کیا معنی ہے؟ بس لفظ کا معنی انہی تین جہتوں سے متعین ہوتا ہے۔ ان تین نسبتوں سے ہٹ کر اگر کسی لفظ کا کوئی معنی بیان کیا جا رہا ہے تو اس کی حیثیت ریڈر کے وہم سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔

مثال کے طور کچھ دن پہلے فیس بک پر موجود بعض فاضل دوستوں نے "شاعرانہ ذوق" کے نام سے ایک ترکیب میں لفظ "ذوق" کے خوب معانی بیان کیے۔ کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ۔ لیکن اگر کسی نے کچھ نہیں کہا تو وہ یہ نہیں کہا کہ ذوق کا لغت، عرف اور شرع میں کیا معنی ہے؟ بھائی، اگر آپ ابوالکلام آزاد کی نثر میں ذوق کے معنی کو متعین کرتے ہوئے دس جملے ارشاد فرما دیں گے تو یہ ذوق کا وہ معنی ہے جو محض آپ کی اپنی "کتاب التعریفات" میں موجود ہے۔

اور یہ وہ "کتاب التعریفات" ہے کہ جس کے مصنف بھی آپ ہی ہیں اور اس کے واحد ریڈر بھی آپ ہی ہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو اپنی گلی میں نکل کر دس افراد یا شہر میں نکل کر سو ایسے افراد کو روک کر ذوق کا معنی معلوم کر لیں کہ جنہیں آپ پڑھا لکھا سمجھتے ہوں، چاہے وہ مذہبی ہوں یا غیر مذہبی۔ تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان میں سے کوئی ایک بھی ذوق کے اس معنی کو بیان کرنے والا نہ ملے گا کہ جو آپ بیان کر رہے ہوں گے حالانکہ ان میں سے ہر شخص ہر ہفتے یا مہینے اس لفظ کو نہ صرف بول رہا ہو گا بلکہ اسے سمجھ اور سمجھا بھی رہا ہو گا۔

زبان وہ نہیں ہوتی کہ جو آپ کے تراشے ہوئے مفاہیم میں مستعمل ہو، زبان وہ ہوتی ہے کہ جسے معاشرے کے افراد کے ذہن میں موجود افراد کے معانی میں استعمال کیا جائے۔ الفاظ کو اپنے تخیل یا قلبی واردات میں موجود معانی میں استعمال کرنا اور ان معانی کے صحیح ہونے پر اصرار کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ پوسٹ ماڈرنسٹوں کا یہ مقدمہ ثابت کرنا کہ لفظ کا کوئی معنی نہیں ہوتا اور یہ کہ ہر شخص کے لیے لفظ کا معنی اضافی اور ریلیٹو ہے۔

ہماری کلاسیکل دینی روایت میں رواج یہی ہے کہ سب سے پہلے لفظ کو ایک بنیادی کھونٹے سے باندھتے ہیں کہ جسے ہم "بنیادی معنی" یا "اصل معنی" کہتے ہیں، اور یہ بنیادی اور اصل معنی بھی لغت، عرف اور شرع سے ثابت ہوتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس میں مزید معانی سے اس مصطلح کی وضاحت کرتے ہیں اور یہ مزید معانی بھی اس اصل معنی کی بنیاد پر ایسے ہی کھڑے ہوتے ہیں جیسا کہ کوئی چھت کسی ستون پر قائم ہو۔

بہر حال بہت سے دوستوں کا خیال ہے کہ ہم فوری رد عمل میں لکھتے ہیں اور مخالفت میں شدت اختیار کر جاتے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ ہمیں فلاں موضوع پر نہیں لکھنا چاہیے تھا یا فلاں موضوع پر لکھ کر ہم نے غلطی کی ہے۔ پہلی بات تو درست نہیں ہے البتہ دوسری پر میں تبصرہ نہیں کرتا کہ شاید جان بوجھ کر ایسا کرتا ہوں کہ چلتی گاڑی کو روکنے کے ایک بار تو زور سے بریک لگانے ہی پڑتے ہیں، تبھی کچھ اثر پڑتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اکثر لوگ کسی کی مکمل فکر سے آشنا نہیں ہوتے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ مجھے لکھتے ہوئے دس برس سے زائد ہو گئے ہیں، تقریباً 150 مقالہ جات لکھ چکا ہوں، بہت مکالمے کیے ہیں اور ہر فن میں کیے ہیں لہذا ہر فن اور میدان میں ایک سوچی سمجھی رائے رکھتا ہوں۔

پس فلسفہ، منطق، کلام، سائیکالوجی، اکنامکس، سوشیالوجی، تاریخ، ادب، تصوف، مذہب،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخصیات، علوم قرآن، علوم حدیث، اصول تفسیر، اصول حدیث، اصول فقہ، عقیدہ و منہج، استشراق، فنون لطیفہ، معاصر مسلم دنیا وغیرہ جیسے بیسیوں موضوعات پر نہ صرف لکھ چکا ہے بلکہ اس سب فکر کو میں نے دس بارہ صفحات میں "اسلامی نظریہ حیات" کے نام سے جمع کیا ہے کہ جس کے دوسرے ایڈیشن پر اب کام کر رہا ہوں۔ مثال کے طور فلسفے کے بارے میری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ فلسفہ، ادب کی ایک شاخ ہے۔

اب کسی کو یہ تبصرہ پسند نہیں یا سطحی معلوم ہو تو بھائی کیا کریں؟ میں تو لکھ رہا ہوں جیسا کہ ہر کوئی لکھ رہا ہے، اور خوب لکھ رہا ہوں، سوچ سمجھ کر لکھ رہا ہوں، دلیل اور تفصیل سے لکھ رہا ہوں۔ مستقبل میں کوئی اس کو جمع کر دے گا تو دین کا ایک نیا بیانیہ مرتب ہو کر سامنے آ جائے گا۔ اب آپ اس بیان کو بھی ریاکاری سمجھ لیں اور میرے رویوں کی روشنی میں مجھ پر میرے قلبی احوال منکشف کرتے رہیں یا اسے وضاحت سمجھ لیں یا کچھ اور۔ لیکن اب عرصے سے عادت ہے کہ جو لکھتا ہوں، سوچ کر لکھتا ہوں کہ اس کا لکھنا جائز بھی ہے یا نہیں۔ بعد میں نتائج غلط نکلیں تو توبہ استغفار کر لیتا ہوں کہ انسان یہی کر سکتا ہے لیکن خاموش نہیں رہ سکتا کہ وہ شاید موت کے مترادف ہے۔ جہاں بہت سے لوگ اپنی اپنی لاٹھی پھیر رہے ہیں تو ہمیں بھی پھیرنی ہے کہ اس کے بغیر زندگی میں سکون نہیں ہے۔

لفظ کے بارے تھیوریز

ایک ماہر لسانیات دوست ڈاکٹر مدثر احمد صاحب کے توجہ دلانے اور کچھ اپنے تجسس کی عادت کے ہاتھوں مجبور، آج کل لفظ کے بارے تھیوریز کا مطالعہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اگر کوئی دوست اس بارے فکری کتاب یا تحریر کی طرف رہنمائی فرمائیں تو ممنون ہوں گا۔ تحریر اردو میں ہو تو بہت اچھا ہے کہ میری مادری زبان اردو ہے۔

لفظ بذات خود کیا ہے؟ اس کی تاثیر کہاں واقع ہوتی ہے؟ خود لفظ میں یا اس لفظ کے سیاق (context) میں؟ لفظ کسی معنی کا ظرف (container) ہے یا نہیں؟ لفظ کا معنی لفظ میں ہوتا ہے یا لفظ سے باہر کلچر میں؟ یا مخاطب کے ذہن میں؟ لفظ خارج میں کیا ہے اور انسانی ذہن میں کیا ہے وغیر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو چند مثالوں سے بھی سمجھ لیں کہ ایک لفظ کسی شخص پر کچھ اثر کرتا ہے تو وہی لفظ کسی دوسرے پر کچھ اور۔ کسی کو آپ گالی دیں تو وہ آپ کو دعا دے گا اور کوئی آپ کو جواباً گالی دے گا اور کوئی نظر انداز کر دے گا وغیرہ۔

ڈاکٹر مدثر صاحب نے ایک مثال شیئر کی ہے کہ اگر آپ اپنی دیوار پر اردو میں یہ لکھ دیں کہ پیشاب کرنا منع ہے تو اکثر لوگ پروانہ کریں گے لیکن یہی عبارت عربی میں لکھ دیں تو اکثر لوگ رک جائیں گے۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ یہاں تاثیر لفظ کی ہے یا معنی کی یا سیاق کی؟

لفظ ایک خاص ترتیب اور فریکوئنسی سے بولا جائے تو آپ مخاطب کو ہپناٹائز تک کر سکتے ہیں۔ ماں الفاظ کی لوری دے کر بچے کو سلاتی ہے جبکہ معنی بچے کے پلے کچھ بھی نہیں پڑ رہا ہوتا۔ تو معنی کے علاوہ بھی لفظ میں کچھ طاقت ہے۔

لفظ جاگتے کو سلا دیتا ہے اور سوئے ہوئے کو جگا دیتا ہے۔ لفظ لمحات میں پوری دنیا کو جنگ کی آگ میں جھونک سکتے ہیں تو لفظ ہی لمحوں میں خون کے پیاسوں کو بھائی بنا سکتے ہیں۔ لفظ کے ذریعے لوگوں کو بے وقوف بنایا جا سکتا ہے، گمراہ کیا جا سکتا ہے، اپنا اندھا معتقد بنایا جا سکتا ہے۔ لفظوں میں ایک جادو نگری ہے، مجھے اس کی سیر کرنی ہے، کوئی کتاب تو بتلا دیں جو یہ سیر کروا دے۔

لفظ اور معنی: مذہب، لغت، ادب اور ذہن کے تناظر میں

لفظ اور معنی کے بارے متنوع علوم میں بحث کی گئی ہے۔ مثلاً اصول فقہ میں ہم مذہبی جہت سے لفظ اور معنی کے تعلق کی گہرائیوں اور وسعتوں کا مطالعہ کرتے ہیں کہ جن سے عموماً ادب والے واقف نہیں ہوتے اور اسی طرح لسانیات میں لفظ اور معنی کی جن مباحث کا مطالعہ کیا جاتا ہے عموماً مذہبی لوگ ان سے واقف نہیں ہوتے۔

اگر لفظ اور معنی کو مذہبی عقلی و منطقی تناظر میں دیکھنا ہو تو اصول فقہ کی کتابیں دیکھنی چاہییں اور زبان و لغت کے اعتبار سے جانچنا ہو تو علم بلاغت کی کتب مفید ہیں۔ اور ادب کے تناظر میں لفظ اور معنی کا مطالعہ کرنا ہو تو لسانیات کے علم سے واقفیت ہونی چاہیے اور اگر لفظ اور معنی کے ذہنی تناظر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بارے معلوم کرنا ہو تو علم نفسیات میں بہت کچھ موجود ہے۔

مجھے تو صرف یہی معلوم تھا کہ لفظ اور معنی کی بحث اصول فقہ اور بلاغت کی کتابوں میں ہی ہے لیکن اب جبکہ لسانیات اور نفسیات کی کچھ کتب دیکھی ہیں کہ جن میں لفظ اور معنی کے بالکل نئے تناظر سامنے آئے ہیں تو احساس ہوا ہے کہ اہل مذہب کو لفظ اور معنی کے ان جدید تناظروں سے بھی واقف ہونا چاہیے۔ اور لسانیات اور نفسیات والوں کو بھی چاہیے کہ وہ اصول فقہ میں خاص طور لفظ اور معنی کی بحث کا ضرور مطالعہ کریں۔

مرد اور عورت: دانشوروں کی نظر میں

ہمارے دانشوروں اور ادیبوں نے مرد اور عورت کو کیسے کیسے بیان کیا ہے، اس کا اندازہ ذرہ ان اقوال زریں سے لگائیں:

- ممتاز احمد مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ عورت نہ حسن ہے، نہ جنس ہے، نہ جسم ہے۔ کئی عورتیں آپ کے پاس سے گزر جائیں گی لیکن آپ کو خبر بھی نہ ہو گی۔ کوئی عورت آپ سے بہت دور کھڑی ہو گی اور آپ محسوس کریں گے کہ وہ عورت کھڑی ہے۔

اگر عورت حسن، جنس اور جسم نہیں ہے تو کیا ہے؟ اس کا جواب اسی متن میں موجود ہے۔ اسے اصطلاح میں ٹیکسٹ اینالسس کہتے ہیں کہ متن کا ایسے تجزیہ کرو کہ جو بات لفظ میں موجود نہیں ہے لیکن مصنف کہنا چاہ رہا ہے تو اس تک پہنچ جاؤ۔ جو ریڈر اس ایک لفظ تک پہنچ گئے ہیں کہ جس سے مصنف عورت کو بیان کرنا چاہتا ہے تو اس کی متن کے تجزیہ (text-analysis) کی صلاحیت اچھی ہے۔ اور وہ لفظ یہ ہے کہ عورت "احساس" کا نام ہے یعنی عورت وہ ہے جو آپ کو اپنی موجودگی محسوس کروا دے۔ ویسے مفتی صاحب نے کمال اسلوب سے عورت کی تعریف کی ہے لیکن ہر عورت کی نہیں کی، یہی اس اقتباس کی کمی ہے۔

- کرشن چندر صاحب کا کہنا ہے کہ ہمیشہ عورتوں نے گدھوں سے عشق کیا ہے، عقلمند آدمی کو تو وہ پسند ہی نہیں کرتی ہیں۔

معلوم نہیں اس اقتباس میں مردوں کی زیادہ برائی ہے یا عورتوں کی۔ مردوں کی اکثریت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گدھوں کی سی ہے تو عورتوں کی اکثریت بے وقوف ہے۔ ویسے جدید عورت کے بارے یہ بات درست معلوم ہوتی ہے لیکن تمام عورتوں کے بارے کلی طور نہیں اور یہی اس اقتباس کی خامی ہے۔

- مشتاق احمد یوسفی صاحب کا کہنا ہے کہ ایک فرانسیسی ادیبہ کیا خوب کہہ گئی ہے کہ میں آدمیوں کو جتنا قریب سے دیکھتی ہوں، اتنے ہی کتے اچھے لگتے ہیں۔

اس جملے کا کمال اس کے آخر کے الفاظ ہیں کہ جس سے مردوں کی مذمت بھی ثابت ہوتی ہے اور تعریف بھی نکالی جاسکتی ہے۔ تعریف اس طرح کہ لفظ "کتے" کو ایسی گالی سمجھ لیا جائے جو پیار سے کسی کو دی جاتی ہے اور مذمت تو واضح ہے ہی۔

- علی عباس جلالپوری صاحب فرماتے ہیں کہ مرد کی سرشت میں ہے کہ وہ ایک عورت سے فیض یاب ہونے کے بعد بھنورے کی طرح دوسری کلی کا طواف کرنا شروع کر دیتا ہے۔

اس اقتباس میں لفظ "فیض یاب" اور "طواف" کا استعمال کیا خوب کیا ہے! مرد کی مذمت اور عورت کی تعریف میں یہ مبالغہ آمیز کلمات ہیں۔

بھئی، مردوں کی تعریف میں بھی کوئی دو چار اقوال زریں کمنٹس میں پیش کر دیں۔ ہمارے ادیبوں اور شاعروں نے تو عورتوں ہی کی تعریفیں کی ہیں، مردوں میں بھی کوئی تعریف والی بات ہے یا نہیں؟ اب تو مرد کی تعریف سننے کو دل ترس گئے ہیں! عورت میں تو شاید اتنا حوصلہ نہیں ہے کہ وہ مرد کی تعریف کر سکے لہذا مرد ادیبوں ہی سے گزارش ہے کہ کچھ اس طرف بھی توجہ دیں کہ کچھ شاعری واعری مردوں پر بھی فرمادیں، غزل کے باب میں نہ سہی، حماسہ کے باب میں ہی سہی۔ اگرچہ غزل کے باب میں بھی بہت ہو سکتی ہے بشرطیکہ انہیں عورتوں کے حسن ماپنے سے کچھ فرصت ملے تو مرد کی وفاشعاری، ایثار اور شجاعت وغیرہ کی طرف کچھ توجہ دے سکیں۔

تحریر کی بلاغت

تحریر کی بلاغت شاذ اور نادر الفاظ کے استعمال یا مشکل تراکیب کے بیان میں نہیں ہے بلکہ تحریر کی بلاغت، حسن ترکیب کا نام ہے۔ بلاغت کا لفظ بلوغ سے ہے کہ جس کا معنی پہنچ جانا ہے۔ پس بلیغ کلام وہ ہے کہ جس کا معنی دل تک پہنچ جائے، وہ بات جو کہ دل میں اتر جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجھے تو ہمیشہ ایسی تحریر پڑھ کر کوفت ہوتی ہے کہ جس میں نادر الفاظ اور مشکل تراکیب کا استعمال ہو، چاہے وہ مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ ہی کی کیوں نہ ہو۔ اور سچ بتلادوں تو مجھے تو ان لوگوں کے فہم پر بھی شک ہوتا ہے، جو ایسی نادر تحریروں کی تعریف بیان کر رہے ہوتے ہیں۔ یہاں فیس بک پر بھی بعض دوست بعض تحریروں کو بہت تحسین کی نظر سے دیکھ رہے ہوتے ہیں لیکن مجھ میں اتنا حوصلہ بھی نہیں ہوتا کہ انہیں لائک بھی کر سکوں۔

شاید مزاج کا مسئلہ ہے۔ چلیں، میں تو کسی شمار قطار میں نہیں لیکن حسن عسکری رحمہ اللہ جب یہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کی تحریر کے دو صفحے نہیں پڑھے جاتے کہ سر درد شروع ہو جاتی ہے تو مجھے اطمینان ہوتا ہے کہ ایسی ثقیل تحریر کو ناپسند کرنا کم از کم ادبی بے ذوقی نہیں ہے۔ میرے نزدیک تحریر کی بلاغت یہ ہے کہ اسے سمجھنے کے لیے دماغ پر زور نہ لگانا پڑے۔ جس تحریر کو سمجھنے کے لیے مجھے دماغی ورزش کرنی پڑے گی، وہ تحریر، پہیلی تو ہو سکتی ہے، بلاغت ہر گز نہیں۔

لکھتے ہوئے میرے سامنے ہمیشہ یہ ٹارگٹ ہوتا ہے کہ قاری کو کس طرح آسانی سے بات سمجھ آئے گی۔ بعض اوقات لکھتے لکھتے کوئی مشکل لفظ لکھ جاتا ہوں تو دوبارہ نظر ثانی کے دوران اس کا کوئی ایسا مترادف تلاش کرتا ہوں جو عام لوگوں کی روزمرہ زبان میں مستعمل ہو۔ اور بعض اوقات تو کوئی انگریزی لفظ بھی اسی لیے لکھتا ہوں کہ لوگوں کے ہاں اس کا مفہوم اس کے اردو ترجمے سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔

پس جہاں تک بلاغت کا تعلق ہے تو میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ اس ذخیرہ الفاظ سے بلاغت پیدا کروں کہ جو عام لوگوں کے ہاں روزہ مرہ زندگی میں مستعمل ہے اور لوگوں کو اس کے معانی معلوم ہیں۔ اور اس ذخیرہ الفاظ سے بلاغت پیدا کرنے کا طریقہ پھر ایک ہی بچتا ہے، اور وہ حسن ترکیب ہے کہ اس ذخیرہ الفاظ کو آپس میں یوں متعلق کر دیں کہ اس تعلق کے نتیجے میں تحریر کا حسن پیدا ہو جائے۔

اُرگیزی: اردو انگریزی

مجھے بھی ایسی اردو زیادہ اچھی سمجھ میں آتی ہے کہ جس میں بیس فی صد الفاظ انگریزی کے ہوں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ امر واقعہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اب خالص اردو کی بجائے وہ زبان زیادہ رائج اور بلیغ ہے کہ جس میں بیس فی صد انگریزی کے الفاظ استعمال ہوتے ہوں۔ اب اہل زبان اسے اردو انگریزی کا نام دیں گے یا انگریزی اردو کا، مجھے نہیں معلوم لیکن ہے یہ کمال کی چیز۔ یہ ولایتی اردو اس وقت بہت تیزی سے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کی زبان بنتی جا رہی ہے۔

اب سماجی علوم کا لفظ ذہن پر کیا تصور چھوڑتا ہے جبکہ سوشل سائنسز کہو تو جیسے پورا ذہن روشن ہو جاتا ہے۔ اب سرقہ کہیں تو صرف اردو معلی والوں کو سمجھ آتا ہے اور پلیجرزم کہیں تو سب کو سمجھ آ جاتا ہے اور پروفیسروں کو تو کچھ زیادہ ہی۔ ذہنی تناؤ کے لفظ کو سمجھنے کے لیے ذہن پر دباؤ ڈالنا پڑتا ہے لیکن ٹینشن کا لفظ ابھی متکلم کی زبان پر ہی ہوتا ہے تو فوراً معنی ذہن میں منتقل ہو جاتا ہے۔ عام پڑھے لکھے فرد کو نفسیات اور معاشیات کے الفاظ سے وہ معانی نہیں پہنچتے جو سائیکالوجی اور اکنامکس کہنے سے منتقل ہوتے ہیں۔

میں بعض اوقات اپنی تحریروں میں جان بوجھ کر انگریزی لفظ استعمال کرتا ہوں کہ میری نظر میں اس سے معنی زیادہ منتقل ہوتا ہے۔ ہماری زبان میں انگریزی الفاظ کا یہ استعمال اس قدر عام ہو چکا ہے کہ اب ان الفاظ کی اردو بنانا یا تو تکلف ہے۔ اور اگر اردو متبادل ہے بھی تو وہ اتنا بلیغ نہیں رہا کہ بلاغت ہمیشہ اسی لفظ میں ہوتی ہے جو رائج ہو اور جس کے استعمال سے لوگوں کے ذہن میں تصورات روشن ہوں اور تخیلات پروان چڑھیں۔

اردو تو ویسے بھی مختلف زبانوں کا مجموعہ ہی ہے۔ اس میں پہلے ہی عربی، فارسی، سنسکرت اور ترکی وغیرہ جیسی زبانوں کے الفاظ کی کثرت ہے بلکہ اردو خود ترکی زبان کا لفظ ہے تو اب اگر انگریزی کے الفاظ بھی قبول کر لیے جائیں گے تو اس کی بلاغت میں اضافہ ہی ہو گا نہ کہ کوئی کمی۔ آج بھی اگر ہم انگریزی لفظ کا اردو میں ترجمہ کرنا چاہیں گے تو اس کی عربی یا فارسی ہی بنائیں گے جیسے بلڈ پریشر کو بلند فشار خون کہہ دیا۔ تو لینا تو ہم نے ادھار ہی ہے، انگریزی سے نہ سہی عربی اور فارسی سے سہی۔

بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں اس زبان کو رواج دینا چاہیے کہ جس میں بیس فی صد انگریزی شامل ہوتی ہے اور یہی اردو ہمارے پڑھے لکھے طبقے اس وقت استعمال کر رہے ہیں۔ اب تو کچھ اردو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ناول نگار چھوٹے چھوٹے جملے بھی انگریزی میں ہی لکھنا شروع ہو گئے ہیں جیسے واٹ آنان سینس وغیرہ۔ بہر حال اہل زبان میں اب ایسی کوئی مقتدر کمیٹی تو موجود نہیں ہے جو ایسے فیصلے کرے یا اس کے فیصلوں کو کوئی اہمیت حاصل ہو لہذا لکھاریوں نے ہی یہ فیصلہ کرنا ہے اور زبان کا رخ متعین کرنا ہے۔ واللہ اعلم

ایک دوست نے اس تحریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ویسے میں سوچ رہا تھا کہ اس پر لکھوں کہ اگر کوئی لکھاری اس لیے لکھ رہا ہے کہ اس کی بات یا پیغام عام لوگوں تک پہنچے تو اُسے اسی زبان میں لکھنا چاہیے جو زبان عام طور پر بولی سمجھی جاتی ہے۔ کچھ افراد کی تحریر پڑھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فیروز اللغات کا جدید ترین ایڈیشن سامنے رکھ کر الفاظ چھانٹ چھانٹ کر پڑھنے والے کی طرف گولے کی طرح داغے گئے ہیں۔ ایسی تحریر پڑھنے کے بعد مجھ جیسا بندہ خود کو طالب علم کم اور زخمی زیادہ سمجھتا ہے۔ اور خود کو سمجھاتا ہوں کہ طفلِ مکتب کے لیے تحریر نہیں تھی بلکہ بابائے مکتب کے لیے لکھی گئی تھی۔

ایک اور ریڈر نے یہ تبصرہ کیا کہ میری بہترین تحریر، جس نے قارئین کے دلوں کو چھوا، ہمیشہ وہی رہی ہے جسے میں نے ویسے ہی لکھ دیا جیسے میں بولتی ہوں۔ جب بھی رائج انگریزی الفاظ کے متبادل ڈھونڈ ڈھونڈ کر یا سوچ سوچ کر تحریر میں فٹ کیے، تحریر خود میرے لیے ہی نامانوس ہو گئی۔ سو باتوں کی ایک بات کہ بہترین ابلاغ انہی الفاظ سے ممکن ہے جو رائج ہوں۔ اب ہمیں اس بات کو سمجھ لینا چاہیے، مان لینا چاہیے، اردو کا ظرف بہت وسیع ہے لہذا کسی بھی تحریر کو محض یہ کہہ کر رد نہیں کر دینا چاہیے کہ انگریزی الفاظ کا غیر ضروری استعمال کیا گیا ہے۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ مزید انگریزی الفاظ کو اردو میں تیزی سے در آنے کا موقع نہ دینے کی تراکیب بھی سوچنی چاہئیں۔

عربی زبان میں بہتری کیسے لائی جائے؟

بعض دوست سوال کرتے ہیں کہ ہم عربی زبان میں اپنی صلاحیت اور استعداد بڑھانا چاہتے ہیں تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ جواب: بھائی، اگر آپ نے عربی زبان کی مناسب گرامر پڑھ رکھی ہے تو اب آپ زیادہ سے زیادہ عربی متن کا مطالعہ کریں، چاہے سمجھ میں آئے نہ آئے، چاہے حرکات اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعراب درست پڑھ رہے ہوں یا غلط۔

اور مناسب عربی گرامر سے مراد اتنی عربی گرامر کہ جتنی چرتھالوی صاحب کی کتابوں علم الصرف اور علم النحو میں ہے بلکہ میں تو کہوں گا کہ یہ بھی کافی زیادہ عربی گرامر ہے اور اس سے زیادہ عربی گرامر تو وقت کا ضیاع ہے، بس۔ پس اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ گرامر پر گرامر پڑھنے سے آپ کی عربی بہتر ہو جائے گی تو یہ سوچ غلط ہے۔ اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ لغت کو رٹا لگانے سے آپ کی عربی زبان کی استعداد بڑھ جائے گی تو یہ بھی غلط ہے۔

حل وہی ہے جو میں نے عرض کیا ہے کہ آپ آج سے عہد کر لیں کہ آئندہ رات اس وقت تک سوئیں گے نہیں جب تک کہ روزانہ عربی زبان میں چالیس صفحات کا مطالعہ نہ کر لیں۔ اور ایسا ایک سال تک کر لیں تو پھر دیکھیں کہ آپ کی عربی بہتر ہوتی ہے یا نہیں۔ عربی زبان کو بہتر بنانے کا ایک ہی حل ہے کہ عربی میں مطالعہ کریں اور زیادہ سے زیادہ کریں۔

اور اس سے نہ گھبرائیں کہ آپ حرکات غلط پڑھیں گے۔ دیکھیں، حرکات تو ہم اردو زبان میں بھی غلط پڑھتے ہیں لیکن سب سمجھتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں نے کوشش کی کہ اپنی اردو زبان کو بہتر بناؤں تو عام بول چال کے الفاظ کے صحیح تلفظ کے لیے اردو لغت دیکھنے لگا۔ اور جب قِلعہ، جسے ہم زیر سے پڑھتے ہیں، کو قَلعہ کہا یعنی زبر کے ساتھ، اور ہِرن کہ جسے ہم زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں، ہَرن یعنی زبر کے ساتھ کہنا شروع کیا تو اکثر لوگ سوال کرتے کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں تو میں ایک دوسری مشکل میں پڑ گیا۔

عام عربی عبارت کوئی قرآن مجید نہیں ہے، بعض اوقات ہم اپنی اردو زبان میں حرکات غلط پڑھ جاتے ہیں تو عربی میں بھی پڑھ لیا تو کچھ گناہ نہیں ہو گا البتہ تصورات (concepts) واضح رہنے چاہییں، ان میں غلطی نہ ہو کہ آپ بات کو صحیح طور سمجھ رہے ہیں کہ مصنف کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ حرکات اور اعراب کی غلطیوں میں بھی کمی آتی رہتی ہے۔ اور اگر آپ کا مقصد کتاب کا لغوی، صرفی اور نحوی حل (grammatical analysis) ہے تو آپ کی رفتار بہت کم ہو جائے گی اور اصل مقصد بھی فوت ہو جائے گا اور وہ مقصد مصنف کی بات کو سمجھنا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری زبان (second language) کیا، اپنی مادری زبان کو بھی ہم اسی طرح سیکھتے ہیں۔ کیا ہم انگریزی جاننے کے باوجود بولتے اور پڑھتے وقت اس میں تلفظ اور لہجے کی غلطیاں نہیں کرتے؟ بہت کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ہم انگریزی میں لکھی ہوئی اور سنی ہوئی بات سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ آپ عربی عبارت پڑھتے ہوئے حمام، بغیر تشدید کے، کو حمّام یعنی تشدید کے ساتھ، پڑھ دیں گے۔ کوئی حرج نہیں جب تک کہ جملے کا مفہوم واضح ہے۔ اور بعض لیکچرز میں ایسا تجربہ کر کے دیکھا جائے کہ بغیر غور کیے تیزی سے عربی متن کا مطالعہ کیا جائے اور اصل زور ترجمے پر رکھا جائے تو غلط اعراب اور حرکات پڑھ کر بھی طالب علم کو ساری بات اسی طرح سمجھ میں آ رہی ہو گی جتنا کہ صحیح اعراب اور حرکات پڑھ کر بشرطیکہ ترجمہ درست ہو۔ تو یہ سب باتیں عربی سیکھنے کے لیے بطور تجربہ ذکر کر دی ہیں نہ کہ یہ کوئی پڑھنے پڑھانے کا مستقل منہج یا کرنے کا کام ہے۔

اور خاص طور اگر آپ کلاسیکل ٹیکسٹ کا مطالعہ کر رہے ہیں تو اس میں قدیم ناموں میں حرکات لگانا بہت مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ نام آج کل معروف نہیں ہیں۔ آپ شبَابه کو شبّابه، سوّار کو سوَار، شمْر کو شمَر پڑھ جائیں گے لیکن بس پڑھتے جائیں کہ رک رک کر نہیں بلکہ مسلسل پڑھنے سے عبارت بہتر ہو گی۔ البتہ اتنی صلاحیت پیدا کر لیں کہ اگر کوئی روک کر پوچھ لے تو غور کر کے صحیح حرکات اور اعراب بتلا سکیں یا کہیں سے دیکھ کر بتلا سکیں۔ مثلاً اگر تو نام ہیں تو "سير أعلام النبلاء" دیکھ لیا کریں کہ فوراً حرکات معلوم ہو جائیں گی اور اگر عام الفاظ ہیں تو کوئی معروف لغت مثلاً "المعجم الوسيط" وغیرہ دیکھ لیا کریں۔

اردو گالی: لسانی، نفسیاتی، معاشرتی اور مذہبی تناظر میں

گالی کا لفظ "پراکرت" زبان کا ہے جو کہ ایک رائے کے مطابق "سنسکرت" کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور اس کا معنی فحش گفتگو کرنا ہے۔ گالی کا معنی تو یہی ہے لیکن چونکہ اس کا مقصد مخاطب کو ذلیل اور رسوا کرنا ہوتا ہے لہذا ایسے الفاظ بھی گالی کہلانے کے مستحق ہیں کہ جن سے مقصود مخاطب کی تذلیل اور تحقیر ہو۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ کسی بھی زبان میں اکثر و بیشتر معروف گالیاں، فحش کلام پر ہی مشتمل ہوتی ہیں لیکن ہر گالی میں فحش کلام نہیں ہوتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا جاتا ہے کہ پنجابی زبان، گالیوں میں بہت فصیح اور بلیغ ہے لیکن اس بات میں مبالغہ ہے کہ اول تو پنجابی کی گالیاں، اردو سے ماخوذ ہیں۔ اور خود اردو زبان میں جو گالیاں دی جاتی ہیں، وہ اکثر و بیشتر دوسری زبانوں سے ماخوذ ہیں اور بہت کم ایسی ہیں کہ جنہیں آپ عرفی یا عامی زبان (slang) کہہ سکتے ہیں۔ البتہ یہ بات ضرور کہی جاسکتی ہے کہ ہم اردو بولنے والے گالی کی ایجاد میں بہت ہی خلاق (creative) صلاحیتوں کے مالک ہیں کہ چاہیں تو "ٹریکٹر ٹرالی" کے الفاظ کو نسبت عطا فرما کر مہذب گالی بنادیں۔

اردو میں گالی یا تو دوسری زبان سے ماخوذ ہے تو یہ تو لغت کا حصہ بن گئی کہ جس کا اصل ہم لغت سے معلوم کر سکتے ہیں۔ یا پھر گالی عامی زبان میں ہو گی اور عامی زبان کبھی بھی تحریر کا حصہ نہیں ہوتی بلکہ محلے گلی کا کلچر ہوتا ہے لہذا اس کے معانی لغات میں تلاش کرنا بے وقوفی شمار ہوتا ہے جیسا کہ لفظ "دَل...." کہ یہ عامی زبان (slang) ہے کہ جس کا معنی "دیوث" ہے یعنی بے غیرت کہ جو اپنی گھر کی عورتوں کے معاملے میں غیر محرم مردوں پر غیرت نہ کھاتا ہو۔

کہا یہ جاتا ہے کہ اردو اور پنجابی گالیاں محرم سے زنا (incest) کے گرد گھومتی ہیں لیکن یہ بات بھی درست نہیں ہے۔ ایسا دعوی کرنے والے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اردو بولنے والوں کے لاشعور میں محرم سے زنا کی خواہش کس قدر موجود ہے کہ اسے گالیوں سے پورا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ معروف اردو اور پنجابی گالیوں کا مفہوم زنا کی نسبت رکھتا ہے کہ گالی کا معنی ہی فحش گفتگو ہے لہذا معروف گالی وہی ہوتی ہے کہ جس میں زنا کا تصور شامل ہو۔

اور اس سے پہلے کہ کوئی سائیکالوجسٹ اس کی وجہ اردو سپیکنگ سوسائٹی کے لاشعور کی ان دیکھی جنسی خواہشات بتلانا شروع کر دے، ہم یہ واضح کر دیں کہ اس کی وجہ دوسرے پر غالب آنے کی خواہش ہے اور دوسرے پر غلبہ، اس کو نیچا کر کے یعنی اس کی تحقیر اور تذلیل سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اور تحقیر اور تذلیل میں مبالغہ فحش گوئی کی صورت ممکن ہوتا ہے۔ مجھے اپنے ماحول یعنی یونیورسٹی، بازار وغیرہ میں جو گالی سب سے زیادہ سننے کو ملتی ہے، وہ "...چود" ہے کہ جس کا معنی بہن سے زنا کرنا ہے۔ یہ شاید اردو اور پنجابی زبان کی معروف ترین گالی ہے اور یہی وہ واحد گالی ہے کہ جس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں محرم سے زنا کا تصور شامل ہے۔

اسی طرح اردو اور پنجابی کی دوسری معروف گالی "...تیا" سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اس کا معنی بیوی کے زنا کی کمائی کھانے والا ہے اور تیسری معروف گالی "...امی" یا "...زادہ" تو واضح ہے کہ حرام کی اولاد کے معنی میں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ غالب نے کسی کو گالی کے آداب سکھاتے ہوئے کہا تھا کہ بچے کو ماں، جوان کو بہن اور بوڑھے کو بیٹی کی گالی دینی چاہیے۔

اگر تو غالب نے ایسا کہا تھا تو بہت ہی بے کار بات کہی تھی اور میں مذہبی اعتبار سے بے کار نہیں کہہ رہا بلکہ معاشرتی اور نفسیاتی پہلو سے کہہ رہا ہوں۔ غالب کا خیال تھا کہ گالیاں سن کر ان پر غیرت کھانے والے، گالی کے معانی کی وجہ سے غیرت کھاتے ہیں حالانکہ یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے۔ اکثر و بیشتر لوگ معروف گالیوں پر ان الفاظ کے عرف میں گالی ہونے کی وجہ سے ان پر غیرت کھاتے ہیں ورنہ تو اکثر کو ان گالیوں کے معانی کا علم تک نہیں ہوتا، خاص طور بچوں کو۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہر شخص کا کبھی نہ کبھی گالی دینے کو دل ضرور کرتا ہے اور بچوں میں یہ جبلت بہت غالب ہوتی ہے۔ ہماری رائے میں یہ کہنے میں حرج تو نہیں ہے کہ انسان میں بہت سی جبلتیں ہیں جو کہ اپنی تسکین چاہتی ہیں اور ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی سے انسان کی لڑائی یا اختلاف ہو یا اس سے تکلیف اور اذیت پہنچے تو انسان بدلہ لے اور اس بدلے لینے کی خواہش میں وہ دوسرے کی اسی طرح تحقیر اور تذلیل چاہتا ہے جیسا کہ دوسرے نے اس کی تحقیر اور تذلیل کی ہے۔ پس گالی انسانی جبلت میں اتنی ہی موجود ہے اور جو اس سے زائد ہے تو وہ ظلم ہے اور ظلم، ظالم کی صفت تو ہو سکتی ہے، انسان کی نہیں۔

مذہبی پہلو سے گالی دینا حرام ہے کہ کسی مسلمان یا انسان کی تحقیر اور تذلیل جائز نہیں ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں کہ مسلمان کو گالی دینا، گناہ کا کام ہے۔ اور گالی کے اخلاقی گراوٹ ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں ہے لہذا اخلاقاً بھی ممنوع ہے کہ کسی انسان کی تحقیر اور تذلیل کو کون جائز کہہ سکتا ہے؟ البتہ کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ گالی اگر پیار سے دی جائے تو کیا پھر بھی حرام ہے؟ تو اس کا جواب ہے کہ تب بھی حرام ہے کہ اس میں اکثر و بیشتر فحش گفتگو ہوتی ہے اور مومن کبھی فحش

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گفتگو نہیں کرتا۔ یا پھر گالی میں تذلیل ہوتی ہے، چاہے اپنے دو سال کے بچے کو ہی پیار سے "کتا" کہہ دے لیکن انسان کی نہ سہی تو انسانیت کی تذلیل تو ہے ہی۔

البتہ شریعت میں یہ جائز ہے کہ اگر کوئی گالی دے تو اس کو جواب میں گالی دی جاسکتی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر دو لوگ ایک دوسرے کو گالی دیں تو گناہ ابتداء کرنے والے پر ہوگا جب تک کہ دوسرا جوابی گالی میں زیادتی نہ کرے۔ البتہ جوابی گالی میں یہ ملحوظ رہے کہ فحش گالی سے اجتناب کرے کہ سنن ترمذی کی روایت کے مطابق مومن فحش گو نہیں ہوتا۔ اور اگر کسی نے فحش گالی دی ہے تو اسے "تم خود ایسے" (same to you) جیسے الفاظ سے اس پر لوٹایا جاسکتا ہے لیکن یہ بھی اجازت ہے جبکہ مستحب عمل یہی ہے کہ گالی کے جواب میں گالی نہ دے۔

اسلام میں حلال

حرام امور ہم نے معاشروں کو بہت بتلا دیے، اب وہ اسلام میں حلال کے بارے میں کچھ سننا چاہتے ہیں۔ اصلاح معاشرہ کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ لوگوں کو منبروں پر حلال بتلانا شروع کر دو، حرام کم ہو جائے گا، ان شاءاللہ۔ اسلام میں حلال کے عنوان سے کتابیں لکھنے سے، چاہے علم میں اضافہ نہ بھی ہو، لیکن نفس کو نفسیاتی تسکین ضرور ملے گی۔

اسلامی معاشرے میں کیک کھانے کے حلال مواقع پیدا نہیں کروگے تو لوگ "کرسمس کیک" کو ہی حلال کریں گے۔ اسی سے تو لوگوں کو غلط فہمی پیدا ہوتی ہے کہ مولوی ہر وقت حرام حرام ہی کرتے رہتے ہیں، کچھ حلال بھی ہے اسلام میں؟ تو ان کی نفسیاتی تسکین کے لیے ضروری ہے کہ حلال حلال کیا جائے۔

کیک کھانے کے مواقع پیدا کرنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ ہم اس دن میں کیک کاٹنے، کھانے اور کھلانے کی ترغیب دیں کہ جس دن عیسی ابن مریم علیہ السلام کے بندہ اور اللہ کے رسول ہونے اور اللہ کا بیٹا نہ ہونے کے بارے میں قرآن مجید کی آیات نازل ہوئیں۔ یہ ایک رائے کا اظہار ہے، کوئی اصرار نہیں کہ ایک غلط رسم کو ختم کرنے کے لیے ایک ایسی رسم کا آغاز کریں کہ جس سے صحیح فکر کو فروغ ملے۔ اسلام نئی رسمیں پیدا کرنے سے منع نہیں کرتا البتہ خلاف شریعت رسموں سے منع کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسم کا علاج رسم سے ہی بہتر طور ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم

قوم کے سیاسی لیڈر

دوست کا کہنا ہے کہ کبھی کبھار کوئی سیاسی تجزیہ بھی کر دیا کریں۔ میں نے کہا کہ کیا پوچھنا ہے؟ اس نے کہا کہ ملک کی بڑی سیاسی جماعتوں کے لیڈران کے بارے آپ کا کیا موقف ہے؟ میں نے کہا کہ جب بھی ان میں سے کسی کا خیال آتا ہے تو اس کے ساتھ ہی ایک لفظ ذہن میں آجاتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ لفظ کیا ہے؟

میں نے کہا کہ ہر ایک کے بارے میں ایک ہی نہیں بلکہ علیحدہ سے لفظ ذہن میں آتا ہے اور خود سے ہی آجاتا ہے، یعنی سوچنا بھی نہیں پڑتا۔ اس لیے میں اسے اپنا کوئی سیاسی تجزیہ نہیں کہوں گا بلکہ یہ حالات کا جبری تجزیہ ہے کہ اگر کسی جماعت کا تعصب نہ ہو تو اس کی طرف کسی پاکستانی کا ذہن خود بخود سے چل پڑتا ہے۔

اس نے کہا کہ کس جماعت کے کس لیڈر کے بارے کیا لفظ ذہن میں آتا ہے؟ میں نے کہا کہ میں لیڈر کا نام تو نہیں بتاؤں گا کہ یہ سیاسی تجزیہ تو ہے نہیں بلکہ ذہن کا خیال ہے اور وہ بھی خود کار۔ پس لیڈر کا تعین آپ نے خود کرنا ہے اور الفاظ یہ ہیں: کاہل، کمینہ، بے وقوف، قاتل اور مطلبی۔

اس نے کہا کہ کسی جماعت سے آپ کی سیاسی وابستگی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں کسی جماعت کو اس قابل نہیں سمجھتا۔ البتہ ووٹ جماعت اسلامی کو کاسٹ کرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ ان حالات میں کرنے کا اصل کام کیا ہے؟ میں نے کہا دعا کریں کیونکہ لگتا ہے کہ ہماری تقدیر میں یہی لوگ ہیں۔ اس نے کہا کہ کیا دعا کریں؟ میں نے کہا کہ اللہ عزوجل کاہل کو کام کرنے کی توفیق دے، کمینے سے جان چھڑائے، بے وقوف کو عقل دے، قاتل کو مقتول بنائے اور مطلبی کو ہدایت دے۔[1]

[1] فرینڈز لسٹ میں بہت سے لوگ سالہا سال سے سوئے پڑے ہیں، تو انہیں جگانے کے لیے یہ پوسٹ لگائی گئی ہے کہ لاہور آگیا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ فرینڈز لسٹ میں سینکڑوں لوگ قطار میں لگے ہیں، گاڑی میں سیٹ خالی نہیں ہے اور پلیٹ فارم پر رش لگا ہو۔ پس ایسے لوگ کہ جن کی کسی۔ سیاسی لیڈر کے ساتھ جذباتی وابستگی ہو، ان کے لیے اسٹیشن چھوڑنے کے مواقع پیدا کیے جا رہے ہیں تا کہ دوسرے لوگوں کو جگہ مل سکے۔ اور بظاہر یہ سب بے کار اور لایعنی گفتگو ایسے لوگوں کے شعور کی تربیت کے لیے کی گئی ہے کہ جنہوں نے انسانی شعور کی ورکنگ کے بارے میں کبھی زیادہ سوچا نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سائل نے کہا کہ آپ نے اس عنوان کو "لسانیات اور نفسیات" کے باب میں کیوں رکھا ہے؟ یہ تو سیدھا سادھا سیاست کا موضوع ہے۔ میں نے کہا: اس لیے کہ لوگ لفظ سے وہ بھی جاننا سیکھ لیں جو وہ عموماً نہیں جان پاتے۔ کسی متن کا عمومی موضوع تو سب کو نظر آتا ہے، کمال تو یہ ہے کہ متن کا وہ موضوع بھی دیکھ لیں کہ جو سامنے نظر نہیں آ رہا۔

سائل نے کہا کہ کیا میں آپ کے الفاظ "اللہ عزوجل کاہل کو کام کرنے کی توفیق دے، کمینے سے جان چھڑائے، بے وقوف کو عقل دے، قاتل کو مقتول بنائے اور مطلبی کو ہدایت دے" سے یہ بات نکال سکتا ہوں کہ آپ صرف تین سیاسی پارٹیوں کی بقا چاہتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں کہ نواز شریف اپنی کارکردگی بڑھائے، عمران خان حماقتیں کم کرے، فضل الرحمن اپنی اصلاح کرے۔ اور رہی بقیہ دو پارٹیاں تو ایم۔ کیو۔ ایم مقتول ہو جائے یعنی اسے جبراً بھی ختم کرنا پڑے تو ختم کر دیا جائے اور پیپلز پارٹی سے جان چھوٹ جائے کہ از خود مر جائے۔ میں نے کہا کہ متن کے شارح یہی کام کرتے ہیں لیکن متکلم کا کلام اپنی اصل میں زیادہ بڑے معانی لیے ہوتا ہے کہ جنہیں شرح و بیان کی تنگنائے میں داخل کرنا مناسب نہیں۔ اور میں نے یہ نہیں کہا کہ درست نہیں ہے بلکہ یہ کہا ہے کہ مناسب نہیں ہے۔

سائل نے کہا کہ الفاظ میں بڑے معانی کب پیدا ہوتے ہیں؟ میں نے کہا کہ جب تعصب ختم ہو جائے تو آپ کا کلام بڑے معانی پیدا کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اس نے کہا کہ کیا متکلم کا کوئی کمال نہیں ہے اس میں؟ میں نے کہا کہ کچھ ایسا ہی ہے۔ سائل نے کہا کہ تعصب کا لفظ سے کیا تعلق؟ میں نے کہا کہ تعصب، کلام کے معانی محدود کر دیتا ہے اور جس قدر کم ہو گا، اس قدر آپ کے کلام کا معنی بڑھ جائے گا۔ اور جس قدر آپ کے کلام کا معنی بڑا ہو گا، اس قدر آپ کی بات بڑی ہو گی۔ اور جس قدر آپ کی بات بڑی ہو گی، اس قدر آپ بڑے ہوں گے۔ سائل نے کہا کہ کوئی بڑا آدمی؟ میں نے کہا کہ حسن عسکری۔ سائل نے کہا کہ دانشور کون ہے؟ میں نے کہا کہ "میں"۔ سائل نے کہا کہ "میں" سے کیا مراد ہے؟ میں نے کہا کہ اس کی وضاحت سے کلام چھوٹا ہو جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لسانیات اور نفسیات

دوست نے کہا کہ ادب و زبان کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اچھے رائٹرز نہیں رہے۔ میں نے یہ ایک المیہ ہے کہ بڑے لکھاری نہیں رہے لیکن زیادہ بڑا المیہ یہ ہے کہ ریڈرز چھوٹے ہو گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ "چھوٹا ریڈر" کون ہے؟ میں نے کہا وہ جو تحریر میں مصنف کی شخصیت کا عکس تلاش کرے۔ اس نے کہا اور بڑا ریڈر؟ میں نے کہا جو تحریر میں انسان کو ڈھونڈ نکالنے کی کوشش کرے۔

اس نے کہا کہ موجودہ دور میں لکھنے لکھانے کے فن کا اصل المیہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ سو میں سے نوے لکھ رہے ہیں اور دس پڑھنے والے ہیں۔ اس نے کہا کہ اس کا حل کیا ہے؟ میں نے کہا کہ اچھے لکھاری کو چاہیے کہ اپنا اسپیکر وقفے وقفے سے بند کر لیا کرے اور بقیہ اناسی اسپیکروں سے آنے والی آوازوں کو ایک ساتھ سن کر اپنی حماقت پر کچھ دیر ہنس لیا کرے کہ اتنے اسپیکروں کی آوازوں میں میرے اسپیکر کی آواز کتنے لوگوں تک پہنچ سکتی ہے؟ اس نے کہا کہ اچھا لکھاری کون ہے؟ میں نے کہا کہ جو اپنے لیے لکھے یا اپنے جیسے دو چار لوگوں کے لیے۔

معاشرت اور نفسیات

دوست کا کہنا ہے کہ بیوی سے بن نہیں پا رہی، کیا کروں؟ کچھ سمجھ نہیں آ رہی، یہ بھی نہیں معلوم کہ مجھے اس سے کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں؟ روز روز کی لڑائی سے تنگ آ گیا ہوں، بار بار علیحدگی کا سوچتا ہوں، آپ ہی مشورہ دیں کیا کروں؟ میں نے کہا کہ بھائی بیوی وہ ہے کہ جسے تم یہ کہہ سکو کہ "تمہارے ساتھ رہنا مشکل ہے اور تمہارے بغیر رہنا مشکل تر۔" بس جب تک یہ کہہ سکتے ہو تو تمہارا اپنی بیوی سے تعلق آئیڈیل ہے، علیحدگی کے بارے میں سوچنا بھی مت۔

اس نے کہا کہ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ علیحدگی کے بارے سوچوں بھی ناں۔ جب جب لڑائی ہوتی ہے تو یہی خیال آتا ہے کہ شاید اب کے ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے۔ میں نے کہا کہ انسانی نفسیات یہی ہے کہ اسے پہلا حل تعلق توڑنے میں ہی نظر آتا ہے اور اگر تعلق توڑنے کا حوصلہ نہ کر پائے تو جوڑنے پر ہی صبر کر لیتا ہے۔ اس نے کہا کہ ہم تعلق توڑ کر اپنا مسئلہ حل کیوں کرنا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ جہاں تعلق سچا اور گہرا ہو، وہاں لڑائی میں تکلیف اور اذیت بڑھ جاتی ہے، انسان تعلق توڑ کر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس تکلیف اور اذیت سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔

جنسیات اور نفسیات

دوست کا کہنا ہے کہ اپنے سے ہائی اسٹیٹس کی لڑکی سے شادی کرنے میں کوئی مسئلہ تو نہیں، ڈر لگ رہا ہے۔ میں نے کہا اب آپ نے مشورہ مانگ ہی لیا ہے تو کچھ عرض کیے دیتا ہوں: "اگر اپنے سے ہائی اسٹیٹس کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہو تو اپنی جنسی ضرورت پوری کرنے کے لیے ایک لونڈی ضرور خرید لینا۔ ہاں، البتہ وہ تمہاری کچھ دوسری ضرورتیں ضرور پوری کر دے گی مثلاً مال کی ضرورت، سوشل اسٹیٹس کی ضرورت وغیرہ وغیرہ"

اس نے کہا کہ کیا اپنے سے بہت زیادہ لو اسٹینڈرڈ کی لڑکی سے شادی کرنی چاہیے؟ میں نے کہا کہ اگر ایسا کیا تو اس سے ازدواجی تعلق قائم کرنے کی خواہش بھی نہ کر پاؤ گے۔ تو اس نے کہا کہ پھر کیا کروں؟ میں نے کہا کہ اپنے اسٹینڈرڈ کی لڑکی سے شادی کرو اور اسی بات کو فقہاء نے یوں بیان کیا ہے کہ "کفو" میں شادی کرو یعنی اس سے شادی کرو جو تمہارے ہم پلہ ہو؛ سوشل اسٹیٹس میں، حسن وجمال میں، ذہنی سطح میں، اور مال و دولت میں۔

خوابوں کی دنیا

لوگ اپنے مطالعہ اور مزاج کی بدولت مختلف چیزوں میں تجسس رکھتے ہیں۔ کسی کو خدا کے بارے کھوج ہے تو کسی کو کائنات کے راز تلاش کرنے میں دلچسپی۔ مجھے سب سے زیادہ تجسس خوابوں کی دنیا کے بارے رہا ہے بلکہ ابھی تک ہے کہ یہ کیا دنیا ہے کہ جس میں ہم پہنچ جاتے ہیں اور اس دنیا کے کرداروں کی کیا حقیقت ہے؟

ڈیکارٹ کا کہنا تھا کہ جب میں جاگ رہا ہوتا ہوں تو مجھے یہ دنیا حقیقی لگتی ہے اور جب سو رہا ہوتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ یہ خواب کی دنیا حقیقی ہے۔ اس حد تک تو بات ٹھیک ہے کہ دوران خواب وہ دنیا حقیقی لگتی ہے لیکن میں بہر حال ڈیکارٹ کی طرح اتنا عقلمند واقع تو نہیں ہوا کہ جاگنے کے بعد بھی اس شبہے میں پڑ جاؤں کہ ان دونوں میں سے کون سی دنیا حقیقی ہے؟

مذہب، تصوف اور نفسیات تینوں میں اس بارے کچھ باتیں موجود ہے۔ مثلاً قرآن مجید سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں ہماری روح ہمارے جسم کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اب یہ روح جاتی کہاں ہے؟ واللہ اعلم۔

تصوف والوں کا خیال ہے کہ شاید عالم مثال میں جاتی ہے حالانکہ عالم مثال کی تو تعریف ہی یہ ہے کہ وہ آئیڈیل دنیا ہے۔ اور خواب میں ہمیں جس دنیا کا مشاہدہ ہوتا ہے، وہ ناقص ہوتی ہے، بالکل ہماری دنیا کی طرح۔ اور اسی طرح یہ عالم برزخ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہمارے خواب کے سارے کریکٹر فوت شدگان نہیں ہوتے ہیں۔

ماہرین نفسیات میں سے فرائیڈ وغیرہ کا خیال ہے کہ یہ لاشعور کی دنیا ہے لیکن بہت دفعہ مجھے یا کسی دوسرے شخص کو یہ تجربہ ہوتا ہے کہ وہ خواب میں کوئی ایسا واقعہ دیکھتے ہیں جو مستقبل میں اسی طرح واقع ہو جاتا ہے جیسا کہ خواب میں دیکھا ہوتا ہے تو لاشعور مستقبل کے واقعات تک کیسے رہنمائی کر سکتا ہے؟ جبکہ شعور یہی کام حالت بیداری میں نہیں کر سکا۔

یہاں بھی فرائیڈ نے ایک تھیوری لگائی ہے کہ یہ اصل میں سوتے میں لاشعور کا ہمارے مستقبل کے بارے تجزیہ ہوتا ہے جو کہ درست ثابت ہوتا ہے۔ فرائیڈ کی یہ بات بعض خوابوں کے بارے شاید درست ہو لیکن مستقبل کے بارے ہر خواب ایسا نہیں ہوتا ہے کہ لاشعور سوتے میں اس کا اس قدر مہارت سے تجزیہ کر سکے کہ وہ وحی کا علم معلوم ہونے لگے۔

میں دراصل اس حوالے سے کوئی تخلیقی کام کرنا چاہتا ہوں تو اگر کسی بھائی کے مطالعہ میں اس حوالے سے کچھ لٹریچر ہو تو ضرور شیئر کریں۔ واضح رہے کہ میرا اصل مسئلہ خوابوں کی دنیا ہے نہ کہ خوابوں کی تعبیر کہ خواب میں ہم جہاں پہنچ جاتے ہیں، یا جن لوگوں سے ملتے ہیں، یا جو کچھ کام کرتے ہیں، اس کی کیا حقیقت ہے؟ اس بارے لوگوں کے کیا خیالات رہے ہیں یا ہیں، وہ جاننا چاہ رہا ہوں۔

خوابوں کی اہمیت

خواب دیکھنا بہت ضروری ہے، جاگتے میں بھی اور سوتے میں بھی۔ اور جو خواب نہ دیکھے، وہ صحت مند نہیں، بیمار ہے۔ ٹھیک ہے خوابوں کی دنیا میں رہنا درست نہیں ہے لیکن کبھی کبھی زندہ رہنے کے لیے خوابوں میں رہنا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔ نہ تو آپ کا ہر خواب جھوٹا ہے اور نہ ہی ہر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواب سچا ہوتا ہے۔اس لیے یہ رویہ بھی درست نہیں ہے کہ ہر الم غلم خواب کی تعبیر بنانا شروع کر دے اور یہ بھی درست نہیں ہے کہ ہر اچھے خواب کی نسبت شیطان یا نفس کی طرف کر دے۔

میں بہت عرصے تک اس رویے میں مبتلا رہا کہ ہمیشہ اچھے خوابوں میں شک کرو کہ یہ شیطان یا نفس کی طرف سے ہے تاکہ انسان اپنی اوقات میں رہے۔اور شاید یہ خوابوں کی دنیا میں رہنے والوں کا ردعمل تھا یا اہل حدیث ہونے کا اثر لیکن چونکہ اپنے رویے ریوائز کرتا رہتا ہوں تو اب محسوس ہوتا ہے کہ یہ غلط رویہ ہے۔ بھئی، اگر آپ خدا کے لیے کچھ کر رہے ہو تو خدا اب آپ کی طرف فرشتہ بھیج کر تو بتلانے سے رہا[1] کہ وہ آپ سے راضی ہے، وہ خواب ہی کے ذریعے تو آپ کو تسلی دے گا۔

پس وہ اچھے خواب جو آپ خود اپنے بارے میں دیکھتے ہیں یا آپ کے چاہنے والے آپ کے بارے میں دیکھتے ہیں تو اس میں غالب گمان یہی ہے کہ یہ رحمان کی طرف سے ہیں اگرچہ ان کے شیطان یا نفس کی طرف سے ہونے کا امکان بھی ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خوابوں کو مبشرات میں سے شمار کیا ہے کہ یہ مومن کو خوشخبری دینے والی چیزوں میں سے ہیں یعنی اللہ کے اس سے راضی ہونے کی خوشخبری تاکہ وہ مزید شکر گزار بندہ بنے۔ایک بیٹا اپنے باپ اور شاگرد اپنے استاذ کی طرف کچھ کرنے کے بعد داد طلب نظروں سے دیکھتا ہے تو وہ مبتدی سمجھ کر ضرور اس کی حوصلہ افزائی کر دیتے ہیں تو خدا سے تو اس کی زیادہ امید رکھی جا سکتی ہے اور وہ "شکور" بھی ہے یعنی قدر کرنے والا۔

ضروری تو نہیں ہے کہ انسان اچھے خواب کو رحمان کی طرف سے سمجھ کر بگڑ ہی جائے بلکہ یہ بھی تو ممکن ہے کہ اسے نعمت سمجھ کر مزید شکر گزار بن جائے۔ رسول اللہ ﷺ ہر روز فجر کی نماز کے بعد مسجد نبوی میں صحابہ کے ساتھ بیٹھا کرتے تھے اور ان سے ان کے خوابوں کے بارے میں پوچھتے تھے کہ رات کس نے کیا خواب دیکھا؟ اور پھر اس کی تعبیر کرتے تھے۔ مبتدی یعنی اللہ کے رستے پر چلنے کی ابتداء کرنے والے کو تو خوابوں کی بہت ضرورت ہوتی ہے کہ اسی سے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

[1] وہ بھیج سکتا ہے لیکن یہ اس کی سنت نہیں رہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہنے کا مقصد یہی ہے کہ خوابوں کی دنیا میں رہنے کا طرز عمل اگر درست نہیں ہے تو ہر اچھے خواب میں شک کرنے کا رویہ بھی غلط ہے۔ آپ کو زندہ رہنے کے لیے اور خاص طور اسلام پر، اچھے خوابوں کی بہت ضرورت ہے، نفسیاتی طور بھی اور دینی طور پر۔ اسی لیے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبوت کے اجزاء میں سے صرف خواب باقی رہ گیا ہے، باقی سب کچھ اٹھا لیا گیا ہے۔ آئیں، اپنے اور دوسروں کے اچھے خوابوں پر شک کرنے کے ساتھ شکر کرنا بھی سیکھ لیں۔

خوابوں کی تعبیر

دوست کا کہنا ہے کہ ایک بہن نے سوال کیا کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ وہ کہیں سے سفید رنگ کا سانپ پکڑ لیتی ہیں، اور ایک جگہ لکڑیاں جل رہی ہیں تو وہاں سے سانپ کے سر کو آگ لگا لیتی ہیں اور اب اسے دم سے پکڑ کر گھوم رہی ہیں۔ اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟

تعبیر کرنے والے خواب میں سانپ سے مراد دشمن لیتے ہیں یعنی وہ شخص جو آپ سے حسد کرتا ہو، یا عداوت رکھتا ہو، یا بغض رکھتا ہو۔ اور سانپ سے مراد ایسا دشمن ہے جو صرف بغض اور حسد نہیں رکھتا بلکہ موقع ملتے ہی آپ کو نقصان پہنچانے کی پوری کوشش بھی کرتا ہے۔ سفید سے مراد یہ ہو سکتا ہے کہ اس نے نیکی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے یا وہ بظاہر نیک ہے۔

سانپ پکڑنے سے مراد دشمن پر غالب آجانا ہے اور اس کے سر کو آگ لگانے سے مراد یہ ہے کہ اس پر اس طرح غالب آجانا کہ اب دوبارہ وہ آپ کو نقصان پہنچانے کے قابل نہ رہے یعنی جہاں سے اس کے ڈسنے کا امکان تھا، آپ نے اس مقام کو ہی جلا دیا۔ اور دم پکڑ کر ہاتھ میں لیے پھرنے کا مطلب ہے کہ غلبہ پانے کے بعد اب وہ اسے دوسروں کے سامنے عبرت بنا رہی ہیں۔ بہر حال اس آخری معاملے میں یہ مشورہ دیا جا سکتا کہ انہیں نرمی کرنی چاہیے بشرطیکہ خواب کی یہ تعبیر حقیقت حال سے کچھ مناسبت رکھتی ہو۔

ایک اور دوست نے خواب دیکھا کہ ایک شخص ہے کہ جس سے معافی کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ تمہاری معافی اس صورت قابل قبول ہے کہ تم اپنی گردن خود اتارو۔ وہ شخص اپنی گردن پر چھری چلا دیتا ہے اور اس کا سر ڈھلک کر کندھے پر گر جاتا ہے۔ اب وہ شخص، دوسرے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شخص سے کہ جس کے کہنے پر اس نے اپنا سر اتارا ہے، یہ کہہ رہا ہے کہ میرا سر میری گردن پر رکھ دو، یہ جڑ جائے گا اور میں بچ جاؤں گا۔ لیکن دوسرا شخص ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور اس کی خواہش ہے کہ یہ مر جائے۔ اس کی کیا تعبیر ہے۔

یہ قیامت کی نشانیوں میں سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کے اخلاق اتنے بگڑ جائیں کہ ایک شخص دوسرے سے معافی چاہے گا اور وہ اس کو معاف نہیں کرے گا یہاں تک کہ اس کی جان ہی لے لے۔ اور معافی مانگنے والا اپنی جان بھی لگا دے گا لیکن پھر بھی دوسرا اس سے راضی نہیں ہو گا اور اسے دل سے معاف نہیں کرے گا یا اس کے بارے اپنے دل سے بغض نہیں نکال پائے گا۔

ایک دوست کا کہنا ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ان کے والد صاحب جو کہ پندرہ بیس سال پہلے فوت ہو چکے، خواب میں آئے اور ان سے کہنے لگے کہ میں بہت خوش ہوں کہ پہلے بھی تمہاری داڑھی تھی لیکن اب کافی بڑھ گئی ہے۔ خواب میں داڑھی سے عموماً مراد دین ہوتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ان کا دین پہلے سے بہت بہتر ہو گیا ہے، اللہ عزوجل استقامت عطا فرمائے اور اس میں مزید اضافہ کرے۔ واللہ اعلم بالصواب

سفید اور سیاہ ہاتھی

دوست کا سوال ہے کہ اس نے خواب میں یہ دیکھا کہ ایک دیوار ہے، بہت بڑی دیوار، دیوار چین جیسی۔ اس کے دونوں طرف ہاتھی ہیں، ایک طرف سفید اور دوسری طرف سیاہ کہ جن پر کچھ لوگ سوار ہیں۔ یہ ہاتھی دونوں طرف سے اس دیوار کو گرانے میں لگے ہیں یہاں تک کہ وہ دیوار گرا دیتے ہیں لیکن ہاتھی والوں کے مابین کوئی جنگ نہیں ہوتی اور ہاتھی والوں نے اپنے ہاتھوں میں سرخ جھنڈے پکڑ رکھے ہیں۔

محسوس یہ ہوتا ہے کہ اس خواب کا تعلق عالمی حالات وواقعات سے ہے۔ دیوار کے دونوں طرف ہاتھیوں سے مراد دو سپر پاورز ہیں یعنی چائنہ اور رشیا اور دیوار سے مراد ان کے درمیان تعلقات کی دوری ہے۔ دیوار گرانے سے مراد یہ ہے کہ وہ تعلقات کی اس دوری کو ختم کر کے عنقریب آپس میں مل جائیں گے یعنی اتحاد کر لیں گے۔ سفید ہاتھیوں سے مراد امن پسند لوگ ہیں اور یہ چینی ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور سیاہ ہاتھیوں سے مراد وہ ہیں جو اپنے نقصان کا غم کھانے والے ہیں یعنی روسی جو روسی کے ٹوٹنے کے بعد غم کی کیفیت میں ہیں۔اور سرخ جھنڈوں سے مراد سُرخے ہیں یعنی کمیونسٹ۔واللہ اعلم۔

خواب کی تعبیر کے بارے ذہن میں رہے کہ یہ کوئی یقینی بات نہیں ہوتی بلکہ تعبیر کرنے والے کا ایک اندازہ ہوتا ہے جو صحیح بھی ہو سکتا ہے اور غلط بھی۔پس یہ ایک ظنی علم ہے کہ جس میں غلطی کا امکان بہر حال موجود رہتا ہے۔دوسرا یہ کہ کسی خواب کی تعبیر کے لاجیکل ہونے کی صورت میں بھی ضروری نہیں ہے کہ امر واقعہ میں بھی ایسا ہی ہو،امر واقعہ کو اللہ عزوجل ہی جانتے ہیں۔اسی طرح بعض اوقات تعبیر کرنے والے کو خواب دیکھنے والے کے احوال کا علم نہیں ہوتا لہذا اس کی تعبیر میں غلطی کا امکان بڑھ جاتا ہے۔

دوست احباب خواب کی تعبیر پوچھ لیتے ہیں تو اگر اللہ تعالی کوئی بات سجھا دیں تو ایک رائے کے طور بیان کر دیتا ہوں،اسے حتمی نہیں سمجھنا چاہیے۔اور بعض اوقات تو خواب اس قدر پیچیدہ ہوتا ہے کہ اس کی تعبیر کچھ سجھائی نہیں دیتی۔کچھ عرصے میں خوابوں کی تعبیر پر چند ایک پوسٹیں اس لیے لگائی ہیں کہ اب یہ علم،علماء میں سے بھی ناپید ہوتا جا رہا ہے کہ اس کی طرف توجہ اور دلچسپی کم ہے۔خواب اور اس کی تعبیر علم نبوت کا ایک حصہ ہے کہ جس کا وارث علماء کو بنایا گیا ہے،انہیں اس علم کے سیکھنے اور سکھانے کی طرف ممکن توجہ دینی چاہیے۔

البتہ سائیکالوجسٹ اس کو نہیں مانتے کہ خواب نبوت کے علم میں سے ہے،ان کے نزدیک یہ لاشعور کا تجزیہ ہے یعنی خواب میں حاصل کیے گئے علم کا مصدر خود انسان کا "نفس" ہے نہ کہ خارج سے "الہام" وغیرہ۔مثلاً مذکورہ بالا خواب کے سچا ثابت ہو جانے کی صورت میں فرائیڈ یہ کہے گا کہ خواب دیکھنے والے کے لاشعور نے سوتے میں ایک تجزیہ کیا اور سوتے میں لاشعور چونکہ فل ورکنگ میں ہوتا ہے لہذا اس نے درست تجزیہ کر لیا۔اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تو اس صورت میں ہے جبکہ خواب دیکھنے والا عالمی حالات سے واقف ہو،اخبار اور میڈیا سے متعلق ہو،تجزیہ نگار ہو،بعض اوقات خواب دیکھنے والا بالکل ان پڑھ اور جاہل ہوتا ہے کہ اس کے لاشعور تو کیا،شعور سے بھی اس بات کی توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی چھوٹے سے معاملے میں بھی کوئی سوجھ بوجھ والا تجزیہ کر سکے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواب میں محرم سے مباشرت کرنا

تین دوستوں نے اس بارے پوچھا ہے کہ ایسے خواب کا کیا مطلب ہے کہ جس میں کوئی شخص اپنی کسی محرم عورت سے جنسی تعلق قائم کرتا ہے؟

جواب: ایسے خواب کی تعبیر دو طرح سے ہے:-ایک یہ کہ یہ شیطان کی طرف سے بندہ مومن کو اذیت پہنچانے کا طریقہ ہے جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ شیطان تم میں سے کسی ایک کے خواب میں آکر اس سے کھیلتا ہے۔ تو ایسے خواب کے بارے کہ جس میں شیطان انسان سے کھیلے، آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب یہ خواب دیکھے تو اعوذ باللہ پڑھے اور اپنے بائیں طرف ہلکا سا تین مرتبہ تھوک دے کہ شیطان بائیں طرف سے حملہ کرتا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ شیطان آپ کے خواب میں آپ کے کسی بھی رشتہ دار کی شکل میں آسکتا ہے۔ تو خواب میں جو آپ کو ماں، بہن، بیٹی نظر آرہی ہے تو وہ حقیقت میں شیطان ہے۔ اور شیطان کا اس سے مقصود مومن کو ذہنی اذیت پہنچانا ہوتا ہے تو آپ اگر یہ نکتہ ذہن میں رکھ لیں کہ وہ شیطان ہے تو آپ اس ذہنی اذیت سے محفوظ رہیں گے کہ آپ نے وہ خواب دیکھا تو دیکھا کیوں؟ اور اگر ایسا خواب آپ کو تکرار سے آتا ہو تو پھر آپ کے ساتھ آسیب یا سحر کا مسئلہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کا علاج "رقیہ شرعیہ" ہے کہ جسے شرعی دم کہتے ہیں یعنی کتاب وسنت سے علاج۔

پس ایسے خوابوں سے ایک تو ڈیپریشن میں مبتلا نہیں ہونا کہ میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ اس کا بہترین علاج آذان کا سننا ہے کہ شیطان آذان سن کر بھاگ جاتا ہے۔ آپ کے جاننے والوں میں اگر کوئی متقی امام، قاری یا مؤذن ہو تو ان سے اکیس دن تک صبح وشام اکتالیس مرتبہ اپنے کان میں آذان پڑھنے کو کہیں اور پڑھنی اس رفتار سے ہے کہ جس رفتار سے تکبیر کہتے ہیں، یا کسی اچھے مؤذن کی ریکارڈڈ آذان روزانہ ہینڈ فری کانوں میں لگا کر اسی طرح اتنی مرتبہ سن لیا کریں تو یہ خواب جاتے رہیں گے، ان شاءاللہ۔

دوسرا یہ کہ ایسے خوابوں کی وجہ عام طور تو شیطان ہی ہوتا ہے لیکن اگر شیطان نہ ہو تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ ایسا شخص اپنے اس محرم کے حقوق ادا نہیں کر رہا ہے یا اس نے اس سے اپنا دل سخت کیا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوا ہے۔ تو اس محرم کی محبت جو کہ اس کا حق تھی، آپ نے جاگتے میں ادا نہ کی تو سوتے میں لاشعور نے غالب آ کر اس محبت کو سمبالک یعنی علامتی بنا دیا۔ اب لاشعور تو چونکہ اندھا ہے لہذا اس کے اظہار کے طریقے بھی اندھے ہوتے ہیں۔ پس اس کے اندھا پن (blindness) پر نہ جائیں، وہ مسئلہ تلاش کریں کہ جس کی طرف وہ توجہ دلانا چاہ رہا ہے۔

ایک اور دوست نے یہ پوچھا تھا کہ انہوں نے خواب دیکھا کہ وہ ایک ہجوم میں ہیں کہ جہاں یہ آواز ہے کہ آگے اللہ کے رسول ﷺ سجدے میں ہیں اور لوگ ان کے پیچھے سجدہ کر رہے ہیں۔ تو یہ صاحب بھی آپ کے پیچھے سجدے کی کوشش کرتے ہیں اور وہاں پولیس بھی ہے جو اس ہجوم کو کنٹرول کر رہی ہے، کچھ اس طرح سے ہی خواب تھا۔ جواب: اس کی تعبیر یہ ہو سکتی ہے کہ یہ صاحب ریاض الجنۃ میں دو رکعت نفل نماز ادا کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

دو خوابوں کی تعبیر

میں کوئی خوابوں کی تعبیر بتلانے میں ماہر تو نہیں ہوں لیکن اس موضوع سے دلچسپی ہے لہذا کبھی کبھار کچھ دوست کسی خواب کی تعبیر پوچھ لیں تو بتلا دیتا ہوں۔ ایک دوست نے پوچھا ہے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی جماعت کی نماز میں ہوں جو کہ غالب گمان کے مطابق عصر کی نماز ہے اور جگہ عرب ہے یعنی پورے خطہ عرب میں سے کوئی مقام ہے اور اس میں امام صاحب قراءت بالجہر کر رہے ہیں۔

مجھے اس خواب کی تعبیر یوں سمجھ آتی ہے کہ جس مقام پر انہوں نے عصر کی نماز پڑھی ہے، وہاں کا حکمران ریاکار، ظالم اور بدعتی ہے۔ نماز کے امام سے مراد اس جگہ کا حاکم ہے۔ اور عصر کی نماز میں بلند آواز سے قراءت کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو کام چھپانے کا ہے تو اسے ظاہر کر رہا ہے لہذا یا تو یہ ریاکاری ہے، یا ظلم ہے کہ ظلم اسی کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو اس کے مقام سے ہٹا دینا یا بدعت ہے کہ سنت کی خلاف ورزی ہو رہی ہے۔ واللہ اعلم

دوسرا کسی دوست نے یہ خواب بیان کیا کہ انہوں نے خواب میں ایک نو مولود کو دیکھا جو کہ باتیں کر رہا ہے۔ اور ان کے ذہن میں یہ خیال ہے کہ یہ ہمارا نبی ہے اور اس نو مولود نے ان سے کوئی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث بھی بیان کی ہے جو کہ انہیں بھول گئی ہے۔

مجھے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی یہاں لغوی معنی میں ہے یعنی خبر دینے والا اور نبی اس نسبت سے کہ اس کی بات، نبی کی خبر کی طرح سچ ثابت ہو گی۔ اور ہمارا نبی ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ امت کو کوئی خبر دے رہا ہے، مستقبل کی خبر۔ اور نومولود چونکہ خوشی کا سبب ہوتا ہے تو اس کی خبر یا تو کسی آزمائش کے خاتمہ کے بارے میں ہو گی یا پھر کسی نعمت کے حصول کے بارے میں۔ تو اس نومولود نے جو حدیث سنائی ہے تو وہ امت کے مستقبل کے بارے کوئی اچھی خبر ہے جو آپ کو بھول گئی۔ واللہ اعلم

میں نے اپنے فہم کے مطابق تعبیر کر دی ہے، کسی دوسرے بھائی کو اس سے بہتر تعبیر معلوم ہو تو وہ کمنٹس میں اس کا اظہار کر سکتا ہے۔ باقی یہ بات علمی طور درست نہیں ہے کہ جس خواب کی پہلی تعبیر ہو جائے تو وہی نافذ العمل ہوتی ہے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ خواب کی اچھی تعبیر ہی کرے، چاہے برا خواب ہی کیوں نہ ہو، ورنہ خاموش رہے۔ اور خواب دیکھنے والے کو صدقہ کرنے کا کہہ دے کہ اگر اس پر کوئی آزمائش آنے والی ہے تو اس کی برکت سے ٹل جائے یا کم ہو جائے۔

خواب میں چاند کا دیکھنا

سائل کا کہنا ہے کہ اس نے خواب میں دو چاند دیکھے جو آپس میں مل گئے۔ اسی طرح دوسری مرتبہ خواب میں دیکھا کہ چار چاند ہیں، بہت روشن، کالے بادلوں میں، جو آپس میں ضم ہو گئے ہیں۔

خواب میں چاند دیکھنے کے بارے تعبیر کرنے والوں کے ہاں بہت تفصیل ہے، یہاں تک کہ امام جعفر الصادق رحمہ اللہ نے خواب میں چاند دیکھنے کے سترہ معانی یا تعبیریں بیان کی ہیں۔ پھر خواب دیکھنے والے کے احوال کے اعتبار سے بھی اس کی تعبیر مختلف کی گئی ہے کہ اگر کسی حاملہ عورت نے خواب میں چاند دیکھا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اولاد نرینہ کو جنم دے گی جو بادشاہ کی مقرب ہو گی۔

چاند کی جو تعبیر مجھے بہتر لگتی ہے، وہ یہ ہے کہ چاند سے مراد کوئی بڑا شخص ہے کہ جس سے ایک خلق خدا مستفید ہوتی ہو جیسا کہ چاند کی روشنی سے ایک دنیا فائدہ اٹھاتی ہے، چاہے یہ شخص حکمران ہو یا عالم دین ہو۔ پس چاند اگر بدر ہے یعنی چودھویں کا چاند تو اس سے مراد کوئی حکمران یا عالم دین ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اگر چاند ہلال ہے یعنی پہلی کا چاند تو اس سے مراد اولاد ہے۔ واللہ اعلم۔

چودھویں کے دو یا چار چاندوں کے آپس میں مل جانے کی یہ تعبیر ہو سکتی ہے کہ دو مسلمان حکمران یا معروف علماء یا مذہبی جماعتوں کے رہنماء، یا چار بڑے حکمران یا معروف علماء یا مذہبی جماعتوں کے رہنماء، آپس میں اس طرح اتفاق کر لیں کہ جیسے ایک ہو جائیں۔ اور ان کے خوب روشن ہونے سے مراد ان کا خیر اور نیکی ہے۔ اور کالے بادلوں سے مراد ان کا ماحول ہے جو شرک اور بدعت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔

کچھ عرصہ پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ چاند اپنے مدار سے نکل گیا ہے اور زمین پر ایک قیامت برپا ہے اور خواب میں ہی عجیب دہشت کی کیفیت دل پر طاری ہے لیکن یہ سب کچھ تھوڑی دیر کے لیے ہوا اور پھر جیسے فضا تھم گئی اور زمین سکون میں آ گئی اور چاند اپنے مدار میں واپس لوٹ گیا۔ مجھے تو اس کی تعبیر یہی سمجھ آئی کہ کوئی مسلمان حکمران یا بڑا عالم دین اللہ کی حدود سے نکل گیا کہ جس سے معاشرے میں بہت عدم توازن پیدا ہوا اور پھر واپس صحیح رستے پر آ گیا۔ واللہ اعلم بالصواب

جابر المغربی کا کہنا یہ ہے کہ اگر کسی نے خواب میں دیکھا کہ چاند اس کے پاس ہے یا اس کے ہاتھ میں ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کسی حسب نسب والی خاتون کو نکاح کا پیغام دے گا۔ اور چاند کو اپنی گود میں دیکھنے کا جو معنی حدیث میں منقول ہے، اس سے مراد کسی بڑے شخص سے نکاح ہے جیسا کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی سے پہلے یہ خواب دیکھا تھا کہ چاند ان کی گود میں اترا ہے۔

اپنی حالیہ کتاب "مکالمہ" اور اس کے بعد "مکالمات" کی اشاعت کے بعد، ان شاء اللہ، خوابوں پر ایک مستقل تصنیف مرتب کرنے کا ارادہ ہے کہ جس میں کچھ اصول ایسے ڈیفائن کر دیے جائیں کہ جن کی روشنی میں خوابوں کی تعبیر ایک باقاعدہ سائنس کی صورت اختیار کر جائے۔ مثال کے طور مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اول رات کے خواب حوادث نفس ہیں، نصف رات کے خواب شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، اور آخر رات کے خواب الہام ہوتے ہیں اور صرف انہی کی تعبیر تلاش کرنی چاہیے، باقیوں کو نظر انداز کر دے۔ اس کتاب میں بھی "لسانیات اور نفسیات" کے باب میں خوابوں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر بحث شامل کی گئی ہے کہ ان دونوں علوم سے خوابوں کا گہرا تعلق ہے کہ جس کا احساس ہر اس ریڈر کو ہو گا جو ہماری ان تحریروں میں اس تناظر میں غور کرے گا۔

میرے خواب

سوچ رہا ہوں کہ اپنے کچھ خواب بیان کر دوں کہ جس سے خوابوں کے بارے تحقیق و جستجو رکھنے والوں کو شاید کچھ فائدہ حاصل ہو جائے۔ اور یہ عام سے چھوٹے چھوٹے خواب ہیں۔ اور یہ بات اس لیے عرض کر دی کہ ہمارا مذہبی ذہن زیادہ بڑے خواب دیکھنا پسند نہیں کرتا، اپنے لیے نہیں بلکہ دوسروں کے لیے۔ شاید اس خوف سے کہ دوسروں کے بڑے خواب دیکھ لینے سے ان کی ہم پر بڑائی ثابت نہ ہو جائے۔ بہر حال میں نے تو خیر کوئی بڑے خواب دیکھے بھی نہیں ہیں لیکن میرا تجزیہ یہ ہے کہ خواب سچے بھی کیوں نہ ہوں، ان میں عموماً مبالغہ ہوتا ہے یعنی حقیقت سے زیادہ کا بیان ہوتا ہے کیونکہ تخیل ہمیشہ حقیقت سے بڑا ہوتا ہے۔ اور اس قاعدے کلیے میں صرف ایک استثناء ہے اور وہ پروردگار کا ہے کہ وہاں حقیقت، تخیل سے بہت بلند ہے۔

والد صاحب کی وفات کے بعد بہت خواہش تھی کہ انہیں خواب میں دیکھوں تو یہ سوال پوچھوں کہ آپ نے تو مرنے کے بعد کی زندگی دیکھ لی، لہذا مجھے کیا وصیت کریں گے؟ کیا کروں؟ ایک دن دوپہر کو روزے کی حالت میں سویا تھا تو خواب میں تشریف لائے اور آٹھ دس وصیتیں فرمائیں کہ جن میں سے دو یاد رہیں؛ ایک یہ کہ شب بیداری کیا کرو اور دوسرا یہ کہ رشتہ داروں کو جوڑ کر رکھو۔ ایک مرتبہ تائی جان خواب میں تشریف لائیں تو کہنے لگی کہ تمہارے لیے ایک تحفہ لائی ہوں، میں نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ کہنے لگی کہ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرو: ﴿ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴾ ترجمہ: اے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما۔ اب کبھی کبھار یہ دعا پڑھ لیتا ہوں لیکن اہتمام نہیں کر سکا کہ میں عموماً خوابوں کے بارے یقین کی بجائے شک کے رویے کا زیادہ شکار رہتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بتلائیں کہ نیکی کون سی کیا کروں؟ کہنے لگیں کہ کوئی سی بھی۔ میں نے کہا کوئی سی بھی؟ انہوں نے کہا کہ ہاں، کوئی سی بھی کر لیا کرو۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جبکہ "وجود باری تعالی" کے نام سے کتاب مرتب کر رہا تھا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک مرتبہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ خواب میں آئے اور کہا جب درس قرآن کے لیے جاؤ تو اپنے کپڑے اچھی طرح استری کر کے جایا کرو، تمہاری اچھی ڈریسنگ کا بھی تمہارے سامعین پر اچھا اثر پڑتا ہے۔ اور پھر میرے کپڑے مجھ سے لیے اور خود سے استری کر کے دیے جبکہ میں منع کرتا ہی رہ گیا۔ یہ ان دنوں کا خواب ہے جبکہ میں رمضان میں دورہ ترجمہ قرآن مجید کروا رہا تھا۔

ایک دوسری مرتبہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ خواب میں آئے اور احمد جاوید صاحب بھی پاس بیٹھے تھے۔ منظر یہ تھا کہ ہم تینوں ایک صحن میں موجود ہیں اور پاس میں ایک بیری کا درخت تھا اور سامنے حفظ قرآن والی چوکیاں پڑی ہیں جیسے کوئی حفظ کی کلاس ہو۔ ڈاکٹر اسرار صاحب نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مجھے اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا کہ جس میں تم پڑ رہے ہو اور ساتھ میں احمد جاوید صاحب کی طرف دیکھا لیکن احمد جاوید صاحب خاموش رہے۔ میں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب لیکن مجھے بہت فائدہ ہو رہا ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جبکہ میں نے احمد جاوید صاحب کی جمعہ کی مجلس میں نیا نیا جانا شروع کیا تھا۔ اور یہ خواب سحری اور فجر کی نماز کے درمیانی وقفے میں دیکھا گیا۔ اس خواب کے دو ہفتوں بعد ڈاکٹر صاحب پھر خواب میں تشریف لائے اور مجھ سے "قرآن اور جہاد" پر تقریر کروائی اور خود سنتے رہے۔ واضح رہے کہ یہ دونوں ڈاکٹر صاحب کے پسندیدہ موضوعات تھے۔

ایک مرتبہ خواب میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ سے ملاقات ہوئی، اور میری ایک تحریر جو امام مہدی رحمہ اللہ کے بارے تھی اور اس کتاب میں بھی شامل اشاعت ہے، کی خوب تعریف کی کہ کیا خوب لکھا ہے! ایک مرتبہ بابائے اردو خواب میں تشریف لائے اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ تم اردو زبان کے لیے کچھ کام کرو۔ ان دونوں خوابوں کا مجھے تو کوئی ربط اپنی زندگی سے نظر نہیں آیا کہ میں اردو زبان کی خدمت کے لیے کیا کر سکتا ہوں کہ میرا تو یہ میدان ہی نہیں ہے۔ ایک مرتبہ مولانا وحید الدین خان صاحب خواب میں تشریف لائے اور بڑی ہی محبت سے شکوہ کیا کہ میرے خلاف کتاب کیوں لکھ دی ہے؟ واضح رہے کہ میں نے مولانا کے نظریات کے بارے ایک تنقیدی کتاب لکھی ہے لیکن اس میں ان کی بعض اچھی باتوں کی تحسین بھی فرمائی ہے۔ ایک مرتبہ پیر مہر علی شاہ صاحب اپنے خاص مریدین کی جماعت کے ساتھ خواب میں تشریف لائے اور ان کے خاص

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الخاص مرید نے وحدت الوجود کے مسئلے پر مکالمہ کیا۔ ان دونوں پیر صاحب کی وحدت الوجود پر کتاب کا مطالعہ کر رہا تھا اور اس کے تنقیدی نوٹس بھی لے رہا تھا۔

ایک مرتبہ ڈاکٹر ذاکر نائیک خواب میں تشریف لائے اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ میرے چینل کے لیے ریکارڈنگ کروائیں۔ ابھی تو یاد نہیں لیکن شاید ان دنوں میں پیس (peace) ٹی۔وی میں آنے کا سوچا ہو تو یہ خواب دیکھ لیا ہو۔ واللہ اعلم۔ ایک مرتبہ خواب میں کسی نے جیسے کان میں آکر کہا کہ تم کثرت سے "درود رحیمی" پڑھا کرو۔ میں نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ﴾ [التوبة: 128] اور اگر یہ نہ پڑھ کو تو "درود رحمانی" پڑھ لیا کرو۔ تو میں نے کہا کہ وہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا کہ «اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ»۔ بہر حال ایسی تجاویز پر عموماً عمل نہیں کر پاتا کہ میرا احساس ہے کہ زیادہ تر خواب ہمارے نفس کی مختلف کیفیات ہی ہوتی ہیں کہ جنہیں لاشعور سوتے میں متشکل کر دیتا ہے۔ زیادہ تر کا لفظ استعمال کیا ہے، سب کا نہیں۔

مراقبہ، تخلیہ روح اور حقیقت کا علم

دوست کا سوال ہے کہ کیا مراقبہ (meditation) میں یہ ممکن ہے کہ میری روح میرے بدن سے جدا ہو جائے اور کسی اور دنیا کا مشاہدہ کرے جو کہ حقیقی دنیا ہے؟ جواب: حقیقت کا علم جان لینے کا واحد مستند ترین مصدر وحی الٰہی ہے۔ قرآن مجید کے بیان کے مطابق روح کا بدن سے جدا ہونا ممکن ہے، بس فرق صرف اتنا ہے کہ موت کے وقت روح کامل طور بدن سے جدا ہو جاتی ہے جبکہ نیند میں اس کی جدائی کمال درجے میں نہیں ہوتی۔ رہی مراقبے کی حالت تو اس میں اگر تو اپنے ہونے کا شعور باقی ہے تو روح جسم سے جدا نہیں ہوتی۔ اور اگر تو کیفیت نیند کے قریب ہے کہ اپنے ہونے کا شعور بھی رخصت ہو گیا ہے تو اس حالت میں بھی روح جزوی طور بدن کو چھوڑ دیتی ہے۔

تو روح کی بدن سے جدائی کی اکمل ترین صورت تو موت ہے اور دوسری دنیا یا عالم برزخ کا حقیقی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشاہدہ تو روح کو موت کے بعد ہی حاصل ہو گا جیسا کہ مرنے اور مرنے کے بعد کیا ہونے والا ہے، اس بارے آیات اور احادیث اشارہ کرتی ہیں کہ اس وقت انسان کے سارے پردے اٹھ جاتے ہیں۔ تخلیہ روح یعنی روح کے بدن سے جدائی کی دوسری بڑی صورت نیند ہے کہ قرآن مجید کے بیان کے مطابق اللہ عزوجل نیند کی حالت میں روحوں کو ہمارے بدن سے نکال لیتے ہیں۔ لیکن یہ اپنی جڑ (root) بدن میں چھوڑ جاتی ہیں کہ جس کی وجہ سے بیداری کے وقت ان کی واپسی ممکن ہوتی ہے۔

اب جہاں تک نیند میں روح کے مشاہدات کا تعلق ہے یعنی خواب تو اس بارے سنن ابن ماجہ کی روایت میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ یہ تین قسم کے مشاہدات ہیں؛ کچھ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں، کچھ انسان کے اپنے نفس کی طرف سے ہوتے ہیں اور کچھ فرشتے کی طرف سے ہوتے ہیں اور یہی آخری قسم والے سچے خواب کہلاتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ نیند کی حالت میں ہمارے روحانی مشاہدات میں ایک تہائی فی صد صحت کا امکان (probability) موجود ہوتا ہے۔

اور سچے خواب کو آپ ﷺ نے نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا تو اس اعتبار سے "حقیقت کے علم" تک رسائی میں "خواب میں روحانی مشاہدہ" کا حصہ، "کتاب وسنت" کے علم سے حقیقت تک رسائی کی نسبت سے ایک تہائی کا چھیالیسواں حصہ ہوتا ہے۔ رہا مراقبہ تو اس میں روح کو بدن سے جدا کرنے کے لیے نیند کی کیفیت کے قریب جانے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن یہ مکمل نیند کی کیفیت نہیں ہوتی لہذا یہاں شعور غالب رہتا ہے۔ پس مراقبہ میں ایک تو روح کی بدن سے جدائی، نیند کی حالت میں جدائی سے کم ہوتی ہے جبکہ مراقبہ اپنی کیفیت میں نیند کے قریب ہو۔ اور دوسرا ایسے مراقبہ میں شعور کی بیداری، نیند کی حالت میں شعور کی بیداری سے زیادہ ہوتی ہے۔

پس ایسے مراقبہ میں روح کے مشاہدے سے جو علم حاصل ہوتا ہے تو اس کی صحت خواب میں روح کے مشاہدے سے حاصل شدہ علم سے کم ہوتی ہے کہ نیند میں انسانی شعور "پیسو موڈ" (passive mode) میں ہوتا ہے جبکہ مراقبہ میں "ایکٹو موڈ" (active mode) میں، لہذا اس کی کارستانی بڑھ جاتی ہے۔ پس ایسے مراقبہ میں حقیقت کے علم تک رسائی ایک تہائی کے چھیالیسویں حصے سے بھی گر جاتی ہے۔ تو خواب، مراقبے کے کشف سے بڑا ذریعہ علم ہے۔ مغرب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں میڈی ٹیشن کروانے والے پریکٹیشنرز کا بیان تو یہ ہے کہ مراقبے میں انسانی شعور اپنی ایکٹوٹی کے ہائی لیول پر ہوتا ہے۔

حقیقت کے علم (ultimate truth) تک رسائی کی بہترین صورت یہ ہے کہ اللہ عزوجل کسی عالم دین کو وہ فہم وفراست، بصیرت اور سوجھ بوجھ دے دیں کہ جسے قرآن مجید میں "حکمت" (wisdom) کا نام دیا دیا ہے اور اس حکمت کی روشنی میں وہ کتاب وسنت کی نصوص کی گہرائیوں اور وسعتوں میں غوطہ زن ہو کر علم وحکمت کے موتی نکالنے کی اہلیت حاصل کر لے۔ یہی اس مادی دنیا میں حقیقت کے علم تک رسائی کا مستند ترین ذریعہ ہے۔

مراقبہ، خواب، سائنس اور متوازی دنیا

متوازی دنیا (parallel world) کا تصور فلسفے، سائنس اور مذہب تینوں میں ہے۔ معروف فلسفی افلاطون نے "عالم مثال" کا تصور پیش کیا تھا کہ حقیقت (ultimate truth) عالم مثال یعنی ورلڈ آف آئیڈیاز میں ہے کہ جس کا باقاعدہ وجود ہے اور اس تک رسائی حواس خمسہ کے ذریعہ ممکن نہیں ہے بلکہ عقل کے ذریعے ممکن ہے۔ یہ حقیقت تک رسائی کی عقلی اپیروچ تھی کہ جسے فلسفے کے علاوہ تصوف کی روایت کے ایک بڑے حلقے نے اپنے اندر جذب کر لیا۔

ارسطو نے جو کہ افلاطون کا شاگرد تھا، یہ کہا کہ حقیقت تک رسائی کا اصل ذریعہ عقل نہیں بلکہ حواس خمسہ ہیں لہذا حقیقت تک رسائی اسی مادی دنیا اور مادے کے واسطے سے ہو گی۔ یہ بعد میں حقیقت تک پہنچنے کی سائنسی اپیروچ کہلائی اور اب نظریاتی فزکس میں پیرالل ورلڈ تک پہنچنے کی بات ہو رہی ہے۔ اس کے برعکس آسمانی مذاہب نے ہمیشہ سے تصور پیش کیا ہے کہ حقیقت تک رسائی انسان کے بس کی بات نہیں ہے الا یہ کہ اللہ عزوجل کسی کو اس حقیقت کے علم میں سے کچھ دے دیں جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ [البقرة: 255] ترجمہ: وہ اس کے علم میں سے کچھ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے یہاں تک کہ وہ خود ان کو اس میں سے کچھ دینا چاہے۔

پس حقیقت کے علم تک رسائی کی مذہبی اپیروچ میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ حقیقت تک

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسائی کی نہیں جاتی بلکہ کروائی جاتی ہے یا ہو جاتی ہے۔ ماڈرن سائنسز کی حقیقت تک رسائی کی اپیروچ میں شعور کا کردار اہم ترین ہے لیکن آسمانی مذاہب میں حقیقت تک رسائی کی اپیروچ مختلف ہے کہ جس میں بندے کا کردار "پیسو" (passive) ہے جیسا کہ وحی، معجزہ، کرامت اور کشف وغیرہ بھی اختیار میں نہیں ہے اور نہ ہی کسی ذاتی فعل اور شعوری ایکٹوٹی کا نتیجہ ہے۔

پس ماڈرن سائنسز کا مقدمہ شعور کی "ایکٹوٹی" سے ثابت ہوتا ہے جبکہ آسمانی مذاہب کا شعور کی "پیسوٹی" (passivity) سے کہ ان کا دعوی ہی یہ ہے کہ یہ انسانی فعل کا نتیجہ نہیں ہے یا اس میں انسانی شعور کا عمل دخل نہیں ہے لہذا ایکٹوٹی مان لینے سے انسانی شعور کا عمل دخل اس میں شامل ہو جاتا ہے، پس یہ اسے نہیں مان سکتے، اگر سمجھدار ہوں تو، باقی دنیا میں وقوفوں کی کمی نہیں ہے۔

اور مراقبہ کی اصل "ارتکاز ذہنی" (concentration) ہے یعنی ذہن کو ایک نقطے پر مرکوز کرنا اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ آپ شعور کی ایکٹوٹی کو اس کے ہائیسٹ لیول پر نہ لے جائیں کہ آپ شعور کو اس کے معمول کے کام اور پریکٹس سے روکنا چاہ رہے ہیں جبکہ شعور کا معمول ہے سوچتے ہی چلے جانا، کبھی ادھر کی اور کبھی ادھر کی۔ تو جب آپ کا شعور اپنی ایکٹوٹی کے ہائیسٹ لیول پر ہے تو آپ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ کشف آپ کو ہوا ہے۔ نہیں یہ ہوا نہیں بلکہ آپ نے کشف کیا ہے کیونکہ آپ "ایکٹو موڈ" میں ہیں۔

تو مراقبہ میں آپ اپنے شعور کی دنیا ہی کی سیر کر رہے ہوتے ہیں، کسی پیرالل ورلڈ میں نہیں ہوتے، چاہے میڈی ٹیشن پر یکٹیشنر ہو یا صوفی۔ اب سوال یہ ہے کہ یہاں ان کو کچھ ایسی باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں کہ جنہیں یہ کبھی کشف سمجھتے ہیں اور کبھی وجدان، کبھی لوح محفوظ کا مطالعہ اور کبھی شیطانی الہام۔ یہ سب جو انہیں معلوم ہوتا ہے یہ در اصل انسان کے "اجتماعی لاشعور" (collective unconsciousness) کی ایک جھلک ہے جو کبھی کسی کو دکھائی دے جاتی ہے۔ انسان کا "اجتماعی لاشعور" وہ ہے کہ جس میں آدم سے لے کر آج تک کے انسانوں کا سب علم جمع ہے کہ جس کا ایک حصہ جینز (genes) کے ذریعے نسل در نسل منتقل بھی ہو رہا ہے۔

سائنسدانوں کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ہم "وارم ہول" (wormhole) میں سے گزر کر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

متوازی دنیا (parallel world) میں داخل ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو اس میدان میں اتھارٹی ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ابھی تک یہ کہنا مشکل ہے کہ انسان وارم ہول میں سفر کر سکتا ہے۔ اب معلوم نہیں وہ یہ کہنے کے قابل اگلے کتنے ہزار سالوں میں ہوں، پھر وارم ہول میں سفر کرنے کے لیے انہیں کتنے لاکھوں سال کا انتظار چاہیے۔ اور اس کے بعد اگر وہ اس متوازی دنیا میں پہنچ بھی جائیں تو کیا یہ کل حقیقت ہو گی؟ ہر گز نہیں۔ یہ متوازی دنیا کل حقیقت کا ایک بہت ہی چھوٹا سا جزء ہو گا۔

اب سوال یہ ہے کہ آپ خواب میں کسی متوازی دنیا (parallel world) میں پہنچتے ہیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب ہے کہ کبھی پہنچتے ہیں اور کبھی نہیں۔ جیسا کہ ہم حدیث بیان کر چکے کہ آپ ﷺ کے بیان کے مطابق خواب تین قسم کے ہیں؛ ایک قسم حوادث نفس کی ہے کہ دن بھر کے خیالات رات خواب کی صورت میں متشکل ہوتے رہتے ہیں تو یہ شعور ہی کی دنیا کا سفر ہے جو آپ خواب میں کر رہے ہوتے ہیں۔ اس پر یعنی وہ خواب کہ جن میں شعور کی کارستانی نمایاں ہو، فرائیڈ کا کام بہت تخلیقی نوعیت کا ہے اگرچہ اس نے کل خواب کو شعور کی سیر قرار دیا ہے جو کہ غلط ہے۔

خواب کی دوسری صورت کو اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ شیطان ہے جو انسان سے کھیلتا ہے۔ تو خواب میں بعض اوقات آپ شیطانی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔ اور جس طرح شیاطین کا وجود ہے، اسی طرح ان کی دنیا کا بھی وجود ہے۔ جن لوگوں کو جادو ٹونا، تعویذ گنڈا یا آسیب یا نظر حسد وغیرہ کا مسئلہ ہو تو وہ عموماً خواب میں شیطانی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں اور ڈر جاتے ہیں۔ یہ اصل میں ان کی روح ہے کہ جسے شیاطین ورغلا کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور پھر اسے پریشان کرتے ہیں۔ اسی کو حدیث میں کہا گیا کہ شیطان تم سے کھیلتا ہے۔ اگر کسی کو خواب میں اس قسم کا مسئلہ ہو تو اس کا علاج بھی کتاب و سنت میں بتلایا گیا ہے۔

اور خواب کی تیسری صورت سچے خواب ہیں کہ جو اللہ عزوجل کی طرف سے ہوتے ہیں۔ ہم خواب میں فوت شدگان سے ملاقات کرتے ہیں، اس ملاقات کے بارے کہا جا سکتا ہے کہ یہ عالم برزخ میں ہوتی ہے اور آپ کی روح ان سے ملاقات کرتی ہے۔ خواب میں آپ کو مستقبل کے بارے کوئی خبر دی جاتی ہے اور وہ خواب ویسے ہی سچا ثابت ہو جاتا ہے تو اس خواب کا مصدر فرشتہ ہوتا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ خواب میں جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو حدیث کے مطابق اس نے رسول اللہ ﷺ کو ہی دیکھا اگر تو خواب بہت واضح ہو۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ خواب دیکھنے والا رسول اللہ ﷺ کو بھی وہ عالم برزخ میں دیکھتا ہے۔ پس نیند میں ہماری روح ہمارے بدن کو چھوڑ دیتی ہے لیکن مکمل طور نہیں بلکہ جزوی طور۔ اس لیے نیند کی حقیقت بھی کل حقیقت نہیں ہے بلکہ اس میں شعور کی آمیزش شامل ہوتی ہے۔ کل حقیقت موت کے بعد معلوم ہو گی۔

رہی مراقبے کی بات تو اس میں انسان جو کچھ دیکھتا ہے وہ کل کی کل اس کے شعور ہی کی کارستانی ہے کہ مراقبے میں انسانی شعور کی ایکٹوٹی ہائیسٹ لیول پر ہوتی ہے اور نیند میں لوئیسٹ لیول پر۔ البتہ وہ مراقبہ کہ جس میں انسان نیند کی کیفیت کے قریب پہنچ جائے تو اس کے مشاہدات کے بارے کہا جا سکتا ہے کہ وہ نیند کے حکم میں ہیں یعنی تین طور پر ہو سکتے ہیں؛ کبھی شیطان کی طرف سے، کبھی اپنے شعور کی کارستانی اور کبھی اللہ عزوجل کی طرف سے۔ اور وہ مراقبہ کہ جس میں اپنے ہونے کا شعور غالب رہے تو اس کے مکاشفات کوئی کشف وشف نہیں ہے، نہ ہی وہ کسی پیرالل ورلڈ میں داخل ہوتا ہے، یہ صرف اس کے دماغ پر نفسی یا شیطانی اثرات ہیں جو اس انسان کی امیجی نیشن میں اس قدر ہل چل مچا دیتے ہیں کہ اسے اس کے ہونے کا گمان ہونے لگتا ہے۔ اگر صاحب ایمان ہو تو تخیل پر عام طور نفسی اثرات غالب ہوتے ہیں اور اگر کافر ہو تو شیطانی اثرات۔

مراقبہ اور میڈی ٹیشن ایک ذہنی ریاضت یعنی ایکسر سائز ہے لہذا وہ انسان کی ذہنی صلاحیت بڑھا دیتے ہیں جیسا کہ نشئی آدمی کے ذہن کی ورکنگ نشے کی وجہ سے بڑھ جاتی ہے۔ تو مراقبے اور ذہنی ریاضت سے جب شعور کی فیکلٹی زیادہ ایکٹو ہو گئی تو اب اس شعور کا اینالسس بھی زیادہ بہتر ہو گیا۔ تو اس کے شعور کا اینالسس جو کہ وہ حاصل شدہ ڈیٹا کو بنیاد بنا کر مستقبل کے بارے میں کرتا ہے، مراقبے اور میڈی ٹیشن سے بڑھ جاتا ہے۔ اس کو یعنی مستقبل کی کوئی خبر مراقبے یا میڈی ٹیشن میں پا لینے کو وہ کشف کہہ دیتے ہیں حالانکہ یہ کشف نہیں ہے کیونکہ کشف کسبی (earned) نہیں ہوتا۔ یہ ان کا مراقبے کے ذریعے مستقبل کی خبر پا لینا بھی ایک کسبی عمل ہے اور شعوری بھی ہے۔ آپ اگر غور کریں کہ نشئی آدمی کو کشف کیوں زیادہ ہوتا ہے تو اس کی وجہ ریاضت یا تقوی نہیں ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بلکہ وجہ یہ ہے کہ اس کی ذہنی صلاحیت حد درجہ بڑھ جاتی ہے۔اور نشئی کو کشف زیادہ ہوتا ہے،اس کے واقعات آپ کو تصوف کی کتب میں بکثرت مل جائیں گے۔اس لیے یہ جسے کشف کہتے ہیں، وہ گناہ گار اور نیکوکار، مسلمان اور غیر مسلم دونوں کو ہوتا ہے کیونکہ وہ روحانیت نہیں بلکہ شعور کی ایکٹوٹی ہے۔روحانیت کے لیے ضروری ہے کہ انسان مکمل طور "پیسیو موڈ" میں ہو جیسا کہ نبی ہوتا ہے۔

عاشقوں کی جنت

دوست کا کہنا ہے کہ اگر کسی لڑکے کو دوسرے لڑکے سے شدید محبت ہو جائے تو اس کا کیا علاج ہے؟جواب: ایک چیز اگر نارمل ہے تو اسے ابنارمیلٹی نہیں سمجھنا چاہیے۔اور ایسا صرف لڑکوں میں نہیں بلکہ لڑکیوں میں بھی ہو جاتا ہے۔اور یہ عموماً ہاسٹل لائف میں زیادہ ہوتا ہے کہ ایک روم میٹ کو دوسرے روم میٹ سے شدید محبت محسوس ہوتی ہے لیکن ہاسٹل لائف اس کی وجہ نہیں ہے کہ یہ بعض اوقات کلاس فیلوز میں بھی ہو جاتا ہے اور یہ عام ہے۔

مجھے ہمیشہ ایسے مسائل کو حل کرنے سے دلچسپی رہتی ہے کہ جنہیں لوگ مشکل سمجھ کر چھوڑ دیتے ہوں۔معلوم نہیں میرا مزاج ہی ایسا ہے۔اور میں یہ بھی کوشش کرتا ہوں کہ کسی مسئلے کو ایک سوشل سائنٹسٹ اور سائیکالوجسٹ کے رویے سے حل کروں نہ کہ مفتی اور مولانا کے مزاج پر۔میں رہنمائی تو مذہب ہی سے لیتا ہوں اور مذہب کا گہرا مطالعہ بھی کرتا ہوں اور تمام مسائل کا بہترین حل مذہب ہی کو سمجھتا ہوں لیکن مذہبی لوگوں کے سخت ایٹی چیوڈ کی وجہ سے لوگ اب ان سے مسئلہ پوچھتے بھی گھبراتے ہیں لیکن وہی لوگ سوشل سائنٹسٹ اور سائیکالوجسٹ کے سامنے اپنی پوری زندگی کھول کر رکھ دیتے ہیں۔

مجھے یہ ماننے میں عار نہیں ہے کہ ہم مذہبی لوگوں کے رویوں کی وجہ سے ہم میں اور معاشرے میں بہت گیپ پیدا ہو چکا ہے۔لوگ آج بھی علماء پر اعتماد کرتے ہیں،انہی سے مسئلے کا حل چاہتے ہیں لیکن وہ ان سے خوف اور ڈر محسوس کرتے ہیں۔مجھ سے جب بہت سے لوگ سوال کرنے سے پہلے پوچھتے ہیں کہ آپ ڈانٹیں گے تو نہیں یا ناراض تو نہیں ہوں گے تو میں شرمندہ ہو جاتا ہے کہ معلوم نہیں عام لوگوں کے ذہنوں میں علماء کا کیا تصور موجود ہے۔اور اسے پیدا کرنے میں کچھ علماء کا بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کردار ہے۔ پس میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر علماء کو اپنے معاشروں کو اسلام پر لانا ہے تو ہمیں اپنے رویے سوشل سائنٹسٹ اور سائیکالوجسٹ جیسے بنانے ہوں گے۔

مجھے تھوڑے بہت غور سے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ انسانی شعور کی مختلف فیکلٹیز ہیں، جن میں ایک جمالیاتی (Aesthetics) شعور ہے۔ جب انسان بالغ ہو رہا ہوتا ہے تو اس وقت اس کے شعور کی بہت سی فیکلٹیز اپنی ورکنگ کا آغاز کر رہی ہوتی ہے اور اس آغاز میں وہ بہت کچھ غلطیاں کرتی ہیں اور سیکھتی بھی رہتی ہیں کہ جن میں سے ایک جمالیاتی شعور بھی ہے۔ جمالیاتی شعور کا ایک مقصد حسن کی تلاش، تعین اور اسے چاہنا بھی ہے تو چودہ سے پچیس سال کی عمر میں انسان عام طور حسن کے ایک ناقص، نامکمل بلکہ نابالغ تصور کی وجہ سے کسی ہم جنس دوست کی شدید محبت محسوس کرنا شروع کر دیتا ہے، بے چین کر دینے والی محبت، لیکن یہ عارضی ہوتی ہے، کبھی ہمیشہ نہیں رہتی بلکہ جیسے جیسے انسان کا تصور حسن بالغ ہوتا جاتا ہے، یہ ختم ہوتی جاتی ہے۔

اب اگر کوئی شخص اس میں پھنس گیا ہو تو اس کے نکلنے کے دو رستے ہیں۔ ایک تو امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "روضة المحبين" میں پیش کیا ہے کہ جس کا اردو ترجمہ عاشقوں کی جنت کے نام سے موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی جلد از جلد شادی ہو جائے اور شادی سے یہ مسئلہ سو فی صد حل ہو جاتا ہے لیکن ننانوے فی صد کا، کہ ایک فی صد پھر ایسے ہو سکتے ہیں کہ جن کا جمالیاتی شعور کسی ذہنی الجھن (mental disorder) کی وجہ سے بالغ نہ ہو پائے۔ اور اگر شادی ممکن نہ ہو تو اسکا بہترین علاج دوری ہے، دوری سے مراد ہجرت ہے، وہ شہر چھوڑ دیں، ہمیشہ کے لیے نہیں، صرف تین ماہ، اور یہ بھی میں زیادہ بتلا رہا ہوں، چالیس دن میں ایسا محبوب دل سے اتر جاتا ہے۔

خاندانی الجھاؤ (Oedipus Complex): فرائیڈ کی خدمت میں

کارل مارکس نے انسان کی تمام خواہشات اور جبلتوں کی بنیاد اس کی بھوک کی جبلت کو بنایا ہے کہ انسان سب کچھ اپنے پیٹ کی خواہش مٹانے کی خاطر کرتا ہے۔ ایڈلر نے کہا کہ انسان کی تمام خواہشات اور جبلتوں کی جڑ دوسروں پر فوقیت اور بڑائی حاصل کرنے کا جذبہ ہے اور یہی ہر انسان کی زندگی کا مقصد ہے۔ فرائیڈ نے کہا کہ انسان کی تمام جبلتوں اور خواہشات کی اصل اس کی جنس کا جذبہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور انسان کے ہر عمل کا سبب اور محرک یہی جذبہ ہوتا ہے۔

ہر فلسفی کی یہ خواہش رہی ہے کہ وہ انسان کی کسی ایسی خواہش اور جبلت کو تلاش کر لے کہ جس کے گرد انسان کی تمام جبلتیں اور خواہشات گھومتی ہوں۔ اور اس طرح وہ کوئی ایسا فلسفہ مرتب کر دے کہ جس کے مطابق انسان کے تمام اعمال اور افعال کا محرک اور سبب صرف اور صرف وہی جبلت اور خواہش قرار پائے۔ انسان کی تمام خواہشوں میں اصل خواہش اور جبلت کون سی ہے، اس پر ہم پھر کبھی گفتگو کریں گے کہ آج ہمیں اس بارے فرائیڈ کی حرکتوں پر کچھ گفتگو کرنی ہے۔

بلاشبہ فرائیڈ ایک ذہین انسان تھا، نسلی طور جرمن یہودی تھا لیکن بعد میں الحاد کی طرف مائل ہو گیا۔ اس نے کہا کہ انسان اس دنیا میں جو کچھ کر رہا ہے، اپنے جنسی جذبے کو پورا کرنے کے لیے کر رہا ہے یہاں تک کہ ماں بیٹی کی نسبت اپنے بیٹے سے جو زیادہ محبت رکھتی ہے اور باپ اپنے بیٹوں کی نسبت اپنی بیٹی کی طرف جو زیادہ میلان رکھتا ہے، تو اس کی وجہ بھی جنسی محبت ہے۔

فرائیڈ اس میں تو درست ہے کہ خاندانی الجھاؤ ہوتا ہے لیکن اس کی وجہ مخالف جنس کی خواہش (Oedipus complex) قرار دیتے ہوئے قطعی طور غلط تجزیہ کرتا ہے۔ خاندان میں ماں کا جھکاؤ عام طور بیٹے کی طرف اس لیے زیادہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاوند کو اپنا حریف سمجھنے کے سبب سے اس کے مقابلے میں گھر ہی سے اپنے لیے ایک سہارا تلاش کرتی ہے اور یہ سہارا اسے بیٹے کی صورت میں میسر آتا ہے لہذا ماں کی توجہ بیٹوں کی طرف زیادہ ہو جاتی ہے۔

اب بیٹی جب والدہ کے بیٹوں کی طرف زیادہ میلان کو واضح طور محسوس کرتی ہے تو اسے ماں کا یہ رویہ خلافِ عدل معلوم ہوتا ہے اور اس کے اور ماں کے مابین تعلقات میں ایک کھچاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کھچاؤ کے نتیجے میں بیٹی کا رجحان منطقی طور باپ کی طرف ہو جاتا ہے۔ اس طرح خاندان تقسیم ہو جاتا ہے اور باپ اپنے بیٹوں اور ان کی ماں کو ایک ایسی پارٹی سمجھنا شروع کر دیتا ہے جو خاندان میں اس کی حیثیت اور اختیار کو چیلنج کر رہی ہو۔ یہ سادہ سی کہانی ہے کہ جس کا محرک فرائیڈ نے دھکے سے جنسی جذبہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ اس طرح تو ایڈلر کے اصول کے مطابق یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حیوانی جنسی رویوں کی توجیہ یہ ہے کہ مرد، عورت پر غلبہ چاہتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلڈرن سائیکالوجی

بہت ضروری ہو گیا ہے کہ مستقبل کی ماؤں کو چلڈرن سائیکالوجی کا مضمون پڑھایا جائے تاکہ وہ بچوں کی تربیت اور ان کی شخصیت اور کردار کی تعمیر (personality development) میں کوئی اہم کردار ادا کر سکیں۔ ایک یونیورسٹی گریجویٹ کا مقدر ماں بننا ہے لیکن اس جدید نظام تعلیم کی برکت سے مستقبل کی وہ ماں جس چیز سے سب سے زیادہ محروم ہے، وہ ماں بننے کی صلاحیت ہے۔ اس پورے نظام تعلیم میں بچیوں کو اگر کسی چیز کی تعلیم نہیں دی جاتی تو وہ ماں بننے کی بنیادی تعلیم اور تربیت ہے۔

اس دو منٹ کی ملحق ویڈیو کو دیکھیں گے تو پھر ان الفاظ کی اہمیت ثابت ہو گی کہ ایک ماں اے-بی-سی صحیح طرح سے یاد نہ ہو سکنے پر بچی پر کس طرح نہ صرف برس رہی ہے بلکہ اس ڈانٹ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے بچی کے غیر معمولی رد عمل کو جانچنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہے۔ یونیورسٹی لیول پر بچیوں کو جن مضامین میں سے لازمی طور گزارنا چاہیے تو ان میں عورتوں کی سائیکالوجی، عورتوں کی صحت کے مسائل، چلڈرن سائیکالوجی، چلڈرن ایجوکیشن، فرسٹ ایڈ اور گھریلو ٹوٹکے، ہوم مینیجمنٹ، ہوم اکنامکس اور امور خانہ داری وغیرہ شامل ہیں۔ مطالعہ پاکستان لازمی یا انگریزی لازمی پڑھ کر ان کو کتنے نفلوں کا ثواب ملے گا؟

ہمارے تعلیمی مقاصد نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جس تعلیم پر لاکھوں روپے خرچ کر دیے جاتے ہیں، راتیں جاگ کر گزاری جاتی ہیں، اس کا ہماری عملی اور حقیقی زندگی سے دور پرے کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے بہت ضروری ہے کہ میٹرک سے لے کر گریجویشن لیول تک کے تمام لازمی مضامین اور نصابِ تعلیم کو ریوائز کیا جائے۔ کمپیوٹر سائنس میں سافٹ ویئر انجینئرنگ یا انگریزی میں ماسٹرز کر لینے سے یہ تو سمجھ نہیں آئے گی کہ بچوں کی تربیت کیسے کرنی ہے؟

چلیں، پیمپر باندھنا تو پھر وقت کے ساتھ آ جائے گا کہ دو چار مرتبہ بچے کا پیشاب نکلے گا، بستر گندا ہو گا، تو سمجھ آ ہی جائے گی کہ کیسے باندھنا ہے۔ لیکن حمل سے لے کر ڈیلیوری تک کے مسائل اور پھر بچوں کی نگہداشت سے لے کر ان کی تعلیم و تربیت تک کے کتنے مراحل ایسے ہیں جو آج ہماری

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچیوں کے لیے تیار کیے گئے تعلیمی نصاب یا نظام تعلیم کا حصہ ہیں حالانکہ اس بیچاری نے ملازمت کرنی ہو یا نہ کرنی ہو لیکن یہ کام اسے ضرور کرنے ہیں۔

بھئی، بہت ضروری ہو گیا ہے کہ تعلیم کے نام پر اس بھیڑ چال سے نکلا جائے اور ایسی تعلیم کو حاصل کرنے کی طرف توجہ دی جائے کہ جس کا ہماری عملی زندگی سے کوئی تعلق ہو۔ ایک منٹ کی ویڈیو ہے، یہ ضرور دیکھ لیجیے گا کہ اگر اس مسئلے کی طرف توجہ نہیں دیں گے تو اپنی آئندہ آنے والی نسلوں کو تباہ کر دیں گے۔ ایبنارمل بچوں کی تعداد معاشرے میں بہت بڑھ جائے گی۔ ماں، بچے کی پہلی استاذ ہے اور اس استاذ کو آپ نے ٹریننگ، ویڈیو بنانے کی تو دے دی ہے لیکن بچہ سنبھالنے کی نہیں دی۔

اینگری برڈ

سائیکالوجسٹ انسانی رویوں کو عموماً پانچ صورتوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلا رویہ انفعالی (passive) ہے۔ جو لوگ اس رویے کے حامل ہوں تو وہ اپنے آپ کو حالات پر چھوڑ دیتے ہیں کہ حالات جدھر انہیں لے جائیں، وہ چل پڑیں گے۔ ان میں مزاحمت (resistance) کا مادہ بہت کم ہوتا ہے جبکہ قبولیت کا مادہ زیادہ ہے۔ یہ عموماً دوسروں پر اثر ڈالنے کی بجائے، ان سے اثر قبول کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جسے زیادہ تر "ناں" کرنا مشکل لگتا ہے، وہ اس مزاج کا حامل ہوتا ہے۔ ان کی نشانی یہ بھی ہے کہ لوگ ان کے ساتھ عموماً زیادتی کر جاتے ہیں۔

دوسرا رویہ جارحانہ (aggressive) ہے۔ یہ لوگ دوسروں کا اثر کم لیتے ہیں جبکہ ان پر اپنا اثر زیادہ ڈالتے ہیں۔ یہ ماحول اور حالات کے ساتھ نہیں ڈھلتے بلکہ ماحول اور حالات کو اپنے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ یہ ہر وقت سننے سے زیادہ سنانے کے موڈ میں ہوتے ہیں۔ ایسے رویے کے حاملین معاشرے میں لیڈر بن کر زندگی گزارنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگوں کو اپنے پیچھے دیکھنا چاہتے ہیں نہ کہ خود کسی کے پیچھے لگتے ہیں۔ یہ لوگوں سے عموماً زیادتی کر جاتے ہیں۔

تیسرا رویہ انفعالی اور جارحانہ (passive-aggressive) ہے۔ یہ وہ رویہ ہے کہ جسے ہم اپنی زبان میں "پل میں تولہ، پل میں ماشہ" کہہ سکتے ہیں۔ یہ بہت خطرناک رویہ ہے۔ مثلاً اس رویے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حامل سے اگر آپ کا اختلاف ہو جائے، اور آپ ناراضگی کا اظہار کریں تو فوراً معذرت کر لے گا یعنی پیسو ہو جائے گا لیکن جیسے ہی آپ نے معذرت قبول کی، وہ آپ پر چڑھائی کر دے گا یعنی ایگریسو ہو جائے گا۔ یہ پہلے لمحے میں آپ سے معافی مانگے گا اور دوسرے لمحے میں آپ کا ناصح بن جائے گا۔

چوتھا رویہ تبدیل ہونے والا (alternating) کہلاتا ہے۔ اس رویے کے حامل کبھی پیسو ہوتے ہیں تو کبھی ایگریسو۔ لیکن یہ پل بھر میں نہیں ہوتے جیسا کہ اوپر والے کیس میں ہے۔ یہ لوگ دراصل اپنی اصلاح کرتے رہتے ہیں کہ یا تو اصل میں پیسو ہیں تو اس کے نقصانات سے بچنے کے لیے ایگریسو بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یا پھر ایگریسو ہیں تو اس کے وبال سے دور رہنے کے لیے پیسو بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ لہذا اسی کوشش میں کبھی ان کا رویہ پیسو ہوتا ہے اور کبھی ایگریسو ہوتا ہے۔ یہ دراصل اپنے رویوں کی اصلاح کر رہے ہوتے ہیں۔

پانچواں رویہ اظہاریہ اور جزمیہ (assertive) ہے۔ اس رویے کا حصول سب سے مشکل ہے۔ اس رویے کے حاملین دوسروں کے سامنے اپنی شخصیت اور پسند ناپسند کا اظہار کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگ ان سے اس کے مطابق چلیں یعنی بی ہیو (behave) کریں۔ یہ لوگ جب یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ہمارے ساتھ اس طرح بی ہیو (behave) کریں تو خود بھی اس کا لحاظ کرتے ہیں کہ ہمیں دوسروں کے ساتھ ویسے ہی بی ہیو (behave) کرنا ہے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں۔

اور چھٹا رویہ، جو کہ سراسر اس ناچیز کی دریافت ہے، اینگری برڈ کا رویہ ہے۔ اس رویے کے حاملین چھوٹی بات پر بڑا ردعمل ظاہر کرتے ہیں۔ اگر کوئی ان کا انڈہ چرا لے تو یوں سمجھتے ہیں کہ جیسے کوئی ان کا بچہ اٹھا لے گیا ہو۔ کچھ غصہ ان کا فطری ہوتا ہے جو کہ کسی کی زیادتی کے سبب ہوتا ہے لیکن کچھ غصہ یہ مصنوعی طور پیدا کرتے ہیں۔ یہ ردعمل میں خود کش حملہ آور بن جاتے ہیں کہ چاہے ان کا اپنا نقصان زیادہ ہونا یقینی بھی ہو، پھر بھی بدلہ لینے سے باز نہیں آتے۔ بس کچھ بھی بن جائیں، اینگری برڈ نہ بنیں، اس میں آپ کا نقصان زیادہ ہے۔ کسی صاحب تحریر نے اگر آپ کے ساتھ کچھ زیادتی کی ہے تو اس کی وال پر خود کش حملہ نہ کریں، ورنہ بلاک ہو جائیں گے۔

اگر آپ روڈ پر گاڑی چلا رہے ہیں تو کسی نے آپ کو پیچھے سے ہارن پر ہارن دیا کہ جس سے آپ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنگ ہوئے تو اب اگر آپ اسے دس کلو میٹر تک اپنے پیچھے گھسیٹے چلے جائیں اور اسے رستہ نہ دیں تو یہ اینگری برڈ کا رویہ ہے۔ اینگری برڈ کا رویہ ضروری نہیں کہ مستقل رویہ ہو بلکہ مذکورہ بالا پانچ رویوں کے حاملین بھی کبھی کبھار اینگری برڈ بن جاتے ہیں لہذا یہ ایک عارضی رویہ بھی ہو سکتا ہے۔ بنیادی طور یہ رد عمل کا رویہ ہے اور رد عمل کی نفسیات میں انسان عموماً غیر متوازن ہوتا ہے۔ اگر استاذ نے اپنے طالب علم کو کچھ ڈانٹ پلا دی ہو تو اس کے رد عمل میں طالب علم اپنے استاذ کی شان میں پورا قصیدہ ہی لکھ مارے تو یہ اینگری برڈ کا رویہ ہے۔

پیسو رویے کے حاملین اگر روڈ پر ہوں گے تو کسی ناکے اور ٹول پلازے وغیرہ پر لگی لائن میں پیچھے رہ جائیں گے۔ اور ایگریسو رویے والے لائن میں دوسروں کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کریں گے۔ پس پہلوں سے زیادتی ہوتی ہے اور دوسرے والے زیادتی کرتے ہیں۔ پیسو رویے والا سیکھتا بہت زیادہ ہے جبکہ ایگریسو رویے والے ہر وقت سکھانے کی پوزیشن میں ہوتا ہے لہذا اس کی لرننگ بہت کم ہوتی ہے۔ اور پیسو ایگریسو رویے والا پہلے آپ کی گاڑی کو آگے بڑھ جانے کا اشارہ دے گا اور اچانک خود سے اپنی گاڑی آگے بڑھا لے گا۔ اور آلٹرنگ رویے والا گاڑیوں کی لائن میں کبھی دوسروں کو آگے بڑھ جانے دے گا اور کبھی خود آگے بڑھ جائے گا۔ اور ازرٹیو رویے والا رولز کو فالو کرے گا اور دوسروں سے بھی یہی امید لگائے گا۔ اور اینگری برڈ سے اگر آپ نے آگے بڑھنے کی کوشش کی تو دس میل تک آپ کو رستہ نہ دے گا۔

مرغیاں

ایک دفعہ ملحدوں کے ایک پیج پر جانا ہوا تو احساس ہوا کہ یہ میرے بارے یہ خیال رکھتے ہیں کہ جیسے ان کی مرغیاں چرا کر لے جاؤں گا۔ دیکھنے میں آیا کہ جب بھی کوئی نیا ملحد کسی بحث میں کنارے لگنے لگتا ہے تو پرانے ملحد اس کے ارد گرد جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں اس ڈر سے کہ کہیں میں ان کی مرغی بھگا نہ لے جاؤں۔

خوف کا یہ احساس ہر طبقے، جماعت اور مسلک کے لوگوں میں موجود ہوتا ہے کہ کوئی ان کے دڑبے کی مرغی اپنے دڑبے میں نہ لے جائے۔ جہاں چور اچکوں سے اپنی مرغیوں کی حفاظت بہت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضروری ہے وہاں اپنی مرغیوں کے بارے زیادہ غیرت کھانا بھی مناسب نہیں ہے کہ تھی تو ہماری تو فلاں کی وال پر کیوں چلی گئی؟

مرغیوں کے بارے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اگر تو آپ روایت پسند ہیں تو میں ہرگز آپ کی مرغی نہیں چرانے والا۔ اور اگر وہ غلطی سی میری وال پر آگئی اور آپ کو اندیشہ ہوا کہ یہ واپس آپ کے گھر نہیں جائے گی تو آپ مجھے ایک میسج کریے گا، میں اسے آپ کی وال پر باعزت طریقے سے پہنچا دوں گا۔

اور البتہ اگر آپ روایت پسند نہیں ہیں تو پھر آپ کی مرغی میری مرغی۔ پوری کوشش کروں گا کہ آپ کی وال سے بھاگے اور میری وال میں پناہ لے۔ اور پھر اسے خوب کھلا پلا کر موٹا تازہ کر کے آپ کی وال پر مرغا بنا کر واپس بھیجوں گا کہ تہجد اور اشراق کے وقت بھی باقاعدگی سے آپ کی وال پر بانگیں دے گا۔

میرے فیس بکی دڑبے میں ابھی پانچ سو مرغیوں کی گنجائش ہے، اور آپ اپنی مرغی مجھے ہبہ کرنا چاہیں تو میں آپ کا ممنون رہوں گا۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب نہم

معاشرت اور معیشت

اس باب میں معاشرت اور معیشت (Sociology and Economics) کے بارے
بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محبت اور دعا

جس نے بھی کہا درست کہا ہے کہ جس کے لیے تم تنہائی میں دعا کرتے ہو، تمہیں اس سے محبت ہے، چاہے والدین ہوں، اولاد ہو، بہن بھائی ہوں، اساتذہ ہوں یا دوست ہوں۔ اور جتنے جذب سے کرتے ہو، اتنی ہی شدید ہے۔ اور اگر نہ بھی ہو تو اس عمل سے ضرور پیدا ہو جائے گی۔

قطع تعلقی اور ناراضگی

قطع تعلقی میں عجلت سے کام نہ لو، چاہے اس کے اسباب کچھ بھی ہوں، کہ توڑنے کے بعد احساس ہو گا کہ تعلق کتنا گہرا اور سچا تھا۔ رہی ناراضگی تو اس سے مت ڈرو کہ وہ سچے تعلق کو مزید مضبوط کر دیتی ہے، چاہے وہ اولاد اور والدین کا ہو، میاں بیوی کا ہو، استاذ شاگرد کا ہو یا دوست کا دوست سے ہو۔

فیس بک کا استعمال

فیس بک کا استعمال ایک فتنہ ہے اور اسے چھوڑ دینا دوسرا۔ اب تو اللہ ہی بچائے تو بچائے، انسان کے بس کی بات نہیں۔ لائکس اور شیئرز کی خواہش فتنہ ہی نہیں اخلاقی گراوٹ بھی ہے، فتنہ اور آزمائش تو نوٹیفکیشن دیکھنے کی عادت ہے۔ اور فیس بک چھوڑ دینے کا خیال شیطان کا وسوسہ ہے، لیکن اس صورت میں جبکہ آپ دین کے داعی اور مبلغ ہوں۔

فیس بک ایڈکشن

اچھا ہے، اس خبیث کو فیس بک کی ایڈکشن ہے، اگر یہ نہ ہوتی تو کسی اور ایڈکشن میں مبتلا ہوتا، ایڈکشن تو اس کا مقدر ہے۔

کرکٹ اور مووی

مولوی صاحب! اسے کرکٹ دیکھنے سے روکنا حکمت کے منافی ہے۔ اگر جوان کرکٹ نہیں دیکھے گا تو اور بہت کچھ دیکھے گا۔ اس کی کرکٹ چھڑوا دینا آسان ہے لیکن اسے مسجد میں لانا بہت مشکل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وقت کا ضیاع

وقت کا ضیاع ایک ایسا گناہ ہے جو آپ کے دل سے ایمان کا نور کھینچ لیتا ہے اور آپ کو اکتاہٹ، بیزاری اور بے سکونی کی زندگی کی طرف دھکیل دیتا ہے۔ بھئی، بلا مقصد براؤزنگ وقت ضائع کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ بن چکا ہے۔

اکتاہٹ اور تھکاوٹ

خدا سے دوری زندگی سے ہی اکتاہٹ پیدا کر دیتی ہے اور دنیا کا پیچھا انسان کو تھکا دیتا ہے۔ جدید انسان کے یہی دو المیے ہیں؛ یا تو وہ اپنی زندگی سے اکتایا ہوا ہے یا بہت زیادہ تھکا ہوا۔ اور اس پر مزید المیہ یہ ہے کہ وہ اپنی اکتاہٹ کا علاج خدا سے مزید دوری اور تھکاوٹ کا علاج دنیا کا مزید پیچھا کر کے کرنا چاہ رہا ہے۔ اور غور کرنا کبھی کبھی یہ سب کچھ دین کے نام پر بھی ہو رہا ہوتا ہے۔

مشقت کی زندگی

مشقت کی زندگی انسان کی تقدیر ہے جبکہ انسان کی کل دھوپ دوڑ کا مقصد یہ ہے کہ کسی طرح اس کی مشقت ختم ہو جائے اور اسے مستقل راحت اور آرام مل جائے کہ جس کی جگہ یہ دنیا نہیں بلکہ جنت ہے۔ ایک کام ختم کر لو گے تو دوسرا تمہارے انتظار میں ہے یہاں تک کہ تم ختم ہو جاؤ۔ ارشاد باری تعالی ہے کہ اے انسان! تم نے مشقت پر مشقت جھیل کر زندگی گزارتے ہوئے اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے۔ پس عقل مندی یہ ہے کہ اگر مشقت اور آزمائش ہی تقدیر ٹھہری تو یہ مشقت اور آزمائش دین کی خاطر اٹھالی جائے۔

گندگی کا ڈھیر

ہماری اور ہمارے سماج کی مثال گندگی کے ایک ڈھیر کی سی ہے، ہم میں سے ہر کسی نے اپنے حصے کا اچھا گند چن لیا ہے، کہیں مذہبی جماعتوں کے نام پر اور کہیں سیاسی پارٹیوں کی صورت میں۔

حجاب اور زینت

مرد کی زینت داڑھی میں ہے اور عورت کی حجاب میں۔ اور حجاب نہ صرف محبوب کے جمال کو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بڑھا دیتا ہے بلکہ عاشق کی طلب کو بھی۔ شاید اللہ کے حجاب میں رہنے کی یہی حکمت ہے۔ کاش کوئی بے حجاب عورتوں کو بھی یہ سمجھا دے۔

ٹائٹس کا فتنہ

عورتوں کے ٹائٹس (tights) پہننے سے جو بے حیائی پھیلی ہے، وہ ان کی برہنگی (nudity) سے بھی نہیں پھیلی تھی۔ مرد کو ٹائٹس پہنی عورت میں، برہنہ عورت سے بڑھ کر جنسی کشش محسوس ہوتی ہے، اس پر بہت جلد ماہرین نفسیات کا اتفاق ہو جائے گا۔

ماں اور بیٹی

ماں اپنی بیٹی سے کیوں خار کھاتی ہے، ہمارے ادیبوں نے اس پر بہت تھیوریز لڑائی ہیں، مجھے ان سے اتفاق نہیں ہے۔ اور مجھے جو سمجھ آیا، میں نے اپنی اس کتاب میں بیان کر دیا ہے۔ ماں بیٹی کی یہ خار عموماً اس گھرانے میں پیدا ہوتی ہے جہاں بیٹی ایک ہو اور بیٹے زیادہ ہوں۔

باپ اور اولاد

ادیبوں نے معروف کر رکھا ہے کہ ماں کی محبت اولاد سے زیادہ ہوتی ہے لیکن میرا مشاہدہ یہ ہے کہ کبھی ماں کی زیادہ ہوتی ہے اور کبھی باپ کی، یہ حالات ہیں جو اس کا تعین کرتے ہیں۔ کبھی بچہ رات بھر بیمار رہتا ہے، ماں کی آنکھ لگ جاتی ہے، لیکن باپ کی نہیں، چاہنے اور حالات کے باوجود بھی نہیں۔

بیوی اور شوہر

ہمارے ناول نگاروں اور شاعروں نے محبوبہ کی محبت کو بہت آئیڈیلائز بھی کیا ہے اور فلوسوفائز بھی لیکن بیوی کی محبت کو نہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ انہیں اس کا تجربہ نہیں ہوا، لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ یہ اس محبت کے راز جان نہ سکے۔ طلاق یا عارضی علیحدگی کے بعد کی ذہنی اور قلبی اذیت بتلا رہی ہے کہ محبت بہت شدید تھی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیوی کی دینداری

جو اپنے آپ کو اپنی بیوی سے زیادہ دیندار سمجھتا ہو، وہ عموماً نیک ہونے کے وہم میں مبتلا رہتا ہے۔ اور جو مذہبی آدمی اپنی بیوی کو اپنے سے نیک سمجھتا ہو، اس میں تم عاجزی ہی پاؤ گے۔

جذبات کی زبان

عورت کے کمیونیکیشن ٹولز میں سے اہم ترین "جذبات" ہیں۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ وہ پل بھر میں کیا سے کیا ہو جاتی ہے اور آپ حیران ہی رہ جاتے ہیں کہ لمحوں میں ہو کیا گیا ہے؟! اگر اپنی بیوی سے اچھے طریقے سے چلنا ہے تو عورت کی کمیونیکیشن کے طریقے کو سمجھنا ہو گا۔ پس لفظ، لاجک، ریزن، نصیحت، مکالمہ وغیرہ کو ایک طرف رکھو اور جذبات کو ہینڈل اور ڈیل کرنا سیکھو تو یہ تمہیں ہمیشہ تمہاری ہی بیوی لگے گی۔ تو بیوی سے جب اختلاف ہو، اسے سمجھانے کی بے وقوفی نہ کرنا۔ اسٹیون ہاکنگ تک نے لکھا ہے کہ میں کائنات کے رازوں سے اتنا ہی ناواقف ہوں جتنا کہ ہم میں سے کوئی اپنی بیوی کے اگلے اور فوری ردعمل سے۔ لیکن اس کی وجہ سے بیوی کو طعن نہیں کرنا چاہیے کہ یہ اس کی تخلیق ہے اور وہ اپنی اس تخلیق میں مجبور ہے کہ اس کے رب نے اسے اور اس کے ذریعے بہت سوں کو اسی رستے سے آزمانا تھا۔

تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے کون سے لفظ سے اس کا اچھا بھلا موڈ خراب ہو جائے لیکن کچھ الفاظ ہیں کہ جن سے تم اس کا موڈ ایک منٹ میں ٹھیک کر سکتے ہیں، ان الفاظ کو سیکھو۔ ان کا تعلق لاجک، ریزن اور نصیحت سے نہیں، بلکہ اس کے جذبات سے ہے۔ اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ "غلطی میری تھی۔"

میاں بیوی کا تعلق

دوست نے کہا کہ میاں بیوی کے مابین اختلاف یا لڑائی کہاں نہیں ہے لیکن کہیں یہ تعلق زندگی بھر قائم رہتا ہے اور کہیں مہینوں بلکہ دنوں میں ختم ہو جاتا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: میاں بیوی کے تعلق کو ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو وہ دھکے کا تعلق ہے۔ یہ دھکے سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چلتا ہے، یہ دھکا شوہر لگا لے یا بیوی۔ آپ کو سوسائٹی میں ایسے خاندان بھی مل جائیں گے کہ شادی کے شروع میں وہ لڑائی ہوئی کہ بیوی کے جہیز کا سامان ٹرک بھر کر واپس میکے پہنچ گیا لیکن آج نہ صرف ان میاں بیوی کی اولاد ہے بلکہ ان کے پوتے پوتیاں اور نواسے نواسیاں بھی ہیں۔

میاں بیوی کے تعلق میں یہ خواہش کرنا کہ اختلاف اور لڑائی نہ ہو، تو یہ بالکل غلط خواہش ہے۔ صحت مند زندگی کے لیے جتنا اختلاف ضروری ہے، اتنا ہی لڑائی بھی لیکن یہ دونوں چیزیں اس وقت آپ کے لیے عذاب بن جاتی ہیں جبکہ آپ کو لڑائی کرنا تو خوب آتی ہے لیکن صلح کا تجربہ نہیں ہے۔ قرآن مجید نے تو ازواج مطہرات تک کو طلاق کی دھمکی دی۔ یہ رشتہ ہی ایسا ہے کہ کاؤنسلنگ کرنے والے بے چارے خود بعض اوقات کاؤنسلنگ کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ تو اگر آپ اختلاف اور لڑائی نہیں کرتے تو آپ ذہنی طور بیمار ہیں لیکن اگر زندگی کو آپ نے متوازن بنانا ہے تو پھر کچھ چیزیں مزید سیکھیں۔ میاں بیوی کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کو منانا اور ماننا سیکھیں۔

اگر شوہر کو منانا آتا ہو اور بیوی جلد مان جانے والی نہ ہو تو لڑائی آزمائش میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اگر شوہر نے منانا سیکھ لیا ہے تو بیوی کو ماننا سیکھنا پڑے گا یا اس کے برعکس سمجھ لیں۔ میاں بیوی کا آئیڈیل تعلق وہ ہے کہ جس میں محبت موجود ہو کہ قرآن مجید نے کہا کہ اللہ عزوجل نے اس رشتے میں محبت اور الفت ڈال دی ہے۔ اب یہ محبت ہر جگہ موجود ہوتی ہے لیکن میاں بیوی دونوں اس کے اظہار سے ڈرتے ہیں کہ دوسرا سر چڑھ جائے گا۔

میاں بیوی کا رشتہ ایسا ہے کہ اگر کچھ عرصہ ایک ساتھ گزار لیں تو ان کے لیے ایک دوسرے سے علیحدہ رہنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن اس مشکل کو وہ محبت کا نام دینا تو کجا اسے محبت سمجھنے سے بھی کتراتے ہیں۔ اور اس کی وجوہات کئی ایک ہیں؛ کچھ معاشرتی ہیں اور کچھ نفسیاتی ہیں۔ پس جب تک اختلاف اور لڑائی میں دونوں ایک دوسرے کی طرف دل سے کھچاؤ (attraction) محسوس کرتے رہیں تو یہ محبت کی حالت میں ہیں، چاہے اس کا اظہار نہ بھی کریں۔

لڑائی اور اختلاف میں ہلکی سی گرہ لگ جاتی ہے، بس تھوڑی سی توجہ، یا حوصلے، یا صبر، یا انانیت کو ترک کر دینے سے وہ گرہ کھل جاتی ہے اور بڑی سے بڑی لڑائی بھی یوں محسوس ہوتی ہے کہ جیسے کچھ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھا ہی نہیں۔ بس اس گرہ کو کھولنا سیکھیں، اور یہ سیکھنا تبھی آئے گا جبکہ انانیت کم ہو جائے۔ اور انانیت کو کم کرنے کا ایک نسخہ یہ ہے کہ اگر شوہر بیوی کو دیکھے کہ آج گھر کے کام کاج سے کافی تھک گئی ہے تو اس کے پاؤں دبا دے اور بیوی اگر شوہر کو دیکھے کہ باہر سے کافی تھکا ہارا آیا ہے تو اس کے پاؤں دبا دے۔ کچھ ہی عرصے میں انانیت جاتی رہے گی اور منانا، ماننا بھی سیکھ جائیں گے۔ اللہ جلد مان جانے والے پر رحم فرمائے اور منانے والے پر تو دوگنا رحم فرمائے کہ اس کی قربانی زیادہ ہے اور اسی کی وجہ سے گھر کا ادارہ قائم ہے۔

میاں بیوی کی کاؤنسلنگ

خاندان کسی بھی معاشرے کی بنیادی اکائی (basic unit) ہوتا ہے، اگر یہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جائے تو معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح ایک عمارت اینٹوں سے مل کر بنتی ہے تو معاشرہ، خاندانوں سے مل کر بنتا ہے اور خاندان، میاں بیوی سے بنتا ہے۔ لہذا میاں بیوی کا رشتہ کسی بھی معاشرے کی اصلاح اور بگاڑ میں بنیادی خشت کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ شیطان کا سب سے پسندیدہ گناہ میاں بیوی میں لڑائی کروانا اور جدائی ڈلوانا ہے۔

ہر باشعور شخص اس بات کو شدت سے محسوس کر رہا ہے کہ طلاق، خلع اور علیحدگی کی شرح شادی اور نکاح سے بہت بڑھ گئی ہے۔ ایک سال کے عرصے میں اتنے خاندان آپس میں جڑتے نہیں ہیں جتنے ٹوٹ جاتے ہیں۔ بہر حال اس توڑ پھوڑ کے اسباب اور وجوہات ہوں گی کہ کوئی بھی کام کسی سبب اور وجہ کے بغیر نہیں ہوتا لیکن یہ کہ اس مسئلے کا حل کیا ہے کہ خاندان کو توڑ پھوڑ سے کیسے بچایا جائے؟ تو اس کا بہترین حل میاں بیوی کی کاؤنسلنگ ہے۔

کاؤنسلنگ یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں اپنا مسئلہ کسی تیسرے آدمی کے سامنے رکھیں کہ جس پر ان کو اعتماد ہو اور وہ تیسرا شخص پوری دیانتداری کے ساتھ ان کے اختلافات میں دونوں کو نصیحت کرے کیونکہ شکایت دونوں طرف سے ہوتی ہے اور عموماً کوتاہی بھی دونوں طرف سے ہی ہوتی ہے لہذا نصیحت بھی دونوں ہی کو ہونی چاہیے۔ البتہ کسی کسی کیس میں کوتاہی کسی ایک ہی کی جانب سے بھی ہو سکتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میاں بیوی کے جھگڑے عموماً چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہوتے ہیں لیکن ذرہ سی انا پر طول پکڑ جاتے ہیں اور ذرہ سے جھک جانے پر ختم ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں شوہر کو زیادہ سمجھانا چاہیے کہ وہ گھر کا بڑا ہے لہذا سمجھداری کی توقع بھی اسی سے ہی ہے کہ عموماً عورتوں کا مسئلہ بس صرف تھوڑی سی توجہ کا ہوتا ہے، جب انہیں وہ توجہ مل جائے، تو ان کا جھگڑا بھی ختم ہو جاتا ہے۔ اور شوہر اپنی انا اور ضد کی وجہ سے وہ تھوڑی سی توجہ دینے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

یہ بھی درست ہے کہ میاں بیوی کے بعض مسائل واقعتاً بڑے بھی ہوتے ہیں جیسا کہ شوہر کو بیوی یا بیوی کو شوہر کے کردار پر شک ہے۔ قرآن اکیڈمی، ریسرچ سینٹر میں آٹھ سالہ ملازمت کے دوران بہت سے جوڑوں کی کاؤنسلنگ کا موقع ملا بلکہ اب بھی گاہے بگاہے جاری رہتی ہے تو اس حوالے سے ایک سوالنامہ ترتیب دیا جو پوسٹ کے ساتھ ملحق امیج کی صورت ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

کافی عرصے سے یہ خواہش تھی کہ سائیکو اینالسس کی تھیوری کی روشنی میں کچھ علماء اور سائیکالوجسٹ مل کر کوئی ایسا فورم تشکیل دیں کہ جہاں مذہب اور سائیکالوجی کی روشنی میں میاں بیوی کی کاؤنسلنگ کی جاتی ہو۔ بہر حال وہ تو فی الحال ایک خواب ہی ہے لیکن جو علماء، سائیکالوجی سے دلچسپی رکھتے ہوں اور میاں بیوی میں صلح کروانے کی خواہش بھی ہو تو ملحق سوالنامہ کی رہنمائی میں کچھ نہ کچھ حصہ اس کار خیر میں ڈال سکتے ہیں۔ کاؤنسلنگ سے ضروری نہیں ہے کہ میاں بیوی کا مسئلہ حل ہو جائے لیکن انہیں کم از کم اتنا پتا ضرور چل جائے گا کہ ان کے مسئلے کا حل کیا ہے؟

بیوی پر بلاوجہ کی ٹینشن نہ نکالیں

یہ آپ کی اپنی بیوی ہے، اس پر بلاوجہ کی ٹینشن نہ نکالیں۔ آپ اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاشرے کا ہر فرد افراتفری کے عالم میں زندگی گزار رہا ہے۔ ہر شخص عجلت میں ہے، اگر کوئی دعوت ولیمہ پر جا رہا ہے تو گاڑی ایسے ڈرائیو کر رہا ہوتا ہے جیسے کسی کے جنازے پر پہنچنا ہو۔ یہ معاشرہ جلد بازوں اور عجلت پسندوں کا معاشرہ بن چکا ہے۔ اور جہاں عجلت اور جلد بازی ہوتی ہے، وہاں ٹینشن بڑھ جاتی ہے۔

ہماری معاشرتی زندگی کا دوسرا برا پہلو کاموں کا دباؤ ہے۔ ایک جان اور لاکھوں کام۔ معاشرت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے جدید اسٹائل نے ہمارے کاموں کو بہت بڑھا دیا ہے۔ خاص طور شہروں میں تو لوگوں کے پاس سوچنے کا بھی وقت نہیں ہے۔ گھر سے چھوٹا سا کام کرنے نکلتے ہیں تو ٹریفک کے ہجوم کی وجہ سے گھنٹوں لگ جاتے ہیں۔ بے برکتی اتنی ہے کہ کوئی کام وقت پر نہیں ہو پاتا اور ہر کام میں سے دو کام نکل آتے ہیں۔ اور جب کام ہاتھ میں نہیں آ پا رہے ہوتے تو ٹینشن بڑھتی ہے۔ یہ میاں بیوی دونوں کے ساتھ ہوتا ہے، خاص طور جبکہ بیوی ملازمت کرتی ہو۔

مردوں کی ٹینشن بڑھنے کی اور بھی وجوہات ہوتی ہیں، لیکن فہرست لمبی ہو جائے گی۔ کام کی بات یہ ہے کہ ٹینشن بڑھنے سے انسان کی برداشت کم ہو جاتی ہے اور اسے جلدی غصہ آنے لگتا ہے کہ جسے ہم کہتے ہیں کہ وہ "شارٹ ٹمپرڈ" (short tempered) ہو گیا ہے۔ اور جب انسان کو غصہ جلدی آنے لگے تو وہ نکلتا بھی جلدی ہے۔ اور جب غصہ جلدی نکلتا ہے تو ظاہری بات ہے کہ غلط ہی نکلتا ہے، وہ صحیح جگہ نہیں نکلتا۔ اور غصہ اگر غلط جگہ کیا گیا ہے تو اس کا حساب تو دینا ہو گا۔

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ کاموں کے دباؤ یا تاخیر کی وجہ سے انسان ٹینشن کی کیفیت میں ہوتا ہے اور لاشعوری طور پر یہ ٹینشن اپنے بیوی بچوں پر نکالتا رہتا ہے۔ اور ظاہری بات ہے کہ ٹینشن، ٹینشن ہی پیدا کرتی ہے۔ بیوی بھی اس سے ٹینس ہو جاتی ہے۔ اور اگر بیوی شریف النفس ہو تو دبی رہتی ہے اور سن لیتی ہے لیکن اس کے اندرونی نفسیاتی مسائل بڑھ جاتے ہیں۔ اور اگر دبنگ ہو تو جواب میں وہ بھی ٹینشن نکالتی ہے اور بعض اوقات تو سیر کو سوا سیر کا جواب مل جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ ایسا وقت بھی آ جاتا ہے کہ ایسے میاں بیوی عوامی مقامات (public places) پر آپ کو ایک دوسرے پر چیختے چلاتے اور شاؤٹ کرتے بھی مل جائیں گے۔

کبھی کبھی تو دل کرتا ہے کہ میاں بیوی کی کاؤنسلنگ کا کوئی ادارہ ہی کھول لوں۔ نفسیات تو ساری اب سائکیاٹری (Psychiatry) بن چکی ہے کہ ڈاکٹر کے پاس آسان علاج ہے کہ نیند اور سکون کی دوائیاں دے کر جان چھڑوالو اور میاں بیوی کو ڈرگ ایڈکشن میں مبتلا کر دو۔ بھئی، نیند اور سکون سے ان کا مسئلہ تو حل نہیں ہونا۔ میاں بیوی کو پہلے ان کا مسئلہ بتاؤ، معاشرت پر غور کرو، دماغ لڑاؤ، پھر ذہن کے کام کرنے کے اسالیب پر غور کرو، پھر ان کی کاؤنسلنگ کرو تو مسئلہ حل ہو گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جدید معاشرتی لائف اسٹائل، کام کے دباؤ کی وجہ ہے۔ کام کا دباؤ یا کوئی کام وقت پر نہ ہو سکنا، غصے کی وجہ ہے۔ غصہ کرنا، لڑائی کی وجہ ہے۔ اور لڑائی، دماغی مسائل کی وجہ ہے۔ سکون آور گولیاں کھانے کی بجائے اپنے لائف اسٹائل اور کاموں کی فہرست کو ریوائز کرو۔ شوہر اپنے کام کم کر لے اور بیوی اپنے کام کم کر لے۔ شوہر، بیوی کو وقت دے اور بیوی، شوہر کو وقت دے۔ اور دونوں اسمارٹ فون اور لیپ ٹاپ کا وقت بچوں کو دیں۔ ہم بھی کتنے سادہ ہیں کہ دن بھر کی تھکاوٹ کے بعد ریلیکس ہونے کے لیے واٹس ایپ اور فیس بک پر بیٹھتے ہیں اور اپنے آپ کو مزید تھکا لیتے ہیں کہ یہ بھی ایک ذہنی کام ہی ہے۔

بیوی کے ساتھ زبردستی کرنا

بیوی کے ساتھ زبردستی تعلق قائم کرنے کے (marital rap) بارے سوالات بہت تیزی سے بڑھتے چلے جا رہے ہیں، میاں بیوی دونوں کی طرف سے۔ اس مسئلے پر غور کرنے کے لیے فی الحال تین بڑے پہلو ہیں؛ مذہبی، نفسیاتی اور قانونی۔ مذہبی اعتبار سے بیوی اس بات کی پابند ہے کہ جب اس کا شوہر اسے اپنے بستر پر بلائے تو وہ انکار نہ کرے اور اگر وہ انکار کرے تو اس پر ساری رات فرشتوں کی لعنت رہتی ہے۔ صحیح بات تو یہ ہے کہ یہ بات عورت کو سمجھ نہیں آ سکتی کیونکہ وہ مرد نہیں ہے اور مرد کی سائیکالوجی کو نہیں سمجھ سکتی، البتہ فرائیڈ اگر یہ بات کرتا تو اس پر ہزاروں نہ سہی تو سینکڑوں کتابیں ضرور لکھی جا چکی ہوتیں۔

پس اگر بیوی اپنے شوہر کو انکار کر دے تو شوہر اپنی بیوی سے زبردستی کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس بارے فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ بیوی کا یہ انکار کرنا "نشوز" یعنی سرکشی ہے اور نشوز کے بارے قرآن مجید نے یہ ہدایت دی ہے کہ پہلے اپنی بیوی کو وعظ کرے، اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو بستر علیحدہ کر لے، اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو اس پر سختی کرے۔ اگر تو اس کے باوجود بیوی انکار پر اصرار کرے تو وہ نان نفقے کی مستحق نہیں رہتی۔ یہاں یہ فرق ملحوظ رہے کہ فقہاء کے نزدیک اس انکار سے مراد بیوی کا بلاوجہ انکار کرنا ہے۔ اور اگر انکار کی کوئی وجہ ہے جیسا کہ بیوی بیمار ہے تو اس کا یہ حکم نہیں۔

اس مسئلے کا دوسرا پہلو نفسیاتی ہے کہ عورت کی نفسیات یہ ہے کہ اس کے لیے یہ برداشت کرنا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مشکل ہے کہ اس کے ساتھ زبردستی کا کوئی تعلق قائم کیا جائے۔ وہ یہ چاہتی ہے کہ جب وہ خود اپنے آپ کو مرد کے سپرد کرنے کے لیے دلی طور تیار ہو جائے تو اس وقت اس سے ایسا تعلق قائم کیا جائے، ورنہ تو اس کے لیے شدید ذہنی اور نفسیاتی مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، ان میں سے ایک اس فعل سے ہی نفرت کرنا یا خود خاوند سے نفرت کرنا بھی شامل ہے۔ اکثر بیویوں کے اپنے خاوندوں سے بھاگنے کی وجہ یہی ہے کہ ان سے ان کی رضامندی کے بغیر تعلق قائم کر لیا جاتا ہے جو ان کے ذہنی مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔

میرے خیال میں اعلیٰ اخلاق یہی ہیں کہ اگر خاوند کے ہاتھ لگانے پر بیوی اس کے ہاتھ کو جھڑک دے تو اس کو ہاتھ لگانے کا خیال بھی دل سے نکال دے۔ اور یہی رویہ اللہ کے رسول ﷺ کے حوالے سے ہمیں ملتا ہے کہ جب آپ کے ہاتھ لگانے پر آپ کی ایک منکوحہ نے غلط فہمی میں اعوذ باللہ پڑھ دی تو طبیعت کی نفاست کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اتنی بات پر اس سے علیحدگی اختیار کر لی کہ شاید اسے میرا ہاتھ لگانا پسند نہیں آیا لہٰذا اس لیے اس نے اعوذ باللہ پڑھی ہے جبکہ اس منکوحہ کو کسی اور زوجہ محترمہ نے یہ کہا تھا اور جان بوجھ کر کہا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے مزاج کو جانتی تھیں اور پسند نہیں کرتی تھیں کہ آپ کی زوجیت میں کسی اور خاتون کا اضافہ ہو۔

ہمارے ہاں عموماً جو شادیاں ہوتی ہیں تو لڑکے اور لڑکی میں پہلے سے کوئی مانوسیت اور الفت نہیں ہوتی لہٰذا ایسی صورت میں پہلے دن ہی ایسا تعلق قائم کرنا عموماً لڑکی کے لیے ایک ذہنی اذیت کا سبب بن جاتا ہے اور اس فعل سے نفرت ساری زندگی کے لیے اس کے لاشعور کا حصہ بن جاتی ہے۔ آپ کی بیوی اگر پہلے دن آپ کو ہاتھ لگانے سے روکتی ہے تو میرے خیال میں یہ فطری چیز ہے، اسے وقت لینے دیں۔ دو تین دن میں بات چیت سے مانوسیت پیدا کریں اور پھر کوئی ایسا تعلق قائم کریں ورنہ آپ اسے ذہنی مریض بھی بنا سکتے ہیں، خاص طور اس تعلق کے حوالے سے۔ نکاح کے دو بول سے اگرچہ حقیقت تو تبدیل ہو گئی ہے کہ وہ آپ کی منکوحہ بن گئی ہے لیکن ایک پردہ دار خاتون کے لیے اسے ذہناً قبول کرنے میں کچھ وقت لگتا ہے کہ کوئی اس کے پورے جسم کا مالک بن چکا ہے، اور وہ بھی چند لمحوں میں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس مسئلے کا تیسرا پہلو قانونی ہے تو بعض ممالک میں بیوی کے ساتھ زبردستی کو ایک جرم سمجھا جاتا ہے کہ جس کی سزا بھی ہے جیسا کہ امریکہ، برطانیہ، روس، جاپان اور ترکی وغیرہ میں یہ ایک جرم ہے کہ شوہر یا بیوی میں سے کوئی بھی اپنے پارٹنر کے ساتھ زبردستی تعلق قائم کرے اور اکثر یورپین ممالک میں یہ ایک جرم ہی ہے۔ جبکہ دوسری طرف اکثر مسلم اور مشرقی ممالک مثلاً انڈونیشیا، ملائیشیا، سعودی عرب، ایران، چین، انڈیا وغیرہ میں یہ جرم تصور نہیں ہوتا اور یہی بات درست ہے۔

ٹھیک ہے کہ بیوی لونڈی نہیں ہے، بیوی اور لونڈی میں یہی فرق ہوتا ہے کہ بیوی سے زبردستی نہیں کی جاتی لیکن ایسی صورت میں بیوی اگر اتنی ہی تنگ ہے تو اس کے پاس خلع کا آپشن تو موجود ہے۔ اب یہ کیا بات ہوئی کہ اس نے رہنا بھی اسی شوہر کے ساتھ ہے، اور شوہر سے نان نفقہ بھی پورا لینا ہے اور اس کے حق کی بات آئے تو اب بیوی کہے کہ میرے نفسیاتی مسائل ہیں، ذہنی ہم آہنگی کے بغیر میں اپنا آپ اس کے حوالے کیسے کر سکتی ہوں؟ تو بی بی پھر ایسے شوہر سے علیحدگی لے لو یا پھر کم از کم اس سے نان نفقے کا مطالبہ ہی بند کر دو کہ اسے تو اس پر لگا یا ہوا ہے کہ وہ تمہارے مسائل سمجھے لیکن یہ کہ تم اس کے مسائل کو کنسڈر کرو تو یہ بات تمہیں سمجھ نہیں آتی۔ اور اس کے اصرار پر وہ تمہیں "جنسی حیوان" لگنے لگتا ہے لیکن وہ تو نان نفقے کے مطالبے پر تمہیں "معاشی حیوان" نہیں کہہ رہا۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ مزاج کی نفاست اور اعلیٰ اخلاق کا تقاضا یہی ہے کہ شوہر اس معاملے میں بیوی کے ساتھ زبردستی نہ کرے بلکہ افہام و تفہیم سے اس مسئلے کو حل کرے، اور اگر اس سے مسئلہ حل نہ ہو تو اگر زیادہ تنگ ہے تو بیوی کا نان نفقہ بند کر دے۔ لیکن اگر شوہر ایسا کر لے تو یہ کوئی گناہ یا جرم نہیں ہے کہ جس کے لیے شوہر پر کوئی اخروی یا دنیاوی سزا لاگو ہو اور ایسی صورت میں اگر بیوی کے لیے نفسیاتی مسائل پیدا ہوں تو اس کے لیے خلع کا رستہ کھلا ہے۔ اگر ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے اور شوہر سے واقعی میں کچھ فائدہ بھی حاصل نہیں ہو رہا تو پھر بہتر یہی ہے کہ شوہر کو صبر کی تلقین کرنے کی بجائے اس سے علیحدگی اختیار کر لی جائے۔ واللہ اعلم بالصواب

بیوی اور جنسی تشدد

بی۔بی۔سی کی رپورٹ کے مطابق ایک انڈین وزیر نے یہ بیان دیا کہ اگر بیوی اپنے شوہر کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خواہش پوری کرنے سے انکار کر دے تو اسے قانون کی نظر میں بیوی کی طرف سے شوہر پر "جنسی تشدد" قرار دیا جائے۔ بہر حال ویمن رائٹس والوں نے شور مچا کر اس بات کو دبوا دیا۔

بات یہی ہے کہ اگر آپ یوں قانون سازی کرنا شروع کر دیں گے کہ شوہر اپنی بیوی سے زبردستی کرے تو یہ "ریپ" ہو گا تو اس کے نتیجے میں ایسی قانون سازی بھی عقلی اور منطقی ہی کہلائے گی کہ اگر بیوی اپنے شوہر کو انکار کرے تو اسے "جنسی تشدد" قرار دیا جائے۔ مرد اور عورت کے حقوق کی خاطر اس طرح کی قانونی لڑائیوں کا کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہے۔

اور یہ بات درست ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات جب خراب ہوتے ہیں تو اکثر عورتیں اپنے شوہر کی جنسی خواہش کی کمزوری کو ایکسپلائٹ کرتی ہیں اور اسے اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کرنے کے لیے اسے ایک ٹول کے طور استعمال کرتی ہیں۔ اور مرد اس بات کو خوب محسوس کرتے ہیں کہ اس سے ان کی سیکچوئل فرسٹریشن میں اضافہ ہوتا ہے۔

اب یہاں مرد اگر دنیادار ہو تو ضد میں اپنی خواہش باہر سے پوری کر لیتا ہے لیکن بیوی کے سامنے جھکتا نہیں ہے۔ بعد میں جب وہ خواہش باہر سے پوری کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو بیوی درس قرآن کی کلاسز لینا شروع کر دیتی ہے اور مظلوم بن کر یہ فتوے پوچھتی پھرتی ہے کہ ایسے شوہر کے ساتھ رہنا جائز ہے کہ نہیں کہ جس کے غیر محرم عورتوں سے ناجائز تعلقات ہوں۔

اور شوہر اگر دیندار ہو تو طلاق کی طرف نکل جاتا ہے۔ اسی لیے ہمارے دین میں بیوی کے اپنے شوہر کو اس مسئلے میں انکار کو اتنا بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے کہ ساری رات فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔ عورتوں کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ دین کا یہ حکم ان کی بھلائی میں ہے، سو فی صد بھلائی ہے۔ وہ اس پر عمل نہ کر کے تو دیکھیں، یا گھر ٹوٹ جائے گا یا شوہر آوارہ ہو جائے گا، تیسری کوئی آپشن نہیں ہے۔

میاں بیوی میں اورل سیکس

کچھ دوست میاں بیوی میں اورل سیکس کے بارے سوال کرتے ہیں کہ کیا یہ جائز ہے؟ جواب: اورل سیکس مشرقی عورت کے لیے تو ایک ذہنی اذیت ہے ہی کہ بچوں کو پالنے کے ساتھ گھر بار کو سنبھالنا، خاوند کے خاندان کو سنبھالنا یا ملازمت کرنے وغیرہ جیسی ذمہ داریوں کے ساتھ ستر فی صد کو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو سیکس میں ہی ذرہ برابر دلچسپی محسوس نہیں ہوتی چہ جائیکہ انہیں اورل سیکس میں رغبت ہو لہذا ان کی اکثریت کے لیے یہ ایک ذہنی عذاب ہی ہے۔

جہاں تک شوہروں کی بات ہے تو ان کا یہ مسئلہ ہے بلکہ بڑا مسئلہ ہے کہ وہ یہ سب کچھ اپنی بیوی سے چاہتے ہیں جو طوائفوں سے کیا جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سے انٹرنیٹ آیا ہے تو یہ بیماری بڑھ گئی ہے۔ اکثر شادی شدہ نوجوان بلکہ جن کی بیٹیاں بھی جوان ہیں، وہ بھی لیپ ٹاپ، کمپیوٹر وغیرہ پر بیٹھ کر فحش ویب سائیٹس وزٹ کرتے ہیں اور اپنی سیکس کی خواہش کی تسکین کے لیے اپنے ذہن میں ایک آئیڈیل بنا لیتے ہیں کہ ہمیں بھی اپنی بیوی سے ایسے لذت حاصل کرنی ہے۔

یہ بات پورے دعوے سے کی جاسکتی ہے کہ سو میں سے نوے شوہر کہ جنہیں اورل سیکس کا خیال آتا ہے، انہوں نے فحش ویب سائیٹ وزٹ کر رکھی ہوتی ہیں۔ تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اورل سیکس کا خیال بھی فطری نہیں ہے بلکہ کسی سبب سے ہے اور وہ سبب فحش ویڈیوز ہیں۔ آپ سبب ختم کر دیں، آپ کو اس کا خیال آنا بند ہو جائے گا۔ یہ انسان کی فطرت میں ہے ہی نہیں۔ مرد میں اورل سیکس کی خواہش اس وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ سیکس اس کے ذہن میں گھس جائے۔ اگر کسی نے ذہن میں بٹھا ہی لیا ہے کہ اسے اپنے پالتو کتے سے مزہ آتا ہے تو اسے آتا ہی ہے لیکن یہ صرف ذہنی تسکین ہے نہ کہ جسمانی۔ اس لیے اصل لذت اور مزہ تو وہاں ہی ہے جہاں قرآن مجید نے حکم دیا ہے یا جو انسانی فطرت میں شامل ہے، اور رہی غیر فطری مقامات سے لذت حاصل کرنے کی بات تو یہ ذہن میں حاصل ہوتی ہے کہ یہ پیدا بھی وہیں ہوئی تھی۔

اور سیکس جب ذہن میں گھس جائے تو پھر اس خواہش کی تسکین ممکن نہیں ہے۔ یہ بے چارہ ہر وقت پریشان رہے گا اور اس کی توجیہ یہ کرے گا کہ میرے اندر اللہ نے عام انسانوں سے زیادہ جنسی خواہش رکھی ہے، بے وقوف نہ ہو تو۔ بس سیکس ایک ضرورت ہے، اسے ضرورت سمجھیں اور قرآن مجید نے تو اس کے بیان کے وقت کہا کہ اولاد کے حصول کی نیت سے بیوی کے پاس جاؤ، یعنی ایک تو اس کو بامقصد بنا دیا کہ تمہاری جنسی خواہش کی تکمیل بھی اللہ کے گرینڈ پلان کا حصہ بن جائے اور دوسرا یہ کہ اولاد کی نیت سے بیوی کے پاس جاؤ گے تو یہ ضرورت تو رہے گا لیکن ذہن پر سوار نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو گا۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ﴾ [البقرة: 223] ترجمہ: تمہاری بیویاں تمہارے لیے کھیتی ہیں۔ پس تم اپنی کھیتی کے پاس آؤ جیسے تم چاہو اور اپنے آگے کے لیے کچھ کرتے رہو۔ لیکن اس بات کے بیان کا یہ مقصد نہیں ہے کہ اولاد کے حصول کی نیت کے علاوہ نفس کی تسکین کے مقصد سے بیوی کے پاس جانے سے منع کیا گیا ہے۔ ہم نے صرف اتنی بات کی ہے کہ بیوی کے پاس جانے کے جو مقاصد ہیں، ان میں سے اعلی ترین مقصد اولاد کا حصول ہے جبکہ نفس کی تسکین ایک ادنی مقصد ہے۔ اور نفس کی تسکین بھی اس جذبے کے ساتھ ہو کہ نفس خوش ہو گا تو اللہ کا شکر اچھی طرح سے ادا کرے گا۔

شرعی مسئلے کے طور مجھے یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اورل سیکس سے اجتناب کرنا چاہیے کہ قرآن مجید نے عورتوں کو کھیتی سے تشبیہ دی ہے اور کہا ہے کہ تم کھیتی میں آؤ۔ اور کھیتی وہ مقام ہے جہاں بیج بویا جا سکے اور فصل حاصل ہوتی ہو اور یہ عورت میں مادر رحم کا مقام ہے کہ جہاں سے انسان کو اولاد حاصل ہوتی ہے۔ انسان کا نطفہ ایک طرح سے بیج ہے تو اس سے حاصل ہونے والی اولاد فصل ہے۔ جب زندگی بے مقصد ہو، ذہن خالی ہو تو سیکس برائے سیکس کا خیال آئے گا لیکن اگر زندگی بامقصد ہے تو انسان سیکس کو ایک ضرورت سے زیادہ کی حیثیت نہیں دے سکتا، یہ طے ہے۔

اگر قانونی بات کریں تو مذی سب فقہاء کے نزدیک نجس ہے اور مذی سے مراد وہ سفید رنگ کا مادہ ہے کہ جس کا شرم گاہ سے اخراج شہوت کے وقت منی سے پہلے ہوتا ہے۔ مذی کے اخراج پر غسل فرض نہیں ہے بلکہ صرف وضو ہے جبکہ منی کے اخراج پر غسل فرض ہو جاتا ہے۔ اور مذی اور منی میں فرق یہ ہے کہ منی اچھل کر باہر نکلتی ہے اور اس کے اخراج سے انسان کی خواہش پوری ہو جاتی ہے اور وہ سکون میں آجاتا ہے۔ لیکن مذی نہ تو جھٹکے سے خارج ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے اخراج سے خواہش پوری ہوتی ہے۔ تو اورل سیکس کی صورت میں مذی کی نجاست سے منہ کا ملوث ہونا لازمی امر ہے اور اہل ایمان کو ہر قسم کی نجاست سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ اہل ایمان کے بارے تو یہ کہا گیا ہے کہ وہ جو کہ پاک صاف رہنے میں مبالغہ کرنے والے ہوتے ہیں، اللہ عزوجل ان سے محبت رکھتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب ہو سکتا ہے کہ کچھ شرمیلے مولوی دوست یہ کہیں کہ حافظ صاحب کیا موضوع لے بیٹھے ہیں؟ بھئی، مجھے تو یہ پتہ ہے کہ اگر ابا جان اپنے بیٹے کو جو کہ بالغ ہونے کے قریب ہے، نہیں بتلائیں گے کہ بلوغت کیا ہوتی ہے، کیسے ہوتی ہے، اور اس کے کیا مسائل ہیں؟ تو اس نے سیکھ تو لینا ہی ہے جیسے آپ نے سیکھ لیا لیکن پھر باہر سے سیکھے گا۔ اور باہر سے جو اس کو سکھلائے گا تو وہ صرف یہ نہیں بلکہ اور کچھ بھی سکھلا دے گا۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ علماء ایسے موضوعات پر بات کریں اور لوگوں میں آگاہی پیدا کریں ورنہ تو وہ یہ سب کچھ سیکھ ہی رہے ہیں۔ آپ شرم شرم کرتے خاموش رہیں گے اور معاشرے میں سیکس سیکس ہوتا رہے گا۔ واللہ اعلم

کنواروں اور کنواریوں کی خدمت میں

غیر شادی شدہ بچوں اور بچیوں کی باتیں سنو تو یقین مانیں خوف آتا ہے کہ کس تخیلاتی دنیا میں رہتے ہیں اور اس تخیل کی دنیا کے پیدا کرنے میں سارا کردار میڈیا یعنی فلم انڈسٹری کا ہے۔ لڑکا ہے تو اس کا خیال یہ ہے کہ شادی کے بعد بس ایک خادمہ ہاتھ آ جائے گی کہ جو صبح سے شام تک اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑی رہے گی، مزے مزے کے کھانے کھانے کو ملیں گے، خوب عیاشی ہو گی وغیرہ وغیرہ

اور لڑکی ہے تو وہ یہ خواب دیکھ رہی ہے کہ شادی کے بعد ایک ایسا خزانچی ہاتھ آ جائے گا جو صبح سے شام اس کی خواہشات کی تکمیل کے لیے روپیہ پیسہ خرچ کرنے کو اپنے لیے فخر جانے گا۔ شوہر کی صورت میں ایک اے۔ٹی۔ایم (ATM) کارڈ مل جائے گا اور ڈھیر شاپنگ ہو گی، دل کھول کر، وغیرہ

اللہ کے بندو! اس تخیل (fantasy) سے نکلو۔ شادی ایک ذمہ داری کا بندھن ہے، مرد کے لیے بھی اور عورت کے لیے بھی۔ اس ذمہ داری کو ادا کیے بغیر یہ ایک مہینہ بھی نہیں چل سکتا۔ شادی کی صورت میں عیاشی کا تصور صرف فلموں میں ہوتا ہے جبکہ حقیقی زندگی میں تلخ حقائق کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ شوہر کو ناشتہ خود سے بھی بنانا پڑتا ہے اور بیوی کو میک اپ کا سامان خریدنے کے لیے خود کے پیسے بھی لگانے پڑتے ہیں۔

شادی ایجاب و قبول کا نام ہے اور ایجاب عربی زبان کا لفظ ہے کہ جس کا معنی واجب کرنا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے ہاں مرد حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ قبول کا معنی ہے کہ ہم نے لڑکی قبولی ہے۔ بلکہ قبول وہ کیا ہے کہ جس کا ایجاب ہوا ہے یعنی جو تم پر واجب کیا گیا ہے۔ اور واجب کیا گیا ہے؟ وہ لڑکی کی ذمہ داری ہے۔ لڑکی کا والد یا سرپرست یہ کہتا ہے کہ یہ لڑکی اب تک میری ذمہ داری میں تھی یعنی اس کا نان نفقہ، اس کی حفاظت وغیرہ۔ اب میں اس لڑکی کی ذمہ داری تم پر واجب کرتا ہوں، کیا تمہیں یہ ذمہ داری قبول ہے؟ تو وہ اسے قبول کر لیتا ہے۔

اب ذمہ داری کا ذکر تو نہ نکاح کروانے والے مولوی صاحب کے علم میں ہے اور نہ ہی دولہا کی معلومات میں اور قبول قبول کا شوق چڑھا ہوا ہے۔ اور جب ذمہ داری کندھوں پر آن پڑھتی ہے تو پھر پوچھتے ہیں کہ اسے شادی کہتے ہیں؟ اس سے تو کنوارے ہی بھلے تھے۔ تم نے صرف بیوی نہیں قبولی، اس کا خاندان بھی قبولا ہے لہذا ان کی خدمت کرو۔ اور لڑکی نے بھی صرف لڑکا نہیں قبولا، اس کا خاندان بھی قبولا ہے لہذا ان کے کام آؤ۔ نہیں مانتے تو نہ مانو، سسرالی خود ہی منوالیں گے۔

شادی کس سے کریں؟

اکثر دوست مشورہ لیتے ہیں کہ ان کا کہیں رشتہ چل رہا ہے اور یہ یہ مسائل ہیں تو کیا انھیں شادی کر لینی چاہیے یا نہیں؟ تو میں نے سوچا اس بارے بھی ایک عمومی پوسٹ لگادوں۔ اکثر لڑکوں کا سوال ہوتا ہے کہ انھیں لڑکی پسند نہیں آئی تو کیا انھیں شادی کر لینی چاہیے، اسی طرح لڑکیوں کا بھی یہ مسئلہ ہو سکتا ہے کہ انھیں لڑکا پسند نہ آیا ہو۔

دیکھیں، دنیا میں شادی کرتے وقت عموماً چھ چیزوں کو دیکھا جاتا ہے؛ دین، خاندان، شکل وصورت، مال و دولت، ملازمت اور تعلیم۔ لوگوں کی اپنی اپنی ترجیحات ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ سب چیزیں آپ کو ایک ساتھ نہیں ملتی، کہیں نہ کہیں آپ کو کمپرومائز کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے ہاں زیادہ تر یہ دیکھا جاتا ہے کہ لڑکے کی ملازمت اچھی ہو اور لڑکی کی شکل وصورت۔ ملازمت اچھی ہو تو لڑکی والے خاندان بلکہ شکل وصورت پر بھی کمپرومائز کر لیتے ہیں۔ اور کسی حد تک بات سمجھ میں بھی آتی ہے کہ گھر کا خرچہ چلانا مرد کی ذمہ داری ہے لہذا اگر وہ اسی کا اہل نہیں ہو گا تو گھر کیسے چلے گا؟

اور پسند دو قسم کی ہوتی ہے؛ ایک آئیڈیل، جو کبھی نہیں ملتی، صرف ذہن میں ہوتی ہے، اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چکر سے نکل جانا چاہیے۔ آپ کو زندگی میں آئیڈیل ضرور مل جائے گا لیکن آپ اس کے آئیڈیل نہیں ہوں گے۔ دوسری یہ کہ لڑکا یا لڑکی بس اچھی ہو، چاہے اتنی نہ ہو کہ جتنا آپ کے ذہن میں ہے، اسی پسند کی کوشش کرنی چاہیے۔ البتہ تیسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ لڑکے یا لڑکی کی شکل وصورت ایسی ہے کہ جو انسان کو بری لگے، تو ایسی صورت میں شادی نہ کریں۔ اچھا نہ لگنا اور برا لگنا یہ دو علیحدہ باتیں ہیں، ذرہ سے لفظ کے اختلاف سے معنی بدل جاتا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لیں۔ لسانیات اور نفسیات کا بہت گہرا تعلق ہے۔

تو یہاں دو باتیں ہوئیں؛ اگر تو لڑکا یا لڑکی وہ بری لگی تو شادی نہ کریں اور اگر اچھا یا اچھی نہیں لگی تو ایسی صورت میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو اچھے نہیں لگتے لیکن ساتھ رہنے سے مانوسیت اور الفت پیدا ہو جاتی ہے جیسا کہ دوستوں میں ایک ساتھ رہنے سے مانوسیت اور الفت پیدا ہو جاتی ہے۔ پس اس صورت میں استخارہ کر لیں، ایک دن، دو دن، سات دن کر لیں، پھر دل کا میلان اور ذہن کا رجحان دیکھیں، جس طرف ہو وہ کام کر لیں۔ شادی میں مال کو اہمیت دینا تو بے کار سمجھتا ہوں لیکن خاندان کو ضرور اہمیت دینی چاہیے، خاندانی صفات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اولاد کے ڈی۔ این۔ اے (DNA) میں نصف انفارمیشن باپ سے آتی ہے اور نصف ماں سے۔

دوسری وجہ کہ جس کو سب سے زیادہ شادی میں بنیاد بنایا جاتا ہے، دینداری ہے۔ دینداری میں زیادہ اہم میرے خیال میں عبادات یعنی پردہ اور داڑھی وغیرہ کی نسبت اخلاق یعنی رویے ہیں۔ بس اگر اخلاق اچھے ہوں تو رشتہ طے کرنے میں بالکل دیر نہ لگائیں۔ گھر کا سسٹم اخلاق سے چلتا ہے نہ کہ عبادات سے۔ عبادات، اللہ سے تعلق کی بنیاد ہے اور اخلاق بندوں سے تعلق ہے۔ گھر کا نظام چلانے کے لیے میاں بیوی کا آپس کا تعلق اچھا ہونا زیادہ ضروری ہے، باقی اللہ سے بھی تعلق بہت اچھا ہو تو یہ آئیڈیل ہے ورنہ فرض کی پابندی اور حرام سے اجتناب کی کم از کم کوشش تو ہو۔ اور احادیث میں جہاں رشتوں میں دینداری کو ترجیح دینے کا حکم ہے، وہاں بعض طرق (chains) میں بھی اخلاق کا ذکر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیندار لڑکے سے شادی کا شوق کرنے والی لڑکیوں کی خدمت میں

دو دن پہلے برادر مغیرہ لقمان نے ایک مختصر سی پوسٹ لگائی لیکن موضوع بہت اہم تھا لہذا میں ان کی مختصر پوسٹ کے بعد کچھ اپنا تبصرہ بھی شیئر کر رہا ہوں۔ مغیرہ لقمان کا کہنا تھا:

"Sisters looking for a 'family guy' husband, my recommendation is not to marry a missionary or an active Da'ee. It's a sacrifice!"

اپنے دوستوں اور ارد گرد بہت دیکھنے میں آیا ہے کہ مذہبی ذہن رکھنے والی لڑکیاں، ایسے دیندار لڑکوں سے شادی کو پسند کرتی ہیں کہ جو دین کے لیے کچھ کر رہے ہوں یا کرنا چاہتے ہوں جو کہ خود سے اچھی بات ہے لیکن عموماً شادی کے بعد خود اس کی دینی ایکٹوٹی میں سب سے بڑی رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ شادی سے پہلے دین کے بارے ان کے جذبات اس مجاہد کے سے ہوتے ہیں جو گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھ کر میدان جنگ کا نظارہ کر رہا ہو اور شادی کے بعد ان کی حالت میدان جنگ سے بھاگے ہوئے ایک سپاہی کی سی ہوتی ہے۔ براہ مہربانی غیر شادی خواتین اس پوسٹ پر کمنٹ نہ کریں کہ وہ شادی سے پہلے اس مسئلے کو سمجھ ہی نہیں سکتیں۔

بردار مغیرہ کا مشورہ سو فی صد درست ہے، یہ مشورہ بھی ہے اور نصیحت بھی۔ دیکھیں، دنیا میں کوئی بھی بڑا کام قربانی اور ایثار کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اور قربانی اور ایثار ہو سکتی ہے یا نہیں، اس کا پتہ تب چلتا ہے جبکہ قربانی بالفعل دینی پڑ جائے۔ اگر آپ نے کسی ایسے لڑکے سے شادی کرنی ہے کہ جسے مولانا مودودی، ڈاکٹر اسرار، ڈاکٹر ذاکر نائیک، مولانا طارق جمیل یا نعمان علی خان وغیرہ بننا ہو تو ایسی شخصیات عموماً غیر متوازن گھریلو زندگی کے بغیر نہیں بنتیں۔ اس قاعدے میں استثناء (exception) صرف رسول اللہ ﷺ کا ہے یا دوسرا اس شخص کا جو اس کا دعوی کرے اور اس کے اہل خانہ سب کے سب اس کے دعوی سے متفق ہوں۔

آپ مذہب کی بجائے دیگر علوم دیکھ لیں، آئن اسٹائن کو لے لیں۔ آئن اسٹائن کی پہلی بیوی خود ماہر فزکس تھی لیکن شادی اور بچوں کے بعد فزکس کے بارے اس کے جذبات ٹھنڈے پڑ چکے تھے اور یہ اس کے بچوں کی گواہی ہے۔ یہ شادی 1903ء میں ہوئی اور 1914ء میں دونوں کے مابین

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علیحدگی ہوگئی۔ جب آئن اسٹائن کی علمی حرکتوں کی وجہ سے ازدواجی تعلقات ٹوٹنے کے قریب پہنچے تو دونوں نے اپنے بچوں کی خاطر نباہ کا سوچا اور اس نباہ کے لیے جو معاہدہ ہوا، وہ بڑا عجیب تھا۔

ان شرائط میں سے جو آئن اسٹائن نے بیوی سے نباہ کے لیے متعین کیں، ایک شرط یہ بھی تھی کہ میری بیوی مجھ سے کسی قسم کے قربت کے تعلق کی توقع نہیں کرے گی اور اگر اسے قربت کا تعلق مجھ سے میسر نہ آئے تو اس پر تنقید بھی نہ کرے گی۔ میرے تین وقت کے کھانے، میرے کپڑوں کی دھلائی اور استری اور میرے کمرے اور میز کی صفائی کا دھیان کرے گی۔ اور جواب میں میری طرف سے اس کو یہ ملے گا کہ اگر میری تحقیق پر مجھے کچھ ریوارڈ ملا تو وہ میری بیوی کا ہوگا۔ اور پھر اسی معاہدے کے تحت 1921ء میں اپنے نوبل پرائز کی رقم آئن اسٹائن نے اپنی بیوی کو بھجوادی۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خواہش رکھنا اور باتیں کرنا آسان ہے لیکن قربانی دینا بہت مشکل ہے۔ میں کئی ایک ایسے دوستوں کو جانتا ہوں کہ جن کی بیویوں نے دین کے نام پر ان سے شادیاں کیں لیکن شادی کے بعد ایسے پھر گئیں جیسے کچھ جانتی ہی نہ ہوں اور ان کا یہ پھر نا بتا بھی ہے کہ آدرش کی محبت، یہ عورت کے سانچے سے باہر کی چیز ہے کہ دنیا کے تمام نامور فلسفی، سائنسدان، ادیب، حکمران وغیرہ سب مرد تھے۔ عورت کی عظمت یہی ہے کہ وہ اس مرد کو پیدا کرنے کے لیے پیدا کی گئی ہے اور وہ صرف یہی کام اچھے طور کر سکتی ہے، اس سے بڑھ کر شاید اس کے مقدر میں نہیں ہے۔ عورت اور مرد کے بارے یہ بات نوعِ عورت اور نوعِ مرد کے اعتبار سے کی گئی ہے جبکہ ان دونوں انواع کے بعض افراد اس عمومی قاعدہ کلیہ سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں کہ کسی عورت میں آدرش کی محبت ہو اور کوئی مرد اس سے خالی ہو۔

دوسری شادی: خیال یا وسوسہ

دوست نے کہا کہ دوسری شادی کا خیال بہت آتا ہے۔ میں نے کہا کہ خیال نہ کہو وسوسہ کہو۔ اس نے کہا کہ کیا مطلب؟ میں نے کہا کہ مطلب واضح ہے کہ یہ شیطان کی طرف سے ہے لہذا فرق رکھو۔ اس نے کہا کہ کیا دین میں دوسری شادی کی اجازت نہیں ہے؟ میں نے کہا بالکل ہے۔ اس نے کہا کہ پھر کیسا وسوسہ؟

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں نے کہا کہ میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ دوسری شادی کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں؛ جرات اور پیسہ۔ اور بد قسمتی سے ہمارے پاکستانی مرد میں یہ دونوں مفقود ہیں۔ نہ ہی وہ دلیر ہے اور اوپر سے کنگلا بھی ہے یا کنگلا نہیں ہے تو بخیل اور کنجوس ہے تو یہ کبھی دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ یہ صرف خواب میں اس کے مزے لے سکتا ہے۔ اور جاگتے میں دوسری شادی کے خواب دیکھنا تو یہ شیطان کا وسوسہ ہی ہوا۔

میں نے دوست سے پوچھا ویسے تمہیں دوسری شادی کا اتنا چاہ کیوں ہے؟ کہنے گا کہ زیرو میٹر گاڑی کا اپنا ہی مزہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا تمہیں پتہ ہے کہ زیرو میٹر گاڑی کو اسکریچ لگ جائے تو اس کی ٹینشن بھی اپنی ہی ہوتی ہے۔ کہنے لگا تو پھر کیا کریں زیرو میٹر کے خواب دیکھنا بند کر دیں۔ میں نے کہا اس کا حل یہ ہے کہ اپنی پرانی گاڑی کی ڈینٹنگ پینٹنگ کروائیں اور اسے زیرو میٹر جیسا بنوالیں، پیسوں کی بچت اور دو دو گاڑیوں کے خرچے سے بھی بچت۔ واضح رہے کہ مسند احمد کی ایک روایت میں عورت کو بہترین متاع کہا گیا ہے۔

دوست نے کہا کہ آئیڈیا تو ویسے برا نہیں ہے لیکن پرانی بیوی کو نیا بنانے کا طریقہ کیا ہے؟ میں نے کہا کہ طریقہ جاننے سے پہلے یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ عورتیں ساری ایک جیسی ہوتی ہیں، عورتوں کی نفسیات پر پھر کسی دن تمہیں لیکچر دوں گا، انیس بیس کا فرق ہوتا ہے، لہذا دوسری جو لے کر آؤ گے، وہ بھی ایسی ہی نکلے گی جیسا کہ پہلی بھگت رہے ہو، باقی استثناءات (exceptions) کی میں بات نہیں کرتا، وہ تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔

ہمارے گھروں کا بنیادی جھگڑا یہی ہے کہ بیوی کا دل ہے کہ خاوند پہلے اسے خوش کرے، پھر وہ اسے خوش رکھے گی۔ اور خاوند کا دل ہوتا ہے کہ نہیں خوش رکھنے کا کام پہلے بیوی کو کرنا چاہیے اور اسی چکر میں حقوق و فرائض کی جنگ چھڑ جاتی ہے۔ آپ کی بیوی کو آپ سے محبت، عزت اور دھیان چاہیے، یہی اس کی اصل خوشی ہے۔ آپ کی بیوی زیرو میٹر ہو جائے گی کہ نہ ہی وہ کوئی خرچہ کرائے گی اور نہ ہی تنگ کرے گی۔

کبھی عورتوں پر کیے جانے والے ایسے سروے کا مطالعہ کریں کہ جس میں ان سے ان کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسندیدہ خاوند کی صفات پوچھی گئی ہوں تو اکثر کا ان تین پر اتفاق ہو گا کہ لونگ یعنی محبت کا اظہار کرنے والا ہو، آنر یعنی عزت دیتا ہو اور کیئر نگ یعنی خیال رکھنے والا ہو۔ بس بیوی سے محبت کو دل میں بسا کر نہ رکھیں، زبان پر رکھیں یعنی اس کا اظہار کرتے رہیں بلکہ محبت نہیں بھی ہے تو بھی اظہار کرتے رہیں، ان شاءاللہ! پیدا ہو جائے گی۔

بیوی کو، خاص طور اس کے گھر والوں کو عزت دیں بلکہ پروٹوکول دیں۔ بیوی کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولنے میں عار محسوس نہ کریں اور اس کی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں خود سے پورا کریں، جو کہ وہ خود بھی پوری کر سکتی ہو، وہ بھی! اگر وہ میکے اکیلے جا سکتی ہے تو اسے اکیلے نہ جانے دیں بلکہ خود چھوڑ کر آئیں۔ مشکل کام ہے کیا؟ تو دس سالہ پرانی گاڑی کو زیرو میٹر بنانا آسان کام ہے کیا؟

کورٹ میرج کے بارے ایک غلط فہمی

جہاں تک میرے علم میں ہے تو کورٹ میرج ایک غلط اصطلاح ہے۔ کورٹ میں کوئی میرج نہیں ہوتی ہے اور نہ ہی ہمارے جج حضرات اتنے فارغ ہیں کہ شادیاں کرواتے پھریں۔ ہوتا اصل میں یہ ہے کہ لڑکا اور لڑکی جج کے سامنے حاضر ہو کر یہ بیان حلفی دیتے ہیں کہ ہم نے اپنی آزاد مرضی سے نکاح کر لیا ہوا ہے۔

پس کورٹ میرج میں وہ جج کے سامنے نکاح پڑھواتے نہیں ہیں۔ یہ نکاح وہ کسی امام مسجد سے، دوست کے گھر میں، تھانے میں، یا وکیل کے آفس میں کروا چکے ہوتے ہیں اور جج کو صرف اس کی رپورٹ کرتے ہیں۔ اور اس رپورٹ کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ لڑکی کے گھر والے لڑکے پر اغوا کا مقدمہ نہ درج کروا دیں۔

اب جو نکاح تھانے، وکیل کے آفس یا کسی دوست کے گھر میں ہوتا ہے، تو مختلف کیسز میں مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ اکثر وکیل تو ماشاءاللہ سے امام مسجد اور گواہوں کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے البتہ نکاح کی رجسٹریشن کے لیے فارم وغیرہ مکمل کروا لیتے ہیں۔

اور اب بعض وکیلوں نے آن لائن نکاح کروانے کی سہولت بھی میسر کر رکھی ہے کہ جس کی باقاعدہ ویب سائیٹس بنی ہوئی ہیں کہ بس آپ وکیل کی فیس ادا کریں اور وکیل لڑکا اور لڑکی کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکاح کے رجسٹریشن فارم مکمل کروادے گا اور جج کے سامنے بیان حلفی دلوادے گا اور یہی کورٹ میرج ہے بس۔اور گواہان میں لڑکے کے دوستوں یا وکیل کے منشیوں کے نام ڈال دیے جاتے ہیں۔

یہ نقطہ بھی واضح کرتا چلوں کہ نکاح میں ایجاب و قبول کسے کہتے ہیں۔ایجاب کا معنی واجب کرنا ہے اور قبول کا معنی قبول کرنا ہے۔اب لوگ عام طور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم لڑکی قبول کرتے ہیں،اہم سوال یہ ہے کہ قبول کیا کرتے ہیں؟لڑکا وہ قبول کرتا ہے،جو واجب کیا جاتا ہے۔اور واجب جو کیا جاتا ہے،وہ لڑکی کی ذمہ داری اور نان نفقہ ہے۔

اور لڑکی کی ذمہ داری اور نان نفقہ ولی کی ذمہ داری ہے نہ کہ خود لڑکی کی۔ولی ایجاب کرتے وقت یہ ذمہ داری لڑکے پر ڈالتا ہے اور لڑکا قبول کرتا ہے۔اسلامی معاشرت میں لڑکی ساری زندگی مرد کی کفالت میں ہوتی ہے۔شادی سے پہلے باپ اور شادی کے بعد شوہر کی کفالت میں۔تو ایجاب وقبول کے ذریعے یہ کفالت منتقل ہو رہی ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کو بیٹیوں کے حقوق کے بارے حدیثیں سنا سنا کر باپوں کا بیٹیوں سے اتنا تعلق پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ اپنا سب کچھ ان کے لیے قربان کر دیتے ہیں اور جب بیٹی گھر سے بھاگ جاتی ہے تو ہمیں اس کے حقوق یاد آجاتے ہیں۔بھئی،اگر آپ لوگوں نے اسے گھر سے بھاگنے کا حق دینا ہی ہے تو باپ کو اس کے حقوق سنا سنا کر اس کی محبت میں پاگل مت بنائیں۔اور باپوں کو تعلیم دیں کہ بیٹیوں سے ضرورت کی محبت رکھیں یعنی اتنی ہی جتنی کہ چرند پرند رکھتے ہیں تاکہ بعد میں نفسیاتی مریض نہ بن جائیں۔

نکاح مسیار

نکاح مسیار کے بارے وضاحت رہے کہ اس نکاح میں نکاح کے چاروں ارکان اور شرائط پوری ہوتی ہیں۔۱-نکاح مسیار میں لڑکی کے ولی کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ اس کے جواز کا فتوی دینے والے کہتے ہیں۔۲۔دوسرا گواہان موجود ہوتے ہیں اور اس نکاح کا باقاعدہ اعلان کیا جاتا ہے۔۳۔تیسرا نکاح میں لڑکی کے لیے باقاعدہ حق مہر موجود ہوتا ہے۔۴۔اور چوتھی چیز یہ کہ ایجاب وقبول بھی ہوتا ہے اور یہ موقت نہیں ہوتا یعنی ہمیشہ کے لیے نکاح ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب سوال یہ ہے کہ پھر نکاح مسیار اور عام نکاح میں کیا فرق ہے کہ اس بارے اتنا اختلاف ہو گیا۔ فرق یہ ہے کہ عام نکاح میں مرد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی کو رہائش، خرچہ اور وقت دے جبکہ نکاح مسیار میں مرد شادی کے وقت یہ شرط لگاتا ہے کہ وہ بیوی کو رہائش نہیں دے گا، یا خرچہ نہیں دے گا، یا وقت نہیں دے گا، یا ان میں سے دو یا تین چیزوں کی ہی شرط لگالے کہ وہ یہ نہ دے گا۔

علماء کے مابین اس پر تو اتفاق ہے کہ رہائش، خرچہ اور وقت عورت کے شرعی حقوق ہیں لیکن اس میں اختلاف ہو گیا کہ کیا عورت اپنے ان حقوق کو معاف کر سکتی ہے؟ یعنی مرد اگر عورت سے شادی کے موقع پر یہ کہے کہ میں ان حقوق کو ادا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا لہذا تم مجھے یہ حقوق معاف کر دو اور شادی کے موقع پر اس کا معاہدہ ہو جائے تو کیا اس طرح سے یہ حقوق معاف ہو جاتے ہیں یا پھر بھی باقی رہتے ہیں؟

نکاح مسیار کے بارے علماء اہل سنت کی تین رائے ہیں؛ بعض اس کے جواز کے قائل ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مکروہ ہے لیکن ہو جاتا ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ یہ جائز ہی نہیں ہے۔ اس کی ایک صورت ہمارے معاشروں میں گھر جوائی کی بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً شادی کے بعد لڑکی کا خرچہ اس کے والدین اٹھائیں، یا لڑکی کو گھر اس کے والدین بنا کر دیں وغیرہ۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ عملاً ہمارے معاشروں میں ہو رہا ہے، اور ایک یہ ہے کہ کیا نکاح کے موقع پر مرد کی طرف سے اس کی شرط لگائی جا سکتی ہے؟

جن علماء نے اس کی اجازت دی ہے، ان میں سابق مفتی سعودی عرب شیخ بن باز، شیخ عبد العزیز آل الشیخ اور سابق مفتی مصر شیخ نصر فرید واصل رحمہم اللہ وغیرہ ہیں۔ ان کی ایک دلیل تو یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شرائط کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے کہ جو نکاح کے موقع پر لگائی جائیں۔ اور یہ بھی کہ حضرت سودۃ رضی اللہ عنہا نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حق میں چھوڑ دی تھی وغیرہ۔

جو علماء نکاح مسیار کو مکروہ کہتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ ہو جاتا ہے تو ان میں ڈاکٹر وہبہ الزحیلی، ڈاکٹر یوسف القرضاوی اور شیخ عبد اللہ بن منیع وغیرہ شامل ہیں۔ ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ اس نکاح

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں شادی کی جو مصالح ہیں، وہ پوری نہیں ہوتیں لہذا مکروہ ہے۔ اور حرام اس لیے نہیں کہتے ہیں کہ اس میں کچھ ایسا مفقود نہیں ہے جو نکاح کے ارکان اور شروط میں شامل ہو۔

اور جن علماء نے نکاح مسیار کو ناجائز کہا ہے تو ان میں علامہ البانی، ڈاکٹر علی قرۃ داغی اور ڈاکٹر سلیمان الاشقر وغیرہ شامل ہیں کہ ان کے نزدیک یہ وہ نکاح نہیں ہے کہ جسے اسلام نے متعارف کروایا یا رواج دیا ہے۔

نکاح متعہ اور نکاح مسیار میں فرق یہ ہے کہ متعہ ایک وقتی نکاح ہے جبکہ نکاح مسیار دائمی نکاح ہوتا ہے۔ نکاح متعہ میں وراثت جاری نہیں ہوتی جبکہ نکاح مسیار میں وارثت جاری ہوتی ہے۔ متعہ میں طلاق نہیں ہوتی کہ وقت ختم ہوتے ہی نکاح ختم ہو جاتا ہے جبکہ نکاح مسیار میں طلاق ہوتی ہے۔ نکاح متعہ میں تعداد مقرر نہیں ہے یعنی ستر سے بھی ہو سکتا ہے جبکہ نکاح مسیار چار سے زائد سے نہیں ہو سکتا۔ متعہ میں لڑکی کے ولی اور گواہان کا ہونا ضروری نہیں ہے جبکہ نکاح مسیار میں ولی اور گواہاں کا ہونا ضروری ہے۔

نوٹ: بہر حال یہ علماء کا اختلاف ہے جو ہم نے اس بارے نقل کر دیا ہے، البتہ نکاح مسیار کو کسی طور بھی پسندیدہ امر نہیں کہا جا سکتا کہ رہائش، خرچہ اور وقت عورت کے حقوق ہیں کہ جنہیں مرد کو ادا کرنا ہی چاہیے، چاہے عورت انہیں چھوڑنے پر راضی ہی کیوں نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

عورت کی عدت کی حکمت

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ کیا عورت طلاق اور خاوند کے فوت ہو جانے کی صورت میں جو عدت گزارتی ہے تو اس کی حکمت یہ ہے کہ اس خاوند سے اس عورت کی اولاد کا علم ہو جائے تاکہ نسل میں اشتباہ نہ ہو؟ اگر یہی حکمت ہے تو کیا اگر الٹراساؤنڈ وغیرہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ عورت کی اس خاوند سے اولاد نہیں ہے کہ جس نے اس کو طلاق دی ہے یا جو فوت ہو چکا ہے تو کیا عورت کی عدت معاف ہو جائے گی؟

جواب: ہمارے ہاں بہت سی دینی آراء ایسی ہوتی ہیں کہ جب پیش کی جاتی ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ بہت لاجیکل بات ہے کہ آگے سننے والا بھی واہ واہ کرنے کا مزاج رکھنے والا سطحی ذہن ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس کے پاس نہ تو تجزیہ کرنے کی اہلیت ہوتی ہے اور نہ ہی علم کی صلاحیت۔ اور یوں ایک بے کار بات، سطحی ذہن رکھنے والے فالوورز کی برکت سے، مستند دینی رائے کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔

عورت کی عدت کی کل حکمت استبرائے رحم (establishing of no pregnancy) نہیں ہے، اگرچہ یہ بھی ہے۔ اگر عورت کی عدت کی حکمت صرف یہ معلوم کرنا ہوتا کہ سابقہ خاوند سے اس کے کوئی اولاد ہے یا نہیں تو یہ ایک حیض ہوتی۔ جب عورت کو حمل ٹھہر جاتا ہے تو حیض آنا بند ہو جاتا ہے لہذا ایک حیض سے قطعی طور معلوم ہو جاتا ہے کہ عورت کی پچھلے خاوند سے اولاد ہے یا نہیں۔ لیکن اس کے باوجود شریعت نے طلاق یافتہ عورت کی عدت، تین حیض اور جس کا خاوند فوت ہو جائے، اس کی عدت چار ماہ دس دن مقرر کی ہے۔

اب چار ماہ دس دن تو بالکل واضح ہے کہ اس گنتی کا استبرائے رحم سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، متوفی عنہا کی عدت چار ماہ دس دن ہی کیوں، چار ماہ کیوں نہیں؟ یا جس کا خاوند فوت ہو جائے اس کی عدت تین حیض کیوں نہیں؟ پس عدت میں اصل حکمت نہیں، اللہ کا حکم ہے کہ جس پر ہر صورت اور ہر حال میں عمل ہو گا۔

اور اگر اس کی کوئی حکمت تلاش کرنی ہی ہو لیکن وہ حکمت اس حکم کی مناط، علت اور وجہ نہیں ہو سکتی کہ وہ غائب تو حکم بھی غائب، تو وہ مرکب علت ہے کہ پچھلے تعلق کے ٹوٹ جانے پر سوگ کا اظہار ہے اور استبرائے رحم کا علم ہے وغیرہ۔ اصلاً یہ پچھلے تعلق کے ٹوٹنے پر سوگ کا اظہار ہے۔ اب بے شک حقوق نسواں والے لگیں رہیں لیکن حقیقت یہی ہے۔

ایبنارمل بچے کا قتل کرنا

دوست کا سوال ہے کہ کیا ایبنارمل بچے کا حمل گرانا جائز ہے؟ جواب: ایبنارمل بچہ دو طرح کا ہو سکتا ہے؛ ایک وہ کہ جس کی عمر چار ماہ سے کم ہو۔ اس کو دراصل ہم "حمل گرانا" کہیں گے کیونکہ یہ بچہ ابھی مکمل جان نہیں ہے۔ دوسرا وہ بچہ کہ جس کی عمر چار ماہ سے زائد ہو۔ اس کے لیے "قتل کرنا" کی اصطلاح استعمال ہو گی کہ وہ ایک مکمل جان ہے کہ جس میں روح ڈالی جا چکی ہے۔

اگر ماں کے پیٹ میں موجود جنین (embryo) کی عمر چار ماہ سے کم ہے اور دو مستند ترین ڈاکٹر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بچے کے والدین کو یہ رائے دیتے ہیں کہ بچے کی ایبنارمیلیٹی یقینی ہے لہذا آپ اس کا حمل گروادیں تو رابطہ عالم اسلامی کے تحت مجلس فقہی اسلامی کے بارہویں اجلاس منعقدہ مکہ المکرمہ بتاریخ 2 دسمبر 1990ء میں عالم اسلام کے فقہاء کی کمیٹی نے یہ فیصلہ جاری کیا کہ ایسی صورت میں حمل گروادینا جائز ہے اگر تو والدین میں سے دونوں راضی ہوں تو پھر۔ یعنی اگر ان میں سے ایک بھی حمل کو باقی رکھنا چاہے گا تو اس کا گرانا جائز نہ ہوگا۔

فقہاء کی اسی کمیٹی نے یہ فیصلہ بھی جاری کیا کہ اگر ماں کے پیٹ میں موجود جنین (embryo) کی عمر چار ماہ سے زائد ہو تو اس کا قتل کرنا جائز نہیں ہے کہ یہ ایک مکمل جان ہے کہ جس میں روح ڈالی جاچکی ہے۔ والدین کو چاہیے کہ اس پر صبر کریں کہ یہ اللہ کی طرف سے ان کے لیے آزمائش ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے ہمیں بیماری اور آزمائش کی صورت میں علاج کا حکم دیا ہے نہ کہ قتل کرنے کا۔ پس ہم ایبنارمل کا علاج کریں گے، اسے قتل نہیں کریں گے۔

اب کچھ لوگ یہ لاجک پیش کرتے ہیں کہ اس کی بیماری اگر ایسی ہو کہ اس کا علاج ہی ممکن نہ ہو تو کیا ساری زندگی کے لیے والدین ایک معذور بچے کا بوجھ برداشت کریں گے؟ اس لاجک کا جواب یہ ہے کہ اگر اس بچے کی معذوری یا ایبنارمیلیٹی اس کی پیدائش کے بعد ظاہر ہو تو والدین کیا کریں گے؟ یعنی یہ کوئی لاجک نہیں ہے کہ ماں کے پیٹ میں ہے، چاہے نو ماہ کا ہے لہذا قتل کر دو، جائز ہے۔ اور ماں کے پیٹ سے باہر آجائے تو قتل کرنا ناجائز ہو گیا۔

وہ بچہ ایک مکمل جان ہے، ماں کے پیٹ میں ہونا یا اس سے باہر ہونا اس کے قتل کرنے یا نہ کرنے کی کوئی لاجک نہیں بن سکتی۔ لاجک یہی ہو سکتی ہے کہ چار ماہ سے پہلے اس کا گرانا جائز ہے کہ وہ ایک مکمل جان نہیں ہے۔ یہ لاجک سمجھ میں بھی آتی ہے۔ پھر یہ بھی ہے کہ ایک بچہ اپنی عمر کے آٹھ دس سال گزارنے کے بعد معذور ہو جاتا ہے تو والدین کیا کریں؟ اسے زہر کا ٹیکہ لگا کر سلادیں کیا؟ کہ زندگی بھر کی آزمائش سے جان چھوٹ جائے۔

دنیا میں آنے کے بعد ایبنارمیلیٹی کے اتنے ہی کیسز ہیں جتنے کہ ماں کے پیٹ میں لہذا دنیا میں موجود ایبنارمل بچوں کو بھی قتل کر دو پھر۔ اور ہٹلر نے یہ کام کیا اور بڑی لاجک دے کر کیا ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آنے والی نسلوں میں ایبنارمیلیٹی ختم ہو جائے گی۔ پس ایسے نہیں کہ انسانی جان کے معاملے میں اتنی چھوٹی چھوٹی لاجکیاں پیش کر کے ہم اس کے قتل کے فیصلے جاری کرتے رہیں۔ ماں کے پیٹ میں چار ماہ کے بعد اگر بچے کا قتل جائز ہے تو پیدائش کے بعد بھی جائز ہے کہ قتل کی وجہ تو ایبنارمیلیٹی ہے اور وہ تو پیدائش کے بعد بھی موجود ہے لہذا قتل کر دو۔

پس خلاصہ یہی ہے کہ چار ماہ کے بعد بچے کا قتل جائز نہیں ہے، صرف ایک صورت میں جائز ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ آپ کو بچے یا ماں کی جان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے تو آپ ماں کا انتخاب کریں گے کہ وہ اصل ہے۔ جہاں تک مادی تناظر میں اس مسئلے کو دیکھنے کی بات ہے تو یہ انسان کا قتل نہیں بلکہ کچھ سیلز (cells) کو ضائع کر دینے کا ایک معمولی سا فعل ہے۔

لڑکیوں کے مدارس میں ہوسٹل کی شرعی حیثیت

مجھے الیاس گھمن صاحب کے کردار کے بارے گردش کرتی خبروں پر اس وقت کوئی تبصرہ تو نہیں کرنا لیکن مذہبی طبقات سے دو اصولی سوال کرنے ہیں کہ اگر الیاس گھمن صاحب لڑکیوں کا کوئی مدرسہ چلا رہے ہیں اور یہاں ہر مسلک میں کچھ علماء ایسے ہیں کہ جو لڑکیوں کا مدرسہ چلا رہے ہیں اور اس مدرسہ کے ہاسٹل میں دوسرے شہروں سے لڑکیاں آکر رہائش پذیر بھی ہوتی ہیں۔

تو پہلا سوال یہ ہے کہ علماء کالجوں، یونیورسٹیوں پر اتنا بولتے ہیں، محرم کے بغیر سفر کرنے کو حرام کہتے ہیں، حجاب اور نقاب کے بارے اتنے سخت فتوے جاری کرتے ہیں، مخلوط معاشرت کو حرام بتلاتے ہیں۔ پس عورت کے حجاب واختلاط کے حوالے سے جو بیانیہ ہمارے برصغیر پاک وہند اور عرب کے علماء کا ہے، اس کی روشنی میں کیا دوسرے شہروں سے لڑکیاں لا کر اپنے شہر کے مدرسہ کے ہاسٹلوں میں رکھنے کا جواز نکلتا ہے کیا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایسی صورت میں لڑکیوں کے ان ہاسٹلز کا کیا جواز ہے جبکہ ان کے مہتمم ومنتظم مرد حضرات ہیں؟ چاہے وہ علماء ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی تو ساری خرابی کی جڑ ہے کہ آپ مولوی کے لیے دین کی تعلیم پر وہ ساری رخصتیں نکال رہے ہیں، کہ جو آپ دنیاوی تعلیم میں دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ کیا آپ علماء کی جماعت کالجوں اور یونیورسٹیوں میں موجود لڑکیوں کے ہاسٹلوں پر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تنقید نہیں کرتے؟ اگر کرتے ہیں تو کیوں؟ کس بنیاد پر؟ کیا دلیل ہے؟ اور وہی دلیل کیا مدرسہ کے ہاسٹل پر منطبق (apply) نہیں ہوتی؟

میری رائے میں، جیسا کہ بعض دوستوں نے بھی اس رائے کا اظہار کیا ہے، ہمیں یعنی دینی طبقات اور مذہبی جماعتوں کو اس پر اتفاق کر لینا چاہیے کہ لڑکیاں دینی تعلیم کے لیے دوسرے شہروں میں جا کر مدارس کے ہاسٹلز میں نہیں رہیں گے۔ اگر کسی نے تعلیم حاصل کرنی ہی ہے تو اپنے شہر کے مدرسہ میں حاصل کرے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ کسی شہر کے مدرسہ میں جو لڑکیوں کے مدارس ہیں، ان کا مکمل انتظام وانصرام خواتین کے پاس ہونا چاہیے۔ اگر آپ کے پاس ایسی قابل خواتین نہیں ہیں تو مدرسے بند کر دیں اور اسلامک اسکولز کھول لیں، آپ کو وہاں دیندار اور قابل پرنسپلز ضرور مل جائیں گی، ان شاءاللہ العزیز۔

استخارہ

بہت سے دوست استخارہ کے بارے پوچھتے ہیں کہ یہ کیا ہے، کیسے کیا جاتا ہے، کسی اور سے بھی کروا سکتے ہیں یا خود ہی کرنا ہے، اس کا نتیجے کیسے معلوم ہو گا، کوئی خواب آئے گا، کیا ہو گا، قرآن، تسبیح، اعداد سے بھی استخارہ ہو جاتا ہے یا نہیں، اور آن لائن استخارہ کروانے کا کیا حکم ہے؟

استخارہ کرنا سنت ہے اور صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو استخارہ کرنا یوں سکھاتے تھے کہ جیسے قرآن مجید کی کوئی سورت سکھلا رہے ہوں۔ استخارہ کا معنی اللہ سے خیر طلب کرنا ہے یعنی کوئی بھی کام کرنے سے پہلے بندہ نماز اور دعائے استخارہ کے ذریعے اس میں اللہ سے خیر طلب کر لے۔ اگرچہ استخارے کی دعا میں ایسے الفاظ شامل ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا میں بندہ اپنے پروردگار سے مشورہ لے رہا ہے لیکن اس کا مطلب صرف مشورہ ہی نہیں ہے بلکہ خیر طلب کرنا بھی ہے یعنی اے پروردگار! بس یہ کام کرنے کو میرا دل ہے، آپ اس میں خیر ڈال دیں اور اس میں اگر کوئی شر ہے تو اسے دور کر دیں۔

تو استخارے کے دو معانی ہوئے؛ ایک یہ کہ کوئی کام کرنے سے پہلے اللہ سے خیر طلب کرنا اور دوسرا یہ کہ اللہ سے مشورہ مانگنا۔ پہلی صورت میں اللہ پر مان ہے کہ اے اللہ! مجھے یہ چاہیے، جیسا بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، بس مجھے اس کا شر نکال کر اس کی خیر دے دے۔ اور دوسری صورت میں اللہ سے مشاورت ہے اور استخارے کی دعاء میں غالب پہلو مشاورت کا ہی ہے۔ استخارے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ کسی بھی وقت میں دو رکعت نفل نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ کی حمد و ثناء کے کلمات کہے، رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجے، اور پھر استخارہ کی دعا پڑھے۔ اگر نہیں آتی تو اس کا متن (text) سامنے رکھ کر پڑھ لے۔ اور بہتر ہے کہ اس کا ترجمہ بھی سامنے رکھے تاکہ معلوم تو ہو کہ اللہ سے کیا بات کر رہا ہے۔ استخارے کے بعد سونا ضروری نہیں ہے، اور نہ ہی استخارے کا مطلب یہ ہے کہ خواب میں کوئی بابا جی آ کر آپ کی رہنمائی فرمائیں گے۔

اگر آپ استخارہ کی دعاء میں غور کریں، تو اس میں یہ الفاظ ہیں کہ اے اللہ! اگر یہ کام میرے حق میں، میری دنیا، میری آخرت، میرے معاش، میرے ایمان کے لیے بہتر ہے تو آپ اس کو میرے لیے آسان فرما دیں، اس میں برکت ڈال دیں۔ اور اگر یہ کام میری دنیا اور آخرت، معاش اور ایمان کے لیے بہتر نہیں ہے تو اس کام کو مجھ سے دور کر دیں، اور مجھے اس سے دور کر دیں، اور پھر اس کے بدلے میں اپنی جناب سے مجھے اس سے بہتر عطا فرمائیں۔ تو یہ استخارہ کی دعاء کا مفہوم ہے۔ تو استخارے کا نتیجہ خواب میں معلوم کرنے کی بجائے یہ دیکھیں کہ استخارہ کرنے کے بعد آپ کے ذہن کا رجحان اور دل کا میلان اس کام کی طرف ہے یا نہیں، اور یہی استخارے کا نتیجہ ہے۔

ہم میں سے ہر شخص خواب دیکھتا ہے اور روزانہ دیکھتا ہے، ہم یہ کرتے ہیں کہ استخارہ کرنے کے بعد جو الٹا سیدھا خواب آئے، اسے استخارے کا نتیجہ سمجھ کر اس سے تعبیر نکالنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور یہ بھی اہم ہے کہ اگر ہم کسی بارے سوچ رہے ہیں تو اس بارے رات خواب آنا تو معمول کی بات ہے کہ انسان جو دن میں سوچتا ہے، رات خواب میں دیکھتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ استخارہ کے لیے صرف اپنے خواب کو بنیاد نہ بنائیں بلکہ ذہنی رجحان اور قلبی میلان کو دیکھیں۔ رہا قرآن مجید، تسبیح، اعداد و حروف اور آن لائن استخارہ وغیرہ تو یہ استخارے کی بدعات ہیں، ان سے بچنا چاہیے۔

ساس، سسر کی خدمت کرنا

کچھ عرصہ پہلے کراچی جانا ہوا تو بعض مذہبی ذہن رکھنے والے نوجوانوں نے اپنی ایک پریشانی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سامنے رکھی کہ ہم کسی مذہبی لڑکی یعنی کسی عالمہ فاضلہ سے شادی کرنا چاہتے ہیں لیکن گھر والے راضی نہیں ہوتے۔ میں نے کہا کہ گھر والوں کا کیا اعتراض ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ گھر والے کہتے ہیں کہ عالمہ فاضلہ کو گھر لانے کا مطلب گھر میں ایک بوجھ (Burdon) کا اضافہ کرنا ہے کہ کام تو اس نے کوئی کرنا نہیں ہے، البتہ آرام سارے وصول کرنے ہیں۔

میں نے کہا کہ بات سمجھ نہیں آرہی کہ عالمہ فاضلہ کے کام کاج نہ کرنے یا نکمے ہونے سے کیا تعلق ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہاں کراچی میں بعض مفتی حضرات نے فتوی دیا ہے کہ عورت پر اپنے خاوند کے علاوہ اس کے گھر والوں بشمول ساس، سسر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہے، یہاں تک کہ عورت پر یہ بھی ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ خاوند کے لیے کھانا بنائے، کپڑے دھوئے، برتن صاف کرے وغیرہ۔ میں نے کہا ایسے فتووں کا تو ایسا ہی نتیجہ نکلنا تھا اور یہ فطری نتیجہ ہے۔ جب آپ نے دیندار عورت کی ذمہ داریاں ساری معاف کر دی ہیں اور ساتھ میں حقوق اسے سارے دے دیے ہیں تو اب لوگوں نے بیٹوں کی شادی کے معاملے میں دنیادار عورتوں کو ہی ترجیح دینی ہے کہ کم از کم گھر کے کام کاج میں تو ہاتھ بٹائے گی۔

انہوں نے کہا کہ آپ یہ بتلائیں کہ ساس سسر کی خدمت عورت کی دینی ذمہ داری ہے یا نہیں؟ میں نے کہا کہ آپ یہ بتلائیں کہ عورت کو ملازمہ رکھ کر دینا اس کا دینی حق ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ اگر آپ شریعت اور فقہ ہی سے مسئلہ حل کرنا چاہتے ہیں تو عورت کو جس طرح شریعت اور فقہ کی روشنی میں ذمہ داریوں سے آزاد کیا ہے، اسی طرح اس کے حقوق بھی ختم کریں، تو توازن پیدا ہو گا۔ یہ تو ممکن نہیں ہے کہ جب عورت کے کام کرنے کی باری آئے تو پھر اس کی دینی ذمہ داری اور جب اس کے لینے کی باری آئے تو اب عرف اور رواج کیا ہے؟ اس طرح تو کام نہیں چلے گا۔

اور حقیقی بات یہی ہے کہ میاں بیوی کے حقوق و فرائض کا تعین عرف اور رواج سے ہی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید نے بھی یہی کہا ہے کہ جیسے بیویوں کے حقوق ہیں، ویسے ہی ان کے فرائض بھی ہے، عرف کے مطابق۔ کیا یہ کوئی شرعی یا فقہی ذمہ داری ہے کہ مرد اپنی بیوی کو سپلٹ اے سی لگوا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر دے، ڈبل بیڈ اور صوفہ سیٹ خرید کر دے، گیزر اور ہیٹر کی سہولت مہیا کرے، بجلی اور گیس کا کنکشن لگوا کر دے لیکن اس کے باوجود اگر مرد ایسا کر رہے ہیں اور مفتی صاحب کوئی ایسی تحریک چلا دیتے ہیں کہ جس میں مردوں کو یہ بتلایا جاتا ہے کہ یہ سب کچھ ان پر واجب نہیں ہے تو فریق مخالف کی چیخیں نہیں نکلیں گی تو کیا ہو گا؟ اور یہی کام ہمارے ممدوح مفتی صاحب کر رہے ہیں کہ عورتوں کے حقوق بیان کر کے مردوں کی چیخیں نکلوانا چاہتے ہیں۔

ہم یہ نہیں کہنا چاہتے کہ بہو گھر میں لانے کا مطلب خادمہ اور نوکرانی لانا ہے، یہ تصور بھی بالکل غلط ہے، لیکن یہ کون سا دین ہے کہ گھر میں ساس، سسر بھوکے ہوں اور بیوی یہ کہے کہ میں انہیں کھانا اس لیے بنا کر نہیں دے سکتی کہ یہ میری دینی ذمہ داری نہیں ہے اور اللہ کے رسول ﷺ یہ فرمائیں کہ جس کا پڑوسی بھوکا سو جائے، وہ مومن نہیں ہے، وہ مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم، وہ مومن نہیں ہے۔ تو اللہ کے رسول ﷺ تو پڑوسی کے بھوکا سو جانے پر ایمان کی نفی کر دیں اور گھر میں ساس، سسر بھوکے ہوں تو وہ مومنہ بلکہ عالمہ فاضلہ ہے؟ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ یہ دین، دین فطرت ہے، فتوی کے نام پر اتنی بڑی غلطی نہ کریں کہ فطرت چیخ چیخ کر بتلائے کہ آپ غلط کہہ رہے ہیں۔ اگر اسی طرح مذہبی عورتوں کے حقوق کے لیے بے معنی فتاوی جاری ہوتے رہے تو وہ وقت بھی قریب آجائے گا جبکہ سسر گھر میں بیماری سے تڑپ رہا ہو گا اور بیوی اپنے شوہر کو فون کر کے کہے گی کہ جانو! ذرا گھر آ کر اپنے ابا جان کو دوائی پلا دینا، اسے دوائی پلانا میری دینی ذمہ داری نہیں ہے۔

کیا ساس، سسر کی خدمت واجب ہے؟

ساس، سسر کی خدمت کے حوالے سے ایک پوسٹ شیئر کی تھی کہ جس پر بعض دوستوں نے یہ سوال کیا کہ کیا ساس، سسر کی خدمت واجب ہے یا یہ احسان میں شامل ہے؟

قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ﴾ [الإسراء: 26]۔ ترجمہ: رشتہ دار کو اس کا حق دو، مسکین کو اس کا حق دو، مسافر کو اس کا حق دو۔ مسند احمد کی ایک روایت کے مطابق تو اللہ کے رسول ﷺ نے تو یہاں تک فرما دیا کہ تمہارے نفس کا تم پر حق ہے، تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے، تمہارے ملاقاتی کا تم پر حق ہے۔ اور الموطا کی ایک روایت کے مطابق

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پڑوسی کے حق کی اتنی وصیت کی کہ مجھے لگا کہ اسے وراثت میں حصہ دار بنادیا جائے گا تو کیا ہمارا دین ساس، سسر کو پڑوسی جتنا حق بھی نہ دے گا؟ جبکہ ساس، سسر آیت کریمہ ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ﴾ [النساء: 36] ترجمہ: اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اور رشتہ داروں کے ساتھ، اور یتیموں کے ساتھ، اور مساکین کے ساتھ، اور ان پڑوسیوں کے ساتھ جو رشتہ دار بھی ہوں، اور ان پڑوسیوں کے ساتھ جو اجنبی ہوں اور ان پڑوسیوں کے ساتھ جو پہلو میں ہوں، کی روشنی میں ذی القربی، والجار ذی القربی اور الصاحب بالجنب میں داخل ہوں۔

اب اگر مہمان گھر میں آجائے تو اسے کھانا کھلانا اخلاقی حق ہے یا ایسا قانونی [شرعی] حق کہ جس کو ادا نہ کرنے سے وہ گناہ گار ہوگا؟ اگر مہمان کو کھانا کھلانا قانونی حق ہے تو ساس، سسر کو کھانا کھلانا محض ان کا اخلاقی حق ہے کیا؟ اسی طرح معلوم نہیں لوگوں نے احسان کا معنی کیا سمجھ رکھا ہے؟ جب قرآن مجید والدین سے احسان کا حکم دیتا ہے تو کیا اس سے مراد اردو زبان والا احسان ہوتا ہے؟

پھر المؤطا کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے تو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ اور مستدرک حاکم کی صحیح روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص مومن نہیں ہے کہ جس نے رات پیٹ بھر کر گزاری اور اس کا پڑوسی بھوکا سویا رہا اور اسے یہ معلوم بھی تھا۔ کیا یہ پڑوسی کا محض اخلاقی حق ہے کہ وہ بھوکا ہو تو اسے کھانا کھلایا جائے؟ اگر اخلاقی حق ہی تھا تو پھر ایمان کی نفی کرنے کا کیا معنی؟

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ پڑوسی کے کچھ اخلاقی حقوق ہیں لیکن اس کے کچھ قانونی حقوق بھی ہیں، اسی طرح مہمان کے اخلاقی حقوق ہیں لیکن ان کے کچھ قانونی حقوق بھی ہیں، اسی طرح ملاقاتی کے کچھ اخلاقی حقوق ہیں لیکن اس کے کچھ قانونی حقوق بھی ہیں، اسی طرح سسرال، چاہے وہ مرد کا ہو یا عورت کا، کے کچھ اخلاقی حقوق ہیں لیکن ان کے کچھ قانونی حقوق بھی ہیں۔

اور اخلاقی حق بعض صورتوں میں قانونی حق بن جاتا ہے، فرض کفایہ کا تصور یہی ہے۔ اپنے محلے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دار کا جنازہ پڑھنا اس کا اخلاقی حق ہے، لیکن اگر محلے میں کوئی نہیں پڑھ رہا تو اب آپ کے لیے پڑھنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر ساس سسر کی خدمت کے لیے ان کی اولاد نہیں ہے یا اگر اولاد تو ہے لیکن نہیں کر رہی، تو یہ ذمہ داری دیگر قریبی رشتہ داروں کی طرف منتقل ہو گی، یہ حکم صرف عورتوں کے لیے نہیں، مردوں کے لیے بھی ہے۔ اگر کسی مرد کے ساس سسر کی خدمت ان کی اولاد نہیں کر رہی، یا ان کی اولاد ہے ہی نہیں تو یہ مرد کے ذمہ واجب ہو گا کہ وہ ان کی خدمت کرے۔

تو یہاں ہم نے تین باتیں کی ہیں، ایک یہ کہ سسرال، مرد کا ہو یا عورت کا، ان کے کچھ اخلاقی حقوق ہیں اور کچھ قانونی جیسا کہ پڑوسی، مہمان، ملاقاتی، دوست، ساتھی، رشتہ دار، پارٹنر وغیرہ کے کچھ قانونی حقوق ہیں اور کچھ اخلاقی ہیں۔ اور قانونی حقوق وہ ہوتے ہیں جو بنیادی ضرورت سے متعلق ہوں کہ بھوکے کو کھانا کھلانا اس کا اخلاقی حق ہے لیکن اگر وہ بھوکا آپ کے سامنے بھوک کی اذیت میں مبتلا ہو تو اب اس کا قانونی حق ہے کہ آپ اس پر خرچ کریں۔

اور دوسری یہ کہ اخلاقی حق بعض صورتوں میں قانونی حق بن جاتا ہے جبکہ وہ لوگ کہ جن پر اس فرد کے حوالے سے وہ قانونی حق عائد ہوتا ہے، وہ اسے ادا نہ کر رہے ہوں۔ اور تیسری اور آخری بات یہ کہ قرابت داروں میں سسرالی رشتہ دار بھی شامل ہیں اور قرآن مجید جب والدین اور رشتہ داروں سے احسان کا حکم دیتا ہے تو اس احسان سے مراد اردو والا احسان نہیں ہوتا بلکہ یہ مراد ہوتا ہے کہ ان کے حقوق کو حسن اور خوبصورتی سے ادا کرو، سر سے نہ اتارو۔ پس مطلقاً یہ بات کہنا کہ داماد یا بہو پر ساس، سسر کا کوئی قانونی حق نہیں ہے، دین اسلام کی تعلیمات اور مقاصد سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ یہ بات درست ہے کہ حق، حق میں فرق ہوتا ہے کہ والدین کی خدمت کا جیسا حق اولاد پر لازم ہوتا ہے، ویسا ہی داماد یا بہو پر عائد نہیں ہوتا ہے۔

میڈم! مجھے لڑکے پسند ہیں

"میڈم! مجھے لڑکے پسند ہیں" کے عنوان سے محترمہ فرح احمد صاحبہ کا ایک کالم "ہم سب" ویب سائیٹ پر نظر سے گزرا۔ اس کالم میں میڈیم فرح احمد نے اپنی ایک اسٹوڈنٹ لڑکی کا کیس ڈسکس کیا ہے کہ جسے لڑکے اچھے لگتے تھے، وہ ان کے ساتھ دوستی کرنا چاہتی تھی، اسے آزادی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہیے تھی لیکن معاشرتی اور خاندانی روایات اس کی اس خواہش میں آڑے آتی تھیں کہ لڑکی کو ڈر تھا کہ اگر اس کے ابا کو پتہ چل گیا تو اسے جان سے مار دیں گے۔ میڈم فرح احمد نے اس مسئلے کی وجہ "جنریشن گیپ" کو قرار دیا ہے اور توجہ دلائی ہے کہ اسی جنریشن گیپ کی وجہ سے والدین اپنی بچیوں کی ان جائز خواہشات کا لحاظ نہیں رکھ پاتے۔

ہمیں یہاں محترمہ فرح احمد صاحبہ کی اس بات سے تو اتفاق ہے کہ صورت واقعہ ایسی ہی ہے کہ یونیورسٹی میں لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد، خاص طور وہ جو کہ چھوٹے شہروں یا دیہات سے بڑے شہر میں آتی ہیں، کی ایسی ہی خواہشات ہیں۔ ایسے میں خواہ مخواہ کی ضد میں یہ کہنا کہ واقعتاً میں ایسا تو نہیں ہو رہا اور محترمہ کسی خیالاتی یا تصوراتی لڑکی کی بات کر رہی ہیں، درست نہیں ہو گا۔ پس ہمیں اس مسئلے کے مسئلہ ہونے میں تو میڈم سے اتفاق ہے لیکن اِس مسئلے کے اُس تجزیے سے اتفاق نہیں ہے جو محترمہ فرح احمد نے کیا ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک لڑکی کی بات ہے، ہر لڑکی کی نہیں ہے۔ میں خود ایک یونیورسٹی میں پڑھاتا ہوں۔ میرے پاس ایک ماڈ سکاڈ (mod squad) لڑکی کاؤنسلنگ کے لیے آئی اور اس کا جملہ یہ تھا کہ "مجھے لڑکے کمینے اور زہر لگتے ہیں، میں انہیں دیکھنا بھی نہیں چاہتی"۔ تو یہ ہر ایک کا پرسنل ایکسپوئیر ہے جو مختلف ہو سکتا ہے۔ اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ جو لڑکی کئی لڑکوں کو بھگتا چکی ہو تو اس کا جملہ یہ ہر گز نہیں ہو گا کہ "مجھے لڑکے اچھے لگتے ہیں" بلکہ اس کا جملہ یہی ہو گا کہ "مجھے لڑکے کمینے لگتے ہیں"۔ اسی لیے تو ایک فرانسیسی ادیبہ نے کہا تھا کہ مردوں کے جتنے قریب جائیں، کتے اتنے ہی اچھے لگتے ہیں۔

چلیں! اس بات کو دوسری طرح سمجھ لیں کہ اس لڑکی کی جب شادی ہو جائے گی، چاہے لو میرج ہی کیوں نہ ہو تو اسے اپنا خاوند کمینہ معلوم ہو گا۔ دوسرا اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ لڑکیوں کو لڑکے کیوں اچھے لگتے ہیں؟ اس کی ایک وجہ تو جنس مخالف میں رغبت اور ایٹریکشن ہے اور یہ فطری ہے۔ لیکن زیادہ بڑی وجہ یہ ہے کہ عورت کو ایٹریکشن چاہیے، توجہ چاہیے، اس کی خواہش ہے کہ کوئی اس کو چاہے، اس کی تعریفیں کریں، چاہے جھوٹی ہی کیوں نہ ہوں، یہ عورت کی آزمائش

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اس کے برعکس مرد میں سیکس کی جبلت قوی ہے لہذا اس کی آزمائش اس میں ہے۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مرد میں محبت اور عورت میں سیکس کے جذبات نہیں ہوتے بلکہ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ مرد اور عورت میں غالب رجحانات کون سے ہوتے ہیں۔

ایک لڑکی جب فیملی لائف سے ہاسٹل میں آتی ہے تو اس کی ہوم سکنس بڑھ جاتی ہے۔اور تنہائی ایک عذاب ہے لہذا اس ڈیپریشن میں اس کی توجہ حاصل کرنے کی خواہش اور بڑھ جاتی ہے۔اور کو۔ایجوکیشن میں اس خواہش کے پورا ہونے کے آسان مواقع میسر ہوتے ہیں لہذا وہ ایک نہیں کئی ایک لڑکوں سے اٹیچمنٹ محسوس کرتی ہے۔لڑکے بظاہر شروع میں اس کی تعریفیں کرتے ہیں،اسے توجہ دیتے ہیں لیکن لڑکوں کا یہ مزاج نہیں ہے لہذا وہ اپنی سیکس کی جبلت پوری ہونے کے بعد اسے ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیتے ہیں۔مردوں کو دیکھ لیں کہ وہ شادی کے بعد اپنی سابقہ محبوبہ اور حالیہ بیوی کی کتنی تعریفیں کر پاتے ہیں؟ بلکہ اکثر شوہر حضرات بھی اپنی خواہش پوری کرنے کے بعد دوسری طرف منہ کر کے سو جاتے ہیں کہ انہیں یہ سب کچھ حاصل کرنے کے لیے جو پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں تو یہ اس کا ردعمل ہوتا ہے۔اس کی وجہ یہی ہے کہ عورت میں یہ جذبہ قوی نہیں ہے لہذا بعض اوقات وہ مرد کی اس ضرورت کو محسوس کر کے اسے ایکسپلائٹ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ بی۔بی۔سی کی ایک رپورٹ کے مطابق ایک انڈین وزیر کو یہ کہنا پڑا کہ جو بیوی اپنے شوہر کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دے تو اسے جنسی تشدد میں شامل کرنا چاہیے۔اور یہ بات اس پس منظر میں درست معلوم ہوتی ہے کہ بعض عورتیں مردوں کی اس کمزوری کو ایکسپلائٹ کرتی ہیں۔

اور عورت کی کمزوری چاہنے جانے کی خواہش ہے۔یہی وجہ ہے کہ عورت کی اگر یہ ضرورت پوری نہ ہو یعنی چاہے جانے کی تو شادی کے بعد بھی اسے لڑکوں میں رغبت محسوس ہو گی۔اب یہ عقلمندی تو شوہر صاحب کو کرنی ہے ناں۔تو ہم یہ بات کر رہے تھے کہ لڑکی ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیے جانے کے بعد اب وہ ڈرگ ایڈکشن میں پناہ لیتی ہے یا کسی اور لڑکے کی گود میں سر رکھ کر اپنی پرانی اذیت کو بھلانا چاہتی ہے لیکن کب تک؟ اس کا انجام یا تو خودکشی ہے،ڈگری و گری تو ویسے ہی کام سے گئی کہ ایسی حرکتوں اور خواہشات کے پورا کرنے میں لگ جانے سے اس کا سی۔جی۔پی۔اے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(CGPA) دو بھی آجائے تو بہت غنیمت ہے۔ اس ناکامی کا ڈیپریشن علیحدہ سے سر پر سوار ہوتا ہے جو سکون آور ادویات اور ڈرگ ایڈکشن کی طرف لے جاتا ہے۔ اب اسے لڑکے کمینے لگتے ہیں بلکہ اسے تو اپنے استاذ کی نظریں بھی ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ جیسے استاذ صاحب کو اس کی تعلیم سے زیادہ اس کے جسم سے لگاؤ ہو۔ بھئی، یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور ایسے ہی ہو رہا ہے۔ اسلام آباد کے اسکولوں میں 47 فی صد بچہ ڈرگ ایڈکشن میں مبتلا ہے، یہ باتیں ایسے ہی تو سینیٹ میں ڈسکس نہیں ہو رہیں۔ بہت خطرناک صورت حال ہے اور کسی کو احساس تک نہیں ہے۔

اگر اس کا صحیح معنوں میں حل چاہتے ہیں تو وہ ایک ہے۔ خدارا ہ! اس مسئلے کو سمجھیں، اسے ہلکا نہ جانیں۔ کالج لائف اور یونیورسٹی گریجویشن کے دوران لڑکی اپنی زندگی کے نازک ترین مرحلے سے گزر رہی ہوتی ہے، اسے توجہ چاہیے، عورت کی نہیں کیونکہ وہ کمزور ہے، مرد کی یعنی اپنے سے طاقتور کی۔ اور یہ توجہ اسے اس کی ماں نہیں باپ دے سکتا ہے۔ باپ کی توجہ اور وقت دینے سے اس میں اعتماد پیدا ہو گا اور اس کی لائف میں ٹھہراؤ آئے گا۔ لیکن باپ تو سارے پیسے کمانے کی مشین بنے ہوئے ہیں، ان کے پاس اولاد کے لیے وقت کہاں؟ اور اگر وقت ہے بھی تو اولاد سے تعلق میں گیپ اتنا ہے کہ کمیونیکیشن نہ ہونے کے برابر ہے۔

آپ کی بچی کو توجہ چاہیے، اگر آپ اس کے باپ ہوتے ہوئے اسے توجہ اور وقت نہیں دیں گے، اس کی تعریف نہیں کریں گے، تو وہ یہ سب کچھ باہر سے لے گی، اس کے بغیر اس کے لیے زندہ رہنا مشکل ہے، اگر رہے گی تو ایک قید خانے میں محبوس قیدی کی طرح۔ اور یہ پھر اس کا ایمان اور صبر ہے کہ حیاء، عفت اور پاکیزگی کے ساتھ زندگی گزار جائے۔ لیکن اتنا ایمان اور صبر کس کے پاس ہے؟ اس سارے مسئلے میں اصل قصوروار باپ ہے، بس! کہ جس نے اپنی ذمہ داری صرف اتنی سمجھ لی کہ اولاد پر خرچ کر لیا تو میری ذمہ داری ادا ہو گئی۔ نہیں، اولاد کو آپ سے صرف مال نہیں بلکہ وقت، توجہ اور پیار بھی چاہیے ورنہ تو وہ نامکمل رہے گی اور اپنی شخصیت کی ان ضرورتوں کی تکمیل باہر سے کرے گی۔ آخر کو وہ انسان ہے، اپنی تکمیل تو اسے کرنی ہی ہے ناں۔

تو لڑکے اسے اسی لیے اچھے لگتے ہیں کہ وہ اس کی تعریف کرتے ہیں لیکن اس کے لیے یہ جاننا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت ضروری ہے کہ لڑکا اس کی تعریف صرف اپنا مقصد نکالنے کے لیے کر رہا ہے اور وہ ہے اپنی سیکس کی خواہش پوری کرنا۔ اور جب وہ پوری ہو گئی تو اب اسے معلوم ہو گا کہ لڑکے اسے کمینے لگتے ہیں۔ لہذا اس کا واحد حل یہی ہے کہ نکاح اور شادی کی جائے کہ جس میں اس کی تعریف کی خواہش بھی جائز صورت میں کسی قدر اور گھر بنانے، بچے پیدا کرنے، خاوند سے خرچہ لینے کی خواہشات بھی پوری ہو جائیں گی۔ اور ویسے خاوندوں سے تعریف وصول کرنا بھی آسان کام ہے، بیوی بن کر تو دیکھیں۔ عاشقوں سے تعریفیں وصول کرنے کے لیے بہت کچھ قربان کرنا پڑتا ہے۔ حیاء، عفت، پاکیزگی اور عزت سے بڑی چیز کیا ہو سکتی ہے جو اسے دینی پڑ جاتی ہے۔ تو جب تک شادی نہیں ہوتی تو باپ تعریف کرے، یہی مسئلے کا حل ہے ورنہ تباہی ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے، ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے، انہیں بوسہ دیتے اور پھر اپنی جگہ پر بٹھاتے تھے۔ اور یہی معاملہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتا تھا جبکہ آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے تھے۔

یونیورسٹی کلچر اور لڑکے لڑکیوں کی پاکیزہ دوستیاں

"ہم سب" پر میڈم فرح احمد کی ایک تحریر "میڈم! مجھے لڑکے پسند ہیں" شائع ہوئی کہ جس کے جواب میں راقم کی ایک تحریر "سر! مجھے لڑکے کمینے لگتے ہیں" کے عنوان سے "ہم سب" پر شائع ہوئی۔ اس کے بعد اس بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے تحریم عظیم نے "میرے بہت سے لڑکے دوست ہیں" کے عنوان سے ایک تحریر شائع کی۔

تحریم عظیم بلکہ ان کے علاوہ اس معاشرے کے ایک بڑے طبقے کا کہنا یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکیوں کی باہمی دوستی میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس سے ان دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے، اسٹڈی میں اور زندگی کے مختلف مسائل حل کرنے میں مدد ملتی ہیں۔ اس طبقے کا کہنا یہ ہے کہ لڑکے اور لڑکی میں "محض دوستی" (just friendship) ممکن ہے کہ دوستی کو مرد اور عورت کی تمیز سے بالاتر ہونا چاہیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محض دوستی کو اصطلاحاً افلاطونی دوستی (platonic friendship) بھی کہتے ہیں یعنی ایسی دوستی کہ جس میں لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے سے رومانس اور سیکس کی خواہش نہ رکھتے ہوں۔ اس دوستی کے وجود کے بارے ماہرین نفسیات کا اختلاف ہے جبکہ ماڈرن ریسرچ اسٹڈیز یہ بتلاتی ہیں کہ یہ ایک خواہش ہی ہے اور ایسا حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

2000ء میں جرنل آف سوشل اینڈ پرسنل ریلیشن شپس (Journal of Social and Personal Relationships) میں شائع شدہ ایک ریسرچ کے مطابق 300 کالج اسٹوڈنٹس سے ایک سروے کیا گیا کہ جس کے مطابق ان میں سے 67 فی صد کی فرینڈ شپ، سیکسچوئل ریلیشن شپ میں تبدیل ہو چکی تھی۔

ایک امریکی یونیورسٹی، ونکونسین-ایو کلیئر (The University of Wisconsin–Eau Claire) نے 400 لوگوں کی دوستی کو تحقیق کا موضوع بنایا کہ جس کا نتیجہ یہ شائع کیا کہ ان میں ایٹریکشن بہت عام تھی اور وہ محض دوستی نہیں تھی۔ اس ریسرچ کا خلاصہ یہ تھا کہ دونوں کی طرف سے نہ سہی لیکن ایک کی طرف سے ایٹریکشن ضرور موجود ہوتی ہے، چاہے کم لیول کی ہو اور یہ عموماً مرد کی طرف سے ہوتی ہے۔

ایک اور امریکی یونیورسٹی، الاباما (The University of Alabama) نے 418 اسٹوڈنٹس پر ریسرچ کی اور یہ نتائج پبلش کیے کہ اگرچہ اکثریت اس بارے پر امید ہے کہ "محض دوستی" کا وجود ممکن ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ 63 فی صد کا کہنا یہ بھی ہے کہ وہ نہ نظر آنے والی محبت (some kind of secret romantic interest) کا شکار ہوتے ہیں۔ یعنی وہ کسی ذہنی لیول پر جا کر ایک دوسرے میں ایٹریکشن، رومانس اور سیکسچوئل ڈیزائر محسوس کر رہے ہوتے ہیں لیکن وہ اس کو ماننے یا اظہار پر تیار نہیں ہوتے۔

بہر حال ماڈرن سائیکالوجی کیا کہتی ہیں؟ یہ ایک الگ موضوع ہے لیکن ہمارا مذہب اس بارے یہی رہنمائی دیتا ہے کہ مرد و زن کی آپس کی دوستیاں درست نہیں ہیں۔ صحیحین کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت کے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتیں ہیں۔ اب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں عورتوں سے مراد ماں، بہن، بیوی اور بیٹی نہیں ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اس سے مراد غیر محرم عورتیں ہیں۔ اور یہ حدیث بیوی کو بہت اچھی طرح سمجھ آتی ہے کہ غیر محرم عورتیں اس کے خاوند کے لیے کیسے فتنہ بن سکتی ہیں۔

ایک اور صحیح حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مرد اور عورت جب تنہاء ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ تو "محض دوستی" کیا چیز ہے بھئی؟ ریلیشن شپ ایکسپرٹ اور بیسٹ سیلر اپیرل میسینی (April Masini) کا کہنا ہے کہ "محض دوستی" کا وجود ممکن نہیں ہے۔ اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اس لمحے میں "محض دوستی" سے گزر رہے ہیں تو ذرا انتظار کریں، کچھ وقت گزرنے کے بعد آپ کو احساس ہو جائے گا کہ یہ آپ کی غلط فہمی تھی۔

بے وقوف یہ سمجھتے ہیں کہ "محض دوستی" ممکن ہے، لڑکے اور لڑکی کا باہمی تعلق بڑے اخلاص اور خیر خواہی پر مبنی ہو سکتا ہے اور "سیکس" تو مولوی کے ذہن میں ہے جو انہیں اس دوستی سے ڈراتا ہے۔ اگر "سیکس" مولوی کے ذہن میں ہے تو "فرائیڈ" اور "منٹو" مدرسے کی پیداوار ہیں کیا؟ بیسویں صدی میں سائٹ کیا جانے دوسرا بڑا سوشل سائنٹسٹ اور سائیکالوجسٹ "فرائیڈ" ہے کہ جس کا کہنا ہے کہ ماں بیٹے کے پاس اور باپ بیٹی کے پاس بیٹھے تو اس میں بھی سیکسچوئل ڈیزائر موجود ہوتی ہے۔ تو یہ سیکس کیا مذہب کے ذہن پر سوار ہے یا آپ کی ماڈرن سائیکالوجی کی بنیادوں پر؟

اگر لڑکے اور لڑکی کی دوستی اتنی ہی پاکیزہ ہوتی ہے تو یہ سائبر کرائمز کس بلاء کا نام ہے اور اتنی بڑی تعداد میں یہ کہاں سے ٹپک پڑے کہ آپ کو قانون سازی کی ضرورت پڑ گئی؟ یہ یونیورسٹیز میں ڈیٹنگ کلچر کسے کہتے ہیں اور پیئرز یعنی جوڑے جھاڑیوں اور درختوں کے پیچھے چھپ کر کون سی اسائنمنٹ حل کرنا چاہتے ہیں؟ یہ فرینڈ شپ کے نتیجے میں کورٹ میرج کوئی مرتخ پر ہو رہی ہے کیا؟ اگر یہ دوستی اسٹڈی میں ہیلپ فل ہے تو سی۔جی۔پی۔اے (CGPA) ان اسٹوڈنٹس کا کیوں کم آ رہا ہے کہ جن کی کراس جینڈر دوستیاں زیادہ ہیں؟

لبرل طبقے کے پاس اپنے موقف کے حق میں عجیب و غریب فضول قسم کے منطقی دلائل ہے۔ ان کی ماڈرن منطق کے مطابق تو چنگیز خان بھی اللہ کی نعمت سے کم نہ تھا کہ اگر اتنے انسان قتل نہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتا تو دنیا کی آبادی خطرناک حد تک بڑھ چکی ہوتی۔ لبرل لکھاریوں کا المیہ یہ نہیں ہے کہ ان کے پاس کہنے کو کوئی عقلی و منطقی بات نہیں ہے۔ ان کے پاس کہنے کو بہت سی منطقی اور عقلی باتیں ایسی ہی ہیں کہ جیسے "دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے"۔

اور قابل افسوس صورت حال یہ ہے کہ اب یونیورسٹی ٹرپس کے نام پر یہ مخلوط معاشرت اتنی عام ہو چکی ہے کہ مذہبی گھرانوں سے تعلق رکھنے والے لڑکے اور لڑکیوں کے لیے بھی ان میں شمولیت ایک عام سی بات ہو چکی ہے۔ بس فرق صرف اتنا ہے کہ یہ نقاب میں گروپ فوٹو کھچوالیں گی۔ لیکن ان لڑکیوں کو یہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ چیز ان کی شادی کے بعد کی زندگی کے لیے کتنی نقصان دہ ہے کہ ان کا شوہر ساری عمر شک میں گزار دے گا۔ ان مردوں کو "غیرت" مذہب نے نہیں دی، یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ غیرت ان کے جینز میں ہے۔ یہ مذہب کو چھوڑنے کے بعد بھی تمہارے معاملے میں اتنے ہی غیرت مند رہیں گے جیسا کہ مغرب کا مرد بھی اپنی عورت کے بارے میں غیرت مند ہے۔

محبت اور شادی

دوست کا سوال ہے کہ ساتھ جاب کرنے والی خاتون اگر نقاب کرتی ہوں تو ان میں زیادہ توجہ محسوس ہوتی ہے، اسے دور کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ جواب: نقاب والی خواتین کے ساتھ اگر انٹرایکشن بڑھ جائے تو ان میں توجہ زیادہ محسوس ہوتی ہے، یہ بات درست ہے اور اس کی وجوہات نفسیاتی ہیں لیکن عین ممکن ہے کہ نقاب اترے اور ایک ہی لمحے میں ساری توجہ ختم ہو جائے۔

تو اس ایٹریکشن کی وجہ یہی ہے کہ تخیل یعنی امیجی نیشن، ریئیلیٹی سے ہمیشہ بڑا ہوتا ہے مثلاً آپ ایک خوبصورت جگہ کی سیر کرنا چاہتے ہیں، اس جگہ کی خوبصورتی جو آپ کے تخیل میں آسکتی ہے، وہ اس سے زیادہ ہوتی ہے جو وہاں ریئل میں آپ کو محسوس ہوتی ہے۔ لیکن یہ ہر کسی کا مسئلہ نہیں ہو سکتا، ان کا ہو سکتا ہے کہ جن کا تخیل بڑا ہو جیسا کہ شاعر اور مفکر ٹائپ لوگ ہوتے ہیں۔

اس کا حل کیا ہے؟ اگر تو یہ عمومی مسئلہ نہیں ہے کہ کسی ایک آدھ خاتون میں کسی وجہ سے مثلاً انٹرایکشن ہونے کی صورت میں ایٹریکشن محسوس ہو رہی ہے اور وہ وقت کے ساتھ بڑھ بھی رہی ہے تو ایک سائیکالوجسٹ کے طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس کی طرف ایٹریکشن محسوس ہو رہی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے،اس کی تصویر کبھی نقاب کے بغیر دیکھ لیں،اب یہ ایٹریکشن امیجی نیشن سے رئیلٹی میں داخل ہو جائے گی۔ تو یا تو ختم ہو جائے گی یا پھر لازماً کم ہو جائے گی۔

لیکن ایک مذہبی اسکالر کے طور پر یہ تجویز کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے لہذا زیادہ بہتر یہی ہے کہ کسی اچھے سے عالم دین سے رائے لے لیں۔ البتہ اس کا ایک اور حل ہے لیکن وہ اس صورت ممکن ہے جبکہ وہ عورت آپ کی طرف ایٹریکشن محسوس نہ کر رہی ہو۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ آپ کو جھڑک دے اور وہ بھی بری طرح سے۔ اس سے بھی امیجی نیشن کا بخار اتر جاتا ہے۔ واضح رہے کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم بطور سائیکالوجسٹ یہ بات کر رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شریعت میں اس کا حل نہیں ہے جو ہمیں سائیکالوجی کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ شریعت میں اس کا حل ضرور موجود ہے لیکن میرا علم اتنا نہیں ہے لہذا شریعت کے کسی بڑے عالم کی طرف رجوع کر لیں۔ البتہ میرے پاس اس وقت کچھ ماڈرن سائنسز کا علم بھی ہے کہ جس سے آپ کے مسئلے کا فوری حل نکالا جا سکتا ہے تو سو وہ حل میں اپنے اس علم کی روشنی میں تجویز کر رہا ہوں۔

دوست کا سوال یہ بھی ہے کہ اگر بیوی سے چار بچے ہو جائیں تو وہ شوہر کے قابل نہیں رہتی تو ایسی صورت حال میں دوسری شادی کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہیں؟ جواب: دیکھیں، دوسری شادی کے حوالہ سے دو باتیں ہیں؛ ایک یہ کہ آپ پہلی سے تنگ ہیں، یا خوش نہیں ہیں، اس لیے دوسری کرنا چاہتے ہیں یعنی ایک سے بھاگ کر دوسری میں سکون تلاش کرنا چاہتے ہیں۔ تو ایسی صورت حال میں تو میں دوسری شادی کا مشورہ نہیں دیتا کیونکہ ایسا مرد عدل نہیں کر سکتا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کو عورتیں اچھی لگتی ہیں یعنی آپ کو عورت سے محبت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میرے دل میں عورتوں کی محبت ڈال دی گئی ہے۔ تو اگر تو آپ پہلی کے قدر دان ہیں کہ اس نے اپنی صحت کی قیمت پر آپ کے لیے اولاد پیدا کی وغیرہ وغیرہ اور آپ پہلی کو چھوڑ نہیں سکتے اور دوسری لازماً کرنا چاہتے ہیں تو اس صورت میں یہی تجویز کرتا ہوں کہ شام ہونے سے پہلے اگر دوسری شادی کر سکتے ہو تو کر لو۔

باقی یہ دنیا دار آزمائش ہے، آزمائش ختم نہیں ہو سکتی۔ یہ کہنا کہ جنہوں نے دو کی ہیں، ان کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیویوں سے جا کر پوچھو کہ کیا صورت حال ہے؟ کوئی منطقی دلیل نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ جنہوں نے ایک کی ہے، ان کی بیویاں ان سے کون سا راضی اور مطمئن ہیں؟ تو اصل چیز یہ ہے کہ آپ کے پاس احساس کرنے والا دل اور محبت رکھنے والا مزاج ہے یا نہیں۔ اور یہ کسی کسی کے پاس ہوتا ہے، یہ بات درست ہے۔ اگر ہے تو دوسری شادی میں دیر نہ لگائیں اور اگر نہیں ہے تو ایک دوسری عورت کی زندگی بھی خراب نہ کریں۔ رہی یہ بات کہ اسلام میں مردوں کا ایک سے زائد شادی کی اجازت کیوں ہے؟ تو اس کے کئی جوابات ممکن ہیں کہ جن میں سے ایک یہ ہے کہ اس دنیا میں مردوں کی تعداد عورتوں کی تعداد سے چھ کروڑ سولہ لاکھ زائد ہے۔ اگر ایک مرد ایک عورت سے شادی کرے تو چھ کروڑ سولہ لاکھ کے قریب عورتیں کنواری رہ جائیں اور ان کے پاس دو صورتیں رہ جائیں؛ یا تو کسی مرد کی دوسری بیوی بن جائیں یا پھر بازار کی عورت بن کر زندگی گزار لیں۔ دنیا میں عورتوں کے زیادہ ہونے کی کئی ایک وجوہات ہیں کہ جن میں سے ایک یہ ہے کہ لڑکی میں جسمانی طور پر حالات اور مصائب کو برداشت کرنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے بنسبت لڑکے کے لہذا بچیوں کی نسبت بچوں کی اموات زیادہ ہوتی ہیں۔ اور دوسرا یہ کہ جنگ وجدال کی وجہ سے بھی مردوں میں اموات کی شرح کافی بڑھ جاتی ہے لہذا نتیجہ کے طور پر من جملہ عورتوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

محبت نیوز: کیمرہ وومین، شرم وحیا کے ساتھ، عفیفہ شمسی

میں نے کہا ذرا رکیں جناب! محبت پہ گفتگو کر لیتے ہیں، جس نے فضول کے تماشے کھڑے کر رکھے ہیں۔ بھئی، یہ عجیب معاملہ ہے کہ محبت نے ہر جگہ ٹانگ اڑا رکھی ہے۔ ہسپتال میں یا تو ڈاکٹر کو ڈاکٹر سے محبت ہو جاتی ہے، یا تو نرس کو ڈاکٹر سے ہو جاتی ہے۔ بزنس میں باس کو سیکریٹری سے محبت ہو جاتی ہے، یا کولیگ کو کولیگ سے ہو جاتی ہے۔ یونیورسٹی میں یا تو اسٹوڈنٹ کو اسٹوڈنٹ سے، یا اسٹوڈنٹ کو ٹیچر، یا ٹیچر کو اسٹوڈنٹ سے، یا پھر ٹیچر کو ٹیچر سے محبت ہو جاتی ہے۔

جوائنٹ فیملی میں یا تو کزن کو کزن سے، یا پھر کزن کو کزن کی دوست سے عشق ہو جاتا ہے۔ فیس بک پہ فرینڈ لسٹ کو ایک پوری فرینڈ لسٹ سے محبت ہو جاتی ہے، یا پھر کوئی ٹیم ورک ہو تو اس ٹیم ورک کے ممبرز میں سے کسی کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے۔ یونیورسٹی میں سے ایک ڈیپارٹمنٹ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسٹوڈنٹ کو دوسرے ڈیپارٹمنٹ کے کسی اسٹوڈنٹ سے محبت ہو جاتی ہے۔

اور پھر کسی کو جب کسی سے محبت ہو جاتی ہے اور محبت ملتی نہیں تو کوئی نہ کوئی کسی نہ کسی طرح کسی نہ کسی قسم کی خودکشی کر کے قبر سے محبت کر لیتا ہے۔ دماغ میں تو ان کے یہی ہوتا ہے کہ لیلیٰ مجنوں کی طرح امر ہو جائیں گے، آگے جو ڈنڈے تیار ہیں ان کی خیر ہے لیکن بس محبت ہو جائے سہی۔ ایک بات بتائیں ذرا، دنیا میں کوئی اور کام رہ گیا یا بس محبت کر کے نوبل پرائز جیتنا چاہتے ہیں۔

اور جی اگر کوئی زیادہ ہی شریف بنتا ہے تو جی اپنے ابو کا نمبر دے دیں، میں شرافت سے رشتہ بھیجنا چاہتا ہوں۔ جی میں بڑا شریف، اعلیٰ بندہ، سپر مین، بیٹ مین تو پتا نہیں کون کون سا مین۔ ہاں، جی جی، آپ کے لیے ہی تو گھر سے نکلے ہیں، کہ ابھی آپ کی پڑھائی کا پہلا سال ہو، پہلے سیمسٹر میں تھوڑے سے اچھے نمبر آ جائیں تو دوسرے میں آپ کو محبت ہو گئی ہے۔ اب چونکہ آپ بہت شریف ہیں تو آپ کو شادی کرنی ہے، باقی سب جائے بھاڑ میں۔ آپ پیدا ہوئے ہی شادی کرنے کے لیے تھے۔

اب چونکہ آپ کو ڈاکٹر سے محبت ہو چکی ہے، تو مریض جائیں بھاڑ میں، آپ تو ادھر رشتہ دیکھنے آئے تھے۔ جیسے گھر میں زنجیروں سے باندھ رکھا تھا سب نے، ایسے علاقے میں رہتے تھے جہاں صنف مخالف کا قحط پڑا ہوا تھا، لہذا جیسے ہی فیس بک پہ آئے آپ کو محبت ہو گئی ہے۔ خدا کا خوف کریں، تھوڑا آگے دن کوئی کوئی لڑکی ایسا مسئلہ لے آتی ہے کہ جس میں یا تو کوئی اس سے محبت کرتا ہے، یا تو اس کو کسی سے محبت ہوتی ہے۔

تو جی! اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں اس بارے میں؟ تو جی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ جو حرکتیں کر رہے ہو، یہ نہیں کرنی ہیں۔ جی محبت تو ہو ہی جاتی ہے جی، تو پھر اسلام میں پسند کی شادی سے بھی تو منع نہیں کیا ہوا۔ ہاں جی، بالکل بالکل! اس کام سے پہلے بھی شاید اسلام نے کچھ فرمایا تھا کہ ایسی نوبت ہی نہیں آنی چاہیے۔ اور اگر آ ہی گئی ہے تو یہ جو چٹ چیٹ، یہ بالکل بھی فطری نہیں ہے۔

ایک بات بتائیں کہ آپ ابھی کسی جگہ قدم رکھتے نہیں ہیں کہ ان خرافات میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ پیدا آپ ہوتے ہی نہیں ہیں کہ آپ کو محبتیں ہو جاتی ہیں کچھ اللہ کا خوف کریں۔ یہ جو چند فٹ کے منوں کو آج کل محبتیں ہو رہی ہیں، میرا خیال ان کو تو love کے علاوہ کسی لفظ کے سپیلنگ بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں آتے ہوں گے۔ آپ ہیں کتنے ؟ رولا آپ نے ایسے ڈالا ہوا ہے جیسے آپ ماشاءاللہ دس فیملیز کو سنبھالنے کا تجربہ رکھتے ہیں۔ فیس بک پہ تو تماشا ہی لگا دیا جیسے دو فٹے کے بچے اور بے حیاؤں کی طرح فضول مذاق اور محبت و شادی کی رٹ لگائی ہے۔

اٹھارہ سال کے یہ ہوتے نہیں ہیں شور ایسے ڈالا ہوتا ہے جیسے پچاس کی عمر کراس کر گئے ہیں اور کنوار گی آوار گی میں بدلنے لگی ہے۔ دیکھیں بھئی جن کے والدین یا گھروں کا ماحول ایسا ہوتا ہے کہ جہاں شادیاں جلدی ہو جاتی ہوں، وہاں سولہ سال کی عمر میں بھی ہو جاتی ہے لیکن یہ جو دوستوں سے سیکھ کر یا دیکھا دیکھی دو نمبر لطیفے آپ پوسٹ کر رہے ہیں یا سنا رہے ہیں یہ آپ کوئی کمال نہیں کر رہے ہوتے۔

اتنا مسئلہ ہے تو آپ کی شادی فیس بک نے نہیں کروانی، آپ کے گھر والوں نے کروانی ہے ان کے سر پہ جا کے ناچیں۔ یہ ماحول نہ خراب کیا کریں۔ ایک آتا ہے چار نمبر لطیفہ پوسٹ کرتا ہے یا بات کرتا ہے۔ دوسری طرف پوری ایک لائن لگی ہوتی ہے آدھے کنوارے تو آدھے شادی شدہ سارے سر کس دیکھنے آ جاتے ہیں۔ اچھا جی، اب جی چونکہ اپنی جاگیر ہے اس لیے جی رشتے کے پیغامات جا رہے ہیں، والدین کو بعد میں بتا دیں گے، پہلے آپ تو قبول کر لیں بہن جی ! جی بالکل ! اسی لیے تو فیس بک جوائن کیا ہوا ہے سب نے۔

اب یہ ہے کہ بھائی تھوڑا انتظار کرنا ذرا، جتنے رشتے آئے ہیں اس کی لسٹ بنالوں پھر جو اچھا لگا اس پہ ٹک کر دیں گے۔ جی اپنا معیار بھی تو دیکھنا ہوتا ہے نا جی، جی جی بالکل۔ جی، اب چونکہ ہماری شادی ہو جانی ہے اس لیے تھوڑی چیٹ کر لیتے ہیں اور چونکہ مجھے آپ سے محبت ہے آپ کو بھی ہو جانی چاہیے۔ جی جی بالکل ! اسی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کرنی ہے نوجوانوں نے۔ آپ لوگوں کو کوئی خیال بھی ہے کہ ایسے کر کے آپ کیا کر لیتے ہیں ؟

اس وقت فیس بک نو سال کی بچی بھی یوز کرتی ہے، آٹھ سالہ بچے کو مسئلہ ہے کہ اسے فیس بک آئی۔ ڈی بنا کر دی جائے، بی۔ کاز فرینڈز گیم کھیلتے ہیں۔ اچھا جی، یہ لیں جی، جیسے آپ کہیں جی اور پھر گیم سے نئی گیم شروع ہو جاتی ہے جی۔ صرف لڑکے تھوڑی، لڑکیاں بھی بھرپور شامل ہیں۔ پر جی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جس سے آپ نے باتیں شروع کی ہیں نا وہ تیرہ یا پندرہ سالہ لڑکی بھی ہو سکتی ہے جسے آپ شادی کے خواب دکھا دیتے ہیں اور پھر اسے تو آپ سے محبت ہونی ہی ہے کیوں نہیں ہونی؟

اسے تو اس انکل سے بھی محبت ہونی ہے جو بچی سمجھ کر مفت میں چاکلیٹس دے دیتے ہیں۔ اسے سکول کے مالی بابا سے بھی محبت ہونی ہے کیوں کہ مالی بابا سب کے سروں پہ ہاتھ رکھتے ہیں، اور پھر کیا ہوتا ہے؟ جی امی آپ کی مان نہیں رہیں، یا تو امی ان کی نہیں مان رہیں۔ اور جی، چلیں جی، ہم اللہ میاں کے پاس چلتے ہیں بڑے ویلے ہیں ہم۔ قبر کی مٹی کھودیں گے، تھوڑی سی ورزش ہو جائے گی۔ اب اگر آپ بڑے ہیں تو آپ تو چل دیں پیچھے، جس بچی کی زندگی خراب کی ہے اس کا کیا کرنا ہے؟

ارے بھئی وہ آپ کا مسئلہ تھوڑی ہے، والدین اٹھائیں گے، کسی جگہ شادی کر دیں گے۔ اور چونکہ آپ مرد ہیں، اس لیے آپ اپنی مرضی کے فیصلے کریں گے۔ اور یہ جو کاکوں کو کاکیوں سے محبتیں ہو جاتی ہیں، ان سے میرا سوال ہے کہ بیٹا آپ برتن دھونے کے لیے گھر کے لیے صابن لے آتے ہو؟ اچھا اگر امی کہیں تو دستر خوان لگا لیتے ہو؟ اچھا سکول چلے جاتے ہو نا اکیلے۔ آپ میٹرک میں کیا آ گئے ہیں آپ کے دماغ میں بھوسا بھر گیا ہے۔

یہ جو دو ٹکے کی محبت اور شاعری ہو جاتی ہے آگے زندگی میں کیا ہوتا ہے کچھ پتا ہے؟ موبائلز ان کے ہاتھوں میں ہیں، رانگ نمبرز ان کے پاس ہیں۔ دوست سے لے کر ہر بندہ اسی قسم کا رکھا ہوا ہے۔ ماشاء اللہ جی، اقبال کے شاہین اڑ کے شادی کریں گے۔ اور یہ جو ہمارے ماشاء اللہ سے جوان داڑھی والے باجے اور نقابوں والی باجیاں ہیں، کچھ عقل ہے؟ آپ کو کوئی راستہ کیا ملا آپ کا مقصد ہی یہ بن گیا کہ آپ زندگی خراب کر لیں؟ ایسے جیسے ڈبے میں آپ کو بند کر کے رکھا تھا، انڈے میں گھسایا ہوا تھا، باہر نکلے ہیں تو مارے شدت خوشی کے آپ کو جی محبت ہو گئی ہے۔

جی گروپ میں آپ جاتے ہیں کہ وہ جو ایک بندہ ہے نا روز پوسٹ لائک کرتا ہے، وہ ہے اچھا بندہ، لڑکیوں کی بڑی عزت کرتا ہے۔ وہ جو آپ کے فالوورز میں سے ایک باقاعدگی سے آپ کی پوسٹ لائک کرتا ہے نا عنقریب اس کا رشتہ آ جانا ہے۔ او بی بی! میری بات سنو امی ابو مان جائیں گے؟ لڑکا منوا لے گا، وہ سپائیڈر مین؟ نہیں پتا؟ تو یہ کیسے پتا ہے کہ گپ شپ کرنی ہے وعدے کرنے ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مرنا ہے تو زندہ ہونا ہے۔ جی، ہماری محبت تو چھ سال پرانی ہے۔

اچھا جی؟ تو کتنے سال کی تھی آپ؟ جی چودہ۔ یہ نا ہمارا ہمسایہ ہے، اسے پیدا ہوتے ہی مجھ سے محبت ہو گئی تھی۔ اللہ کی قسم مر جاؤں گی، گڑ کھالوں گی، دودھ پی لوں گی پر اس کے سوا کسی سے شادی نہیں کروں گی۔ لو جی، خواتین بھی کم نہیں ہوتیں۔ ان کو ایک تو یہ مسئلہ ہوتا ہے کہ دوسرا ہماری طرف متوجہ کیوں ہے یا پھر ان کو یہ مسئلہ ہے کہ دوسرا ہماری طرف متوجہ کیوں نہیں ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اس بگڑتے معاشرے میں جس طرح کی امیدیں قائم ہو چکی ہیں، ان پہ ضرب لگے تو بڑی انا جاگتی ہے۔

یہ عورتوں نے بھی بڑوں بڑوں کے ایمان خراب کیے ہیں۔ مجھے بتائیں کبھی مرد نہیں دیکھا؟ اور یہ اتنے سال کی تربیت کہاں جاتی ہے؟ کہ جی آپ یونی میں کیا چلے گئے کسی نے پیشکش کیا کر دی سارا کچھ بھاڑ میں گیا؟ فیس بک پہ کسی نے میسج کیا کر دیا کچھ دن، سارا کچھ شروع؟ اور مردوں کی بھی خوش فہمیاں ذرا چیک کریں کہ اگر کوئی خاتون ایک دو دفعہ کسی کام کے سلسلے میں بھی آپ سے رابطہ کر لے تو آپ کی گردن میں سریا آجاتا ہے کہ جی وہ نا بس ہو گئی، عاشق ہو گئی بس۔

اور اگر دوسری طرف آپ مرد بڑے ہیں اور کسی چودہ پندرہ سالہ لڑکی کو عمر جاننے کے باوجود چکنی چپڑی باتوں میں لگائے رکھتے ہیں، تو بھائی جان قصور اس کا نہیں آپ کا زیادہ ہو گا۔ دوسرا لڑکی کو بھی پتا ہونا چاہیے کہ ادھر سارے انکل نہیں ہیں جو آپ کو گڑیا کہہ دیں گے تو آپ محبت میں فنا و غرق و غارت ہو جائیں گی۔ حد ہی ہو گئی ہے، مصیبت ڈال رکھی ہے۔ نہ صرف اپنی زندگی خراب، پھر اگلے کی بھی خراب۔ دیکھیں، یہ مصروفیات ان کی ہوتی ہیں جنہیں اور کوئی کام نہیں مل رہا ہوتا۔

اور کام ملنا نہیں ہوتا آپ نے ڈھونڈنا ہوتا ہے۔ جو آپ نے مقصد بنایا ہے نظر وہیں رہے گی۔ اور پھر اس مقصد سے نظر جھکانے کا حکم کیوں دے دیا اللہ نے؟ پھر جی ایک طرف وہ لوگ ہیں جو واقعی شرافت سے نکاح کی پیشکش کرتے ہیں، تو حضور والا! یہ نبی پاک ﷺ کا دور نہیں ہے یہ ساڑھے چودہ سو سال بعد کا زمانہ ہے، ٹھیک ہے؟ جہاں آپ کتنا ہی کہہ لیں کہ آپ کی پسند ہے لڑکی کا کردار ٹھیک ہے، الزام ملے گا لڑکی کو ہی اور آپ کی بھی عزت نہیں ہو گی۔ بددعائیں ملیں گی لڑکی کو ہی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو سیدھا سادا مشورہ ہے کہ اللہ پہ بھروسا کریں، والدین پہ بھروسا کریں۔ ٹھیک ہے نہیں کہتے کہ محبت نہیں ہوتی۔ ہو جاتی ہے بالکل ہو جاتی ہے لیکن اپنے سورس تک جائیں، ان کو بتائیں۔ اور اس سے پہلے ایک دوسرے کو ساتھ جینے مرنے تے لٹنے لڑنے کے خواب مت دکھائیں۔ صاف سیدھا کرپشن سے پاک کام کریں اور موج کریں۔ تھوڑا سکون بھی لینے دیں کسی جگہ، لیکن اللہ کا واسطہ یہ پبلک میں شادی یا محبت کے حوالے سے عجیب و غریب ڈھنڈورے پیٹنا بند کر دیں۔

آپ جانتے بھی نہیں ہیں کہ اس وقت کتنے آپ کو کچا کھانے کو تیار بیٹھے ہوتے ہیں ان خرافات کی وجہ سے۔ اور اب اس پوسٹ کو پڑھنے کے بعد جتنے لوگ مجھ سے یہ پوچھیں گے کہ کیا ہوا، کس نے آپ کو ایسا کہہ دیا وغیرہ وغیرہ کیوں کہ امی کہتی ہیں جو کہتا ہے وہ خود ہوتا ہے، اس لیے یہ سب آپ پہ بیتا ہے، تو جی کس کی ہمت ہوئی ایسا کہنے کرنے کی؟ ان سے میری گزارش ہے کہ آپ کو اردو بہتر کرنے کی از حد ضرورت ہے۔ مجھے جو مسئلہ ہو گا وہ میں یہاں نہیں لکھوں گی اسے حل کروں گی۔ یہ مسئلے اس جوان عوام کے ہیں، جن کی محبت جوش میں آ گئی ہے اور خود کشیاں کر کر کے مری جا رہے ہیں۔

نوٹ: ہماری بھانجی کی تحریر ہے، بہت اچھے سے لکھا ہے۔ ہماری نوجوان نسل کے واقعی میں تین مسائل سلگتے ہوئے مسائل ہیں؛ محبت، ڈر گز اور غیر مستقل مزاجی۔ یہ تحریر نہ صرف آپ کو ہنساتی ہے بلکہ رلاتی بھی ہے کہ یہاں ہر دوسرے شخص کو خواہ مخواہ کی محبتیں چڑھی ہوئی ہیں اور پھر اس پر کوئی ندامت یا شرمندگی نہیں بلکہ فخر ایسا ہے کہ جیسے کوئی بہت ہمت کا کام کیا ہے۔ بھئی، اگر محبت کرنی ہے تو اپنی بیوی سے کر کے دکھاؤ یا بیوی نہیں ہے تو شادی کے بعد اس سے کر کے دکھا دینا، اکثر کیسز میں شادی کے بعد تو وہی محبوبہ ٹوڈائن بن جاتی ہے۔ یونیورسٹی کے تجربے سے معلوم ہوا کہ حل اس کا یہی ہے کہ والد صاحب اپنے غیر شادی شدہ بچوں کو، خاص طور بچیوں کو، وقت دیں۔ یہ بہت ضروری ہے، مزید تبصرہ کسی الگ سے پوسٹ میں کروں گا۔

منہ بولی بہن

دوست کا سوال ہے کہ یونیورسٹی میں عموماً طلباء کسی نہ کسی لڑکی کو منہ بولی بہن بنا لیتے ہیں جبکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض اوقات لڑکیاں کسی کو منہ بولا بھائی بنا لیتی ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ یہ کلچر اب بہت تیزی سے معاشرے میں پھیل رہا ہے، اب تو لڑکا لڑکی ایک دوسرے کے ساتھ چپک کر بیٹھے ہوں گے یا ایک نے دوسرے کی گود میں سر رکھا ہو گا یا اس کی گردن میں بانہیں ڈالی ہوں گی اور کوئی ٹیچر پوچھ لے کہ یہ کیا حرکت ہے تو وہ بڑی معصومیت سے جواب دیتے ہیں کہ ہم بہن بھائی ہیں۔

حقیقت یہی ہے کہ کسی کو منہ سے بہن کہہ دینے سے نہ تو وہ بہن بن جاتی ہے اور نہ ہی منہ سے بھائی کہہ دینے سے وہ بھائی بن جاتا ہے۔ وہ لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے لیے غیر محرم ہی ہیں اور ان کا ایک دوسرے کو ٹچ کرنا اور تنہاء بیٹھنا حرام ہے۔ کچھ طلباء کا کہنا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو ٹچ نہیں کرتے، بس ایک دوسرے کے مسائل سنتے اور حل کرتے ہیں اور اس طرح ایک لڑکی نے کئی کئی بھائی اور ایک لڑکے نے کئی کئی بہنیں بنائی ہوتی ہیں۔

بندہ کبھی ان سے پوچھے کہ وہ جو تمہارے ابا جان سے تمہاری بہن یا بھائی ہے، تم نے کبھی اس کے مسائل سنے اور حل کیے ہیں جو یہاں تمہیں اتنی خیر خواہی چڑھی ہوئی ہے۔ تو یہ کچھ بھی نہیں، صرف شیطان کا دھوکا ہے اور یہی چیز زندگی کے کسی موڑ پر کسی خرابی کا باعث بن جاتی ہے۔ شریعت میں بہن بھائی وہی ہیں کہ جن کے ماں باپ ایک ہوں اور سائنس کی زبان میں بہن بھائی وہ ہیں کہ جن کا جینیٹک کوڈ ملتا ہو۔ تو حقیقی بہن بھائی تو یہی ہیں، باقی تو ہم نے سوچ سے بنا رکھے ہیں۔ جس طرح صرف سوچنے سے میاں بیوی نہیں بن سکتے، تو بہن بھائی کیسے بن جاتے ہیں؟

پس جنہیں ہم نے اپنی سوچ میں بہن بھائی بنا رکھا ہے تو یہ دھکے کے بہن بھائی ہیں۔ ہم جانتے بوجھتے اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں اور معاشرے کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی طرح کسی کو منہ بولی بیٹی یا بیٹا بنا لینا، منہ بولی بھانجی یا بھتیجی بنا لینا یا منہ بولا ماموں یا چچا بنا لینا بھی درست نہیں ہے۔ لیکن یہاں ایک بات واضح کر دوں کہ ایک ہے کہ کسی کو ضرورت پڑنے پر انکل، چچا، ماموں، بھتیجے، بچے کہہ دینا تو اس میں حرج نہیں ہے، ظاہری بات کہ آپ کو اگر کسی بڑے کو مخاطب کرنا ہے تو اوئے کر کے تو مخاطب نہیں کریں گے۔

لیکن ایک یہ ہے کہ اگر کسی سے مستقل واسطہ پڑتا ہو تو پھر کسی کو منہ بولا رشتہ دار بنانے کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرورت نہیں ہے، بس یہ شعور اور احساس ہر دم زندہ رہے کہ ہم ایک دوسرے کے لیے غیر محرم ہیں۔ اب یہاں ایک سوچ یہ بھی ہے کہ چونکہ زندگی میں بعض اوقات نامحرم رشتوں میں ایسا واسطہ یا ضرورت پڑ جاتی ہے تو ایسے میں کمیونیکیشن کے لیے بہتر ہے کہ اسے کچھ منہ بولا رشتہ دار بنا لیا جائے تاکہ ایک دوسرے کے ذہن میں ایک دوسرے کے بارے کچھ برا خیال یا وسوسہ نہ آئے۔

تو یہ صرف ایک سوچ ہے جو حقیقت حال کے خلاف ہے۔ اور حقیقت کے خلاف آپ اپنی سوچ کو زیادہ دیر چلا نہیں سکیں گے۔ پس جہاں کوئی حقیقی رشتہ نہیں ہے تو وہاں اصل حقیقت یہی ہے کہ آپ نامحرم ہے، اور اسی حقیقت کا شعور آپ کو کسی خرابی سے بچا سکتا ہے نہ کہ اس کے برعکس سوچ۔ قرآن مجید نے رشتوں میں حقیقت کا اعتبار کیا ہے لہذا سورۃ الاحزاب اور سورۃ المجادلۃ کے آغاز میں کہا ہے کہ کسی کو بیٹا کہہ دینے سے وہ تمہارا بیٹا نہیں بن جاتا اور بیوی کو ماں کہہ دینے سے وہ تمہاری ماں نہیں بن جاتی۔

غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا

صحیح الجامع کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم میں کسی شخص کے سر میں لوہے کی کیل ٹھونک دی جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی غیر محرم عورت کو چھوئے۔ اس روایت کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ اللہ کی قسم، بیعت لیتے وقت بھی اللہ کے رسول ﷺ کا ہاتھ کسی مسلمان عورت کے ہاتھ سے مس نہ ہوتا تھا۔

سنن النسائی میں حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں۔ مذاہب اربعہ اور محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرد کا کسی غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا شریعت میں جائز نہیں ہے۔

اور مسند احمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے جو یہ روایت منسوب ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے بیعت لیتے وقت عورتوں سے مصافحہ کیا تو اولاً تو وہ روایت اہل علم کے نزدیک ثابت (authentic) نہیں ہے۔ اور دوسرا اس روایت میں بھی مصافحہ کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفاظ ہیں ان عورتوں نے گھر کے اندر سے اپنے ہاتھ آگے بڑھائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے باہر سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ اس روایت میں مصافحہ کا ذکر بالکل بھی نہیں ہے بلکہ یہ علامتی بیعت تھی۔

باقی یہ کہنا کہ اگر شہوت محسوس نہ ہو تو اجنبی عورت سے مصافحہ کرنا جائز ہے تو پھر تو عورت سے معانقہ کرنا یعنی گلے ملنا بھی جائز ہوگا، اگر شہوت محسوس نہ ہو تو؟ شہوت کا ہونا تو حکم کی علت بن ہی نہیں سکتا کہ اس میں انضباط (regularity) کی شرط پوری نہیں ہوتی اور علت کے لیے ضروری ہے کہ وہ منضبط ہو اور ظاہر ہو یعنی اس کے مطابق ضابطہ بندی ہو سکے اور حواس خمسہ سے اس کا ادراک ممکن ہو۔ اب شہوت تو ہر حال میں ظاہر ہو ہی نہیں سکتی کہ ہے ہی دل میں تو کیسے معلوم ہوگا کہ ہے یا نہیں۔

پس شہوت کا ہونا یا نہ ہونا یہ حکمت ہے اور حکم کا مدار علت ہر ہوتا ہے نہ کہ حکمت ہے جبکہ حکمت تو علت کی شرائط میں سے ایک شرط ہے کہ وہ وصف مناسب ملائم ہے یعنی اسے حکم شرعی کے ساتھ کچھ عقلی اور منطقی مناسبت ہو۔

اجنبی عورت سے مصافحہ پر علامہ قرضاوی صاحب کا ایک فتوی

علامہ قرضاوی صاحب کا ایک فتوی جو کہ فیس بک پر کافی گردش کر رہا ہے، کے مطابق عورت سے مصافحہ کرنے کے حرام ہونے کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ ان کے بقول جن روایات میں عورت کو مس کرنے سے منع کیا گیا ہے، تو اس مس کرنے سے مراد مباشرت اور جماع کرنا ہے۔ قرضاوی صاحب کے فتاوی کے منہج اور اسلوب پر ہم ایک مستقل مضمون میں بحث کر چکے ہیں کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ فتوی دیتے وقت تمام متعلقہ روایات کو سامنے نہیں رکھتے ہیں کہ جس وجہ سے بعض اوقات نصوص کے خلاف فتاوی ان سے صادر ہو جاتے ہیں۔

کمال ہے، صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں: «وَالْيَدُ زِنَاهَا اللَّمْسُ» کہ ہاتھ بھی زنا کرتا ہے اور ہاتھ کا زنا، اس کا مس کرنا یعنی چھونا ہے۔ اور قرضاوی صاحب کہیں کہ مس سے مراد مباشرت ہوتی ہے۔ یہ فقاہت نہیں، بلکہ تحریف ہوگی کہ ہاتھ کے چھونا کا معنی مباشرت بنا دیا جائے، لیکن شاید قرضاوی صاحب کے ذہن میں فتوی دیتے وقت یہ روایت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موجود نہ تھی، اور یہی اس کی بہترین توجیہ معلوم ہوتی ہے۔

اور قرضاوی صاحب کا غیر محرم عورت سے مصافحہ کے لیے سنن ابن ماجہ کی یہ دلیل بیان کرنا کہ مدینہ کی لونڈی آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی، تو اس بارے شارحین حدیث علامہ ابن حجر، علامہ عینی، علامہ قسطلانی رحمہم اللہ کا کہنا ہے کہ یہاں مراد نرمی، عاجزی اور اعلی اخلاق ہیں کیونکہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کا ہاتھ کبھی بھی کسی اجنبی عورت کے ہاتھ سے مس نہ ہوا۔

اور اس روایت کے تمام طرق جمع کریں تو جو واقعہ سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ ایک لونڈی کے جس کی عقل بھی کم ہے، آپ ﷺ سے کچھ کہنا چاہتی ہے اور آپ اس کی بات سنتے ہیں اور اس کی حاجت پوری کر دیتے ہیں۔ یہ صحیح ابن حبان کی روایت میں ہے۔ جن روایات میں ہاتھ پکڑنے کا ذکر ہے، وہاں عمومی بات بیان ہوئی ہے لیکن بعض لوگوں نے غلط ترجمے سے اسے ایک واقعہ بنا دیا۔ اور جن روایات میں یہ بطور واقعہ بیان ہوا ہے، وہاں ہاتھ پکڑنے کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ اوپر روایت نقل ہو چکی۔ اور زیادہ صحیح روایت وہی ہے کہ جس میں واقعہ بیان ہوا ہے جبکہ ابن ماجہ کی روایت کو تو بعض محققین نے ضعیف بھی کہا ہے۔

اور یہ کہنا کہ یہ مسئلہ سد الذرائع کے باب سے ہے کہ اگر شہوت نہ ہو تو جس عورت سے بھی مصافحہ کر لو، کوئی حرج نہیں ہے۔ عرض یہ ہے کہ شہوت کیا مصافحہ سے پہلے ہی ہونی ہے؟ یہ تو کسی عورت سے مصافحہ کرنے کے بعد ہی معلوم ہو گا کہ چھونے سے شہوت ہوئی یا نہ ہوئی۔ البتہ کسی اسی نوے سال کی بوڑھی خاتون سے بعض فقہاء کے نزدیک مصافحہ کی اجازت نکل سکتی ہے کہ یہاں انضباط موجود ہے اور وہ اس خاتون کا عجائز میں سے ہونا ہے۔ بڑھاپا تو ایک منضبط وصف ہے کہ اس کی بنیاد پر ضابطہ بندی ہو سکتی ہے لیکن شہوت منضبط وصف نہیں ہے کہ یہ ضابطے میں نہیں آ سکتی کہ ظاہر وصف نہیں ہے۔

اور سد الذرائع والے اگر یہ بھی بتلا دیں کہ عورت کو بوس و کنار کرنا، اس سے گلے ملنا کن روایات کے تحت ممنوع ہے کیونکہ مس کا ترجمہ تو آپ نے مباشرت اور جماع کر دیا۔ اب باقی فقہاء

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو مس یعنی عورت کو چھونے اور ٹچ کرنے والی روایات ہی سے زنا کے تمام مقدمات کی حرمت ثابت کرتے ہیں۔ تو آپ کے نزدیک اگر شہوت محسوس نہ ہوتی ہو تو عورت کو بوس و کنار کرنا یا اس سے گلے ملنا یا اس کا سر اپنی گود میں رکھ لینا، کس دلیل کے تحت حرام ہو گا، یا یہ سب بھی جائز ہے؟

یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے!

معلوم نہیں کیا وجہ ہے کہ ہمارے ہاں شاعروں نے ماں کو تو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے لیکن باپ پر شاعری ڈھونڈے سے نہیں ملتی۔ بس ایک نامعلوم شاعر کی نظم ملتی ہے جو پہلے بھی شیئر کی تھی، اب دوبارہ کر رہا ہوں کہ اولاد کو بھی احساس ہو کہ یہ صرف ماں نہیں ہے جو اولاد کا کرتی ہے بلکہ باپ بھی ان کے لیے بہت کچھ کرتا ہے۔ معاشرے اور شاعروں نے یہ تو بتلا دیا کہ ماں، اولاد کے لیے بہت قربانیاں دیتی ہے لیکن باپ کے ایثار کا کسی نے احساس تک نہ کیا اور باپ کی عظمت کے لیے کیا یہ کم ہے کہ اسے اس کی بھی پروا نہیں ہے کہ شاعروں نے اسے کوئی تمغہ محبت دیا بھی ہے یا نہیں۔

فیس بک کے نوجوان شاعر ساتھیوں سے گزارش ہے کہ وہ باپ کے موضوع پر بھی کچھ کہیں۔ اور خاص طور آج کل کے باپ تو اپنی اولاد کا بہت کچھ کرتے ہیں۔ جو آفس میں بہت مدبر اور مفکر ہے، وہ گھر میں اپنے بچوں کو تھوڑی دیر ہنسانے کے لیے گھوڑا اور جوکر بنا ہوتا ہے۔ دفتر میں لوگ جس کا انتظار کرتے ہیں، وہ اسکول کے باہر اپنے بچوں کا انتظار کر رہا ہوتا ہے۔ میں تو یہ بھی کہتا ہوں باپ اپنے بچے کی پیدائش کی تکلیف میں بھی ماں کے ساتھ شریک ہوتا ہے کہ حمل ایک بیماری سے کم نہیں ہے اور نو ماہ کسی بیمار کے ساتھ رہنا اور ساتھ میں اس کا دھیان بھی کرنا تو یہ شراکت ہی تو ہے۔ اب کے تو باپ بچوں کے پیمپرز بھی تبدیل کر دیتے ہیں۔ بہر حال اس بارے ایک گم نام شاعر کی ایک نظم ملاحظہ فرمائیں:

عزیز تر مجھے رکھتا ہے وہ رگ و جان سے
یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے!
وہ ماں کے کہنے پہ کچھ رعب مجھ پر رکھتا ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہی وجہ ہے کہ وہ مجھے چومتے ہوئے جھجکتا ہے !

وہ آشنا میرے ہر کرب سے رہا ہر دم

جو کھل کے رو نہیں پایا مگر سسکتا ہے !

جڑی ہے اس کی ہر اک ہاں میری ہاں سے

یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے !

ہر اک درد وہ چپ چاپ خود پہ سہتا ہے

تمام عمر سوائے میرے وہ اپنوں سے کٹ کے رہتا ہے !

وہ لوٹتا ہے کہیں رات کو دیر گئے، دن بھر

وجود اس کا پسینہ میں ڈھل کر بہتا ہے !

گلے رہتے ہیں پھر بھی مجھے ایسے چاک گریبان سے

یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے !

پرانا سوٹ پہنتا ہے کم وہ کھاتا ہے

مگر کھلونے میرے سب وہ خرید کے لاتا ہے !

وہ مجھے سوئے ہوئے دیکھتا رہتا ہے جی بھر کے

نجانے کیا کیا سوچ کر وہ مسکراتا رہتا ہے !

میرے بغیر تھے سب خواب اس کے ویران سے

یہ بات سچ ہے کہ میرا باپ کم نہیں ہے میری ماں سے !

والدین کی زیادتی

دوست کا کہنا ہے کہ وہ اپنی والدہ کے حقوق پورے کرتا ہے لیکن اس کی والدہ اس کا حق ادا نہیں کرتیں، اس کی والدہ اس کے بھائی کو اس پر ترجیح دیتی ہیں، وہ صحیح بھی ہو تو اس کو ڈانٹ ہی پڑتی رہتی ہے اور اس کا بھائی غلط بھی ہو تو اسے پیار ہی ملتا ہے، حالانکہ وہ گھر کا خرچہ بھی اٹھاتا ہے لیکن پھر بھی زیر عتاب رہتا ہے جبکہ اس کا بھائی فارغ رہ کر بھی چہیتا ہے وغیرہ وغیرہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ فی زمانہ والدین سے اولاد کی شکایات بڑھتی چلی جا رہی ہیں اور اس کی وجہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے اولاد اور والدین میں فاصلہ زیادہ ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ہمارے ہاں منبر و محراب سے والدین کے حقوق جس شد و مد سے بیان کیے جاتے ہیں، وہاں اولاد کے حقوق کا موضوع ہی اجنبی معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں تسلیم ہے کہ والدین کے بہت حقوق ہے لیکن شریعت میں اولاد کے بھی حقوق ہیں۔ اولاد کے حقوق میں سے ایک بڑا حق یہ ہے کہ والدین اولاد کے ساتھ حسن سلوک میں عدل اور برابری کریں۔

رسول اللہ ﷺ کے ایک صحابی حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے جب اپنے ایک بچے کو اپنا ایک باغ ہبہ کرنا چاہا تو اللہ کے رسول ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ اس پر گواہ بن جائیں کہ میں اپنا یہ باغ اپنے اس بچے کو ہبہ کر رہا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا کہ آپ کی اور بھی اولاد ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں ہے۔ تو اس پر آپ ﷺ نے کہا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بن سکتا یعنی جب تم ایک کو دے رہے ہوں اور دوسروں کو محروم کر رہے ہوں تو یہ ظلم اور زیادتی ہے۔

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں کہ آپ نے ان سے کہا کہ کیا تم چاہتے کہ تمہاری ساری اولاد تمہارے ساتھ حسن سلوک کرے؟ تو انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ تو آپ نے کہا کہ پھر ایسے نہ کرو، کیونکہ جس اولاد کو تم محروم کر رہے ہو تو اسے تو تم خود اس بات پر آمادہ کر رہے ہو کہ تمہارے ساتھ حسن سلوک نہ کرے۔ اور یہ حدیث والدین کو نہ صرف مال میں عدل کرنے کی نصیحت کرتی ہے بلکہ رویوں میں بھی برابری کا حکم دیتی ہے۔

اسی طرح والدین کی زیادتی کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ شادی شدہ بچے کو اس کی بیوی اور بچوں کے سامنے ذلیل کریں، یا اس کی بیوی بچوں کو اس کے سامنے ذلیل کریں۔ اور بعض اوقات چھوٹی چھوٹی بات اور اختلاف پر اولاد کو بددعائیں دینے لگ جانا بھی والدین میں عام ہے۔ یہ سب ظلم ہی کی صورتیں ہیں، ایسے میں اولاد کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ انہیں ہر حال میں اپنے والدین سے حسن سلوک ہی کرنے کا حکم ہے، وہ قاضی نہیں ہیں کہ اپنے والدین کے بارے فیصلہ کرنا شروع کر دیں۔

لیکن اتنا وہ کر سکتے ہیں کہ والدین کی بددعاؤں کی وجہ سے ڈیپریشن میں نہ چلے جائیں، زندگی سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مایوس نہ ہو جائیں، یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ میرے لیے تو والدین ہیں لیکن ہیں عام انسان ہی لہذا ان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ پس اپنے حصے کا حسن سلوک کرتے رہیں اور ان کے حصے کی زیادتی پر صبر کریں اور کسی ڈیپریشن یا گلٹ (guilt) میں مبتلا نہ ہوں جب تک کہ اپنے فرائض احسن طریقے سے سرانجام دے رہے ہوں۔

خوش رہنا سیکھیں!

دوست کا سوال ہے کہ وہ خوش نہیں رہتا، لائف کو انجوائے نہیں کر پاتا، زندگی میں جیسے بہت ہی بوریت اور خشکی ہو، جبکہ اس کے دوست چھوٹی چھوٹی باتوں کو بہت انجوائے کرتے ہیں، ہنستے ہیں، مسکراتے ہیں، قہقہے لگاتے ہیں لیکن اس سے یہ سب کچھ نہیں ہو پاتا۔ اس کا کیا حل ہے؟

جواب: خوش رہنا ایک فن اور آرٹ ہے کہ اگر آپ کو نہیں آتا تو آپ کو سیکھنا پڑے گا۔ کچھ لوگوں کا مزاج ایسا ہوتا ہے کہ وہ مزاجاً خوش دل ہوتے ہیں کہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر کھلکھلا کر ہنس پڑنا ان کے مزاج میں ہوتا ہے۔ خوش رہنا اور مسکراتے رہنا جسمانی، ذہنی اور روحانی صحت کے لیے از حد ضروری ہے۔ کبھی کبھار ہنسی مذاق بھی کر لینا چاہیے، ہر وقت علامہ اقبال بنے رہنا درست رویہ نہیں ہے بلکہ ذہنی اور دینی صحت کے لیے نقصان دہ ہے۔

خوش مزاجی یا خوش دلی میں ایک بڑی رکاوٹ ماڈرن لائف اسٹائل ہے کہ جس میں کاموں کی اتنی بھرمار ہے کہ ہر وقت جیسے ذہن پر ٹینشن سوار ہے کہ اگر یہ کام نہ ہوا تو جیسے ٹرین نکل جائے گی، ہوائی جہاز نکل جائے گا۔ چھوٹی سی جان اور اتنے بڑے بڑے پلان اور پھر ان کو پورا کرنے کے لیے اتنے کام۔ دنیادار ہے تو جیسے اس نے بل گیٹس کو کراس کرنا ہے اور دیندار ہے تو جیسے دنیا میں انقلاب اسی کی محنت سے آنا ہے۔ تو ان حالات میں بندہ ٹینس نہیں ہو گا تو کیا کرے گا؟

پھر ڈیپریشن کی بیماری عام ہے کہ زندگی میں ذرا سی ناکامی کا سامنا کرنا پڑ جائے تو انسان بستر سے لگ جاتا ہے، اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے، چہرے پر عجیب مایوسی سی چھائی رہتی ہے اور بیس سال کی عمر میں فیس ایکسپریشن ایسے جیسے ستر سال کے بزرگ تدبر اور تفکر فرما رہے ہوں۔ اور بعض اوقات اگر میاں بیوی دونوں ڈیپریشن کے مریض ہوں تو چھ چھ مہینے ایک دوسرے کے چہرے پر مسکراہٹ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں دیکھ پاتے اور گھر میں ایک عجیب غم اور سوگواری کی کیفیت ہر وقت طاری رہتی ہے۔

اگر آپ زیادہ تر ڈیپریشن اور ٹینشن میں رہتے ہیں اور خوش رہنا چاہتے ہیں تو ایک آسان سی تدبیر بتلا دیتا ہوں، اس پر عمل کر لیں، تو ان شاء اللہ! سے خوش رہنا سیکھ جائیں گے۔ دن میں آدھا گھنٹہ چھوٹے بچوں کے ساتھ کھیلیں، بھلے آپ کے اپنے ہوں یا بہن بھائیوں کے۔ اور فزیکلی کھیلیں، ان کے لیے گھوڑا بنیں، بیڈ منٹن کھیلیں، کوکلا چھپاتی اور چھپن چھپائی کھیلیں، اگر اس کے حالات نہیں ہیں تو لڈو اور کیرم بورڈ ہی کھیل لیں وغیرہ۔ بھئی، میں اپنے بچوں کے لیے گھوڑا بنتا ہوں اور بہت خوش ہوتا ہوں۔

اور پھر کھیلتے وقت بچے بن کر کھیلیں، جیتنے پر شور مچائیں، ہارنے پر موڈ آف کریں، چیٹنگ (cheating) بھلے نہ کریں لیکن اس کے لیے کوشش ضرور کریں۔ میاں بیوی میں اگر تناؤ زیادہ رہتا ہو تو وہ بھی انڈور گیمز کے لیے وقت نکالیں اور بچوں کے ساتھ مل کر آپس میں کھیلیں۔ اگر گھر میں بچے نہیں ہیں تو دوستوں کے ساتھ پارک میں جا کر کرکٹ، فٹ بال، بیڈ منٹن وغیرہ کھیل لیا۔ دل نہ بھی ہو تو کبھی کبھار دوستوں کے ساتھ کھانے کے لیے باہر نکل جایا کریں، آؤٹنگ کریں۔ حقیقت یہ ہے کہ سوشل لائف کے بغیر خوش رہنا ممکن نہیں ہے۔ اور اگر کوئی سوشل لائف کے بغیر خوش رہتا ہے تو وہ خوشی کے حقیقی معنی و مفہوم سے آشنا نہیں ہے۔

پھر خوش رہنے کا ایک دینی اور روحانی تصور بھی ہے کہ کسی غریب مسکین کی مدد کر دیں تو آپ دل سے خوشی محسوس کریں گے۔ اپنے والدین کی خدمت کریں، ان کے پاؤں دبایا کریں، انہیں تحفہ دیا کریں، ان کے پاس بیٹھا کریں، ان کو وقت دیں، چاہے باتیں کرنے کو کچھ نہ بھی ہو تو بھی خاموشی سے بیٹھ جائیں کہ خاص طور بڑھاپے میں انہیں اپنی جوان اولاد سے وقت چاہیے ہوتا ہے نہ کہ روپیہ پیسہ۔ بہن بھائیوں، پڑوسیوں اور دوستوں کی کوئی مالی یا مادی ضرورت پوری کر دیا کریں تو اس سے بھی حقیقی خوشی حاصل ہو گی۔

دوست بنانے کا معیار

دوست نے سوال کیا ہے کہ کیا ہمارے دین نے دوست بنانے کا کوئی معیار مقرر کیا ہے یا اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بارے کوئی ہدایت جاری فرمائی ہے کہ کن کو دوست بنانا چاہیے اور کن کو نہیں؟

جواب: یہ ہمارے دین کے بنیادی موضوعات میں سے ہے کہ دوستی کی بنیاد دینداری ہونی چاہیے۔ قرآن مجید میں سورہ التوبۃ میں اہل ایمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ سچے لوگوں کی صحبت میں رہو۔ پس ﴿وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [التوبة: 119] ترجمہ: اور سچے لوگوں کی صحبت میں رہو، میں دوستی کا ایک معیار بیان کر دیا گیا اور وہ سچائی ہے۔ جو شخص جس قدر سچا ہے، وہ آپ کا اتنا ہی قریبی دوست ہونا چاہیے۔ اور سچ صرف زبان کا نہیں ہے بلکہ سچ تو ایک "حال" ہے کہ جس میں بندہ مومن ہر حال میں رہتا ہے۔ جھوٹے کو دوست بنانا دین کا نقصان تو ہے ہی جبکہ پرلے درجے کی بے وقوفی بھی ہے کہ اس میں دنیا کا بھی نقصان ہے۔

اسی طرح سورۃ الکہف میں حکم دیا گیا ہے کہ ان لوگوں کی صحبت میں رہیں کہ جو صبح و شام اللہ سے دعائیں کرتے ہیں اور ہر وقت اس کو راضی کرنے میں لگے ہیں۔ بلکہ رہنے کی بجائے الفاظ ہیں ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ﴾ [الكهف: 28] کہ اپنے نفس کو ان کے ساتھ روکے رکھیں۔ یہاں صبر کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ اگر ایسا ہو کہ ایسے لوگوں کی صحبت یا دوستی پر انسان کا دل آمادہ نہ ہوتا ہو تو صبر کے ساتھ بھی ان کی صحبت اور دوستی اختیار کرنی پڑے تو لازماً کرے۔ اس آیت مبارکہ میں صبح و شام دعا کا اہتمام کرنے والوں اور ہر حال میں اللہ کو خوش رکھنے کے لیے مجاہدہ کرنے والوں کی صحبت اور دوستی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا۔

اسی طرح سنن الترمذی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: «الْمَرْءُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلْ» کہ انسان اپنے جگری دوست کے دین پر ہوتا ہے، پس تم یہ غور کر لیا کرو کہ کسے تم اپنا گہرا دوست بنا رہے ہو۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کا مفہوم ہے کہ صالحین کو دوست بناؤ کہ ان کی مثال مشک کی سی ہے۔ مسند احمد کی ایک روایت کا مفہوم ہے کہ اللہ عزوجل کہتے ہیں کہ میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہو گئی جو میری محبت میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں، ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔ اب اللہ کی محبت میں یہ سب کچھ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے تقوی اور پرہیزگاری

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی وجہ سے یہ کرتے ہیں۔

ایک فالوور نے یہ بھی سوال کیا ہے کہ کچھ لڑکیاں اور خواتین، میسنجر، فون اور واٹس ایپ وغیرہ پر علماء، مفتیان کرام، داعیان دین وغیرہ سے مستقل رابطے میں رہتی ہیں تاکہ دین کا علم حاصل کر سکیں یا موٹیویشن لے سکیں، کیا یہ درست ہے؟ جواب: اگر تو کبھی کبھار کسی عالم دین یا اسکالر سے مسئلہ پوچھ لیا تو اس میں تو کوئی حرج نہیں ہے، ان شاءاللہ۔ لیکن اگر مستقل رابطہ ہے، چاہے دین کے نام پر ہو، تو یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا، اس سے بچنے کی کوشش کرے۔ میسنجر، واٹس ایپ اور موبائل میں اگرچہ ورچوئل خلوت ہے لیکن بہر حال اس کے مسلسل ہونے سے بھی اجتناب کرنا چاہیے کہ یہ تسلسل اس خلوت کا ذریعہ بن سکتا ہے کہ جس کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ جہاں مرد اور عورت تنہاء ہوتے ہیں، وہاں تیسرا شیطان ہوتا ہے جیسا کہ سنن الترمذی میں یہ روایت موجود ہے۔ البتہ خواتین اگر محرم کے ساتھ یا گروپس کی صورت میں مرد اساتذہ سے استفادہ کریں تو وہ درست ہے کہ یہاں خلوت نہیں ہے۔

عورت کی مسجد کی نماز افضل ہے یا گھر میں؟

دوست کا سوال ہے کہ عورت کی مسجد میں نماز افضل ہے یا گھر میں؟ تو اس بارے فقہاء کا اختلاف ہے۔ جمہور فقہاء امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک عورت کا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا جائز (allowed) ہے جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ (discouraged) ہے۔ اور تیسرا موقف امام ابن حزم رحمہ اللہ کا ہے کہ عورتوں کا مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا افضل اور مستحب (preferred) ہے۔ ہماری رائے میں یہی تیسرا موقف احادیث کی روشنی میں صحیح ترین موقف ہے کہ جس کا خلاصہ ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کی وہ تمام احادیث کہ جن میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس یا ستائیس گناہ افضل کہا گیا ہے تو اس حکم میں مردوں کے ساتھ عورتیں بھی شامل ہیں کیونکہ شریعت کا عمومی اصول یہی ہے کہ مردوں کو خطاب میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں الا یہ کہ عورتوں کے استثناء (exception) کی کوئی دلیل موجود ہو تو وہ یہاں ہے نہیں۔ سنن ابوداؤد کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ جماعت کی نماز پچیس گناہ افضل ہے تو یہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ یہ عجیب فتوی ہے کہ عورت کی نماز گھر میں افضل ہے لیکن مسجد میں جاسکتی ہے؟ اگر مسجد میں اس نے مشقت اور سفر کے ساتھ جانا ہے اور اپنا اجر بھی کم کرنا ہے تو اسے یہ اجازت ہی کیوں دی گئی ہے؟ مطلب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دے کر ان کا اجر ضائع کرنا چاہ رہے ہیں؟ اور یہ دعوے کہ خلفائے راشدین کے دور میں عورتوں کے مساجد میں جانے پر پابندی لگادی گئی تھی تو یہ بالکل غلط ہے، اس کی کوئی صحیح روایت میں دلیل موجود نہیں ہے بلکہ دلائل تو اس کے خلاف موجود ہیں۔

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی کو کہا گیا کہ عمر رضی اللہ عنہ آپ کا مسجد میں نماز کے لیے آنا پسند نہیں کرتے، تو انہوں نے جواب دیا کہ عمر رضی اللہ عنہ مجھ سے خود کیوں نہیں بات کر لیتے؟ تو اس شخص نے کہا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت کی وجہ سے عمر رضی اللہ عنہ آپ کو خود سے منع نہیں کر رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی بندیوں کو مسجد میں آنے سے مت روکو۔ تو امیر المومنین تو خواہش کے باوجود اپنی اہلیہ کو روک نہیں پائے کہ ان کے دلوں میں قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعی احترام موجود تھا۔

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جب ایک مرتبہ یہ حدیث بیان کی کہ اللہ کی بندیوں کو مسجد میں جانے سے مت روکو تو ان کے بیٹے بلال رحمہ اللہ نے ان سے کہا کہ ہم تو روکیں گے تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو وہ برا بھلا کہا کہ شاید ہی زندگی میں کسی کو اتنا برا بھلا کہا ہو اور ساتھ میں یہ بھی کہا کہ میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم سنا رہا ہوں اور تم یہ کہہ رہے ہو کہ میں اپنی بیوی کو مسجد میں جانے سے روکوں گا۔ بعض روایات میں ہے کہ ایک عرصے تک انہوں نے اپنے بیٹے سے کلام نہیں کیا۔ اسی وجہ سے امام ابن حزم رحمہ اللہ کا موقف یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کو مسجد جانے سے روکے گا تو گناہ گار ہوگا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہے۔

رہی وہ روایات کہ جن میں عورت کی گھر کی نماز کو مسجد کی نماز سے افضل قرار دیا گیا ہے تو ان

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں سے کوئی بھی روایت صحیح نہیں ہے۔ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے ایسی تمام روایات کی صحت میں شک کا اظہار کیا ہے۔ سنن ابو داؤد میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ اللہ کی بندیوں کو مسجدوں سے مت روکو اور ان کے گھر ان کے لیے بہتر ہیں۔ لیکن اس روایت کے آخری الفاظ شاذ ہیں کہ ثقات کی مخالف ہو رہی ہے۔ نافع، سالم اور مجاہد نے جب یہی روایت عبد اللہ بن عمر سے نقل کی ہے تو آخری الفاظ کو نقل نہیں کیا، یہ آخری الفاظ صرف حبیب بن ابی ثابت کی روایت میں ہیں۔ اس بارے ام حمید کی روایت کو ابن حزم رحمہ اللہ نے موضوع کہا ہے، ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت موقوف ہے اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت بھی ثابت نہیں ہے۔

رہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کہ جس میں انہوں نے یہ کہا کہ اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانے کو پا لیتے تو عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے منع کر دیتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کے لیے منع تھا تو امام ابن حزم رحمہ اللہ نے اس روایت کے بارے آٹھ جواب دیے ہیں کہ جن میں ایک یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے منع نہیں کیا، انہوں نے صرف اپنی ایک سوچ کا اظہار کیا ہے تو ان کی اس سوچ کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے احکامات قیامت تک کے احوال کو پیش نظر رکھ کر ہی صادر فرمائے ہیں۔

بھئی، اہل حدیث اور حنفی مفتی اس پوسٹ سے دور رہیں، اپنا سودا اپنی وال پر بیچیں، ہمیں بھی کچھ کام کرنے دیں، ہماری ایک آدھ پوسٹ کی مخالفت سے نہ تو حنفیت ختم ہو جائے گی اور نہ ہی اہلحدیثیت کو کوئی خطرہ لاحق ہے۔ آپ کے سارے دلائل ہمارے علم میں ہیں، بس آپ اپنا موقف اپنی وال پر پیش کر رہے ہیں تو دوسروں کے موقف کے لیے بھی صبر پیدا کریں۔ اگر عورتوں کو گھر بٹھانے کا شوق ہی ہے تو ان کو ہائی اسکول، کالج، یونیورسٹی میں تعلیم کے لیے جانے پر کوئی فتوے دیں کیونکہ اصل فتنہ تو وہاں ہے، اللہ کے گھر میں نہیں۔

بلکہ اپنے خواتین کے مدرسوں کو غیر شرعی ڈیکلیئر کر دیں کہ مسجد میں جانے کی اجازت نہیں ہے تو مدرسہ میں جانے کے لیے کیا فتنہ ختم ہو گیا ہے؟ اور ہاں اپنی عورتوں کے بازار، پارک، شاپنگ مال اور سیر و سیاحت کے لیے نکلنے پر بھی کوئی فتوی دیں، اصل فتنہ تو جہاں ہے، وہاں تو سب مفتی اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیویوں کو لے کر پہنچے ہوتے ہیں، بس فتوی صرف اس وقت یاد آتا ہے جب کسی عورت کی مسجد میں جانے کی بات کی جائے۔ اور اس کی وجہ صرف اتنی ہے کہ امام صاحب رحمہ اللہ سے مسجد میں جانے کے بارے کراہت کا فتوی منقول ہے۔

مسجد اور کلچر

اگر ہم مسجد کو اپنے کلچر کا حصہ بنانا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کے ڈیزائن کو حالات کے تقاضوں کے مطابق کچھ ریوائز کرنا ہو گا اور اسلامک آرکیٹیکچر کا ذہن رکھنے والوں کو اس طرف خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ مثال کے طور پر سیر وسیاحت، پکنک، پارکوں میں تفریح کے لیے نکل جانا اور ہوٹلنگ وغیرہ ہمارے کلچر کا حصہ ہے اور اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے پارک اور ہوٹلز ہماری فیملیز کو سامنے رکھ کر ڈیزائن کیے گیے ہیں نہ کہ صرف مردوں کو۔

بہت سے ایسے ایونٹ کمپلیکس اور شادی ہالز دیکھنے کو ملتے ہیں کہ جہاں کوئی دینی پروگرام یا ایکٹوٹی ہو تو ساتھ میں عورتوں اور بچوں کا بھی علیحدہ سے انتظام ہوتا ہے تو لوگ وہاں اکیلے نہیں بلکہ فیملیز کے ساتھ شرکت کرتے ہیں تو ایسے میں دین ان کے لیے بوجھ نہیں رہتا بلکہ انجوائے منٹ بھی بن جاتا ہے۔ جہاں میں اس مرتبہ رمضان میں دورہ ترجمہ قرآن کروا رہا ہوں تو وہ ایک شادی ہال ہے، جہاں عورتوں کا الگ سے انتظام ہے اور ساتھ بچوں کے لیے بھی چھوٹا سا پلے ایریا (play area) مختص کر دیا گیا ہے۔ لہذا اب مردوں کے لیے اس پروگرام میں شرکت کرنا زیادہ آسان ہے اور ان کی شرکت کی نسبت بھی بڑھ جاتی ہے۔

یہ سب کچھ ہم کیا مسجد کے ساتھ نہیں کر سکتے ہیں کہ مثلاً بعض مساجد میں کچھ جگہ عورتوں کے لیے تو مختص ہوتی ہی ہے، اگر تھوڑی جگہ جو مسجد میں شامل نہ ہو لیکن اس سے ملحق ہو، چاہے ایک کمرہ ہی کیوں نہ ہو، اسے بچوں کے پلے ایریا کے طور پر مختص کر دیا جائے تو رمضان اور غیر رمضان میں نہ صرف مسجد میں آنے والے مرد وخواتین کی تعداد میں اضافہ ہو گا بلکہ بچوں کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی اسلامی ماحول میں پلے بڑھے گی اور وہ عبادت تو کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے۔ اور اگر نہ بھی کر سکیں تو کم از کم ان کی دوستیوں کی بنیاد دین بن جائے گا اور اس کا ان کی فیوچر لائف پر بہت اثر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑے گا۔

اگرچہ اسلامک سینٹرز ڈیزائن کرتے وقت ان باتوں کا خیال رکھا جاتا ہے لیکن مساجد کے لیے اس کا اہتمام نہ ہونے کے برابر ہے حالانکہ صحیح احادیث کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عورتوں اور بچوں کا مساجد میں آنا عام تھا۔اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ مسجد اور مسجد میں ہونے والی ایکٹوٹیز میں شرکت کی کمی کی وجوہات میں سے ایک بڑی وجہ یہ ہوتی ہے کہ خواتین اور بچے، مردوں سے اپنے حصے کا وقت مانگتے ہیں اور کوئی ایسی ایکٹوٹی چاہتے ہیں کہ جس میں پوری فیملی شریک ہو۔

ہمارے معاشرے اتنے بھی دین بیزار نہیں ہیں جتنا کہ ہم نے انہیں سمجھ لیا ہے، بس ہم نے اپنے دین کو اپنے کلچر میں رچنے بسنے کا موقع بہت کم دیا ہے۔آپ اسلامی معاشرے میں مسجد کو اس طرح سے ڈیزائن کر دیں کہ وہاں خواتین ہال بھی ہو، بچوں کے لیے پلے ایریا بھی ہو، آڈیٹوریم بھی ہو، فیملیز مل کر ایک دن کی ورکشاپ بھی اٹینڈ کریں اور مل جل کر کھانا بھی کھائیں، تو ایسی صورت میں یہی مسجدیں ہمارے کلچر کا حصہ بن سکتی ہیں۔

اگرچہ اس میں یہ خدشہ ہے کہ ایسی صورت میں یہ مساجد کہیں پکنک کی جگہیں نہ بن جائیں لیکن ہمارے ہاں اسلامی تحریکوں کے تحت جس طرح اسلامک سینٹرز، کمیونٹی سینٹرز اور شادی ہالز میں بھی دینی ایکٹوٹی میں پوری پوری فیملیز شرکت کرتی ہیں بلکہ ایک ایسا ماحول پیدا ہو جاتا ہے جو مسجد کے ماحول سے کسی طرح کم نہیں ہوتا تو ہمارے معاشرے میں مساجد بھی اسی طرح سے آباد ہو سکتی ہیں جیسے ہوٹلز، پارک اور بازار آباد ہیں۔اگرچہ یہ بات واضح ہے کہ مسجد کو بازار یا ہوٹل نہیں بنانا ہے لیکن کم از کم کچھ ایسا تو کیا جا سکتا ہے کہ جس کی روایات کی روشنی میں اجازت نکلتی ہو اور یورپ کی مساجد میں یہ کام بڑے پیمانے پر ہو رہا ہے۔

عورت: لوئر، مڈل اور ہائر کلاس میں

یہ مان لینا بہت ضروری ہے کہ مسلم معاشروں میں لوئر کلاس میں عورت کی عزت نہ ہونے کے برابر ہے۔اس طبقے کی عورت مظلوم ہے، ظلم سہتی ہے، مار کھاتی ہے، گالیاں سنتی ہے، مزدوری

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کر کے اپنے مردوں کو کھلاتی ہے، مردوں کے لیے ایک خادمہ ہے، چاہے وہ ماں ہو، بیٹی ہو، بہن ہو یا بیوی۔ ان مظلوم عورتوں کے حق میں آواز بلند کرنا جہاد کے مترادف ہے اور اسلامی تحریکوں اور مذہبی طبقات کی یہ دینی ذمہ داری ہے کہ ایسی این۔جی۔اوز (NGO's) بنائیں جو اس مظلوم عورت کی دادرسی کر سکیں۔

رہی مڈل کلاس تو وہ ماں کے صدقے وارے جاتی ہے، بیٹی پر جان چھڑکتی ہے، بہن کا حصہ کھانا چاہتی ہے اور بیوی کو فریق مخالف سمجھ کر دباتی ہے۔ اس طبقے میں بہنوں اور بیویوں کے حقوق کسی قدر محفوظ کرنے کی ضرورت ہے اور اس کا ذریعہ مردوں کے لیے ایسی تربیتی ورکشاپس کا انعقاد ہے کہ جن میں ان کے رویوں کی اصلاح کی جا سکے۔ اس طبقے میں بیوی اپنے مرد کو پورا پڑنے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس کے نتیجے میں زیادہ مار کھاتی ہے۔ یہاں مار کھانا نقصان اٹھانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

رہی بات ہائر کلاس کی تو وہاں مرد مظلوم ہے۔ اس کے لیے اگر کچھ کرنا چاہتے ہیں تو مردوں کے حقوق کے تحفظ (Men Rights) کی کوئی این۔جی۔او بنا لیں۔ اور عجیب تماشا یہ ہے کہ حقوق نسواں کی تحریکیں چلانے والی ساری خواتین اسی طبقے سے ہیں۔ یہ تینوں تقسیمات ایک عمومی مشاہدے کے تحت کی گئی ہے یعنی ان میں استثناءات (exceptions) ہو سکتے ہیں۔

قبلہ رخ تھوکنا

دوست کا سوال ہے کہ صحیح بخاری کی ایک روایت میں قبلہ رخ تھوکنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ تمہارا رب تمہارے سامنے ہوتا ہے۔ تو سلف کا جو عقیدہ تھا کہ اللہ عزوجل عرش پر ہے تو یہ حدیث تو اس عقیدے کے خلاف جا رہی ہے۔ سلف کے ہاں اس کا مفہوم کیا ہے؟

صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مسجد میں قبلہ رخ دیوار پر تھوک دیکھی تو اسے کھرچ ڈالا اور ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ جب تم نماز میں ہوتے ہو تو اپنے رب سے سرگوشی کرتے ہو جبکہ وہ تمہارے اور قبلے کے درمیان ہوتا ہے۔ ایک اور روایت کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفاظ ہیں کہ اللہ عزوجل نماز میں نمازی کے چہرے کے سامنے ہوتے ہیں۔امام بیہقی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ اللہ عزوجل نمازی اور قبلے کے درمیان ہوتے ہیں تو یہ الفاظ حدیث کے راوی حمید کا اضافہ ہے کہ حمید نے یہ الفاظ "أو" یعنی لفظ شک کے ساتھ بیان کیے ہیں جبکہ دوسری روایات سے ثابت شدہ الفاظ یہ ہیں کہ اللہ عزوجل نماز کی حالت میں نمازی کے چہرے کے سامنے ہوتے ہیں۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اگر کسی کو نماز کی حالت میں تھوکنا ہی ہے تو اپنے دائیں طرف بھی نہ تھوکے بلکہ بائیں طرف پاؤں کے نیچے تھوک لے۔تو نمازی کو سامنے اور دائیں طرف تھوکنے سے منع کیا گیا ہے جبکہ بائیں طرف کی اجازت دی گئی ہے لہذا نماز کی حالت میں قبلہ رخ تھوکنا منع ہے۔لیکن نماز کے علاوہ میں کیا قبلہ رخ تھوکا جا سکتا ہے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اور راقم کی رائے اس بارے یہی ہے کہ ممانعت صرف نماز میں ہے جبکہ غیر نماز میں جواز ہے کہ ارشاد باری تعالی ہے کہ ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ﴾ [البقرة: 115] ترجمہ: تم جس طرف بھی رخ کرو تو اسی طرف اللہ عزوجل ہے۔لہذا ممانعت کی وجہ مسجد اور نماز ہے۔

رہی یہ بات کہ اللہ عزوجل عرش پر ہے تو یہ بات قرآن مجید میں سات مقامات پر بیان ہوئی ہے لہذا اس کا انکار یا تاویل، قرآن مجید میں تحریف کے قائمقام ہے اور اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب "وجود باری تعالی" کے تیسرے باب میں بیان کر دی ہے۔اور جو اس روایت میں کہا گیا ہے کہ اللہ عزوجل نمازی کے سامنے ہوتا ہے تو اس میں اور قرآن مجید کے بیان میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ دونوں میں جمع ممکن ہے۔سورج ہمارے سامنے بھی ہوتا ہے اور ہم سے اوپر بھی یعنی جہت علو میں۔لہذا اللہ عزوجل کا عرش پر ہونا اور سامنے ہونا ایک دوسرے کے منافی نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر اس حدیث کو اللہ عزوجل کے ہر جگہ موجود ہونے کی دلیل بنایا جائے تو یہ درست نہیں ہے کہ حدیث خود کہہ رہی ہے کہ وہ سامنے ہوتا ہے یعنی تمہارے بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے نہیں ہوتا، اسی لیے تو بائیں طرف اور پاؤں کے نیچے تھوکنے کی اجازت دی ہے لہذا یہ اعتراض باقی نہیں رہتا کہ عرش پر اللہ کو ماننے سے اللہ عزوجل محدود ہو جاتا ہے۔جو عرش پر اللہ عزوجل کو اس شبہے سے نہیں مانتے، کیا وہ یہ مانتے ہیں کہ اللہ عزوجل ان کے پاؤں کے نیچے ہے؟ اگر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں تو انہوں نے بھی اللہ عزوجل کے لیے مکان مان لیا ہے۔ اور حق اس مسئلے میں وہی ہے کہ جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے کہ وہ عرش کے اوپر ہے جیسا کہ اس کی شان کے لائق ہے۔ اور "پر ہونے" اور "اوپر ہونے" میں بھی بہت فرق ہے۔

امتحان، کھیل کود اور شاپنگ کی وجہ سے روزہ ترک کرنا

دوست کا سوال ہے کہ اگر رمضان میں طالب عالم کو روزہ رکھنے کی وجہ سے امتحانات کی تیاری میں مشکل پیش آئے، یا وہ پیشہ ور کھلاڑی ہو اور اسے کسی قومی میچ میں شرکت کرنی ہو، یا خواتین نے رمضان میں دن میں عید کی شاپنگ کرنی ہو اور ان کے لیے روزہ رکھنا مشکل ہو تو ایسی صورتوں میں روزہ ترک کیا جاسکتا ہے؟

اللہ عزوجل نے ہر عاقل اور بالغ مسلمان پر روزہ رکھنا فرض قرار دیا ہے اور قرآن مجید میں حکم ہے: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرة: 185] ترجمہ: کہ جو بھی تم میں سے رمضان کا مہینہ پالے تو وہ روزہ رکھے۔ اب "جو بھی" میں سب مکلف داخل ہیں، البتہ قرآن مجید نے "جو بھی" سے دو کا استثناء کیا ہے؛ ایک مریض اور دوسرا مسافر کہ یہ اگر دوسرے دنوں میں روزہ رکھ لیں تو ان کو یہ اجازت حاصل ہے۔

پس ایک تو مسافر کو روزہ دوسرے دنوں میں پورا کرنے کی اجازت ہے اور دوسرا مریض کو۔ ایک حدیث کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے حاملہ (pregnant) اور مرضعہ یعنی دودھ پلانے والی ماں کو بھی مریض میں شمار کیا ہے۔ اب اگر اس میں غور کیا جائے کہ اللہ عزوجل نے مریض اور مسافر کو یہ رخصت کیوں دی ہے تو یہ بات واضح ہے کہ اس کی حکمت مشقت ہے کہ شریعت میں جہاں شرعی احکام کو پورا کرنے میں حد سے زیادہ مشقت پیدا ہوتی ہے تو وہاں رخصت نازل کر دی جاتی ہے۔

اب یہاں اہم بحث یہ ہے کہ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے کہ جس میں مشقت نہ ہو، وضو کرنے میں مشقت ہے، نماز پڑھنے میں بھی مشقت ہے، روزہ رکھنا خود سے مشقت کا کام ہے، حج میں کتنی زیادہ مشقت ہے، اور جہاد بھی مشقت ہے، تو شریعت کا ایسا کام ہے کون سا کہ جس میں مشقت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہو۔ لہذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جہاں مشقت ہو، وہاں لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی رخصت دے دی جائے تو ایسا شخص پوری شریعت کو معطل کر کے رکھ دے گا۔

اس میں صحیح اپروچ یہ ہے کہ جب کسی شرعی حکم پر عمل کرنے میں مشقت ایسی ہو جو انسان کی برداشت سے باہر ہو تو اللہ عزوجل اس صورت میں رخصت جاری فرما دیتے ہیں جیسا کہ مریض اور مسافر کو روزہ چھوڑنے کی اجازت دی ہے اور اسے تکلیف مالا یطاق کہتے ہیں کہ ایسی تکلیف کہ جس کے برداشت کی انسان میں طاقت نہ ہو۔ اب ہر ملازم یا تاجر روزہ مشقت کے ساتھ رکھتا ہے کہ ملازمت اور تجارت ایک مشقت ہے اور روزہ اس پر دوسری مشقت ہے لیکن یہ مشقت قابل برداشت ہے لہذا ان میں روزہ رکھنا فرض ہے۔

دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ روزہ چھوڑنے کے لیے جن چیزوں کو عذر مانا گیا ہے، وہ ایسی ہیں کہ جن کے آگے انسان مجبور ہوتا ہے جیسا مرض، سفر، حمل وغیرہ۔ مرض پر انسان کا اختیار نہیں ہے، سفر اور حمل انسان کی مجبوری ہے لہذا وہ عذر جو انسان پر جبر نہ ہو، انہیں عذر بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ پس ایک تو عذر ایسا ہو کہ وہ انسان پر جبر ہو اور دوسرا اس میں مشقت ایسی ہو جو کہ برداشت سے باہر ہو تو ایسی صورت میں روزہ ترک کیا جا سکتا ہے جیسا کہ سفر، مرض، حمل وغیرہ۔

دین کی دعوت و تبلیغ میں زکوۃ کی رقم خرچ کرنا

دوست کا سوال ہے کہ کیا دین کی دعوت و تبلیغ کے کام میں زکوۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے مثلاً وہ زکوۃ کی رقم سے قرآن مجید کے مختلف زبانوں میں تراجم شائع کروا کے غیر مسلموں میں تقسیم کروا دے۔ یا زکوۃ کی رقم سے کوئی مدرسہ یا فہم قرآن کا انسٹی ٹیوٹ بنوا دے کہ جہاں دین کی مفت تعلیم دی جائے۔ یا تبلیغی جماعت میں چار ماہ چلے میں چلنے والوں کا خرچہ اٹھا لے۔ یا دعوت و تبلیغ کے کام کا کوئی مرکز قائم کر لے وغیرہ

جواب: اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایسے مقامات میں زکوۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اور اس اختلاف کی وجہ "فی سبیل اللہ" کے معنی و مفہوم میں اختلاف ہے۔ قرآن مجید میں زکوۃ کے آٹھ مصارف بیان ہوئے ہیں یعنی آٹھ مقامات پر زکوۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے؛ فقیر پر،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسکین پر، زکوۃ کے محکمے میں کام کرنے والوں پر، نو مسلم یا وہ غیر مسلم جو اسلام قبول کرنے کے قریب ہو، اس کی دل جوئی کے لیے، غلاموں کی آزادی کے لیے، مقروض کے قرض کی ادائیگی کے لیے، فی سبیل اللہ کے لیے اور مسافر کے لیے۔

اب "فی سبیل اللہ" کے مفہوم میں فقہاء کا اختلاف ہو گیا کہ اس سے کیا مراد ہے؟ اس کا سادہ سا معنی تو یہ ہے کہ اللہ کے رستے میں زکوۃ لگائی جا سکتی ہے۔ تو اللہ کے رستے سے کیا مراد ہے؟ جمہور (majority) فقہاء کا کہنا یہ ہے کہ اس سے مراد جہاد اور قتال فی سبیل اللہ ہے یعنی مجاہد کے سامان جہاد وغیرہ کے لیے زکوۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ بعض فقہاء نے اس مفہوم میں مزید وسعت پیدا کی ہے کہ اس میں مجاہد کے علاوہ حج اور عمرہ کرنے والا بھی شامل ہے کیونکہ وہ بھی اللہ کے رستے میں ہی ہے۔ یہ امام محمد رحمہ اللہ اور حنابلہ کی ایک جماعت کا موقف ہے۔

بعض فقہاء نے "فی سبیل اللہ" کے مفہوم کو مزید وسعت دیتے ہوئے دین کے طالب علم کو بھی اس میں شامل کر لیا ہے، یہ بعض حنفی فقہاء کا موقف ہے۔ اور بعض فقہاء نے اس کا مفہوم بہت ہی وسیع کر دیا ہے اور کہا ہے کہ ہر نیکی اور خیر کا کام "فی سبیل اللہ" میں شامل ہے، یہ زیادہ تر معاصر فقہاء کا موقف ہے۔ اس موقف کے مطابق زکوۃ کی رقم فی سبیل اللہ کنواں کھدوانے میں بھی لگائی جا سکتی ہے کہ پیاسے کو پانی پلایا جا سکے اور گلی میں کھلے گٹر کو بند کروانے کے لیے بھی تاکہ اہل ایمان کو اذیت اور نجاست سے بچایا جا سکے۔

ہماری رائے میں "فی سبیل اللہ" سے مراد ہر کار خیر یا نیکی کا کام نہیں ہے بلکہ اس سے مراد "جہاد" ہی ہے لیکن جہاد سے مراد صرف قتال یا جنگ نہیں ہے بلکہ جہاد سے مراد، دین کے غلبہ کے لیے کی جانے والی کسی بھی قسم کی جدوجہد اور کاوش ہے۔ پس دعوت و تبلیغ، تحریر و کتابت، تعلیم و تربیت اور درس و تدریس کی ہر وہ ایکٹوٹی کہ جس کا مقصد یہ ہے کہ معاشرے میں دین پھیل جائے، عام ہو جائے، غالب ہو جائے، تو اس کے لیے زکوۃ کی رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔ یہی معاصر علماء میں سے ڈاکٹر یوسف القرضاوی، ڈاکٹر سلمان العودہ وغیرہ کی رائے ہے۔

باقی تملیک یعنی زکوۃ کی رقم کا مالک بنانا وغیرہ جیسے فقہی ضابطوں پر بہت مغزماری ہو چکی ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اب ہمیں اس سے آگے نکل آنا چاہیے۔ مدرسہ میں زکوۃ کی رقم لگانے کے لیے خواہ مخواہ حیلہ کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ پہلے طالب علم کو مالک بناؤ۔ مدارس اسلام کے قلعے ہیں، ان میں زکوۃ کی رقم لگ سکتی ہے، آسان سی بات ہے کہ ہم غزو فکری (intellectual war) کے دور میں سانس لے رہے ہیں۔ حکمت قرآن کا ایک خصوصی شمارہ اس موضوع پر شائع ہوا تھا کہ جس میں تملیک کے بارے دونوں طرف کے دلائل کا تذکرہ کیا گیا تھا۔

ویلنٹائن ڈے: ایک حیاسوز تہوار

ویلنٹائن ڈے کے آغاز کے بارے میں بہت سی باتیں کہی گئی ہیں کہ اس کی تاریخ یہ ہے، یا یہ اس وجہ سے شروع ہوا، تو اس کا پس منظر جو بھی ہو یہ بات البتہ طے ہے کہ اسے "عاشقوں کا تہوار" کے دن کے طور پر منایا جاتا ہے، یہ لوورز فیسٹیول ہے، یہ اظہار محبت کا دن ہے۔

ہمارے ہاں کے لبرل طبقے کا کہنا یہ ہے کہ محبت کے اظہار میں برائی ہی کیا ہے؟ ان کا کہنا یہ ہے کہ مولوی کا تو کام ہی ہماری خوشیوں کو قتل کرنا ہے، ہماری مسرتوں کو روندنا ہے، ویلنٹائن ڈے، بسنت اور نیو ایئر نائٹ جیسے تہواروں کے بغیر ہماری روزمرہ کی زندگیاں پھیکی اور بدمزہ ہیں۔ یہ تہوار نکال دیں تو زندگی میں تو جیسے کوئی خوشی رہی ہی نہیں، بس بوجھ ہی بوجھ ہیں۔

انہیں یہ نہیں معلوم کہ رب کی نافرمانی کر کے حاصل ہونے والی خوشی کا انجام، مایوسی ہوتا ہے۔ اور انسان اس مایوسی کو ختم کرنے کے لیے گناہ میں مزید بڑھتا ہے کہ جس سے اسے وقتی خوشی ملتی ہے لیکن انجام کار میں مزید مایوسی بڑھ جاتی ہے، اندر کی مایوسی۔ اور ان کے پاس اس کا آخری حل ڈرگز ہیں، شراب ہے یا خودکشی۔ اور ہمارا نوجوان بھی اظہار محبت سے شروع ہوتا ہے، اور ڈرگ ایڈکشن پر ختم ہو جاتا ہے۔

ہاں، مغرب نے بھی اپنی زندگی کو رنگین بنانے کے لیے ہی ایسے تہواروں کا آغاز کیا تھا۔ پھر وہ ویلنٹائن ڈے میں محبوب کو محض گلاب کے پھول پیش کر کر کے بھی اکتا گئے، اب انہوں نے کہا کہ زندگی پھر سے بدمزہ اور پھیکی ہو گئی ہے، اب کچھ نیا ہونا چاہیے، بالکل نیا کہ جو پہلے کبھی نہ ہوا ہو۔ اس طرح وہ خوشی اور مسرت کے حصول کے لیے ہر دم نئے کی تلاش میں رہے کیونکہ پرانے سے وہ اکتا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چکے تھے۔

اور مغرب کے بعض علاقوں میں تو ویلنٹائن ڈے پر عاشقوں کے برہنہ جلوس نکلتے ہیں کہ جنہوں نے اپنے سینوں اور اعضائے مخصوصہ پر اپنے محبوبوں کے نام لکھ رکھے ہوتے ہیں۔ یہ سب وہ محبت کے اظہار کے لیے کرتے ہیں، اور وہ بھی نت نئے طریقوں سے محبت کا اظہار کہ جس سے انہیں قلبی مسرت حاصل ہو۔

ایک صاحب نے یہ لکھا کہ اگر اس دن میں شوہر، اپنی بیوی سے اظہار محبت کر لے اور اسے گلاب کے پھول پیش کر دے تو پھر کیا تکلیف ہے؟ بھئی، تکلیف یہی ہے کہ تم سال میں ایک دن بیوی سے اظہار محبت کر کے یہ کہنا چاہتے ہوں کہ تم نے اس سے محبت کا حق ادا کر دیا ہے، تو یہ غلط بات ہے۔ کیا سال بھر تمہیں بیوی سے اظہار محبت کی فرصت نہیں رہی جو مخصوص دن کی ضرورت محسوس کر رہے ہو؟

جو جو کام تمہارے سال کے ہر دن کے کرنے کا تھا، تم نے ان سے جان چھڑانے کے لیے ہر ایک کا ایک دن مقرر کر لیا۔ یہ بیوی سے محبت کے اظہار کا دن ہے تو یہ ماں باپ سے پیار کا دن، یہ مزدوروں کا دن ہے تو یہ بچوں کا دن۔ مغرب کو تو ماں باپ کا دن منانے کی ضرورت ہے کہ وہ تو انہوں نے اولڈ ہومز میں جمع جو کروا دیے ہیں۔ ہمارے معاشروں کو فی الحال اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ان کی ہر صبح اور ہر شام ماں باپ کے لیے ایسی ہی ہوتی ہے کہ جیسے ان کا مادر فادر ڈے۔

رسم ورواج کی اہمیت اور ضرورت

آج ہم ایک عجیب مذہبی معاشرے کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں کہ جس میں کوئی رسم ورواج نہ ہو۔ ہر مذہبی شخص کے ذہن میں یہ تصور بٹھا دیا گیا ہے کہ رسم ورواج گویا کبیرہ گناہ سے کم نہیں ہے۔ اسلام رسم ورواج کے خلاف نہیں ہے البتہ اسلام اسی رسم ورواج کو پسند کرتا ہے کہ جس میں معاشرے کی فلاح و بہبود کا پہلو ہو۔ اور جو رسوم ورواج معاشرے میں ظلم اور بگاڑ کا باعث بنتے ہوں تو اسلام ان پر قدغن لگاتا ہے۔ ایک صحت مند معاشرے کے لیے رسم ورواج اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ صحت مند جسم کے لیے کھیل۔ رسم ورواج کے بغیر تو معاشرہ، بیماروں کا معاشرہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سوسائٹی میں رسم ورواج کا پیدا ہونا یا ختم ہونا، یہ اسلام کا موضوع نہیں ہے۔ جہاں معاشرت ہو گی، انسان مل جل کر رہیں گے، وہاں رسم ورواج پیدا ہو گا، یہ لازمی امر ہے کہ یہ انسان ہیں، اپنے جذبات کا اظہار چاہتے ہیں اور وہ رسم ورواج کے بغیر نامکمل ہے۔ اسلام کا موضوع یہ ہے کہ کوئی رسم اسلامی اقدار کے منافی نہ ہو، دین کے مقاصد کے خلاف نہ ہو، اس سے معاشرے میں ظلم اور بگاڑ پیدا نہ ہو رہا ہو، اسے دین نہ بنالیا جائے، اسے فرض اور قانون کا درجہ نہ دیا جائے، اور اس میں اسراف اور فضول خرچی نہ ہو۔

اور رسم ورواج میں انہی پہلوؤں کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی اصلاح دین میں مطلوب ہے نہ کہ رسوم ورواج کو ختم کرنے کی تحریکیں چلانا۔ اگر کوئی شخص رسم ورواج کو ختم کرنے کی کوشش کرے گا تو وہ دراصل انسانی جذبات اور احساسات کو ختم کرنے کی کوشش کرے گا۔ آپ ایک رسم ختم کریں گے، دوسری اس کی جگہ لے لے گی کیونکہ رسوم ورواج کا تعلق انسان کے جذبات اور تعلقات سے ہے۔ اور جب تک انسانی جذبات اور تعلقات قائم رہیں گے، یہ رسم ورواج پیدا ہوتے رہے گے لہذا اسلام کا مقصود رسوم ورواج کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ ان کی اصلاح ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے دور جاہلیت کی اکثر رسوم کی اصلاح کی نہ کہ سب رسموں کو بالکل ہی ختم کر دیا۔ البتہ جو ظالمانہ رسوم ورواج تھے تو انہیں آپ نے ختم کیا۔ یہ اہم نکتہ ہے کہ جسے اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اور رسموں کی بھرمار تو یہ ایک دوسری انتہا ہے اور غیر متوازن رویہ ہے لہذا یہ بھی پسندیدہ امر نہیں ہے کہ ہر وقت کھیل تماشے میں ہی لگے رہو۔

اور اہم تر نکتہ یہ ہے کہ اگر غیر شرعی رسوم ورواج کو ختم کرنا چاہتے ہو تو اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ رسوم ورواج کے خالق بنو۔ جب اپنی رسمیں ایجاد نہیں کرو گے جو عقیدہ توحید اور اسلامی کلچر کی نمائندہ ہوں تو پھر مغربی اور ہندوانہ کلچر کی رسوم ورواج سے ہی لڑتے رہو گے۔ تمہارے معاشرے، ہندو اور مغربی تہذیب سے کیوں خوفزدہ رہتے ہیں، مغربی اور ہندو معاشروں کو تمہارے کلچر سے کیوں خوف محسوس نہیں ہوتا؟ اس لیے کہ تم ایسے رسوم ورواج پیدا کرنے میں بانجھ عورت کی مانند ہو کہ جو عالمی ثقافت بن سکیں اور اس پر مستزاد یہ کہ اس نااہلی کو مذہب کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خدمت سمجھ رکھا ہے۔

برکینی (Burkini)

آحیدہ ایک لبنانی خاتون ہیں جو آسٹریلیا میں رہتی ہیں۔ وہ مسلم ویمن فیشن ڈیزائنر ہیں۔ ان کی ڈیزائن کی گئی دو پراڈکٹس کافی معروف ہوئیں۔ ایک تو انہوں نے کھیلوں میں شرکت کرنے والی مسلمان لڑکیوں کے لیے "حیجود" ڈیزائن کیا اور دوسرا مسلمان خواتین کی سوئمنگ کا لباس "برکینی" ڈیزائن کیا۔

"برکینی" ایک ایسا لباس ہے کہ جس میں سوئمنگ کے دوران خاتون کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ مکمل جسم ڈھکا ہوتا ہے۔ فرانس کی کچھ مسلمان خواتین نے سمندری ساحلوں پر جا کر جب اس لباس میں سوئمنگ کی تو ایک شور بپا ہو گیا۔ فرانس کے تقریباً تیس کے قریب شہروں کے میئرز نے اس لباس میں سوئمنگ پر پابندی لگا دی اور مسلمان خواتین کو جرمانے کیے گئے۔

اس لباس پر پابندی لگانے کی دو وجوہات اب تک بتلائی جا رہی ہے۔ ایک یہ کہ فرانسیسی قانون میں یہ شامل ہے کہ گلی محلے کے کپڑوں (street clothes) میں سوئمنگ کی اجازت نہیں ہے۔ اور دوسرا یہ ہے کہ "برکینی" پہننے والوں کا تعلق دہشت گردوں سے ہو سکتا ہے۔ اس سارے قضیے میں عدالتیں تو "برکینی" پر پابندی لگانے کے حق میں ہیں جبکہ ہیومن رائٹس والے پابندی کے خلاف ہیں۔

فرانس کا مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ مسلمان خاتون کو "برکینی" میں سوئمنگ کی اجازت دینی چاہیے یا نہیں بلکہ ان کا اصل چیلنج یہ ہے کہ "برکینی" اتنی تیزی سے مقبول ہوئی ہے کہ "بکینی" (Bikini) کی جگہ لے رہی ہے۔ اور "بکینی" سوئمنگ کا مختصر ترین لباس ہے جو کہ عورت کے جسم کی نمائش کے لیے مغرب میں استعمال کیا جاتا ہے۔

"بکینی" تو اس لیے مقبول ہوئی تھی کہ حقوق نسواں کی تحریک نے عورتوں کو اس بات کا یقین دلا دیا تھا کہ وہ مرد کی غلامی سے اسی صورت مکمل طور آزاد ہو سکتی ہیں جبکہ ان کے جسم کے نمائش پر موجود کسی بھی قسم کی قدغن کو ختم کرا دیا جائے۔ اور "برکینی" کے استعمال میں چالیس فی صد غیر مسلم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گاہک خواتین کا ایک بڑا مقصد اپنی جلد (skin) کی حفاظت ہے۔

جو لوگ بھی میک اپ انڈسٹری سے کچھ واقفیت رکھتے ہیں، انہیں اچھی طرح اندازہ ہے کہ رنگ گورا کرنے والی کریم سے لے کر پلاسٹک سرجری تک بلین ڈالر کی اس انڈسٹری کا مقصد وحید عورت کی سکن ہی ہے۔ تو عورت کو سکن بہتر بنانے کے لیے جس طرح پاگل بنایا گیا ہے، اس پاگل پن کے اثرات ہیں کہ مغربی عورتیں یہ نہیں سوچ رہیں کہ "برکینی" پہننے سے ان کی آزادی متاثر ہو رہی ہے۔ اور بین لگانے کے بعد "برکینی" کی سیل دو سو فی صد بڑھ چکی ہے۔

مجھے تو یہ سوچ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ اسلام بھی کیا عجب مذہب ہے کہ اس دین کی برکت سے ان کا فیشن ڈیزائنر بھی ایک آئیڈیالوجی رکھتا ہے۔ یہ اگر فلم انڈسٹری بھی کھڑی کر دیں گے تو وہ بھی اسلامی ڈسکورس میں ہو گی۔ عجیب لوگ ہیں، ان کی الٹی بھی سیدھی ہے۔

غیر مسلموں کے حقوق اور ان سے تعلقات

غیر مسلم دو طرح کے ہیں؛ ایک وہ جو مسلمان ممالک میں اقلیت میں ہیں اور دوسرے وہ جو غیر مسلم ممالک میں اکثریت میں ہیں۔ جو غیر مسلم اقلیت میں ہیں جیسا کہ پاکستان میں ہندو اور عیسائی تو ان کے حقوق ہیں اور اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح غیر مسلم سے حسن سلوک کیا جا سکتا ہے اور کاروباری تعلق رکھا جا سکتا ہے، اس میں بھی شک نہیں ہے۔

سنن ابو داؤد میں رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی معاہد، وہ غیر مسلم کہ جو کسی معاہدے کے تحت مسلمان ملک میں ہو، پر ظلم کیا، یا اس کے حق میں کمی کی، یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا، یا اس کی کوئی چیز اس سے چھین لی تو قیامت کے دن میں اس معاہد کا وکیل ہوں گا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ اللہ عزوجل تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ [الممتحنة: 8]

قرآن مجید نے یہود و نصاری کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے، مسلمانوں نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ تجارت کی ہے اور انہیں اپنی سروسز فراہم کی ہیں۔ یہودی بچوں نے آپ ﷺ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی خدمت کی، اور آپ نے ان کی عیادت فرمائی۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے پاس کثرتیت (pluralism) یا کثیر الثقافتی (multicultural) سوسائٹی میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ برداشت اور حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارنے کے حوالے سے اسلامی اصول وضوابط یا تعلیمات نہیں ہیں بلکہ مسئلہ کچھ اور ہے۔

مسئلہ مذہبی نہیں ہے بلکہ معاشرتی اور نفسیاتی ہے۔ مغرب مسلمانوں کو برداشت (tolerance) سکھانا چاہتا ہے کہ مسلمان دوسرے مذاہب کے لوگوں کے بارے میں برداشت پیدا کریں لیکن خود مغرب کا رویہ مسلمانوں کے بارے عدم برداشت کا ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کو برداشت تو کجا، ان سے حسن سلوک کا داعی ہے لیکن اس عالمی سیناریو میں کہ جس میں پوری مسلم دنیا جنگ کی آگ میں جھونک دی گئی ہو، اور اس میں مغرب کا کردار بھی واضح ہو، مسلمانوں سے یہ اپیل کرنا کہ وہ برداشت کا رویہ پیدا کریں، انہیں غیر معقول معلوم ہوتا ہے۔

لیکن میں پھر بھی اپنی قوم کے لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ مغرب میں اسلاموفوبیا یعنی اسلام کا بلاوجہ کا خوف اور اسلام سے نفرت بھی ہے لیکن مغرب سارا برا نہیں ہے، ہمیں اس دنیا میں دوسرے مذاہب کے ساتھ مل کر گزارا کرنا ہے۔ ہمیں دنیا کے سامنے اپنا امیج خود ڈویلپ کرنا ہے۔ اگرچہ دنیا یہی سمجھتی ہے کہ مسلمان صرف نفرت کرنا جانتے ہیں لیکن ہمیں بحیثیت قوم یہ پیغام دوسرے مذاہب کے پیروکاروں تک پہنچانا ہوگا کہ اگر مسلمانوں سے ایک دفعہ محبت کا اظہار کرو گے تو یہ تمہیں دو مرتبہ پیار دیں گے جیسا کہ ہم نے یہ میسج بہت اچھی طرح پہنچا دیا ہے کہ اگر ہم سے نفرت کرو گے تو ہم تم سے دو مرتبہ نفرت کا اظہار کریں گے۔ یہ پیغام مغرب میں اسلام کے بارے اس فوبیے کو کم کرنے میں بہت مدد دے گا کہ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ ان شاءاللہ! کہنے پر ایک مسلمان نوجوان جہاز سے اتار دیا جاتا ہے۔

پوپ فرانسس اور مسلمان علماء

ایک دوست نے کہا کہ چند ہفتے پہلے پوپ فرانسس نے اپنے مذہبی تہوار کے موقع پر 12 مہاجرین کے نہ صرف پاؤں دھوئے ہیں بلکہ ان کا بوسہ بھی لیا ہے اور ان مہاجرین میں عیسائیوں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علاوہ تین مسلمان اور ایک ہندو بھی شامل تھے۔ دوست کا سوال یہ تھا کہ کیا پوپ کے جیسی عاجزی اور ہمدردی کا اظہار کبھی کسی معاصر نامور مسلمان عالم دین کی طرف سے دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے حق میں دیکھنے کو ملتا ہے؟

جواب: میرے علم میں ہے کہ عیسائیوں میں بہت سے انتہا پسند، مسلمان دشمن گروہ موجود ہیں، میں یہ بھی جانتا ہوں کہ عیسائیوں نے ماضی میں مسلمانوں کا بہت دفعہ اجتماعی قتل عام کیا ہے، میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں سے بھی واقف ہو، ان میں سے بہت سو کا مسلمانوں سے بغض بھی میرے علم میں ہے۔

لیکن اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے پوپ کا اپنے اس عمل کے ذریعے اپنی قوم کے لوگوں کو واضح پیغام دینا کہ یہ سب بھی اسی خدا کے بندے ہیں کہ جس کے ہم ماننے والے ہیں، اور اسی طرح ہمارے لیے قابل احترام ہیں جیسا کہ ہمارے اپنے مذہب کے لوگ ہیں، تو یہ واقعتاً ایک قابل تحسین اور قابل رشک امر ہے۔

صحیح بات تو یہ ہے کہ جس کے کہنے میں حرج نہیں ہے کہ مسلمانوں میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے کہ پوپ کے مقام اور مرتبے کا کوئی عالم دین کسی عام عیسائی کے پاؤں دھوئے گا۔ تبلیغی جماعت کے رہنما حاجی عبدالوہاب صاحب جیسے شاید دلی طور تیار ہو جائیں لیکن مسلم معاشرے میں اس کے ممکنہ رد عمل کے خوف سے کبھی بھی عملاً ایسا کرنے کی جرات نہ کر سکیں گے۔

ہم تو ابھی عیسائیوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا کھا لینے کے جواز اور عدم جواز سے نہیں نکل رہے۔ اور یہ پوپ ہی کا حوصلہ ہے کہ وہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے پاؤں دھونے اور ان کا بوسہ لینے تک جا پہنچا ہے۔ اور یہ پوپ اس قابل ہے کہ ایک مسلمان کے پاؤں دھونے کے بدلے میں اس کے پاؤں دو مرتبہ دھوئے جائیں۔

اسی لیے تو اللہ عزوجل نے عیسائیوں کے بارے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے: اور ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اِس وجہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور اُن میں غرور نفس نہیں ہے۔[1]

بلاشبہ پوپ فرانسس بھی انہی عیسائی رہنماؤں کی طرح ہیں کہ جو ہرقل روم، مقوقس مصر اور نجاشی حبشہ کی طرح اسلام کے بارے نرم گوشہ رکھتے تھے اور ان عیسائی راہبوں میں سے ہیں کہ جو عاجزی کا اظہار کرنے والے ہیں اور متکبر نہیں ہیں۔

یورپین کونسل برائے فتوی اور تحقیق

یورپ میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد آباد ہے۔ان مسلمانوں کو وہاں بہت سے سماجی، معاشی اور سیاسی مسائل کا سامنا رہتا ہے کہ جن کے حل کے اسلامک سینٹرز وجود میں آئے لیکن مسائل اس قدر پیچیدہ تھے کہ 1997ء میں لندن شہر میں جلیل القدر علماء کی ایک کونسل کی بنیاد رکھی گئی کہ جس کی سربراہی شیخ القرضاوی فرمارہے تھے۔ان کے علاوہ شیخ مصطفی الزرقاء، شیخ عبداللہ بن سلیمان المنیع، شیخ تقی عثمانی، شیخ عبداللہ بن بیہ وغیرہ بھی اس کے ممبران رہے ہیں۔اس کے ممبر علماء کی تعداد کوئی پچاس کے قریب ہے جن کی اکثریت یورپ میں ہی مقیم ہے اور یہ علماء یورپ کے تقریباً تیس ممالک سے ہیں۔

یہ کونسل یورپ کے مسلمانوں کے لیے ان کے ماحول اور حالات کو سامنے رکھ کر ان کے مسائل میں اجتماعی فتوی جاری کرتی ہے۔عصر حاضر میں اجتماعی فتوی جاری کرنے کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے۔اور میرا پی۔ایچ۔ڈی کا مقالہ بھی اس عنوان پر ہے یعنی "عصر حاضر میں اجتماعی اجتہاد: ایک تجزیاتی مطالعہ"۔

دنیا کے مختلف خطوں میں علماء اب انفرادی حیثیت کی نسبت اجتماعی کونسل کی صورت میں فتوی جاری کرنے کو زیادہ پسند کرتے ہیں کہ اس میں باہمی مشاورت کے نتیجے میں نہ صرف صحت رائے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں بلکہ تمام مکاتب فکر کے علماء کے اجتہاد کے نتیجے میں ایک ایسی فقہ حاصل ہوتی ہے کہ جسے بلاشبہ "اجتماعی فقہ" کا عنوان دیا جاسکتا ہے۔

میں نے اپنے مقالے کے آخری باب میں اجتماعی فتوی جاری کرنے والے پانچ اداروں اسلامی

[1] المائدۃ: 82، ترجمہ از سید مودودی علیہ الرحمہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فقہ اکیڈمی، انڈیا، اسلامی نظریاتی کونسل، پاکستان، مجمع البحوث الاسلامیہ، مصر، ہیئۃ کبار العلماء، سعودی عرب اور یورپین کونسل برائے افتاء و تحقیق، لندن اور ان کے فتوی جاری کرنے کے منہج اور طریق کار پر بحث کی ہے۔

ایک فاضل دوست نے کینیڈا میں مقیم ایک بھائی کے حوالے سے سوال کیا تھا کہ کیا وہ انتہائی مجبوری میں مارگیج پر مکان لے سکتے ہیں؟ تو اس تناظر میں انہیں اس بارے یورپین کونسل برائے فتوی و تحقیق کا فتوی ارسال کیا تھا۔ اسی سے ذہن میں آیا کہ میرے ساتھ یہاں فیس بک پر بہت سے دوست یورپ اور امریکہ سے ایڈ ہیں تو ان کے سامنے بھی اس کونسل کا مختصر تعارف کروا دیا جائے۔

دیکھیں، یہ وہ علماء ہیں جو اس ماحول میں رہ کر آپ کے مسئلے کا حل پیش کر رہے ہیں جبکہ ہوتا یہ ہے کہ یورپ کے مسلمان جب یہاں برصغیر پاک و ہند اور عرب کے علماء سے اپنے مسائل کے بارے فتوی پوچھتے ہیں تو انہیں تو وہاں کے حالات اور مشکلات کا اندازہ نہیں ہوتا لہذا سخت فتوی جاری کرتے ہیں جو کہ قابل عمل نہیں ہوتا بلکہ وہ فتوی کم اور تقوی زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ علماء کی یہ کونسل نصوص شریعت کے علاوہ مقاصد شریعت کا بہت خیال رکھتی ہے لہذا وہاں کے مسلمانوں کے لیے عموماً قابل عمل اور معتدل رائے ہوتی ہے اگرچہ یہاں کے مسلمان اسے مداہنت خیال کریں گے۔

مثال کے طور پر یورپ میں جو مسلمان آباد ہیں، اب ان میں سے اکثر کو دوران ملازمت نماز کے لیے وقت نہیں دیا جاتا البتہ کھانے وغیرہ کے لیے وقفہ ہو جاتا ہے تو کیا وہاں کے مسلمان اس وقفے میں ظہر اور عصر کو جمع کر سکتے ہیں؟ اب یہاں کے مفتی حضرات کسی اور لہجے میں جواب دیں گے جبکہ وہاں کے علماء جو وہاں کے حالات سے واقف ہیں، ان کا جواب بالکل مختلف ہو گا۔ وہ ایسی صورت میں رخصت کا رستہ نکالنے کی کوشش کریں گے لیکن نصوص سے جوڑتے ہوئے تاکہ لوگ کسی نہ کسی حد تک اپنے دین سے جڑے رہیں۔ اپنے مقالے کا لنک بھی فٹ نوٹ میں شیئر کر رہا ہوں۔

سی پیک معاہدہ: امکانات اور خدشات

سی پیک (China Pakistan Economic Corridor) پر بہت سے زاویوں سے لکھا جا رہا ہے مثلاً تحقیقی مقالہ جات میں معاشی پہلوؤں سے یہ جائزہ لیا جا رہا ہے کہ سی پیک معاہدہ کی صورت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پاکستانیوں کو معاشی فوائد کون سے حاصل ہوں گے اور معاشی نقصانات کیا کیا برداشت کرنے پڑیں گے۔اس موضوع پر توڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب بہتر روشنی ڈال سکتے ہیں، ہمیں سردست سی پیک (CPEC) کے مذہبی فوائد اور دینی نقصانات کی بات کرنی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ فوائد اور نقصانات متعین نہیں ہیں بلکہ امکانات اور خدشات کے دائرے کی چیزیں ہیں۔

سی پیک معاہدے سے سب سے بڑا فائدہ جو مذہبی طبقات حاصل کر سکتے ہیں، وہ چینیوں کو اسلام کی دعوت دینے کا موقع ہے۔ چینی کوئی اسی طرح سے نظریاتی قوم نہیں ہیں جیسا کہ روسی اور امریکی۔ان کی اکثریت بہترین ورکرز اور انجینئرز کی سی ہے کہ جن کے پاس زندگی گزارنے کا کوئی نظریہ اور آئیڈیالوجی موجود نہیں ہے۔ ایسے میں اگر انہیں اسلام کی دعوت دی جائے تو بہت امکانات ہیں کہ ان کی بڑی تعداد اسلام میں داخل ہو جائے۔ اب ہمیں دعوت کی اسٹریٹیجی بھی تھوڑی بدلنی ہو گی کہ ہم دعوت میں افراد کے ساتھ قوموں کو بھی ٹارگٹ کریں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قبیلے مسلمان ہوتے تھے تو آج قوموں کے اسلام لانے پر محنت کی جائے۔

ایسی قوموں کا انتخاب کیا جائے کہ جن میں اسلام لانے کے امکانات زیادہ ہوں، ان قوموں کے خصائص وعادات پر تحقیقی مقالات شائع کیے جائیں، ان کی زبانوں کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی جائے، اور ان کے سامنے منظم انداز میں حکمت کے ساتھ اسلام کی دعوت پیش کی جائے۔اب اسی بات کو لے لیں کہ آج اگر چائنیز یہ کہیں کہ ہم مسلمان ہوتے ہیں لیکن اپنا معاشی نظام سوشلزم نہیں چھوڑیں گے تو دنیائے اسلام میں کتنے ایسے حکیم علماء موجود ہیں جو ان کے اتنے پر بھی راضی ہو جائیں، یہ سوچ کر کہ کلمہ پڑھنے والے اور نہ پڑھنے والے برابر نہیں ہیں، یا یہ سوچ کر کہ ان کی آئندہ نسلیں اسلام میں پوری داخل ہو جائیں گی۔

یہ تو ایک امکان کی بات ہو گی اور جہاں تک خدشات کی بات ہے تو ایک بڑا خدشہ یہ ہے کہ چائنہ کے آنے سے اس خطے میں لادینیت اور بے حیائی کو فروغ ملے گا کہ ان کی زندگی کا مقصد بس دنیا اور دولت ہے۔ میں نے کسی سے سنا ہے کہ چائنہ نے اپنے لوگوں کے لیے یہاں انویسٹمنٹ کے حوالے سے جو ڈاکومنٹ تیار کر رکھا ہے، اس میں انرجی، انفرااسٹرکچر وغیرہ سب پر دس دس صفحات ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ٹوور ازم پر چھتیس صفحات ہیں۔ اور دنیا میں ٹوور ازم کہیں بھی شراب اور عورت کے بغیر کامیاب انویسٹمنٹ شمار نہیں ہوتا۔ پھر مساج سینٹرز کھلیں گے اور رد عمل میں لال مسجدیں وجود میں آئیں گے۔ تو ایسے میں ہمارے مذہبی طبقات اور جماعتوں کو پہلے ہی سے بیٹھ کر اس معاہدے کے امکانات اور خدشات کی روشنی میں کوئی حکمت عملی ترتیب دے لینی چاہیے۔

ایک سوال تو یہ ہے کہ ایک مسلمان اگر سور کھائے اور شراب پیے اور ایک غیر مسلم اگر سور کھائے اور شراپ پیے تو آخرت میں اس کا کوئی فرق نکلے گا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ محض کلمہ پڑھ لینے کی بنیاد پر بھی آخرت میں جہنم میں دائمی اور عارضی جانے کے اعتبار سے فرق پڑے گا۔ اور دوسرا یہ کہ میری رائے یہی ہے کہ اسے اسلام قبول کرنے دیں لیکن ساتھ میں بتلادیں کہ یہ چیزیں اسلام میں ممنوع ہیں، اللہ عزوجل اس کی عبادت اور صدقے کی برکت سے اس سے یہ چیزیں بھی چھڑوادیں گے۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ تو اور بھی بڑی بے وقوفی کی بات ہے کہ وہ کہہ رہا ہے کہ میں کفر کا گناہ چھوڑنا چاہتا ہوں اور ہم کہیں کہ نہیں سارے گناہ اکٹھے چھوڑو ورنہ کفر کا بھی کرتے ہی رہو۔ جو جتنا گناہ چھوڑ رہا ہے، اس سے اتنا قبول کر لیں اور باقی کے چھوڑنے کے لیے اسے ترغیب دیتے رہیں۔

ہالووین اور دین کیپٹلزم

دوست کا سوال ہے کہ اگر ہالوین (Halloween) کو ایک سماجی رسم کے طور مسلمان منالیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟ جواب: ہالوین ایک امریکن یورپین تہوار ہے جو امریکہ اور یورپ کے ایک حصے میں اکتوبر کے اواخر میں منایا جاتا ہے۔ اس تہوار کے منانے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ بعض قدیم یورپی قبائل کا خیال تھا کہ سال کا اختتام 31 اکتوبر اور نئے سال کا آغاز یکم نومبر کو ہوتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے مطابق ان قدیم باشندوں کا خیال تھا کہ سال کے آخری دن ان کے آباء واجداد اور تمام مرے ہوؤں کی روحیں واپس اپنے گھروں میں آتی ہیں لہذا یہ اپنے آباء واجداد کو ویلکم کرنے کے لیے اور بدروحوں (evil spirits) سے بچنے کے لیے آگ روشن کرتے اور ڈراؤنے لباس پہنتے تھے۔ اس اعتبار سے یہ مشرکین کا ایک تہوار تھا جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا نے اسے ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسا مشرکانہ تہوار (pagan holiday) قرار دیا کہ جسے بعد میں عیسائیت کا مذہبی تڑکا لگایا گیا۔

تو سماجی اعتبار سے اس رسم کو منانا کسی طور بھی درست نہیں ہے بلکہ خود امریکہ میں عیسائیت نے شروع شروع میں اس رسم کی خوب مخالفت کی لیکن بعد میں جب "دین کیپٹلزم" کو "مذہب عیسائیت" پر غلبہ حاصل ہوا تو امریکہ میں بھی یہ تہوار عید کی طرح منائے جانے لگے۔ ہمارے دین نے دوسرے مذاہب اور ادیان کے تہوار منانے سے منع کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ جس نے مسلمانوں میں سے مشرکین اور غیر مسلموں کے تہوار وغیرہ منا کر ان کی مشابہت اختیار کی تو وہ انہی میں سے ہے، اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

پھر ہالوین کو دیکھنے کا ایک اہم زاویہ معاشی بھی ہے۔ سی۔این۔این کی ایک رپورٹ کے مطابق 2015ء میں صرف امریکیوں نے 7 بلین ڈالرز یعنی 6320 ارب روپے ہالوین کی کینڈیز اور کاسٹیومز وغیرہ خریدنے پر خرچ کیے۔ اور اسی دنیا میں ایک ارب انسان ایسے ہیں کہ جن کی روزانہ کی آمدنی ایک ڈالر یعنی سو روپے سے بھی کم ہے۔ ڈیڑھ ارب کے پاس رہنے کو چھت نہیں ہے۔ ایک ارب انسانوں کو پینے کا صاف پانی میسر نہیں ہے۔ روزانہ تیس ہزار بچہ لاعلاج بیماریوں کی وجہ سے فوت ہو جاتا ہے وغیرہ وغیرہ

اب اس دنیا میں جہاں تین ارب انسانوں کی روزانہ کی آمدنی دو ڈالر یعنی دو سو روپے سے کم ہے، وہاں آپ ایک دن میں، ایک ملک میں، چھ ہزار ارب روپے ایسی کینڈی ٹافی اور کپڑے لتے پر لگا دیں کہ جو سال میں ایک ہی دن استعمال ہونا ہے اور اگلے سال آپ کو پھر ان ملٹی نیشنل کمپنیوں سے نئی کینڈی ٹافی اور نئے ڈراؤنے لباس خریدنے ہیں تو یہ "فساد فی الارض" نہیں تو اور "فساد فی الارض" کس بلاء کا نام ہے؟ ہالوین وغیرہ اب "سماجی تہوار" سے زیادہ "معاشی تہوار" بن چکے ہیں جو در حقیقت سرمایہ دار کے سرمایے (capital) میں اضافے کا تہوار ہیں۔

اور "دین کیپٹلزم" والے میڈیا کے ذریعے اپنے ان مذہبی تہواروں کی باقاعدہ تبلیغ کرتے ہیں کہ جسے ناؤم چومسکی نے یوں عنوان دیا ہے کہ میڈیا دراصل "مینوفیکچرنگ کانسینٹ" کا کام کر رہا ہے یعنی آپ کی رضامندی (consent) تخلیق ہو رہی ہے۔ آپ ایک چیز نہیں خریدنا چاہتے لیکن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے ایڈ دیکھ دیکھ کر خریدی جارہے ہیں۔ایک چیز آپ کی ضرورت نہیں ہے لیکن انہوں نے اپنی اشتہار بازی سے آپ کو یقین دلادیا کہ اگر یہ نہیں خریدوگے تو مر جاؤگے، زندگی اجیرن ہو جائے گا، خوش نہیں رہ سکوگے، کمال ہے!

اسلامی بینکاری

بعض دوستوں نے اسلامی بینکاری کے حوالے سے راقم کی رائے جاننا چاہی لیکن اچھی طرح جانتا ہوں کہ اگر حق میں رائے دوں گا تو خوب شیئر ہو گی، یہ جانے بغیر کہ میں کون اور کیا ہوں، اور اگر مخالفت میں رائے ہو گی تو میرے مبلغ علم، معاشیات اور دین، دونوں میں، کو زیر بحث لایا جائے گا، مجھے مفتی حضرات کی طرف رجوع کا مشورہ دیا جائے گا وغیرہ وغیرہ، اور میں یہ سب کچھ بھگت چکا ہوں۔مجھے یہ کہنے میں عار نہیں ہے کہ اسلامی بینکاری کے موید ین کی اکثریت کا رویہ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے کسی سیاسی پارٹی کے جیالوں کا سا ہوتا ہے۔میں کامساٹس یونیورسٹی کے سنٹر آف اسلامک فنانس سے متعلق ہوں، کہ جس کے تحت منعقدہ ایک انٹرنیشنل فورم پر ایک ذمہ دار مفتی صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ اسلامی بینکاری کا مسئلہ مجمع علیہ، یعنی جس پر اجماع ہو چکا ہو، ہے حالانکہ خود میرے پاس اس وقت کوئی 17 کتابیں ایسی تھیں، جو پاکستان کے جدید علماء اور ماہرین معاشیات کی طرف سے اسلامی بینکاری کے خلاف میں لکھی ہوئی تھیں۔

کائبور (KIBOR) سے لے کر فریکشنل ریزور بینکنگ تک بیسیوں اعتراضات ایسے ہیں کہ جو اسلامی بینکاری کے صد فی صد حلال ہونے کے آدھے آدھے صفحے کے اخباری اشتہارات کا منہ چڑا رہے ہیں لیکن مفتی صاحب اس کے حلال ہونے کو اجماعی مسئلہ بتلا رہے ہیں۔میری رائے میں کہ میں اس موضوع پر تفصیل سے لکھ بھی چکا ہوں، اگر ایک لفظ میں اسلامی بینکاری کی حقیقت کو بیان کریں تو وہ لفظ "کتاب الحیل" ہے یعنی یہ حیلوں کے باب کی ایک عملی صورت ہے۔اور حیلے سے مراد یہ ہے کہ شریعت سے چالاکی کہ جس میں ظاہر شریعت پر عمل ہو رہا ہوتا ہے جبکہ مقاصد فوت ہو رہے ہوتے ہیں۔ظاہر پر انگلی رکھنے کی جگہ نہ ہو لیکن دل جیسے رسیاں تڑوا کر بھاگ رہا ہو۔

فقہی اور شرعی اعتراضات سے قطع نظر کہ وہ فیس بک کے صارفین کی سمجھ سے بالاتر ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف اتنی عرض عرصہ دراز سے اسلامی بینکاری میں موجود مفتی حضرات سے بھی کر رہا ہوں کہ یہ کیا تماشا ہے کہ ایک ہی بینک میں ایک ہی چھت کے نیچے ایک کاؤنٹر پر اسلامی بینکاری ہو رہی ہے، اور دوسرے پر روایتی۔ یعنی آپ ایچ۔بی۔ایل۔ ایل میں جائیں، اگر آپ نے روایتی طریقے سے گاڑی لینی ہے، تو اس کاؤنٹر پر کار لیزنگ کا فارم مکمل کریں، اور اسلامی طریقے سے لینی ہے، تو اس کاؤنٹر پر اجارہ واقتناع کا فارم مکمل کریں۔ اور شریعہ ایڈوائز جس طرح اسلامی بینکوں کے پاس ہیں، روایتی بینکوں نے بھی بھرتی کر لیے ہیں کہ مقصد صرف یہ ہے کہ کسٹمر ادھر نہ جائے۔

اور اس سے بڑھ کر تو تماشا اب لگے گا کہ اسٹیٹ بینک نے یہ آرڈر جاری کر دیا ہے کہ فلاں تاریخ تک تمام کے تمام بینک اسلامی بن جاؤ اور رومن امپائر کی طرح، جو ایک رات میں مشرک سے عیسائی بن گئی تھی، ایک صبح جب ہم بیدار ہوں گے تو تمام بینک اسلامی بینک بن چکے ہوں گے کیونکہ اسلامی بننے میں کوئی مشکل تو موجود نہیں کہ اسلامی بینکاری میں کوئی نیا نظام دینے کی بجائے روایتی بینکوں ہی کی تمام پراڈکٹس اور اسٹرکچر کو ہم نے فقہی اصطلاحات سے اسلامائز کر لیا ہے تو اب انہیں کیا وحشت ہونی ہے؟

لوگ مسئلے کا حل پوچھتے ہیں تو مسئلے کا حل اول تو اسلامی بینکوں کے پاس ہے ہی نہیں کہ اسٹیٹ بینک کی طرف سے بینکوں کے لیے جو رولز اینڈ ریگولیشنز طے ہیں، ان کے مطابق بینک بزنس نہیں کر سکتا، بینک فنانسنگ کا ارادہ ہے۔ اور درحقیقت روایتی بینک ہو یا اسلامی بینک، دونوں فنانسنگ ہی کر رہے ہیں، بزنس تو صرف کاغذوں میں ہو رہا ہے۔ اس کا حل یہ ہے کہ مضاربہ کمپنیاں بنائیں کہ جو قانون کے تحت رجسٹرڈ ہوں کہ جنہیں بزنس کی قانوناً اجازت ہے۔ قانوناً اور عملاً بینک کا بزنس کا ادارہ بننا اتنا ہی مشکل ہے کہ جتنا عورت کا مرد بننا۔ مریض زیادہ ہو جائیں تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ تھانے میں بیڈ لگا دیں بلکہ یہ ہے کہ نئے ہسپتال بنائیں۔ ہر ادارہ ایک مقصد کے تحت بنتا ہے، وہ عموماً اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ بینک کا ادارہ فنانسنگ کے مقصد کے لیے بنا ہے، نہ کہ کاروبار کے لیے۔

چلیں اور نہ سہی، اسلامی بینکوں نے عوام ہی کی کوئی خدمت کی ہوتی، کہ وہ بھی تو نظر نہیں آتی۔ آپ ابھی روایتی اور اسلامی بینکوں کی ویب سائیٹس پر جا کر گاڑی نکلوانے کے لیے ان کے دیے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئے کیلکولیٹر کو استعمال کرتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کریں کہ بیس لاکھ کی گاڑی پر آپ کو روایتی بینک میں انٹرسٹ اور اسلامی بینک میں کرایہ کتنا پڑے گا، تو یہ ایک ہی جتنا ہے۔ بلکہ بعض اسلامی بینک تو روایتی بینکوں سے بھی زیادہ چارج کر رہے ہیں۔ مفتی صاحب کہتے ہیں، بھائی، یہ حلال ہے حلال، حلال کھانا ہے تو قربانی تو دینی پڑے گی۔

اسلامی بینکاری میں ایک پہلو البتہ مثبت ہے کہ میری قوم کے لوگوں کو یعنی مولویوں کو باعزت ملازمت مل رہی ہے۔ واللہ! میں دل سے اس پر خوش ہوں، یہ کوئی طنز نہیں ہے، اگر اس پہلو سے بات کرو کہ اتنے مولوی بے روزگار ہو جائیں گے لہذا اتنی مخالفت نہ کرو تو اس اعتبار سے میں اس کے حق میں ہوں لیکن اسلامی بینکاری کے نظام میں کچھ ایسی تبدیلیاں تجویز کروں گا کہ جس سے کم از کم یہ ملازمت "صد فی صد" حلال ہو جائے۔

بینک گاڑی اور گھر رینٹ پر نہ دے بلکہ قسطوں پر دے، ان سے جا کر پوچھیں کہ قسطوں کے جواز کا تمام علماء فتوی دے رہے ہیں، آپ گاڑی قسطوں پر دینے کی بجائے، کان ادھر سے کیوں پکڑ رہے ہیں، کہ کرائے (rent) پر دے رہے ہیں۔ پھر ولیں گے تو معلوم ہو گا کہ اندر کی کہانی کیا ہے؟ اسی طرح اسلامی بینک کو چاہیے کہ کار اجارہ کے لیے باقاعدہ شوروم کھولے کہ جس میں گاڑیاں کھڑی ہوں کہ کاروبار کی شکل تو بنے۔ اور ہاؤس فنانسنگ کے لیے جگہیں خرید کر کالونیاں بنائے جیسا کہ بحریہ ٹاؤن وغیرہ جیسی ہاؤسنگ سوسائیٹیوں نے کیا ہے۔ یہ کیا بزنس ہے کہ مجھے گاڑی اور گھر کی ضرورت محسوس ہوئی تو بینک نے مجھے ہی وکیل بنا کر، مجھ ہی سے گاڑی اور گھر خریدوا کر، مجھے ہی کسٹمر بنا کر، کاغذوں میں بیچ دیا۔ یہ فنانسنگ ہے میرے بھائی، بزنس نہیں، آپ دھکے سے اس کو بزنس بنا رہے ہیں۔

سودی بینکاری کے خاتمے کا آسان طریق کار

کسی نے کہا کہ سودی بینکاری نظام کے خاتمے کا کیا طریقہ کار ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نظام نہ تو اسلامی بینکاری کے فروغ سے ختم ہونے والا ہے اور نہ ہی کسی آئینی جدوجہد سے جیسا کہ تاریخ گواہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے خاتمے بلکہ اسے دھڑام سے گرانے کا آسان ترین طریق کار یہ ہے کہ سودی بینکوں کی کل رقم کے تیس فی صد کے مالکان کو یہ تیس فی صد رقم بینک سے ایک آدھ ہفتہ کے لیے ہی سہی ایک ساتھ نکلوانے پر تیار کر لیا جائے۔ جس دن یہ اپنی رقم لینے بینک کے پاس پہنچیں گے، اسی دن سارا بینکنگ سسٹم کولیپس ہو جائے گا۔

فریکشنل ریزرو بینکنگ، اس نظام کی سب سے بڑی کمزوری ہے لیکن سودی نظام کے مخالفین کی اس طرف توجہ نہیں گئی۔ اس نظام کے تحت بینک کے پاس اگر کل ایک کروڑ کی رقم موجود ہے تو وہ اس ایک کروڑ پر چھ کروڑ کا سودی قرضہ جاری کر سکتا ہے لہذا اگر تمام لوگ بینک کے پاس اپنے حصے کی رقم لینے جائیں تو اس کے پاس سب کے حصے کا پیسہ موجود ہی نہیں ہو گا کہ پانچ کروڑ تو جعلی پیسہ ہے جو بینک نے کاغذی کاروائی کے ذریعے بنایا ہے۔

کریڈٹ کارڈ کی تبلیغ

کل سلک بینک (silk bank) کے ایک مبلغ کریڈٹ کارڈ کی تبلیغ کے سلسلہ میں آفس میں تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ میں سلک بینک سے ہوں، کیا آپ کریڈٹ کارڈ بنوائیں گے؟ میں کام کر رہا تھا لہذا کام کرتے کرتے جواب دیا کہ نہیں کیونکہ ہر قسم کے بینک کے ایسے مبلغین یونیورسٹیوں میں خصوصی گشت پر رہتے ہیں لہذا انہیں ناں کرنا ایک معمول کی بات تھی۔

لیکن وہ صاحب صرف ناں پر راضی نہ ہوئے اور کیوں کے پیچھے پڑ گئے۔ میں نے کہا کہ یہ سودی معاملہ ہے، اس لیے میں کریڈٹ کارڈ بنوانا نہیں چاہتا۔ وہ اب بھی راضی نہ ہوئے اور کہنے لگے کہ میرے ساتھ ڈائیلاگ کریں اور ثابت کریں کہ یہ سود ہے۔ میں نے کہا کہ میں تو ایسے بندے سے شرعی مسئلے میں ڈائیلاگ نہیں کروں گا کہ جس کا میدان شریعت نہیں بینکنگ ہے۔ آپ نے اگر کوئی بات چیت کرنی ہے تو کوئی عالم دین لے آئیں کہ جسے میری بات کم از کم سمجھ آ جائے اور مجھے اس کی بات سمجھ آ جائے کہ شریعت کی ایک زبان ہے جیسے ریاضی اور بائیالوجی کی ایک زبان ہے جو انہی کو سمجھ آتی ہے جو اس فن کے ماہر ہیں۔

وہ کہنے لگے کہ میں نے حافظ سعید صاحب، امیر جماعۃ الدعوۃ، کا کریڈٹ کارڈ بنوایا ہے، وہ میرے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پڑوسی ہیں، اب آپ کو اور کیا دلیل چاہیے۔ میں نے کہا کہ بھئی، حافظ سعید صاحب سے ایک پرچی پر لکھوا کر لے آئیں کہ کریڈٹ کارڈ بنوانا حلال ہے تو میں آپ کو دس بندوں کے کریڈٹ کارڈ بنوا دوں گا۔ خیر، انہوں نے کہا کہ میں یہ تو لکھوا کر لا سکتا ہوں کہ انہوں نے مجھ سے بنوایا لیکن یہ نہیں لکھوا کر لا سکتا کہ کریڈٹ کارڈ حلال ہے۔ خیر، اگر وہ صاحب لے بھی آتے تو میں بھی الدعوۃ کے کارکنان کی منتیں ہی کرتا کہ حضرت حافظ صاحب اسے حلال کہہ رہے ہیں، کوئی دس پندرہ تو بنوا ہی لو۔

اس نے کہا کہ آپ نے کریڈٹ کارڈ کے ذریعے جو رقم ادھار لی ہے، وہ وقت میں ہی مثلاً چالیس دن میں ہی ادا کر دیں تو کوئی سود نہیں پڑتا۔ میں نے کہا کہ یہ سودی معاہدہ تو ہے ناں کہ ہر کریڈٹ کارڈ لینے والا یہ معاہدہ کرتا ہے کہ اگر وقت پر ادائیگی نہ کی تو اتنا سود ادا کرے گا۔ تو سودی معاہدہ تو سب نے کر لیا۔ اب ذرا عملی صورت حال کو دیکھو تو کیا ایسا نہیں ہے کہ نوے سے پچانوے فی صد لوگ کریڈٹ کارڈ سے ادھار لی گئی رقم وقت پر ادا نہیں کر پاتے اور سود میں چلے جاتے ہیں تو اس نے کہا کہ ایسا ہی ہے۔

میں نے کہا کہ آپ کو بھی معلوم ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ ہر انسان اپنی خواہشات کو پورا کرنا چاہتا ہے، اور خواہشات لا محدود ہیں، خواہشات کے پورا ہونے میں ایک بڑی رکاوٹ پیسے کا نہ ہونا ہے، وہ آپ نے اس کو ادھار دے دیا ہے۔ اب وہ اپنی استطاعت سے بڑھ کر خریداری کرے گا اور سود میں پھنس جائے گا۔ آپ تو لوگوں کو کھائی میں دھکیل رہے ہیں۔ اس نے کہا ہم تو لوگوں کی بنیادی ضرورتیں پوری کر رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ یونیورسٹی میں جس فیکلٹی کے پاس آپ چکر لگا رہے ہیں، ان کی بنیادی تنخواہ الحمد للہ! اتنی ہے کہ بنیادی ضرورتیں پوری ہیں، آپ تو انہیں خواہشات پوری کرنے کے لیے قرض لینے کی تبلیغ کر رہے ہیں اور خواہشات ان کی لا محدود ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ بتلائیں کہ کیا شریعت نے قرض لینے کو پسند کیا ہے؟ رسول اللہ ﷺ تو اس کی جنازہ نہیں پڑھاتے تھے جو مقروض فوت ہو جاتا اور آپ لوگوں کو مقروض ہو کر مرنے کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

میں نے کہا آج کوئی بھائی اپنے سگے بھائی کو قرضہ نہیں دیتا بلکہ پیسہ چھپاتا پھرتا ہے کہ کہیں مانگ ہی نہ لے تو بینک اتنا مہربان کب سے ہو گیا ہے کہ لوگوں کی منتیں کرتا پھرے کہ بھئی قرضہ لے لو،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرضہ لے لو، قرضہ لے لو۔ یہ ساری گیم آپ کے علم میں ہے کہ آپ لوگ کس طرح لوگوں کو سودی شکنجوں میں جکڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کو اتنا ہی لوگوں کی بنیادی ضرورتیں پوری کرنے کی فکر ہے تو مالی، گارڈ اور صفائی کرنے والے کو کریڈٹ کارڈ کیوں نہیں پیش کرتے، وہ آگے سے خاموش۔ میں نے کہا میں ذاتی طور ایسے فیکلٹی ممبرز کو جانتا ہوں کہ جنہوں نے آپ جیسے مبلغین کے جھانسے میں آکر کریڈٹ کارڈ بنوالیا اور اب انہیں گالیاں دیتے ہیں کہ ہمیں بتایا ہی نہیں، اس میں تو فلاں چارجز بھی تھے اور فلاں بھی، اور یہ اس سود کے علاوہ تھے جو انہوں نے ادا کرنا تھا۔ لیکن کیا کریں، ہمارے ہاں تعلیمی اداروں میں ہاں مولانا طارق جمیل صاحب کی تبلیغ پر تو پابندی لگادی گئی ہے لیکن ان ڈاکوؤں کو تبلیغ سے کوئی نہیں روکتا جو عین قانون کے مطابق آپ کا پیسہ لوٹ کر لے جاتے ہیں۔

بٹ کوائن (Bitcoin)

بہت سے دوست بٹ کوائن کے بارے پوچھتے ہیں کہ جائز ہے یا نہیں۔ بٹ کوائن دراصل انٹرنیٹ پر استعمال ہونے والی ایک ڈیجیٹل کرنسی ہے کہ جس کا آغاز 2009ء میں کیا گیا ہے۔ عام کرنسی اور اس میں دو بڑے فرق ہیں کہ عام کرنسی کہ جسے ہم پیپر کرنسی کہتے ہیں، وہ کم از کم کاغذ کی صورت میں اپنا جسمانی وجود رکھتی ہے لیکن بٹ کوائن کا خارج میں کوئی وجود نہیں، صرف سافٹ صورت میں ہے۔ دوسرا یہ کہ عام کرنسی کے پیچھے حکومت یا بینک کی قوت ہوتی ہے لیکن بٹ کوائن ایک آزاد کرنسی ہے کہ جس کے پیچھے کوئی حکومت یا بینک نہیں ہے۔ صارف اپنی مرضی سے یہ کرنسی اپنے کمپیوٹر سے تخلیق کر سکتا ہے۔

شروع شروع میں بارٹر سسٹم تھا یعنی لوگ ایک جنس کی چیز کے بدلے دوسری جنس کی چیز حاصل کر لیتے تھے۔ مثلاً میرے پاس گندم ہے اور زید کے پاس چاول۔ اب مجھے چاول چاہییں اور زید کو گندم تو ہم دونوں آپ میں کسی نسبت اور تناسب سے گندم اور چاول کا تبادلہ کر لیں گے، اسے بارٹر سسٹم کہتے تھے۔ اس کے بعد ایک زمانہ آیا جبکہ سونا اور چاندی کرنسی کے طور استعمال ہونے لگے۔ اوائل اسلام میں یہی کرنسی رائج تھی۔ دینار سونے کا ہوتا تھا جبکہ درہم چاندی کا۔ دینار رومیوں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا معروف سکہ تھا جبکہ درہم فارسیوں کا۔ خیر القرون میں دونوں رائج رہے ہیں۔

اس کے بعد کاغذی کرنسی کا دور آیا، یہ کیسے شروع ہوئی، اس کی ایک لمبی کہانی ہے۔ لیکن بہر حال آج ہم اسی کاغذی کرنسی کے دور میں سانس لے رہے ہیں کہ جس میں ہزار روپے کے نوٹ پر لکھا ہوتا ہے کہ حامل ہذا کو ہزار روپیہ عند الطلب ادا کیا جائے گا یعنی جو آپ کے پاس ہے، وہ ہزار روپیہ نہیں ہے، اس کی رسید ہے۔ ہزار روپیہ کچھ اور ہے، اگر آپ مانگیں گے تو آپ کو حکومت یا بینک، جو بھی اس کاغذی کرنسی کو جاری کرنے والا ادارہ ہے، ہزار روپیہ ادا کر دے گا۔ اور اس ہزار روپے سے ان کی مراد ہزار روپے مالیت کا سونا یا چاندی ہے جو کہ اب ان کے پاس نہیں ہے کیونکہ انہوں نے نوٹ اتنے چھاپ دیے ہیں کہ جتنا ان کے پاس سونا ہے نہ چاندی۔

بس کاغذی کرنسی کی حقیقت، کاغذ کے ٹکڑے سے زیادہ نہیں ہے۔ اور اسے کرنسی بنانے والی شیء ایک ہی ہے، وہ حکومت کا ڈنڈا ہے۔ جس دن یہ ڈنڈا ختم ہو گیا، اس دن یہ کاغذ کے ٹکڑے ہیں، جو ردی کے بھاؤ سے بک سکتے ہیں۔ کاغذی کرنسی کے دور میں یہ سوال بہت انٹرسٹنگ ہے کہ بٹ کوائن جائز ہے یا نہیں؟ اس میں غور طلب بات یہ ہے کہ کرنسی کو کیا چیز کرنسی بناتی ہے؟ یہ چیزیں کوئی چار پانچ ہیں مثلاً یہ کہ کرنسی وہ ہوتی ہے کہ جس میں فوری لین دین کرنے کی صلاحیت موجود ہو اور یہ پیپر کرنسی کی نسبت بٹ کوائن میں زیادہ موجود ہے۔

اس طرح کرنسی وہ ہوتی ہے کہ جس پر لوگوں کا اعتماد ہو یعنی لوگ اسے قبول کرتے ہوں تو یہ ابھی بٹ کوائن میں کافی کم ہے جبکہ پیپر کرنسی میں بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح کرنسی قابل تقسیم ہونی چاہیے جیسے پیپر کرنسی پانچ کے سکے سے لے کر پانچ ہزار تک ہوتی ہے۔ اور کرنسی ایسی ہو کہ جس میں نقل و حمل میں آسانی رہے جیسا کہ پیپر کرنسی یا اے-ٹی-ایم کارڈ میں تو اور آسان ہے۔ اسلام میں کرنسی کی خصوصیات میں سے جس چیز پر زیادہ زور ہے، وہ یہ ہے کہ وہ کوئی شیء ہونی چاہیے، ہوائی نہ ہو۔ کاغذی کرنسی تو ہوا میں کھڑی ہے ہی، بٹ کوائن تو بالکل ہی خلاء میں ہے۔ لیکن شاید اس دنیا کی تقدیر یہی ہے کہ ہم پیپر کرنسی سے ڈیجیٹل کرنسی کی طرف جائیں گے کیونکہ اس کے مالک نے اسے ایک خاص وقت میں تباہ کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے اور وہ پورا ہو کر رہنے والا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام مسجد کا سرکار سے تنخواہ لینا

دوست کا سوال ہے کہ امام مسجد کا سرکار سے تنخواہ لینا کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ بالکل لینی چاہیے، اس میں کیا حرج ہے؟ اس نے کہا کہ حرج یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اگر وہ سرکار سے تنخواہ لے گا تو حق بات بیان نہیں کرے گا۔

میں نے کہا یہ تو بہت ہی لایعنی سا اعتراض ہے۔ اگر سرکار سے تنخواہ نہیں لے گا تو مسجد کی انتظامیہ سے لے گا، مسجد کی کمیٹی سے لے گا، مہتمم اور مدیر سے لے گا، تو جس سے تنخواہ لے گا تو اس کے بارے میں حق بات بیان کرے گا؟

اور میں خود ایک سرکاری ملازم ہوں اور تمہیں پورے یقین سے بتلا رہا ہوں کہ سرکار سے تنخواہ لے کر اس کے بارے حق بات کرنے کی جتنی گنجائش اس ملک میں موجود ہے، اتنی کسی مدرسہ کے مہتمم سے یا کسی تحریک کے مرکز سے تنخواہ لے کر اس کے بارے حق بات کرنے کی نہیں ہے۔ یہاں لوگ تنخواہ نون لیگ کی حکومت سے لیتے ہیں اور ووٹ پی۔ٹی۔آئی کو دیتے ہیں، بلکہ نون لیگ کو گالیاں بھی دیتے ہیں تو کون پوچھتا ہے، کوئی نہیں۔

پھر آپ یا تو یہ فتوی دیں ناں کہ سرکار کی کوئی ملازمت جائز نہیں ہے کہ حق بات کرنے میں رکاوٹ ہے، چاہے وہ اسکول ٹیچنگ کی ہو، یا کالج میں لیکچرر شپ کی، یا یونیورسٹی میں تدریس کی، یا کسی سرکاری مسجد مثلاً آرمی، نیوی اور ایئر فورس وغیرہ میں خطابت کی، یا اسلامی نظریاتی کونسل کی ممبر شپ کی وغیرہ وغیرہ

جب ایک اسکول ٹیچر، کالج کا لیکچرر اور یونیورسٹی پروفیسر سرکار سے تنخواہ لے کر ان کے بارے حق بات کر سکتا ہے تو مولوی کے لیے کیا مانع ہو گا؟ باقی امام حرم سے اس کی مثال دینا بھی بے وقوفی ہے کیونکہ چند ایک عہدے ایسے نمایاں ہوتے ہیں کہ جن کے لیے سرکار کے بارے بیان دینا آسان نہیں ہوتا جیسا کہ پاکستان میں بادشاہی مسجد کی خطابت کا عہدہ۔ اب اس بڑے عہدے کے بارے آپ بے شک بحث کر لیں کہ یہ سرکار سے نہیں لینا چاہیے کہ حق گوئی میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔

کیونکہ جب آپ ایسا بڑا عہدہ قبول کر لیں گے تو اب سرکار کے پریشر میں براہ راست ہوں گے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور حق گوئی میں رکاوٹ کے بہت حالات بھی ہیں اور مواقع بھی لیکن عام اسکول ٹیچر یا امام مسجد جو ہزاروں یا لاکھوں کی تعداد میں ہیں، ان کے لیے سرکار اتنی فارغ نہیں بیٹھی ہوئی کہ جاسوسی کرے گی اور دباؤ ڈالے گی۔ ہاں، اگر آپ کا ایشو یہ ہے کہ جب تنخواہ پی۔ٹی۔آئی کی حکومت دے گی تو ائمہ مساجد پی۔ٹی۔آئی سے متاثر ہو جائیں گے کہ جن پر آپ کی سیاست قائم ہے، تو پھر بات درست ہے اور آپ کا اختلاف سمجھ میں بھی آتا ہے لیکن اسے مذہبی ایشو نہ بنائیں، سیاسی ہی رہنے دیں۔ پی۔ٹی۔آئی بھی تنخواہیں لگا کر سیاست کرنا چاہتی ہے اور آپ اس کا انکار کر کے سیاست کر رہے ہیں۔

کچھ خدا کا خوف کریں اور سیاسی اختلاف میں غریب ائمہ کی روٹی روزی پر لات مت ماریں۔ یعنی وہی مولوی اسکول ٹیچر بھرتی ہو کر سرکار سے تنخواہ لے لے تو حرج نہیں ہے لیکن امام مسجد ہو کر لے تو یہودی سازش ہے، کمال کرتے ہو بھائی صاحب!

اسٹوڈنٹ کی کمائی

طلباء کا سوال یہ ہے کہ ہم دوسرے اسٹوڈنٹس کی اسائنمنٹس کر کے پیسے کماتے ہیں، کیا یہ اسلامی اعتبار سے جائز کام ہے؟ جواب: یہ کام اب ایک باقاعدہ بزنس بن چکا ہے کہ یورپ میں آسائش اور معیار زندگی بڑھ جانے کی وجہ سے نکمے پن میں آئے روز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے۔

اب وہاں کے یونیورسٹی اسٹوڈنٹس خود محنت کرنے کی بجائے پچاس ڈالر کے عوض اپنی اسائنمنٹس غریب ممالک کے محنتی بچوں سے کروانا پسند کرتے ہیں۔ اس کام کے لیے باقاعدہ فورمز اور ویب سائیٹس بنی ہوئی ہیں جہاں تھوک کے حساب سے یہ کاروبار ہو رہا ہے۔

ہمارے بچوں کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کے پاس فیس کے پیسے نہیں ہیں، یا ہیں تو اپنی پاکٹ منی بنانا چاہتے ہیں، یا غریب والدین کو اسپورٹ کرنا چاہتے ہیں۔ اور یورپ کے اسٹوڈنٹس کا مسئلہ یہ ہے کہ جاب یا ملازمت کی مصروفیت کی وجہ سے وقت نہیں ہے، یا وقت تو ہے لیکن صلاحیت نہیں ہے کہ اچھی اسائنمنٹ تیار کر سکیں، یا اگر صلاحیت بھی ہے تو پیسہ زیادہ ہونے کی وجہ سے پیسے دے کر کام کروانا آسان لگتا ہے وغیرہ وغیرہ

اس مسئلے کو دیکھنے کا ایک پہلو تو یہ ہے کہ آپ تو اپنی سروسز کے چارجز لے رہے ہیں کہ آپ نے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کو کام کر کے دیا اور اس نے آپ کو پیسے دیے۔ اب یہ اس پر ہے کہ وہ اس کا غلط استعمال کر رہا ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس نے اس کا غلط استعمال کرنا ہے لہذا آپ کے لیے یہ جائز نہیں ہے جیسا کہ اس شخص کو اسلحہ بیچنا کہ جس کے بارے آپ کو معلوم ہے کہ یہ اس کا غلط استعمال کرے گا، جائز نہیں ہو گا۔

اصل میں یہ ساری بحث "مصلحت مرسلہ" کی ہے کہ اس میں آپ فرد کی مصلحت (interest) کا کسی حد تک دھیان کر سکتے ہیں۔ شریعت نے تو افراد کی مصالح (interests) کا دھیان کیا ہے اور آج کا ہمارا اصول فقہ کا لیکچر بھی اسی موضوع پر تھا۔ پس سمجھ یہ آتی ہے کہ مکمل اسائنمنٹ حل کر کے دینا تو مناسب نہیں ہو گا لیکن اگر کوئی ایسا میکانزم قائم ہو جائے کہ جس میں آپ محض گائیڈ کر دینے یا مواد تلاش کر دینے یا اسے جمع کر دینے کے پیسے لے لیں تو یہ جائز ہے۔ یعنی ایسی صورت کہ جس میں کچھ کام اسٹوڈنٹ کے ذمے بھی پڑ جائے اور اس کی کچھ لرننگ بھی ہو جائے کہ جس مقصد کے لیے استاذ نے اسے اسائنمنٹ دی ہے۔ اور یہی حکم ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے مقالہ جات میں تعاون کے حوالے سے بھی لگایا جا سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دہم

تعلیم اور تحقیق

اس باب میں تعلیم اور تحقیق (Education and Research) کے بارے بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مدرس اور معلم (Teacher and Mentor)

مدرس وہ ہے جو کلاس میں گھنٹے پورے کر کے اور لیکچر جھاڑ کر آجائے اور معلم وہ ہے جس کی ہر کلاس بچوں میں کسی مثبت تبدیلی کی بنیاد بن جائے۔ مدرس وہ ہے جو معلومات منتقل کر دے اور معلم وہ ہے جو تربیت کر کے دکھادے۔ مدرس کو بچے صرف اس سیمسٹر میں سلام کرتے ہیں کہ جس میں اس کے پاس پڑھ رہے ہوں اور معلم کو سارا سال سلام کرتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ایک دوست نے کہا کہ اسٹوڈنٹ اور طالب علم میں بھی فرق ہوتا ہے۔۔

گوگل: علوم اسلامیہ اور سوشل سائنسز میں تحقیق کا بنیادی مصدر

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
اُس کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

یونیورسٹی گریجویٹس کے لیے دینی تعلیم

تبلیغی جماعتوں، اسلامی تحریکوں اور دیگر دعوتی سرگرمیوں کی وجہ سے یونیورسٹی گریجویٹس کی ایک بڑی تعداد نہ صرف دین کی طرف راغب ہو رہی ہے بلکہ دین کا سنجیدہ طالب علم بننے کی خواہش بھی رکھتی ہے۔ یہ بہت ہی خوش آئند رجحان ہے کہ دین و دنیا کے امتزاج کا ایک فطری اور آسان ترین حل یہی ہے کہ دنیا کی تعلیم کے بعد دین کی تعلیم حاصل کر لی جائے یا دین کی تعلیم کے بعد دنیا کی تعلیم حاصل کر لی جائے۔

مجھے ایسا لگتا ہے کہ یہ دونوں طبقے لاشعوری طور شیطان کے وسوسے میں ہیں۔ مدرسے کا فارغ التحصیل ساری زندگی روایتی دینی تعلیم میں کھپا کر اب جدید علوم میں امام (leader) بننے کی خواہش رکھتا ہے اور یونیورسٹی گریجویٹ دنیا کی تعلیم میں زندگی کھپا کر دین کا امام بننا چاہتا ہے۔ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اس میں غلط کیا ہے؟ اس میں غلط یہ ہے کہ یونیورسٹی گریجویٹ میں جدید علوم کا امام بننے کی خواہش ہونی چاہیے اور مدرسہ کے فارغ التحصیل میں قدیم کا۔

فیلڈ کو تبدیل کرنا بالکل بھی مناسب نہیں ہے، اس سے آپ کا سابقہ علم بالکل بے کار ہو جاتا ہے جبکہ ہمیں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ سنن ابن ماجہ میں روایت ہے: «اللَّهُمَّ انْفَعْنِي بِمَا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَلَّمْتَنِي، وَعَلِّمْنِي مَا يَنْفَعُنِي، وَزِدْنِي عِلْمًا» ترجمہ: اے اللہ! مجھے نفع بخش علم دے دے، اور جو علم آپ نے مجھے دے دیا ہے تو اسے میرے لیے نفع بخش بنا دیں اور میرے علم میں اضافہ فرما دیں۔ تو ایک تو یونیورسٹی گریجویٹ کو دین کی تعلیم ضرور حاصل کرنی چاہیے لیکن اس طرح نہیں کہ اپنا میدان تبدیل کر لے بلکہ اپنے اصل میدان میں دین کی خدمت کے مواقع تلاش کرے۔

یہ عجب نہیں ہے کہ مدرسے میں پڑھانے والا استاذ اس بات کی خواہش رکھتا ہے کہ یونیورسٹی میں جائے تاکہ دنیاداروں کو صحیح معنی میں دیندار بنا سکنے میں اپنا موثر کردار ادا کر سکے اور یونیورسٹی میں پڑھانے والا پروفیسر اس کا طلب گار ہے کہ اس مخرب ایمان ماحول سے نکلے اور مدرسے میں جا کر قرآن وحدیث کی تعلیم وتعلم میں دل کا سکون تلاش کرے اور دینداروں کو دین دار بنانے کے لیے کچھ کر سکے۔ بس انسان ایسا ہی ہے کہ جو اس کے پاس ہے، اس کی نعمت کا احساس نہیں ہے اور جو نہیں ہے، اس کا خواہش مند ہے۔

ایک یونیورسٹی گریجویٹ کو آٹھ سالہ درس نظامی یا مفتی کورس کی بجائے ایک سالہ یا دو سالہ یا زیادہ سے زیادہ تین سالہ دینی کورس کر لینا چاہیے کہ جس سے اس کی دینی بنیادیں پختہ ہو جائیں اور پھر اپنی ہی فیلڈ میں دین کی خدمت کے مواقع نہ صرف تلاش کرے بلکہ پیدا کر کے دکھا دے۔ اس کے لیے ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کی قرآن اکیڈمی کا ایک سالہ اور دو سالہ کورس بہت مفید ہے اور اس طبقے کے لیے شاید ہی اس سے مفید کوئی کورس میرے علم میں ہو۔

ایک تو یہ ڈیزائن ہی جدید طبقے کے لیے کیا گیا ہے، دوسرا اس میں انداز تدریس، نصاب تعلیم وغیرہ میں بھی جدید کا استعمال کافی ہے کہ یونیورسٹی گریجویٹ کو بالکل محسوس نہیں ہوتا کہ وہ یونیورسٹی کے ماحول سے نکل کر مدرسہ کے ماحول میں آ گیا ہے بلکہ اسے یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسی ماحول اور ذہنی سطح کے ساتھ دین کی تعلیم حاصل کر رہا ہے کہ جس کے ساتھ اس نے دنیا کی تعلیم حاصل کی تھی۔ تو یونیورسٹی گریجویٹ کے لیے مشورہ یہ ہے کہ سائنس کے امام بنیں کہ آج دنیا کی امامت انہی کی ہے جو سائنس میں امام ہیں۔ دین کے امام پہلے ہی بہت ہیں، ابھی یہاں نئے اماموں کی اتنی ضرورت نہیں ہے۔ اور سائنس کا امام بننے سے یہ دین کے امام بھی آپ کو اپنا امام بنا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیں گے کہ میدان بالکل خالی ہے جیسا کہ ڈاکٹر عبد القدیر خان صاحب کو ہی دیکھ لیں کہ تمام دینی طبقات ان کے قدر دان ہیں۔

دینی مدارس کے طلباء کے لیے ایم فل/پی ایچ ڈی

دوست کا کہنا ہے کہ میں دینی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوں، میرے پاس وفاق کی شہادۃ العالمیۃ ہے، میں ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کرنا چاہتا ہوں، اس بارے مشورہ درکار ہے کہ کیسے کرنا چاہیے۔

دینی مدارس کے طلباء کا ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کی طرف آنا بہت ہی خوش آئند ہے اور اس بات کی بہت ضرورت ہے کہ وہ اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیوں میں آئیں۔ اگرچہ ان میں سے کچھ اسکول، کالج اور یونیورسٹی کے ماحول میں آکر اسی رنگ میں رنگے بھی جاتے ہیں لیکن اس سے گھبرانا نہیں چاہیے کہ ایسے طلباء کی تعداد دس فی صد سے زائد نہیں ہے۔ اور دینی مدارس کے طلباء کی اکثریت جدید تعلیمی اداروں میں دینی اقدار کے تحفظ اور فروغ کے لیے بہت اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ میں تو ایسے طلباء کی بہت حوصلہ افزائی کرتا ہوں لیکن اس وصیت کے ساتھ کہ اپنے دینی سیٹ اپ اور روایت سے جڑیں رہیں۔ ورنہ اصلاح کرنے آئیں گے اور خود کی اصلاح کروا جائیں گے۔

دینی مدارس کے فارغ التحصیل طلباء جو ایم۔فل یا پی۔ایچ۔ڈی کرنا چاہتے ہیں، ان کے لیے مشورہ یہ ہے کہ وہ ایف۔اے اور بی۔اے کر کے اس لائن میں آئیں۔ اگرچہ ایچ۔ای۔سی دینی مدارس کے طلباء کو ان کی وفاق کی اسناد کے معادلے میں ایکوئیلینس جاری کر دیتی ہے لیکن یہ ایکوئیلینس محض اعلی تعلیم کے حصول کے لیے تو کارآمد ہے لیکن ملازمت اور جاب میں نہیں، یعنی قانونی طور تو ملازمت اور جاب کے لیے بھی اس کی وہی حیثیت ہے جو اعلی تعلیم کے لیے ہے لیکن عملاً ایسی اسناد والوں کو جاب اور ملازمت میں ترجیح نہیں دی جاتی ہے، اسے تعصب کہہ لیں یا جو بھی کہہ لیں، بہر حال ایٹی چیوڈ یہی ہے۔ اگر آپ کا مقصد صرف ایم۔فل یا پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کرنا ہے تو ایکوئیلینس کی بنیاد پر کسی بھی یونیورسٹی میں ایم۔فل یا پی۔ایچ۔ڈی میں داخلہ لے لیں کہ یونیورسٹیوں کا مقصد کاروبار ہے نہ کہ تعلیم، وہ فیسیں لے کر ڈگری دینا چاہتے ہیں یہ دیکھے بغیر کہ آپ کو اس ڈگری کا کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں۔ کچھ یونیورسٹیاں ایکوئیلینس کی بنیاد پر داخلہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتی ہیں اور کچھ نہیں دیتی ہیں۔

لیکن اگر آپ کا مقصد ڈگری کے حصول کے بعد اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں جاب کرنا ہے تو پھر ایف۔اے اور بی۔اے کر لیں کہ مارکیٹ میں مقابلہ بہت زیادہ ہے۔ جب آپ جاب کے لیے اپلائی کریں گے تو انٹرویو پینل میں بیٹھے لوگ ایف۔اے اور بی۔اے کی ڈگریاں رکھنے والوں کو ترجیح دیتے ہیں، چاہے قانونی طور آپ کی ڈگری کی حیثیت ان کے برابر ہی کی تسلیم کی گئی ہو۔ اور یہ صرف دنیاداروں میں نہیں ہے بلکہ دینداروں میں بھی ہے۔ اور کوشش کریں کہ سرکاری یونیورسٹی سے ڈگری لیں کہ بعض پرائیویٹ یونیورسٹیوں کی ڈگریاں مصدقہ (approved) نہیں ہوتیں، تھوک میں داخلے دے دیتے ہیں، اور ان کے پاس فیکلٹی اتنی نہیں ہوتی کہ وہ اتنے بچوں کو مقالے کروا سکے لہذا بعد میں پریشانی ہوتی ہے اور اسٹوڈنٹس رُل جاتے ہیں۔

میں نے جب 2003ء میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات میں پی۔ایچ۔ڈی کے ایڈمشن کے لیے ٹیسٹ دیا تھا تو تقریباً 150 لوگوں میں سے 16 نے ٹیسٹ پاس کیا تھا اور سیٹیں 15 تھیں، اب ایک بندہ انھوں نے فارغ کرنا تھا اور وہ مجھے ہی کیا گیا کہ میرے پاس وفاق کی سند تھی اگرچہ اس کے لیے پنجاب یونیورسٹی ہی کا ایکوئیلینس تھا، اور میں میرٹ میں بھی کافی اوپر تھا اور میرے پاس پنجاب یونیورسٹی کی ایم۔اے کی سند بھی تھی لیکن عربی میں تھی، اور پری انجینئرنگ کے بعد میری گریجویشن بھی ڈبل میتھس کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی ہی سے تھی، بس اسلامیات میں ایکوئیلینس سے کام چلانے کی کوشش کی لیکن مجھے یہ بتلا کر انکار کیا گیا کہ آپ کے پاس ایم-اے اسلامیات کی ڈگری نہیں، ایکوئیلینس ہے۔

بعد میں شیخ زاید اسلامک سنٹر میں پی۔ایچ۔ڈی کے ایڈمشن کے لیے ٹیسٹ ہوا تو 5 سیٹیں تھیں لیکن تقریباً 150 میں سے ہی 3 افراد نے صرف ٹیسٹ پاس کیا جن میں سے ایک میں بھی تھا، دوسرے میرے برادران لاء تھے، تیسرے میرے استاذ تھے۔ یہ واقعہ اس لیے بیان کر دیا کہ اس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ آپ جتنے قابل بھی ہو جائیں، یا میرٹ پر آ جائیں، محض مدرسہ کی ڈگری آپ کے کیریئر میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ اس لیے اگرچہ رستہ تھوڑا لمبا ہے لیکن سیدھا رستہ اختیار

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کریں اور ایف۔اے، بی۔اے کے ساتھ اس میدان میں آئیں۔ اور اس سے آپ کا ایکسپوئیر بھی بڑھے گا اور لوگوں کو اعتراض کا موقع بھی نہ ملے گا، ورنہ تو یہاں اتنا رش لگا ہوتا ہے کہ انہیں بس انگلی رکھنے کا موقع ملنا چاہیے کہ آپ کو پیچھے کر دیں۔

بی۔ایس اسلامک اسٹڈیز کا پروگرام اور ایچ۔ای۔سی

کچھ دن پہلے اپنی یونیورسٹی میں بی۔ایس اسلامک اسٹڈیز کا پروگرام آفر کرنے کے لیے اس کی اسکیم آف اسٹڈیز پر کام کر رہا تھا۔ سوچا کہ پہلے ان لوگوں کی اسکیم آف اسٹڈیز دیکھ لی جائے جو کہ بی۔ایس اسلامک اسٹڈیز کا پروگرام چلا رہے ہیں تو سب سے پہلے ایچ۔ای۔سی (HEC) کا نام ذہن میں آیا کہ ان کی اسلامک اسٹڈیز کی ایکاڈیمک کمیٹی نے بی۔ایس اسلامک اسٹڈیز کا جو نصاب ترتیب دیا ہے، دیکھنا چاہیے۔

پھر یورپ کی یونیورسٹیوں میں بی۔ایس اسلامک اسٹڈیز کے لیے پڑھانے جانے والے کورسز دیکھنے کا موقع ملا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بی۔ایس اسلامک اسٹڈیز پر اگر سب سے زیادہ کسی نے محنت کی ہے، تو وہ میگ گل (McGill) یونیورسٹی، کینیڈا کی فیکلٹی نے کی ہے۔ ہمارے ہاں تو پنجاب یونیورسٹی بلکہ اکثر سرکاری یونیورسٹیوں نے اپنی آفیشل ویب سائیٹس پر ایچ۔ای۔سی کی ذیلی کمیٹی ہی کے تیار کردہ نصاب کو کاپی پیسٹ کیا ہوا ہے۔

چار سالہ بی۔ایس اسلامک اسٹڈیز کے اس نصاب کو کوئی لگ بھگ بیس کے قریب اسلامک اسٹڈیز کے پی۔ایچ۔ڈی ڈاکٹرز اور پروفیسرز نے تیار کیا ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس پر کتنی محنت ہوئی ہو گی اور آخری مرتبہ اسے 2015ء میں ریوائز کیا گیا ہے۔ اس وقت ہمیں اس نصاب کا تفصیلی جائزہ نہیں لینا ہے بلکہ اس چار سالہ نصاب میں ایک کورس اسلامیات لازمی کا بھی ہے کہ جس کی اگرچہ کوئی تک نہیں بنتی تھی لیکن چلیں، چار سال اسلامیات پڑھنے والوں کو بھی اسلامیات لازمی پڑھانی ہے، یہ ہمارے بڑوں کا فیصلہ ہے لہذا ہم کیا اعتراض کر سکتے ہیں۔

اس اسلامیات لازمی کے نصاب میں کچھ متعین سورتوں کی آیات ہیں اور کچھ احادیث ہیں۔ میں اس تحریر کی وساطت سے نصاب ترتیب دینے والی کمیٹی کی کچھ اصلاح کرنا چاہتا ہوں کہ انہوں نے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نصاب میں سورۃ "اَحزاب" (ahzab) کو "اِحزاب" (ihzab) لکھا ہے۔ سورۃ "مؤمِنون" (muminoon) کو "مؤمَنون" (mumanoon) لکھا ہے، "اَحکام" (ahkam) کو "اِحکام" (ihkam) لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ نصاب کی یہ غلطیاں واضح کرتی ہیں کہ یہ نصاب تیار کرنے والا بنیادی عربی گرامر سے ناواقف ہے کہ "جمع" کے صیغے کو "مصدر" سمجھ لیا اور "اسم فاعل" کو "اسم مفعول" بنادیا۔

مجھے معلوم ہے کہ ایچ۔ای۔سی کی اس کمیٹی کے بیس اسلامیات کے مایہ ناز ڈاکٹروں کی ٹیم میں سے کسی نے بھی یہ نصاب تیار نہیں کیا، بلکہ تیار تو کجا، اسے دیکھا بھی نہ ہوگا، بلکہ شاید کسی ایم فل کے اسٹوڈنٹ سے کہ جس کی انگریزی اچھی تھی، لیکن اسے عربی کی بالکل شد بد نہ تھی، سے یہ نصاب تیار کروالیا گیا اور پھر اسے ریوائز کرنے کی زحمت بھی نہ کی گئی اور عرصہ دراز سے ایسی فاش غلطیوں کے ساتھ ہی ایچ۔ای۔سی کی ویب سائیٹ کی زینت بنا ہوا ہے۔

میں یہ بھی نہیں کہتا کہ یہ کمیٹی "نااہل" ہے اور نہ ہی میں یہ کہتا ہوں کہ یہ "کام چور" ہے بلکہ میں تو ایک ریسرچر ہونے کے ناطے صرف یہ سوال کر رہا ہوں کہ بی۔ایس اسلامک اسٹڈیز کے اس نصاب تعلیم میں ان "فاش غلطیوں" کے باقی رہ جانے کی توجیہہ کیا ہے؟ ہماری کتابیں تو آپ بغیر کوئی وجہ بتلائے "زی۔کیٹیگری" میں بھی تسلیم نہیں کرتے جبکہ وہ عوام اور خواص میں مقبول ہو چکی ہیں تو ہم بھی آپ کے کام کو "زی۔کیٹیگری" میں بھی شمار نہیں کر رہے لیکن ساتھ میں وجہ بتلا رہے ہیں۔ یہ فی سبیل اللہ پیئر ایویلیوایشن (peer evaluation) ہے۔ اور شانت رہیے، ابھی ایچ۔ای۔سی ریکاگنائزڈ ریسرچ جرنلز میں آپ کے پبلش ہونے والے ریسرچ آرٹیکلز کی ایویلیوایشن کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

مدارس کے طلباء اپنی صلاحیت کیسے بڑھائیں؟

دوست کا سوال ہے کہ مدارس اور علومہ اسلامیہ کے طلباء اپنی علمی، فکری اور تحریری صلاحیتوں کو کیسے بڑھا سکتے ہیں؟

جواب: جہاں تک علمی صلاحیتوں کا تعلق ہے تو واضح رہے کہ علم چند معلومات کے حافظے کا نام

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے بلکہ اصل علم تو وہ ہے کہ انسان جس کی تطبیق (application) کرنا جانتا ہو۔ اصول حدیث اور اصول فقہ کے متون یاد کر لینا کوئی کمال نہیں ہے، کمال یہ ہے کہ آپ کو اصول حدیث اور اصول فقہ کی تطبیق آ جائے اور وہ بھی عصر حاضر کے مسائل میں۔ اصول فقہ کو پڑھنے کے لیے شاید دو سال کی محنت درکار ہے لیکن اس کی تطبیق سیکھنے کے لیے دس سال کی محنت چاہیے۔

اس علم کا کوئی فائدہ نہیں ہے کہ جس کی آپ تطبیق نہ کر سکیں۔ اور تطبیق انسان اس وقت سیکھتا ہے جبکہ وہ کسی علم کو پڑھا لے۔ کوئی علم صرف پڑھ لینے سے نہیں آ جاتا بلکہ پڑھانے سے آتا ہے۔ تو علم پڑھنے کے بعد پڑھانے کی کوشش کریں، چاہے ایک طالب علم ہی مل جائے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ پڑھانے سے بھی آپ کو علوم کی تطبیق اس وقت ہی اچھی آئے گی جبکہ آپ کے شاگرد اچھے ہوں گے۔ یہ اچھے شاگرد ہی ہوتے ہیں جو اچھے استاذ بناتے ہیں۔ یہ اچھے شاگرد ہی ہوتے ہیں جو اچھے سوالات کے ذریعے استاذ کے ذہن کو کھولتے رہتے ہیں۔

اور جہاں تک فکری صلاحیت کا تعلق ہے تو اس وقت دین کے طلباء اور علماء بلکہ ان کے بہترین کا بھی مزاج، تحقیقی ہی بن چکا ہے اور فکری مزاج کی نشوونما کی نہ تو کوئی خواہش ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت کا احساس ہے حالانکہ عالمی اور امت کی سطح پر کام کرنے کے لیے فکری مزاج کا ہونا زیادہ ضروری ہے۔ فکری مزاج تخلیق کار ہوتا ہے جبکہ تحقیقی مزاج محنتی ہوتا ہے۔ ہمارے طلباء کو فکری چیزیں پڑھنے کی زیادہ ضرورت ہے مثلاً ماہنامہ الشریعہ، ماہنامہ محدث، ماہنامہ البرہان اور سہ ماہی حکمت قرآن وغیرہ کو اپنے مطالعہ میں رکھیں کہ یہ بہترین فکری مجلات ہیں۔ ہم کسی تحریر کی قدر وقیمت کا تعین اس کے حوالوں کی تعداد سے ماپنے کے عادی ہو چکے ہیں اور یہ بہت غلط رجحان ہے۔ اور خاص طور علوم اسلامیہ میں ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی اور ایچ۔ ای۔ سی کے تحقیقی مجلات نے اس رجحان کو مصنوعی حد تک بڑھا دیا ہے۔

پھر اپنی فکر کو پروان چڑھانے کے لیے بہت ضروری ہے کہ آپ معاصر سوشل سائنسز اور ہیومینیٹیز کے علوم کا مطالعہ رکھتے ہوں۔ فلسفہ، سائیکالوجی، سوشیالوجی، اکنامکس، لسانیات اور ادب کا تو ضرور مطالعہ کریں۔ اب ادب کے مطالعے کا میرے نزدیک یہ مطلب نہیں ہے کہ غالب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ومیر کی شاعری پڑھنا شروع کر دیں۔ آپ نے ادیب اور شاعر نہیں بننا لہذا آپ کے لیے یہ اتنا مفید نہیں ہے۔ آپ ادب میں نقد کو پڑھیں۔ اس سے دینی نقد میں آپ کا معیار بہت بلند ہو جائے گا۔ مثلاً آپ مجموعہ حسن عسکری کو پڑھیں، یقین مانیے، اگر آپ نے اس کو ہضم کر لیا تو چیزوں کو دیکھنے کے زاویے بڑھ جائیں گے۔ پھر پڑھیں چاہے کم، لیکن غور زیادہ کریں۔ لفظ پر غور کریں، اس کی گہرائی میں جائیں۔ جملے پر غور کریں، اس کی وسعتوں میں گھومیں۔ اور اسے سیکھیں، یہ آپ کو حسن عسکری صاحب بہت اچھی طرح سکھا سکتے ہیں، اگر آپ ان کا مجموعہ پڑھ لیں۔ فلسفہ کا مطالعہ کرنا ہے تو "سوفی کی دنیا" پڑھ لیں۔ یہ نہیں کہ جو فلسفے کی کتاب ہاتھ لگی، پڑھنا شروع کر دیں، اس طرح کچھ سمجھ نہیں آئے گی، الٹا بوریت ہو گی۔

اور تحریری صلاحیت تو لکھنے سے بہتر ہوتی ہے۔ فیس بک پر لکھیں، روزانہ لکھیں، جتنا زیادہ لکھیں گے، اتنی صلاحیت بہتر ہو گی لیکن صرف لکھنے کا کام نہ کریں بلکہ ہر بار لکھنے سے پہلے اس موضوع پر کچھ پڑھ لیں اور اس پر غور کر لیں۔ فیس بک کا لکھا، آپ ڈیلیٹ کر سکتے ہیں، ایڈٹ کر سکتے ہیں۔ اور یہ سب کیا کریں، اس سے تحریر میں بہتری آتی ہے۔ مبتدی کے لیے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ آگے جانا چاہتے ہیں۔ جو روزانہ سوچتے رہتے ہیں، اس کو الفاظ کا جامہ پہنانے کی کوشش کرنا شروع کر دیں۔ لکھنا ایک فن (art) ہے اور فن سیکھنے سے آتا ہے۔ اس فن میں معاصر علوم کا استعمال کریں مثلاً لکھتے وقت مخاطبین کی سائیکالوجی کا لحاظ رکھیں کہ ایک داعی کے لیے بہت ضروری ہے کہ لوگوں کی نفسیات کا دھیان کرے وغیرہ۔

مدارس کے طلبہ کے لیے کیریئر کاؤنسلنگ پر لیکچر

کل بروز ہفتہ، بعد از نماز ظہر، جامعہ سلفیہ فیصل آباد میں، مدارس کے طلباء کے لیے "کیریئر کاؤنسلنگ" کے موضوع پر راقم کے ایک لیکچر کا اہتمام کیا گیا ہے۔ میری رائے میں تمام بڑی جامعات اور مدارس میں اس موضوع پر لیکچرز وقت کی اہم ضرورت ہے کہ اب ہمارے پاس اتنے منبر اور محراب نہیں رہ گئے ہیں کہ ہم مدرسہ کے ہر طالب علم کو یہ تجویز کر سکیں کہ وہ کوئی مسجد اور مدرسہ سنبھال لے۔ اگر ان طلباء کو کسی مناسب جگہ کھپانے کی پلاننگ نہیں کی گئی تو یہ ضائع ہو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جائیں گے۔

"کیریئر کاؤنسلنگ" سے آسان الفاظ میں مراد یہ ہے کہ آپ مدارس کے طلباء کو یہ بتلائیں، سمجھائیں اور سجھائیں کہ آٹھ سالہ درس نظامی کے بعد ان کے پاس کرنے کو کیا کچھ ہو سکتا ہے یا وہ کیا کچھ کر سکتے ہیں؛ دینی اعتبار سے بھی اور دنیاوی پہلو سے بھی۔ یعنی وہ اپنے مستقبل کو کیسے بہتر بنا سکتے ہیں؛ دینی، سماجی اور معاشی اعتبار سے۔ اس لیکچر کا مقصد یہ بھی ہے کہ دینی مدارس کے طلباء کی دنیاوی اور سرکاری اداروں میں ملازمت کے مواقع (opportunities) پر گفتگو کی جائے۔

میں خود مدرسہ سے یونیورسٹی میں آیا ہے اور ہمارے اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیز میں تدریس کرنے والے تقریباً دس فی صد مدرس ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا بیک گراؤنڈ مدرسے کا ہوتا ہے لیکن اگر اس موضوع پر طلباء کی شروع ہی میں رہنمائی کر دی جائے تو شاید یہی تعداد دس سے تیس فی صد ہو جائے کیونکہ مدرسہ کے بچوں میں ٹیلنٹ بھی ہے اور محنت کا جذبہ بھی۔ اور اگر کسی چیز کی کمی ہے تو وہ رہنمائی اور گائیڈ لائن کی ہے کہ کوئی گائیڈ کرنے والا نہیں ہے۔

مدارس کے بہت سے فارغ التحصیل بچے علوم اسلامیہ میں ایم-فل یا پی-ایچ-ڈی کرنا چاہتے ہیں لیکن رہنمائی نہیں ہے۔ وہ مدرسہ، کالج اور یونیورسٹی میں تدریس کرنا چاہتے ہیں لیکن رہنمائی نہیں ہے یعنی کوئی رستہ دکھانے والا نہیں ہے۔ مدرسہ کے ایک طالب علم کے لیے بطور معلم اور مدرس، بطور محقق اور مصنف اور بطور مبلغ اور داعی کے اس معاشرے میں کیا کیا مواقع ہیں؟ ہم ان پر اس لیکچر میں گفتگو کریں گے، ان شاءاللہ العزیز۔ اس لیکچر کی ویڈیو ریکارڈنگ انعقاد کے بعد راقم کی فیس بک ٹائم لائن پر شیئر کی جا چکی ہے۔

ایجوٹینمنٹ: بھئی، آپ کی سوسائٹی تباہی کے دھانے پر کھڑی ہے!

دو دن پہلے یونیورسٹی میں چند فیکلٹی ممبرز میں اس بات پر بحث ہو رہی تھی کہ ہماری نوجوان نسل جس طرح موبائل فون اور سوشل میڈیا کی ایڈکشن میں مبتلا ہے تو اس کا علاج کیا ہے؟ ایک پروفیسر صاحب نے کہا کہ اس ایڈکشن کی وجہ سے بچوں کے رویے (attitudes) تباہ ہو چکے ہیں، وہ ماں باپ کی بات کیا مانیں گے، انہیں تو اس ایکٹوٹی کے دوران نہ اپنے ارد گرد کی خبر ہوتی ہے، نہ گھر کی اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہ ہی اپنی۔ لڑکیاں سیلفی ایڈکشن (selfie addiction) میں مبتلا ہیں تو لڑکے گیم ایڈکشن میں۔ اور دونوں نوٹیفکیشن دیکھنے کی ایڈکشن میں بھی۔

ایک رائے یہ سامنے آئی کہ بچوں کو صرف دو گھنٹے کے لیے موبائل، ٹیب، لیپ ٹاپ وغیرہ پکڑایا جائے، لیکن اس کا جب تجربہ کیا گیا تو بچوں کی حالت ایسے ہو گئی جیسے کسی نشی کو نشہ نہ ملنے کی صورت میں ہوتی ہے۔ ایک دوسرے پروفیسر صاحب نے کہا کہ گیم ایڈکشن اس قدر عام ہو چکی ہے کہ میرے دس سال کے بیٹے نے اپنے دوستوں سے ٹائم سیٹ کر رکھا ہوتا ہے کہ اتنے بجے آن لائن ہو جانا اور وہ گروپس بنا کر کھیلتے ہیں اور جب کھیلتے ہیں تو دنیا اور مافیہا سے غافل ہو جاتے ہیں۔ یونیورسٹی میں جہاں ہر طالب علم کے ہاتھ میں کتاب نظر آنی چاہیے تھی، وہاں اب اسمارٹ فون نظر آتا ہے اور شاید اسٹوڈیو میں اتنی تصویریں نہ کھینچی جاتی ہوں جتنی کہ تعلیمی اداروں میں۔

میرا دو سال کا بچہ جس انہماک سے موبائل کی اسکرین دیکھتا ہے، اس سے وحشت ہونے لگتی ہے کہ اس انہماک اور توجہ سے تو ہمارا ساٹھ سالہ بوڑھا سجدہ نہیں کرتا۔ ہم سب کو مسئلے کا علم ہے لیکن اس کا حل کیا ہے؟ یہ سوال بھی سامنے آئے گا کہ مغرب (west) نے اس کا کیا حل پیش کیا؟ تو معلوم ہو گا کہ مغرب تو تباہی کا شکار ہو چکا اور ہم اہل مشرق تباہی کے دھانے پر کھڑے ہیں۔

مغرب کا سارا تعلیمی نظام اسٹوڈنٹ کے گرد گھومتا ہے کہ وہ کسٹمر ہے، بس اسے مطمئن ہونا چاہیے کیونکہ تعلیم کاروبار بن چکی لہذا اب ایجوکیشن کی بجائے ایجوٹینمنٹ کا تصور آ رہا ہے۔ استاذ سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ طالب علم کو خوش اور مطمئن رکھے، چاہے اسے کلاس میں جوکر (joker) بننا پڑ جائے۔ پس اگر یہ ایجوکیشن سے بھاگتے ہیں تو ایجوٹینمنٹ کی طرف لے آؤ کہ انہیں ایجوکیشنل گیمز دکھا کر کچھ نہ کچھ سکھا دو اور ایجوکیشن کو ان کے لیے اینٹرٹینمنٹ بنا دو۔

مغرب میں جو سوچ بچار رکھنے والے لوگ تھے تو انہوں نے بچے اسکولوں سے اٹھوا لیے اور ہوم اسکولنگ کا تصور بہت تیزی سے عام ہو گیا۔ ہمارے ہاں مشرق میں ابھی اتنا برا حال نہیں ہے کہ کہیں نہ کہیں تعلیمی نظام استاذ کے گرد بھی گھوم رہا ہے لہذا ہم اپنے تعلیمی اداروں میں اب بھی بہتری لا سکتے ہیں۔ مسئلہ یہی ہے کہ ہمارے نوجوان کے پاس انرجی بہت ہے لیکن کرنے کو کام نہیں ہے یا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کام ہے تو اس کام میں اس کا دل نہیں لگتا۔ ایک یونیورسٹی گریجویٹ کے پاس کیا یہ تھوڑا کام ہے کہ وہ اپنی ڈگری اچھے طریقے سے حاصل کر لے لیکن کتنے اپنی تعلیم میں سنجیدہ ہیں؟ دو فی صد بھی نہیں!

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں تعلیم میں دلچسپی نہیں ہے اور دلچسپی کے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے اور مقصد نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہیں کوئی ایسا استاذ نہیں ملا کہ جو ان کے دلوں میں مقصد کی محبت اس طرح ڈال سکے جیسے کسی جبلی تقاضے (instinct) کی محبت ہوتی ہے۔ یہ مقصد اور آدرش کی محبت ہی ہے جو تمام خواہشات کی محبتوں پر غالب آسکتی ہے اور یہ وہی استاذ پیدا کر سکتا ہے جو خود بامقصد زندگی گزار رہا ہو۔ ہم جس لائف اسٹائل کے عادی ہو چکے ہیں، یہ جبر اًہم پر مسلط ہے، اس سے بھاگنا ممکن نہیں رہا۔ اب ایک ہی رستہ ہے کہ اسے بامقصد بنالیا جائے۔

دوسرا یہ کہ اگر زندگی بامقصد ہو جائے تو انسان اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا کے مضر اثرات سے بہت حد تک محفوظ رہ سکتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ اپنی روزمرہ زندگی کے معمولات چلا سکتا ہے بلکہ ہماری نوجوان نسل کو یہ سب کچھ سیکھنا ہے کہ انہیں اس سب کچھ کے ساتھ وہ سب کچھ کیسے چلانا ہے جو بامقصد ہے اور ان کے مستقبل، یہاں اس دنیا اور آخرت، کے لیے مفید ہے۔

مجھ سے اکثر دوست پوچھتے ہیں کہ آپ فیس بک پر کتنا وقت دیتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ سنجیدگی سے تو ایک گھنٹہ کہہ سکتا ہوں لیکن غیر سنجیدگی سے دن کا ایک بڑا حصہ۔ میری ہمیشہ یہ کوشش ہوتی ہے کہ فیس بک پر بیٹھے ہوئے اپنے بامقصد کام جاری رکھوں۔ عموماً یونیورسٹی آتے جاتے وقت رستے میں ایک مضمون سوچ لیتا ہوں جو کہ لکھنا ہے، پھر اسے لکھ دیتا ہوں، پھر دن بھر میں وقتاً فوقتاً کمنٹس بھی دیکھتا رہتا ہوں، چیٹس کے جواب بھی دیتا رہتا ہوں، ساتھ میں ریسرچ آرٹیکل بھی مکمل کر رہا ہوتا ہوں، کتاب بھی لکھ رہا ہوتا ہوں اور بچوں کے ساتھ کھیل بھی رہا ہوتا ہوں۔ اور یہ بھی کوشش کریں کہ آپ کے فیس بک، واٹس ایپ اور میسنجر وغیرہ کے اکاؤنٹس تک آپ کی اہلیہ یا گھر والوں کی بھی رسائی ہو کہ جب چاہیں، آپ کے فون یا اپنے فون سے ان میں لاگ ان ہو سکیں۔ ور بہت سے سنجیدہ دوست ایسے ہی اسمارٹ فون اور سوشل میڈیا کو استعمال کرتے ہیں جیسا کہ ان سے بات چیت سے اندازہ ہوتا ہے اور فی الحال اس مسئلے کا یہی حل ہے۔ واللہ اعلم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یونیورسٹی میں تدریس

میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کی ایک یونیورسٹی میں انجینئرنگ کے طلباء کو گریجویشن لیول پر اسلامیات کا کورس پڑھاتا ہوں۔ کمپیوٹر سائنس، سافٹ ویئر انجینئرنگ، الیکٹریکل انجینئرنگ وغیرہ کے بچے عموماً ہیومینیٹیز کے کورسز مثلاً اسلامیات، مطالعہ پاکستان، سوشیالوجی وغیرہ میں دلچسپی نہیں لیتے کہ انہوں نے اس میں ڈگری نہیں لینی ہے وغیرہ۔ اسی لیے ان مضامین کے اساتذہ اپنے طریقہ تدریس میں نئی نئی جہتیں سامنے لاتے رہتے ہیں۔

ہر کورس میں چار اسائنمنٹس ہوتی ہیں، ان اسائنمنٹس کے ذریعے بچوں کی کورس میں دلچسپی کافی بڑھائی جاسکتی ہے جبکہ ان میں کوئی نیا پہلو ہو۔ میں بچوں کو پہلی اسائنمنٹ یہ دیتا ہو کہ وہ ایک موضوع پر فیس بک پیج بنائیں، اس کو دو ہفتوں کے لیے چلائیں، اس پر متعلقہ پوسٹیں لگائیں، اس پیج پر زیادہ سے زیادہ لائکس حاصل کر کے اسے ایڈورٹائز کریں۔ اور پیج کے عنوانات اصلاحی نوعیت کے ہوتے ہیں جیسا کہ فیس بک ایڈکشن یا اسمارٹ فون ایڈکشن یا اسلام اور سائنس یا الحاد کے خلاف موضوع پر پیج بنالیا۔ بچے اس فیس بک پیج کی کلاس میں پری زین ٹیشن بھی دیتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ اتنی پوسٹیں ہم نے کی، اتنے لائکس ملے، اتنا ریسپانس رہا وغیرہ

دوسری اسائنمنٹ، پاور پوائنٹ سلائڈز کی دیتا ہو کہ ایک موضوع پر پندرہ سے بیس سلائڈز بنا کر لانی ہیں، اور موضوعات عموماً ایسے ہوتے ہیں کہ جن میں بچوں کی دلچسپی قائم رہے جیسا کہ اس دفعہ کے موضوعات میں اسلامک اسکولز، اسلامک یونیورسٹیز، اسلامک چینلز، اسلامک آن لائن لائبریریز، اسلامک سافٹ ویئرز، اسلامک ایپس، اسلامک آرٹ، اسلامک کارٹونز وغیرہ تھے۔ اور بچے یہ سلائیڈز بنا کر سلائڈ شیئر نامی ویب سائیٹ پر اپ لوڈ بھی کریں گے کہ جو سلائیڈز کا بہت بڑا ڈیٹا ہے جیسا کہ یوٹیوب ویڈیوز کا بہت بڑا ڈیٹا ہے تا کہ یہ سلائیڈز دعوت کا بھی ذریعہ بنیں۔ اور یہ اسائنمنٹ حق اور رد میں، دونوں پہلوؤں سے ہوتی ہیں۔

تیسری اسائنمنٹ، پریکٹیکل دیتا ہوتا اور اسے اسلامیات کی لیب کہتا ہوں۔ کچھ عرصے سے یہ تیسری اسائنمنٹ یہ ہوتی ہے کہ بچے پانچ دن تک لگاتار پانچ وقت کی نماز پڑھیں گے، بھلے جماعت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے نہ پڑھیں لیکن یہ کہ وقت پر پڑھیں گے تو پورے نمبر ملیں گے اور اگر قضا ہو گی تو نصف اور نہ پڑھیں گے تو زیرو۔ بچوں کے پاس چارٹ نما ورقہ ہوتا ہے کہ جس پر وہ ٹک مارک کرتے رہتے ہیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بہت سے بچے اس پریکٹس سے نماز پڑھنا شروع ہو جاتے ہیں کہ اگر وہ صرف فرض بھی پڑھ لیں تو میں اسے بھی کنسڈر کر لیتا ہوں کہ فرض تو ادا ہوا۔

کل پری زین ٹیشنز (presentations) تھیں تو ایسے ہی ذہن میں آیا کہ بچوں کی کوئی اسائنمنٹ فیس بک پر شیئر کر دوں، تو چار بچوں کے ایک گروپ نے اسلامک کارٹونز پر سلائیڈز تیار کی ہیں اور اس میں عبد الباری، برقعہ ایونجرز، صلاح الدین، عبداللہ، مصری بنچ جیسے پانچ کارٹونز سیریز کا تعارف کروایا ہے۔ یہ گریجویشن لیول کے کمپیوٹر سائنس کے بچوں کی محنت ہے، اس کی ضرور حوصلہ افزائی کریں اور ان سے ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی علوم اسلامیہ کے اسٹوڈنٹس جیسے تحقیقی لیول کی امید نہ کریں۔[1]

اس مرتبہ بی۔ایس اکاؤنٹنگ اینڈ فنانس کے طلبہ کو یہ اسائنمنٹ دی کہ ان کے چھ گروپس بنا دیے۔ ہر گروپ میں تین سے چار اسٹوڈنٹ تھے۔ ہر گروپ نے کامساٹس کے دس سینیئر طلباء سے یہ سوال پوچھنا تھا کہ کامساٹس میں بچوں کا سی۔جی۔پی۔اے (CGPA) کیوں کم آتا ہے؟ اس طرح کوئی 60 کے قریب طلباء سے یہ سوال پوچھا گیا اور اس کی ویڈیو ریکارڈنگ بھی کی گئی۔ ہر گروپ نے پانچ سے سات منٹ کی ویڈیو ریکارڈنگ تیار کی اور کلاس میں اس ریکارڈنگ کو چلایا۔ پھر ہر گروپ نے ایک صفحہ پر ان وجوہات کی فہرست نقل کی جو ان کے سینیئرز نے بیان کی تھیں اور مجھے یہ اسائنمنٹ جمع کروا دی۔ ان کے سینیئرز کے جوابات میں کچھ باتیں مشترک تھیں۔ تو جو مشترک وجوہات اکثر طلباء نے بیان کیں، ان میں سے پہلی تو کراس جینڈر (cross gender) دوستیاں تھیں کہ جسے کسی نے لو افیئرز (love affaires) کا نام دیا اور کسی نے ڈیٹنگ کلچر (dating culture) کہا۔ بعض طلباء کا کہنا تھا کہ طلباء کی ایک بڑی اکثریت کا خیال یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ یونیورسٹی میں مزہ کرنے کے لیے آئے ہیں، نہ کہ پڑھنے کے لیے۔ دوسری بڑی وجہ طلباء

[1] http://www.slideshare.net/hmzubair52/islamic-cartoons

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے یہ بیان کی کہ وہ سالانہ امتحانی نظام (annual system) سے سیمسٹر سسٹم کی طرف آتے ہیں کہ جس میں روزانہ کی بنیاد پر محنت کرنی پڑتی ہے اور وہ اس کے عادی نہیں ہوتے لہذا پیچھے رہ جاتے ہیں۔ تیسری وجہ یہ بیان کی گئی کہ نظام کی اصلاح کی ضرورت ہے جیسا کہ بعض بچوں نے بیان کیا کہ بعض اوقات ان کی ایک کلاس صبح ہوتی ہے اور دوسری دوپہر میں اور درمیان کا وقت فارغ ہوتا ہے لہذا ان کا یہ وقت ادھر ادھر کی سرگرمیوں میں ضائع چلا جاتا ہے اور تھکاوٹ اتنی ہو جاتی ہے کہ اس کے بعد پڑھنے کی ہمت نہیں رہتی۔ اسی ذیل میں یہ بھی بیان کیا گیا کہ مارکنگ کا نظام سخت ہے اور کامسائٹس میں اے۔ گریڈ 90 فی صد پر دیا جاتا ہے جبکہ بقیہ یونیورسٹیز میں 85 فی صد پر دے دیا جاتا ہے۔ کچھ طلباء نے اساتذہ کے بارے کہا کہ بعض اساتذہ فیورٹزم (favoritism) سے کام لیتے ہیں کہ جس کی وجہ سے بعض بچوں کا سی۔جی۔پی۔اے (CGPA) کم آتا ہے۔ پھر طلباء کی یہ ذہن سازی کی ہے کہ آپ کو یہ اسائنمنٹ کروانے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کا پہلا سیمسٹر ہے لہذا اگر آپ چار سالوں میں اچھا سی۔جی۔پی۔اے (CGPA) برقرار رکھنا چاہتے ہیں تو اپنے سینیئرز کی ان باتوں سے رہنمائی لیں۔ تو یہ اسائنمنٹ کی اسائنمنٹ بھی ہو گئی اور طلباء کی ان کے کیریئر کے حوالے سے عملی رہنمائی بھی۔

ایک دوسری کلاس جو کہ فنرکس میں بی۔ایس کر رہی تھی، اس کو یہ اسائنمنٹ دی کہ ان کے بھی تین تین کے گروپس بنا دیے اور ہر گروپ نے دس بچوں سے یہ سوال پوچھا کہ وہ چار سالہ ڈگری کے بعد کیا کرنا چاہتے ہیں یعنی ان کا اس ڈگری سے مقصد کیا ہے اور فیوچر پلان کیا ہے؟ تو چھ گروپس نے تقریباً 60 بچوں سے یہ سوال کیا اور ان کی ویڈیو ریکارڈنگ بھی کلاس میں پیش کی۔ اکثر بچوں کا جواب یہ تھا کہ انہوں نے اتفاقاً اس ڈگری میں ایڈمشن لیا ہے اور فراغت کے بعد ان میں سے کچھ آرمی جوائن کرنا چاہتے ہیں اور کچھ سول سروسز میں جانا چاہتے ہیں اور کچھ بزنس کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ کا خیال ہے کہ انہیں انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ڈگری لینی چاہیے تھی اور انہوں نے غلط ڈگری چن لی ہے۔ اور کچھ کا خیال تھا کہ انہیں ابھی یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ ڈگری حاصل کرنے کے بعد کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ارادہ وہ ڈگری حاصل کرنے کے بعد کریں گے۔ کچھ نے یہ بھی ارادہ ظاہر کیا کہ وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی لائن میں آگے چل کر ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کرنا چاہتے ہیں۔اسائنمنٹ کے بعد میں نے بچوں کو سمجھایا کہ اس اسائنمنٹ کا مقصد یہ تھا کہ آپ یہ غور کریں کہ آپ اپنے کیریئر کے بارے کتنے واضح ہیں۔اور بچوں کو نصیحت کی کہ جو ان میں سے پڑھائی میں اچھے ہیں تو وہ فزکس کے میدان میں ہی ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کریں اور خاص طور تھیوریٹکل فزکس میں کہ اس میں کام کی کافی ضرورت ہے۔

ماں بننے کی صلاحیت

یونیورسٹی میں پڑھنے والی ایک بچی کے مستقبل میں اگر آپ ذرہ سا بھی جھانکنے کی کوشش کریں گے تو فوراً یہی خیال ذہن میں آئے گا کہ یہ ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہے۔ماں بننے کے لیے جس سنجیدگی، ٹھہراؤ، تحمل، برداشت، ایثار، قربانی اور فہم وفراست کی ضرورت ہے وہ 80 فی صد لڑکیوں میں مفقود نظر آئے گی۔

لڑکیوں کا یہ حال ہے تو کیا لڑکے باپ بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ تو ان کا حال تو ان سے بھی برا ہے۔مجھے یونیورسٹی اسٹوڈنٹس کو دیکھ کر اور یہ سوچ کر بعض اوقات بہت وحشت ہونے لگتی ہے کہ اس معاشرے کا مستقبل کیا ہے؟ ان کی شادیاں، چاہے آپس میں بھی ہو جائیں، مہینہ چالیس دن سے زیادہ نہیں چلنے والی۔یہ شادی کے بعد تین ماہ گزار لیں تو بہت بڑی کامیابی ہو گی۔اگلی چند دہائیوں میں ہماری سوسائٹی میں طلاق کی شرح میں خطرناک حد تک اضافہ ہونے کی توقع ہے اور یہ پڑھے لکھے طبقے میں زیادہ ہو گی کہ اس اضافے کی وجہ جدید تعلیم اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل ہیں۔

ایک صاحب نے بتلایا جو ٹی۔ایم۔اے (TMA) کے ادارے میں کام کرتے ہیں کہ جس کے تحت نکاح طلاق کی رجسٹریشن ہوتی ہے کہ رجسٹرڈ طلاق کی شرح 45 فی صد ہو چکی ہے اور ابھی بھی صورت حال یہ ہے کہ نکاح کی رجسٹریشن کم ہو رہی ہے اور طلاق کی زیادہ۔والدین کو نہ معلوم کیوں یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ ان کی بیٹی کے سسرال والوں اور خود ان کے داماد نے ان کی بیٹی کی بی۔ایس کی ڈگری کی بنیاد پر اس کی عزت اور احترام نہیں کرنا بلکہ انہوں نے تو کچھ اور دیکھنا ہے۔چلیں، تعلیمی نظام تو کچھ نہیں کر رہا تو میڈیا معاشرے کی اصلاح میں کچھ کردار ادا کر سکتا تھا لیکن ہمارا میڈیا تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بد قسمتی سے بالکل اس کے برعکس سمت میں معاشرے کو لے کر جا رہا ہے۔

ہمارا میڈیا ڈراموں اور فلموں میں شادی کے بعد کی ایک عجیب قسم کی لگژیوریس اور رومانٹک لائف دکھا کر نوجوانوں کو کھائی میں دھکیل رہا ہے اور انہیں ذرہ بھی خبر نہیں ہے کہ حقیقی زندگی اور میڈیا کی دکھائی ہوئی دنیا میں کتنا فرق ہے؟ ہم یہ توقع کر سکتے ہیں کہ ایک بچی ایم۔فل فزکس اور پی۔ایچ۔ڈی ریاضی کرنے کے بعد بچے پیدا کرے گی اور بی۔ایس فیشن اینڈ ڈیزائن کرنے کے بعد انہیں دودھ پلائے گی؟ یا اپنی فزیک اور فگر (physique and figure) کا دھیان کرے گی؟ جدید نظام تعلیم ایک بچی کو کماؤ پوت بنانے میں تو شاید مددگار ہو سو ہو لیکن ایک اچھی ماں اور بیوی بننے کے لیے بالکل بھی سازگار نہیں ہے۔

اور سچی بات یہی ہے کہ صورت حال یہ ہے کہ گھر کا ادارہ بنانے اور چلانے کے لیے جو جو صلاحیتیں اور خاصیتیں درکار ہیں، ہمارا نظام تعلیم انہیں پیدا اور پروموٹ کرنا تو دور کی بات، انہیں ختم (kill) کرنے میں لگا ہوا ہے۔ مستقبل ان تمام طلباء کا یہی ہے کہ یہ اس معاشرے میں ایک خاندان کی بنیاد رکھیں گے لیکن خاندان بنتا کیسے ہے، جڑتا کیسے ہے، مضبوط کیسے ہوتا ہے، ٹوٹتا کیسے ہے، بکھرتا کیسے ہے، یہ ہمارے نظام تعلیم اور کلاس میں کہیں بھی موضوع بحث نہیں ہے۔

یونیورسٹی میں بچیوں کی تعلیم

جدید تعلیمی نظام اور یونیورسٹی ایجوکیشن کے ایک پہلو پر ایک پوسٹ لگائی تھی کہ اس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ہماری بچیاں ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہوتی جا رہی ہیں۔ کچھ دوستوں کو یہ سمجھ آیا کہ شاید ہم لڑکیوں کے لیے جدید تعلیم کے خلاف ہیں تو بھائی! ہم ہرگز جدید تعلیم کے خلاف نہیں ہیں۔ کچھ لوگوں نے سوال کیا کہ مدرسہ کیا دے رہا ہے؟ تو بھئی، ہم آپ کو یہ مشورہ بھی نہیں دے رہے کہ اپنی بچیوں کو یونیورسٹی سے اٹھا کر مدرسہ میں ڈال دیں۔ البتہ ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ کرنا کیا چاہیے، مسئلے کا حل کیا ہے؟ یہ اہم سوال ہے۔

دیکھیں، پہلے مسئلے کی حساسیت کو سمجھیں تو پھر حل کی طرف آنا بھی مفید ہوگا۔ کچھ دوستوں کا خیال ہے کہ شاید میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اعلی تعلیم کے حصول کی وجہ سے لڑکیوں کی عمر بڑھ جاتی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے لہذا وہ ماں بننے کے قابل نہیں رہتیں۔ یہ تو بہت چھوٹا پہلو ہے جو آپ نے میری بات سے نکالا ہے۔ اصل بات بہت بڑی ہے، اسے سمجھنے کی کوشش کریں کہ ماں بننے کے لیے جس سنجیدگی، ٹھہراؤ، تحمل، برداشت، ایثار، قربانی اور فہم وفراست کی ضرورت ہے، یہ نظام تعلیم اسے پیدا اور پروموٹ کرنا تو دور کی بات، ختم (kill) کرنے میں لگا ہوا ہے۔

اس پورے نظام تعلیم کا بنیادی اسٹرکچر مادہ پرستی کی دیواروں اور خود غرضی کی چھت پر کھڑا ہے۔ یہاں اگر اخلاقیات کا کورس بھی پڑھایا جاتا ہے تو وہ بھی پروفیشنل اور بزنس ایتھکس کے نام سے کہ سیلز مین نے اگر کسٹمر کو کپڑا بیچنا ہے تو اسے اپنے چہرے پر مسکراہٹ لانی ہے تاکہ وہ اس کی جیب سے چار پیسے نکلوا سکے۔ یہ اخلاقیات آپ کو تعلیم کے نام پر سکھائی جاتی ہیں کہ جس کو ٹول بنا کر آپ اپنے سرمایے میں اضافہ کی خواہش پوری کر سکتے ہیں۔ یہاں کو۔ایجوکیشن کی برکت سے 80 فی صد لڑکیوں کو کلاس لیکچر میں دلچسپی نہیں بلکہ بننے سنورنے، میک اپ اور نت نئے ٹائٹس پہننے کا شوق فرمانے میں دلچسپی ہے۔

آج اگر کسی یونیورسٹی میں آپ کلاس حاضری کو غیر لازم قرار دے دیں تو کلاسز کی حاضری 20 فی صد سے بھی کم رہ جائے گی۔ اس نظام تعلیم نے ہمارے بچوں سے ان کی معصومیت کو چھین لیا ہے، ہر بچی ایک مکار عورت اور ہر بچہ ایک چالباز مرد بن رہا ہے۔ اور رہے لڑکیوں کے پرائیویٹ ہوسٹلز تو انہوں نے تو آت مچا رکھی ہے۔

ان معصوم بچوں کی جب شادیاں ہوں گی تو یہ میاں بیوی شادی کے بعد ایک دوسرے کی جاسوسی کریں گے یا پچھلی زندگی کو معاف کرنے کا حوصلہ کریں گے؟ ظاہری بات ہے دوسرا کام ہی کریں گے بلکہ یہ کام بہت تیزی سے ہو رہا ہے۔

لڑکیوں کی اعلی تعلیم: مسئلے کا حل

لڑکیوں کی یونیورسٹی تعلیم کے حوالے سے چند مسائل کی نشاندہی کی تو بعض دوستوں نے پوچھا کہ اس کا حل کیا ہے؟ کیا ہمیں اس لیے اپنی بچیوں کو یونیورسٹی نہیں بھیجنا چاہیے کہ وہاں کا ماحول بہت خراب ہے یا جدید نظام تعلیم اور نصاب تعلیم دونوں ہی انسان بنانے کی بجائے رہی سہی انسانیت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھی نکالنے میں مصروف ہیں۔ میرے نزدیک اس کا حل بائیکاٹ نہیں ہے کہ اس سے اور مسائل جنم لیں گے کہ جن کا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا۔

آج جب کوئی نوجوان مجھ سے کرکٹ دیکھنے کے بارے پوچھتا ہے تو میں اسے یہ نہیں کہتا کہ لغویات میں سے ہے، سارا دن دیکھتے رہتے ہو، کیا فائدہ، وقت کا ضیاع ہے، وغیرہ وغیرہ، اگرچہ بات ایسی ہی ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ اگر اسے دین کے نام پر کرکٹ دیکھنے سے روک دیا گیا تو سارا دن پھر وہ کچھ دیکھے گا کہ جو کرکٹ سے دس گنا برا ہو گا کیونکہ سوسائٹی کا ایمان تو بنا نہیں ہوا لہذا آپ اس سے یہ توقع کریں کہ وہ کچھ آئیڈیل کام کر کے دکھادیں گے تو یہ بے کار اور ناقابل عمل ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی آنے والی نسل جدید تعلیم اور اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہے تو درج ذیل اقدامات مفید رہیں گے:

- کوشش کریں کہ آپ کے بچے زیادہ سے زیادہ تعلیم کالج لیول پر حاصل کریں، چاہے پوسٹ گریجویٹ کالج ہو جائے، یونیورسٹی بس صرف ایک نام ہے، پڑھائی میں زیادہ سنجیدگی ہو یا مشرقی اقدار کا بقا اور فروغ مثلاً اساتذہ کا ادب واحترام وغیرہ، یہ باتیں کالج لیول پر زیادہ موجود ہیں بنسبت یونیورسٹی اور جامعہ کے۔
- اور اگر آپ نے اپنے بچوں کو یونیورسٹی میں ڈالنا ہی ہے تو ایسی یونیورسٹی کا انتخاب کریں کہ جہاں مخلوط تعلیم نہ ہو۔ ہم مخلوط تعلیم (co-education) میں آگ اور پٹرول کو ایک ساتھ رکھ کر بے وقوفوں کی طرح یہ توقع لگا رہے ہیں کہ پٹرول بی بی اور آگ میاں بہت سمجھدار ہو چکے ہیں لہذا بھڑکیں گے نہیں۔ مخلوط تعلیم کا لازمی نتیجہ آگ ہے۔ چلیں، آگ بھی بعض اوقات مفید ثابت ہو جاتی ہے، میری مراد یہ ہے کہ اگر یہ آپس میں شادی ہی کر لیں لیکن یہ نہ ہونے کے برابر ہے اور یہ آگ گھر کے ادارے کو جلانے کا ایندھن ثابت ہو رہی ہے یا ہو گی۔
- اور اگر آپ نے کسی ایسی یونیورسٹی میں بچوں کو تعلیم کے لیے ڈال ہی دیا ہے کہ جہاں مخلوط تعلیم ہے تو پھر ایک بات کا لازمی اہتمام کریں اور وہ یہ کہ ہاسٹل سے بچیں۔ کسی زمانے میں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ ہاسٹل لائف فلسفی اور ادیب پیدا کرتی ہو گی، اب تو اسمارٹ فون اور انٹرنیٹ کا دور ہے۔ لائف اسٹائل بالکل تبدیل ہو چکا، اب ہاسٹل لائف اکثر و بیشتر کی زندگی تباہ کرنے کے لیے ہے۔ آپ اپنے بچوں کو ڈے اسکالر کے طور پر یونیورسٹی بھیجیں کہ صبح کو جائیں، شام واپس آ جائیں۔ اب تو ہر ڈویژن میں یونیورسٹی موجود ہے بلکہ ضلعی سطح پر ہر دوسری بڑی یونیورسٹی کا کیمپس موجود ہے تو اس کے باوجود ایک شہر سے دوسرے شہر بچیوں کو تعلیم کے لیے بھیجنا سمجھ نہیں آتا۔

میں اپنے یونیورسٹی اسٹوڈنٹس سے اکثر کہتا ہوں کہ تم یونیورسٹی کے ماحول میں دو کام کر لو تو اللہ کے ولی ہو۔ ایک پنج وقتہ نماز نہ چھوڑو اور دوسرا ڈیٹ نہ مارو۔ تو یہاں بھی دو ہی باتیں کرنے کو کہوں گا کہ زیادہ باتوں پر عمل ہوتا بھی نہیں۔ ایک تو اپنی بچی کو ہاسٹل لائف کے فتنے سے بچا لیں ورنہ ہوم سکنس، والدین کی عدم توجہ اور معلوم نہیں کن کن بہانوں سے وہ لڑکوں کی طرف راغب ہو گی اور دوسرا یہ اہتمام کریں کہ آپ کا بچہ اور بچی دونوں گریجویشن میں قرآن مجید کے مکمل ترجمے سے گزر جائیں۔ اور قرآن کا ترجمہ بھی روایتی مولوی سے نہ پڑھیں بلکہ ان علماء اور اسکالرز سے جو قرآن کو اس کی جدید زندگی سے متعلق (relevant) کر کے دکھا دیں۔ کچھ نہ ملے تو ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ کے 108 گھنٹوں میں مکمل قرآن کا ترجمہ اور مختصر تشریح نیٹ پر دستیاب ہے، اسی سے گزر جائیں۔

مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے جب ایک سیمسٹر میں مجھ سے کچھ بچے اسلامیات پڑھتے ہیں تو اگلے سیمسٹر میں یہ کہتے ہیں کہ سر آپ سے پھر پڑھنے کو دل کرتا ہے یا بعض بچے تو کہتے ہیں کہ سر ہماری کوئی کلاس نہیں ہے، کیا آپ کی کلاس میں بیٹھ جائیں؟ تو اس دور میں جبکہ بچہ کلاس میں آنے کو تیار نہیں ہے لیکن اسے کیفے ٹیریا کی بجائے اسلامیات کی کلاس میں اپنا فارغ وقت گزارنے میں دلچسپی ہے تو اس کی ایک ہی وجہ ہے جو مجھے سمجھ آتی ہے کہ ان کے استاذ کے لیکچر میں یہ چیز ہوتی ہے کہ وہ اللہ عزوجل کی توفیق اور فضل سے ان کی اسلامیات کو ان کی روزمرہ کی زندگی سے اس طرح متعلق کر کے دکھا دے کہ شاید سائنس والے بھی اپنے سبجیکٹ کو اس طرح متعلق نہ کرتے ہوں۔ تو یہ ریلیونس بہت ضروری ہے، ورنہ قرآن مجید بھی بوجھ بن جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیکس ایجوکیشن از ارشد جاوید

پروفیسر ارشد جاوید ماہر نفسیات (clinical psychologist) ہیں۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی، امریکہ سے سائیکالوجی میں ماسٹرز کیا ہے اور وہاں ہی سے ہپناٹزم میں سپیشلائزیشن ہے۔ وہ "امریکن سوسائٹی آف کلینیکل ہپناسس" کے ممبر بھی ہیں۔ کئی ایک کتابوں کے مصنف ہیں اور خاص طور سیکس ایجوکیشن ان کا موضوع ہے۔ دینی اور مذہبی ذہن کے آدمی ہیں، پابند شرع ہیں اور غالباً جماعت اسلامی سے تعلق ہے۔ آج کل شادماں، لاہور میں کلینک کرتے ہیں۔

جنس ہماری زندگی کی ایک بہت بڑی حقیقت ہے لیکن اس سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ مشرق میں اس پر بات کرنا بھی شجر ممنوعہ کی حیثیت بن چکا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ اس کی وجوہات ہیں کہ جنہوں نے سیکس کو موضوع بحث بنایا ہے یعنی اہل مغرب، تو اس بھونڈے انداز میں کہ ایک شریف انسان کو اسے پڑھ سن کر ہی ابکائی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ ایسے میں وقت کی ایک اہم ضرورت ہے کہ مہذب اور سلجھے ہوئے انداز میں نوجوانوں کے جنسی مسائل میں ان کی رہنمائی کی جائی۔

پروفیسر ارشد جاوید صاحب نے اس موضوع پر تین کتابیں لکھی ہیں، ایک کنواروں کے لیے، دوسری شادی شدہ مردوں کے لیے اور تیسری شادی شدہ عورتوں کے لیے۔ مجھے ان کی ساری باتوں سے اتفاق نہیں ہے، ان کی بعض باتیں ایسی ہیں جو اپنے موضوع اور نتائج دونوں اعتبار سے غلط معلوم ہوتی ہیں۔ میرا سیکس کے بارے میں ایک بالکل سوچا سمجھا ہوا نکتہ نظر ہے جو ایک کل (whole) کا جز ہے۔ لیکن یہ بات ہے کہ پروفیسر صاحب نے یہ کاوش اخلاص سے کی ہے اور مارکیٹ اور انٹرنیٹ پر سیکس ایجوکیشن کے نام سے جو مواد موجود ہے، اس سے ان کی یہ کتابیں کئی گنا بہتر ہیں۔

بعض نوجوان مجھ سے بھی جنس سے متعلق مسائل پوچھتے ہیں اور مجھے معلوم ہے کہ میں اس موضوع پر اچھا لکھ سکتا ہوں کہ جنس کا بہت سا تعلق نفسیات اور لسانیات سے ہے اور ان دونوں مضامین میں مجھے طبعی دلچسپی ہے۔ لیکن پھر ایک حجاب طاری ہو جاتا ہے کہ موضوع ہی ایسا ہے کہ لکھتے وقت ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔ آپ اسے جتنا مرضی سلجھے ہوئے انداز میں بیان کر دیں، ہے تو سیکس کا موضوع ہی۔ اور یہ لفظ ہی ایسا ہے کہ ہمارے معاشروں میں اسے زبان پر لانا بھی گناہ سمجھا جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن یہ بھی تو حقیقت ہے کہ انٹرنیٹ پر سب سے زیادہ یہ موضوع پڑھا اور دیکھا جاتا ہے۔

ایسے میں فی الحال ارشد جاوید صاحب کی کتب ان نوجوانوں اور دوستوں کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں کہ جو اپنے جنسی مسائل سے پریشان ہیں۔ یہ کتابیں آپ گوگل کر کے ڈاؤن لوڈ کر سکتے ہیں۔ بس اس رہنمائی کے ساتھ ان کتابوں کو پڑھیں کہ اس موضوع پر مذہبی آدمی کے لیے کوئی آئیڈیل بکس نہیں ہیں بلکہ جو کچھ دستیاب ہے، اس میں سے بہترین ہیں۔ اور نہ ہی سیکس کو ذہن ہر سوار نہ ہونے دیں، اگر یہ ذہن پر سوار ہو گیا تو پھر آپ اپنی شخصیت کی تباہی کے رستے پر ہیں۔ سیکس انسان کی بائیولوجیکل ضرورت ہے، اس میں شک نہیں ہے لیکن پیٹ کی بھوک تو آپ مٹا سکتے ہیں، آنکھوں کی نہیں۔ تو اسے بائیولوجیکل ضرورت ہی رہنے دیں، ذہنی ہوس نہ بننے دیں۔ اور زیادہ مذہبی لوگ ان کتابوں کا مطالعہ نہ ہی کریں تو اچھا ہے۔ جزاکم اللہ خیرا۔

اچھا لکھاری

ایک دوست نے میری ایک کتاب پر تبصرہ کیا کہ اس میں یہ خامی ہے، یہ کمی ہے، اس موضوع پر آپ نے کچھ نہیں لکھا، یہ صحیح نہیں لکھا وغیرہ وغیرہ۔ دیکھیں، مجھے تو یہ دعوی کبھی نہیں رہا کہ آپ میری ہر بات کو صحیح مان لیں بلکہ یہ کہ جسے صحیح سمجھتا ہوں اسے لکھ دیتا ہوں اور یہ بھی دل سے سمجھتا ہوں کہ میرے لکھنے میں کمیاں اور کوتاہیاں ہیں جو وقت کے ساتھ دور ہوتی رہیں گے، ان شاء اللہ العزیز!

مجھے دو چیزوں کا بہت شوق ہے، اچھا لکھاری اور اچھا عالم دین بننے کا اور میں اس کے لیے مقدور بھر محنت کرتا رہتا ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے میں نے اپنی زندگی کو دس کی دہائیوں میں تقسیم کیا ہوا ہے۔ مجھے لکھتے ہوئے اور عالم فاضل کی سند حاصل کیے کوئی شاید گیارہ سال ہو چکے ہیں۔ میں نے اپنے دس سالوں کو ابتدائی سال قرار دیا ہے یعنی پہلے دس سالوں میں، میں ایک ابتدائی درجے کا عالم اور لکھاری ہوں۔ اور اس میں، میں نے کوئی پانچ کتابیں اور ایک صد کے قریب آرٹیکلز لکھے ہیں۔

اب میں اپنی منزل کے اگلی دہائی کا مسافر ہوں۔ اب کے دس سالوں میں میرا ٹارگٹ یہ ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ایک اوسط درجے کا لکھاری اور عالم بن سکوں۔ اور مجھے امید ہے کہ میں اس میں کامیاب جا رہا ہوں کہ گیارہویں سال کے آغاز سے میرے علم میں بھی بہتری آئی ہے اور میرے لکھنے کی صلاحیت بھی کافی بہتر ہو گئی ہے۔ اور اس دہائی کا ٹارگٹ اللہ کے فضل اور توفیق سے وقت سے پہلے ہی مکمل ہوتا نظر آ رہا ہے جو کہ چار کتب پر مشتمل ہے؛ صالح اور مصلح، مکالمہ، وجود باری تعالیٰ اور اسلامی نظریہ حیات۔ ان چار کتب کے اسی ترتیب سے مطالعہ سے دین کے ایک طالب علم کی فکری بنیادیں اتنی پختہ ہو جائیں گی کہ وہ زندگی کے کسی شعبہ بھی میں مار نہیں کھائے گا، ان شاء اللہ! بشرطیکہ انہیں سمجھ کر پڑھا ہو اور ہضم بھی کیا ہو۔ اگلے دس سال یعنی تیسری دہائی میں، میں یہ سمجھتا ہوں کہ میں ایک اچھا لکھاری بن پاؤں کہ جس میں عالمی سطح کے موضوعات کو اپنا موضوع بناؤں گا، ان شاء اللہ!

اس سے اگلی دہائی میں مجھے ایک عمدہ لکھاری بننے کی تمنا ہے، یعنی ایسا لکھاری جو عالمی سطح پر معروف ہو۔ اور اس سے اگلی دہائی میں مجھے ایک زبردست لکھاری بننے کی خواہش ہے اور اس سے مراد وہ لکھاری ہیں جو دنیا میں گنتی کے ہیں۔ میری منزل بہت دور ہے، سفر بہت لمبا ہے، زادِ راہ کم ہے، بس جو ہے، وہ ایک لفظ میں اللہ کی توفیق ہی ہے۔

وہ جو اپنے آپ کو اچھا لکھاری سمجھتے ہیں، ان کی خدمت میں عرض یہی ہے کہ کبھی ان کی ٹائم لائن پر ایک دن گزار لیں کہ جنہیں کچھ دوسرے اچھا لکھاری سمجھتے ہیں تو آپ کا اپنے بارے یہ تاثر جاتا رہے گا اور آپ مزید محنت کر کے کچھ بننے کی طرف آئیں گے نہ کہ خود کو ضائع کر دینے کی طرف جائیں گے۔ آپ کے لیے بھی مشورہ یہی ہے کہ لکھاری یا کچھ بھی بننا ہے تو پھر اس طرح سے بننے کی خواہش اور محنت کریں، شاید بہت سے پہلے سے ہی ایسا وژن رکھتے ہوں لیکن جن کے پاس نہیں ہے تو ان کے لیے عرض کر دی ہے۔

ایک دوست نے کہا کہ حقیقت تو یہی ہے کہ جس دہائی میں آج آپ خود کو بہترین لکھاری دیکھتے ہیں۔ اس دہائی میں پہنچ کر آپ اپنے آپ کو آج سے بھی زیادہ ناقص سمجھیں گے۔ ہاں البتہ دنیا آپ کو اچھا لکھاری کہے گی۔ غالباً سقراط کا قول ہے کہ جو اپنے عیوب سے جتنا زیادہ آگاہ ہوتا جاتا ہے اتنا ہی لوگ اسے عقلمند اور دانا سمجھتے جاتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب خرید کر مصنف سے تعاون کریں!

آج مجھے ایک ایسی عادت کو زیر بحث لانا ہے جو بہت سے علم دوست کہلانے والے ساتھیوں میں پائی جاتی ہے اور وہ میری نظر میں اچھی عادت نہیں ہے۔ اکثر طلبۃ العلم بلکہ علماء کا بھی رویہ یہ بن چکا ہے کہ انہیں کوئی کتاب خریدنی نہ پڑے اور ہر مصنف انہیں اپنی کتاب ہدیہ اور گفٹ کرے جبکہ ایسا ممکن نہیں ہے۔

میں پہلے بھی ایک تحریر میں عرض کر چکا ہوں کہ اس وقت اردو بازار کے پبلشرز کی صورت حال یہ ہے کہ کوئی آپ کی کتاب پبلش کرنے کو تیار نہیں ہے، چاہے آپ کتنے اچھے ہی لکھاری کیوں نہ ہوں، اور تو اور عطاء الحق قاسمی صاحب نے اپنے ایک کالم میں شکایت کی ہے کہ اب تو وہ دور ہے کہ ہماری کتابیں چھاپنے کے لیے بھی پبلشر پیسے مانگتے ہیں۔ اس کی کئی وجوہات ہیں؛ ایک وجہ تو یہ ہے کہ پہلے مصنفین کی تعداد کم تھی لہذا پبلشرز کو چھاپنے کے لیے کچھ چاہیے تھا اور اب لکھنے والے اتنے ہو گئے ہیں، ماشاءاللہ سے، کہ کس کس کو پبلش کیا جائے۔ اور دوسرا یہ کہ پبلشرز نے بھی اتنی کتابیں چھاپ لی ہیں کہ اب ان کے پاس مزید پرانویسٹمنٹ کی گنجائش نہیں ہے۔

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پبلشرز عموماً اس کی کتاب چھاپتے ہیں کہ جس کا عوام میں بڑا نام ہو اور دوسرا وہ کتاب ایسی ہو کہ بازار میں نکلنے والی ہو یعنی عوامی موضوع ہو لہذا تحقیقی اور تخلیقی نوعیت کے کام کو کوئی ہاتھ نہیں ڈالتا۔ ایسے میں مصنف کو اپنا شہ پارہ، ظاہری بات ہے دوسروں کے نزدیک وہ ردی ہو گا لیکن اس بے چارے کے نزدیک تو وہ شہ پارہ اور ماسٹر پیس ہی ہو گا، پبلش کروانا ہے اور عوام کے سامنے لانا ہے تو اسے انویسٹمنٹ بھی خود ہی سے کرنی ہو گی۔ اور ایک طرف وہ بے چارہ تحقیق اور تخلیق کرے اور پھر اس کو پیسے لگا کر پبلش کروائے اور اب مفت میں تقسیم بھی کرے تو یہ اس کے ساتھ بہت ظلم ہے اور علم کی ناقدری بھی۔

نوجوان اور نئے لکھاریوں کی تصانیف اور تالیفات کی پبلشنگ نہ ہونے کی وجہ سے ان کی حوصلہ افزائی نہیں ہو پاتی لہذا آپ کو تحقیق اور تالیف کے نام پر کچھ نئی چیز دیکھنے کو بھی نہیں ملتی۔ اب کچھ عرصے سے اردو بازار میں تحقیق و تصنیف کا غالب رجحان یہی بن چکا ہے کہ گناہ کبیرہ پر کتاب نکال

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیں، اس کے بعد عنوان تبدیل کریں اور محرمات اور حرام امور کے نام سے کتاب چھاپ دیں، پھر کبھی جنتی مرد چھاپ دیں اور کبھی جہنمی عورت، کبھی دس تراجم قرآن کو سامنے رکھ کر ایک نیا ترجمہ قرآن چھاپ دیں۔ کبھی حدیث کی کتاب کی ایک تخریج اور تحقیق چھاپ دیں اور کبھی دوسری۔ بس ایک ہی موضوع کو عنوان اور ٹائیٹل پیج بدل بدل کر رگڑا لگاتے رہیں۔ بس یہی تحقیق اور تخلیق ہے جو بد قسمتی سے علم و تحقیق کے نام سے باقی رہ گئی ہے کہ بازار میں اس کے گاہک موجود ہیں۔

ایسے میں اگر کوئی مصنف اس تقلیدی تحقیقی رجحان سے ہٹ کر کچھ پیش کرنا چاہتا ہے اور اس کے لیے محنت کر کے کوئی چیز سامنے لاتا ہے تو اب عوام کے اوپر ہے کہ اس کی حوصلہ افزائی اس طرح کریں کہ اس کی کتاب خرید کر پڑھیں۔ میرے خیال میں یہاں فیس بک پر کچھ نام ایسے ہیں کہ جنہیں پبلش ہونا چاہیے مثلاً احمد جاوید صاحب، ڈاکٹر زاہد صدیق مغل، ادریس آزاد صاحب اور رعایت اللہ فاروقی صاحب وغیرہ لیکن ان کے پاس نہ تو کوئی ادارہ ہے اور نہ کوئی جماعت کہ جو اپنے فنڈز سے ان کو شائع کرے۔

اور اگر ان میں سے کوئی ہمت کر کے اپنے ذاتی خرچہ پر کوئی تصنیف سامنے لاتا بھی ہے تو آپ اس کو خریدنے کے بجائے مفت حاصل کرنے کے خواہشمند ہوں گے تو آپ انہیں یہ پیغام پہنچائیں گے کہ بھئی، یہ کتاب تو شائع کر لی، اسے تو مفت تقسیم کر دو، اب اگلی کی غلطی نہ کرنا۔ ایک کتاب کی قیمت اگر دو سو ہے، یعنی آپ کو دو سو میں پڑتی ہے تو مصنف کو وہ دو لاکھ میں پڑتی ہے کیونکہ اس نے اس کے ہزار گیارہ سو نسخے پبلش کیے ہیں۔ آپ کتاب نہیں خریدیں گے تو وہ دو لاکھ کا مقروض ہو جائے گا۔

اور ویسے بھی ایک مصنف کی کتاب جب شائع ہوتی ہے تو وہ تقریباً ایک صد نسخے مفت میں تقسیم کرتا ہے، اور اگر آپ ان لوگوں میں سے ہیں کہ جنہیں فری میں نسخہ ملا ہے تو مصنف کا اچھے سے شکریہ تو ادا کر دیں۔ مشاہدے میں یہ بھی آیا ہے کہ ستر اسی فیصد علماء اور پروفیسر جن کو آپ فری میں کتاب بھجوائیں، شکریہ تو دور کی بات اتنی اطلاع بھی نہیں دیتے کہ کتاب موصول ہو چکی ہے جبکہ ان کے پاس آپ کا موبائل، ای۔ میل اور پوسٹل ایڈریس سب پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اس معاملے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں ہمیں اپنے رویوں کو ریوائز کرنے کی ضرورت ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ آپ اگلے کو تعریفی لیٹر ہی لکھیں، بس اتنا اطلاع کر دیں کہ کتابیں وصول ہو چکی ہیں۔

انٹرنیشنل امپیکٹ فیکٹر ریسرچ اور کیپٹلزم

بین الاقوامی سطح پر کسی تحقیق کے معیاری ہونے کی دو علامات ہیں یعنی آپ کی تحقیق کسی ایسے ریسرچ جرنل میں شائع ہوئی ہو کہ جو آئی-ایس-آئی انڈیکسڈ ہو یا امپیکٹ فیکٹر (impact factor) جرنل ہو۔

آئی۔ایس۔آئی (Institute for Scientific Information) کی بنیاد 1960ء میں رکھی گئی۔ یہ بنیادی طور ایک ڈیٹا بیس ہے کہ جس میں ہر ڈسپلن سے 14 ہزار کے قریب رسائل کی ایک فہرست تیار کی گئی ہے کہ جسے آئی-ایس-آئی ماسٹر لسٹ کہا جاتا ہے۔ جو مجلہ، خواہ کسی بھی ڈسپلن کا ہو، اس ماسٹر لسٹ میں شامل ہو اور اس مجلے میں آپ کا آرٹیکل شائع ہو جائے تو آپ کی ریسرچ بین الاقوامی سطح پر معیاری شمار ہوتی ہے۔ ہزاروں مجلے آئی۔ایس۔آئی کو اپنے دو سال کے شمارے بھیجتے ہیں اور آئی۔ایس۔آئی ان شماروں کی ایویلیوایشن کے بعد اسے یا تو اپنی ماسٹر لسٹ میں شامل کر لیتی ہے، یا جواب دے دیتی ہے کہ مزید بہتری کے بعد دوبارہ اپلائی کریں۔

آپ کی ریسرچ کے معیاری ہونے کا دوسرا انڈیکٹر اس کا کسی ایسے جرنل میں شائع ہونا ہے کہ جو امپیکٹ فیکٹر ہو۔ امپیکٹ فیکٹر جرنل میں ریسرچ، آئی-ایس-آئی انڈیکسڈ جرنل سے بھی زیادہ معیاری شمار ہوتی ہے۔ آئی-ایس-آئی کسی جرنل کو اپنی ماسٹر لسٹ میں شمار کرنے کے بعد اس کے امپیکٹ فیکٹر کا تعین کرتا ہے جو کہ زیرو سے سو تک ہو سکتا ہے۔ اور اسی امپیکٹ فیکٹر سے ہی علمی دنیا میں کسی جرنل کی علمی قدر کا تعین ہوتا ہے۔

اب کسی ریسرچ جرنل کا امپیکٹ فیکٹر نکالنے کا طریقہ بڑا دلچسپ ہے۔ آئی-ایس-آئی ہر سال ایک رپورٹ پبلش کرتی ہے کہ جسے جے۔سی۔آر (journal citation report) کہتے ہیں۔ اس رپورٹ میں یہ دکھایا جاتا ہے کہ آئی-ایس-آئی انڈیکسڈ جرنلز میں فلاں جرنل کو اتنے جرنلز نے اتنی بار سائٹ کیا ہے یعنی اس کا حوالہ دیا ہے تو گویا جس جرنل کو دوسرے جرنل

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سائٹ کرتے ہیں تو اس جرنل کی اہمیت بڑھ جاتی ہے لیکن یہ سائیٹ کرنے والے جرنل بھی آئی-ایس-آئی ہی کے ہوں گے، اس کی لسٹ کے باہر کے نہیں۔

کسی ریسرچ جرنل کا امپیکٹ فیکٹر یوں نکالا جاتا ہے کہ ایک جرنل کو جے سی آر کی سالانہ رپورٹ کے مطابق جتنی بار سائیٹ کیا گیا ہے، اس نمبر کو آپ اس جرنل کے دو سال کے شماروں میں چھپنے والے آرٹیکلز کی تعداد کے نمبر سے تقسیم کر دیں۔

علوم اسلامیہ میں کوئی امپیکٹ فیکٹر جرنل نہیں ہے البتہ تین جرنل آئی-ایس-آئی انڈیکسڈ ہیں۔ جن میں سے ایک "دی مسلم ورلڈ" کے نام سے ہے، یہودیوں کے ہاتھ میں، 1911ء سے شائع ہو رہا ہے، جوزف شاخت اور گولڈ زیہر وغیرہ اس میں لکھتے رہے ہیں۔ آپ آرٹیکل بھیجیں تو سال بھر تک جواب ہی نہیں دیتے کہ وصول بھی ہو گیا ہے یا نہیں۔ دوسرا "الشجرة" کے نام سے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، ملائیشیا سے نکل رہا ہے، ان کا بھی ریسپانس اخلاقی اعتبار سے نہ ہونے کے برابر ہے۔ تیسرا آکسفورڈ یونیورسٹی کا "جرنل آف اسلامک اسٹڈیز" ہے جو کہ اخلاقی اعتبار سے سب سے بہتر ہے کہ اڑھائی سے تین ماہ میں جواب دے دیتے ہیں۔ اب اگر اسلامیات والوں کو امپیکٹ فیکٹر پبلش کرنا ہے تو سوشل سائنسز میں کریں گے۔ اور پاکستان میں اسلامیات کے جتنے معیاری جرنلز پبلش ہو رہے ہیں، وہ کبھی امپیکٹ فیکٹر نہیں بن سکتے کہ وہ اردو میں ہیں اور ابھی تک امپیکٹ فیکٹر کے لیے جو ڈیٹا بیس بنا ہے، وہ انگریزی کا ہے کہ جس میں اب وہ فرانسیسی اور جرمن اور چند دیگر زبانوں کا اضافہ کر رہے ہیں۔ پس اردو میں شائع ہونے والی ریسرچ کبھی بھی امپیکٹ فیکٹر نہیں بن سکتی ہے، بھلے سو سائٹی پر اس ریسرچ کا ہزار امپیکٹ ہو۔

عالمی سطح پر جو ریسرچ شائع ہو رہی ہے تو ان میں کچھ جرنلز کو کاروباری جرنلز کہا جاتا ہے کہ وہ آپ کی ریسرچ پبلش کرنے پر آپ سے پبلیکیشن فیس لیتے ہیں۔ بعض آئی-ایس-آئی انڈیکسڈ جرنلز بھی فیس لیتے ہیں اور ایک آرٹیکل پبلش کروانے پر یہ فیس دو سو ڈالر سے دو ہزار ڈالر تک ہو سکتی ہے، جرنل کے امپیکٹ فیکٹر کے اعتبار سے۔ اور بعض آئی-ایس-آئی انڈیکسڈ جرنلز تو پبلش کرنے نہیں بلکہ محض مقالہ جمع کروانے (submission) کی بھی فیس لیتے ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہے بعد میں وہ آپ کو یہ جواب دے دیں کہ یہ مقالہ قابل اشاعت نہیں ہے۔ یہ سبمشن فیس دو سو ڈالر سے ہزار ڈالر تک ہوتی ہے، خاص طور بینکنگ اور اکنامکس کے مجلات میں۔

ڈاکٹر جیفری بیلز (Jeffry Beals) نے اس موضوع پر کافی کام کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ کسی ریسرچ جرنل کے معیاری ہونے کی بنیاد امپیکٹ فیکٹر نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے اس کی کئی مثالیں بیان کی ہیں جیسا کہ فیصل آباد، پاکستان سے شائع ہونے والے ایک تحقیقی مجلے "جرنل آف اینیمل اینڈ ویٹنری ایڈوانسز" کا امپیکٹ فیکٹر 0.390 ہے۔ سال میں اس کے 24 شمارے جاری ہوتے ہیں اور اس کثرت سے اس کی سالانہ اشاعت کے سبب سے اس میں آرٹیکل شائع کروانا آسان ہے۔ پبلشرز اس کے مقام اشاعت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مجلس ادارت میں ستر افراد موجود ہیں لیکن ان کی کسی تعلیمی ادارے یا یونیورسٹی سے وابستگی کا ذکر نہیں ہے۔ آرٹیکل شائع کروانے کی فیس بھی ہے۔ اور مجلہ بعض اوقات ایسے تحقیقی مقالات بھی شائع کر دیتا ہے جو اس کے موضوع اور میدان سے باہر ہیں جیسا کہ اس مجلہ نے Effect of Different Cure Conditions on Compressive Strength of Concrete Having Different Properties کے عنوان سے ایک آرٹیکل شائع کیا ہے۔ اب کنکریٹ کا جانوروں سے کیا تعلق ہے؟ یہ تو انجینئرنگ کا موضوع ہے نہ کہ اینیمل سائنسز کا۔

اسی طرح مجلات ایک دوسرے کو ملی بھگت کے ساتھ سائٹ کرتے ہیں کہ ان کا امپیکٹ فیکٹر بڑھ جائے۔ ایک یونیورسٹی کے پروفیسر اپنے کولیگ کو خواہ مخواہ سائٹ کرتے ہیں کہ اس کا امپیکٹ فیکٹر بڑھ جائے کیونکہ اب آئی-ایس-آئی افراد کا بھی امپیکٹ فیکٹر شائع کرتی ہے کہ ایک فرد کو کتنا سائیٹ کیا جا رہا ہے۔ یونیورسٹی کے پروفیسر اپنے ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے اسٹوڈنٹس کو کہتے ہیں کہ وہ ان کے آرٹیکلز اور جرنلز کو اپنے مقالات (theses) میں سائٹ کریں تا کہ ان کا امپیکٹ فیکٹر بڑھ جائے وغیرہ وغیرہ۔

دوسری طرف بڑے بڑے پبلشنگ ہاؤسز ہیں جو سینکڑوں بلکہ ہزاروں جرنلز شائع کرتے ہیں۔ مثلاً springer والے تقریباً 2500 ریسرچ جرنل شائع کرتے ہیں۔ پچھلے دنوں ایک ایشو کافی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ابھرا تھا کہ springer کے پانچ چھ ریسرچ جرنلز نے ایسی تحقیق شائع کی تھی کہ جس میں بعض فارماسوٹیکل کمپنیز کی میڈیسن کے مثبت اثرات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا تاکہ وہ زیادہ فروخت ہوں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ فارماسوٹیکل کمپنیز ان ریسرچ جرنلز کی اشاعت کے لیے فنڈنگ کرتی تھیں۔

تو یہ ایک پورا جال ہے کہ جس میں انڈسٹری، پبلشر، پروفیسر، یونیورسٹی، ایڈیٹر، جرنل اور انڈیکسنگ کمپنیاں ایک دوسرے سے تعاون کر رہی ہیں۔ انڈسٹری کو اپنی پراڈکٹ بیچنا ہے اور وہ تبھی زیادہ بکے گی جبکہ معیاری تحقیق کے جرنل اس کے معیاری ہونے پر مہر لگائیں گے۔ پروفیسر کو عہدے کی ترقی چاہیے جو کہ آئی-ایس-آئی اور امپیکٹ فیکٹر جرنل میں تحقیق کے شائع ہونے کے ساتھ مشروط ہے۔ پبلشر کو پبلش کرنے کے لیے انڈسٹری سے فنڈنگ چاہیے۔ یونیورسٹی کو ایچ-ای-سی کی رینکنگ (ranking) چاہیے کہ جو اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ یونیورسٹی نے کتنی ایسی ریسرچ کروائی ہے جو آئی-ایس-آئی انڈیکسڈ اور امپیکٹ فیکٹر ہے۔ ایڈیٹر کو اچھی جاب اور مقام چاہیے۔ ریسرچ جرنل کو نام چاہیے وغیرہ۔ اور حقیقی ریسرچ نہ ہونے کے برابر ہے، سب مصنوعی کام ہو رہا ہے، حوالہ یوں لگانا ہے یا یوں، مصنف کا نام لکھنا ہے یا کتاب کا نام، شکاگو مینوئل کو فالو کرنا ہے یا اے-پی-اے (APA) کو، بس تحقیق انہی رسمیات کا نام بن کر رہ گئی ہے۔ اب اگر آپ کہیں گے کہ پاکستانی فیکلٹی جو امپیکٹ فیکٹر پبلش کر رہی ہے، بہت اعلیٰ درجے کی ریسرچ ہے تو بھئی میں نے مان لیا کہ بہت اعلیٰ درجے کی ریسرچ ہے، اختلاف ختم، بس کہ کچھ اور بھی منوانا ہے ابھی۔

ہائر ایجوکیشن کمشن کی تسلیم شدہ تحقیق

ہر یونیورسٹی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کے پروفیسر صاحبان ایسی تحقیق شائع کریں کہ جسے ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC)، تحقیق شمار کرے۔ اب ایچ-ای-سی سے کوئی تحقیق تسلیم کروانے کے دو طریقے ہیں؛ ایک یہ ہے کہ آپ کسی ایسے تحقیقی مجلے میں اپنا تحقیقی مضمون شائع کروالیں کہ جو ایچ-ای-سی کا تسلیم شدہ مجلہ ہو یا آپ اپنی کتاب ایچ۔ای۔سی کو بھیجیں تو ایچ-ای-سی کی ایک ذیلی کمیٹی آپ کی کتاب کا تجزیہ کر کے اس کے بارے کوئی فیصلہ کرے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایچ-ای-سی نے تحقیق کے چار درجات مقرر کیے ہوئے ہیں؛ ڈبلیو، ایکس، وائے اور زی۔ سب سے اعلی درجے کی تحقیق ڈبلیو۔ کیٹیگری کی تحقیق شمار ہوتی ہے کہ جسے عالمی عرف میں امپیکٹ فیکٹر تحقیق کہتے ہیں۔ اس کا آسان الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ آپ کی تحقیق کسی ایسے مجلے میں شائع ہوئی ہو کہ جس مجلے کی تحقیق نے سوسائٹی میں کوئی ریسپانس پیدا کیا ہو۔ اور اگر آپ کی اپنی تحقیق نے سوسائٹی میں کوئی ریسپانس جنریٹ کیا ہو، مثبت یا منفی، تو اسے امپیکٹ کہتے ہیں اور یہ عالمی ضابطے میں اس سے بھی اعلی درجہ کی تحقیق شمار ہوتی ہے۔

یونیورسٹی کے تقاضے کے مطابق پہلے تو کوشش کی کہ علوم اسلامیہ کے کسی ایسے مجلے میں اپنا کوئی تحقیقی مضمون شائع کروا لیا جائے کہ جو ایچ-ای-سی کا تسلیم شدہ ہو لیکن ہمارے رفقاء (colleagues) کا کہنا تھا کہ بغیر ریفرنس اور خوشامد کے ممکن نہیں ہے اور ہمیں بھی یہ بات جلد ہی سمجھ آ گئی کہ ایک مجلے کو آرٹیکل بھیجا تو نو ماہ بعد ایک سطری جواب ملا کہ ناقابل اشاعت ہے اور دوسرے مجلے نے دو سال بعد جواب دیا کہ شائع نہیں ہو سکتا۔ بہر حال وہ مضامین تو انگریزی میں ترجمہ کروا کے پاکستان کے باہر سے شائع کروا لیے لیکن دوسرے رستے کو آزمانے کا سوچا کہ ایچ-ای-سی کو اپنی کتابیں بھیجوں۔

راقم نے کوئی دس علمی، فکری اور تحقیقی کتابیں لکھی ہیں اور 150 سے زائد تحقیقی مضامین شائع کیے ہیں۔ دو کتابیں ابھی ایچ-ای-سی کو بھیجی تھیں کہ ایک کتاب "اسلام اور مستشرقین" کو انہوں نے زی کیٹیگری عطا فرمائی کہ جو ایچ-ای-سی تسلیم شدہ تحقیق میں ردی تحقیق شمار ہوتی ہے، اور دوسری کتاب "مولانا وحید الدین خان" کو زی۔ کیٹگری کے قابل بھی نہ سمجھا۔ اگلی دو کتابیں بھی ایچ-ای-سی کو بھجوانے کا ارادہ تھا لیکن اب شدید مایوسی کے سبب کوئی بھی کتاب بھجوانے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ اور زیادہ دکھ اس پر ہوا کہ کتابوں کی یہ ایویلیوایشن اسلامیات کے لوگوں نے کی۔

مجھے صرف اتنا کہنا ہے کہ ایچ-ای-سی کی علوم اسلامیہ کے پروفیسروں کی ذیلی کمیٹی نے میری جس کتاب کو زی۔ کیٹیگری کے قابل بھی نہ سمجھا تو انڈیا سے دو پبلشرز نے اسے بعینہ شائع کیا ہے۔ بعض ایم فل کے طلباء نے اپنے مقالوں میں اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔ جید علماء نے اس کتاب کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحسین کی ہے، بعض نے لیٹرز بھی لکھے۔ اور اپیکٹ کسے کہتے ہیں؟ یعنی سوسائٹی آپ کی تحقیق میں سے حوالہ نہیں پوری کی پوری تحقیق کو ری پروڈیوس کر رہی ہے، اور مصنف کے کہے بغیر، تو یہ اپیکٹ نہیں تو اور کیا ہے؟

اور میری جس کتاب کو زی۔ کیٹیگری میں شمار کیا ہے، تو کئی پی۔ ایچ۔ ڈی علوم اسلامیہ کے طلباء نے کہا کہ ہم نے اپنے مقالے میں آپ کی اس کتاب سے بہت استفادہ کیا۔ بعض پروفیسرز نے کہا کہ وہ ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی کے کورس ورک میں اسلام اور مستشرقین کا کورس پڑھاتے وقت اس کتاب سے بہت استفادہ کرتے رہے۔ چار یونیورسٹیاں تو میں ذاتی طور جانتا ہوں جہاں میری یہ کتاب ایم۔ فل اور پی۔ ایچ۔ ڈی میں کورس ورک میں تجویز کی جاتی ہے۔ پچھلے ہی ہفتے ایم۔ فل کے ایک اسٹوڈنٹ نے مجھ سے رابطہ کیا کہ اسے میرے احوال زندگی چاہیے تھے تو میں نے پوچھا کہ کیا خیر ہے؟ تو اس نے بتلایا کہ اسے میری کتاب "اسلام اور مستشرقین" پر ایک اسائنمنٹ ملی ہے اور اسی سلسلے میں وہ میرے احوال بھی اس میں نقل کرنا چاہتا ہے۔ اور اپیکٹ کسی بلا کا نام ہے؟ مجھے یہ نہیں کہنا کہ میری تحقیق بہت اعلی ہے لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ جو کچھ ایچ۔ ای۔ سی کے وائے اور زی۔ کیٹیگری کے مجلوں میں شائع ہو رہا ہے، اور وہ سب کے علم میں ہے کہ کیا کچھ شائع ہو رہا ہے۔

مجھے افغانستان سے ایک بار فون آیا کہ آپ کی کتاب "چہرے کا پردہ: واجب، مستحب یا بدعت؟" کو ہم پشتو میں شائع کر رہے ہیں، شائع کرنے سے پہلے سوچا کہ جو نمبر کتاب میں دیا گیا ہے، کیا یہ مصنف ہی کا ہے، تو اسی غرض سے فون کیا تھا، آپ مصنف ہیں، میں نے کہا کہ ہاں، فون بند۔ فکر غامدی کتاب کے پانچ ایڈیشن نکل چکے ہیں، وہ الحرمین پبلیکیشنز سری نگر، مقبوضہ جموں و کشمیر سے بھی شائع ہو چکی، بلکہ دسمبر 2017ء میں اسی مکتبے نے میری کتاب "وجود باری تعالی: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں" بھی سری نگر سے شائع کر دی ہے۔ اب یہ پاکستانیوں کے لیے انٹرنیشنل پبلیکیشن بنتی ہے یا نہیں؟ اب ہماری ایچ۔ ای۔ سی اتنی بے وقوف ہے کہ سالہا سال تو انہیں یہی سمجھ نہیں آتی تھی کہ اسلامک اسٹڈیز کے لیے ایڈوانس کنٹریز (advance countries) جاپان اور امریکہ نہیں ہیں۔ انہوں نے سائنس کے مضامین کے لیے جنہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایڈوانس کنٹریز سمجھا ہوا تھا، اردو، عربی اور اسلامیات کے لیے بھی ان کی فہرست وہی تھی۔ میرا اسلامک اسٹڈیز کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ ایویلیوایشن کے لیے جاپان گیا تھا کہ وہ ان کی ایڈوانس کنٹریز کی فہرست میں شامل تھا اور پنجاب یونیورسٹی میں یہ شرط تھی کہ آپ کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ دو ایڈوانس کنٹریز میں ایویلیوایشن کے لیے جانا چاہیے۔ بھئی، عربی زبان کے مقالہ جات، ریسرچ آرٹیکلز اور تحقیق کے لیے ایڈوانس کنٹریز امریکہ، برطانیہ، چین اور جاپان نہیں بلکہ مصر، سعودی عرب اور عراق وغیرہ ہوں گے۔ اسی طرح اسلامیات کے لیے ایڈوانس کنٹریز میں سعودی عرب، مصر، انڈیا، بنگلہ دیش اور افغانستان وغیرہ ہی ہوں گے اور کون ہو گا؟

حقوق الزوجین یعنی میاں بیوی کے حقوق پر ایک کتابچہ اردو اور ہندی دو زبانوں میں ایک صاحب نے انڈیا سے شائع کروا کے مفت تقسیم کیا۔ ایک کتاب "صالح اور مصلح" سری نگر، مقبوضہ جموں وکشمیر سے شائع ہو چکی بلکہ اسلامی جمعیت طلباء مقبوضہ جموں وکشمیر نے اپنے تربیتی نصاب میں اس کتاب کو مقرر کیا ہے۔

مجلات نے میرے بیسیوں مضامین ری پروڈیوس کیے ہیں یعنی دوبارہ بعینہ شائع کیے ہیں۔ تکفیر اور جہاد پر حالیہ کتاب پر ایک دفعہ مفتی تقی عثمانی نے فون کر کے بہت مبارک باد دی۔ فکر غامدی پر ایک دفعہ مفتی منیب الرحمن نے فون کر کے تحسین کی اور اس کے کچھ ابواب بذریعہ ای۔ میل منگوائے۔ ارشاد الحق اثری صاحب نے فکر غامدی پر تحسین فرمائی، بلکہ ساتھ لگا کر دعا دی۔ زبیر علی زئی صاحب نے کہا تھا کہ میں حافظ زبیر کی ہر تحریر غور سے پڑھتا ہوں، وغیر ذلک کثیر

اور پھر مختلف طبقات نے جو میری تحریر کا جواب دیا یا میرے خلاف لکھا، یہ بھی تو ریسپانس ہی ہے۔ طالبان نے میرے خلاف پوری کتاب لکھ ماری، یہ میری تحقیق کا اسپیکٹ نہیں ہے کیا؟ ہم نے جس کو چھیڑا، اس نے جواب دیا، خوب مکالمے کیے، لوگوں نے پڑھے، وہ شائع ہوئے، اس قدر ری پروڈیوس ہوئے کہ ایک مرتبہ پنجاب یونیورسٹی کے فلاسفی ڈیپارٹمنٹ کے سابق چیئرمین جناب ڈاکٹر ابصار احمد مجھ سے کہنے لگے کہ حافظ صاحب کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کہاں کہاں شائع ہو رہے ہیں؟ اور ایسا واقعی میں ہوا ہے اور میں اس پر اللہ کا شکر گزار ہوں لیکن ایچ۔ ای۔ سی کے اس قسم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے رویوں پر دکھ ہوتا ہے کہ ایسی تحقیق کو ردی تحقیق کے درجے سے بھی گرا دیتے ہیں۔ ابھی کچھ دن پہلے پنجاب یونیورسٹی سے "سنٹر فار ہائی انرجی فزکس" کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر مسعود بلال صاحب سے ای۔ میل پر بات چیت ہوئی کہ وہ میری کتاب "وجود باری تعالیٰ: مذہب، فلسفہ اور سائنس کی روشنی میں" پر تبصرہ لکھ رہے ہیں کہ جس میں مذہب اور سائنس کے باب پر وہ خاص طور تبصرہ کریں گے۔ اور وہ تبصرہ ایچ۔ای۔سی کے بیان کے مطابق کسی عام سے جرنل مثلاً سہ ماہی "حکمت قرآن" وغیرہ میں پبلش ہو جائے گا۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہی وہ ریسرچ جرنلز ہیں کہ جو چالیس چالیس سال سے پبلش ہو رہے ہیں، معاشرے میں ان کا ایک اثر ہے اور وہ پالیسی میکنگ جرنلز شمار ہوتے ہیں، لوگ ان کے نئے شمارے کے انتظار میں ہوتے ہیں۔ رہے ایچ۔ای۔سی کے ریسرچ جرنلز تو انہیں ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے اسٹوڈنٹس کے علاوہ اس معاشرے میں کوئی نہیں جانتا کہ جس میں وہ پبلش ہو رہے ہوتے ہیں۔ اور وہ اسٹوڈنٹس بھی صرف اس لیے جانتے ہیں کہ ان کے لیے ایچ۔ای۔سی نے یہ لازم کیا ہوا ہے کہ وہ اس میں اپنا ایک ریسرچ آرٹیکل پبلش کروائیں۔ اور یہ ایچ۔ای۔سی کے ریسرچ جرنلز پبلش بھی کتنے ہوتے ہیں، بعض ڈیڑھ سو کی تعداد میں اور بعض اڑھائی سو کی تعداد میں کہ جو عموماً ان لوگوں میں ہی تقسیم ہو سکتے ہیں کہ جن کے مقالے اس شمارے میں پبلش کیے گئے ہوں کیونکہ دوسرے پروفیسرز کو بھی ان مجلات کے پڑھنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہوتی۔ ان تصدیق شدہ مجلات میں صرف ایک مجلہ ایسا تھا کہ لوگ اس کا انتظار کرتے تھے اور وہ اسلامی یونیورسٹی کا "فکر و نظر" ہے لیکن اب وہ بھی تصدیق شدہ تحقیق چھاپنے کی بھینٹ چڑھنے کی وجہ سے اپنا معیار حد درجے گرا چکا ہے۔ میرا ارادہ ہے اگر موقع ملا تو ان ایچ۔ای۔سی کے تصدیق شدہ مجلات پر علوم اسلامیہ میں کسی طالب علم کو پی۔ایچ۔ڈی کرواؤں تاکہ یہ لوگ ٹرک کی اس بتی کے پیچھے لگنے کی بجائے کسی مناسب رستے پر سفر کریں کہ جس سے کسی منزل تک بھی پہنچ پائیں۔

یہ سب باتیں اس لیے کر دی ہیں کہ بہت افسوس ہوتا ہے کہ اتنی کچھ محنت اور تحقیق کے بعد جب ہمیں یونیورسٹی کی انتظامیہ کی طرف سے سوال کیا جاتا ہے کہ آپ کیا تحقیق کر رہے ہیں؟ ابھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرا یونیورسٹی میں ٹی۔ٹی۔ایس(TTS) پر کانٹریکٹ تین سال کے بعد مزید تین سال کے لیے ہونا تھا لیکن پرنسپل سیٹ سے مجھ سے بار بار یہی پوچھا جارہا ہے کہ آپ کی ریسرچ کیا ہے؟ جب میں انہیں بتلاتا ہوں کہ میں نے کامساٹس میں پانچ سال میں پانچ کتابیں پبلش کی ہیں، جن میں سے تین انٹرنیشنل بھی ہیں، چالیس ریسرچ آرٹیکلز لکھے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں آپ کی یہ سب ریسرچ نہیں چاہیے، ہمیں وہ ریسرچ بتلائیں کہ جس کے ریسرچ ہونے پر ایچ۔ای۔سی کا ٹھپا لگا ہوا ہو۔ بھئی، حقیقی ریسرچ یہی ہے کہ جو میں کر رہا ہوں اور یہ میں یونیورسٹی میں ملازمت شروع کرنے سے آٹھ سال پہلے سے کر رہا ہوں۔ یہی ریسرچ ہے جو صحیح معنوں میں سوسائٹی پر امپیکٹ رکھتی ہے۔ میں یہ ریسرچ ملازمت کے لیے نہیں کر رہا بلکہ ایک مشنری جذبے سے کر رہا ہوں۔ ملازمت نہیں تھی تو بھی ہم یہ کام کر رہے تھے اور اگر نہیں ہو گی تو بھی یہی کر رہے ہوں گے، ان شاءاللہ۔ ہم نے اگر چنے کی ریڑھی بھی لگالی تو بھی یہ ریسرچ کر رہے ہوں گے لیکن یہ سب اتنے بڑے بڑے مہان اور امپیکٹ فیکٹر ریسرچرز ذرا یہ سوچ لیں کہ اگر ان کی ملازمت نہ رہی تو ان کی یہ ریسرچ کہاں پہنچی ہو گی تو اسی سے آپ کو اس ریسرچ کی ویلیو کا اندازہ ہو جائے گا کہ یہ سب ایکاڈیمک کیپٹلزم ہے۔

اب مجھے یہ کہا جارہا ہے کہ آپ کی ریسرچ چونکہ امپیکٹ فیکٹر نہیں تو آپ کو فارغ کر دیا جائے گا۔ مجھے ان کے ہاں سے فارغ ہونے کا ذرا بھی افسوس نہیں ہے کہ میرے پاس اللہ کے فضل سے پہلے ہی سے کئی ایک اچھی آفرز موجود ہیں لیکن مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ اتنی بڑی بڑی یونیورسٹیاں کس طرح آنکھیں بند کر کے اندھی تقلید کر رہی ہیں یا ان کی آنکھیں تو کھلی ہیں لیکن یہ ایکاڈیمک کیپٹلزم کی دوڑ میں شامل ہو چکے ہیں اور یہ سب کچھ غلط سمجھتے ہوئے مجبوری جان کر کر رہے ہیں کہ انہوں نے اس دوڑ میں آگے نکلنا ہے کہ جس میں آخری منزل کوڑے کرکٹ اور ردی کے پہاڑ نما ڈھیر ہیں۔ امپیکٹ فیکٹر ریسرچ کے نام پر فیکلٹی کی صلاحیتوں اور اوقات اور سرکار کے مال کو ضائع کیا جارہا ہے۔ میں ریسرچ کی ایویلیوایشن کے اس مروجہ نظام کے جواب میں ذیل میں ایک حکایت ہی بیان کر سکتا ہوں جو ہمارے ہاں تقریباً سارے سرکاری اداروں اور محکموں کے نظام کار کردگی پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چیونٹی صبح سویرے اٹھتے ہی اپنے کام میں مصروف ہو جاتی، دن بھر محنت کرتی، نہ صرف اسکی پروڈکشن مثالی تھی بلکہ وہ اپنے کام سے خوش بھی تھی۔ جنگل کا بادشاہ "شیر" چیونٹی کے کام سے بہت مُتاثر تھا۔ چنانچہ اس نے چیونٹی کی پروڈکشن میں خاطر خواہ اضافے اور ورک مانیٹرنگ کے لئے اس پر ایک قابل اعتماد آفیسر تعینات کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس مقصد کے لئے بھاری تنخواہ پر ایک "لال بیگ" کا انتخاب ہوا جو کہ آفس ورک کا بھرپور تجربہ رکھتا تھا۔ لال بیگ نے چیونٹی کی مانیٹرنگ اور ٹائم مینجمنٹ کے لئے آئے روز بریف لینی شروع کر دی۔ اور ان بریفنگز کی روشنی میں رپورٹس لکھنے لگا۔

ڈیلی رپورٹس لکھنے اور ٹائپنگ ورک کے لئے لال بیگ کو ایک اسٹینو کی ضرورت تھی چنانچہ اس کام کے لیے اس نے ایک "مکڑی" کو تعینات کر دیا۔ شیر، لال بیگ کے کام سے خوش تھا۔ شیر نے اس سے کہا کہ ایک گراف بنائے جس میں چیونٹی کی بڑھتی ہوئی پروڈکشن کی شرح درج ہو، تاکہ وہ جنگل کے باقی دوستوں کے سامنے اسے پیش کر سکے۔

لال بیگ نے اس کام کے لیے ایک عدد کمپیوٹر اور پرنٹر خریدا۔ اس جدید ٹیکنالوجی کے استعمال کے لیے اسے ایک عدد "مکھی" کو ہائر کرنا پڑا۔ چیونٹی جو کہ پر سکون ہو کر اپنا کام کیا کرتی تھی، اب آئے روز کی میٹنگز اور کاغذی کاروائی میں سر کھپانے لگی، چنانچہ وہ اپنے کام سے بیزار ہوتی چلی گئی۔

انہی دنوں کچھ زیر تربیت طوطے اور کبوتر جنگل میں تشریف لائے۔ شیر نے انہیں بحیثیت فیلڈ آفیسر تعینات کر دیا تاکہ کام کی جانکاری کے ساتھ ساتھ چیونٹی کی کارکردگی پر بھی نظر رکھ سکیں۔ ان نو آموز پرندوں نے فوراً ہی کام کرنے کی جگہ پر رکھی اس کُرسی پر انڈے دینے شروع کر دیے جہاں چیونٹی کبھی کبھار قیلولہ کیا کرتی تھی۔

جس ماحول میں چیونٹی کام کر رہی تھی اب جذبات سے خالی ہو چکا تھا۔ چیونٹی کا جوش و خروش ٹھنڈا پڑنے لگا۔ رپورٹنگ بڑھتی چلی گئی اور فیلڈ ورک کم ہوتا گیا جس کے نتیجے میں آفس پروڈکشن کم سے کم تر ہوتی چلی گئی جب اس پیداواری خسارے کی رپورٹ شیر تک پہنچی تو اس نے ایک اچھی پرسنیلیٹی والے "الو" کو اپنا مشیر بنا لیا اور حکم دیا کہ پروڈکشن میں کمی کی وجوہات معلوم کر کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسائل کا حل نکالا جائے۔

الونے اس کام میں تین مہینے لگائے اور کئی جلدوں پر مشتمل ایک رپورٹ تیار کی، اور اس نتیجے پر پہنچا کہ، مشکلات کی اصل وجہ، ورکرز کی زیادہ تعداد ہے۔ لہذا ورکرز کی تعداد کو کم کرنے کے لئے شیر کے حکم پر ڈاؤن سائزنگ کی گئی اور چیونٹی کو نوکری سے نکال دیا گیا۔

حقیقت یہی ہے کہ ایچ۔ای۔سی کے تصدیق شدہ مجلات میں شائع ہونے والی تحقیق، ریسرچ نہیں کاروبار ہے، مناپولی ہے، اصل تحقیق تو وہی ہے جو محدث، الشریعہ، حکمت قرآن وغیرہ جیسے دینی اور عوامی مجلوں میں شائع ہوتی ہے کہ جو معاشرتی مسائل پر ہو اور معاشرے میں ریسپانس پیدا کرے۔ اور حقیقت تو یہی ہے کہ اگر سید سلمان ندوی، اور ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق بھی ان کمیٹیوں کو ان کے نام کے بغیر بھجوادی جائے تو وہ بھی زی۔ کیٹیگری کے لائق بھی نہ ہو۔ ایسے میں یہی سمجھ آتا ہے کہ نوجوان محققین مایوس نہ ہوں، لکھتے رہیں، اپنی تحقیقی صلاحیتوں کو نکھارتے رہیں، اور معاشرے کے جیتے جاگتے مسائل پر لکھیں، مستقبل کا قاری یہ فیصلہ کرے گا کہ آپ کتنے بڑے محقق تھے، اور ان کے بارے میں بھی، کہ یہ ایویلیوایشن کرنے والے کیا تھے؟

اور وہ وقت بھی آئے گا کہ پی۔ایچ۔ڈی مقالوں کے سپروائزروں کے مقالہ جات اور ان کے ایچ۔ای۔سی سے تسلیم شدہ تحقیقی مجلوں پر تحقیق کی جائے گی تو واضح ہو جائے گا کہ ایویلیوایشن کمیٹی کی اپنی تحقیق کا معیار کیا ہے یا ایچ۔ای۔سی ریسرچ جرنلز میں پبلش ہونے والی اس ردی تحقیق نے معاشرے کے کیا مسائل حل کیے ہیں تو خود بخود ہی اس بارے ایچ۔ای۔سی کے رویوں میں توازن پیدا ہو جائے گا۔ یورپ میں تو ایسے ریسرچ جرنلز بھی ہیں کہ جن کا تخصص ہی مذہبی ریسرچ کا تجزیہ ہے کہ وہ کس پائے کی ہے۔ بہر حال جو لوگ ہمیں جانتے ہیں، سو جانتے ہیں۔ جو پڑھتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ ہماری تحقیق کا کیا معیار ہے۔ اور اب وعظ کرنے کی آپ کی باری ہے اور میں ہمہ تن گوش ہوں۔

آکسفورڈ جرنل آف اسلامک اسٹڈیز

آکسفورڈ جرنل آف اسلامک اسٹڈیز علوم اسلامیہ کا ایک سہ ماہی مجلہ ہے جو آکسفورڈ سنٹر آف

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامک اسٹڈیز، آکسفورڈ یونیورسٹی سے شائع ہوتا ہے۔ اسے بین الاقوامی سطح پر علوم اسلامیہ کا ایک معیاری مجلہ شمار کیا جاتا ہے۔ ایچ۔ای۔سی (HEC) اس میں پبلش شدہ آرٹیکلز کو ایکس (X) کیٹیگری میں شمار کرتی ہے کہ یہ آئی۔ایس۔آئی انڈیکسڈ (ISI Indexed) جرنل ہے۔

بلاشبہ آکسفورڈ جرنل میں معیاری آرٹیکلز بھی شائع ہوتے ہوں گے لیکن کچھ آرٹیکلز تو آکسفورڈ جرنل ہو یا "دی مسلم ورلڈ" جو کہ ایک صدی سے شائع ہو رہا ہے، میں بھی ایسے شائع ہوتے ہیں کہ جنہیں پہلی نظر میں ہی بھرتی کے یا سفارشی آرٹیکلز کہا جا سکتا ہے لہذا اب ایچ۔ای۔سی (HEC) کو اس سطحی معیار سے نکل آنا چاہیے کہ کسی ریسرچر کی تحقیق کی ویلیو کا اندازہ کسی ایسے ریسرچ جرنل میں پبلش ہونے سے لگایا جائے جو کہ آئی۔ایس۔آئی انڈیکسڈ یا امپیکٹ فیکٹر ہو۔

آکسفورڈ جرنل آف اسلامک اسٹڈیز کے نومبر 2017ء کے حالیہ شمارے میں ایک آرٹیکل اس عنوان سے پبلش ہو رہا ہے؛ Paradise and Hell in Islamic Traditions By Christian Lange۔ اب جنہوں نے مدرسہ سے پڑھا ہے یا پرائیویٹ ایم۔اے اسلامیات بھی کر لیا ہے تو اسے بھی معلوم ہے کہ "احادیث مبارکہ میں جنت اور جہنم" کے عنوان پر لکھنا کس قدر تحقیقی کام ہو سکتا ہے؟ بہر حال اگر مقالے کا عنوان خوبصورت اور جاذب نظر ہو تو اس کا مطلب بھی یہ نہیں ہوتا کہ اس میں کچھ عمدہ ہی پیش کیا گیا ہو گا۔ بس ایسی صورت حال میں انگریزی زبان میں تحقیقی مقالے کا ہونا ہی اس کے تحقیقی ہونے کی واحد بنیاد رہ جاتا ہے کہ جو چیز انگریزوں کی زبان میں پبلش ہو رہی ہو تو معیاری تو ہو گی ناں۔

پاکستانی پروفیسرز ہزاروں امپیکٹ فیکٹر اور آئی۔ایس۔آئی انڈیکسڈ ریسرچ آرٹیکلز سائنس، سوشل سائنسز اور ہیومینیٹیز میں پبلش کر رہے ہیں لیکن وہ سب ریسرچ ردی کی ٹوکری میں جا رہی ہے البتہ ریسرچ انڈیکیٹرز یہ شو کر رہے ہیں کہ پاکستان میں بلا کی ریسرچ ہو رہی ہے۔ ریسرچ اس طرح کی فنکاریوں اور ڈرامے بازیوں کو تھوڑا کہتے ہیں کہ جیسے آرٹیکلز پبلش کروانے کی میراتھن ریس لگی ہو۔ وہ تو فطری انداز میں ہوتی ہے تو تخلیق پیدا ہوتی ہے۔ رہے امپیکٹ فیکٹر مجلات تو وہ ایک کاروبار بن چکے جہاں ریسرچ پیسے لگانے سے پبلش ہوتی ہے۔ پہلے پبلشنگ یا پروسسنگ فیس ہوتی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تھی اور اب تو سبمشن فیس بھی ہے کہ مقالہ پبلش ہو یا نہ ہو، مقالہ جمع کروانے کی فیس آپ نے ضرور جمع کروانی ہے۔ اب ایکاڈیمک کیپٹلزم کے نام سے ریسرچ کی دنیا میں بھی اس پر بہت کچھ لکھا جارہا ہے۔ پس ایکاڈیمک پبلشنگ ایک فن اور آرٹ بن چکی ہے کہ جس میں فنکار اور گزارے لائق ٹیچر خوب پبلش کر رہا ہے جبکہ اچھا استاذ پیچھے جارہا ہے۔

میں ایک چھوٹا سا آرٹیکل لکھتا ہوں، وہ سوشل میڈیا پر شائع ہوتا ہے، چالیس پچاس ہزار اس کے ویورز ہوتے ہیں، ایک دو ہزار اس کے فیس بک شیئرز ہو جاتے ہیں، بیسیوں کمنٹس آتے ہیں، یعنی آپ کی تحریر سوسائٹی میں ریسپانس جنریٹ کر رہی ہے اور اسی کو امپیکٹ فیکٹر کہتے ہیں۔ یہ کون سا امپیکٹ فیکٹر ہے کہ آپ پاکستان میں بیٹھے ہیں، مسئلہ امریکہ کا ڈسکس ہو رہا ہے، شائع برطانیہ میں ہو رہا ہے، اور اس کو پڑھنے والے دو بندے ہیں؛ ایک آپ اور دوسرا اس مجلے کا ایڈیٹر۔ اور مجلے کا امپیکٹ فیکٹر بڑھانے کے لیے اس کے آرٹیکلز کو مصنوعی طور پر ریفر کیا جارہا ہے۔ فی الحال واقعی صورت حال تو یہ ہے کہ اسلامیات کے وہ ریسرچ جرنلز جو ایچ۔ای۔سی سے منظور شدہ نہیں ہیں اور انہیں اس کی پرواہ بھی نہیں ہے، وہ معاشرے کے پاکستانی معاشرے کے حقیقی مسائل کو نہ صرف ڈسکس کر رہے ہیں بلکہ ان کا حل بھی پیش کر رہے ہیں اور ان کی ریڈرشپ بھی ان ایچ۔ای۔سی سے منظور شدہ تحقیقی مجلات سے بہت زیادہ ہے۔

ہم کب تک ٹرک کی بتی کے پیچھے لگے رہے گے۔ اگر واقعتاً میں یونیورسٹیز اور ایچ۔ای۔سی کو کچھ تخلیقی کام چاہیے تو پروفیسرز کو کتابیں لکھنے پر آمادہ کریں اور انہیں یونیورسٹی کا پبلشنگ ہاؤس شائع کرے۔ اور کتاب لکھنے کی طرف لانے سے پہلے انہیں حقیقی موضوعات پر لکھنے کی ٹریننگ دیں اور اس کی ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انہیں سوشل میڈیا پر لکھنے کے لیے انسینٹیو (incentive) دیں، یہاں سے وہ وہ لکھنا سیکھیں جو ان کے معاشرے کی ضرورت ہے یا جو ان کے معاشرے کے مسائل ہیں یا جن پر لکھنے سے واقعتاً میں معاشرے میں کوئی ریسپانس جنریٹ ہوتا ہے۔ پھر اس لکھے کو بھلے آئی۔ایس۔آئی انڈیکسڈ میں پبلش کریں یا امپیکٹ فیکٹر میں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقالہ جات کے سپر وائزروں کی خدمت میں

پاکستان میں بہت سی یونیورسٹیاں علوم اسلامیہ میں ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کروا رہی ہیں۔ غالباً صرف لاہور شہر میں ہی کوئی دس بارہ یونیورسٹیاں تو نکل ہی آئیں گی۔ اور بعض پرائیویٹ یونیورسٹیاں تو گویا تھوک کے حساب سے ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی میں ایڈمشن کرتی ہیں۔ پس اس وقت طلباء کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو کہ ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی میں رجسٹرڈ ہے۔

میرا تعلق چونکہ علوم اسلامیہ سے ہے لہذا ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے طلباء اپنے مقالہ جات کے عناوین کے انتخاب، خطۃ البحث (synopsis) کی تیاری، مواد کے حصول، حوالے کی کتب (reference books) کی تلاش اور مقالہ لکھنے کے طریق کار وغیرہ کے حوالہ سے رابطہ کرتے ہیں۔ راقم نے بلاشبہ اس سلسلے میں بیسیوں طلباء کی رہنمائی کی ہے لیکن اب آکر احساس ہوتا کہ اپنے پیٹی بھائیوں سے ایک شکوہ کر لینا چاہیے۔ پچھلے دنوں مولانا سمیع اللہ سعدی اور سید عبد المتین صاحب نے بھی اس پر کچھ گفتگو کی ہے کہ کیا علماء کو طلباء کی یہ رہنمائی مفت کرنی چاہیے؟ کیا اس سے ان کے سپر وائزر اونکے نہیں ہو جائیں گے؟

ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے طلباء جس طرح رُل رہے ہوتے ہیں، اس کا ذمہ دار کون ہے؟ یہ طلباء دھکے کھا کر کسی لائبریرین سے یا کسی عالم دین سے یا کسی دینی ادارے سے کچھ نہ کچھ رہنمائی لے ہی لیں گے، لیکن آپ کو سپر وائزر بنانے کا مقصد کیا تھا؟ میرے علم میں ہے کہ بعض یونیورسٹیاں اس کام کے لیے سپر وائزر حضرات کو باقاعدہ ادائیگی (pay) کرتی ہیں۔ تو یہ اسی لیے ہے کہ یہ طلباء آپ کی ذمہ داری ہیں۔

میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ کے طلباء عنوان کے انتخاب اور سائن آپسس (synopsis) کی تیاری میں دوسروں سے مشورہ نہ کریں۔ بھئی، یہاں جب وہ دوسروں سے مشورہ کرنے آتے ہیں تو طالب علم کی بات چیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سپر وائزر صاحب کچھ نہیں کر رہے۔ انہیں صرف اس بات سے غرض ہے کہ میرے سی۔وی (CV) میں یہ لگ جائے گا کہ میں نے اتنے بچوں کو ایم۔فل یا پی۔ایچ۔ڈی کروایا ہے۔ یا انہیں صرف یہ غرض ہے کہ انہیں ایک مقالہ سپر وائزر کرنے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر اتنے پیسے مل جائیں گے۔

مجھے معلوم ہے کہ یہ طلباء اپنے مقالہ کے مقدمہ میں سب سے زیادہ شکریہ کا اظہار آپ کے لیے کریں گے کہ انہیں معلوم ہے کہ ابھی وائیوا (VIVA) ہونا باقی ہے لیکن یہی طلباء جب عنوان، سائن آپسس، مقالے کی تیاری کے لیے دھکے کھا رہے ہوتے ہیں تو وہ آپ کے لیے ایک چلتی پھرتی ایڈورٹزمنٹ ہوتے ہیں۔ آپ اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہ ہو کر نہ صرف آخرت کو خراب کرتے ہیں بلکہ اپنی دنیا بھی تباہ کر لیتے ہیں۔

اگر ایک بچے نے آپ کے ساتھ ہی مقالہ کرنا ہے، اور مان لیا کہ آپ کا وہ ریسرچ ایریا نہیں بھی ہے اور آپ کو اس بارے زیادہ معلومات نہیں ہیں، تو خود اسے ایسے پروفیسر اور محقق کے پاس لے کر جائیں کہ جس کا وہ ریسرچ ایریا ہے۔ آخر کب تک آپ کے بچے دوسروں سے وقت اور رہنمائی کی بھیک مانگتے رہیں گے۔ یا تو آپ اہل نہیں ہیں کہ مقالہ میں سپر وائزر بن سکیں یا پھر اہل ہیں لیکن کام چور ہیں تو دونوں صورتوں میں آپ مجرم ہیں۔ اور اس جرم کی تلافی اسی صورت ممکن ہے کہ آپ اپنے بچے کے ساتھ ممکن تعاون کریں۔ کیا آپ میں سے کوئی ایسا ہے کہ جو اپنے طالب علم کی ایم۔فل اور پی۔ایچ۔ڈی میں اتنی ہی رہنمائی کرتا ہو جتنا کہ اگر اس کی جگہ اس کا بیٹا ہوتا تو وہ رہنمائی کرتا؟ اگر نہیں تو غور کا مقام ہے۔

یونیورسٹیوں کی درجہ بندی

پوری دنیا میں یونیورسٹیوں کی درجہ بندی (Universities Ranking) کا ایک نظام قائم ہے۔ اس درجہ بندی کے ذریعے ہر یونیورسٹی کا ایک رتبہ قائم کیا جاتا ہے جیسا کہ QS World university Ranking عالمی سطح پر یونیورسٹیوں کی درجہ بندی کے لے معروف ہے۔ یہ ہر سال ایک کتاب پبلش کرتے ہیں کہ جس میں دنیا کی بڑی یونیورسٹیوں کی اس سال کے اعتبار سے درجہ بندی کرتے ہیں کہ ایم۔آئی۔ٹی (MIT) یونیورسٹی 2016ء میں پہلے نمبر پر رہی، ہارورڈ تیسرے پر اور کیمبرج چوتھے پر اور اسی طرح فلاں یونیورسٹی ہزارویں نمبر پر رہی۔ پورے عالم اسلام کی صرف ایک یونیورسٹی ہے جو اس عالمی رینکنگ میں پہلی پانچ سو یونیورسٹیوں میں شامل ہے۔ اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسے بڑی تشویش ناک صورت حال بیان کیا جاتا ہے۔

یہی کام پاکستان میں ہائر ایجوکیشن کمشن ہر سال کرتا ہے کہ اگلے سال کے آغاز میں پچھلے سال کی یونیورسٹی درجہ بندی کا ایک ڈاکومنٹ شائع کرتا ہے اور پاکستان کی تقریباً 180 یونیورسٹیوں میں سے کون سی یونیورسٹی پہلے، دوسرے، تیسرے نمبر پر رہی، اس کا اعلان کرتا ہے۔ یونیورسٹیاں پہلی دس پوزیشنز (top ten) میں رہنے کی کوشش کرتی ہیں کہ اس سے انہیں زیادہ سے زیادہ ایڈمشن ملتے ہیں کیونکہ طالب علم کے نزدیک کسی یونیورسٹی میں ایڈمشن کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک بڑی بنیاد یونیورسٹی کی رینکنگ ہوتی ہے۔

عالمی سطح پر بھی اور پاکستان میں بھی جب یونیورسٹیوں کی درجہ بندی کی جاتی ہے تو اس کے لیے ایک معیار مقرر کیا گیا ہے کہ یونیورسٹی نے اتنی ریسرچ پبلش کی ہے یا یونیورسٹی ان ان ڈسپلن میں یہ یہ ڈگریاں آفر کر رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس سارے معیار کا خلاصہ اگر ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو یہ ہے کہ یونیورسٹی کا سائنس کی اعلی تعلیم کے فروغ میں کتنا کردار ہے یا یونیورسٹی سائنس میں کس قدر اور کتنی اعلی ریسرچ پبلش کر رہی ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا سائنس کی تعلیم و تحقیق کو یونیورسٹیوں کی درجہ بندی کا بنیادی معیار ہونا چاہیے؟ ہم اس وقت بے وقوفوں کی طرف ٹرک کی بتی پیچھے لگے ہیں۔ سائنس تو امر واقعہ کو جان لینے کا نام ہے، ایک چیز ہے، اس پر پردہ تھا، آپ نے پردہ ہٹا دیا، وہ سامنے آ گئی، تو سائنس کی حقیقت تو محض اکتشاف (discovery) ہے نہ کہ تمیز (differentiation)۔ اور اصل علم تو وہ ہے جو تمیز پیدا کرے، حق و باطل میں، خیر و شر میں۔ اور سائنس تو یہ کام بالکل نہیں کرتی۔ دوسری بات یہ کہ سائنس کا موضوع مادہ (matter) ہے، آپ اسے جاننے میں لگے ہیں۔ سائنس میں انسان کوئی موضوع ہے ہی نہیں اور اگر کہیں انسان موضوع ہے بھی جیسا کہ میڈیکل سائنس میں تو وہاں بھی بطور ایک مادہ کے ہے یعنی بائیولوجیکل تھنگ کے طور پر۔

باقی ہیومینیٹیز (Humanities) کے علوم میں انسان کو موضوع بنایا گیا ہے لیکن انہیں کوئی سائنس مانتا ہی نہیں ہے۔ آج تک سائیکالوجی والے لڑ رہے ہیں کہ ہمیں سائنس مانا جائے۔ تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو کائنات کا دولہا تھا یعنی انسان، اس کے بارے جاننا تو سائنس نہیں ہے لیکن مٹی گارے کے بارے جاننا عین سائنس ہے اور بہت اعلیٰ علم ہے۔ آپ کی انجینئرنگ کیا ہے؟ مٹی گارے کا علم ہی تو ہے۔ پس زیادہ بڑا عالم وہ ہے جو انسان کو نہیں مٹی کو زیادہ جانتا ہو۔ اور اصل علم کہ جو علم حقیقی ہے، یعنی حق و باطل میں فرق کرنے اور خیر و شر میں تمیز کرنے والا علم، جسے ہم وحی کا علم کہتے ہیں، اسے کوئی علم ماننے کو ہی تیار نہیں ہے۔ اس دنیا میں علم کے نام پر کیا کچھ ہو رہا ہے، ہمارے پاس سوچنے کا وقت نہیں ہے، کیونکہ ہم سوچ میں پڑ گئے تو ٹرک آگے نکل جائے گا اور ہم نے ہر صورت ٹرک کی بتی کو ہاتھ لگانے کا عزم کیا ہوا ہے۔

انٹرنیشنل اسلامک ریسرچ سینٹر کا قیام

خواہشات تو انسان کی بہت سی ہوتی ہیں، دینی بھی اور دنیاوی بھی۔ ایک خواہش یہ بھی ہے کہ ایک بہت عظیم الشان مرکز تحقیق یعنی ریسرچ سنٹر ہونا چاہیے جو مغرب کے مقابلے میں عالم اسلام کی نمائندگی کرے۔ اتنا بڑا ریسرچ سنٹر کہ جیسے سعودی عرب میں جامعۃ الامام ہے یا کم از کم جیسے لاہور میں پنجاب یونیورسٹی ہے۔ جامعۃ الامام تو فیصل آباد شہر جتنی بڑی یونیورسٹی ہے اور پنجاب یونیورسٹی بھی کوئی چھوٹی نہیں ہے۔

اس ریسرچ سنٹر میں اسی طرح شعبہ جات یعنی ڈیپارٹمنٹس ہوں جیسا کہ یونیورسٹی میں ہوتے ہیں لیکن یہ شعبہ جات صرف سوشل سائنسز اور ہیومینیٹیز کے ہوں یعنی فلاسفی، سائیکالوجی، اکنامکس، پولیٹیکل سائنس، سوشیالوجی، انٹرنیشنل ریلیشن، آرکیالوجی، اینتھراپالوجی، لاء، ایجوکیشن، لینگویجز، تقابل ادیان، مذاہب عالم، اسلام اور ایریا اسٹڈیز سینٹرز اور جینڈر اسٹڈیز سینٹرز وغیرہ لیکن ان میں کام صرف تحقیق اور ریسرچ کا ہو یا اس کی طباعت اور پبلشنگ کا۔

ان شعبوں اور ڈیپارٹمنٹس میں کتب اور ریسرچ جرنلز پبلش کیے جائیں اور یہ تحقیق، تحقیق برائے تحقیق نہ ہو بلکہ ہر ڈسپلن میں تحقیق کا مقصد واحد، حق و باطل کی پہچان اور خیر و شر کی تمیز ہو۔ اور اس تحقیق کے نتائج انسان کو اللہ کے نزدیک کر دیں۔ اس ریسرچ سنٹر میں دنیا کے ایسے بہترین مسلمان محققین کو جمع کیا جائے جو کچھ کرنے کا جذبہ یا وژن رکھتے ہیں اور انہیں بہترین وسائل مہیا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیے جائیں کہ وہ یکسوئی سے یہ کام سرانجام دے سکیں۔

اتنا بڑا ریسرچ سنٹر کام کیا کرے گا؟ تو کام کرنے کو بہت ہیں۔ اگر یہ اسلام کا ایک مثبت انسائیکلوپیڈیا ہی مرتب کر دے یا ہر ڈسپلن میں پیدا کیے گئے مغربی الحاد کا جواب ہی دے دے تو یہ بھی بہت بڑی خدمت ہے۔ یہودی اور عیسائی مستشرقین نے ایک صدی میں پندرہ جلدوں میں ایسا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام تیار کر دیا ہے کہ انگریزی پڑھے لکھے طبقے میں سے ہر خاص وعام کا اسلام کے بارے معلومات حاصل کرنے کا مصدر اول ہے۔ اب تو وہ قرآن مجید پر بھی چار جلدوں میں انسائیکلو پیڈیا تیار کر چکے ہیں۔

پھر دوسری زبانوں میں اسلامی لٹریچر کی منتقلی بھی ایک بڑا کام ہے۔ عربی سے اردو میں ترجمہ تو ہو رہا ہے لیکن اردو میں فکر اسلامی سے متعلق بہت سا مواد ایسا موجود ہے کہ اسے انگریزی اور عربی میں منتقل کرنا وقت کی ایک اہم ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ جہاں ریسرچ سینٹر ہو، وہاں ہی محققین کی رہائش گاہیں ہوں، مارکیٹ ہو، مسجد ہو، پارک ہو، عظیم الشان لائبریری ہو، میڈیکل کی سہولت میسر ہو وغیرہ۔ اور چوبیس گھنٹے لائبریری کھلی ہو کہ لوگ مشن بنا کر اس کام کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔

لیکن یہ پراجیکٹ اتنا بڑا ہے کہ کوئی حکومت ہی اس کا بیڑا اٹھا سکتی ہے کہ خرچہ ہی خرچہ ہے اور آمدن کچھ نہیں ہے۔ اور حکومتی سطح پر ہی یہ ممکن ہے کہ بہترین ریسرچرز کو اتنی تنخواہ فراہم کرے کہ جو مارکیٹ کے مطابق ہو تاکہ وہ آئے روز ملازمتیں تبدیل کرنے یا اوور ٹائم لگانے کی بجائے یکسو ہو کر کام کر سکیں۔ البتہ ریسرچ اگر انٹرنیشنل لیول کے تقاضوں کے مطابق ہو تو اس کی پبلشنگ سے کسی قدر خرچے پورے کیے جا سکتے ہیں۔

یونیورسٹی میں ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) پر ملازمت: ایک جائزہ

پاکستانی یونیورسٹیوں میں اس وقت ہائرنگ دو طرح سے کی جاتی ہے؛ بی۔پی۔ایس (BPS) پر اور ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) پر بھی۔ بی۔پی۔ایس سے مراد "بیسک پے اسکیل" ہے کہ جو تعلیمی اور دیگر سرکاری اداروں میں ہائرنگ کا پرانا طریقہ کار ہے اور عرصہ دراز سے چلا آ رہا تھا۔ اسے عرف عام

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں "پکی نوکری" کہا جاتا ہے۔ اس میں پینشن اور دیگر سرکاری سہولیات وغیرہ بھی ملازم کو میسر ہوتی ہیں۔

کچھ عرصہ سے تعلیمی سیٹ اپ میں پروفیسرز کی ہائرنگ کا ایک نیا طریق کار متعارف کروایا گیا ہے کہ جسے ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) کہا جاتا ہے۔ اسے اس قدر پروموٹ کیا گیا ہے کہ اب سرکاری یونیورسٹیاں تقریباً 95 فی صد ہائرنگ ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) پر کرتی ہیں کہ جس کا مطلب ہے "ٹینور ٹریک سسٹم"۔ یہ عرف عام کے مطابق "پکی نوکری" نہیں ہے اور نہ ہی اس میں پینشن یا دیگر سہولیات موجود ہوتی ہیں۔

یونیورسٹی ایک پی۔ایچ۔ڈی کو ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) پر تین سال کا کانٹریکٹ دے کر اسسٹنٹ پروفیسر کا عہدہ دیتی ہے جو کہ انیسیواں اسکیل بنتا ہے۔ یہ کانٹریکٹ مزید تین سال کے لیے ایکسٹینڈ ایبل ہوتا ہے۔ ان چھ سالوں کی کارکردگی سے اگر یونیورسٹی غیر مطمئن یا مطمئن ہو تو اس کے بعد یا تو فراغت ہو سکتی ہے یا ٹینور ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ایسوسی ایٹ پروفیسر اور پروفیسر کے لیے چار سال کا کانٹریکٹ ہوتا ہے۔ ان چار سالوں کی کارکردگی سے اگر یونیورسٹی غیر مطمئن یا مطمئن ہو تو اس کے بعد یا تو فراغت ہو سکتی ہے یا ٹینور ہو سکتا ہے۔ "کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک۔"

ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) کا فائدہ پروفیسر کو یہ ہے کہ اس میں تنخواہیں بی۔پی۔ایس (BPS) سے زیادہ ہیں لیکن لم سم پے (lump sum pay) ہے۔ ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) پر ایک اسسٹنٹ پروفیسر کی تنخواہ ایک لاکھ اٹھائیس ہزار سے شروع ہوتی ہے جبکہ بی۔پی۔ایس (BPS) پر اسسٹنٹ پروفیسر کی تنخواہ اس سے کافی کم ہوتی ہے۔ یونیورسٹی کو فائدہ یہ ہے کہ اس کے بقول اس سے پروفیسر کی پرفارمنس بڑھ جاتی ہے کہ پروفیسر کو یہ ڈر ہوتا ہے کہ اچھی پرفارمنس نہ دکھائی تو یونیورسٹی کانٹریکٹ کو ایکسٹینڈ نہیں کرے گی۔

یونیورسٹی کو دوسرا فائدہ مالی ہے کہ ایچ۔ای۔سی (HEC) اُس فیکلٹی کی تنخواہوں میں اپنا خاطر خواہ مالی حصہ ڈالتی ہے کہ جو ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) پر ہوں لہذا یونیورسٹیاں ایچ۔ای۔سی (HEC)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے پیسہ لینے کے لیے بھی ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) پر ہائرنگ کرتی ہیں۔ ایچ۔ای۔سی (HEC) کا فائدہ یہ ہے کہ اس نے یہ بائونڈ کیا ہوا ہے کہ ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) اسسٹنٹ پروفیسر سال میں دو ریسرچ پیپرز چھاپے گا جو کہ معیاری ریسرچ جرنلز میں شائع ہونے چاہییں اور اس سے ملک میں ریسرچ کا معیار بلند ہو گا۔

یونیورسٹی کو یہ بھی فائدہ ہے کہ ایچ۔ای۔سی (HEC) جو یونیورسٹیوں کی سال بھر کی رینکنگ کرتی ہے تو اس میں پہلے نمبر پر ریسرچ کو رکھا گیا ہے کہ جس کے 100 میں سے 41 نمبرز ہیں اور ٹیچنگ کے نمبرز اس سے کم ہیں کیونکہ اب ریسرچ کی اس دوڑ میں وہ کسی کا مقصود نہیں رہی ہے نہ ایچ۔ای۔سی (HEC) کا اور نہ ہی یونیورسٹی کا۔ لہذا جو پروفیسر پیپر چھاپ رہا ہے، وہ قابل بھی ہے اور منظور نظر بھی، بھلے کلاس لینے کی اہلیت نہ بھی رکھتا ہو۔

ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) میں سب سے زیادہ نقصان پروفیسر کا ہے۔ شروع میں زیادہ تنخواہ اچھی لگتی ہے، لوگ ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) جوائن کر لیتے ہیں۔ بلکہ اب تو یونیورسٹیاں خیر اس کے علاوہ آپشن ہی نہیں دیتی۔ بی۔پی۔ایس (BPS) پر ہائرنگ ختم ہو چکی ہے بلکہ جو پرانے ہیں، انہیں بھی گھسیٹ کر ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) میں لانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ تین سال گزارنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے معیاری جرنلز میں کوئی پبلیکیشن نہیں کی لہذا یونیورسٹی آپ کا کانٹریکٹ ایکسٹینڈ کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتی ہے۔

اب معیاری ریسرچ جرنلز میں پبلشنگ بھی ایک پورا ڈرامہ اور فنکاری ہے کہ جس کے بارے ہم پہلے کئی ایک تحریریں شیئر کر چکے ہیں۔ چھ چھ اور سات سات پروفیسرز مل کر ایک مقالہ شائع کرتے ہیں کہ کم از کم سات آٹھ تک کے ایک ساتھ مقالہ لکھنے کی اجازت ہے۔ ایسے میں مقالہ لکھنے والے ایک دو ہی ہوتے ہیں، باقیوں کی جاب بچانے کے لیے ان سے فی سبیل اللہ تعاون کیا جاتا ہے یا پبلشنگ فیس میں حصہ ڈلوایا جاتا ہے۔ ایسے معیاری امپیکٹ فیکٹر ریسرچ جرنلز موجود ہیں کہ جن میں پیسے دے کر مقالے چھپوائے جا سکتے ہیں اور پروفیسر پیسے شیئر کر کے بے کار مقالے اچھے جرنلز میں چھپوا لیتے ہیں۔ اگر اتنی ہی معیاری اور سائنٹیفک ریسرچ ہم لوگ پبلش کر رہے ہیں تو ہماری جائے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نماز اور تسبیح تک پر "میڈ اِن چائنہ" کیوں لکھا ہوتا ہے؟

تو بھئی پاکستان میں ریسرچ ہو رہی ہے، خوب معیاری ریسرچ ہو رہی ہے۔ یہ سب ریسرچ، تحقیق کے عالمی معیارات کے مطابق بہت اعلی درجے کی ریسرچ ہے لیکن پروفیسروں، یونیورسٹیوں اور خود ایچ۔ای۔اسی (HEC) کو بھی معلوم ہے کہ ردی کی ٹوکری میں جانے والی ریسرچ ہے۔ لیکن چونکہ ایچ۔ای۔اسی (HEC) نے حکومت سے فنڈ لینا ہے لہذا اسے حکومت کو کاغذوں میں اعداد و شمار کی زبان میں یہ بتلانا ہے کہ اتنی سائنٹیفک ریسرچ پاکستان میں ہو رہی ہے۔ اور یونیورسٹی نے چونکہ ایچ۔ای۔اسی (HEC) سے فنڈ لینا ہے لہذا اسے کاغذوں میں اعداد و شمار کی رپورٹنگ کر کے یہ بتلانا ہے کہ اتنے ریسرچ پیپرز ہماری فیکلٹی نے چھاپ دیے ہیں۔

اس سب کچھ کا نقصان سرکاری یونیورسٹیوں کو یہ بھی ہو رہا ہے کہ برین ڈرین (Brain Drain) ہو رہا ہے۔ ایک اس وجہ سے کہ پرائیویٹ یونیورسٹیوں نے ٹی۔ٹی۔ایس پروفیسرز کو زیادہ تنخواہیں آفر کرنا شروع کر دی ہیں۔ اب ان کی ملازمت تو پکی تھی نہیں لہذا وہ تنخواہ کے لیے وہاں رکے تھے، جب زیادہ کی آفر ہوئی تو سوئچ کر گئے۔ دوسرا یہ کہ اچھے ٹیچرز اس مصنوعی ریسرچ کی دوڑ میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے اپنی جاب کو محفوظ تصور نہیں کر پاتے لہذا وہ بھی شفٹ کرتے جا رہے ہیں۔

بھئی اگر اچھا یونیورسٹی ٹیچر بننا ہے اور حقیقی معنوں میں ریسرچر بننا ہے تو بی۔پی۔ایس (BPS) کو ترجیح دیں اور اسی پر ملازمت کریں۔ اب اگرچہ ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) کے نقصانات سامنے آ رہے ہیں لیکن ابھی اس نظام کے غلط ہونے کو سمجھنے اور ہضم کرنے میں مزید دس پندرہ سال اس قوم کو لگ سکتے ہیں۔ اگر یہ نظام اتنا ہی پرفارمنس بڑھا دیتا ہے تو اسے سول بیوروکریسی میں نافذ کرو نا ذرا۔

انہیں "چول" بنانے کے لیے پروفیسر ہی ملے ہیں جو اتنی اعلی تعلیم کے بعد تین سال کی کانٹریکٹ جاب پر راضی ہو جاتے ہیں جہاں ہر وقت ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) کی تلوار ان کے سر پر لٹکتی رہتی ہے۔ ذرا پولیس، فوج، واپڈا، واسا، ریلوے اور دیگر وزارتوں وغیرہ کی کارکردگی بہتر بنانے کے لیے ٹی۔ٹی۔ایس (TTS) نافذ کر کے تو دیکھیں، چند ہفتوں میں ملازمین کے احتجاج کی بدولت ان

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی حکومت جاتی رہے گی۔

اوپر سے بی۔پی۔ایس کے خلاف لاجک یہ دیتے ہیں کہ اس سے ہڈ حرامی بڑھتی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ بی۔پی۔ایس میں اس کے امکانات ہیں لیکن یہ امکانات اسکول لیول پر زیادہ ہیں، کالج لیول پر اس سے کم اور یونیورسٹی لیول پر اس سے بھی کم۔ لیکن اسکول میں تو یہ نظام رائج نہیں کیا کہ جہاں ٹیچر حاضری لگانے بھی نہیں آتا اور مہینے کی تنخواہ وصول کر لیتا ہے۔ اور یونیورسٹی میں اسے نافذ کر دیا کہ جہاں اس کا امکان بھی نہیں ہے کہ ٹیچر کلاس لیے بغیر تنخواہ لے سکے۔ پھر یہ بات درست ہے کہ کوئی بھی نظام کامل نہیں ہوتا، ہر نظام میں کچھ خامیاں رہ جاتی ہیں لیکن ہم یہ بحث تو کر سکتے ہیں ناں کہ بہتر نظام کون سا ہے۔ اور جو بہتر ہے، اس کی خامیاں دور کرنے کی کوشش کریں نہ کہ یہ کہ اس کی جگہ اس سے بدتر نظام لے آئیں۔ اور یہی ہمارے ہاں بدقسمتی سے ہو رہا ہے۔

باقی ٹی۔ٹی۔ایس بہت اچھا نظام ہے، بھئی بہت اچھا نظام ہے۔ اس بات کو سمجھنے کی کوشش کریں کہ ہم میں سے ہر ایک ایک رائے ہے، بہت سے لوگ میری رائے سے متفق ہوں گے اور بہت سی آپ کی رائے سے۔ اس لیے جب کوئی رائے پیش کی جاتی ہے تو اتفاق نہ بھی ہو تو اس پر چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں ہے، نہ مجھے اور نہ ہی آپ کو۔ بس اتنا کہہ دیں کہ آپ کی طرح اور لوگ بھی یہ سوچتے ہیں لیکن ہمیں اس سے اتفاق نہیں ہے۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب یازدہم

تزکیہ اور تصوف

اس باب میں تزکیہ اور تصوف (Personality Development and Spirituality) کے بارے بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان اور تزکیہ

بھئی، اپنے تزکیے پر جتنا زور مرضی لگالو، رہو گے تو انسان کے انسان ہی۔

انسان کی تقدیر

"گرنا" انسان کی تقدیر ہے۔ خدا کو اس کے "گرنے" سے غرض نہیں ہے بلکہ "اٹھنے" سے ہے۔ گناہ کا ہو جانا "گرنا" کہلاتا ہے اور توبہ کا عمل دوبارہ "اٹھنے" کا نام ہے، اللہ کی طرف سفر کرتے بندے کا گر کا دوبارہ اٹھنا اور سفر شروع کر دینا توبہ کہلاتا ہے۔ کیا ہمیں اپنے اس بچے پر زیادہ پیار نہیں آتا جو گرتا پڑتا ہماری گود میں آنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس خود بھی اٹھو اور دوسروں کو بھی اٹھاؤ لیکن اس امید پر نہیں کہ دوبارہ نہیں گریں گے بلکہ اس عزم کے ساتھ کہ گر کر گرے نہیں رہیں گے بلکہ اٹھتے رہیں گے۔ بس، خدا کا تم سے اتنا سا تو مطالبہ ہے!

ان کا خیال ہے کہ خدا ان کے گرنے کو گن رہا ہے حالانکہ وہ تو ان کے اٹھنے کو دیکھ رہا ہے۔ خدا تمہارا دشمن تھوڑی ہے جو تمہارے گرنے کو شمار کرے گا، وہ تمہیں تمہاری ماں سے زیادہ پیار کرتا ہے، اسے تو تمہارا اٹھنا گننا ہے۔ اگر بچے کا رخ ماں کی طرف ہے تو اس کی طرف لپکتے ہوتے اس کا گرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ توبہ کرنے والا بھی اللہ کی طرف یکسو ہی ہے، بھلے گرتا پڑتا یکسو ہو، جب تک کہ دل سے توبہ کرتا رہے۔

ضبطِ نفس (Self-Control)

نفس سے مقابلے میں اگر تھک جاؤ، تو اس سے دوستی کر لو، دوستی میں بھی بہت سی باتیں مان جاتا ہے۔ نفس سے دوستی یہ ہے کہ اس کی بڑی خواہش کی جگہ کوئی چھوٹی سی خواہش پوری کر دو۔ تمہارا یہ دشمن طاقت میں تم سے بہت بڑھ کر ہے لیکن ہے بے وقوف، بالکل بچے کی طرح۔ اسے کینڈی ٹافی پر بہلانے اور پھسلانے کی مہارت پیدا کرو، ورنہ ساری عمر اس کی غلامی میں گزار دو گے۔ مقابلے سے اس کو ہرانے کے لیے بہت ایمان چاہیے جو ہم میں سے اکثر کے پاس نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چھوٹی نیکی

چھوٹی چھوٹی نیکیاں زیادہ کیا کریں کہ ہم چھوٹی نیکی خالص اللہ کی رضا کے لیے کرتے ہیں اور بڑی نیکی خالص اپنی رضا کے لیے۔ اور چھوٹی نیکی کی مثال یہ ہے کہ رستے سے اینٹ پتھر کو ہٹا دیا اور بڑی نیکی کی مثال یہ ہے کہ کسی کو اپنا مرید یا فالوور بنا کر راہ حق پر لگا دیا۔

موسیٰ اور خضر

میں نے کہا کہ موسیٰ افضل تھے، دوست نے کہا کہ خضر۔ میں نے کہا وہ کیسے؟ اس نے کہا کہ خضر، موسیٰ کے استاذ ہیں اور خضر کے پاس وہ علم ہے جو موسیٰ کے پاس نہیں ہے۔ میں نے کہا لیکن یہ عجیب ہے کہ موسیٰ کا ذکر اٹھائیس پاروں میں ہے اور خضر کا نام تک قرآن میں موجود نہیں۔ دوست نے کہا کہ تم موسیٰ کی افضلیت سے نکالنا کیا چاہتے ہو؟ میں نے کہا کہ میں اس پر غور کر رہا ہوں کہ مجلس کی زندگی افضل ہے یا تنہائی کی؟ دونوں پر اللہ کی سلامتی ہو!

آزمائش اور صبر

دوست نے کہا کہ ضروری ہے کہ دعا سے آزمائش ختم ہو جائے۔ میں نے کہا کہ ضروری نہیں ہے ورنہ صبر کا حکم کیوں ہوتا؟ اس نے کہا کہ دعا سے سب کچھ ہو سکتا ہے، میں نے کہا کہ ماں سے کہو کہ ذرا اپنے مردہ بیٹے میں جان ڈال دے، اس کے پاس صبر کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ صبر کا کوئی نسخہ؟ میں نے کہا کہ قرآن مجید، الشریم، العیقلی یا ادریس ابکر کی آواز میں۔ میں نے کہا کہ لوگوں سے اختلاط کی آزمائش بھی ایسی ہی ہے۔

دعا کی قبولیت

انبیاء کی جو دعائیں قرآن مجید میں منقول ہیں کہ اللہ نے انہیں قبول کر لیا جیسا کہ زکریا علیہ السلام کو بڑھاپے میں بیٹا دے دیا، ایوب علیہ السلام کو بیماری سے نجات دے دی، یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکال لیا، تو یہ دعائیں کوئی پہلی مرتبہ میں قبول نہ ہوئیں بلکہ ان دعاؤں کے قبول ہونے کے پیچھے بڑی آہ وزاری تھی۔ حضرت یونس علیہ السلام کو ہی دیکھ لیں کہ تین دن گڑگڑاتے رہے، تو دعا کی قبولیت چاہیے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

توسالوں اس کے لیے آہ وزاری کا حوصلہ پیدا کرو۔

بڑا سانحہ

مجھے نہیں معلوم بڑا سانحہ "سقوط حلب" کا ہے یا یہ کہ کروڑوں کی اس امت میں اب دو ہاتھ بھی ایسے نہیں رہے کہ جنہیں خالی لوٹانے سے پروردگار کو شرم محسوس ہو۔

اندر کا انسان

بھئی، میں اپنے اندر کے انسان کی تلاش میں ہوں، میں اس انسان کا بیان چاہتا ہوں، جیسا کہ وہ ہے، بالکل اسی طرح جس طرح خدا نے اسے پیدا کیا ہے، اگر تمہیں اس میں اپنا امیج نظر آئے تو یوں سمجھ لو کہ سانچہ ایک ہی ہے۔ ہم نے عالم دین کی نظر سے انسان کو پرکھ لیا، اب ایک سوشل سائنٹسٹ اور ہیومنسٹ کی نظر سے دیکھ لینا چاہیے۔ یقین مانو کہ اندر کے انسان کی دریافت علمی دنیا میں ایک بہت بڑا معرکہ ہو گا کہ کبھی اپنے اندر جھانک کر تو دیکھو ایک کائنات آباد ہے۔ صرف نفس کی کمزوریاں دیکھنا چاہو گے تو کئی انسائیکلوپیڈیاز کھل جائیں گے۔

سچا انسان

اپنے اندر کے انسان میں جھانکتے رہو اور اس کو ایویلوایٹ کرتے رہو، اور اس کی ایویلوایشن کو مانتے بھی رہو، اس کے بغیر سچا بننا بہت محال ہے۔

تنہائی کا اقرار

اپنی تنہائی میں اپنے مالک کے سامنے اپنے ان گناہوں کے گناہ ہونے کا اقرار کرنا سیکھو کہ جنہیں گناہ سمجھنے کا تم میں ابھی حوصلہ نہیں ہے۔

صفائی اور گناہ

اپنی صفائی ضرور دو لیکن اس طرح نہیں کہ دوسرا گناہ گار ثابت ہو رہا ہو۔

عورت کی محبت

عورت سے مت بھاگو کہ وہ اپنے جذباتی تعلق سے تمہارے اندر کے نظام محبت کو ایکٹیویٹ کر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیتی ہے، چاہے ماں ہو، بیٹی ہو، بیوی ہو یا بہن ہو۔ اب اس کے بعد کرنے کا کام یہ ہے کہ اس محبت کا رخ خدا کی طرف پھیر دو۔ اسی لیے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میرے لیے تمہاری دنیا میں سے عورتوں کو محبوب بنا دیا گیا۔ عورت تمہیں خدا سے محبت کرنے کے قابل بناتی ہے اور اس سے تعلق کے بغیر تمہارا دل ایک نان ایکٹیویٹڈ سم کی مانند ہے کہ جسے خدا سے کنکشن کا دعوی ہے۔

اللہ کی محبت

رسول اللہ ﷺ کے لیے جذباتی محبت پیدا ہوئے بغیر اللہ سے محبت محض ذہنی اور شعوری ہو سکتی ہے۔ اللہ سے سچے جذباتی تعلق کے لیے ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے جذباتی تعلق پیدا ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ سے جذباتی تعلق کے پیدا کرنے کا ایک رستہ یہ ہے کہ مسنون درود کو حرز جان بنالو۔

یکسوئی

میں نے قرآن مجید میں بار بار پڑھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خوبی یہ تھی کہ وہ "حنیف" تھے یعنی یکسو تھے۔ اس لفظ کے معنی تو سمجھ میں آتے تھے لیکن دل میں نہیں اترتے تھے۔ پھر ایک مثال ایسی سامنے آئی کہ اس لفظ کا معنی حال بن گیا۔ ایک پروفیسر صاحب نے بتلایا کہ وہ مارکیٹ کے لیے اپنی مسز کے ساتھ گاڑی پر گھر سے باہر نکلے، گھر میں موجود بچوں جو کہ اٹھارہ سال سے زائد عمر کے تھے اور اسمارٹ فون پر مشغول تھے، کو کہا کہ گھر کا گیٹ بند کر دینا۔ دو گھنٹے بعد گھر واپس آئے، گھر کا گیٹ اسی طرح کھلا تھا اور بچے اسی پوزیشن میں اسمارٹ فون کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے، اسے کہتے ہیں یکسو ہونا۔

اسکرین کا فتنہ

بھئی، تمہارے لے کوئی تیسری آپشن باقی نہیں رہ گئی، یا خدا کو دیکھ لو یا اسکرین کو۔ کاش! ہمارے ساٹھ سالہ بوڑھے کو سجدے میں وہ یکسوئی حاصل ہو جائے جو اڑھائی سالہ بچے کو اسکرین میں حاصل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فیس بک چھوڑ دو!

دوست نے کہا کہ فیس بک چھوڑ دو، میں نے کہا کہ کیوں؟ اس نے کہا کہ یہ تمہاری شخصیت کی تعمیر (personality development) میں رکاوٹ ہے۔ میں نے کہا کہ کیسے؟ اس نے کہا کہ نوٹیفکیشن دیکھنے کی ایڈکشن میں مبتلا بھلا خدا کی طرف یکسو ہو سکتا ہے!

دنیا سے محبت

دوست کا سوال ہے کہ دنیا سے محبت کیسے پیدا ہوتی ہے؟ جواب: دنیا سے محبت سب کو ہے، لیکن سب کی دنیا اپنی اپنی ہے، کسی کی "دنیا" اس کا "دین" ہے۔

استاذ اور شاگرد

بھئی، اچھا استاذ کون ہے؟ جو اپنے شاگرد سے بھی سیکھے۔ اور اچھا شاگرد کون ہے؟ جس سے اس کا استاذ سیکھے۔

تنہائی اور خود نمائی

اب تو تنہائی بھی خود نمائی (show-off) کا ذریعہ بن گئی ہے، کبھی مجلس میں یہ ذکر کر کے میری تنہائی بہت اچھی ہے، اور کبھی تنہائی میں یہ سوچ کر کہ میری تنہائی لوگوں پر منکشف ہو جائے۔

تسليف الصوفية وتصويف السلفية

یہ شیخ قرضاوی حفظہ اللہ تعالی کے ایک آرٹیکل کا عنوان ہے کہ جس کا معنی یہ ہے کہ صوفیت اور سلفیت میں اعتدال پر مبنی موقف یہ ہے کہ صوفیوں کو سلفیت کا تڑکا لگایا جائے اور سلفیہ کو صوفیت کا کہ ہر دو کو اصلاح کی ضرورت ہے اور اس کی اصلاح کی ضرورت بھی اس کے مخالف مکتبہ فکر ہی سے پوری ہو گی۔

رمضان اچھا کیسے گزاریں؟

استقبال رمضان یعنی رمضان کا استقبال کرنا اللہ کے رسول ﷺ کی سنتوں میں سے ایک سنت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ استقبال رمضان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ رمضان کا چاند نظر آتے ہی اس کے استقبال میں پٹاخے اور فائرنگ شروع کر دی جائے بلکہ اس کے استقبال کا مطلب یہ ہے کہ رمضان سے پہلے رمضان کی تیاری کی جائے، رمضان سے پہلے رمضان کی فکر جائے، رمضان سے پہلے رمضان گزارنے کی پلاننگ کی جائے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں روایات میں ملتا ہے کہ آپ رمضان کے مہینے کے بعد سب سے زیادہ روزے شعبان کے مہینے میں رکھتے تھے۔ اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کی اتباع میں شعبان میں کثرت سے روزے رکھنا شروع کر دیے تو آپ نے انھیں منع فرما دیا اور کہا کہ پندرہ شعبان کے بعد روزہ نہ رکھو تاکہ رمضان کے روزوں، جو کہ فرض ہیں، میں کوئی کوتاہی اور سستی نہ ہو جائے۔ تو شعبان میں کثرت سے روزے رکھنے کا عمل یہ بتلاتا ہے کہ آپ ﷺ شعبان کا مہینہ رمضان کے استقبال اور تیاری میں گزارتے تھے۔

یہ بہت آسان فہم سی بات ہے کہ عید کا ایک دن ہے یا چلیں تین دن ہیں لیکن ہمارا پورا رمضان عید کی تیاریوں میں گزر جاتا ہے کہ عید کے دن یہ کھانا پکانا ہے، عید کے دن فلاں فلاں کے ہاں جانا ہے، عید کے دن کے لیے اپنے اور بچوں کے نئے کپڑے سلوانے اور جوتے خریدنے ہیں وغیرہ۔ لیکن رمضان جو کہ پورا ایک مہینہ ہے، ہم اس کی پلاننگ ایک دن پہلے سے بھی نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص عید کی رات کو بچوں کے کپڑوں کی پلاننگ شروع کرے گا تو کیا عید والے دن اپنے بچوں کو نئے کپڑے پہنا پائے گا؟

اسی طرح اگر رمضان کی پہلی رات میں رمضان کی تیاری شروع کی تو پہلے دن کی سحری بھی فوت ہو جائے گی۔ اور رمضان اس طرح نہیں گزرے گا کہ جس سے آپ کی زندگی میں کوئی تبدیلی آئے۔ رمضان کے آنے پر دل میں خوشی کا پھوٹنا ایمان کی علامت ہے اور رمضان کے آنے پر اگر دل پر بوجھ محسوس ہو تو ایسے شخص کو اپنا ایمان ریوائز کرنا چاہیے۔ تو رمضان سے پہلے رمضان کی تیاری کا مطلب یہی ہے کہ آپ یہ پلاننگ کریں کہ آپ نے اس رمضان میں زیادہ اوقات کو عبادت، تلاوت، ذکر اذکار، اعتکاف، لیلۃ القدر کی تلاش وغیرہ میں گزارنا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رمضان میں دنیا کے کام چھوڑنے نہیں ہیں بلکہ انھیں کم کر دینا ہے اور عبادت کے اوقات اور نیکی کے عمل کو بڑھانا ہے اور اسی کی پلاننگ کرنی ہے۔ بھئی، بہت سادہ ہے کہ سحری کے وقت سحری کرنے بیٹھو گے تو نفس وسوسہ ڈالے گا کہ بہت لمبا دن ہے، ڈبل شفٹ لگا لو۔ اور جب افطاری کرنے بیٹھو گے تو نفس دوبارہ وسوسہ ڈالے گا کہ اتنا لمبا دن بھوکے پیاسے رہے، لہذا ڈبل شفٹ لگا لو۔ تو عام دنوں میں آپ نے تین وقت کا کھانا کھایا اور رمضان میں چار وقت کا تو آپ اپنی کیا تربیت کریں گے؟ رمضان کا مقصد تو ضبط نفس یعنی سیلف کنٹرول ہے اور وہ تو فوت ہو گیا۔

کہنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ رمضان میں کھانا پینا بند کر دیں بلکہ یہ کہ کم کر دیں۔ اگر عام دنوں میں دو روٹی کھاتے ہیں تو رمضان میں ڈیڑھ کر دیں۔ اگر افطاری کے وقت پیاس کی شدت سے آپ نے سامنے پڑا روح افزا یا جام شیریں کا پورا جگ چڑھا لیا تو حرام تو کوئی بھی اسے نہیں کہے گا لیکن ایمان سے بتلائیں کہ کیا اس کے بعد آپ تراویح پڑھنے کے قابل رہیں گے؟ تراویح تو دور کی بات آپ اس کے بعد مغرب کی نماز بھی کھڑے ہو کر پڑھ لیں تو بڑی بات ہو گی۔

رمضان کے مہینے میں کھانے پینے سے منع نہیں کیا گیا لیکن یہ کہ رمضان کو کھانے پینے کا مہینہ بنا لینا تو یہ بھی غلط ہے، اس سے رمضان کا مقصد فوت ہو جائے گا یعنی ضبط نفس اور سیلف کنٹرول۔ کیا ایسا نہیں کہ پورے پاکستان میں گیارہ مہینوں میں اتنا سموسہ پکوڑا نہیں بنتا جتنا صرف ایک رمضان کے مہینے میں بنتا ہے؟ اتنا کھانے پینے کے بعد کیا ضبط نفس حاصل ہو گا یا کیا عبادت میں کیفیت حاصل ہو گی یا تراویح میں دل لگے گا؟

اتنا سموسہ پکوڑا کھانے کے بعد اگر کوئی آپ کو موٹیویٹ کر کے کہیں تراویح پر لے بھی آیا تو کبھی دائیں ٹانگ تو کبھی بائیں ٹانگ پر کھڑے ہو کر دو چار رکعتیں روتے روتے یا اونگھتے جاگتے پڑھ لیں گے لیکن اس سے کیا تربیت ہو گی؟ اس لیے رمضان میں اپنے کھانے پینے، اپنے اوقات، اپنی دنیاوی مصروفیات کو کنٹرول کریں، اور اسے کنٹرول کرنے کی سوچ بچار شعبان میں شروع کریں تو بس یہی رمضان گزارنے کا اچھا طریقہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رمضان ٹرانسمیشن کا نام تبدیل ہونا چاہیے!

دوست کا کہنا ہے کہ رمضان ٹرانسمیشن کے نام پر جو کچھ دکھایا جا رہا ہے، اس کے لیے "رمضان" کا لفظ استعمال کرنا اس کے تقدس کو پامال کرنے کے مترادف ہو سکتا ہے لہذا ایسی آواز اٹھانی چاہیے کہ پیمرا رمضان کے نام پر کیے جانے والے ان تماشا پروگرامات کے نام تبدیل کرنے کے لیے چینلز کو مجبور کرے۔

یہ تجویز بہت عمدہ ہے، اب یہ تو ممکن نہیں ہے کہ سرکس والے اپنی سرکس بند کر دیں، کہ انہوں نے بھی تو کچھ کمانا اور کھانا ہے لیکن انھیں کم از کم یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ اپنی سرکس کا نام "بسم اللہ سرکس" نہ رکھو، کچھ اور رکھ لو۔ تو اسی طرح رمضان کے مہینے میں دکھائے جانے والے ان شوز کے نام سے رمضان کا لفظ نکال دیا جائے تو اس کا کوئی اور نام رکھ لیا جائے مثلاً "نیلام گھر ٹرانسمیشن"، "لکی ٹرانسمیشن"، اور بعضوں کو تو "سرکس ٹرانسمیشن" کا نام بھی دے دیا جائے تو بہت مناسب ہو گا۔

عوام کو رمضان ٹرانسمیشن کے ان تماشا پروگراموں پر کتنا غصہ ہے؟ اور یہ پروگرام معاشرے میں کس قدر وائلنس کا سبب بن سکتے ہیں، اس کا اندازہ آپ سوشل میڈیا پر گردش کرنے والے ایک میسج سے لگا سکتے ہیں کہ جس میں سعودی عرب میں مقیم ایک پاکستانی "فردوس جمال" کہہ رہے ہیں:

> "ساحر لودھی نے رمضان ٹرانسمیشن کے نام پر مسخرہ پن اور لچر پن شروع کر رکھا ہے، وہ خود آگے بھاگ رہا ہوتا ہے اور ماہ مبارک میں پورا اسلامی جمہوریہ پاکستان یہ تماشا اور بے ہودگی دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جو بہنیں ساحر لودھی کے شو میں جاتی ہیں، ان کے لیے میرا یہ اعلان ہے کہ کوئی بھی بہن اگر موقعے کا فائدہ اٹھا کر ساحر لودھی کو جوتا مارے، اس کے لیے عمرے کی ٹکٹ کا اعلان کرتا ہوں۔ فردوس جمال، مدینہ منورہ، موبائل: 00966569502482"

اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا ہے: ﴿وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا﴾ [الأنعام: 70] ترجمہ: ان لوگوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا چھوڑ دیں کہ جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنا لیا ہے اور انھیں دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھا ہے۔

تو رمضان ٹرانسمیشن کے نام پر دین کو کھیل اور تماشا ہی بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ پس اگر آپ کو اس بات سے اتفاق ہو کہ "رمضان ٹرانسمیشن" کے نام پر کیے جانے والے ان پروگرامات کا نام تبدیل ہونا چاہیے اور اس کے لیے پیمرا کو حرکت میں آنا چاہیے تو اس تجویز کو اپنی وال پر بھی شیئر کریں اور اپنے واٹس ایپ گروپس میں بھی شیئر کریں، شاید کے اس طرح ان میں سے کچھ کو کچھ حیاء آ جائے یا وہ اس ڈر سے اپنی اصلاح کر لیں، جزاکم اللہ خیرا۔

اعتکاف اور لیلۃ القدر

رمضان کے آخری عشرے میں رسول اللہ ﷺ دو قسم کی عبادتوں کا اہتمام کرتے تھے، ایک اعتکاف اور دوسرا لیلۃ القدر کی تلاش۔ اعتکاف اتنی بڑی اور فضیلت والی عبادت ہے کہ اللہ عزوجل نے قرآن مجید میں اپنے دو جلیل القدر انبیاء حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو حکم دیا کہ وہ اللہ کے گھر بیت اللہ کو اعتکاف کرنے والوں کے لیے پاک کریں۔ یعنی اعتکاف کرنا اتنی بڑی عبادت ہے کہ اعتکاف کرنے والوں کی خدمت بھی بہت بڑا نیکی کا کام ہے۔

پس اگر حالات ایسے نہیں ہیں کہ اعتکاف کر سکیں تو کم از کم کسی اعتکاف کرنے والے کی خدمت کر دیں کہ اسے گھر سے سحری اور افطاری وغیرہ لا دی یا اس کے گھر کے کچھ کام کاج کر دیے وغیرہ۔ اور اعتکاف میں دو باتیں اہم ہیں؛ ایک نیت اور دوسرا مقصد۔ اعتکاف رمضان کے آخری عشرہ میں اللہ کی خاطر مسجد میں جم کر بیٹھنے کا نام ہے تو اس کے لیے پہلے نیت خالص کر لیں۔

رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ رمضان میں اعتکاف کے لیے اپنے حجرے میں داخل ہونے لگے تو آپ نے کچھ اور خیمے دیکھے۔ آپ نے پوچھا تو بتلایا گیا کہ فلاں فلاں ازواج کے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے اس سال کا اعتکاف ترک فرما دیا کہ آپ کو محسوس ہوا کہ ازواج آپ کی وجہ سے اعتکاف کر رہی ہیں اور اس سال شوال میں اعتکاف فرمایا۔

اور دوسرا یہ کہ اعتکاف کا مقصد اللہ کی عبادت کے لیے اپنے آپ کو یکسو کرنا ہے یعنی ہر چیز سے کٹ کر صرف اللہ کا ہی ہو کر رہ جانا تو اس مقصد کو کسی صورت فوت نہ ہونے دے۔ اب تو عجب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صورت حال دیکھنے کو ملتی ہے کہ لوگ اعتکاف کی حالت میں اخبار پڑھ رہے ہیں، موبائل فون پر گیم کھیل رہے ہیں، لیپ ٹاپ پر فیس بک استعمال کر رہے ہیں، تو یہ سب باتیں اعتکاف کے مقصد کے منافی ہیں۔ اعتکاف دراصل دس دنوں کی رہبانیت ہے کہ جس میں انسان اپنی دنیا سے بالکل غافل ہو جائے اور اس دوران اپنے اندر عبادت کا ذوق بیدار کرے۔ یہ المیہ کیا کم ہے کہ ہمیں سجدے میں وہ لذت نہیں ملتی جو مووی دیکھنے میں حاصل ہوتی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ عبادت کا ذوق موجود نہیں ہے۔ اور اعتکاف ایک ایسی عبادت ہے کہ جو عبادت کا ایسا ذوق بیدار کر دیتی ہے کہ مسجد میں رہنا انسان کو زیادہ محبوب ہو جاتا ہے، سجدے اور دعاء میں اس کا دل زیادہ لگتا ہے۔ اور اگر عبادت کا ذوق نہ ہو تو عبادت بوجھ بن جاتی ہے، اعتکاف میں بیٹھ کر یوں لگے گا کہ جیسے قید خانے میں آ گئے ہوں، اس لیے عبادت کا ذوق بیدار کرنا بہت ضروری ہے۔ اور عبادت کا ذوق اس وقت بیدار ہوتا ہے جب تنہائی اچھی ہو جائے تو اعتکاف اپنی تنہائی کو اچھا بنانے کی ایک مشق ہے۔

اور دوسری اہم چیز کہ جس کا ہمیں اہتمام کرنا ہے، وہ طاق راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش ہے۔ لیلۃ القدر کی رات طاق راتوں میں گردش کرتی رہتی ہے اور یہ فکس نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہے کہ ستائیس کی رات لیلۃ القدر کی رات ہوتی ہے حالانکہ ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ اور لیلۃ القدر کی ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینے یعنی 80 سال کی عبادت سے بہتر ہے، قرآن مجید نے یہ نہیں کہا کہ 80 سال کی عبادت کے برابر ہے بلکہ کہا کہ اس سے بہت بہتر ہے۔ تو اس رات میں جاگنے کا اہتمام کرے اور کچھ اعمال تو ہر طاق رات میں لازماً کرے کہ لیلۃ القدر کو پا لینے کا آسان طریقہ ہے۔

مثال کے طور اگر ہر طاق رات میں ایک سو روپیہ صدقہ کرے گا تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے 80 سال صدقہ کیا۔ اور اگر ہر طاق رات میں ایک سیپارہ تلاوت کر لے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے اس نے 80 سال قرآن مجید کے ایک سیپارے کی تلاوت کی۔ اور اگر ہر طاق رات میں دو رکعت نفل نماز یا کوئی تسبیح پڑھ لے گا تو یہ ایسا ہی ہے کہ جیسے اس نے 80 سال دو رکعت نفل نماز یا تسبیح پڑھی۔ تو بس خود بھی جاگیں اور اپنے گھر والوں کو بھی جگانے کا اہتمام کریں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی اہم ترین سنت ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیلۃ القدر میں دعا

آج طاق رات ہے اور جمعہ کی رات بھی ہے لہذا عبادت اور دعا کا زیادہ اہتمام کریں کہ شاید یہی لیلۃ القدر کی رات ہو۔ لیلۃ القدر کی رات کی عبادت کی فضیلت تو ہے ہی، اس کی خاص بات یہ بھی ہے کہ اس رات میں اللہ عزوجل فیصلے بھی فرماتے ہیں۔ تو کوشش کریں کہ اس رات میں دعا میں خصوصی اہتمام ہو کہ اگلے سال بھر کے فیصلوں کے وقت آپ اپنے پروردگار کے سامنے اپنی طلب اور خواہش عاجزی اور انکساری کے ساتھ رکھ سکیں۔

دعا وہی جلد قبول ہوتی ہے کہ جو دل کی بے قراری اور بے چینی کے ساتھ ہو، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿أَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ﴾ [النمل: 62] ترجمہ: یا اللہ کے علاوہ کون ہے جو بے چین اور بے قرار دل کی دعا قبول فرمائے جبکہ وہ اس کو پکارے اور وہ اس کی آزمائش ٹال دے۔ اور ضروری نہیں ہے کہ اللہ سے آخرت ہی مانگی جائے بلکہ اللہ سے دنیا بھی مانگیں بلکہ اللہ نے دعا کا جو طریق کار سکھایا ہے، اس میں دنیا کو پہلے رکھا گیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [البقرة: 201] ترجمہ: کہ اے اللہ، ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔

اگر دنیا کا سکون نہیں ہو گا تو آخرت کی تیاری میں بھی یکسوئی حاصل نہیں ہو پائے گی لہذا دنیا کا سکون بہت ضروری ہے۔ اور اللہ سے دنیا مانگنا دنیاداری نہیں ہے بلکہ اللہ عزوجل تو خود کہہ رہے ہیں : ﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [الأعراف: 32] ترجمہ: یہ دنیا کی نعمتیں اور رزق کس نے اللہ کے بندوں پر حرام کیا ہے؟ اللہ نے تو نے یہ نعمتیں خود سے اپنے بندوں کے لیے دنیا میں پیدا کی ہیں اور آخرت میں تو صرف اس کے بندوں ہی کو ملیں گی۔

پس اللہ سے جنت، مغفرت، دنیا، مال، روزگار، ملازمت، صحت، گھر، گاڑی، شریک سفر اور اولاد کی دعاء کریں کہ ان سب چیزوں کی محبت اللہ نے خود سے ان کے دل میں رکھ دی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ﴾ [آل عمران: 14] ترجمہ: اللہ عزوجل نے ہی انسانوں کے دلوں میں بیٹوں، عورتوں، سونے اور چاندی کے ڈھیروں، نشان زدہ گھوڑوں، جانوروں اور کھیتی کی خواہش اور محبت رکھ دی ہے۔

اور اللہ سے ایسے مانگیں کہ جیسے لے کر مصلے سے اٹھیں گے، اور مانگتے وقت اپنی ذلت، عاجزی اور کمزوری اور اللہ کی بڑائی، کبریائی اور عظمت کا تذکرہ کریں۔ اور اللہ سے ہر چیز مانگیں کہ اللہ کے ہاں کچھ ناممکن نہیں ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام کو 80 سال کی عمر میں بیٹا دے دیا جبکہ ان کی بیوی بانجھ تھی۔ اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ دعا میں عجلت نہ کریں، دعا میں عجلت یہ ہے کہ دعا کو مکمل ہونے میں وقت لگتا ہے، وہ قبول تو فوراً ہو جاتی ہے لیکن اس کے پورا ہونے میں بہر حال وقت لگے گا، اس وقت میں صبر کریں۔

البتہ یہ کر سکتا ہے کہ اگر دل زیادہ بے چین اور بے قرار ہو تو اللہ سے اپنی دعا کی قبولیت کی نشانی مانگ لے اور انبیاء ایسا کر لیتے تھے جیسا کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے کہا: ﴿قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا﴾ [مریم: 10] ترجمہ: پروردگار، میرے ہاں بیٹا ہو گا، اس کی کوئی نشانی مجھے دکھا دیں تو اللہ عزوجل نے کہا کہ آپ کی دعا کی قبولیت کی نشانی یہ ہے کہ آپ تین دن تک لوگوں سے کلام نہ کر سکیں گے جبکہ آپ تندرست بھی ہوں گے۔ تو دعا کے بعد اللہ کی طرف سے دل کا اطمینان اور سکون بھی دعا کی قبولیت ہی کی نشانی ہے، ان شاء اللہ العزیز۔

دعاء اور تقدیر

دوست کا سوال ہے کہ دعاء اور تقدیر کا آپس میں کیا اور کتنا تعلق ہے، کیا دعاء سے تقدیر بدل جاتی ہے؟ جواب: دیکھیں، تقدیر میں سب کچھ لکھا ہوا ہے، یہ بھی کہ یہ دعاء کرے گا تو اس کی آزمائش ٹل جائے گی یا اسے فلاں نعمت مل جائے گی، اس اعتبار سے جو بھی ہو رہا ہے یا ہونا ہے، وہ پہلے سے لکھا ہوا ہے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس ہونی یا انہونی کا سبب انسان کی دعاء ہوتی ہے۔

دوسرا یہ کہ آپ دعاء ضرور کریں لیکن اس کے ساتھ تدبیر بھی اختیار کریں، صرف تقدیر پر نہ چھوڑ دیں۔ تقدیر میں بھی یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ تدبیر کرنے سے اسے یہ ملے گا۔ بعض اوقات انسان

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ وہ صرف دعا پر یقین کر لیتا ہے اور محنت نہیں کرتا تو یہ درست نہیں ہے کہ انسان کو ایک چیز مل نہیں رہی ہوتی لیکن جیسے ہی اس کے لیے تدبیر کرتا ہے تو وہ مل جاتی ہے۔ اور بعض اوقات انسان اپنی محنت پر بھروسا کر لیتا ہے اور دعا یا تقدیر پر یقین نہیں رکھتا تو یہ بھی درست نہیں ہے کہ انسان کو بعض اوقات بہت محنت کے باوجود بھی کوئی چیز نہیں ملتی اور یہ بہت عام ہے۔

تو مومن کا رویہ ان دو انتہاؤں کے بین بین ہوتا ہے کہ وہ تدبیر بھی کرتا ہے اور دعا اور تقدیر پر بھروسا بھی رکھتا ہے۔ میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ جنہیں کینسر کا مرض تھا لیکن وہ محض دعا سے صحت یاب ہو گئے تو ایسا ممکن ہے کہ دعا سے کوئی انہونی ہو جائے اور یہ ہو جاتا ہے اور اس کے مشاہدات بہت عام ہیں لیکن یہ اللہ کا قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ اللہ کی سنت یا ضابطہ یہی ہے کہ انسان تدبیر اختیار کرے اور اللہ اس کے سبب سے اس کی تقدیر وضع کریں۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی تدبیر کے بغیر آپ کے حق میں کوئی تقدیر لکھی جائے تو اس کے لیے پھر اللہ کے سامنے بہت دعا کرنی پڑے گی، بہت رونا پڑے گا کہ آپ آؤٹ آف داوے جا کر کوئی مطالبہ کر رہے ہیں، اور اس صورت میں بھی اللہ کا کوئی یقینی وعدہ نہیں ہے کہ وہ آپ کے لیے لازماً کوئی معجزہ کر ہی دکھائے گا بلکہ اس کی مرضی ہے کہ وہ محض دعا سے آپ کی تقدیر بنا دے یا اس دعا کو دنیا میں تو قبول نہ کرے لیکن آپ کی آخرت کے لیے توشہ بنا کر رکھ چھوڑے۔

پروردگار کے سامنے مسلمانوں کی شکایتیں نہ لگاؤ!

یقیناً مسلمان موجودہ پستی، ذلت اور رسوائی سے اپنے مالک اور خالق کی مدد اور نصرت حاصل کیے بغیر نہیں نکل سکتے۔ اس وقت یہ امت ایک عجیب نفسیاتی کمپلیکس میں جا چکی ہے کہ یہ نصرت الٰہی کی انفرادی اور اجتماعی ہر قسم کی کوششیں کر چکے ہیں لیکن کہیں سے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے۔ اس امت کی حیثیت اس فرد کی سی ہو چکی ہے جو کسی آزمائش اور بیماری میں اپنے رب سے بہت دعائیں کرتا ہے لیکن اس کی آزمائش ختم نہیں ہوتی تو وہ اپنے رب سے تعلق میں عجیب قسم کے خلاء میں رہنا شروع کر دیتا ہے، اس کے لیے رحمان اور رحیم کے معانی سمجھنا مشکل ہو جاتے ہیں۔ اللہ عزوجل کی مدد بدر و حنین میں نازل ہوئی تھی اور اس شان سے نازل ہوئی تھی کہ ہم آج بھی اسے یاد رکھتے ہیں تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا وجہ ہے کہ آج ہم اس خالق اور مالک کی نصرت اور مدد سے محروم ہیں؟

بھئی، مجھے تو یہی سمجھ آ رہی ہے کہ اس وقت ہمیں اپنے رب کو راضی کرنے کی ضرورت ہے۔ اور راضی بھی یوں نہ کریں کہ مسلمانوں کی شکایتیں لگا لگا کر کہ یہ ایسے اور یہ ویسے یا ہم ایسے یا ہم ویسے یا ہم نے کچھ نہیں کیا۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ کی شکوہ اور جواب شکوہ اب اس سوال کے پرانے جواب ہو گئے کہ آج بدر کی طرح فرشتے نازل کیوں نہیں ہوتے؟ اب ہمیں اللہ عزوجل کے سامنے اپنی شکایتیں نہیں، اپنے کام رکھ کر اس کی مدد کا مطالبہ کرنا ہے۔

بس ہر مسلمان یہ کوشش کرے کہ تنہائی میں مصلے پر بیٹھ کر اپنے رب سے دعا گو ہو کہ اے پروردگار! ہم نے آپ کے دین کے لیے کیا نہیں کیا؟ ہم نے ہزاروں مدارس بنا دیے، لاکھوں علماء پیدا کر دیے، ہم نے تبلیغی جماعتیں بنا ڈالیں، ہم نے انقلابی تحریکوں کی بنیادیں رکھ دیں، ہم نے جہاد اتنا کیا کہ جہاد کے نام سے وحشت ہونے لگی۔ ہم نے خدمت خلق اتنی کی کہ دنیا میں کوئی اس کے برابر نہیں پہنچ سکتا، ہم نے بیت اللہ کو ایسے آباد کیا کہ تاریخ انسانی میں اتنا آباد نہیں ہوا ہو گا۔ ہم نے دنیا کے تمام مسلمانوں کے ایک امت ہونے کا وہ احساس بیدار کر دیا کہ ظلم شام پر ہوتا ہے تو دل پاکستان کا روتا ہے، ہم نے تزکیے والے بھی آپ کو دکھا دیے اور فکر اسلامی والے بھی۔

تو اب آپ کو ہم سے اور کیا چاہیے؟ ہم جو دے سکتے تھے، آپ کے دین کو دے دیا کہ ہم مخلوق ہیں اور مخلوق اپنے خالق کو اس سے زیادہ دے بھی کیا سکتی ہے؟ اب تو ہماری لینے کی باری ہے کہ آپ ہماری اسی طرح نصرت فرمائیں جیسا کہ بدر و حنین میں فرمائی تھی۔ مالک! آج اخبار میں اتنی سی سرخی لگ جائے کہ امریکہ اور روس، شام کے مسئلے میں بیٹھ رہے ہیں تو ساری امت کے دلوں میں امید کی ایک کرن بیدار ہو جاتی ہے کہ شاید مسلمانوں کے مسائل حل ہونے جا رہے ہیں۔ آج امریکی صدر اگر کشمیر کے مسئلے پر بات کرے تو لوگوں کی امیدیں بندھ جاتی ہیں کہ شاید کچھ بہتری آ جائے۔ پروردگار! یہ بھولے بھالے مسلمان آپ سے امیدیں کیوں توڑ بیٹھے؟ اسی لیے کہ آپ کی مدد دیکھے انہیں بہت عرصہ ہو چکا۔ یہ دل سے مانتے بھی ہوں کہ مسائل کا حل اللہ کے پاس ہے لیکن ان کی نظریں کہیں اور سے سکون حاصل کر رہی ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ تو آپ کے ساتھ ان کے تعلق کا سوال ہے۔ پروردگار! اگر گناہ گار ہیں تو معاف فرمادے۔ بھٹکے ہوئے ہیں تو سیدھے رستے پر چلادے۔ لیکن یہ اپنے حصے کا کام کر چکے۔ جو انہیں سمجھ تھی، وہ اسے لگا چکے اور اس کے نتائج بھی حاصل کر چکے۔ یہ تو آپ ہی کی جماعت ہے، آپ ہی ان کی مدد نہ فرمائیں گے اور ان کے رویوں کی شکایت کریں گے تو پھر کون ان کی مدد کرے گا، کون ان کی اصلاح کرے گا؟

عشرہ ذی الحجہ اور قربانی کے فضائل

عشرہ ذی الحجہ سے مراد ذوالحجہ کے پہلے دس دن ہیں۔ اکثر لوگ ان کی فضیلت اور اہمیت سے غافل ہیں جبکہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں سال بھر کے دنوں میں افضل ترین دن قرار دیا ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق ان دنوں میں جو نیک عمل کیا جاتا ہے، دوسرے دنوں میں کی جانے والی نیکی اس کے برابر نہیں ہو سکتی۔ صحابہ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ کیا دوسرے دنوں میں اگر جہاد کی نیکی کی جائے تو وہ بھی ان دنوں کی عام نیکی کے برابر نہیں ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ہاں دوسرے دنوں کا جہاد بھی ان دنوں کی عام نیکی سے بڑھ کر نہیں ہے الا یہ کہ کوئی مجاہد اپنی جان اور مال سب کچھ اللہ کے رستے میں لٹادے تو پھر شاید ان دنوں کی نیکی کے برابر پہنچ سکتا ہے۔ تو ان دنوں میں نیکی کا اہتمام کرنا بہت ضروری ہے۔ اور ان دس دنوں میں آپ ﷺ روزہ رکھنے کا بہت اہتمام فرماتے تھے۔

صحیح مسلم کی روایت کے مطابق "یوم عرفة" کے روزے کے بارے آپ نے فرمایا کہ امید ہے کہ اس سے اللہ عزوجل تمہارے ایک سال اگلے اور ایک سال پچھلے گناہ معاف فرمادیں گے۔ پس سال بھر کی راتوں میں رمضان کے آخری عشرے کی دس راتیں افضل ہیں جبکہ سال بھر کے دنوں میں عشرہ ذی الحجہ کے پہلے دس دن افضل ہیں۔ اسی طرح سال بھر کی راتوں میں افضل ترین رات "لیلۃ القدر کی رات" ہے جبکہ سال بھر کے دنوں میں افضل ترین دن "قربانی کا دن" ہے۔ سنن ابو داؤد کی ایک روایت کے مطابق افضل ترین دن "یوم النحر" یعنی قربانی کا دن ہے۔ اور اس دن میں افضل ترین عمل "قربانی کا عمل" ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پس سال بھر کے دنوں میں افضل ترین دن عشرہ ذی الحجہ کے ہیں۔ عشرہ ذی الحجہ میں افضل ترین دن "قربانی کا دن" ہے۔اور قربانی کے دن میں جتنے نیک عمل کیے جاتے ہیں مثلاً تلاوت، ذکر، صدقہ وغیرہ تو ان میں سے سب سے افضل عمل "قربانی کا عمل" ہے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق جو شخص قربانی کی نیت اور ارادہ رکھتا ہو تو ذی الحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد اپنے بال اور ناخن نہ لے۔اس سے اس کے قربانی کے عمل کا ثواب بڑھ جائے گا۔ سنن الترمذی کی روایت کے مطابق گائے میں سات اور اونٹ کی قربانی میں دس صحابہ نے شرکت کی۔

اگر کوئی شخص قربانی کرے تو نیت میں اپنے تمام گھر والوں کو بھی شامل کر لے تو ان سب کو اجر پہنچے گا، ان شاء اللہ جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت یہ دعا کرتے تھے: «بِسْمِ اللَّهِ، اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ» ترجمہ: اللہ کے نام سے، اے اللہ محمد ﷺ کی طرف سے قربانی قبول فرما، ان کے خاندان کی طرف سے اور محمد ﷺ کی امت کی طرف سے بھی۔

مستحب یہی ہے کہ قربانی کرنے والا اپنے جانور کو خود ذبح کرے کہ قرآن مجید میں ہے کہ دل کی جس کیفیت کے ساتھ جانور ذبح کی جاتا ہے، وہ کیفیت اللہ تک پہنچتی ہے۔اس لیے جانور ذبح کرتے وقت یہی خیال کرے کہ اے پروردگار! یہ تو جانور تھا جو آپ کے رستے میں قربان کر دیا، اگر اپنی جان کی بھی ضرورت پڑی تو حاضر کر دوں گا۔ یا یہ خیال کرے کہ پروردگار! جس طرح اس جانور کو قربان کر دیا، اسی طرح اپنی خواہشات کو آپ کے لیے قربان کرنا پڑا تو دیر نہیں لگاؤں گا۔

شب براءت: احادیث مبارکہ کی روشنی میں ایک تجزیاتی مطالعہ

بعض دوستوں نے شب براءت کے حوالے سے پوچھا ہے کہ اس کی کیا حقیقت ہے؟ تو اس بارے راقم نے ایک مضمون مرتب کیا تھا جو ماہنامہ میثاق کے شمارہ ستمبر 2006ء میں پبلش ہوا تھا۔

اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اپنی مختلف کتابوں میں شعبان اور شب براءت کی فضیلت کے حوالے سے جن روایات کو نقل کیا ہے، تو ان کی تعداد تقریباً 135 ہے۔ان میں سے بعض روایات موضوع اور من گھڑت ہیں، بعض ضعیف ہیں اور بعض حسن اور صحیح بھی ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ اکثر روایات ضعیف اور موضوع ہیں۔اس مضمون میں احادیث کے بارے علامہ البانی رحمہ اللہ کی تحقیق پر اعتماد کیا گیا ہے۔

شب براءت کی رات کی نہ تو کوئی متعین عبادت صحیح روایات سے ثابت ہے اور نہ ہی اگلے دن کا روزہ لیکن اس رات کی مطلق فضیلت ثابت ہے اور وہ یہ کہ اس رات میں اللہ عزوجل اپنے بندوں کی مغفرت فرماتے ہیں لیکن دو لوگوں کی مغفرت نہیں ہوتی، ایک کافر اور مشرک کی اور دوسرا ان دو مسلمانوں کی جو کہ ایک دوسرے سے کینہ اور بغض رکھتے ہوں۔اس قدر فضیلت کا ذکر ہمیں صحیح اور حسن روایات میں ملتا ہے۔

اس کے علاوہ جو روایات ہیں یعنی بقیع قبرستان کی زیارت کرنے والی روایت یا بنو کلب کی بکریوں سے زیادہ گناہ معاف کرنے والی روایت یا اس رات سو رکعت ادا کرنے والی روایت یا بارہ رکعت ادا کرنے والی روایت یا اگلے دن کا روزہ رکھنے والی روایت وغیرہ تو یہ ضعیف اور موضوع روایات ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے مذکورہ بالا مضمون متعلقہ مجلہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

کبار اہل حدیث علماء میں سے مولانا عبد الرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے ترمذی کی شرح "تحفة الأحوذي" اور مولانا عبید اللہ مبارکپوری رحمہ اللہ نے مشکوۃ کی شرح "مرعاة المفاتيح" میں لکھا ہے کہ پندرہ شعبان کی رات نہ تو لیلۃ القدر کی طرح فضیلت والی رات ہے اور نہ ہی عام راتوں کی طرح کی کوئی رات ہے بلکہ اس رات کی مطلق فضیلت بعض روایات سے ثابت ہے۔ اور یہی اس بارے معتدل موقف ہے۔

خیال کی لذت

دوست کا سوال ہے کہ میں خیال کی لذت (lust) سے کیسے بچ سکتا ہوں، مجھے بہت زیادہ خیالات آتے ہیں؟ جواب: خیال کی لذت یا شہوانی خیالات ایک عمومی مسئلہ ہے کہ جس کا ہم سب زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے میں شکار ہوتے ہیں۔ شاید یہی وہ گناہ ہے کہ جس کے بارے حدیث میں آتا ہے کہ اسے انسان کی تقدیر میں لکھ دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ اللہ عزوجل نے ابن آدم کی تقدیر میں زنا کا کچھ نہ کچھ حصہ لکھ دیا ہے کہ جس کا ارتکاب وہ کر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے رہے گا، اور آنکھ کا زنا فحش کا دیکھنا ہے، اور زبان کا زنا فحش کا بولنا ہے۔

تو زنا کی دو قسمیں ہیں؛ ایک حقیقی اور دوسرا مجازی یعنی آنکھ، کان، زبان اور خیال کا زنا وغیرہ کہ جس کا ذکر اوپر حدیث میں ہے۔ حقیقی سے بچنا ممکن ہے اور مجازی انسان کی تقدیر ہے، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کو اس سے بچنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے یا انسان اس سے بچ نہیں سکتا۔ انسان اس سے بچ بھی سکتا ہے اور بچنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے اور شریعت نے ان دونوں کاموں کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ [الإسراء: 32] ترجمہ: زنا کے قریب بھی مت جاؤ، تو قریب جانے سے مراد یہی مجازی زنا ہے۔ حدیث کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ مجازی زنا کی وجہ سے اپنی اصلاح سے مایوس نہ ہو جائے بلکہ ہمت کرتا رہے۔

شہوت والے خیالات کی بڑی وجہ تو جبلی ہے اور اس کا علاج یہی ہے کہ شادی کر لے۔ اور اب اگر اسے ایسے خیالات آئیں گے بھی تو اپنی بیوی کے بارے آئیں گے اور اس میں حرج نہیں ہے۔ لیکن کچھ لوگوں کا ایمانی لیول شاید اتنا کمزور ہو کہ انھیں شادی سے بھی افاقہ نہ ہو اور انھیں اپنے نفس پر اتنا کنٹرول نہ ہو کہ کسی شہوانی خیال کا رخ کسی غیر محرم عورت سے اپنی بیوی کی طرف موڑ سکیں، تو ان کا علاج کیا ہے؟ حدیث میں ہے کہ جب تمہیں کوئی عورت اچھی لگے یا اس کا خیال تمہارے دل میں کھب جائے تو تم اپنی بیوی کے پاس آؤ، اس سے اس کا خیال تمہارے دل سے جاتا رہے گا۔ تو خیال کی جو وجہ تھی یعنی شہوت، آپ ﷺ نے اسے حلال طریقے سے پورا کرنے کا حکم دیا، تو جیسے ہی وہ وجہ ختم ہوئی تو خیال بھی جاتا رہا۔

دوسرا یہ کہ اگر کسی کو شادی کی استطاعت نہیں ہے تو وہ کثرت خیال سے کیسے جان چھڑائے؟ اس کا مناسب حل مصروفیت ہے، اپنے آپ کو مصروف کر لیں، اسکرین پر نہیں، دوستوں میں، فیملی میں، اور کچھ نہ ہو سکے تو کسی پارک میں نکل جائیں۔ اور اگر کسی کا خیال بار بار اور تکرار سے آئے تو اگر اس سے شادی کی کوئی صورت نکلتی ہے تو کر لیں، اور اگر نہیں نکلتی تو پھر نماز کے بعد تشہد کی حالت میں بیٹھیں، آنکھیں بند کریں، یکسو ہو جائیں، اور اکیس مرتبہ یہ ورد کریں کہ اللہ مجھے اس سے دور کر دے اور اسے مجھ سے دور کر دے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دعا کرتے وقت آپ کا دل دہائی دے رہا ہو کہ یا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللہ! یہ دعا تو قبول نہ ہی ہو تو اچھا ہے لیکن دعا جاری رکھیں کہ اسی میں آپ کی فلاح ہے، دنیا کی بھی اور آخرت کی بھی۔

اور اگر آپ شادی شدہ ہیں تو ساتھ ہی اپنی بیوی کے بارے یہ وظیفہ بھی اکیس مرتبہ کریں کہ اللہ مجھے اس سے قریب کر دے اور اسے مجھ سے قریب کر دے۔ یہ وظیفہ نفسیاتی حل کے طور بتلایا ہے، اسے کلینیکل سائیکالوجی کی روشنی میں دیکھیں، نہ کہ مذہبی اصولوں کے تناظر میں۔ اور اکیس کے عدد کی سائیکالوجی میں ایک خاص اہمیت ہے یعنی لاشعور کو کوئی پیغام پہچانے کے اعتبار سے۔ اور شہوانی خیالات کا مصدر بعض اوقات شیطان ہوتا ہے اور بعض اوقات انسان کا اپنا نفس، اس لیے تعوذات اور معوذتین کا پڑھنا بھی ان خیالات کو دفع کرنے میں مفید ہے۔

گناہ کے خیال اور میلان سے بچنے کی تدبیر

دوست کا سوال ہے کہ گناہ کے خیال یا اس کی طرف میلان سے کیسا بچا جائے۔ جواب: گناہ کے خیال یا اس کے طرف مائل ہونے سے بچ جانے کی بہت سی تدابیر ہو سکتی ہیں کہ جن میں سے ایک بہترین تدبیر دعا بھی ہے۔ گناہ کا خیال یا اس کی طرف میلان کی وجہ یا تو انسان کا اپنا نفس ہوتا ہے یعنی انسان کی کوئی نفسانی خواہش یا پھر اس کی وجہ شیطان کا وسوسہ ہوتا ہے کہ جس نے انسان کو گمراہ کرنے کی قسم اٹھا رکھی ہے اور وہ ہر وقت انسان کے دل و دماغ میں گناہ کے خیالات پیدا کرنے میں ہی لگا رہتا ہے۔

تو انسان کا نفس یا شیطان، دونوں کا مالک تو پروردگار ہی ہے۔ بس جب ان میں سے کسی ایک سے بھی کوئی تکلیف اور اذیت محسوس کرے تو ان کے مالک کو پکارے۔ بہت سادہ سی بات ہے کہ اگر کوئی کتا آپ پر حملہ کر دے تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آپ خود سے اس کا مقابلہ کریں اور اس میں شاید آپ ہار بھی جائیں۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ کتے کے مالک کو آواز دیں کہ اسے باندھ کر رکھے تا کہ آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، ایسے میں اس کتے کے نقصان سے بچ جانا یقینی ہے۔

ہمارے احوال میں سے کوئی حال ایسا نہیں ہے کہ جس کے بارے رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں کچھ منقول نہ ہو، اور یہ بہت حیرت انگیز بات ہے۔ سالک کی اس کیفیت اور حالت کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رسول اللہ ﷺ کی ایک بہت ہی پیاری دعا منقول ہے، بس اس کو اس حال میں حرز جان بنائے اور اس کے معانی میں غور کرے، اور اس کے پڑھنے کے باوجود اگر گناہ کا خیال یا میلان ترک نہ ہو تو بھی اس کو بطور وظیفہ جاری رکھے، ان شاء اللہ! کچھ عرصے میں حالت اور کیفیت بدل جائے گی۔

اللّهُمَّ عالِمَ الغَيْبِ وَالشّهادَةِ فاطِرَ السّماواتِ وَالأرْضِ رَبَّ كلِّ شَيءٍ وَمَليكَه، أَشْهَدُ أَنْ لا إِلـهَ إِلاّ أَنْت، أَعـوذُ بِكَ مِن شَرِّ نَفْسي وَمِن شَرِّ الشَّيْطانِ وَشِرْكِه، وَأَنْ أَقْتَرِفَ عَلى نَفْسي سوءاً أَوْ أَجُرَّهُ إِلى مُسْلِم. [سنن أبو داود]

"اے اللہ! غیب اور حاضر کے جاننے والے، زمین اور آسمانوں کو پیدا کرنے والے، ہر چیز کے رب اور اس کے مالک، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سواء کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، اے مالک! میرے نفس کی شرارتوں سے مجھے بچا کر اپنی آغوش میں لے لے، اے مالک! شیطان اور اس کے چیلوں کے شر سے مجھے محفوظ رکھ، اے مالک! مجھے اس سے بچا لے کہ میں کسی گناہ میں پڑ جاؤں، اور اس سے بھی بچا لے کہ میں کسی مسلمان کو گناہ میں مبتلا کر دوں۔"

گناہ کی عادت کو ترک کرنے کی تدبیر

احمد جاوید صاحب سے سوال ہوا کہ اگر کسی گناہ کی عادت ہو یا وہ گناہ طبیعت کا حصہ بن جائے تو اسے ترک کرنے کی کیا تدبیر ہے؟ انہوں نے سائل کو دو کاموں کے اہتمام کا مشورہ دیا: ایک نیک لوگوں کی صحبت میں اٹھنا بیٹھنا اور دوسرا اپنے سجدے کو لمبا کرنا۔

ان دو مشوروں میں غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نیک لوگوں کی صحبت سے ان کی محبت پیدا ہو گی اور اس محبت کی وجہ سے معصیت کی طلب کم ہو گی اور خواہش کمزور پڑ جائے گی۔ اور سجدے کو لمبا کرنے سے اللہ کے قرب میں اضافہ ہو گا اور یہ قرب، معصیت سے دوری کا ذریعہ بن جائے گا۔

نفس کو کنٹرول کیسے کیا جائے؟

دوست نے سوال کیا ہے کہ نفس کو کنٹرول کیسے کیا جائے، نماز پڑھنا چاہتا ہوں لیکن کبھی تین پڑھ پاتا ہوں اور کبھی چار۔ ایک دوسرے دوست نے سوال کیا کہ فحش ویڈیوز دیکھنے سے بچنا چاہتا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوں لیکن کبھی بچ پاتا ہوں اور کبھی دیکھ لیتا ہوں؟

جواب: نفس کے بارے ایک اہم بات ذہن میں رہے کہ یہ آپ کا اپنا ہے اور اپنا نہیں بھی ہے۔ یہ آپ کا دوست بھی ہے اور دشمن بھی۔ اس میں ایک ضدی بچے سے لے کر ظالم دشمن تک کے تمام کردار موجود ہیں کہ جنہیں یہ بخوبی نبھاتا رہتا ہے۔ اس کا مقصد آپ کو گرانا نہیں بلکہ اپنا آپ منوانا ہے لہذا کچھ حکیمانہ تدابیر اختیار کر کے اسے باآسانی کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔

ایک تدبیر تو یہ ہے کہ اگر آپ اپنے فرائض کی حفاظت چاہتے ہیں تو سنن کا اہتمام کریں، سنن کی حفاظت چاہتے ہیں تو نوافل کا اہتمام کریں۔ اس کو سمجھنا بہت آسان ہے کہ اپنے ارد گرد فرائض، سنن اور نوافل کے حصار بناتے چلیں جائیں کہ آپ کا دشمن شیطان اگر حملہ آور ہو گا تو سب سے باہر والا حصار متاثر ہو گا۔ اگر آپ نے شیطان سے حفاظت کے لیے اپنی ذات کے گرد حصار ہی صرف فرائض کا بنایا ہے تو اس کا حملہ ہی فرائض پر ہو گا اور متاثر بھی فرائض ہی ہوں گے۔

مثال کے طور اگر آپ تکبیر اولی کا اہتمام کرنے والے ہیں تو کبھی وہ رہ جائے گی لیکن جماعت مشکل سے ہی رہے گی۔ اور اگر آپ جماعت کی نماز کا اہتمام کرنے والے ہیں تو کبھی وہ رہ جائے گی لیکن نماز مشکل سے ہی قضاء ہو گی۔ اور اگر آپ بس نماز وقت پر پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں، تو کبھی نماز قضاء ہو جائے گی اور کبھی اداء۔ اور اگر آپ صرف نماز پڑھنے کا اہتمام کرتے ہیں تو کبھی نماز چھوٹ ہی جائے گی۔ بہت آسان ہے کہ اگر تہجد کے چھوٹنے پر افسوس کرنے والوں میں شامل ہیں تو ان شاءاللہ، نماز قضاء ہونے پر افسوس کرنے والوں میں سے نہیں ہوں گے۔

اسی طرح کی تدبیر معصیت میں بھی اختیار کریں۔ اگر فحش ویڈیوز سے بچنا چاہتے ہیں تو موویز اور ڈرامے دیکھنے بالکل بند کر دیں۔ اگر موویز اور ڈراموں سے بچنا چاہتے ہیں تو وقت گزاری کے لیے مزاحیہ ٹاک شوز وغیرہ دیکھنا بند کر دیں۔ اور ایسا مستقل طور کریں، تو ضرور فائدہ ہو گا، ان شاءاللہ ۔اب اگر شیطان کا حملہ ہو گا بھی تو سب سے باہر والے حصار پر۔

دوسرا یہ کہ اپنے نفس کو یہ احساس دلاتے رہیں کہ اس کی مانی جا رہی ہے، یہ بہت ضروری ہے ورنہ تو وہ آپ کو گرانے کی پوری کوشش کرے گا اور اگر وہ اس کوشش میں لگ گیا تو گرنا آپ ہی کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدر ہے، اس کا نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی چھوٹی چھوٹی خواہشات پوری کرتے رہیں تاکہ اسے اپنے غالب ہونے کا احساس باقی رہے۔ اگر نماز پڑھنے کو دل نہیں کر رہا تو اسے یہ کہیں کہ چلو پڑھ لو، اس کے بعد تجھے آئس کریم کھلاتا ہوں یا وہ کھلا دیں کہ جس سے وہ خوش ہوتا ہو، بس اسے یہ احساس ہو جائے کہ اس کی مانی گئی ہے۔ بھئی، یہ اپنی منوانے کے معاملے میں بیگم سے کم نہیں ہے، اچھی طرح سمجھ لو۔ اب بیوقوفوں کی طرح اس کی ہر بات مان لو یا اسے لولی پاپ دیتے رہو، یہ تمہاری عقلمندی اور سمجھداری پر منحصر ہے۔

بھیڑیوں کا معاشرہ

معاف کر دینا اور صبر کرنا بہت بڑی نیکی ہے لیکن بعض اوقات بدلہ لینا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھیڑیوں کا معاشرہ ہے۔ بعض اوقات یہاں آپ کو اپنا حق لینا نہیں بلکہ چھیننا پڑتا ہے۔ یہاں ہر وقت ایک بھیڑ کی سی شرافت کے ساتھ آپ زندگی نہیں گزار سکتے۔ یہ بھیڑیے سرکاری محکموں میں بھی ہیں اور مذہبی طبقات میں بھی۔ بھئی، اگر آپ شریف آدمی ہیں تو بھی کبھی کبھار آپ کو ان کے لیے اینگری برڈ بننا پڑے گا اور ان کے سر پر پھٹنا ہو گا ورنہ تو یہ آپ کے لیے زندگی عذاب بنا دیں گے۔

ایک مرتبہ ایک بہت ہی شریف النفس اور مٹے ہوئے عالم دین کو اپنی اصلاحی مجلس میں کسی پر برستے دیکھا۔ ایسے میں عموماً لوگوں کا ردعمل یہ ہوتا ہے کہ بھئی، چھوڑیں دفعہ کریں، آپ صبر کریں، حوصلہ رکھیں، یہ لوگ تو ایسے ہی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ میری رائے میں ایسی صورت حال میں ردعمل یہ ہونا چاہیے تھا کہ ایسے شریف النفس آدمی کو یہ کہا جائے کہ اسے دو باتیں اور سناؤ اور وہ بھی میری طرف سے۔

وہ کس قدر بداخلاق اور ظالم انسان ہے کہ جس نے آپ جیسے شریف النفس کے ضبط کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ بھئی، اسلام میں صرف معاف کر دینا نہیں ہے بلکہ بدلہ لینا بھی ہے جیسا کہ اللہ عزوجل نے اہل ایمان کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ﴾ [الشوری: 39] ترجمہ: جب ان پر کوئی زیادتی کی جائے تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔ زیادتی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں پہل کرنے والا اور بدلہ لینے والا برابر نہیں ہیں، پہلے کو قرآن مجید نے ظالم اور دوسرے کو مومن کہا ہے۔ دونوں کو ہر گز برابر مت قرار دیں کہ دونوں ایک ہی جیسے ہیں۔ قرآن مجید نے مسلمانوں کو کفار کے ساتھ لڑائی پر ابھارتے ہوئے یہی دلیل بیان کی ہے کہ زیادتی میں پہل کافروں نے کی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَهُمْ بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ [التوبة: 13] ترجمہ: اور انہوں نے تم پر زیادتی کرنے میں پہل کی ہے۔

لیکن ہر وقت اور ہر حال میں بدلہ لینا بھی انسانی اخلاق میں بگاڑ پیدا کر دیتا ہے لہذا کبھی کبھی معاف بھی کر دینا چاہیے۔ اگر آپ دس کو معاف کرنے بعد ایک پر پھٹ پڑتے ہیں تو میں آپ کے ساتھ ہوں بلکہ ہر شخص کو آپ کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اور ہم سب کو اسے برا بھلا کہنا چاہیے کہ جس نے آپ جیسے حوصلہ مند اور صبر کرنے والے کو اتنا تنگ کیا کہ آپ بولنے پر مجبور ہو گئے۔ جو کسی شریف آدمی کو اینگری برڈ بنا دے تو وہ حقیقت میں بھیڑیا ہے، چاہے حکومتی ہو یا مسلکی۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ [المائدة: 148] یعنی اللہ عزوجل کسی کی اعلانیہ برائی کرنے کو پسند نہیں کرتے البتہ جس پر ظلم ہوا ہے، اس کو اس کی اجازت ہے کہ وہ کسی کی اعلانیہ برائی کر سکتا ہے۔ تو اللہ عزوجل ظلم کو برداشت نہیں کرتے۔

اگر آپ کے معاف کر دینے سے ظالم کا ظلم بڑھ جانے کا امکان ہو کہ کسی اور کی عزت پر بھی ہاتھ ڈالے گا تو یقین مانیے، اس صورت میں معاف کرنا خود ایک ظلم شمار ہو گا اور بدلہ لینا جہاد کہلائے گا۔ تو بھیڑیوں کے معاشرے میں لوگوں کو ہر وقت "بھیڑ" بن کر زندگی گزارنے کی تلقین کرنا عقلمندی نہیں ہے بلکہ انہیں کبھی کبھی "چیتا" بننا بھی سکھائیں، ورنہ تو مظلوم رہنا آپ کی نسلوں کا مقدر ہو جائے گا۔ جب بھیڑیے کو یہ توقع ہو گی کہ معقول آدمی بھی اینگری برڈ بن سکتا ہے تو اس پر اس کے حملے ختم نہ بھی ہوں لیکن کم ضرور ہو جائیں گے۔ تو اینگری برڈ بن کر ظلم کو کم کرنے والے بنیں نہ کہ ہر وقت میں بھیڑ کے جیسے مسکینی اور عاجزی سے بھیڑیے کے ظلم کو تقویت پہنچانے کا باعث بنتے رہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شیطان کی چال

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے ایک کتاب لکھی، "تلبیس إبلیس" کے نام سے یعنی شیطان کا جال۔ اس کتاب میں انہوں نے مختلف طبقات مثلاً علماء، صوفیاء، مجاہدین، قراء وغیرہ کو شیطان کس طرح گمراہ کرتا ہے، اس پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت ہی عمدہ کتاب ہے۔

شیطان کے بارے ہمیشہ ذہن میں رکھیں کہ وہ بہت ذہین ہے یا ایک معاملے میں کم از کم بہت ذہین واقع ہوا ہے اور وہ انسان کو گمراہ کرنے کا معاملہ ہے۔ جیسے عورتیں گھریلو سیاست میں ذہین ہوتی ہیں کہ یہ ان کا میدان ہے تو اسی طرح شیطان گمراہ کرنے میں ذہین ہوتا ہے کہ دن رات اس کا یہی کام ہے۔ شیطان کی پیروی سے بچنے کے لیے تقوی کے ساتھ ذہانت کی بھی ضرورت ہے کہ شیطان اکثر مذہبی ذہن کو مذہب کے نام پر الجھن میں ڈالتا ہے۔

آج کل مذہبی لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان کی چالیں کیسی ہوتی ہیں مثلاً ایک انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی زبان کو ذکر سے تر رکھے تو شیطان اس کو کبھی وسوسہ ڈالے گا کہ بہت گناہ گار ہے، استغفار پڑھ۔ تھوڑی دیر بعد اس کے ذہن میں خیال ڈالے گا کہ زیادہ بہتر ہے کہ درود شریف کا ورد کیا کرو کہ اللہ کی رحمت بھی نازل ہو گی۔ کچھ دیر بعد اسے کہے گا کہ اللہ کے تجھ پر اتنے انعامات ہیں تو کچھ ان کا شکر بھی ادا کر لو۔ اب انسان اسی سوچ میں الجھ جائے گا کہ میں استغفار کروں، درود شریف پڑھوں یا تسبیح و تہلیل کو ترجیح دوں، الجھن آگے آجائے گی اور ذکر پیچھے رہ جائے گا۔

وہ مدرسہ کے ایک استاذ کے ذہن میں یہ بات ڈالے گا کہ دینداروں کو دین دار بنانا بھی کرنے کا کوئی کام ہے، کام کرنے کا میدان تو یونیورسٹی کا ہے، وہاں جا کر دین کا کام کرنا چاہیے۔ اور جو مدرسے کا فارغ یونیورسٹی پہنچ جائے گا، اسے وہ یہ وسوسہ ڈالے گا کہ یہاں تو اتنی بے حیائی ہے، نہ ہی طلبا میں دین کا شوق ہے تو بے طلبوں کو پڑھانے کا کیا فائدہ؟ قربانی دو اور مدرسہ میں جا کر پڑھاؤ۔

اور یونیورسٹی میں گریجویشن کرنے والے کے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ دنیاوی تعلیم کس کام کی؟ اسے درمیان میں چھوڑو اور مدرسہ جوائن کرو۔ مدرسہ کے طالب علم کے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ اگر دین کا کام کرنا چاہتے ہوں تو جدید تعلیم ہونی چاہیے لہذا مدرسہ چھوڑو اور یونیورسٹی جوائن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرو۔ یا وہ مدرسہ کے ایک طالب علم کے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ یہاں کے استاذ اچھے نہیں ہیں، دوسرے مدرسہ میں جانا چاہیے، وہاں بہت اچھی پڑھائی ہے۔

وہ تبلیغی کے ذہن میں یہ بات ڈالے گا کہ سوشل میڈیا پر تبلیغ کرو کہ ساری دنیا تو وہاں بیٹھی ہے۔ اور سوشل میڈیا پر بیٹھے ہوئے کو کہے گا کہ اب فیس بک پر کیا خاک تبلیغ ہو گی، تبلیغ تو میدان میں جا کر دھکے کھانے سے ہوتی ہے۔ وہ اسلامی تحریک کے کارکن کے ذہن میں یہ بات ڈالے گا کہ تمہاری زیادہ ضرورت تزکیہ نفس کے لیے بیعت ہونا ہے۔ اور رہا بیعت ہونے والا مرید، تو اسے وہ نہیں چھیڑتا جیسا کہ کچھ اور لوگوں کو بھی نہیں چھیڑتا کہ وہ اپنے آپ سے مطمئن ہیں۔ اور یہ انہیں چھیڑتا ہے جو اپنے آپ سے مطمئن نہ رہتے ہوں۔ بھئی، واقعی میں کوئی دین کا کام کرنا چاہتے ہو تو جس حالت میں ہو، اسی میں سب سے بہتر کام کر سکتے ہو، بس دو کام کر لو؛ ایک احسان پیدا کر لو اور دوسرا مریدوں والا اطمینان۔

قلب کا جاری ہونا

دوست کا سوال ہے کہ قلب جاری کرنا کیا سنت سے ثابت ہے؟ جواب: قلب جاری کرنا متاخرین صوفیاء کی اصطلاح ہیں، متقدمین صوفیاء کے ہاں ایسی بدعت نہ تھی۔ بدعت اس کو اس لیے کہا ہے کہ نہ تو کتاب وسنت میں قلب جاری کروانے کا کوئی حکم موجود ہے اور نہ ہی خیر القرون، سلف صالحین، فقہاء، محدثین، متکلمین اور متقدمین صوفیاء میں کہیں بھی آپ کو یہ پریکٹس نظر آتی ہے۔

بھئی، آپ نے کیا قلب جاری کر لینا ہے، وہ تو پہلے ہی جاری ہے، کیوں لوگوں کو دھوکے میں ڈالا ہوا ہے، اس بے چارے کا قلب جاری ہے تبھی تو زندہ ہے، زندہ کا قلب جاری کرنا بھی کوئی کام ہے بھلا، ذرہ مردے کا قلب جاری کرو تو ہم بھی مانیں کہ کوئی فن ہے اور کوئی فنکار ہے۔

اچھا کہتے ہیں کہ آپ کو تو پتہ ہی نہیں، قلب جاری ہونا کسے کہتے ہیں؟ بھئی، ہمیں خوب پتا ہے کہ قلب جاری ہونا کسے کہتے ہیں کہ ہم نے جاری قلبوں کا مشاہدہ کیا ہوا ہے۔ ایک مرتبہ ایک دوست کسی بزرگ سے ملوانے لے گئے، ان کی مسجد میں ایک صاحب تھے جو کہ سلسلہ سیفیہ سے حال ہی میں بیعت ہوئے تھے اور ان کا قلب جاری تھا۔ اور اس کے جاری ہونے کی کیفیت یہ تھی کہ انہوں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نے سینے سے کپڑا ہٹایا تو ان کے قلب کی شدت حرکت کی وجہ سے ان کا پورا سینہ گویا کہ ہلتا تھا۔

یہ دھک دھک بھی کیا خوب قلب کا جاری ہونا ہوا، ایسا قلب تو کوئی حسینہ بھی جاری کر سکتی ہے تو کیا اس سے بیعت فرمالیں۔ بعض اوقات کسی کا تصور ہی آپ کے دل کی دھڑکن کو تیز کر دیتا ہے، سانس کو پھلا دیتا ہے، دل میں درد اور سوز و گداز پیدا کر دیتا ہے، اور محبت تو نام ہی درد کا ہے۔ تو اگر قلب جاری ہونے کی وجہ اللہ کی محبت ہوئی اور اس کی کیفیت وہ درد ہوا جو دل میں پیدا ہوتا ہے تو یہ کیفیت تو عام محبوب کے بارے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

استاذ محترم عبد الرحمن مدنی صاحب فرماتے ہیں کہ ان کی اہل حدیث صوفی بزرگ عالم دین مولانا محمد لکھوی رحمہ اللہ سے مدینہ میں ملاقات ہوئی تو لکھوی صاحب رحمہ اللہ نے کہا کہ قلب جاری ہونا بہت ضروری ہے۔ مدنی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ پھر میرا بھی جاری کر دیں۔ تو لکھوی صاحب رحمہ اللہ گھنٹہ ڈیڑھ بھر لگے رہے یہاں تک کہ پسینوں پسینے ہو گئے اور آخر میں تھک ہار کر کہنے لگے کہ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان پر اثر نہیں ہوتا۔

مدنی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے لکھوی صاحب رحمہ اللہ کو تو نہیں بتلایا کہ وہ بزرگ ہیں، ناراض ہو جائیں گے، آپ کو بتلا دیتا ہوں کہ میں دل میں مسلسل آیت الکرسی پڑھ رہا تھا، مجھے یہ پتا تھا کہ اگر قلب جاری ہونا کوئی رحمانی حال ہوا تو آیت الکرسی اس میں ہرگز رکاوٹ نہیں بنے گی لیکن اگر شیطانی حال ہوا تو رکاوٹ بن جائے گی۔

البتہ اگر تو قلب جاری ہونے سے مراد قلب کے وہ احوال ہیں جو اللہ کی کتاب میں بیان ہوئے ہیں تو یہ بات درست ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ﴾ [الحدید: 16] ترجمہ: کیا اہل ایمان کے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی یاد اور جو حق بات نازل ہوئی اس کے سبب سے جھک جائیں۔ اسی طرح قرآن مجید کی سماعت سے اہل ایمان کے دلوں کا نرم پڑ جانا وغیرہ تو یہ وہ قرآنی کیفیات قلبی ہیں جو رحمان کی طرف سے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندگی سے بیزاری

دوست کا سوال ہے کہ بعض اوقات انسان زندگی سے اچاٹ اور بیزار ہو جاتا ہے، زندہ رہنے میں اور اس مادی دنیا میں کوئی دلچسپی باقی نہیں رہ جاتی۔ ایسے میں جنت اور اللہ سے ملاقات کا شوق اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ انسان نہ چاہتے ہوئے اللہ سے یہ دعا کرنے لگ جاتا ہے کہ اسے اب اس دنیا میں نہیں رہنا، اسے اپنے رب سے ملنا ہے، اپنے خالق کو دیکھنا ہے، جنت میں رہنا ہے، اپنے مالک کے ساتھ وغیرہ وغیرہ

یہ کیفیت تو بہت خوب ہے، بہت اچھی ہے، اگر کبھی کبھار پیدا ہو تو، اور اگر مستقل ہو تو پھر اچھا نہیں ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو ایسی کیفیات سے واسطہ پڑتا ہے؛ دنیادار کو بھی اور دیندار کو بھی۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک دنیادار شخص اپنے اندر کے روحانی خلاء کی وجہ سے مادی دنیا سے بیزاری محسوس کرے گا تو ایک دیندار اللہ کے قرب کی منازل طے کرتے ہوئے درمیان میں کوئی رکاوٹ محسوس کرتا ہے جو عموماً دنیا ہی ہوتی ہے تو اس کے دل میں آخرت کی کشش اور محبت شدت اختیار کر جاتی ہے اور دنیا سے بیزاری بڑھ جاتی ہے۔

اور بعض اوقات اس کیفیت کو صوفیاء کے ہاں قبض کہا جاتا ہے کہ جس میں دل بند ہو جاتا ہے، قلب ہر چیز سے اچاٹ اور بیزار ہو جاتا ہے اور اس کے علاج کے طور سورہ انشراح کی تلاوت تجویز کی جاتی ہے۔ یا اللہ سے دعا کرے کہ اس کیفیت پر اجر عطاء فرمائے لیکن اس کیفیت پر گھبرانا نہیں چاہیے کیونکہ یہ بسط یعنی دل کی خوشی اور کشادگی کا دروازہ ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں بھی ایسی کیفیت کا تذکرہ روایات میں ملتا ہے کہ جب پہلی وحی کے بعد وحی کے نزول میں کچھ انقطاع آ گیا تو آپ زندگی سے بیزاری محسوس کرتے تھے لیکن یہ کبھی کبھار اور عارضی ہوتا ہے۔ اسے آزمائش سمجھ لے یا اللہ کے قرب کی منازل طے کرنے کا زینہ اور سیڑھی سمجھ لے تو یہی اطمینان کے لیے کافی ہے۔ اور آپ ﷺ کی بیزاری کی وجہ یہی تھی کہ وحی زندگی اور حیات ہے اور جب اس کا آنا کچھ عرصہ بند ہو گیا تو زندہ رہنے کی خواہش بھی ماند پڑ گئی۔

دوسری بات یہ کہ رویے اصل میں دو ہیں؛ ایک یہ کہ اللہ کے لیے مر جانا اور دوسرا اللہ کے لیے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زندہ رہنا کہ پہلے کو صوفیاء فناء کہتے ہیں اور دوسرے کو بقاء کہتے ہیں۔ شریعت کے مطالعہ سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں دوسرا کام یعنی بقاء باللہ زیادہ اہم ہے کہ اس میں زیادہ مجاہدہ ہے جبکہ کچھ مخصوص حالات میں فناء فی اللہ یعنی شہادت کا درجہ زیادہ ہے۔ پس اس بیزاری کی کیفیت کا حل یہ بھی ہے کہ اس کے لیے زندگی میں کچھ مقاصد (goals) متعین کر لے کہ یہ کرنا ہے اور یہ کرنا ہے، پوری زندگی کے لیے بھی، اور ہر سال کے لیے بھی، اس سے دوسری کیفیت غالب آنا شروع ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جب انسانی طبیعت پر دعوت تبلیغ، درس وتدریس اور اصلاح معاشرہ کا رجحان غالب ہو تو سالک میں اللہ کے لیے باقی رہنے کی خواہش بڑھ جاتی ہے اور اگر عبادت، نوافل، اور ذاتی اصلاح اور تزکیہ کی طرف توجہ زیادہ ہو جائے تو اللہ کے لیے مر جانے کی خواہش بڑھ جاتی ہے لہذا اپنی ایکٹوٹی کو تھوڑا سا تبدیل کر کے دیکھ لیں کہ عبادت سے زیادہ دعوت کو وقت دیں تو اس سے بھی یہ کیفیت کم ہو جائے گی لیکن اس کیفیت کو ختم نہیں ہونے دینا چاہیے، ورنہ اپنی اصلاح رک جائے گی۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ اس کیفیت کو نعمت سمجھے لیکن حد سے بڑھنے نہ دے۔

علاوہ ازیں زندگی سے بیزاری کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ آپ کی دنیاوی خواہشات پوری ہو چکیں مثلاً شادی ہو گئی، بچے ہو گئے، ملازمت اچھی ہے، گھر بار بھی ہے، اللہ کے فضل سے کوئی بیماری اور بڑی آزمائش نہیں ہے تو ایسے میں انسان سمجھتا ہے کہ جیسے اس کی زندگی کا مقصد پورا ہو گیا ہو کیونکہ یا تو اس کی زندگی میں کوئی دینی مقصد نہیں تھا اور جو دنیاوی بھی تھا تو وہ بھی بہت چھوٹا تھا لہذا جیسے ہی پورا ہوا وہ دنیا سے بیزاری محسوس کرنے لگ گیا۔ اس کا حل یہی ہے کہ دینی مقاصد کو شعوری طور مقصد زندگی بنائے اور خاص طور بڑے بڑے دینی مقاصد کو۔ اور بعض اوقات زندگی سے بیزاری کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ آپ کی کوئی شدید دلی خواہش پوری نہیں ہو پا رہی ہوتی، ایسی خواہش کہ جو آپ کے لیے زندگی کا مقصد بن چکی ہو تو آپ زندگی سے بیزاری محسوس کرنے لگتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مصیبت اور نعمت کی آزمائش

دوست کا سوال ہے کہ اللہ عزوجل بعض لوگوں کو فتنے، مصائب اور تکالیف کے ذریعے آزماتے ہیں جبکہ بعض کو نعمت، آسائش اور آسانی دے کر آزماتے ہیں جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو نعمت اور حضرت ایوب علیہ السلام کو مصیبت کے ساتھ آزمایا۔ تو جب اللہ کا مقصود آزمائش ہی ہے تو اللہ عزوجل نے نعمت اور آسانی کے ساتھ سب کو کیوں نہیں آزمایا؟ جبکہ مصیبت کی آزمائش میں عموماً لوگ فتنے کا شکار ہو کر ایمان سے بھی جاتے رہتے ہیں۔

جواب: اللہ عزوجل ہر انسان کو مصیبت اور نعمت دونوں سے آزماتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ [الأنبياء: 35] کہ ہم تمہاری آزمائش خیر اور شر دونوں کے ساتھ کرتے رہتے ہیں۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ کسی پر نعمت کی آزمائش زیادہ ہوتی ہے اور کسی پر مصیبت کی لیکن مصیبت کی آزمائش سب پر آ کر رہتی ہے کہ کسی کی جسمانی ہو گی تو کسی کی ذہنی، کسی کی مالی ہو گی تو کسی کی بدنی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ﴾ [البقرة: 155] کہ ہم لازماً تمہاری آزمائش ڈر، بھوک، مال و دولت، جان اور فصلوں کے نقصان سے کر کے رہیں گے۔ اب بدقسمتی یہ ہے کہ ہماری نئی نسل موجودہ آسائشی ماحول کے سبب سے اس آزمائش کے لیے ذہناً تیار نہیں ہے اور کفر کا اندیشہ بہت بڑھ گیا ہے۔

علماء میں اس بات میں اختلاف ہے کہ صبر کی آزمائش بڑی ہے یا شکر کی۔ یعنی اس کی آزمائش بڑی ہے کہ جسے اللہ نے دے کر آزمایا ہے یا اس کی آزمائش بڑی ہے کہ جسے اللہ نے لے کر آزمایا ہے۔ ہماری رائے میں ان علماء کی رائے راجح ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ شکر کی آزمائش بڑی ہے کہ مصیبت میں اکثر کو صبر تو آ ہی جاتا ہے لیکن نعمت میں شکر ادا کرنا بہت مشکل کام ہے، بہت ہی مشکل۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے کہا ہے: ﴿وَقَلِيلٌ مِنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ [سبأ: 13] کہ میرے بندوں میں بہت ہی کم لوگ شکر گزار ہیں۔

پھر نعمت کی آزمائش ایسی ہے کہ اس کے بارے قیامت والے دن بھی حساب کتاب ہو گا جیسا کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید میں ہے: ﴿ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ [التکاثر: 8] کہ تم سے قیامت والے دن دنیا کی نعمتوں کے بارے لازماً پوچھا جائے گا جبکہ مصیبت کی آزمائش پر حساب نہیں بلکہ اجر ہے جیسا کہ سنن الترمذی کی روایت میں ہے کہ قیامت والے دن سب سے بڑا اجر اس کا ہو گا کہ جس کی دنیا میں آزمائش بڑی تھی۔ اور سورۃ العنکبوت کے آغاز میں تو یہاں تک فرما دیا کہ لوگوں نے یہ گمان کیسے کر لیا ہے کہ انہیں صرف ایمان کا دعوی کر لینے اور مصیبت سے آزمائے بغیر چھوڑ دیا جائے گا!

بلکہ مصیبت کی آزمائش کا اجر تو دنیا میں ہی ملنا شروع ہو جاتا ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ اگر مسلمان کو کانٹا بھی چبھے تو اللہ عزوجل اس کا ایک درجہ بلند کر دیتے ہیں یا اس کا ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اللہ عزوجل بندہ مومن کو اس کی جان، مال اور اولاد میں مسلسل آزماتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے فقر وفاقہ کی نسبت آسائش کو بڑی آزمائش کہا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ مجھے تمہارے بارے فقر وفاقہ کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ اس کا ڈر ہے کہ دنیا تم پر کھول دی جائے اور تم اس میں مقابلے کر کے پچھلی قوموں کی طرح ہلاک ہو جاؤ۔ رہی یہ بات کہ ہم مصیبت کی آزمائش کا سامنے کیسے کریں تو اس کی بابت عرض یہ ہے کہ آزمائش میں کامیابی چار طرح سے ممکن ہے؛ صبر کے ذریعے کہ جس میں آزمائش ختم تو نہیں ہوتی لیکن اس کی وجہ سے پیدا ہونے والی بے چینی سکون میں بدل جاتی ہے۔

دوسرا نماز اور دعا کے ذریعے کہ جس سے آزمائش ٹل جاتی ہے یا کم ہو جاتی ہے۔ تیسرا اپنے سے زیادہ آزمائش والوں میں نظر کے ذریعے کہ اپنے سے کم تر کو دیکھے۔ اگر نئی گاڑی کو اسکریچ آ گیا تو اس کو دیکھے کہ کتنوں کے ڈنٹ پڑ گئے ہیں۔ اور اگر ڈنٹ پڑ گیا ہے تو یہ دیکھے کہ کتنوں کی گاڑی ہی تباہ ہو گئی ہے۔ اور اگر گاڑی تباہ ہو گئی تو یہ دیکھے کہ کتنوں کی جان بھی ضائع ہو گئی اور اس کی بچ گئی وغیرہ۔ شیخ احمد دیدات رحمہ اللہ کو ایسی بیماری لاحق ہوئی کہ جسم حرکت نہیں کر سکتا تھا لیکن انہوں نے دس سال اس بیماری میں کاٹے اور صرف آنکھ کے پپوٹوں سے تبلیغ کرتے تھے۔

اور چوتھا رستہ اہل ایمان کے تعاون کا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جو شخص کسی مسلمان

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بھائی کی تنگی دور کرے گا تو اللہ تعالی قیامت والے دن اس کی تنگی دور کریں گے تو اگر کوئی مسلمان بھائی کسی آزمائش میں ہے مثلاً مالی تنگی ہے تو اس کو دور کرنے میں دوسرے بھائی تعاون کریں۔ اگر وہ مظلوم ہے تو ظالم کے خلاف اس کا ساتھ دیں۔ اگر وہ پریشان ہے تو اس کے ساتھ کوئی ایسی ہنسی مزاح والی بات کر دیں کہ جس سے وہ ہنس پڑے اور اس کی پریشانی کم ہو جائے تو یہ بھی صدقہ ہے اور آزمائش کم کرنے کا ایک ذریعہ بھی۔ آپ اہل ایمان کی آزمائش کم کرنے میں معاون بن جائیں، اللہ عزوجل آپ کی آزمائش کم کر دیں گے۔ بہر حال انسان آزمائش کو طبعاً ناپسند کرتا ہے، اس میں شک نہیں لیکن اس کو درج بالا ذرائع سے دور یا کم کیا جا سکتا ہے۔

مرنا کون سا آسان کام ہے!

اگر جینا مشکل ہے تو مرنا کون سا آسان ہے۔ ہسپتالوں میں چلے جائیں تو لاکھوں کینسر، ہیپاٹائٹس، نشہ اور جان لیوا امراض سے لڑتے لڑتے جان کی بازی ہار رہے ہیں۔ سڑکوں، شاہراہوں اور فضاؤں پر نظر دوڑائیں تو ہزاروں زمینی اور فضائی حادثات میں جانیں دیں رہے ہیں۔ اقوام عالم کی سیر کریں تو آسمانی اور زمینی آفات زلزلہ، سیلاب، سونامی حضرت انسان کو بے رحمی سے نگل رہی ہیں۔ اسی طرح جنگ وجدال کے سلگتے شعلوں میں آدم کا بیٹا سسک سسک کر جان اپنے مالک کے حوالے کر رہا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی مشقت در مشقت ہے، یہ مشقت میں پیدا ہوا، مشقت میں زندگی گزارتا ہے اور مشقت کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ یہ بیچارہ تو اپنے لیے آسان موت کا انتخاب بھی نہیں کر سکا۔ ہاں، بس دعا کر سکتا ہے کہ اللہ اس کی زندگی اور موت دونوں کی آزمائش میں آسانی پیدا فرما دیں۔ پروردگار نے سچ فرمایا ہے: کہ اے انسان! تجھے مشقت پر مشقت جھیل کر اس دنیا سے گزرنا ہے اور اپنے رب سے ملاقات کرنی ہے۔

اور بعض اوقات تو ایسے محسوس ہوتا ہے کہ سورۃ احزاب کے آخر میں اللہ عزوجل نے جس بوجھ کا تذکرہ کیا ہے، وہ یہی زندگی کا بوجھ ہے کہ جسے اٹھانے سے زمین وآسمان نے انکار کر دیا لیکن انسان نے اسے اٹھا لیا تو پروردگار نے اس کی اس حرکت پر اسے "ظلوما جھولا" یعنی مظلوم اور نادان کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خطاب دیا۔ پھر پروردگار نے انسان کو محض زندگی کی مشقت سے نہیں آزمایا بلکہ اس سے بڑی آزمائش یہ ڈال دی کہ وہ اس مشقت میں رب کو اس امید پر پکارے کہ وہ اس کی مشقت دور کر دے لیکن رب اسے ایک نئی مشقت میں ڈال دے۔

بھئی، زندگی کی حقیقت جاننا چاہتے ہو تو وہ یہی آزمائش ہے، اس کے لیے ذہناً تیار رہو، زندگی کسی قدر آسان ہو جائے گی۔ تمہاری دعا سے آزمائش ٹل جائے گی لیکن کچھ عرصے بعد ایک نئی آزمائش تمہارا رخ کر لے گی کہ اللہ نے اس دنیا کو دار آزمائش بنایا ہے اور اس نے تمہیں ہر قیمت پر آزمانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ممتاز مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ جب تک میں اللہ سے دور تھا تو ایسے محسوس ہوتا تھا کہ اللہ میرے پیچھے پیچھے ہے۔ اور جب سے میں اس کے پیچھے لگا ہوں تو احساس یہ ہے کہ وہ ایسے مجھ سے آگے ہے کہ جیسے میری درد بھری آواز ہی نہ سن رہا ہو۔

انسان کی ساری بھاگ دوڑ کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی طرح دنیا کی آزمائش سے بچ جائے لیکن یہ اس کی تقدیر ہے۔ جب تک جان میں جان ہے، اس سے نکلنا ممکن نہیں ہے۔ ایک آزمائش سے نکلے گا تو دوسری میں جا پڑے گا یہاں تک کہ اسے موت کی آزمائش آ جائے۔ پس خوش قسمت ہیں وہ لوگ کہ جنہوں نے دین کی آزمائش کو قبول کر لیا کہ آزمائش تو آنی ہی تھی لہذا یہ پسند کر لیا کہ دین اختیار کرنے سے آ جائے تا کہ اللہ بھی راضی ہو جائے اور امتحان میں بھی کامیابی ہو جائے۔ اور دنیا کی آزمائش میں، صبر نہ آنے کے باوجود، شکوہ و شکایت نہ کرنے والے بھی، کامیاب ہیں۔ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا﴾ [الدھر: 12] کہ ان کے صبر کا بدلہ جنت اور ریشم کا لباس ہے، تو جنت تو ہے ہی صبر کا بدلہ لیکن صبر بہت مشکل کام ہے اور یہی وہی جان سکتا ہے کہ جس پر آزمائش پڑی ہو جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: وَاصْبِرْ عَلَى مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ [لقمان: 17] ترجمہ: آپ اس پر صبر کریں کہ جو مصیبت آپ کو پہنچے۔ یقیناً یہ صبر کرنا بڑے ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

ایمان کا سیکھنا

دوست کا سوال ہے کہ قرآن مجید پڑھتے ہیں لیکن اس کے پڑھنے کا اثر نہیں ہوتا، کیا وجہ ہے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ صحابہ پڑھتے تھے تو ان پر تو بہت اثر ہوتا تھا۔ جواب: اس سوال کا جواب سنن ابن ماجہ کی ایک روایت میں بہت ہی خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے اور اس سے زیادہ شاید کچھ کہنے کی گنجائش بھی نہیں ہے۔ بس اس روایت کا سادہ سا مفہوم ذہن نشین کر لیں۔

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِتْيَانٌ حَزَاوِرَةٌ، «فَتَعَلَّمْنَا الْإِيمَانَ قَبْلَ أَنْ نَتَعَلَّمَ الْقُرْآنَ، ثُمَّ تَعَلَّمْنَا الْقُرْآنَ فَازْدَدْنَا بِهِ إِيمَانًا» [سنن ابن ماجة]

"جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے جبکہ ہم کڑیل نوجوان تھے۔ ہم نے پہلے ایمان سیکھا۔ اس کے بعد قرآن مجید سیکھا۔ پس جب ہم نے قرآن مجید سیکھا تو ہمارا ایمان بڑھ گیا۔"

ایک اور روایت کے الفاظ میں یہ بھی اضافہ ہے کہ «فَإِنَّكُمُ الْيَوْمَ تَعَلَّمُونَ الْقُرْآنَ قَبْلَ الْإِيمَانِ» کہ تم لوگ آج ایمان سیکھنے سے پہلے قرآن مجید سیکھنے میں لگے ہو۔ تو گویا صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بنیادی غلطی کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس سے قرآن مجید کا اثر ختم ہو جاتا ہے اور وہ یہ کہ قرآن مجید پہلے سیکھا جائے اور ایمان بعد میں۔

جبکہ صحیح ترتیب کہ جس پر صحابہ کرام تھے، یہ تھی کہ پہلے ایمان سیکھا اور پھر قرآن مجید۔ یعنی صحابہ کرام کے ایمان پہلے موجود تھا تو قرآن مجید نے کہا کہ جب قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں تو ایمان بڑھ جاتا ہے یعنی جو ایمان پہلے سے موجود ہے، اس میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

آج قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے کے ادارے جگہ جگہ موجود ہیں، ہر دوسرے گلی محلہ میں درس قرآن کے حلقے قائم ہیں لیکن فرد اور معاشرے میں تبدیلی نہیں آ رہی، قرآن مجید کا اثر اس طرح نہیں ہو رہا جیسا کہ ہونا چاہیے؛ نہ مدرس پر اور نہ ہی شرکائے درس پر، تو اس کی وجہ ایمان کی کمزوری ہے۔ پہلے ایمان سیکھیں اور وہ دین پر عمل سے آتا ہے، اس کے بعد قرآن مجید پڑھیں، تو اس کا اثر دیکھیں، کیسے اور کتنا ہوتا ہے۔ اللہ کے لیے کچھ چھوڑ دینے کا تجربہ ہی نہیں ہے تو اللہ سے محبت کی آیات پڑھ کر کیسے آنکھیں نم ہوں گی؟

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایمان کے حاصل کرنے کے ذرائع

بعض تابعین نے جب قرآن مجید کے اثر نہ کرنے کی شکایت کی تو حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے اس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ ہم صحابہ نے پہلے ایمان سیکھا اور اس کے بعد قرآن مجید سیکھا۔ پس جب ہم نے قرآن مجید سیکھا تو ہمارا ایمان بڑھ گیا جبکہ تم لوگ یعنی تابعین آج ایمان سیکھنے سے پہلے قرآن مجید سیکھنے میں لگے ہو۔

تو گویا قرآن مجید کے اثر نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ایمان سیکھنے پر محنت نہیں ہے۔ اس پر بعض دوستوں نے تبصرہ کیا کہ قرآن مجید تو خود ایمان سیکھنے کا ذریعہ ہے۔ یہ بات درست ہے کہ قرآن مجید ایمان سیکھنے کا ذریعہ ہے لیکن یہ اکیلا ذریعہ نہیں ہے۔ ایمان سیکھنے کے ذرائع میں قرآن مجید کی آیات کی تلاوت اور ان کی سماعت کے علاوہ متقی لوگوں کی مجلس اور صحبت میں بیٹھنا، اللہ کی نشانیوں یعنی کائنات میں غور و فکر کرنا اور شریعت پر ہر حال میں عمل کرنا وغیرہ بھی شامل ہیں۔

یہاں صحابی کی جو بات ہے، تو وہ ایک خاص سیاق میں ہے اور اس سے مراد وہ ایمان ہے جو شریعت پر عمل کی صورت میں آزمائش سے پیدا ہوتا ہے جیسا کہ صحابہ کے ساتھ تھا۔ قرآن مجید کے مطابق صحابہ کا معاملہ تو یہ تھا کہ انہوں نے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنی جان اور مال سب کچھ جیسے بیچ دیا ہو ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ [البقرة: 207]۔ مشرکین مکہ کو صحابہ کا یہ ایٹی چیوڈ بے وقوفوں والا معلوم ہوتا تھا کہ دین کے ایک حکم پر عمل کی خاطر دنیا کو لات مار دی۔ اسی لیے تو وہ مشرکین کہتے تھے: ﴿قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ﴾ [البقرة: 13]۔ ترجمہ: کیا ہم ان لوگوں کی طرح ایمان لائیں جو کہ بے وقوف ہیں۔

وہ شخص اللہ پر کیا توکل کرے گا یا اسے توکل کا مفہوم کیا سمجھ آئے گا کہ جس کی ملازمت سرکاری ہے، جس کا گھر اپنا ہے، جس کے پاس بہترین گاڑی ہے۔ اللہ تعالی توکل کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں، اس آیت کا حقیقی اثر تو اس پر ہو گا کہ جس کی ملازمت عارضی ہے اور اسے دوران ملازمت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے لیکن وہ نماز چھوڑنے کو تیار نہیں ہے، چاہے ملازمت چلی جائے اور آگے ملنے کی امید بھی نہ ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو شریعت پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہونے اور دین کے لیے قربانی دینے سے آزمائش کی ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے، اس کیفیت سے دل نرم ہوتا ہے اور اب یہ نرم دل اس زمین کی مانند ہے جو بارش کے پانی کو جذب کرنے کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل اس زمین کی مانند ہو چکے تھے کہ جنہوں نے وحی کے اثرات کو قبول کرنے کی صلاحیت پیدا کر لی تھی اور یہ آج کل مفقود ہے۔

اس کا حل یہ ہے کہ سیرت صحابہ کا مطالعہ کیا جائے اور صحابہ کی طرح دین پر عمل کی کوشش کی جائے، اس سے جو کیفیات پیدا ہوں گی، وہ ایمانی ہوں گی اور ان سے قرآن مجید ویسا ہی اثر کرے گا جیسا کہ صحابہ پر کرتا تھا۔ یہ سابقہ پوسٹ "ایمان کا سیکھنا" کا اصل مفہوم تھا جو کہ بعض دوستوں کو سمجھ نہیں آئی اور انہوں نے یہ بحث شروع کر دی کہ قرآن کے بغیر ایمان کیسے حاصل ہو گا؟ بھائی، قرآن پر عمل کرنے سے ایمان حاصل ہو گا نہ محض قرآن پڑھنے پڑھانے اور سمجھنے سمجھانے سے۔ یہی وہ بات ہے کہ جسے بعض صحابہ نے یوں بیان کیا ہے کہ ہم نے قرآن مجید کا علم اور اس پر عمل ایک ساتھ حاصل کیا ہے۔ تو قرآن مجید سیکھیں اور سیکھے ہوئے پر عمل کریں۔ قرآن مجید پر عمل سے ایمان پیدا ہو گا اور پھر قرآن مجید پڑھنے اور سمجھنے سے اس ایمان میں اضافہ گا۔ اسی طرح قرآن مجید پڑھنے اور سمجھنے سے ایمان پیدا ہو گا اور پھر قرآن مجید پر عمل سے اس ایمان میں اضافہ ہو گا۔ تو یہ تصویر کے دو رخ ہیں لہذا تصویر کے دوسرے رخ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جسے قرآن فہمی کی تحریک میں بالکل نظر انداز کر دیا گیا اور وہ یہ کہ عمل بھی ایمان میں شامل ہے اور اس کا ایک جزء ہے۔

قرآن مجید کا اثر

دوست کا سوال ہے کہ قرآن پڑھتا ہوں لیکن کوئی اثر نہیں ہوتا جبکہ قرآن کا بیان ہے کہ اس کی تلاوت سے ایمان بڑھ جاتا ہے۔ اور یہ بھی قرآن میں ہے کہ اگر یہ قرآن پہاڑوں پر نازل کیا جاتا تو وہ ریزہ ریزہ ہو جاتے تو انسان پر اس کا اثر کیوں نہیں پڑتا؟ بس رسمی سی تلاوت ہے جو ہم کبھی کبھار کر لیتے ہیں، کبھی صرف تلاوت اور کبھی ترجمہ قرآن کے ساتھ بھی۔ اور کبھی کچھ تھوڑا بہت اثر ہو بھی جاتا ہے لیکن ویسے نہیں ہوتا جیسا کہ ہونا چاہیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ بہت اہم سوال ہے اور اس کا جواب قرآن ہی کی روشنی میں یہ ہے کہ انسانی دل پتھروں کی طرح سخت ہو جاتے ہیں کہ وہ قرآن کے اثر کو قبول نہیں کرتے جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت 74 میں ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق قرآن مجید کی وحی کو بارش کے پانی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اب بارش کے پانی میں نفع ہی نفع ہے، فائدہ ہی فائدہ ہے لیکن یہ فائدہ صرف وہی زمین اٹھاتی ہے جو کہ بارش کے پانی کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو لہذا بارش کے پانی سے نرم زمین کو فائدہ ہو گا اور وہ پانی کو جذب کرنے کے بعد خوب پھل پھول، اناج اور غلہ اگائے گی اور اگر زمین پتھریلی ہو گی تو بارش کا پانی اسے کچھ فائدہ نہ دے گا۔

بس ہمارے کرنے کا جو کام ہے، وہ یہ ہے کہ ہم اپنے قلب یعنی دل کی زمین کو نرم کریں تاکہ قرآن اور وحی کے اثرات اس میں جذب ہو سکیں۔ اب دل کی زمین کے نرم ہونے کے کچھ اسباب فطری ہیں کہ جن میں سے ایک آزمائش بھی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کے ساتھ کوئی نہ کوئی آزمائش لگی ہوئی ہے، اور کچھ نہ سہی تو ایک بچہ ہی اپنے والدین کے تین سال لے جاتا ہے کہ کبھی صبح ہسپتال کا چکر اور کبھی شام، کبھی دن کی بے آرامی اور کبھی رات کا جاگنا۔ اور آزمائش کی تو بیسیوں صورتیں ہیں کہ جن میں انسان کا دل نرم ہو جاتا ہے۔

پس اب زمین تیار ہے اور جو کرنے کا کام ہے، وہ یہ کہ اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہے تو اب وحی کے اثرات دل کی زمین میں جذب ہوں گے۔ اور یہ کر کے دیکھ لیں کہ اگر آپ اپنے بچے کے لیے ہسپتال میں مارے مارے پھر رہے ہیں تو اس حالت میں صرف سبحان اللہ اور الحمد للہ کے الفاظ آپ کو اللہ کے جتنا قریب کر دیتے ہیں، اتنا شاید عام حالات میں ایک تہائی رات کا قیام بھی آپ کے دل میں اثر نہیں ڈالے گا۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آزمائش کے حالات کو بے صبری سے ضائع نہ کریں بلکہ اللہ کے قریب ہونے کا سبب بنالیں اور قرآن اور وحی کا اثر قبول کرنے کا ذریعہ بنالیں۔

پھر دل کی نرمی کے لیے کوئی مصنوعی مشق مثلاً مراقبہ، یوگا یا میڈی ٹیشن وغیرہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے بلکہ صرف اتنا کر لیں کہ کبھی کبھار اکیلے میں قبرستان کی زیارت کر لیا کریں اور وہاں قبروں کے بیچ بیٹھ کر مردوں کی مغفرت کے لیے اپنی مادری زبان میں دعائیں کریں، یا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہسپتال کا وزٹ کر لیا کریں اور مریضوں کے لیے جی بھر کر شفاء کی دعا کریں تو اپنی موت کی یاد اور شکر کے جذبے سے دل کا جو بھی گرد و غبار ہے، وہ کسی قدر اتر جائے گا اور اب قرآن مجید کی تلاوت کا خوب اثر ہو گا۔ اسی طرح نیک اساتذہ، دوستوں، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی صحبت بھی قرآن اور وحی کے اثر کو قبول کرنے کا مادہ دل میں پیدا کر دیتی ہے لہذا ایسے لوگوں کی صحبت تلاش کریں۔

عبادت میں دل نہیں لگتا!

دوست کا سوال ہے کہ عبادت میں دل نہیں لگتا، نماز تلاوت، ذکر، دعا سب چل رہا ہے لیکن دل نہیں لگ رہا، ایسا کیا کریں کہ عبادت میں دل لگنا شروع ہو جائے۔ جواب: یہ ہمارے معاشرے کا ایک عام مسئلہ ہے؛ عوام کا بھی اور خواص کا بھی۔ کسی کی توجہ نہیں لگ رہی تو کسی کا تو دل بھی نہیں لگ رہا اور عبادت جیسے بوجھ بن کر رہ گئی ہو۔

عبادت میں توجہ اور رغبت پیدا کرنے کی کچھ تدابیر ہیں، انہیں اختیار کرنے سے فائدہ ہو گا، ان شاءاللہ۔ توجہ، ذہن کی یکسوئی کا نام ہے اور رغبت، دل کی یکسوئی کو کہتے ہیں یعنی عبادت میں ذہن اور قلب دونوں متوجہ ہوں، یہ ہمارا مسئلہ ہے۔ یہ اس لیے عرض کر دیا کہ بہت سے لوگ خشوع و خضوع صرف ذہنی یکسوئی کو ہی سمجھتے ہیں کہ ذہن اللہ کی طرف متوجہ رہے، حالانکہ ذہنی یکسوئی کے ساتھ دل میں عبادت کا ذوق اور شوق بھی اصلاً مطلوب و مقصود ہے کہ دل عبادت کے دوران اللہ کی طرف لپکتا رہے۔ ذہنی یکسوئی، تصور اور خیال کی ہوتی ہے جبکہ قلبی یکسوئی، خواہش اور طلب کی ہوتی ہے۔

ایک صحیح روایت میں قرآن مجید اور وحی کی مثال بارش کے ساتھ دی گئی ہے کہ جو سخت اور نرم زمین پر اترتی ہے۔ اب نرم زمین اس کو جذب کر لیتی ہے تو غلہ اور اناج اگتا ہے لہذا زمین کو بھی فائدہ ہو گیا اور دوسروں کو بھی۔ سخت زمین میں سے بعض پیالے کی طرح ہوتی ہیں کہ پانی کو خود تو جذب نہیں کرتی لیکن ذخیرہ کر لیتی ہے لہذا اس نے خود تو فائدہ نہ لیا لیکن دوسروں نے اس کے علم سے فائدہ حاصل کر لیا۔ اور بعض سخت زمین چٹان کی طرح ہوتی ہے کہ بارش کے پانی کو نہ تو جذب کرتی ہے اور نہ ہی دوسروں کے لیے روک رکھتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عبادت میں توجہ اور دل لگنے کے لیے ضروری ہے کہ ذہن اور قلب کی زمین نہ صرف عبادت کے اثرات قبول کرنے کے لیے تیار ہوں بلکہ ان اثرات کو ذخیرہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہوں تاکہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکیں۔ اب دل اور دماغ کو اس کے لیے تیار اور ہموار کیسے کیا جا سکتا ہے تو اس کی کچھ تدابیر ہیں۔ سب سے اہم آزمائش ہے، ہم میں سے ہر ایک کو کسی نہ کسی آزمائش کا سامنا رہتا ہے، چھوٹی ہو یا بڑی، یہ آزمائش آپ کے دل و دماغ کو یکسو کر دیتی ہے اور نرم بھی، پس اس یکسوئی اور نرمی کو عبادت کے لیے استعمال کر لیں۔

دوسرا طریقہ صحبت کا ہے کہ ایسے لوگوں کی صحبت میں بیٹھیں کہ جنہیں عبادت میں ذہنی اور قلبی یکسوئی حاصل ہو چکی ہو۔ کچھ عرصہ بیٹھنے سے ایسے احوال اور کیفیات حاصل ہوں گی کہ دل اور دماغ کی زمین عبادت کے اثرات قبول کرنے کے لیے تیار ہونا شروع ہو جائے گی۔ تیسری تدبیر خواہش اور طلب کی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کی کچھ خواہشات ہیں، بعض خواہشات کی طلب حد سے بڑھ جاتی ہے۔ یہ حد سے بڑھی ہوئی طلب آپ کو ذہنی اور قلبی یکسوئی دیتی ہے، اسے عبادت کے لیے استعمال کر لیں۔ اور اگر یہ خواہش اور طلب خالص دینی ہو جیسا کہ لوگوں کی ہدایت کی تڑپ رکھنا تو یہ تو بہت ہی بہترین ذریعہ ہے۔ دعوت تبلیغ کا کام کرنے والوں میں سے اکثر کی عبادت میں یکسوئی اسی رستے سے قائم ہوتی ہے۔

عبادت اہم ہے یا خدمت؟

بعض اوقات سرکاری اداروں مثلاً ہسپتال، پوسٹ آفس وغیرہ میں یہ منظر دیکھنے کو ملتا ہے کہ لوگوں کا رش زیادہ ہے، لائنیں لگی ہیں، اور کاؤنٹر پر بیٹھی/بیٹھا محترمہ/محترم کسی وظیفے میں مصروف ہیں، توجہ ساری اپنی تسبیح کی طرف ہے، یا پھر قرآن مجید کھولا ہوا ہے، خصوصاً رمضان میں تو ایسا عام ہوتا ہے، اور عوام کو یہ کہا جا رہا ہوتا ہے کہ عملے کا متعلقہ آدمی سیٹ پر نہیں ہے لہذا انتظار فرمائیں۔

یا دوسری صورت حال یوں ہوتی ہے کہ متعلقہ ذمہ دار بھی وہی محترمہ/محترم ہوتی ہیں لیکن ان کی توجہ خدمت جو کہ ان کا فرض ہے اور جس کی وہ تنخواہ لیتے ہیں، کی بجائے اپنے ورد و وظیفے کی طرف زیادہ ہوتی ہے لہذا کام میں اچھا خاصا خلل واقع ہو رہا ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں کوئی مفتی تو نہیں ہوں لیکن میرے ساتھ یہاں فیس بک پر کئی ایک مفتی صاحبان ایڈ ہیں، تو ان سے گزارش ہے کہ معاشرے میں اس کلچر کو ختم کرنے کے لیے کوئی فتوی جاری کریں کہ ایسے مواقع پر عوام کی خدمت آپ کی ذاتی عبادت اور وظیفے سے بڑی نیکی ہے۔ بلکہ جس دنیاوی منفعت کے حصول یا جس آزمائش سے نجات کے لیے آپ یہ وظیفہ کر رہے ہیں، شاید عوام کی خدمت کے وظیفے سے آپ کی وہ حاجت جلد پوری ہو جائے گی اور آزمائش فوراً ٹل جائے گی۔

اگر کوئی سرکاری ملازم ہے تو اس کے لیے تو یہ بالکل بھی جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی ملازمت کی ذمہ داریوں سے غفلت برتے، عوام پریشان ہوں، رُل رہے ہوں، اور یہ صاحب اپنے وظیفوں میں کھوئے ہوں۔ اور ایسی صورت حال میں یہ ورد وظیفے نیکی کا نہیں بلکہ گناہ کا کام ہیں۔

اور اگر آپ کی وہ ذمہ داری نہیں ہے اور متعلقہ شخص سیٹ پر نہیں ہے تو مجھے تو یہی سمجھ آتی ہے کہ آپ کے قرآن پڑھنے سے بڑا نیکی کا کام یہ ہے کہ آپ لوگوں کو انتظار کی زحمت سے بچا لیں اور متعلقہ شخص کی جگہ خود آگے بڑھ کے اس کے کام کے حوالے سے لوگوں کی رہنمائی کر دیں اور ان کی دعائیں لیں کہ جو اللہ کے ہاں آپ کے ورد وظیفے سے بڑی قدر رکھتی ہیں۔

پس اس وظیفے یعنی خدمت خلق کے وظیفے سے آپ اللہ کا جتنا قرب حاصل کر سکتے ہیں اور اسے جتنا راضی کر سکتے ہیں، کسی اور وظیفے سے نہیں کر سکتے۔ آزما کر دیکھ لیں۔ جزاکم اللہ خیرا۔ اس تحریر میں عبادت سے مراد نفلی عبادت ہے نہ کہ فرائض۔

وہ ہم میں سے نہیں ہے!

نبی کریم ﷺ سے بہت روایات ایسی مروی ہیں کہ جن میں آپ نے بعض افعال کا ارتکاب کرنے والوں کے بارے "فلیس منا" یا "فلیس مني" کے الفاظ کہے ہیں کہ وہ ہم میں سے نہیں ہیں یعنی اس کا مسلمان امت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے یعنی نبی کریم ﷺ سے۔ وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ سے محبت، نسبت اور تعلق کے دعویدار ہیں تو ان کے لیے آپ ﷺ کے یہ الفاظ بہت اہم ہیں۔

ایسا کہنے سے آپ ﷺ کی مراد ان افراد کو دائرہ اسلام سے خارج کرنا نہیں تھا بلکہ ان کے ان

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعمال اور افعال کی کراہت اور ناپسندیدگی کو بیان کرنا مقصود تھا کہ یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بھی کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مسلمان ہو، رسول اللہ ﷺ کے امتی ہو، اور تمہیں نبی سے کوئی ذرا برابر بھی تعلق اور نسبت حاصل ہے؟ تو نبی کریم ﷺ کہیں کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے جو یہ کام کرے اور میں وہ سب کام کر کے بھی اپنے آپ کو عاشق بامراد کہلواتا رہوں تو کتنا بڑا دھوکا ہے کہ جو میں نے اپنے آپ کو دے رکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

- وہ ہم میں سے نہیں ہے کہ جس نے مسلمان کو دھوکہ دیا۔ (صحیح مسلم)
- وہ ہم میں سے نہیں ہے کہ جس نے مسلمان پر تلوار اٹھائی۔ (صحیح مسلم)
- وہ ہم میں سے نہیں ہے کہ جس نے اس چیز کے اپنے ہونے کا دعوی کیا کہ جو کسی دوسرے مسلمان کی ہے۔ (صحیح مسلم)
- وہ ہم میں سے نہیں ہے کہ جس نے کسی مسلمان کی بیوی یا اس کے غلام/ملازم کو اس کے بارے بہکایا۔ (سنن ابوداؤد)
- وہ ہم میں سے نہیں ہے کہ جو چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کا ادب نہ کرے۔ (سنن ابوداؤد)
- وہ ہم میں سے نہیں ہے کہ جس نے کسی کا مال چھین لیا۔ (سنن ابوداؤد)
- وہ ہم میں سے نہیں ہے کہ جس نے اپنی مونچھوں کو پست نہ کیا۔ (مسند احمد)
- جو اس حال میں مرا کہ اس کا تقدیر پر ایمان نہیں ہے تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد)
- نکاح میری سنت ہے اور جس نے میری سنت پر عمل نہ کیا تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ (سنن ابن ماجہ)
- میرے بعد کچھ ظالم حکمران ہوں گے، جو ان کے پاس گیا اور اس نے ان کے ظلم کی تصدیق کی اور ان کے جھوٹ کو سچ کہا تو نہ اس کا مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے اور نہ ہی یہ حوض کوثر پر مجھ سے مل سکے گا۔ (سنن الترمذی)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- اور میرا امتی کہ جس نے دوسرے امتی کے خلاف تلوار نکالی، ان کے نیکوکاروں پر بھی اور گناہ گاروں پر بھی، نہ مومن کے ایمان کی پرواہ کی اور نہ ذمی کے عہد کا خیال رکھا تو اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ (صحیح مسلم)

ایک ہی شخص میں جنت اور جہنم والے اعمال کا جمع ہونا

دوست کا سوال ہے کہ بعض اوقات ایک شخص ایسی نیکیاں کرتا ہے کہ جن پر احادیث مبارکہ میں جنت کی بشارت دی گئی ہے لیکن اس کے ساتھ وہ بعض ایسے گناہ بھی کرتا ہے کہ جن پر جہنم کی وعید ہے، تو اب اس کا ٹھکانا کون سا ہو گا؟ مثال کے طور صحیح مسلم کی روایت میں ہمیں ملتا ہے کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہو گا تو وہ جنت میں داخل نہ ہو گا جبکہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ جس نے اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کر لی تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ اب ایک شخص میں یہ دونوں باتیں ہیں یعنی جنت میں داخلے کا سبب بھی موجود ہے اور جہنم میں جانے کا بھی تو اس کا انجام کیا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ احادیث میں جن اعمال پر جنت کی بشارت دی گئی ہے یا جہنم کی وعید ہے تو وہ دو قسم پر ہیں۔ بعض روایات میں انہیں "موجبات" کہا گیا ہے یعنی وہ جنت یا جہنم کو واجب کر دینے والے اعمال ہیں اور یہ کوئی تیس کے قریب ہیں۔ اور بعض روایات میں انداز یہ ہے کہ یہ جنت یا جہنم میں داخل ہونے کے اسباب ہیں یعنی ضروری نہیں ہے کہ ان کی وجہ سے وہ جنت اور جہنم کا لازمی مستحق قرار پائے۔ اور جنت میں ہر مومن اللہ کی رحمت سے داخل ہو گا نہ کہ اپنے عمل کے سبب سے یہ بات بھی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت میں موجود ہے۔ پس جب جنت میں داخلہ ہی اللہ کی رحمت سے ہونا ہے تو پھر ان دوسری قسم کی احادیث میں کوئی تعارض باقی نہیں رہتا۔

جہاں تو موجبات کی بات ہے یعنی ایسے اعمال جو جنت کو واجب کر دیتے ہیں تو اس کا مطلب یہی ہے کہ اس عمل سے جنت اس شخص کے لیے واجب ہو جائے گی بشرطیکہ اس نے کوئی ایسا کام نہ کیا ہو جو جنت میں داخل ہونے میں مانع اور رکاوٹ بن جائے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اخلاص سے گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ اب اس سے مراد یہی ہے کہ اتنے عمل سے جنت واجب ہے جب تک کہ وہ کوئی ایسا کام نہ کر لے کہ جو جنت میں داخل ہونے میں رکاوٹ بن جائے۔

بھئی، بہت سادہ سی بات ہے کہ کسی ملک کا ویزا حاصل کرنے کے لیے ایک تو بنیادی معیار ہوتا ہے، اگر اس پر آپ پورے اترتے ہیں تو آپ ویزا حاصل کرنے کے اہل ہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کو ویزہ مل بھی جائے گا کہ اگر آپ کسی جرم میں ملوث پائے گئے تو ویزے کا حصول آپ کے لیے مشکل ہو جائے گا کہ ایک مانع یا رکاوٹ آ گئی ہے۔ اور جب تک یہ دور نہ ہو گی تو آپ کا کیس ملتوی (pending) رہے گا۔

پس جس شخص میں ایمان اور کفر کی شاخیں جمع ہو جائیں یا اس میں جنت اور جہنم دونوں کے اسباب موجود ہوں تو ایک صورت تو یہ ہے کہ جس کے اسباب "میزان" میں غالب ہوں گے، اس کے مطابق اس کا فیصلہ ہو جائے۔ اگر جنت کے اسباب کا وزن غالب ہے تو جنت میں جائے گا اور اگر جہنم کے اسباب کا وزن غالب ہے تو جہنم میں جائے گا اور بالآخر جنت اس کے لیے واجب ہو جائے گی۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ اگر دونوں اسباب کا وزن برابر ہوا تو ایسا شخص مقام اعراف میں ہو گا، مقام اعراف جنت اور جہنم کے مابین ایک مقام ہے اور یہاں وہ لوگ ہوں گے کہ جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ یہ لوگ بعد میں اللہ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

جنت میں داخل کرنے والے اعمال: مسلک پرستوں اور مسلک بیزاروں کے لیے

- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ پچھلی قوموں میں ایک شخص کی روح قبض کرنے کے بعد فرشتوں نے اس سے کہا کہ کوئی نیکی کا کام بھی کیا ہے؟ تو اس نے جواب میں کہا کہ مجھے یاد نہیں ہے۔ فرشتے پھر کہیں گے کہ یاد کرو۔ تو وہ جواب میں کہے گا کہ ایک نیکی یاد ہے کہ میں لوگوں کو قرض دیتا تھا اور جب قرض واپس لینے کا وقت ہوتا تھا تو اپنے غلاموں کو یہ حکم دیتا تھا کہ دیکھنا جو تنگ دست ہو، اس کو مزید مہلت دے دینا اور جو قرض ادا نہ کر سکتا ہو، اس کو معاف کر دینا۔ اللہ نے اس عمل پر اس کو جنت میں داخل کر دیا۔ (صحیح مسلم)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے مسلمانوں کے راستے میں ایک کانٹے دار شاخ کو دیکھا تو اس نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں اسے مسلمانوں کے راستے سے صاف کر دوں گا تا کہ کسی مسلمان کو تکلیف نہ ہو۔ تو اللہ نے اس عمل پر اسے معاف کر دیا اور جنت میں داخل کر دیا۔ (مسند احمد)
- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے کو اپنا معمول بنالیا تو اس کے جنت میں داخل ہونے میں صرف ایک ہی رکاوٹ ہے، اور وہ اس کی موت ہے۔ (صحیح الجامع)
- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس شخص کو جنت کے کنارے گھر کی بشارت دیتا ہوں کہ جو جھگڑا چھوڑ دے، چاہے اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہو۔ اور اس کو جنت کے وسط میں گھر کی بشارت دیتا ہوں جو جھوٹ کو چھوڑ دے، چاہے مزاح میں ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس شخص کو جنت کے اعلیٰ درجوں میں گھر کی بشارت دیتا ہوں کہ جو اپنے اخلاق کو بلند کر لے۔ (سنن ابی داؤد)
- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں ایک ساتھ ہوں گے۔ اور آپ نے شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اِس طرح اشارہ کر کے دکھایا کہ ان دونوں کے مابین کچھ فاصلہ تھا۔ (صحیح البخاری)
- اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے بندے کے جگر گوشے کی روح قبض کر لوں تو اس پر صبر کا بدلہ میرے پاس صرف جنت ہے۔ (صحیح البخاری)
- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھے اپنی شرم گاہ اور زبان، دو چیزوں کی حفاظت کی ذمہ داری دیتا ہے تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہو۔ (صحیح البخاری)
- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک تمام گناہوں کا کفارہ ہے اور مقبول حج کی جزا تو جنت ہے۔ (موطا امام مالک)

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کا آخری کلام لا الہ الا اللہ ہو گا، وہ جنت میں داخل ہو گا۔ (سنن ابی داؤد)
- جنت میں ایک شخص کا درجہ اچانک بلند کر دیا جاتا ہے۔ تو وہ یہ پوچھتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا ہے؟ تو اسے جواب دیا جاتا ہے کہ تمہاری اولاد نے تمہارے لیے مغفرت کی دعا کی ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

بلاک ہونے والوں کی خدمت میں

فیس بک پر شاید سارے ہی مستقل لکھاری بلاک اور ان فرینڈ کی آپشن استعمال کرتے ہیں لہذا لکھاریوں کی نظر میں یہ معمول کی بات ہے لیکن بلاک ہونے والوں کو اس پر شکایت ہوتی ہے اور بعض بلاک شدگان تو بلاک کرنے والوں کے فضائل و مناقب میں پوسٹیں بھی مرتب کر دیتے ہیں۔ بلاک کرنے والا عموماً بلاوجہ بلاک نہیں کرتا بلکہ جب اسے کسی جلن آمیز (irritating) رویے کا سامنا ہوتا ہے تو وہ تنگ آ کر کمنٹ کرنے والے کو بلاک کر دیتا ہے۔

بلاک ہونے کی بڑی وجہ فیس بک کا مزاج نہ سمجھنا ہے۔ فیس بک پر ہر شخص کی وال ایسے ہی ہے جیسے اس کے گھر کی دیوار۔ اور جیسے اسے اپنے گھر کی دیوار کے بارے یہ حق حاصل ہے کہ اس پر کیا نظر آنا چاہیے اور کیا نہیں، اس طرح اسے اپنی وال کے بارے بھی یہی اختیار حاصل ہے۔ اب کیا کوئی شخص یہ پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے گھر کی دیوار پر اس کے خلاف گالیاں لکھیں یا نعرے لگائیں یا اس کو طعنے دیں یا ایسی بات کریں کہ جس سے وہ اندر تک سڑ کر رہ جائے۔ ہر گز نہیں، کبھی نہیں۔

بھئی، کسی کمنٹ کو ڈیلیٹ کرنے کے لیے آپ کے لیے اتنی دلیل ہی کافی ہے کہ میں اسے پسند نہیں کرتا۔ بس آپ کی دیوار ہے، آپ اگر اس پر کسی اشتہار کا لگنا پسند نہیں کرتے، چاہے وہ کسی مذہبی مجلس کا ہو یا دینی محفل کا، تو آپ کا یہ حق ہے اور اختیار ہے کہ اسے رکھیں یا مٹا دیں۔ اس کا تعلق حق و باطل سے بھی نہیں ہے بلکہ پسند و ناپسند سے ہے۔ اس لیے بہترین لکھاری وہ ہیں کہ اگر کسی سے اختلاف کرتے ہیں تو اپنی وال پر، ان کی وال پر جا کر لمبے لمبے کمنٹس کر کے انہیں وحشت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں مبتلا نہیں کرتے۔

میں عموماً ان لوگوں کو بلاک کر دیتا ہوں جو طعن و تشنیع شروع کر دیتے ہیں اور ان کے طعن و تشنیع والے کمنٹس بھی ڈیلیٹ کر دیتا ہوں۔ اور یہ بلاک کرنا ایک طرح سے ان سے معذرت ہوتی ہے کہ آپ سے گفتگو ممکن نہیں ہے، مجھے ہی معذور سمجھیں۔ بھئی، میرے پاس الجھنے کا وقت نہیں ہے، کرنے کو اور بہت کام پڑے ہیں۔ اور میچور لکھاری کا لب ولہجہ اختلاف کرتے وقت بہت محتاط ہوتا ہے، مجھے خود اختلاف کرنے کا اسلوب سیکھنے میں دس سال لگے ہیں۔ میں نے شروع میں اپنے تزکیے کے لیے طعنے بھی برداشت کیے ہیں لیکن کیا کریں کوئی غامدی بنا دیتا ہے تو کوئی قادیانی سے بھی ملا دیتا ہے۔ لہذا اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ بلاک کے ذریعے معذرت کر لی جائے۔

عاجزی انکساری اپنی جگہ، لیکن یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ فیس بک پر سب برابر نہیں ہیں، سب کی ذہنی سطح ایک جیسی نہیں ہے، سب کا نالج ایک نہیں ہے۔ میں پچھلے گیارہ سال سے مسلسل لکھ رہا ہوں، ایک صد پچاس کے قریب تحقیقی اور فکری مضامین شائع ہو چکے ہیں، آٹھ دس کتابیں مرتب کر لی ہیں، ریسرچ میرا اوڑھنا بچھونا ہے، کبھی عشاء کو بیٹھتا ہوں تو فجر کی اذان ہو جاتی ہے، اور جو پبلش نہیں ہو سکا، ہارڈ ڈسک میں لکھ یا جمع کر رکھا ہے، وہ اتنا ہے کہ اگلے بیس سالوں کے لیے کافی ہے۔

بھئی، عاجزی واجزی بہت ہو گئی، آپ ایک محقق کی وال پر ہیں، جہالت کے طعن والے کمنٹ کرنے سے پہلے صرف اتنا سوال کر لیا کریں کہ اس موضوع پر آپ کی تفصیلی تحریر ہے تو وہ شیئر کر دیں۔ پھر اس تفصیلی تحریر کا جواب دیتے رہیں، اگلی نصف صدی تک۔ ہم نے کوئی دوڑ کر نہیں لکھا، بہت محنت سے لکھا ہے، جواب دینے بیٹھو گے تو معلوم ہو گا کہ یہاں صرف پسینہ نہیں نکلے گا، خون بھی سڑے گا۔

پوسٹ ڈیلیٹ کرنا

ایک ہی چیز کو دیکھنے کے کئی زاویے ہوتے ہیں۔ بعض اوقات ہم اپنی کھڑکی سے گلی کا منظر دیکھتے ہیں اور ہمارا پڑوسی اپنی کھڑکی سے دیکھتا ہے لہذا دونوں میں گلی کا منظر بیان کرنے میں اختلاف ہو جاتا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور ایسی جگہ پر دونوں صحیح ہوتے ہیں۔ لہذا یہ ممکن ہے کہ آپ کی کسی تحریر میں خیر کا پہلو بھی ہو اور شر کا بھی ہو۔ آپ اس کے خیر کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے اس تحریر کو پوسٹ کر رہے ہوں اور آپ کا کوئی دوست اس میں کسی شر کے پہلو کی طرف اشارہ کر رہا ہو۔

ہم سب یہاں سیکھنے کے لیے موجود ہیں۔ میں کوئی بھی تحریر پوسٹ کرنے سے پہلے سوچتا ہوں، بعض اوقات دس بار بھی سوچتا ہوں، لیکن اس کے باوجود بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ایک دوست اس تحریر کے کسی شر کے پہلو کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ جس کی طرف میری توجہ پہلے نہیں تھی تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ مجھے یہ تحریر ڈیلیٹ کر دینی چاہیے۔ یہ کہنا تو درست نہیں ہے کہ مجھے یہ تحریر پوسٹ نہیں کرنی چاہیے تھی کیونکہ میں نے سوچ بچار کے بعد اس کو پوسٹ کیا لہذا پوسٹ کرنا غلطی نہیں تھی البتہ اب جبکہ کسی نے اس تحریر کے نقصان دہ پہلو کی طرف توجہ دلا دی ہے تو اب اس تحریر کو اپنی ٹائم لائن پر باقی رکھنا شاید نامناسب ہو گا۔

اب یہ بھی ہے کہ ہر دوست کو ہر تحریر پسند نہیں آتی لہذا یہ بھی ممکن نہیں ہے کہ انباکس میں اگر کوئی صاحب حکم دے رہے ہوں کہ فلاں تحریر نامناسب ہے تو میں اسے ڈیلیٹ کر دوں لیکن یہ تو ہے نا کہ میری بعض تحریریں ایسی ہوتی ہیں کہ کسی کے ہلکا سا احساس دلا دینے سے بھی اندر سے ایک آواز آتی ہے کہ اسے ڈیلیٹ کر دو تو اچھا ہے یعنی میں ڈیلیٹ عوام کے اثر سے نہ کروں بلکہ اندر کی آواز پر کروں۔ لیکن اگر اندر کا آدمی ہی مر چکا ہو تو بھئی پھر تو یہ کہتے پھرو گے کہ میں ایسا لکھتا ہی نہیں ہوں کہ بعد میں ڈیلیٹ کرنا پڑے۔ یہ تو خدائی دعوی ہے نہ کہ انسانی۔

اور مجھے تو یہ بھی یقین ہے کہ جس دن میرے اندر سے ایسی آواز آنا بند ہو گئی تو مجھے یقین کر لینا چاہیے کہ میں اندر سے مر چکا ہوں۔ شاید دو تین ہفتے پہلے ہی اپنی ایک تحریر ڈیلیٹ کی ہے۔ بعض اوقات کسی دوست کو بھی یہ مشورہ دینے کو دل کرتا ہے کہ وہ اپنی فلاں تحریر ڈیلیٹ کر دیں، لیکن ابھی تک کسی کو یہ مشورہ دیا نہیں ہے کہ شاید اس کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے کہ ہر کوئی خیر خواہ اور واعظ ہے اور جب سب خیر خواہ ہوں تو کوئی خیر خواہ نہیں ہوتا۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میرے خیال میں اچھا لکھاری وہی ہے، جو اپنی پوسٹ ڈیلیٹ کرنے کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حوصلہ بھی رکھتا ہو کہ یہ رویہ یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ تاحال انسان ہی ہے۔ لیکن میں یہ بھی نہیں کہہ رہا کہ آئے روز پوسٹیں ڈیلیٹ کرتا رہے، اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے لکھنا ہی نہیں چاہیے۔

میسنجر انباکس

آپ کے متقی ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ آپ کے فیس بک میسنجر انباکس تک آپ کے گھر والوں کو، جب اور جیسے، رسائی (access) حاصل ہو۔ احمد جاوید صاحب کا کہنا ہے کہ شاید بہت سے دینداروں اور متقیوں کے انباکس اس قابل نہیں ہوں گے کہ جنہیں ان کے گھر والوں یا دوستوں کے سامنے کھولا جا سکے یعنی وہ انھیں اپنے گھر والوں اور دوستوں سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

بہر حال امر واقعہ ایسا ہے یا نہیں لیکن اگر ہم میں سے کسی کو اپنا انباکس اپنے گھر والوں یا دوستوں سے چھپانے کی ضرورت محسوس ہوتی ہو تو اس کی تنہائی "احسان" اور "تقوی" والی نہیں ہے۔ میں متقی ہونے کا دعویدار تو نہیں ہوں لیکن میں نے اپنی بیگم کو اپنے میسنجر اور واٹس ایپ تک رسائی ضرور دے رکھی ہے لیکن اس کے باوجود کسی کو میری اصلاح کی اتنی فکر پڑی ہے کہ میرے اکاؤنٹ سے پچھلے ایک ماہ سے چھیڑ خوانی فرما رہے ہیں کہ مجھے آئے دن اپنے فون نمبر پر پاسورڈ ری سیٹ کرنے کے کوڈز ہی ملتے رہتے ہیں۔ محترم ہیکر صاحب! اگر آپ یہ بیگم کی رسائی والی بات پر ایمان لے آئیں تو آپ کی محنت ضائع ہونے سے بچ جائے گی۔

خیر میرے اکاؤنٹ سے تو جو مرضی چھیڑ خوانی کر لیں لیکن یہاں المیہ ہے کہ ہر دوسرے عالم دین یہی شکایت کر رہے ہوتے ہیں جبکہ اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث کا مفہوم ہے کہ اے وہ لوگو کہ ایمان جن کی زبان پر ہے، دل میں نہیں اترا، جو مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنے میں لگے ہو، باز آجاؤ، ورنہ خدا تمہارے عیوب کے پیچھے پڑ جائے گا، اور خدا جس کے عیوب کے پیچھے پڑ جائے، تو اسے اس کے گھر میں رسوا کر دیتا ہے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو صحیح الجامع میں نقل کیا ہے۔

تو اسلام میں ایک تو یہ ہدایت ہے کہ اگر کسی بھائی کا عیب سامنے آ بھی جائے تو اس پر پردہ ڈالے کہ اللہ تعالی قیامت والے دن اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور یہاں تو اخلاق کی گراوٹ کی انتہاء دیکھیں کہ کسی کی خامی یا عیب یا کمزوری کچھ مل جائے سہی، چاہے اس کے لیے جاسوسی کرنی پڑی، آئی۔ڈی ہیک کرنی پڑے، اور پھر جس طرح گندی مکھی گندپر بیٹھ کر اٹھتی ہے تو جہاں بیٹھتی ہے تو گند ہی پھیلاتی ہے، تو بس یہی کام کریں۔ یہ ہیں اس مسلمان معاشرے کی اخلاقیات جو آپ کو روزمرہ زندگی میں بھی نظر آئیں گی۔

غیر محرم سے انباکس چیٹ کرنا

بعض دوستوں، خاص طور فی میلز کی طرف سے سوال آتا ہے کہ غیر محرم سے انباکس چیٹ کر سکتے ہیں مثلاً کسی عالم دین سے کوئی مسئلہ پوچھنے کے لیے، کسی داعی دین سے کوئی رہنمائی لینے کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ ایک دوست نے تو ایک مرتبہ ایک فتوی بھی انباکس کیا کہ جس کے مطابق غیر محرم سے چیٹ کرنا حرام تھا اور دلیل یہ تھی کہ اللہ کے رسول ﷺ نے غیر محرم مرد اور عورت کو خلوت اور تنہائی سے منع فرمایا ہے۔

خیر میں اسے حرام تو نہیں کہتا کہ یہ وہ خلوت نہیں ہے۔ حدیث میں جس خلوت کا تذکرہ ہے، وہ فزیکل ہے نہ کہ ورچوئل۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ ورچوئل خلوت کبھی فزیکل خلوت کا ذریعہ بن سکتی ہے تو پسندیدہ اور مستحسن امر یہی ہے کہ گروپس بنا کر بات کی جائے۔ ون ٹو ون چیٹ اگر دو چار مرتبہ کی ہو تو شاید حرج نہ ہو گا لیکن اگر مستقل اور مسلسل ہو رہی ہو اور دونوں ایج فیلوز بھی ہوں یا غیر شادی شدہ ہوں تو شاید کیا یقیناً آپ کو کسی ایٹچمنٹ کی طرف لے جائے گی اور یہ بہت فطری ہے۔ اور ان معاملات میں مرد زیادہ آزمائش میں ہوتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے ان کی فطرت میں "جرات" اور "اقدام" یعنی آگے بڑھنا رکھا ہے جبکہ عورت کی فطرت میں "حیا" اور "گریز" یعنی پیچھے ہونا ہے۔

مدرسے کا طالب علم

مدرسہ کے زمانہ طالب علمی میں ایک بار ایسا ہوا کہ کسی طالب علم نے بیت الخلاء میں جا کر لوٹے میں پیشاب کر دیا۔ ممکن ہے کہ اسے کسی استاذ سے ڈانٹ پڑی ہو لہذا اس نے غصہ اس طرح نکالا۔ بہر حال اس کے فعل شنیع کی وجہ جو بھی ہو، ایک دوسرا طالب علم جب واش روم میں گیا تو اس نے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوٹے میں پیشاب دیکھا تو اس کے اوسان خطا ہو گئے۔

دوسرے طالب علم کو اور تو کچھ سمجھ نہ آئی، وہ دوڑتا ہانپتا اپنے ایک کلاس فیلو دوست کے پاس آیا کہ اس طرح کسی طالب علم نے لوٹے میں پیشاب کر دیا ہے۔ تیسرا طالب علم اسی وقت اپنی جگہ سے اٹھا، بیت الخلاء کی طرف دوڑا، لوٹے کے پیشاب کو فلش میں بہایا، لوٹے کو اچھی طرح دھویا اور واپس اسی جگہ رکھ دیا۔ انجنیئر محمد علی مرزا صاحب جو کہ مدرسہ پر ضرورت سے زیادہ ہی تنقید کرتے رہتے ہیں، انہیں یہ تیسری قسم کے طلباء نظر کیوں نہیں آتے۔

اب جو لوگ مدارس کے خلاف ہیں یا اہل مدرسہ سے بغض رکھتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں مدرسہ اور اہل مدرسہ کی بری تصویر بٹھانا چاہتے ہیں تو وہ پہلی قسم کے طالب علم کے واقعے کو لیں گے اور یہ دعوی کریں گے کہ مدرسہ کا طالب علم ایسا ہی ہوتا ہے۔ ہمیں یہ ماننے میں حرج نہیں ہے کہ اس قسم کے طالب علم بھی مدرسہ میں ہوتے ہیں لیکن اگر دو سو طلباء میں سے ایک طالب علم نے ایسی حرکت کی ہے تو یہ ایک فی صد بھی نہیں بنتے۔

دوسری طرف تیسرا طالب علم بھی تو ہے کہ جس نے پہلے طالب علم کی گندگی کو صاف کر دیا۔ اس تیسرے طالب علم کو مدرسہ کے طالب علم کی اصل تصویر ماننے میں کیا رکاوٹ ہے؟ ہم نے خود مدرسہ میں چٹائیوں پر بیٹھ کر پڑھا ہے۔ میں یہ دعوی تو نہیں کر رہا کہ مدرسہ کے ننانوے فی صد طالب علم ایسے ہیں کہ اگر وہ بیت الخلاء میں گندگی اور نجاست دیکھ لیں تو اسے صاف کر دیتے ہیں لیکن کم از کم بیس تیس فی صد ایسے ضرور ہیں کہ اس قسم کے واقعے میں وہ لوٹے کو صاف کر کے اس کی جگہ رکھ دیتے۔

فحش گفتگو

مدارس کے فضلاء کے بارے معاشرے میں عام تاثر یہ ہے کہ فحش گفتگو یا فحش لطیفے بیان کرنا تو ان کے لیے ایک عام سی بات ہے۔ معلوم نہیں معاشرے کا یہ تاثر درست ہے یا نہیں لیکن یہاں فیس بک پر بعض فضلاء یا مدارس کے اساتذہ آپ کو ایسی فحش گفتگو کرتے مل جائیں گے کہ وہ یہ گفتگو اپنی ماں اور بیٹی تو کجا، بیوی کے سامنے کرنے کی بھی جرات نہیں کریں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایسے ہی ایک بیضاوی پڑھانے والے شیخ التفسیر صاحب کی پوسٹ نظر سے گزری تو تبصرہ کر دیا۔ اور ان کا کلام ایسا ہے کہ اسے نقل کرنا بھی کسی شریف آدمی کے بس میں نہیں ہے۔ بھئی، کسی گفتگو کے فحش ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ آپ اپنی ماں، بیٹی اور بہن کے سامنے نہ کر سکتے ہوں، بھلے اپنی تفسیر کی کلاس میں اس پر سیر حاصل روشنی ڈال سکتے ہوں۔

علمائے اہل حدیث کا ذوق تصوف: تبصرہ کتاب

کچھ عرصہ پہلے جامعہ البیت العتیق کے ایک استاذ نے ذکر کیا کہ "علمائے اہل حدیث کا ذوقِ تصوف" کے نام سے حکیم محمد طارق محمود مجذوبی صاحب کی ایک کتاب آئی ہے جو پڑھنے کے لائق ہے۔ مجھے چونکہ لڑکپن ہی سے تصوف اور اس کے متعلقات کے مطالعہ کا کافی شوق رہا ہے لہٰذا فوراً یہ کتاب منگوالی۔ کتاب 1250 روپے میں ملی۔ اس کے ناشر کے طور "دفتر مرکز روحانیت وامن، مزنگ چونگی، لاہور" کا نام درج ہے اور میری معلومات کے مطابق صرف یہیں سے ملتی ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے اور اس کی پہلی جلد اگست 2013ء میں شائع ہوئی جو 2360 صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف دوسری جلد بھی تیار کر رہے ہیں۔ اس کتاب کو ایک انسائیکلوپیڈیا قرار دیا جا رہا ہے۔

کتاب تو بڑے شوق سے منگوائی تھی اور مطالعہ سے پہلے یہی خیال تھا کہ جس نے بھی یہ کام کیا ہے، بہت ہی عظیم کام ہے، اہل الحدیث میں اصلاح قلب اور تزکیہ نفس کے کام کی بڑی ضرورت ہے وغیرہ لیکن جوں جوں کتاب کا مطالعہ کیا، دردِ سر بڑھتا ہی گیا اور طبیعت میں ایک عجیب بے چینی سی پیدا ہو گئی۔ لہٰذا نہ چاہتے ہوئے بھی تبصرہ لکھنے بیٹھ گیا اور احساس یہ تھا کہ اس کتاب پر تبصرہ نہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک شرعی ذمہ داری کو ترک کر دینا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ ذوق تصوف کے نام پر اہل حدیث کے کھاتے میں وہ رطب و یابس ڈال دیا گیا ہے کہ اللہ کی پناہ! کتاب کا ایک بڑا حصہ اسکین شدہ کتابوں پر مشتمل ہے۔ صفحہ نمبر 1317 سے 1456 تک تقریباً 140 صفحات میں نواب صدیق الحسن خان صاحب کی کتاب "کتاب التعویذات" اسکین کر کے دی گئی ہے۔ مرتب نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اسی کتاب کا نیا ایڈیشن بھی اسکین کر کے فوراً بعد ہی صفحہ 1457 سے 1585 تک دے دیا ہے۔ اب یہ بات سمجھ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے بالاتر ہے ایسا کیوں کیا گیا ہے؟ ایک ہی کتاب کے دو ایڈیشن کس لیے؟ کتاب کے صفحات بڑھانے کے لیے؟

اور پھر اہم سوال یہ ہے کہ تعویذات کا تصوف سے تعلق کیا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ مولف تصوف کے معنی و مفہوم سے بھی ناواقف ہیں۔ حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ سے لے کر مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تک کس نے تعویذات کو تصوف کا موضوع قرار دیا ہے؟ تصوف کا یہ معنی و مفہوم تو خود اہلِ تصوف کے ہاں نہیں ہے چہ جائیکہ اہل الحدیث کے ہاں ہو۔ تصوف کے موضوعات عام طور دو رہے ہیں؛ نظری اور عملی تصوف۔ نظری تصوف میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود وغیرہ بیان کیا جاتا رہا ہے اور یہ بھی متاخرین کے ہاں ہیں۔ متقدمین تصوف کو اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جہاں تک عملی تصوف کا تعلق ہے تو اس کے دو بڑے موضوع رہے ہیں؛ ایک اعمال قلوب اور دوسرا اخلاق ورذائل نفس۔ اور یہی دو موضوعات دراصل تصوف کے اصل موضوعات ہیں، وہ تصوف جو کہ متقدمین کا تصوف تھا۔

نواب صاحب کی اس کتاب میں ختم قادری، ختم خواجگاں اور ختم حضرت مجدد شیخ احمد سرہندی جیسے بے شمار عناوین ہیں کہ جن کے غیر شرعی ہونے کے بارے اہل الحدیث اہل علم کا اتفاق ہے۔ مثلاً نواب صاحب کی اسکین شدہ کتاب کا ایک اقتباس ذیل میں ملاحظہ ہو:

> "طریق ختم خواجگان رضی اللہ عنہم، یہ ختم جس نیت و قصد سے پڑھا جاتا ہے وہی مقصد حاصل ہوتا ہے۔ طریقہ اس کا یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھا کر ایک بار سورہ فاتحہ پڑھے۔ پھر سورہ فاتحہ مع بسم اللہ سات مرتبہ پڑھے۔ پھر درود سو بار پھر الم نشرح مع بسم اللہ ہفتاد و نہ بار۔ پھر سورہ اخلاص با بسم اللہ ہزار و یکبار۔ پھر سورہ فاتحہ با بسم اللہ سات بار۔ پھر درود سو بار۔ پھر فاتحہ پڑھ کر ثواب اس ختم کا ارواح حضرات کو جن کی طرف یہ ختم منسوب ہے، پیش کرے۔ ان بزرگوں کی تعیین نام میں اختلاف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے حصول مدعا بوسیلہ ان بزرگوں کے چاہے۔" (ص 1545)

کیا اہل حدیث کے ذوق تصوف کے نام سے ایسی باتیں جمع کرنے میں کوئی خیر مقصود ہو سکتی ہے؟ شیعہ لیڈر علامہ خمینی سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے علامہ احسان الٰہی ظہیر کی کتاب "الشیعۃ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وأهل البيت" پڑھی ہے تو انہوں نے جواب دیا: ہاں! سائل نے کہا کہ اس کے بارآپ کی کیارائے ہے؟ تو علامہ خمینی نے جواب دیا: شر اہل تشیع کی کتابوں میں بکھرا ہوا تھا جسے احسان الٰہی ظہیر نے جمع کر دیا جس سے اہل تشیع کی بہت بری تصویر سامنے آئی ہے۔

اس کے بعد صفحہ 1586 سے 1705 تک تقریباً 120 صفحات میں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب "القول الجميل" کا اسکین شدہ ترجمہ دیا ہے۔ اس کتاب کا ایک اقتباس ذیل میں ملاحظہ ہو:

" اور مشائخ چشتیہ نے فرمایا کہ جب قبرستان میں داخل ہو تو سورۃ إنا فتحنا دو رکعت میں پڑھے۔ پھر میت کے سامنے ہو کر کعبہ کی طرف پشت دے کر بیٹھے۔ پھر سورہ ملک پڑھے۔ اور اللہ اکبر اور لا إلہ إلا اللہ کہے۔ اور گیارہ بار سورۃ فاتحہ پڑھے۔ پھر میت سے قریب ہو جاوے۔ پھر کہے یارب یارب اکیس بار۔ پھر کہے یاروح اور اس کو آسمان میں ضرب کرے اور یاروح الروح کی دل میں ضرب لگائے یہاں تک کہ کشائش اور نور پاوے۔ پھر منتظر رہے اس کا جس کا فیضان صاحب قبر سے ہو سکے دل پر۔" (ص 1630)

اب کون اہل حدیث قبر سے فیض حاصل کرنے کا قائل ہے؟ اسی طرح صفحہ 1706 سے 1852 تک شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب "انتباه في سلاسل أولياء الله" کا اسکین شدہ ترجمہ اور صفحہ 1853 سے 1956 تک شاہ صاحب کی کتاب "فیوض الحرمین" کا اسکین شدہ ترجمہ شامل کتاب کیا گیا ہے۔ فیوض الحرمین تو شاہ صاحب کے ذاتی مشاہدات ہیں جن کا اہل حدیث کے ذوق تصوف سے کیا تعلق؟

اسی طرح صفحہ 1957 سے 1987 تک میں شاہ صاحب کی کتاب "فيصلة وحدة الوجود والشهود" کا اسکین شدہ ترجمہ دیا گیا ہے۔ شاہ صاحب کی اس کتاب کے ترجمے کا اس لحاظ سے مطالعہ تو مفید ہے کہ شاہ صاحب کا وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے بارے کیا موقف ہے، لیکن اس کتاب کو "علمائے اہل حدیث کے ذوق تصوف" کے نام سے بیان کرنا اہل الحدیث کے ساتھ بڑی زیادتی ہے کہ ان کے کھاتے میں ایک ایسا عقیدہ ڈال دیا گیا کہ جس پر کم از کم فتوی ان کے اہل علم کے ہاں بدعت اور گمراہی کا ہے اور زیادہ کی تو پھر کوئی انتہاء نہیں ہے۔

صفحہ 1989 سے 2053 تک مولوی غلام رسول صاحب کی کتاب "خوارق" کی اسکیننگ دی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گئی ہے جس میں انہوں نے زیادہ تر اپنے حضرت جی کی کرامات بیان کی ہیں۔ صفحہ 2226 سے 2281 تک کمال الدین کمال سالار پوری کی کتاب "میرے روحانی تجربات ومشاہدات" کی اسکیننگ دی گئی ہے۔ اس کتاب کے عناوین میں "کلمہ شریف کا تعویذ" اور "عمل سورۃ جن" اور "سورۃ فاتحہ کا عمل" اور "جنات کی حاضری کا عمل" وغیرہ شامل ہیں۔ جنات کی حاضری یا عاملوں کی چلہ کشی کا تصوف سے کیا تعلق؟ تصوف کی ایسی جامع تعریف تو اہل تصوف کے ہاں بھی نہیں ملتی!

کتاب کا ایک بڑا حصہ کراماتِ اہل حدیث پر بھی مشتمل ہے یہ بھی تصوف کا اصل موضوع نہیں ہے۔ تصوف کا اصل موضوع افعالِ قلوب اور اخلاق ورذائلِ نفس ہیں جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ محقق صوفیاء کرامت کو صوفی کا حیض قرار دیتے ہیں۔ اس پر تفصیلی بات ہم اپنی کتاب "صالح اور مصلح" میں کر چکے ہیں۔

اضافی طور ہم یہ بھی ذکر کرتے چلیں کہ سلفیہ اور اہل الحدیث دو علیحدہ تحریکیں ہیں۔ بعض لوگ انہیں ایک سمجھتے ہیں۔ سلفیت کی تحریک عقیدے کی اصلاح کی تحریک تھی جبکہ اہل الحدیث کی تحریک تقلیدی جمود کے خلاف تھی اور اس کا موضوع فقہ بنتا ہے۔ معاصر سلفی تحریک کا آغاز نجد کے علاقہ سے ہوا اور اس کے امام شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ (1792-1707ء) تھے جبکہ تقلیدی جمود کے خلاف تحریک کا مرکز برصغیر پاک وہند ہے اور اس کی ابتداء شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (1174-1114ھ) سے ہوئی۔

اسی لیے ہم سعودی علماء میں دیکھتے ہیں کہ وہ عقیدہ کے معاملہ میں بہت سخت ہیں یعنی ماتریدیہ، اشاعرہ، صوفیاء وغیرہ کے بارے عام فتوی گمراہ فرقوں کا ہے لیکن تقلید ائمہ کے معاملے میں وہ نرم ہیں۔ سعودی عرب میں تقابلی فقہ پڑھائی جاتی ہے اگرچہ وہ فقہ میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہاں کے علماء اور شیوخ اپنا تعارف حنبلی کی بجائے سلفی کے طور کرواتے ہیں۔ پس سلفیت کوئی فقہی مذہب نہیں ہے بلکہ وہ عقیدہ و منہج ہے کہ جس کی نسبت صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ اربعہ کی طرف کی جاتی ہے۔ اور اسے ایک باقاعدہ منظم فکر کے طور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے متعارف کروایا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جبکہ برصغیر پاک وہند میں چلنے والی تحریک چونکہ تقلیدی جمود کے خلاف تھی لہٰذا شروع میں عقائد کی اصلاح پر اس میں اس قدر توجہ نہ تھی جتنی کہ سلفیت میں تھی۔اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ اور شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے ہاں بھی ہمیں وحدت الوجود وغیرہ کی ابحاث مل جاتی ہیں۔پس برصغیر میں شروع شروع میں کسی شخص کے اہل الحدیث ہونے کا مطلب صرف یہی تھا کہ وہ تقلیدی جمود کا قائل نہیں ہے۔عقیدے میں وہ اشعری، ماتریدی یا صوفی بھی ہو سکتا تھا جیسا کہ نواب صدیق الحسن خان رحمہ اللہ وغیرہ جیسی مثالیں ہمیں مل جاتی ہیں۔

جب برصغیر کے علماء کا سعودی اہل علم سے علمی رابطہ ہوا، یہ رابطہ پہلے پہل تو کتابوں کے ذریعے ہوا اور بعد ازاں پاکستان کے نامور شیوخ نے مدینہ یونیورسٹی میں جا کر تدریس کی یا وہاں تعلیم حاصل کی، تو ان دونوں تحریکوں نے ایک دوسرے سے اثر لیا۔ برصغیر کے اہل حدیث علماء نے سلفیت کی تحریک سے اثر لیا اور عقائد میں یہاں بھی توحید اسماء وصفات کی بحثیں سننے کو ملیں جبکہ سعودی علماء نے برصغیر کے علماء سے اثر لیا اور حنبلی فقہ کی طرف نسبت کے باوجود مسائل استنباط میں عدم تقلید کا رویہ بطور منہج قرار پایا۔ پس اب کے جو معاصر اہل حدیث ہیں وہ عقیدہ میں سلفی اور فقہ میں اہل الحدیث کے منہج پر ہیں۔

علاوہ ازیں تصوف کی تاریخ کا بھی اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو یہ چار ادوار سے گزرا ہے۔پہلا دور کہ جس میں تصوف یا صوفی کی اصطلاح موجود نہ تھی، اس میں عبادت کا زیادہ شوق کرنے والے اور دنیا سے بے رغبتی کرنے والے اہلِ احسان موجود تھے جنہیں زہاد یا صلحاء کہا جاتا تھا۔زہد اور احسان ان کی نمایاں خصوصیات تھیں جیسا کہ صحابہ کی جماعت میں عبد اللہ بن عمرو بن العاص اور ابو درداء رضی اللہ عنہما یا تابعین میں حضرت حسن بصری اور سعید بن مسیب رحمہما اللہ وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ تصوف کا یہ دور وہ ہے جو کہ خیر کا دور ہے۔امام ابن تیمیہ اولین صوفیاء حضرت جنید بغدادی، سری سقطی اور ابراہیم بن ادہم رحمہم اللہ وغیرہ کو بھی اسی دور کا ایک حصہ قرار دیتے ہوئے ان کی عام طور تعریف کرتے ہیں اگرچہ زمانی اعتبار سے یہ حضرات تابعین کے بعد کے زمانے کے ہیں۔

اس کے بعد دوسرا دور جو کہ تبع تابعین سے شروع ہوا، وہ تھا کہ جس میں تصوف کی اصطلاحات

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وجود میں آئیں اور رفتہ رفتہ آنے والی نسلوں میں زہد اور دنیا سے بے رغبتی کے حوالہ سے کچھ نئے تصورات متعارف ہوئے اور اس دور کی انتہاء امام غزالی رحمہ اللہ پر ہوئی جنہوں نے "إحیاء علوم الدین" میں ایک طرف تو ضعیف اور موضوع روایات بھی جمع کر دیں اور دوسری طرف عزلت نشینی کو جمعہ وجماعت کی نماز پر ترجیح دی۔ علامہ ابن جوزی نے امام غزالی رحمہ اللہ کی اس کتاب کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے اسی حوالے سے اپنی کتاب "منهاج القاصدين" مرتب کی تھی۔ تصوف کا یہ دور وہ ہے کہ اس میں خیر کا پہلو بھی موجود ہے اور شر کا بھی جبکہ خیر کا پہلو غالب ہے۔

تصوف کا تیسرا دور وہ ہے جبکہ یونانی فلسفے کے زیر اثر نظریاتی تصوف نے جنم لیا اور شیخ اکبر ابن عربی نے وحدت الوجود کا نظریہ پیش کیا۔ تصوف کا یہ دور وہ ہے کہ جس میں صوفی کی توجہ نہ صرف اپنے اصل مقصود یعنی اعمال قلوب اور اخلاق ورذائل سے ہٹ گئی بلکہ شریعت بھی جاتی رہی۔ شیخ ابن عربی کے معاصر اہل علم میں فقہائے حنفیہ، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کی ایک بڑی جماعت نے اس نظریہ کو کفر اور شرک قرار دیا کہ جس پر کسی قدر تفصیلی گفتگو ہم اس کتاب کے پہلے باب میں کر چکے ہیں۔ اب تصوف عمل سے زیادہ نظریہ بن گیا اور صوفی کو اصلاح نفس سے زیادہ فکر عرفان نفس کی ہو گئی۔

تصوف کا چوتھا دور وہ ہے جس سے ہم آج گزر رہے ہیں کہ مداریوں اور کرتب دکھانے والوں کی کثرت ہے جو لوگوں کی دنیا اور دین دونوں تباہ کرنے کے لیے تلے بیٹھے ہیں۔ یا تو ایسی بڑی بڑی گدیاں اور سجادہ نشین ہیں کہ جن کا دین سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے یا پھر سلاسل کی بچی کھچی لڑیاں ہیں کہ جن کے سالکین کو اپنے شیخ کے روحانی مقام اور مرتبے یا اپنے سلسلے کی دوسرے سلاسل پر فضیلت کی وجوہ بیان کرنے سے فرصت نہیں ہے۔

بہر حال یہ موضوع تفصیل طلب ہے کہ سلفی منہج کے مطابق تزکیہ نفس اور اصلاح کا کیا نظام ہونا چاہیے اور ہم نے اس پر مفصل گفتگو اپنی کتاب "صالح اور مصلح: کتاب وسنت اور سلف صالحین کے منہج پر تزکیہ نفس اور اصلاح احوال کا پروگرام" میں کی ہے۔ موضوع کی اہمیت سے انکار نہیں ہے لیکن جو منہج زیر تبصرہ کتاب میں پیش کیا گیا ہے، وہ اصلاح نفس کا سلفی تصور یا منہج نہیں ہے۔ اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عقیدہ و منہج، سلفی فکر کے دو ایسے ستون ہیں کہ جن پر سلفیت قائم ہے۔ اصلاح نفس ہو یا تعلیم و تربیت، دعوت و جہاد ہو یا جنگ و جدال، ہر شعبہ زندگی میں سلفی عقیدہ اور سلفی منہج سے رہنمائی لینا ہی اہل حدیث کا طرہ امتیاز ہے۔

تعجب تو ان فضلاء اور علمائے اہل حدیث پر ہوتا ہے کہ جنہوں نے اس کتاب کے بارے توصیفی کلمات کہے۔ اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ فی زمانہ جماعت اہل حدیث میں اصلاح نفس کی ضرورت اس قدر شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ اس وقت انہیں تزکیہ نفس کے نام سے کچھ بھی پروگرام دے دیا جائے، وہ ایک مرتبہ اس کی طرف ضرور شوق سے متوجہ ہوں گے۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ کوئی شخص رطب و یابس کو جمع کر کے اہل حدیث کے لیے سلوک کے بدعی رستے مقرر کرے۔ اگر مرتب کو اہل حدیث کے ذوق تصوف کے حوالہ سے کچھ جمع کرنا بھی تھا تو امام نووی رحمہ اللہ کی ریاض الصالحین، امام ابن جوزی رحمہ اللہ کی منہاج القاصدین، امام ابن قیم رحمہ اللہ کی مدارج السالکین اور شیخ محمد التویجری کی موسوعہ فقہ القلوب کے تراجم کو ہی جمع کر دیتے۔ یہ کتابیں اصلاح نفس کے سلفی منہج کے مطابق ہیں۔ مرتب کے جمع کردہ ہزاروں صفحات سے بہتر تھا کہ وہ پانچ سات صفحات میں مدارج السالکین کی فہرست کا ترجمہ ہی شائع کر دیتے ہیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا ایک صوفی سے مباہلہ

ملا علی القاری الحنفی رحمہ اللہ نے ابن عربی کے رد میں "الرد على القائلين بوحدة الوجود" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی کہ جس میں ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ کا یہ مباہلہ ذکر کیا ہے:

"الْحَافِظ الْحجَّة القَاضِي شهَاب الدّين أَحْمد بن عَليّ بن حجر الشَّافِعِي الْعَسْقَلَانِي أَنه قَالَ جرى بيني وَبَين بعض المحبين لِابْنِ عَرَبِيّ مُنَازعَة كَبِيرَة فِي أَمر ابْن عَرَبِيّ حَتَّى قلت مِنْهُ بِسوء مقَالَته فَلم يسهل ذَلِك بِالرجلِ المنازع لي فِي أمره وهددني بالشكوى إِلَى السُّلْطَان بِمصْر بِأَمْر غير الَّذِي تنازعنا فِيهِ ليتعب خاطري فَقلت لَهُ مَا للسُّلْطَان فِي هَذَا مدْخل تعال بِنَا نتباهل فَقل أَن يتباهل اثْنَان فَكَانَ أَحدهمَا كَاذِبًا إِلَّا وَأُصِيب قَالَ فَقَالَ لي بِسم الله فَقلت لَهُ قل اللَّهُمَّ إِن كَانَ ابْن عَرَبِيّ على ضلال فالعني بلعنتك فَقَالَ ذَلِك قلت أَنا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللَّهُمَّ إِن كَانَ ابْن عَرَبِيّ على هدى فالعني بلعنتك قَالَ وافترقنا قَالَ ثمَّ اجْتَمَعنَا فِي بعض مستنزهات مصر فِي لَيْلَة مُقْمِرَة فَقَالَ لنا مر على رجْلي شَيْء ناعم فانظروا فَنَظَرْنَا فَقُلْنَا مَا رَأينَا شَيْئا قَالَ ثمَّ التمس بَصَره فَلم ير شَيْئا انْتهى وَالْمعْنَى أَنه ثَبت كَونه من الْكَاذِبين وَيتَفَرَّع عَلَيْهِ أَنه من الملعونين وَشَيْخه من الضَّالّين المضلين ثمَّ اعْلَم أَن من اعْتقد حَقِيقَة عقيدة ابْن عَرَبِيّ فكافر بِالْإِجْمَاع من غير النزاع وَإِنَّمَا الْكَلَام فِيمَا إِذا أول كَلَامه بِمَا يَقْتَضِي حسن مرامه."

"حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ان کے اور ابن عربی کے ایک پرستار میں ابن عربی کے بارے مناظرہ ہو گیا۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابن عربی کے عاشق کو اس کے بدترین اقوال کا حوالہ دیا تو اس نے سلطان مصر سے ان کی شکایت لگا دی۔ تو حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اس سے کہا کہ سلطان کو اس معاملے میں کیوں لاتے ہو، آؤ ہم مباہلہ کرتے ہیں۔ تو ابن عربی کے عاشق نے جواب دیا: بسم اللہ۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اس عاشق کو کہا کہ تم یہ کہو کہ اگر ابن عربی گمراہی پر ہے تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ابن عربی ہدایت پر ہے تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہم مصر ہی میں ایک مقام پر چاندنی رات میں جمع ہوئے تو وہ ہمیں کہنے لگا کہ میرے پاؤں سے کوئی چیز گزری ہے، ذرا دیکھنا، ہم نے دیکھا تو کچھ نہ تھا لیکن اس کی بصارت جا چکی تھی۔ تو واضح ہو گیا کہ وہ شخص جھوٹا تھا اور ملعون بھی تھا اور یہ بھی کہ اس کا شیخ، شیخ اکبر گمراہ اور گمراہ کرنے والوں میں سے تھا۔ اور یہ بھی تم جان لو کہ جس نے ابن عربی کے جیسا عقیدہ رکھا تو وہ شخص کافر ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے البتہ اس شخص کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے جو ابن عربی کے اقوال کی تاویل کرتا ہے۔"

2014ء کی قابل ذکر نعمت

2014ء کے سال کی قابل ذکر نعمت یہ ہے کہ سال بھر میں نہ کوئی فلم دیکھی اور نہ ہی کوئی مووی، اور نہ ہی کوئی گانا سنا۔ البتہ نئی آنے والی معروف فلموں اور مووِیوں کے بارے بعض اوقات بی۔ بی۔ سی اردو، وکی۔ پیڈیا یا پرنٹ میڈیا میں کوئی تبصرہ پڑھ لیا کرتا تھا۔ سال بھر کوئی ڈرامہ بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں دیکھا البتہ پی۔ٹی۔وی کے ایک بہت ہی پرانے ڈرامے "من چلے کا سودا" کے کچھ اپی سوڈ ایک موضوع پر سوچ بچار کے دوران دیکھنے کو ملے۔ معروف رائٹر جناب اشفاق احمد کے اس ڈرامے کا موضوع "تصوف" ہے۔

احمد جاوید صاحب کہا کرتے ہیں کہ دس نیکیاں کرنے سے بہتر ہے، ایک گناہ چھوڑ دو۔ یعنی دس نیکیاں کرنے سے جتنا تم اللہ کے قریب ہو گے، اس سے زیادہ ایک گناہ چھوڑ کر قریب ہو سکتے ہو۔ اور یہ اس لیے بھی عرض کر دیا کہ یہاں فیس بک پر بعض علماء یہ پوسٹیں لگا رہے ہیں کہ ہم نے اس سال میں فلاں فلاں موووی دیکھی ہے تو اس سے مجھے ہوا کہ کسی کو یہ بھی ذکر کر دینا چاہیے کہ میں نے اس سال میں کوئی موووی نہیں دیکھی تاکہ موووی دیکھنا کوئی قابل فخر بات نہ رہے کہ عام لوگ اس حسرت میں ہی رہیں کہ ہم نے ابھی تک کیوں نہ دیکھی۔

ترجمہ قرآن کلاس کا آغاز

آج بروز سوموار، 4 دسمبر 2017ء سے اپنے گھر پر ترجمہ قرآن کلاس کا آغاز کر رہا ہوں۔ یہ کلاس ہفتے میں چار دن ہو گی، سوموار سے جمعرات، بعد از نماز عشاء، 8 سے 9 بجے، ٹاؤن شپ، لاہور۔ کلاس کا مقصد نہ تو کوئی مفسر قرآن بنانا ہے اور نہ ہی تفسیر قرآن اس کا موضوع ہے۔ کلاس کا سادہ سا مقصد یہ ہے کہ ہم جب قرآن مجید کی تلاوت کریں تو آیات کا سادہ سا مفہوم ہمیں سمجھ آ رہا ہو۔ لہذا یہ کلاس ان بڑی عمر کے لوگوں کے لیے ہے کہ جو دینی تعلیم سے بالکل نابلد ہیں لیکن دنیاوی اعتبار سے بہت پڑھے لکھے ہیں۔

اور اگر ہو سکے تو ہمارا بحیثیت مسلمان قرآن مجید سے ایسا تعلق بھی قائم ہو جائے کہ ہم اس کی صحبت میں رہنے کو انجوائے کرنا شروع کر دیں۔ سوچ رہا ہوں کہ کلاس کو فیس بک لائیو کر دوں لیکن پھر ایک خیال ذہن میں آتا ہے کہ پہلے ہی اتنا کچھ لائیو موجود ہے، اور خاص طور اس قسم کی ابتدائی درجے کی کلاسز وغیرہ تو مزید کی کیا ضرورت ہے۔

کلاس کا اعلان اس بار جامعہ البیت العتیق، لاہور میں جمعہ کے خطبہ میں کیا تھا تو وہاں سے کوئی 35 کے قریب افراد نے کلاس میں شرکت کے لیے رجسٹریشن کروائی ہے اور ہمارے پاس اتنے ہی افراد

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے بٹھانے کی گنجائش ہے لہذا اس کلاس کو مزید ایڈورٹائز نہیں کیا گیا۔

فیس بک پر یہ پوسٹ لگانے کے دو مقصد ہیں؛ ایک یہ کہ اگر کوئی پڑوسی اس کلاس میں شریک ہونا چاہتے ہیں کہ جنہیں قرآن مجید کا ترجمہ سیکھنے کا بہت اشتیاق ہے تو وہ اپنا نام اور نمبر مجھے انباکس کر دیں کہ عموماً شوقیہ رجسٹریشن کروانے والے جلد ہی کلاس بھی چھوڑ جاتے ہیں۔ اور دوسرا یہ سوچ کہ شاید ہم اس کلاس کو فیس بک لائیو کر دیں۔

ایک دوست نے پوچھا کہ یہ کلاس کس ادارے کے تحت ہو رہی ہے؟ بھائی، میری سوچی سمجھی رائے میں اب ہمیں اس جنجال سے نکل آنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب اداروں کا کام بہت ہو رہا ہے لیکن دین کا کام کم ہو رہا ہے۔ اب یہ جملہ بھی بہت کم لوگوں کو سمجھ آئے گا۔ ہر شخص جو دینی کام کرنا چاہتا ہے یا کر رہا ہے، اس کی خواہش یہی ہے کہ میری جماعت اور ادارے کے تحت دین کا کام ہو۔ اب کچھ ایسے بھی دین کے کام ہونے چاہییں کہ جنہیں کسی جماعت اور ادارے کا ٹیگ نہ لگا ہوا ہو۔ اسی لیے یہ کلاس اپنے گھر پر شروع کی گئی ہے اور راقم کی خواہش ہے کہ اس کے جملہ اخراجات مدرس صاحب کی پاکٹ سے ادا ہوں۔ باقی اداروں اور جماعتوں کے تحت جو دینی کام ہو رہا ہے، میں اس کی قدر کرتا ہوں۔

پیغام ٹی۔وی پر تعمیر کردار کا پروگرام

کچھ عرصہ پہلے پیغام ٹی۔وی پر "تعمیر کردار" (personality development) کے نام سے ایک پروگرام ریکارڈ کروایا تھا کہ جس میں اپنی کتاب "صالح اور مصلح" کے کچھ اہم مضامین کو 13 کے قریب اپی سوڈز میں بیان کیا گیا ہے۔ اس کے لیے میں اپنے قریبی دوست عمران اسلم صاحب کا شکر گزار ہوں کہ جن کی ترغیب اور تعاون سے یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔

یہ پروگرام ہر اتوار کو 04:30 بجے شام کو پیغام ٹی۔وی پر آن ایئر کیا جاتا ہے۔ مزید اس پروگرام کے یوٹیوب پر ابھی تک کے اپ لوڈ ہونے والے اپی سوڈز کے لنکس بھی نیچے فٹ نوٹس میں شیئر کر رہا ہوں۔[1]

[1] https://www.youtube.com/watch?v=USa6LO3t48E

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرا یہ کہ کل رات سے ہم نے ترجمہ قرآن کی کلاس، سوموار تا جمعرات، کو فیس بک لائیو شروع کر دیا ہے اور اس کا لنک نیچے فٹ نوٹس میں شیئر کر رہا ہوں۔[1] اس لائیو کلاس کے حوالے سے باقاعدہ شرکت والے اسٹوڈنٹس کی کوئی تجویز ہو تو فیس بک میسنجر میں انباکس کر سکتے ہیں۔

جزاک اللہ خیرا

حضرت اسامہ بن زید رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی ایک مسلمان نے دوسرے مسلمان کے ساتھ کوئی بھلائی کی تو جس کے ساتھ بھلائی کی گئی تھی، اس نے اس کو "جزاك الله خيرا" کے الفاظ کے ساتھ دعا دی تو اس نے اپنی دعا میں مبالغہ کیا یعنی اسے بہت زبردست دعا دی۔ یہ روایت سنن الترمذی کی ہے اور علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔

ہم اکثر اوقات ایک دوسرے کو "جزاك الله خيرا" کے الفاظ کہہ دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی دعا ہے یعنی مبالغہ آمیز دعا ہے۔ اس دعا میں مبالغہ کیا ہے؟ مبالغہ یہ ہے کہ دعا دینے والے یہ کہہ رہا ہے کہ اللہ تمہیں اس نیکی کی بہترین جزا دے اور اللہ تعالی کا بہترین کیا ہو گا؟ اس کے بارے ہم سوچ بھی نہیں سکتے۔ پس جسے ان الفاظ کے ساتھ دعا دی گئی تو اسے بہترین دعا دی گئی۔

بعض لوگ جزاک اللہ خیرا کی جگہ صرف جزاک اللہ کہہ دیتے ہیں، صرف جزاک اللہ کے معنی ہیں کہ اللہ تمہیں اس کا بدلہ دے۔ ایک تو اس میں مبالغہ نہیں ہے اور دوسرا اس کا معنی اچھا برا دونوں قسم کا بدلہ ہو سکتا ہے۔ یعنی اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تمہیں پوچھے۔ بہر حال کہنے کا مقصد یہ ہے کہ بعض الفاظ کو ہم چھوٹا سمجھتے ہیں لیکن اللہ کی نظر میں ان کی بہت وقعت ہوتی ہے، جبکہ وہ کسی دوسرے مسلمان بھائی کے بارے کہے جا رہے ہوں۔



[1] https://www.facebook.com/hm.zubair.52

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حصہ سوم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

مکالمہ کی تیسری جلد قارئین کے پیش خدمت ہے۔اس جلد میں فیس بک اور سوشل میڈیا پر شیئر کی جانے والی اُن تحریروں کو جمع کرنے کے بعد تہذیب و تنقیح کے ساتھ پبلش کیا جارہا ہے جو امن اور جنگ، اعلام اور شخصیات، مسالک اور جماعتیں، فنون لطیفہ اور اسلام، طنز ومزاح اور انکارِ حدیث اور حجیتِ حدیث سے متعلق ہیں۔

اس جلد میں کچھ تحریریں ایسی بھی جمع ہو گئی ہیں کہ جن میں بعض شخصیات اور جماعتوں پر نقد کی گئی ہے۔ چونکہ ہمارے ہاں تعصب کی جڑیں بہت گہری ہیں لہذا عموماً کوئی بھی فرد یا جماعت یہ پسند نہیں کرتی کہ اس پر نقد کی جائے لیکن سب یہ ضرور پسند کرتے ہیں کہ ان کے مخالفین پر نقد کی جائے۔اس لیے جب آپ اُن پر نقد کر رہے ہوتے ہیں جو دوسروں کے لیے بھی فریق مخالف ہیں تو دوسرے آپ کے قصیدے پڑھتے رہتے ہیں لیکن جیسے ہی آپ کسی ایک شخصیت پر نقد کر دیتے ہیں جو دوسروں کی ممدوح ہو تو دوسروں کا بس نہیں چلتا کہ آپ کی مدح میں پڑھے ہوئے قصیدے کو کسی طرح ہجو میں تبدیل کر دیں۔

ایک بہت اچھے اور معروف رائٹر نے میری کتاب فکر غامدی کے مطالعہ کے بعد کہا کہ دل کرتا ہے کہ آپ کے ہاتھ چوم لوں۔ میں نے جواب میں کہا کہ اب تو ایسی تعریفوں سے وحشت ہونے لگی ہے۔اور میں صاف کہتا ہوں کہ اس کی وجہ کوئی اندر کی نیکی نہیں ہے بلکہ یہ ڈر اور خوف ہے کہ اگر کسی مداح صاحب کو یہ معلوم ہو گا کہ میں نے ان کے کسی ممدوح پر بھی تنقید کر رکھی ہے تو وہی دل جو میرے ہاتھ چومنے کی خواہش رکھتا تھا، اب ہاتھ جھٹک دینے کی کوشش کرے گا۔

اور میں اب تکلف سے سچ کی طرف آنا چاہتا ہوں کہ جو میں ہوں، سو ہوں، اچھا ہوں یا برا ہوں۔ مجھے اب لوگوں کو خوش رکھنے کے لیے نیکی، تقوی، تواضع اور انکساری کی کوئی نقاب اوڑھنے کی خواہش نہیں رہ گئی۔ایک دوست نے کمنٹ کیا کہ آپ نے مکالمہ کی دوسری جلد میں لکھا کہ آپ محقق اور مفکر ہیں حالانکہ یہ لکھنا آپ کے وصف تواضع کے خلاف ہے۔ تو بھئی، متواضع تو میں پہلے بھی نہیں تھا۔اگر آپ کو لگا تھا کہ میرے اندر تواضع ہے تو تو شاید میں نے کوئی نقاب اوڑھ رکھی ہو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گی۔اب تمام نقابیں اوڑھ کر ایک ہی حال کو اپنا حال بنانے کی فکر ہے اور وہ سچ کا حال ہے۔ میں اپنے آپ کو محقق اور مفکر سمجھتا ہوں تو اب یہی بیان کروں گا کہ یہی سچ کے حال کے موافق بات ہے۔ رہی جھوٹی تواضع ہے تو اس کا فائدہ نہیں ہے۔اور سچی تواضع اگر اللہ نصیب فرمادے تو بڑی بات ہے اگرچہ ہم اس کے اہل نہیں ہیں۔

مجھے اس بات کا احساس ہے کہ اس کتاب میں نقد کے دوران الفاظ کی سختی در آئی ہے۔اور مجھے اپنے اس غلط عمل کی کوئی ایسی گھسی پٹی توجیہ بیان نہیں کرنی کہ کسی کی رسولی نکالنے کے لیے نشتر لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے وہ سخت جملے نکالنے کی کوشش کی ہے لیکن بات یہ ہے کہ اُن کے بغیر بات بنتی نہیں ہے کیونکہ وہ عبارات ایک خاص کیفیت میں لکھی گئی ہیں لہذا اب انہیں ان کیفیات سے علیحدہ کرنا ممکن نہیں ہے۔اور میں یہ دعوی بھی نہیں کرتا کہ اس کتاب میں کسی کے بارے سخت جملے بولتے ہوئے اس کی تحقیر نہیں کی گئی۔اگر ریڈر کو احساس ہو کہ کسی کی تحقیر کی گئی ہے تو مطلب کی گئی ہے۔اور اگر خیال ہو کہ نہیں کی گئی تو نہیں کی گئی۔

جو کام ایک عرصے سے میں ضرور کرتا ہوں، چاہے تکلف سے کروں کہ جس پر تنقید کرتا ہوں تو اس کے حق میں لازماً دعا کرتا ہوں؛ ہدایت کی، مغفرت کی، دنیا و آخرت کے درجات کی بلندی کی۔ اور اس کتاب میں میں نے یہ بھی کوشش کی ہے کہ اگر کسی میں کوئی خوبی اور خیر ہے اور وہ میرے علم میں آگئی تو تنقید کے بعد اس خیر اور خوبی کی طرف بھی اشارہ ہو جائے۔اور تیسرا کام کہ جس کا اہتمام کرنے کی کوشش کر رہا ہوں کہ اپنے پر جوابی تنقید کو ہمیشہ ویلکم کہوں، چاہے گالم گلوچ ہی کیوں نہ ہو۔اس کی وجہ یہ ہے کہ میں دل سے سمجھتا ہوں کہ قیامت والے دن میری تنقید اگر بے جا نکلی اور ناحق کسی مسلمان کے حقوق میں کوتاہی ہوئی تو اس کی تلافی کی بہترین صورت یہی ہے کہ لوگوں نے اس دنیا میں مجھ سے بدلہ لے لیا ہو یا مجھ پر اس جیسی زیادتی کرلی ہو۔

دوسروں پر تنقید کرنا بہت مشکل کام ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں اگرچہ بت پرستی نہیں ہے لیکن نفس پرستی اور اکابر پرستی ضرور ہے۔ایسے معاشرے میں آپ اصلاح کا کام کیا خاک کریں گے کہ جہاں فرد اپنے آپ کو حجۃ الاسلام اور شیخ الاسلام، اپنے اکابر کو سپر مین اور فرشتہ اور اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جماعت کو صحابہ کی جماعت سمجھنے پر مصر ہو۔اب تو کبھی کبھی یہ کیفیت شدت سے طاری ہوتی ہے کہ تحقیق وتدریس، تعلیم و تعلم اور دعوت و تبلیغ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر انسان گوشہ نشین ہو جائے اور نفس کی یہ آخری خواہش بھی پوری کر ہی دے کہ دنیا میں یہی تو ہم کرنے آئے ہیں اور وہ بھی دین کے نام پر۔

ایسے میں بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ میں آپ کو کچھ سنالوں اور آپ مجھے کچھ سنا لیں۔جب میں سناؤں تو آپ خاموش رہیں اور جب آپ کی باری آئے تو میں ہمہ تن گوش ہو جاؤں۔اور اگر اتنا بھی نہ کر سکیں تو پھر اخلاص نہیں ہے بلکہ وہی نفس پرستی اور اکابر پرستی ہے۔میں نے جو سنانا تھا، سنا دیا۔ اور اب آپ کے سنانے کا وقت ہوا چاہتا ہے اور میں ہمہ تن گوش ہوں۔[1] فٹ نوٹ میں میرا صراحہ اکاؤنٹ موجود ہے۔ پلے اسٹور سے اپنے اسمارٹ فون میں یہ ایپ ڈاؤن لوڈ کریں، اس پر اکاؤنٹ بنائیں۔اور اپنی شناخت ظاہر کیے بغیر مجھ پر جو غصہ نکالنا ہے، نکال باہر کریں۔

اللہ آپ کو خوش رکھے اور آپ کے ممدوحین کو بھی۔اور آپ کی دنیا اور آخرت مجھ سے بہتر بنائے۔اور یہ آخری دعا انسان کسی ایسے شخص کو نہیں دے سکتا کہ جس سے اس کو بغض ہو۔ اللہ عزوجل آپ کو بھی اتنا حوصلہ دے کہ آپ بھی اپنی تنہائی میں میرے حق میں یہی دعا سچے دل سے کر سکیں۔

جزاکم اللہ خیرا
ابو الحسن علوی

[1] hmzubair2000.Sarahah.com

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب دوازدھم

فنون لطیفہ اور اسلام

اس باب میں فنون لطیفہ (Fine Arts and Islam) کے بارے بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محبت کی خواہش

ہر شخص چاہنے اور چاہے جانے کی خواہش رکھتا ہے۔ اگر تو اس نے کسی کو محبوب بنالیا تو اس کے پاس زندہ رہنے کا بڑا جواز موجود ہے جیسا کہ والدین۔ اور اگر اسے کسی کا محبوب بننا نصیب ہو گیا تو اسے زندہ رہنے کا چھوٹا جواز میسر آ گیا جیسا کہ اولاد۔ اور جسے یہ دونوں میسر نہ آئیں، وہ زندہ رہنے کا جواز کھو بیٹھتا ہے، جدید انسان کا یہی المیہ ہے کہ نہ وہ کسی سے محبت کر سکتا ہے، نہ کسی سے محبت لے سکتا ہے۔

ٹائم لائن سے ہوم تک

جسے اچھا لکھاری بننا ہے، اسے چاہیے کہ زیادہ تر اپنی ٹائم لائن پر ہی رہے۔ ہوم پر تو اسے زیادہ تر کچرا ہی دیکھنے کو ملے گا۔ کوئی بیس پوسٹوں کے بعد ایک آدھ کام کی نظر آئے گی۔ اگر دوسروں کو پڑھنے کا شوق ہی پورا کرنا ہے تو کسی ویب سائیٹ مثلاً "دلیل" یا "مکالمہ" وغیرہ پر کچھ وقت گزار لے، یہ زیادہ بہتر بھی ہے اور مفید بھی۔

خواتین ناول نگار اور مذہبی رومانویت

جویریہ سعید کی اس موضوع پر ایک اچھی تحریر "دانش" پر نظر سے گزری۔[1] عمیرہ احمد اور نمرہ احمد نے جس مذہبی خاتون کو اپنے ناولز کا ہیرو بنایا ہے تو اس کا ایک تنقیدی مطالعہ اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے۔ تنقید نگار کی بعض باتوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن اس تنقید سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی ذہن نے تفریحی ادب کے ذریعے معاشرے کی فکری اور عملی اصلاح میں بڑے پیمانے پر مثبت کردار ادا کیا اور مذہب مخالفین کو ان مذہب پسند ادیبوں کا یہ کام بالکل بھی پسند نہیں ہے۔

پس لفظ کی کیا اہمیت ہے، مذہبی لوگوں کو اب ایسی تحریریں پڑھ کر جان لینا چاہیے کہ لفظ کو سیکھنا بہت ضروری ہے، اس کے بغیر دین کی تبلیغ کا فریضہ بس ایک فریضہ ہی رہ جائے گا۔ کسی زمانے میں فلسفے کا دور تھا، پھر سائنس کا دور آیا اور اب ہم لسانیات کے دور میں داخل ہو رہے ہیں۔ دنیا میں

[1] http://daanish.pk

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فکری غلبہ انہی کا مقدر بننے والا ہے جو اس میدان کے ماہر ہیں، چاہے حق پر ہوں یا باطل پر۔ تاریخ اسی طرف واپس آ رہی ہے، جہاں سے چلی تھی۔ قرآن مجید کو کلام ہونے کے اعتبار سے معجزہ بنایا گیا تھا کہ وہ لسانیات کا دور تھا۔

اسلام کی تبلیغ میں تفریحی ادب کا استعمال

تفریحی ادب سے مراد افسانہ، ناول، ڈائجسٹ، ڈرامہ، شارٹ اسٹوری، فلم، ڈاکومنٹری، اینیمیشن، کارٹون اور ویڈیو گیمز وغیرہ ہیں۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ اور نشر واشاعت میں تفریحی ادب کے استعمال کے بارے میں اہل علم کی تین آراء ہیں:-

ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ جائز ہے بلکہ مستحسن یعنی اچھا ہے بلکہ کسی حد تک ضروری ہے کہ آج دنیا میں نظریات اور افکار کی تبلیغ اور نشر واشاعت کا سب سے بڑا اور موثر ہتھیار یہی ہے یعنی تفریحی ادب۔ اور ہالی ووڈ محض انٹرٹینمنٹ کا ادارہ نہیں ہے بلکہ مغربی افکار اور کلچر کے فروغ اور ان کی دعوت و تبلیغ کا سب سے بڑا عالمی ادارہ ہے جیسا کہ ہالی ووڈ نے بھی انڈین کلچر کو دنیا میں پھیلانے میں بڑا موثر کردار ادا کیا ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ اسلام کی تبلیغ کے لیے نہیں بلکہ دین کے دفاع کے لیے تفریحی ادب کا استعمال جائز ہے یعنی دین اسلام پر جو طعن و تشنیع کی گئی ہے، کیچڑ اچھالا گیا ہے، اس کے لیے تفریحی ادب ہی کو ٹول بنایا گیا ہے لہذا اس کا جواب بھی اسی ہتھیار کے استعمال سے ہی دیا جا سکتا ہے، کسی اور طرح سے دیا گیا ریسپانس نہ تو کارگر ہو گا اور نہ ہی موثر۔ اور تیسری رائے یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے جیسا کہ عام طور روایتی فکر یہی ہے اور میرے خیال میں یہ تیسری رائے بہر صورت غلط ہے۔

تزئین حسن ہارورڈ یونیورسٹی میں صحافت کے شعبہ میں زیر تعلیم ہیں، "دلیل" ویب سائیٹ کی مستقل لکھاری ہیں۔[1] کل ہی "دلیل" کی ورق گردانی کے دوران ان کے دو کالم سامنے آئے۔ جو لوگ اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہوں تو ان تحریروں کا ضرور مطالعہ کریں۔

- کیا تفریحی ادب چھچھورا ہوتا ہے؟

[1] https://daleel.pk/

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- تاریخی فکشن: ادب کی صنف یا دشمن کو بدنام کرنے کا ہتھیار۔

ان تحریروں کے مطالعہ سے اس موضوع پر کام کرنے کی اہمیت کا احساس اجاگر ہو گا۔ اور جو مذہبی ذہن رکھنے والے دوست ماس کمیونیکیشن یا صحافت کے شعبے سے وابستہ ہیں اور اس شعبے میں کچھ کرنا چاہتے ہیں تو وہ تو ضرور ان کو پڑھیں۔

کافی عرصے سے خواہش تھی کہ تحریک اسلامی "فلم میکنگ" کا کوئی عالمی ادارہ قائم کرلے اور اس بارے میڈیا سے وابستہ کچھ دوستوں کو مشورے بھی دیتا رہتا تھا لیکن تحریک اسلامی کی مذہبی پوزیشن ایسی ہے کہ اس پر خود سے کچھ کام کرنے کی ہمت کرنا شاید اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔ لیکن اب اس موضوع پر یہ دو کالم پڑھے تو احساس ہوا کہ امت میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو کچھ کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں، اور ہر شعبے میں ہیں۔ اور شاید کبھی تحریک اسلامی ایسے لوگوں سے فائدہ اٹھالے۔

اور جب تک ایسا سوچنے والے امت میں موجود ہیں تو اس امت کو غزو فکری میں شکست سے دوچار کرنا مشکل ہی نہیں، ناممکن بھی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ امت میں ایسی سوچ موجود ہے اور اس پر دوبارہ شکر ہے کہ مذہبی ذہن اور فکر رکھنے والوں میں ہے۔

تصویر کا مسئلہ

ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر، چاہے وہ سایے والی ہو جیسا کہ مجسمہ (statue) یا بغیر سایے کے ہو جیسا کہ عام تصویر، اس کی ممانعت اور حرمت پر ائمہ اربعہ اور محدثین کا اتفاق ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ حکم دے کر بھیجا کہ وہ ہر مجسمے کو زمین بوس کر دیں اور ہر اونچی قبر کو زمین کے برابر کر دیں۔ صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ قیامت والے دن شدید ترین عذاب ان لوگوں کو دیا جائے گا کہ جو تصویر بنانے والے ہیں۔ سنن البیہقی کی ایک روایت کے مطابق تصویر سے مراد سر ہے، چاہے بقیہ دھڑ نہ بھی ہو تو محض سر پر تصویر کا اطلاق ہو گا اور اگر سر نہ ہو تو وہ تصویر نہیں ہے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق ایک شخص حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا کہ میں تصویریں بناتا ہوں اور یہ میرا پیشہ ہے تو انہوں نے اس شخص سے کہا کہ میں تمہیں اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث سناتا ہوں کہ آپ نے کہا کہ جس نے کوئی تصویر بنائی تو اللہ عزوجل اس کو اس وقت تک عذاب دے گا جب تک کہ وہ اس میں روح نہ پھونک دے اور وہ اس میں کبھی روح نہ پھونک سکے گا۔ یہ سن کر اس شخص کا رنگ بدل گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا کہ اگر تو نے تصویر بنانی ہی ہے تو غیر ذی روح چیزوں کی بنالے جیسا کہ یہ درخت ہے۔

تصویر کی حرمت کی علت جو روایات میں نقل ہوئی ہے، وہ "شرک" ہے؛ چاہے ربوبیت کا ہو یا الوہیت کا۔ تو تصویر بنانے والا ربوبیت میں شریک ہونے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے الفاظ کے مطابق "يخلق كخلقي" کہ اللہ کی مخلوق کی طرح مخلوق بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یعنی خدا خالق ہے تو یہ بھی اپنے شاہکار کی تخلیق کے ذریعے خالق بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ یا الوہیت میں شرک کا ذریعہ بن جاتا ہے کہ یہ تصاویر عموماً اپنی تعظیم اور عبادت کے رستے شرک کا بہت بڑا سبب بن جاتی ہیں۔ لوگ ان تصاویر کو مقام عزت پر سجا کر جیسا کہ ڈرائنگ روم وغیرہ میں ٹانگ کر ان کی تعظیم کرتے ہیں یا ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر یا ان کا دھیان، گیان اور مراقبہ کر کے ان کی عبادت کرتے ہیں۔

البتہ معاصر علماء میں اس مسئلے میں اختلاف ہو گیا کہ کیمرے اور ویڈیو کی تصویر، تصویر ہے یا نہیں ہے۔ علماء کے ایک گروہ کا موقف ہے کہ کیمرے اور ویڈیو کی تصویر بھی احادیث میں منقول تصویر کے حکم میں شامل ہے اور حرام ہے۔ البتہ یہ علماء اضطرار کے تحت پاسپورٹ اور آئی۔ڈی کارڈ کی تصویر وغیرہ یا مصلحت کے تحت بچوں کے کھلونے وغیرہ کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جیسا کہ شیخ بن باز، علامہ البانی، ڈاکٹر سرفراز نعیمی، مولانا رشید میاں تھانوی، حافظ صلاح الدین یوسف وغیرہ کا موقف یہی ہے۔

علماء کے دوسرے گروہ کا کہنا ہے کہ کیمرے اور ویڈیو کی تصویر، احادیث میں جس تصویر سے منع کیا گیا ہے، اس کے حکم میں شامل نہیں ہے اور ممانعت اور حرمت صرف ہاتھ سے بنائی جانے والی تصاویر کی ہے کہ وہ انسانی ذہن کی تخلیق ہوتی ہیں لہذا اس پر "يخلق كخلقي" کے الفاظ صادق

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آتے ہیں جبکہ کیمرے اور ویڈیو کی تصویر میں آپ اللہ ہی کی تخلیق کو ایک آلے کے واسطے سے بعینہ کاغذ یا پردہ اسکرین پر منتقل کر دیتے ہیں۔ لہذا ان کے نزدیک کیمرے اور ویڈیو کی تصویر میں اصل اباحت ہے۔ یہ موقف علامہ یوسف قرضاوی، شیخ محمد بن صالح العثیمین اور شیخ عبدالرحمن عبدالخالق وغیرہ کا ہے۔

علماء کے تیسرے گروہ کا موقف یہ ہے کہ ہاتھ سے بنائی ہوئی تصویر ہو یا کیمرے کی جبکہ اسے ثبات اور دوام حاصل ہو جائے یعنی اسے کاغذ پر اتار لیا جائے تو وہ حرام ہے کیونکہ اب اس میں شرک کا سبب بننے کی اہلیت مکمل ہو گئی ہے۔ اور ویڈیو کی تصویر ان کے نزدیک جائز ہے کہ اسے ثبات اور دوام حاصل نہیں ہے اور اس کی حقیقت برقی ذرات ہیں۔ یہ موقف مولانا تقی عثمانی، مولانا محمد یوسف خان اور مولانا عتیق الرحمن سنبھلی وغیرہ کا ہے۔ راقم کا رجحان اس مسئلے میں اسی موقف کی طرف ہے اور اسی کو درست سمجھتا ہے۔ البتہ کیمرے اور ویڈیو کی وہ سافٹ تصویر جو بے پردگی، بے حیائی، فحاشی، تشدد یا دیگر کسی نوعیت کے معاشرتی فساد اور بگاڑ کا باعث بنے تو وہ حرام ہو گی۔

موویز اور فلمیں دیکھنا

مولانا رعایت اللہ فاروقی صاحب معروف صحافی ہیں۔ یہاں فیس بک پر بھی اور اس کے علاوہ بھی اچھا لکھتے ہیں۔ مولانا ان لوگوں میں سے ہیں کہ جن سے اختلاف رکھنے کے باوجود میں کچھ نہ کچھ سیکھتا ہی رہتا ہوں۔ مولانا نے حال ہی میں موویز، ناولز اور فلموں کے موضوع پر ایک پوسٹ لگائی ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر وہ فلمیں نہ دیکھتے تو آج وہ اتنے اچھے لکھاری نہ ہوتے جتنا کہ لوگ انہیں سمجھتے ہیں بلکہ وہ اسی طرح کے روایتی مولوی ہی ہوتے کہ جنہیں کوئی پڑھنا پسند نہیں کرتا۔

ہمارے خیال میں یہ ایک ایسی پوسٹ ہے کہ جو مذہبی طبقات خاص طور نوجوانوں کو فلمیں دیکھنے کا ایک جواز فراہم کر دے گی۔ جو پہلے ڈر ڈر کے دیکھتا تھا، اب کچھ بننے کی امید پر دیکھے گا۔ اور جو نہیں دیکھتا تھا، وہ بھی یہ سوچے گا کہ شاید کچھ بننے کا رستہ ادھر سے ہی ہو کر گزرتا ہے حالانکہ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں مولانا کی اس پوسٹ پر کچھ گزارشات پیش کرنی ہیں، امید ہے کہ وہ غور فرمائیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہمارے سامنے بہت سی ایسی زندہ مثالیں بھی ہیں کہ جنہوں نے فلموں کے بغیر ہی وہ کام کر لیا ہے جو مولانا کے بقول روایتی علماء نہیں کر سکے یا اس منزل تک پہنچ گئے کہ جس تک روایتی علماء نہ پہنچ سکے لہذا اگر ہم ان حضرات کو آئیڈیل بنائیں تو بھی اس منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں کہ جس کا مولانا نے اپنی پوسٹ میں ذکر فرمایا ہے۔ نام تو میرے ذہن میں اس وقت بہت سے آ رہے ہیں لیکن صرف ایک کا ذکر کرنا چاہوں گا کہ جو مولانا کے بھی بہت ممدوح ہیں؛ احمد جاوید صاحب۔

اور ابھی فلم کی بات آ ہی گئی تو یہ بھی مولانا کے فالوورز کو بتلاتا چلوں کہ جسے فلم چھوڑنے کی خواہش ہو لیکن چھوٹتی نہ ہو تو کسی صاحب حال کہ جسے فلم دیکھنے کی عادت نہ ہو، کی مجلس میں ایک سال تک جائے، اسے فلم سے طبعی نفرت پیدا ہو جائے گی، ان شاءاللہ۔ یعنی اسے فلم دیکھنے کے لیے اپنے نفس سے مجاہدہ کرنا پڑے گا اور فلم چھوڑنا اس کی طبیعت کا حصہ بن جائے گا، یہ کر کے دیکھ لیں۔

باقی میں کسی حد تک فلموں اور فلم انڈسٹری سے اپ ڈیٹ رہتا ہوں لیکن پرنٹ میڈیا کے ذریعے سے جیسا کہ بی۔بی۔سی یا وکی پیڈیا وغیرہ جیسے مصادر سے فلموں کے بارے آرٹیکلز اور رپورٹس اور خبروں کا مطالعہ کر لیا۔ یا معروف صحافی آفتاب اقبال اپنے مزاحیہ شو "خبردار" میں فلموں پر بہت معلوماتی گفتگو کرتے ہیں، میں نے کوئی دو چار مرتبہ یہ پروگرام دیکھا ہے۔ اگر موویز کے بارے معلومات حاصل کرنا زیادہ ہی ضروری ہو تو یہ پروگرام دیکھ لیا جائے کہ اس کا ضرر بہر حال موویز دیکھنے سے تو کم ہے لیکن اب تسلسل کے ساتھ ایسے ٹاک شوز دیکھنے کا بھی کوئی حال نہیں ہے۔ تو یہ بات مولانا کی درست ہے کہ جسے نوجوانوں میں کام کرنا ہے، اسے ان خرافات سے واقف ہونا چاہیے لیکن میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس واقفیت کے لیے ضروری نہیں ہے کہ فلم ہی دیکھی جائے۔

اگرچہ مولانا کی ان پوسٹوں کی وجہ سے بعض دوست انہیں مولانا فلمی کہنے لگ گئے ہیں لیکن میرے دل میں مولانا کی اب بھی قدر اور عزت موجود ہے کہ میرے نزدیک اچھا انسان وہ نہیں ہوتا کہ جس میں کوئی خامی نہ ہو بلکہ اچھا انسان وہ ہوتا ہے کہ جس میں خیر کا پہلو غالب ہو اور مولانا میں خیر کا پہلو غالب ہے۔ مولانا نے ایک مرتبہ پوسٹ لگائی تھی کہ جس میں عرب دنیا کے معروف قاری

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ماہر المعیقلی کی تلاوت کو شیئر کیا گیا تھا اور اس میں مولانا نے لکھا تھا کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے ان کی تلاوت سنی ہو اور میری آنکھیں نم نہ ہوئی ہوں۔ تو یہ بہت بڑی خیر ہے، اگر کوئی غور کرے تو! کم از کم میرے اندر تو یہ صفت نہیں ہے کہ جب قرآن مجید سنوں تو آنسو رواں ہو جائیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام پر فلم بنانا اور اس کا دیکھنا

دوست کا سوال ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام پر جو فلم بنائی گئی ہے، کیا اس کا بنانا اور دیکھنا جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نہ تو اس کا بنانا جائز ہے اور نہ ہی اس کا دیکھنا جائز ہے بلکہ میری رائے میں تو یہ معاملہ بعض صورتوں میں کفر تک پہنچ جاتا ہے کہ جس کی تفصیل یہ ہے؛

دیکھیں، یہ بات تو بالکل درست ہے کہ جسے بھی آپ نے نبی کی صورت میں فلم میں پیش کیا ہے، وہ نبی تو ہے نہیں۔ لیکن وہ اپنے آپ کو نبی شو کر رہا ہے تو جھوٹا نبی ہوا۔ اب چاہے فلم میں ہی اس نے یہ دعوی کیا ہو اور حقیقی زندگی میں اس کا یہ دعوی نہ ہو لیکن یہ مذاق تو ہو گیا ناں، اور نبوت اور رسالت کوئی ایسا مقام نہیں ہے کہ جسے ہم اپنے کھیل تماشے کا موضوع بنالیں۔

اب کوئی شخص یہ کہے کہ حقیقی زندگی میں تو کسی کے لیے نبی ہونے کا دعوی کرنا جائز نہیں ہے لیکن ڈرامے اور فلم میں جائز ہے تو یہ دین کو کھیل تماشا بنانے والی بات ہے اور دین کو کھیل تماشا بنانے سے منع کیا گیا ہے بلکہ مشرکین پر قرآن مجید نے یہی اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا تھا۔ اور حدیث میں ہے کہ جھوٹ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ قرار دیا ہے، چاہے مذاق میں ہی ہو اور مذاق میں بھی اس سے منع کیا ہے۔

اور اس کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ یہ فلم دیکھنے کے بعد آپ کے ذہن میں حضرت یوسف علیہ السلام کی ایک امیج بیٹھ جائے گی۔ اور آئندہ زندگی میں جب بھی حضرت یوسف علیہ السلام کا نام آپ کے سامنے آئے گا، چاہے وہ قرآن مجید میں سورہ یوسف کی تلاوت کرتے ہوئے سامنے آئے، تو وہ فلم والا امیج آپ کے سامنے یا دماغ میں گھوم جائے گا حالانکہ وہ تو یوسف ہیں ہی نہیں، وہ تو ایک اداکار ہے، بس! اور ان کی اکثریت فساق و فجار پر مشتمل ہے۔ تو کہاں ایک نبی کی عصمت اور مقام اور کہاں ایک اداکار اور فلمی ایکٹر، بات بہت دور چلی جائے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس کا ایک تیسرا نقصان یہ بھی ہے کہ جب آپ فلم میں کچھ دیکھ لیں گے تو اس کا تاثر زیادہ لیں گے، اور اب اگر قرآن مجید میں بھی اس فلم کے خلاف کچھ پڑھیں گے تو قرآن مجید کی تصحیح کرنے بیٹھ جائیں گے نہ کہ فلم کو غلط قرار دیں گے۔ حالانکہ فلم تو فلم ہے، وہ کوئی تحقیق یا ریسرچ تو ہے نہیں لیکن انسان نفسیاتی طور تصویر کا اثر گہرا اور زیادہ لیتا ہے۔ اور اگر آپ نے اسلامی تاریخ سے لوگوں کو روشناس کروانا ہی ہے تو صحابہ کرام کے بعد کے ادوار کو فلمالیں مثلاً نسیم حجازی کے ناولوں کو فلمالیں تو میری رائے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فلم اور ڈرامہ انڈسٹری اور کرنے کا کام

اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہو گا کہ معاشرے کو بنانے اور بگاڑنے میں فلم اور ڈرامہ انڈسٹری کا کردار بہت اہم ہے۔ اس وقت فلم اور ڈرامہ انڈسٹری کی صورت حال اگرچہ یہی ہے کہ یہ معاشرے میں شر، معصیت، گناہ اور ظلم کو پھیلانے کا ایک بہت بڑا ٹول بن چکی ہے لیکن پھر بھی کہیں کہیں آپ کو ایسا نظر آئے گا کہ اسی انڈسٹری سے وابستہ بعض لوگ اس ٹول کو معاشرے کی اصلاح اور تعمیر کے لیے بھی استعمال کر رہے ہیں۔ اور میری رائے میں یہ امت کے کرنے کے کاموں میں سے ایک اہم کام تھا کہ ایسی کامیاب موویز (Hit Movies) بھی موجود ہیں اور ڈرامے بھی کہ جن میں نہ تو کوئی عورت ہے اور نہ ہی گانا بجانا۔

یہ بات بالکل درست ہے کہ دنیا کی معروف فلم انڈسٹریز کا کاروبار سیکس، رومانس اور ایکشن کے تصورات کے گرد گھوم رہا ہے لیکن نفس انسانی میں انہیں چھوڑ کر بھی بہت سی جبلتیں (instincts) ایسی ہیں کہ جن کو ایڈریس کر کے ہم انسانوں کی تفریح کی ضرورت بھی پوری کر سکتے ہیں اور معاشرے کی اصلاح میں بھی اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے اس پوسٹ کے پہلے کمنٹ میں موجود فیس بک پر شیئر ہوتی پانچ منٹ کی ایک ویڈیو دیکھیں جو غالباً "بالی ووڈ" کی کسی فلم سے لی گئی ہے۔

اس ویڈیو کلپ میں ایک بات تو نوٹ کرنے کی یہ ہے کہ زبان و بیان کا انسان کی تعمیر و تربیت میں بہت اہم استعمال ہے۔ اسی لیے تو حدیث میں بیان کو جادو کی ایک قسم کہا گیا ہے۔ اور فلمی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈائیلا گز تو بیان کی بہترین صورت شمار ہوتے ہیں لہذا ویورز کو ایک اعتبار سے مسحور کر دیتے ہیں اور اس سحر زدہ کنڈیشن میں ان کے لاشعور میں آپ جو ڈالنا چاہیں، ڈال سکتے ہیں کہ ان کے وہ فلٹرز کہ جن سے گزر کر ان کے شعور کے لیے کچھ باتیں قابل قبول ٹھہرتی ہیں اور کچھ ناقابل قبول، وہ اس سحر زدہ ماحول سے آف ہو چکے ہوتے ہیں۔

اسکرپٹ رائٹرز چن چن کر ایسے ڈائیلا گز مرتب کرتے ہیں کہ انہیں معلوم ہے کہ انہوں نے کہاں آپ کو ہنسانا ہے، کہاں رلانا ہے اور کہاں آپ کے لاشعور تک کوئی بات ایسے پہنچانی ہے کہ خود آپ کو بھی معلوم نہ ہو کہ آپ کے ساتھ ہو کیا گیا ہے۔ بہر حال اس ویڈیو کلپ میں آپ نوٹ کریں گے کہ "گندی نالے کے کیڑے" اور "دم" کے الفاظ کے استعمال میں واقعتاً دم لگتا ہے۔ تو اسکرپٹ رائٹنگ بہت ضروری ہے، اس پر ہمارے مذہبی لوگوں کو کام کرنے کی ضرورت ہے۔

دوسری بات اس ویڈیو کلپ میں پیش کیا گیا آئیڈیا ہے۔ انڈیا کو بھی یہ چیلنج درپیش ہے کہ ان کے پولیس کے محکمے میں بہت کرپشن ہے اور پاکستان کا بھی یہی مسئلہ ہے۔ انڈیا میں فلم انڈسٹری کو بڑے پیمانے پر محکمہ پولیس کی اصلاح کے لیے ایک ٹول کے طور استعمال کیا گیا ہے۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ فلموں سے پولیس کی اصلاح ہو جائے گی لیکن یہ کہ یہ فائدہ ضرور حاصل ہو گا کہ ظلم کے خلاف نہ صرف اویئرنیس بڑھے گی بلکہ اسے کم کرنے کے آئیڈیاز بھی تخلیق کیے جا سکتے ہیں۔

اس ویڈیو کلپ میں یہ تصور پیش کیا گیا ہے کہ جب معاشرے میں ظلم حد سے بڑھ جائے تو اسے ظلم ہی کے ذریعے ختم کیا جا سکتا ہے یعنی بدمعاشوں کے معاشرے میں آپ بدمعاشی ختم کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو پہلے خود سے بدمعاش بننا پڑے گا۔ اس آئیڈیے کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے کے بارے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن یہ ذہن میں رہے کہ جہاں اہل مذہب معاشرے کی رہنمائی اور اصلاح میں ناکام ہو جائیں تو لوگ پھر ایسے آئیڈیاز تخلیق کریں گے اور ان میں کسی حد تک بات درست بھی ہو گی کہ کوئی بھی بات نہ تو سو فی صد غلط ہوتی ہے اور نہ ہی سو فی صد بے فائدہ۔

مووی اور فلم بنانا

دوست کا سوال ہے کہ مووی اور فلم دیکھنا کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ بالکل بھی جائز نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس نے کہا کہ مووی اور فلم بنانا کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ بہت ضروری ہے۔ اس نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی؟ میں نے کہا کہ جب آپ دیکھنے والوں میں سے ہوں گے تو دوسرے بنائیں گے۔ اور پھر جو وہ بنائیں گے، آپ کو اور آپ کی قوم کو دیکھنا پڑے گا اور یہی اس وقت ہو رہا ہے کہ آپ کی قوم "پیسو موڈ" میں ہیں یعنی لینے کی پوزیشن لیے ہوئے ہے۔ اور مووی جب آپ بنائیں گے تو غیر مسلم دیکھیں گے لہذا وہ متاثرین میں سے ہوں گے اور آپ متاثر کرنے والوں میں شمار ہوں گے۔

دیکھیں، اس بات کو ایک اور طرح سے سمجھ لیں کہ آج اگر تحریک اسلامی کی کاوشوں کے نتیجے میں "خلافت" قائم ہو جاتی ہے تو آپ کیا کریں گے؟ داعش کی طرح ٹیلی ویژن، کمپیوٹر اور اسکرین توڑ دیں گے کیا؟ اگر نہیں تو آپ کیا سارا دن لوگوں کو تجویدی لب و لہجے میں خبریں سنوائیں گے؟ اور اگر ایسا کریں گے تو پھر اتنی خبریں کہاں سے آئیں گی الا یہ کہ آپ ایسی خبریں جاری کریں کہ اب پشاور کے نواحی علاقے میں ایک گدھا بیمار ہو کر مر گیا ہے۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری تحریکوں نے نہ تو سنجیدگی سے ان مسائل پر کبھی سوچا ہے اور نہ ہی انہیں ان کی اہمیت کا احساس تک ہے۔ اگر "خلافت" قائم ہو جاتی ہے تو آپ کے پاس کون سا "آئین" ہے جو آپ اگلے ہی دن نافذ کر دیں گے۔ یہاں ایک آئین یعنی 73ء کا آئین حاصل کرنے میں ہمیں ربع صدی لگ گئی اور خلافت قائم کرنے کی صورت میں ہم ایک رات میں آئین بنا لیں گے؟ "حزب التحریر" نے آئین بنایا ہے لیکن اس کو دیکھ لیں، اس میں ان کے خلیفہ کے اختیارات بس اتنے سے ہیں جتنا کہ آپ اپنے آرمی چیف، پرائم منسٹر اور چیف جسٹس کے جمع کر لیں۔ تو خلافت کے نام پر بدترین ڈکٹیٹر شپ چاہتے ہیں آپ؟

یا آپ کے پاس کون سا معاشی نظام ہے کہ آج خلافت قائم ہو گی تو آپ کل کو نافذ کر دیں گے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ آپ "اسلامی بینکاری" کی طرح "اسلامی فلم انڈسٹری" بنا لیں لیکن یہ کہنا آسان ہے کہ سب کچھ بند کر دیں گے؛ بینک بھی، ٹیلی ویژن چینل بھی، یونیورسٹی اور مروجہ نافذ شدہ قوانین بھی۔ تو بھئی اگر سب کچھ بند کر دیں گے تو پھر داعش ہی بنیں گے اور کیا بنیں گے؟ اس چلتے سسٹم کو آپ ایک دن نہیں روک سکتے کہ 120 کی رفتار سے چلتی گاڑی کو اچانک بریک لگائیں گے تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے ساتھ کیا ہو گا۔

تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو غلطیاں آپ نے بعد میں کرنی ہے، ابھی کر کے ان کی تصحیح کریں۔ اور اسلام کے غلبے کا مطلب صرف سیاسی غلبہ نہیں ہے بلکہ ہر شعبہ زندگی میں غلبہ ہے۔ اگر یہ اسمارٹ فون کوئی مذہبی اور تحریکی ذہن بناتا تو یہ ویسا نہ ہوتا جیسا کہ ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اس کے نقصانات بالکل نہ ہوتے لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اتنے نہ ہوتے جتنے کہ آج ہیں۔ تو موویز اور فلم کچھ نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ متحرک ڈیجیٹل تصویر ہے، بس۔ اس میں حرمت تو فحاشی، عریانی اور گانے بجانے وغیرہ سے پیدا ہوئی ہے تو وہ آپ نکال دیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ دین کے غلبہ کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں دنیا کو دینے والا ہاتھ بنو نہ کہ لینے والا کہ لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے یعنی کہ مغلوب۔

بلین ڈالرز بیوٹی انڈسٹری

بیوٹی انڈسٹری کا آغاز تقریباً بیسویں صدی کے شروع میں ہوا۔ اس کا مقصد ایسی پراڈکٹس تیار کرنا تھا کہ جنہیں استعمال کر کے لوگ زیادہ خوبصورت لگیں۔ فی زمانہ عورتوں میں اس انڈسٹری کی مقبولیت کی وجہ سے یہ ایک بہت بڑی گلوبل انڈسٹری بن چکی ہے۔ 2014ء میں اس انڈسٹری کی مالیت 460 بلین ڈالرز تھی۔ اور ایرانی خواتین بیوٹی پراڈکٹس کے استعمال میں دنیا میں ساتویں نمبر پر ہیں اور سعودی خواتین ان سے دو ہاتھ آگے ہی ہیں۔ یہ تو مولویوں کی بیویوں کا حال ہے۔

اس انڈسٹری کی سب سے زیادہ استعمال ہونے والی پراڈکٹس، اسکن کیئر (skin care) سے متعلق ہیں۔ اس کے بعد بالوں کی کیئر کی پراڈکٹس اور اس کے بعد میک اپ اور اس کے بعد پرفیومز کا استعمال ہوتا ہے۔ اس انڈسٹری میں بیوٹی کریم سے لے کر کاسمیٹکس سرجری تک خوبصورت بننے کی لاکھوں پراڈکٹس موجود ہیں۔ اب تو خوبصورت بننے کے لیے وٹامن۔ ای کے کیپسول بھی آپ کو کاسمیٹکس اسٹورز پر مل جاتے ہیں۔ اگر بازار میں چائنہ کی اسکن (skin) ملنا شروع ہو جائے تو یقین مانیے کہ سال کی سب سے زیادہ فروخت ہونے والی پراڈکٹ بن جائے۔

میک اپ کی نہ معلوم ہزاروں صورتیں اور درجات موجود ہیں۔ ان میں سے ایک "منرل میک

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپ" (mineral makeup) کہلاتا ہے۔ میں تو اسے "پینٹ میک اپ" کہتا ہوں کہ آپ کا چہرہ جیسا بھی ہو، ایسے پینٹ ہو جاتا ہے جیسے گھر کی دیوار۔ اخبار میں یا کہیں اور سوشل میڈیا پر ایک لطیفہ سنا تھا کہ ایک سعودی شہزادہ اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ ساحل سمندر پر گیا تو سوئمنگ کی وجہ سے جب بیگم کا میک اپ اتر گیا تو اس نے کھڑے کھڑے اسے طلاق دے دی۔ ایسی خوبصورتی کا کیا فائدہ کہ چہرہ دھونے کے بعد وہ آپ کی نہیں رہی، چاہے آپ نے برائیڈل میک اپ دو لاکھ کا کروایا تھا۔ اب دولہن باجی بس شادی کی تصویریں دیکھ دیکھ کر خوش ہو گی کہ وہ کتنی پیاری لگ رہی تھی۔ اتنا جھوٹا اطمینان اور اتنی جھوٹی خوشی!

خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا لیکن ایک ویڈیو شیئر کر رہا ہوں کہ جس میں ایک بہت ہی معمولی یا بھدے چہرے کا لڑکا میک اپ کے ذریعے اپنے چہرے کو کیسے پینٹ کرتا ہے، اس کا مظاہرہ ہے۔ اور رہی عورتیں تو اللہ کی پناہ، کیا کچھ نہیں کر رہی ہیں۔ ایسے چہرے کا کیا فائدہ کہ جو آپ کا اپنا نہیں ہے۔ کسی حد تک عورتوں کا یہ نفسیاتی مسئلہ ہے کہ وہ خوبصورت نظر آئیں لیکن اتنا بھی کیا پاگل پن کہ ہر لڑکی حسینہ عالم نظر آنے کے چکر میں ہے۔ اور تماشا تو یہ ہے کہ اس انڈسٹری نے افریقن لڑکی کو بھی یقین کروا دیا ہے کہ ان کی بیوٹی کریم استعمال کرنے سے وہ بھی گوری ہو جائے گی۔

کیا کریں میک اپ انڈسٹری نے یہ بھی معروف کر رکھا ہے کہ میک اپ کرنے سے عورتوں کی اینگزائٹی دور ہوتی ہے حالانکہ ریسرچ اس کے بالکل خلاف کہتی ہے۔ عورت اپنے سادہ حلیے میں زیادہ خوبصورت لگتی ہے یا میک اپ میں، یہ فیصلہ ہمیشہ اختلافی رہے گا۔ عورتیں اپنے میک اپ اور بننے سنورنے پر اتنا پیسہ برباد کر رہی ہیں کہ کوئی حساب نہیں۔ اور وہ بھی شوہر کے لیے نہیں بلکہ دوسری عورتوں میں نمایاں ہونے کے لیے، شوہر بے چارے کو تو وہ سادی زیادہ بھلی لگتی ہے کہ اسی میں اس کا خرچہ کم ہے۔

قرآن اور شاعر

قرآن مجید میں سورۃ الشعراء میں شعراء کے بارے ارشاد ہے: ﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ۔ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ۔ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ۔ إِلَّا الَّذِينَ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا﴾ ترجمہ: اور شعراء تو ان کی پیروی کرنے والے لوگ بھٹکے ہوئے ہیں، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اور وہ جو کہتے ہیں، وہ کرتے نہیں ہیں۔ سوائے ان شعراء کے کہ جو ایمان لائے، جنہوں نے نیک عمل کیے، جنہوں نے کثرت سے اللہ کو یاد کیا، اور جنہوں نے ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیا۔

قرآن مجید کی ان آیات میں تمام شعراء کی مذمت کی گئی ہے البتہ چند ایک کو ان سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ اب اہم تر اور اصولی بات یہ ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ فنون لطیفہ موسیقی، مصوری، مجسمہ سازی، شعر وشاعری اور فن تعمیر میں اصل ممانعت ہے[1] البتہ ان سب میں کچھ استثناءات (exceptions) موجود ہیں۔ اور اس ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ یہ تمام فنون انسان کے مقصد زندگی یعنی بندگی رب میں رکاوٹ بنتے ہیں۔

قرآن مجید نے جن شعراء کی مذمت کی ہے، ان کی تین صفات بیان فرمائی ہیں۔ جن شعراء میں یہ تین صفات ہوں تو وہ قابل مذمت شعراء ہیں۔ وہ شعراء کہ جن کے پیروکار، ان کے شارحین اور انہیں سراہنے والے نقاد، بھٹکے ہوئے لوگ ہوں۔ اور وہ شعراء کہ جن کی شاعری بے مقصد کی ہو کہ فن برائے فن ہو، ادب برائے ادب ہو، اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو تصورات اور تخیلات کی ہر وادی میں گھومتے پھرتے ہوں۔ تیسرا وہ شعراء جو بے عمل ہوں۔ حضرت عمر نے نعمان بن عدی رضی اللہ عنہما کو بصرہ میں امیر بنا کر بھیجا کہ انہوں نے کچھ اشعار ایسے کہے کہ جن میں شراب پینے پلانے کا ذکر تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں صرف اسی بات پر معزول کر دیا۔

[1] اگر کوئی ریڈر یہ اعتراض کرے کہ آپ نے اپنی کتاب "اسلامی نظریہ حیات" میں لکھا ہے کہ فنون لطیفہ میں اصل "اباحت" ہے اور یہاں لکھ رہے ہیں کہ اصل "ممانعت" ہے تو یہ "کھلا تضاد" نہیں ہے؟ تو عرض یہ ہے کہ اگر کسی ریڈر کو میری تحریروں میں "کھلا تضاد" نظر آئے تو کوشش کریں کہ اپنی پوزیشن تبدیل کر لیں کہ اگر صوفہ پر بیٹھے ہیں تو زمین پر بیٹھ جائیں تو ان شاء اللہ، تضاد رفع ہو جائے گا کہ زاویہ نگاہ کا اختلاف ہو گا جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب "صالح اور مصلح" میں بیان کیا ہے کہ ایک ہی چیز کو کبھی ایک زاویے سے دیکھ کر حکم لگا دیا اور کبھی دوسرے زاویے سے بیان کر دیا لہذا جگہ تبدیل ہو جانے سے بھی افاقہ ہو جائے گا۔ اور اگر پھر بھی تضاد رفع نہ ہو تو ناسخ منسوخ کا کلیہ استعمال کر لیں کہ بعد والی رائے پہلے کی ناسخ ہوتی ہے۔ تو یہاں ہم نے فنون لطیفہ سے مراد معاصر اور رائج معانی میں فنون لطیفہ لیے ہیں یعنی ان کا "عرفی معنی" جیسا کہ آرٹسٹوں کا بیان ہے اور "اسلامی نظریہ حیات" میں فنون لطیفہ سے مراد اس کے اصل معنی ہیں یعنی "لغوی معنی"۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ان شعراء کو قرآن مجید نے مستثنیٰ قرار دیا ہے کہ جن میں چار صفات ہوں۔ ان میں سے تین صفات تو شاعر کی ہیں اور دو اس کے کلام کی ہیں۔ شاعر کی تین صفات میں سے یہ ہیں کہ وہ شاعر ایمان والے ہوں، دوسرا عمل صالح کرنے والے ہوں، تیسرا اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے ہوں۔ اور ان کے کلام کی دو صفات میں سے یہ ہیں کہ ان کے کلام میں اللہ کا ذکر کثرت سے موجود ہو اور ان کا کلام ظلم کے خلاف ہو۔ پس وہ شاعری مذموم نہیں ہے کہ جس میں توحید کا بیان ہو، رسالت کا ذکر ہو، آخرت کا تذکرہ ہو، اور وہ شاعری کہ جس میں ظلم کا بدلہ لیا جائے، ظلم کے خلاف آواز بلند کی جائے۔

جہاں تک یہ دعوی ہے کہ شاعری انسانی جذبات میں لطافت اور نزاکت پیدا کرتی ہے کہ جس کی بنا پر ایک شاعر کو قرآن مجید کی آیات کو سمجھتے ہوئے جو احساسات حاصل ہوتے ہیں، وہ غیر شاعر کو حاصل نہیں ہوتے ہیں۔ ہمارا اس بارے کہنا یہ ہے کہ ایک غیر شاعر کے احساسات اور جذبات، ایک شاعر سے بہت بہتر ہو سکتے ہیں کیونکہ شاعری میں جن جذبات اور احساسات کو مخاطب کیا جاتا ہے، وہ غیر حقیقی ہوتے ہیں کہ جھوٹے تخیلات اور تصورات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ایک دوست نے کہا کہ فلاں مفسر نے "دیوان غالب" سے قرآن مجید کی اردو میں ضخیم تفسیر لکھی ہے کہ "دیوان غالب" ہر وقت ان کے سرہانے ہوتی تھی۔ تو میں نے کہا: اسی لیے تو غلط تفسیر کی ہے اور یہ صرف میں نہیں کہہ رہا اور بھی بہت سے علماء کہہ رہے ہیں کہ غلط تفسیر کی ہے۔

اس کے برعکس ہمارا دین، جو دین فطرت ہے، وہ انسانی جذبات اور احساسات کی تربیت اور نشوونما جس حقیقی اصول پر کرتا ہے، وہ صلہ رحمی، مسلم اخوت، باہمی الفت اور ہمدردی کا رشتہ ہے کہ دنیا کے ایک کونے میں کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو دوسرے کونے میں موجود مسلمان بے چین ہو جاتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سارے جہاں کا درد اگر کسی دل میں ہو سکتا ہے، وہ سچے مومن کا دل ہے کہ جو انسانوں اور مسلمانوں بلکہ جانوروں تک سے اپنے تعلق میں سچا ہے کہ ان کی تکلیف محسوس کرتا ہے نہ کہ جھوٹے شاعر کا کہ جس کا کلام اور نہ سہی تو کم از کم مبالغہ آمیز محبت یا نفرت کے اظہار کی وجہ سے ہی جھوٹا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا نبی کریم ﷺ شاعرانہ ذوق رکھتے تھے؟

قرآن مجید، نبی کریم ﷺ کے بارے فرماتا ہے کہ ﴿وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ﴾ [الشعراء: 69] ترجمہ: نہ تو ہم نے آپ کو شعر کی تعلیم دی ہے اور نہ ہی آپ کو شعر پسند ہے۔ "انبغی" کا لفظ "بغي" سے ہے کہ جس کا بنیادی معنی چاہت اور پسند ہے جیسا کہ سنن الترمذی کی ایک روایت کے الفاظ "يا باغي الخير" میں ہے یعنی اے خیر کی چاہت رکھنے والے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: {وَمَا يَنْبَغِي لَهُ} أَيْ: وَمَا هُوَ فِي طَبْعِهِ، فَلَا يُحْسِنُهُ وَلَا يُحِبُّهُ، وَلَا تَقْتَضِيهِ جِبِلَّته۔ ترجمہ "وما ينبغي له" کا معنی یہ ہے کہ آپ طبعاً شعر کو پسند نہیں فرماتے تھے، نہ ہی اسے اچھا سمجھتے تھے، اور نہ ہی اس سے محبت رکھتے تھے، اور نہ ہی آپ کی جبلت اس کا تقاضا کرتی تھی۔

یہی وجہ ہے کہ آپ اکثر اوقات غلط شعر پڑھ دیتے تھے اور صحابہ اس کی تصحیح فرماتے۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے عباس بن مرداس السلمی کا شعر الٹ دیا کہ "بين الأقرع وعيينة" کہہ دیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تصحیح کی کہ یہ "بين عيينة والاقرع" ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب ٹھیک ہے۔ تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے صحیح کہا ہے کہ آپ نہ تو شاعر ہیں اور نہ ہی شاعری آپ کے لائق و مناسب ہے۔ مسند احمد کی صحیح روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال ہوا کہ کیا آپ کی مجلس میں شعر سنا سنایا جاتا تھا تو ام المومنین نے جواب دیا کہ شعر آپ کے ہاں "أبغض الحديث" تھا یعنی آپ کو بہت ہی ناپسند تھا۔ البتہ ام المومنین کے بیان کے مطابق آپ کو دعا میں جوامع الکلم پسند تھے۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ آپ نے ایک شاعر کو شعر گنگناتے سنا تو آپ نے صحابہ سے کہا کہ اس شیطان کو روکو کہ تم میں کسی کا پیٹ قے سے بھرا ہے تو وہ اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھرا ہو۔

قرآن مجید اور احادیث کی نصوص صریحہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ ہر گز شاعری کا ذوق نہیں رکھتے تھے۔ البتہ بعض واقعات ایسے ملتے ہیں کہ آپ نے اشعار سنے ہیں یا ان کے کہنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کا قصیدۃ "بانت سعاد" معروف ہے اور قصیدے کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تشبیب بتلا رہی ہے[1] کہ اسے نبی کریم ﷺ کا ذوق کہنا ظلم ہو گا۔ پس شعر کہنے اور سننے کی یہ اجازت دو صورتوں میں محصور تھی؛ ایک توحید کے بیان میں، اور دوسرا نبی کے دفاع میں۔ پس اگر کوئی بڑی دینی مصلحت پیش نظر ہو تو شعر کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اس کا کہنا جائز ہے بلکہ بعض حالات میں مستحب اور واجب بھی ہے۔ شان نزول کی روایات میں ملتا ہے کہ جب قرآن مجید کی یہ آیات نازل ہوئیں کہ شعراء کے پیروکار گمراہ لوگ ہیں اور وہ ہر وادی میں گھومتے پھرتے ہیں اور بے عمل ہیں تو حضرت حسان بن ثابت، حضرت کعب بن مالک اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم آپ کے پاس روتے ہوئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ تم ان سے مستثنی ہو کہ ایمان اور عمل صالح والے ہو، اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے ہو اور کفار سے بدلے میں شعر کہنے والے ہو۔

اور صحیحین میں مروی آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ "إن من الشعر حكما" تو اس میں "من" تبعیض کے لیے ہے کہ جس کا معنی یہ ہے کہ بعض اشعار میں حکمت ہوتی ہے اور یہ وہی ہیں جو توحید، رسالت اور آخرت وغیرہ کے باب میں ہوں جیسا کہ دوسری روایات سے واضح ہے۔ پس اس قسم کی احادیث سے یہ ثابت کرنا کہ اللہ کے رسول ﷺ شاعرانہ ذوق رکھتے تھے، ایسا ہی ہے جیسا کہ بدر و حنین اور احد و خندق کی مثالوں سے یہ ثابت کرنا کہ آپ جنگ و جدال کا ذوق رکھتے تھے۔ یا دف بجانے کی اجازت دینے والی روایات سے کوئی یہ ثابت کرے کہ آپ ﷺ میوزک کا ذوق رکھتے تھے یا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دوڑ لگانے والی روایات سے کوئی یہ ثابت کرے کہ آپ کھیل کھود کا بھی خوب ذوق رکھتے تھے وغیر ذلک کثیر۔ ذوق نبوی اس طرح ثابت نہیں ہوتا، اس کے لیے صریح نص چاہیے جیسا کہ سنن النسائی کی روایت ہے: "وجعلت قرة عيني في الصلوة"۔ ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھ دی گئی ہے۔ اس طرح ذوق نبوت ثابت ہوتا ہے۔

قرآن مجید شعر ہے یا نثر؟

ہمارے ایک فاضل دوست جناب ڈاکٹر شہباز احمد منہج صاحب کا کہنا ہے:

"نفس شعر کے بارے میں قرآن کا مزاج اس سے ہی واضح ہے کہ وہ خود شاعرانہ اترا۔

[1] تشبیب سے مراد کسی قصیدے کے ابتدائی غزلیہ اشعار ہیں کہ جن میں شاعر اپنی محبوبہ کا تذکرہ کرتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن کو اگر شعر سے کد ہوتی تو وہ خود ایسا شعر بن کر نہ آیا ہوتا کہ شعراء بھی اس کے آہنگ، اثر انگیزی، لطافت اور معانی آفرینی پر مٹ مٹ جاتے۔ اس نے عام شاعری کے ردھم سے بڑھ کر ردھم و موسیقیت اور حسِ لطیف کو اپیل کرنے والے اندازِ کلام کا اہتمام کیا۔ بعض شعرا نے قرآن سے متاثر ہو کر جو شاعری چھوڑی تھی تو اسی وجہ سے کہ قرآن ان کو اپنے شعر سے بہت آگے کی شاعری نظر آیا تھا۔"

ڈاکٹر صاحب کا کہنا یہ بھی ہے:

"قرآن نے فی الواقع ان آیات میں فضولیات شعری کی مذمت کی ہے، نہ کہ مطلق شعر کی۔"

سوال یہ ہے کہ آپ کے استدلال کی بنیاد کیا ہے، خود قرآن مجید؟ اگر ہاں تو کیا قواعد لغویہ عربیہ کے مطابق آپ قرآن مجید کی آیات کا فہم بیان کر رہے ہیں یا آپ ہوا میں تیر چلا رہے ہیں؟ قرآن مجید نے جہاں شعراء کی مذمت کی ہے یعنی ﴿وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ﴾ [الحاقة: 224] میں تو یہاں لام، استغراق کا ہے اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ بعد میں استثناء موجود ہے لہذا تمام شعراء اس میں شامل ہیں۔ اسی طرح عربی زبان کا مسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ نکرہ کے سیاق میں جب نفی ہو تو وہ اپنے عموم میں نص ہوتی ہے لہذا ﴿وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ﴾ [الحاقة: 41] میں ہر قسم کے شاعر کی نفی ہے، اور اس معنی میں یہ آیت نص ہے اور نص کہتے ہیں "ما سيق الكلام لأجله" کو یعنی جس مقصد سے کلام لایا جائے، وہ مقصد نص ہے نہ کہ لفظ۔ اگرچہ اس مقصد کے تعین کا واحد ذریعہ وہ لفظ ہی ہے۔ لہذا مقصد کو جاننے کا ہر دروازہ لفظ سے ہو کر گزرتا ہے اگرچہ لفظ خود مقصد نہیں ہے۔

قرآن مجید نہ تو شعر ہے اور نہ ہی نثر ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ قرآن مجید ہے۔ یہی جواب قرآن مجید کے بارے میں ائمہ دین بلکہ سچے شعراء اور ادباء تک نے دیا ہے۔ سورہ فصلت کی آیات سنانے پر آپ ﷺ کے دشمنوں میں سے عتبہ بن ربیعہ نے قرآن مجید کے شعر ہونے کا مطلقاً انکار کیا تھا۔ انیس الغفاری رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ میں نے قرآن مجید کو شاعری کی انواع پر پرکھا اور یہ جانا کہ قرآن مجید کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ابو بکر الباقلانی، ابو العباس القرطبیؒ اور عیسی بن علی الرمانی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کی ہے۔ طہ حسین مصری تک نے کہا ہے کہ قرآن مجید نہ تو شعر کی صورت ہے اور نہ ہی نثر کی، بس اسے قرآن مجید کہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر صاحب کا کہنا یہ بھی ہے:

"شعر و سخن نا فہمی اور بد ذوقی قرآن میں بصیرت سے مانع ہے۔"

اگر ایسا ہی ہے تو حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے زیادہ قرآن فہمی میں ماہر ہوتے حالانکہ پہلے تین کا تو قرآن فہمی میں کچھ حصہ منقول نہیں ہے حالانکہ ان کے شعری دیوان موجود ہیں جبکہ آخری تین وہ ہیں کہ جنہیں دربار نبوت سے قرآن فہمی کی سند جاری ہو چکی ہے۔

مانا کہ ہمارے دوستوں کا شعر و شاعری کا ذوق اچھا ہے لیکن اس پر توجہ نہیں ہے کہ شعر و شاعری نے خیر کتنا پیدا کیا ہے اور شر کتنا؟ برصغیر پاک و ہند میں تو شعر و شاعری نے لوگوں کو قرآن مجید سے دور ہی کیا ہے بلکہ آپ نقادوں کو پڑھ لیں تو صاف محسوس ہوتا ہے میر و غالب کا کلام معاذ اللہ! اللہ کے کلام پر بوجوہ فوقیت رکھتا ہے۔ ان میں سے وہ بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ مثنوی معنوی، فارسی زبان کا قرآن مجید ہے۔ اور ان میں سے وہ بھی ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ اقبال سمندر تھا لیکن قرآن مجید کے دریا میں غرق ہو گیا۔ انہیں میر و غالب کے کلام میں جو خوبیاں نظر آتی ہیں، اس کا دس فی صد بھی یہ قرآن مجید سے نہیں بیان کر سکتے لیکن دعوی یہی ہے کہ شاعری سے قرآن فہمی کا ذوق بڑھتا ہے۔

بھائی، تم نے اپنے شاعرانہ ذوق سے جو قرآن فہمی کا ذوق پیدا کر کے دکھا دیا ہے، وہ سامنے رکھ دو تو تمہارا مخاطب لاجواب ہو جائے گا۔ لیکن تمہارے بوجھے میں سوائے قرآن فہمی کے دعوے کے اور ہے ہی کیا؟ جن میں قرآن فہمی کا حقیقی ذوق پیدا ہوا تھا، انہوں نے شاعری کی معراج پر پہنچ کر اس کو ترک کر دیا تھا جیسا کہ لبید بن ربیعہ کا واقعہ آگے نقل ہو گا۔ انہوں نے اسلام لانے کے بعد پچپن سالہ زندگی میں صرف ایک شعر کہا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ میرے رب نے مجھے شعر سے بہترین نعمت قرآن مجید کی صورت میں دے دی ہے۔

صدرِ اسلام میں شاعری

دو باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں؛ ایک یہ کہ صدرِ اسلام سے ہماری مراد خلفائے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

راشدین کا دور ہے اور دوسرا یہ کہ میرا شعر و شاعری کا زیادہ مطالعہ بلا واسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ ہے۔ میں کوشش کرتا ہوں کہ کسی زبان کے ادب اور لٹریچر کے نقادوں کا مطالعہ کروں اور یہی نقاد ہی کسی زبان کے ادب کے بارے میری معلومات کا بنیادی مصدر ہیں۔

دورِ جاہلیت کی شاعری اور صدرِ اسلام کی شاعری کا اگر ہم تقابلی مطالعہ کریں تو واضح طور محسوس ہوتا ہے کہ خلفائے راشدین کے دور کا شعر اس پائے کا نہیں ہے کہ جس پائے کا جاہلی شعر ہے بلکہ نقادوں کا کہنا تو یہ بھی ہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا جاہلی شعر ان کے اسلامی شعر سے بہتر ہے کہ اس کے مضامین میں وسعت اور گہرائی بہت ہے۔ ابن سلام، ابن خلدون اور احمد الزیات رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ صدر اسلام میں شعری فن کمزور پڑ گیا تھا البتہ اس کے کمزور پڑنے کے اسباب کے بیان میں ان کا باہمی اختلاف ہے۔

ہمارے نزدیک اس کا ایک سبب یہ تھا کہ اسلام نے شعر جاہلی کے بنیادی مضامین کو حرام قرار دے کر اس پر شعر کہنے کے رستے بند کر دیے تھے جیسا کہ تشبیب، ہجو اور مبالغہ وغیرہ ہیں۔ اور دوسری بڑی وجہ قرآن مجید کی فصاحت اور بلاغت تھی کہ جس سے مرعوب ہو کر یا اس سے متاثر ہو کر بڑے بڑے شعراء نے شعر کہنے چھوڑ دیے۔ واضح رہے کہ اخطل، فرزدق اور جریر وغیرہ بنوامیہ کے دور کی بیماریاں ہیں۔

اسلام نے اگر شاعری کی سرپرستی کی ہوتی تو خلفائے راشدین کے دور میں شاعری اور شعراء کی حالت دور جاہلیت سے لازماً بہتر ہوتی بلکہ یہاں تو صورت حال یہ ہے کہ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق بہترین دور یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں وہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں شعر پڑھتے دیکھ کر ڈانٹتے ہیں تو وہ یہ کہہ کر جان چھڑاتے ہیں کہ میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی پڑھ لیتا تھا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کس کو ذوق نبوت حاصل ہو گا؟ کہ جن کے بارے سنن الترمذی کی روایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتے لیکن شعر سے ان کی مناسبت دیکھیں کہ کتنی ہے!

لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہ جو اصحاب معلقات میں سے ہیں، عربی زبان کے چوٹی کے شاعر، اسلام

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لانے کے بعد 55 سال زندہ رہے لیکن اس دوران صرف ایک شعر کہا۔ امیر کوفہ نے لبید رضی اللہ عنہ سے شعر کہنے کی خواہش کا اظہار کیا تو انہوں نے سورۃ البقرۃ کی تلاوت شروع کر دی اور جب ختم کر لی تو کہا کہ میرے پروردگار نے اسلام لانے پر مجھے میرے شعر کے بدلے میں یہ نعمت عطا کی ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یہ سنا تو ان کا وظیفہ بڑھا دیا جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے "الإصابة في تمييز الصحابة" میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے۔ بھئی، میر و غالب کی شاعری کی وکالت کرنے والوں سے صاف بات کہتا ہوں کہ جن پر قرآن مجید کا اثر ہوا، ان کی یا تو زبانیں بند ہو گئیں یا پھر شعر کے مضامین بدل گئے، تشبیب اور ہجو کی جگہ زہد اور ورع نے لے لی۔

صدرِ اسلام میں شعر کے کمزور پڑنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ذوق نبوت شعر کا نہیں بلکہ جوامع الکلم کا تھا کہ جس سے خطابت کے فن نے ترقی کی کہ اسلام کی دعوت اور پھیلاؤ میں زیادہ مفید خطابت تھی نہ کہ شعر۔ اور دوسرا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے مدح میں مبالغہ کرنے والے کے منہ میں مٹی ڈالنے کا حکم دیا کہ جس سے امراء کی مبالغہ آمیز مدح کی بنیاد پر شاعروں کے بڑے بڑے وظیفوں کے جاری ہونے کے رستے بند ہو گئے اور ان کا کاروبار مانند پڑ گیا۔ علاوہ ازیں اور بھی اسباب ہیں لیکن ان کے بیان کا یہاں موقع نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ شاعری کہ جسے شعراء کے ہاں شاعری کہا جاتا ہے یعنی تشبیب، غزل، ہجو، مدح، وصف، فخر، مرثیہ، حماسہ وغیرہ کا اکثر ان لغویات کے قبیل سے ہے کہ جن سے اعراض کرنا مومنین صالحین اور عباد الرحمن کی صفات میں سے اہم صفت ہے۔ باقی اگر آپ شاعر ہیں یا میر و غالب جیسا شاعرانہ ذوق رکھتے ہیں تو میرا مقصود آپ کی تحقیر و تذلیل ہر گز نہیں اور میں آپ کو اپنے آپ سے دینی اور اخلاقی طور بہتر ہی سمجھتا ہوں کہ اگر آپ ایک لغو کا ارتکاب کر رہے ہیں تو میری زندگی میں اس سے زیادہ لغویات ہوں گی لیکن مجھے دین کا ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے ہر چیز کے بارے خیر اور شر کے پہلو کا ایک حکم لگانا ہے اور پھر اس کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کرنی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میر وغالب کی شاعری

رومی، حافظ اور سعدی کی شاعری میں وہ سب کچھ موجود ہے کہ جس پر حرام یا شرک کا اطلاق ہوتا ہے۔ توحید کے نام پر وجودی فکر تو شاعری کے رستے پھیلا ہی فارسی شعراء سے ہے۔ باقی مدارس میں تو امرؤالقیس بھی پڑھایا جاتا ہے، مدارس میں پڑھائے جانے سے وہ پاک کلام نہیں بن جاتا۔ وہ فحش کلام ہے اور فحش ہی رہے گا کہ جس کے قریب بھی جانے سے اللہ عزوجل نے منع فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ﴾ [الأنعام: 151]۔ ترجمہ: اور بے حیائی کے کاموں کے قریب بھی مت جاؤ۔

یہ سب قرآن کا ذوق نہ ہونے کی نحوست ہے کہ جن کی آنکھیں پورا قرآن مجید پڑھ لینے سے نم نہیں ہوتی، انہیں رومی کے ہر دوسرے شعر پر حال طاری ہو جاتا ہے۔ اور ان میں وہ قصہ گو بھی ہیں کہ جنہوں نے مثنوی کو فارسی قرآن کا درجہ دیا کہ مثنوی معنوی را قرآن در زبان فارسی۔ انہوں نے اللہ کی کتاب سے منہ موڑا تو اللہ عزوجل نے اپنی کتاب کے احوال ان پر بند کر دیے۔ اب شاعری سے وجد میں آنے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ سارا وجد ذہنی ہوتا ہے کہ جسے خواہ مخواہ تکلف سے حال بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ شاعری سے طاری ہونے والے احوال پر کسی وقت علم نفسیات کی روشنی میں لکھوں گا کہ یہ وجد اور حال صوفی پر اس وقت کیوں طاری نہیں ہوتا جبکہ اسے اونچی دیوار پر بٹھا دیا جائے۔

سید صاحب! دل تو یہ تھا کہ دس پوسٹیں پوری کر دیتا کہ جن میں میر وغالب کی شاعری کے مزعومہ محاسن پر بھی گفتگو ہو جاتی لیکن آپ جیسے دوستوں کی دل آزاری سے بچنے کے لیے ابھی بہت سی پوسٹیں نہیں کیں۔ بھئی، آج کل تو شاعری کے بارے ہر پہلو سے ایسے ایسے مضامین کا نزول ہو رہا ہے کہ کبھی سوچتا ہوں کہ انہیں مرتب کر کے شاعری کے بارے مستقبل کے مذہبی نقادوں کے دبستان کا امام بن جاؤں۔ جہاں نوے فی صد نے صرف غالب کا نام ہی سنا ہو اور یہ نہ معلوم ہو کہ وہ اپنے عقائد میں کٹر اثنا عشری شیعہ ہے اور اپنے شعر اور نثر میں اس پر فخر کرتا ہے بلکہ شاعری میں تو نصیری شیعہ ہے کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا مانتے ہیں۔ اور میر بھی شیعہ تھے، کلیات میر میں حمدیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اشعار، نعتیہ اشعار اور منقبت علی میں کہے گئے اشعار کی تعداد کا ہی تقابل کر لیں۔ اور منقبت علی میں جو اشعار کہے گئے ہیں، ان میں اور کسی شیعہ ذاکر پڑھی گئی مجلس میں کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ اور وجودی فکر کے بیان میں تو یہ دونوں ایک دوسرے سے چار ہاتھ آگے ہیں۔ غالب نے تو جس طرح جنت اور جہنم کا مذاق اڑا دیا ہے تو وہی اس کے منحوس ہونے کے لیے کافی ہے۔ اور صرف شیعہ ہونے کا طعن نہیں بھائی، کبھی اس پر غور کریں کہ بڑے شاعر ہمیشہ شیعہ ہی کیوں ہوتے ہیں کہ شاعری مبالغے کے بغیر ممکن نہیں ہے اور مبالغہ اس طرح کا سنیوں میں ممکن نہیں ہے۔ اور تخیل سے مبالغہ اور جذبات سے مبالغہ پیدا کرنے میں بھی فرق ہے۔ اب مزید نہیں لکھنا چاہتا کہ ایک اور تحریر تیار ہو جائے گی۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب "شرح دیوان غالب" میں لکھتے ہیں کہ غالب نے بھی کہا تھا کہ جو زندگی میں ایک دن نماز پڑھی ہو تو کافر اور جو ایک دن شراب چھوڑی تو گناہ گار، اور پھر سمجھ نہیں آتا کہ انگریزوں نے مجھے مسلمان کیوں سمجھا۔ انہی شاعروں کی تو قرآن مجید مذمت کر رہا ہے کہ ﴿وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ﴾ [الشعراء: 226]۔ ترجمہ: یہ شاعر جو کہتے ہیں، وہ کرتے نہیں ہیں۔ لیکن نقادوں نے ان کے شاعری کے محاسن بیان کر کر کے ان کی عظمت ایسی دلوں میں بٹھا دی کہ جیسے مشرکین کے دلوں میں بتوں کی عظمت کہ قرآن مجید کی تاویلیں شروع کر دیں گے لیکن شاعر پر حرف نہ آنے دیں گے، بھلے وہ خدا کو گالیاں دے۔ تو سمجھائیں گے خدا کو، نہ کہ شاعر کو۔

ایمان کی، علی کی ولا پر اساس ہے۔ یوم التناد میں بھی علی ہی کی آس ہے
بے گاہ و گاہ ناد علی اپنے پاس ہے۔ قبلہ علی، امام علی، مقتدا علی۔
مقصود خلق و مطلب ارض و سماء علی۔ یعنی کرم شعار ہے، مشکل کشا علی۔

یہ کسی مجلسی ذاکر کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ شاعر مشرق میر تقی میر کے الفاظ ہیں۔ پچھلے دنوں دیوان میر دیکھ رہا تھا تو ان اشعار پر نظر پڑی تو نقل کر دیے۔ شاعری کے مطالعے کا اتنا ذوق اگرچہ نہیں ہے لیکن "ریختہ"[1] نے اسے اتنا آسان بنا دیا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی انسان مطالعہ کر لیتا ہے۔

[1] www.rekhta.org

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاعری کیا ہے؟

شاعری کے بارے اپنے کچھ خیالات کا اظہار کیا ہے، اب سوچ رہا ہوں کہ ایک آخری تحریر کے ساتھ بات کو سمیٹ لیا جائے اور بحث کو ختم کر دیا جائے۔ اس ساری بحث میں کہ قرآن فہمی اور عالم دین بننے کے لیے شاعرانہ ذوق ہونا ضروری ہے، میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ شاعری اور شاعرانہ ذوق ہے کیا؟ شاعری کی کسی فنی تعریف میں پڑے بغیر آسان الفاظ میں اس کا جوہر بیان کر دیتا ہوں کہ ہر زبان میں شاعری اس زبان کے معروف شعراء کے کلام کو کہتے ہیں۔ اردو شاعری کا کوئی تصور میر وغالب اور عربی شاعری کا کوئی تصور اصحاب معلقات کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اگر تو شاعری سے آپ کی مراد یہ ہے کہ بات کہنے کا ایک خاص اسلوب کہ آپ اپنی بات کو ایک خاص ردیف، قافیے، ردھم اور غناء میں، متعین بحروں میں، بیان کر دیں تو اس شاعری کی اباحت میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ بات کرنے کا ایک انداز اور اسٹائل ہے جیسا کہ نثر بات کرنے کا ایک انداز اور اسٹائل ہے لیکن شاعری اپنے عرفی معنوں میں اس کو نہیں کہتے بلکہ شاعری معروف شعراء کے کلام کو کہتے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید نے شعر سے زیادہ شعراء کی نفی کی ہے۔ اور یہی وہ شاعری ہے کہ جس کے بارے ہمارا کہنا ہے کہ اس میں اصل ممانعت ہے یعنی ہر زبان کے معروف شاعروں کی شاعری کہ جس کا ایک بڑا موضوع بیوی کی بجائے محبوبہ سے رومانس کا اظہار ہے۔

سلف صالحین کی شاعری کے بارے بیان ہو چکا کہ وہ زہد وورع کی شاعری ہے، توحید ورسالت کی شاعری ہے، جسے معروف نقاد تو شاعری میں شمار ہی نہیں کرتے۔ ہمارے نزدیک یہ شاعری جائز ہے۔ اور تو اور ہمارا ہر علم دین، شاعری میں مدون ہے۔ علم قراءات کو امام شاطبیؒ نے "شاطبية" میں اور علم نحو کو امام ابن مالکؒ نے "ألفية" میں مدون کر دیا ہے لیکن کیا نقاد اس کو شاعری کہتے ہیں؟ بھئی، اگر قرآن فہمی کے لیے آپ اس شاعری کی بات کر رہے ہیں کہ اس کو سیکھنا ضروری ہے، تو ہمیں آپ سے اتفاق ہے کہ یہ تو علوم دینیہ ہی ہیں نہ کہ معروف معنی میں شاعری۔

ہمارے دوست شاعرانہ ذوق کے حق میں ائمہ دین سے استدلال کرتے ہیں کہ وہ شاعر تھے، ان کے دیوان موجود ہیں مثلاً امام شافعی۔ اب امام شافعیؒ کیسے اشعار کہتے تھے، امام ابن العز الحنفی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحمہ اللہ شرح عقیدہ طحاویہ میں لکھتے ہیں:

كل العلوم سوى القرآن مشغلة--إلا الحديث وعلم الفقه في الدين
العلم ما كان فيه قال حدثنا-- وما سوى ذاك وسواس الشياطين

قرآن مجید کے علاوہ تمام علوم لغو ہیں، سوائے حدیث اور فقہ کے علم کے۔ علم تو وہی ہے کہ جس میں حدثنا موجود ہو۔ اور جو حدثنا کے بغیر ہے، وہ شیاطین کے وساوس ہیں۔

اب نقادوں سے رائے لے لیں کہ یہ شاعری ہے؟ کہ جس میں قرآن، حدیث اور فقہ کے علاوہ سب علوم کو شیطانی وساوس قرار دیا گیا ہے۔ چلیں، ایک سوال سے بحث کو نکھار لیتے ہیں۔ جسے آپ شاعرانہ ذوق کہتے ہیں، وہ آپ کے نزدیک میر وغالب میں بدرجہ اتم موجود ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو ہمارا اختلاف لفظی ہے۔ اور اگر ہاں، تو میر وغالب کی شاعری قرآن فہمی میں مطلوب ہے یا نہیں؟ چلیں، یوں بھی پوچھ لیتے ہیں کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غالب میاں مدینہ منورہ میں ہوتے اور وہی شاعری فرماتے کہ جو فرما گئے ہیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ انہیں مدینہ سے نکال باہر کرتے یا ان کا وظیفہ جاری فرماتے؟

چلیں، یوں بھی سوال کرتے ہیں کہ معلقات کی شاعری، عربی شاعری کی معراج ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، صحابہ نے اس شاعری کو رواج دیا یا ختم کیا؟ چلیں، یوں بھی سوال کر لیتے ہیں کہ امرؤالقیس جب اپنے معلقہ میں اپنی محبوبہ کو کنویں پر نہاتے دیکھتا ہے، اس کے کپڑے چھپا لیتا ہے، اور اس شرط پر واپس کرتا ہے کہ اس کی محبوبہ اس کے سامنے بے لباس ہو کر آئے، اور اس سارے واقعے کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ وہ عربی شاعری کی معراج بن جاتی ہے اور تمام اصحاب معلقات میں امرؤالقیس کا مقام سب سے بڑھ جاتا ہے، اب کیا ایسے معلقات کا مطالعہ قرآن فہمی کے لیے ضروری ہے؟ یا تو آپ یہ کہیں کہ امرؤالقیس شاعرانہ ذوق نہیں رکھتا تھا یا پھر یہ کہیں کہ امرؤالقیس کا ذوق، قرآن فہمی کی بنیاد بنے گا اور عالم بننے کے لیے ضروری ہے؟

بلکہ علامہ اقبال جیسے شعراء کہ جنہوں نے اپنی شاعری کو قرآنی مضامین کے لیے مخصوص کرنا چاہا تو نقادوں نے ان کا رتبہ گرا دیا اور یہاں تک کہہ دیا کہ اقبال سمندر تھا لیکن قرآن کے دریا میں غرق ہو گیا۔ معاذ اللہ! اقبال سمندر اور قرآن دریا! اب یہ شاعرانہ ذوق قرآن فہمی کی بنیاد بنے گا جو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن کی توہین میں مصروف ہے! شاعری ایک فن ہے، بطور ایک فن کے وہ مذہب اور خیر اور شر کے تصورات کی پابند نہ تو رہی ہے اور نہ ہی رہے گی تو یہ قرآن فہمی میں لازمی امر کی حیثیت کیسے رکھ سکتی ہے!

کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟

دوست نے پوچھا ہے کہ کیا موسیقی روح کی غذا ہے؟ میں نے کہا، ہاں! بد روحوں کی غذا ہے، جیسی روحیں ہوں گی، ویسی ہی ان کی غذا بھی ہو گی۔ اس نے کہا نہیں، ایسے نہ کریں، آپ کو معلوم نہیں کہ اچھی موسیقی سن کر انسان کے قدم رک جاتے ہیں، دل مچلنے لگتا ہے، پاؤں اور جسم تھرکنے کی لاشعوری کوشش کرنے لگتا ہے۔

میں نے کہا جو باتیں تم کہہ رہے ہو، مجھے اس سے انکار نہیں لیکن میں چیزوں کو گہرائی میں سمجھنے کا عادی ہوں۔ کبھی تم نے اس پر غور کیا کہ موسیقی سن کر جسم کا تھرکنے کو دل کیوں کرتا ہے؟ یا موسیقی سنتے ہوئے انسان اطمینان کی کیفیت میں کیوں چلا جاتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔

ویسے میوزک کی کوئی چھتیس تو قسمیں ہیں اور ہر ایک کے اپنے اثرات ہیں۔ ہم ان میں سے دو معروف قسموں کا تذکرہ کرتے ہیں پوپ میوزک اور غزل۔ پوپ میوزک کیا کرتا ہے؟ وہ میوزک سننے والے کے دل میں حرکت پیدا کرتا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ اگر دل میں حرکت نہ ہو تو وہ مردہ ہو جاتا ہے، میڈیکلی نہیں بلکہ نفسیاتی طور پر۔

دل کی زندگی اس کی حرکت ہی ہے اور دل کی موت اس کا سکوت ہے کہ سکوت کا نتیجہ اداسی ہے۔ پوپ میوزک سن کر ساکت دل میں حرکت پیدا ہوتی ہے تو اسے اچھا لگتا ہے اور اس کا دل تھرکنے کو کرتا ہے۔ میں نے کہا کہ اگر دل پہلے سے ہی حرکت میں ہو تو پوپ میوزک سننے کا اثر الٹا ہو گا یعنی سنتے ہی انسان بھڑک اٹھے گا اور یہ میرے ساتھ تو کئی دفعہ ہوا ہے۔

دوست نے کہا کہ میوزک کے علاوہ کیا چیز ہے کہ جس سے دل حرکت میں آجاتا ہے۔ میں نے کہا کہ اللہ کا مسلسل ذکر کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ذکر کرنے والے دل کی مثال زندہ کی سی ہے اور ذکر نہ کرنے والے دل کی مثال مردہ کی سی ہے۔ میوزک تو مردہ دلوں میں حرکت پیدا کر رہا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے، بس۔ اور یہ حرکت بھی عارضی ہوتی ہے اور بے مقصد بھی کہ اس حرکت نے کھپنا کہاں ہے؟ شراب میں، زنا میں، فساد میں؟ جبکہ ذکر کی حرکت اپنے پیچھے اچھے اثرات چھوڑ کر جاتی ہے جو کچھ دیر تک باقی رہتے ہیں۔ اور بامقصد بھی ہوتی ہے کہ یہ حرکت خیر پیدا کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ پس دونوں کی حرکت کے رخ میں فرق ہے۔

میں نے کہا کہ غزل کو دیکھ لو کہ اس کے سننے سے لوگوں کا غم اور بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ لوگوں کا خیال ہے کہ ایسا ہوتا ہے لیکن یہ بات ایک پہلو سے درست ہے اور ایک پہلو سے غلط ہے۔ غزل وغیرہ صرف وقتی طور غم اور دل کے بوجھ کو ہلکا کرتے ہیں، مستقل طور نہیں جیسا کہ شراب وقتی طور آپ کو غم سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ بھئی، غزل کی لذت کھجلی کی سی لذت ہے کہ جسم میں پھوڑا ہو تو کھجلی کرنے میں مزا آتا ہے لیکن یہ مزہ وقتی ہوتا ہے۔ اور مزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ زخم اور بڑھ چکا ہے۔ اس نے کہا کہ تلاوت اور نعت کے علاوہ بھی کوئی متبادل ہے تو میں کہا کہ ہاں، زین بھیکا (Zain bhika) کو سن لیا کرو۔ البتہ اب تو اناشید (poems) میں بھی بہت میوزک شامل کر لیا گیا ہے مثلاً حارث کی معروف نظم "سلام علیکم" ہی سن لیں۔ وقتی طور تو دل میں بہت حرکت محسوس ہو گی لیکن دل اگر ذکر کا عادی ہے تو سننے کے کچھ دیر بعد احساس پیدا ہو گا کہ جیسے دل پر کوئی حجاب آ گیا ہو۔

قاری حنیف ڈار صاحب اور موسیقی

قاری حنیف ڈار صاحب آج کل حدیثوں سے یہ ثابت کرنے میں لگے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ موسیقی سماعت فرمایا کرتے تھے۔ معلوم نہیں ایسی روایتیں بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے حوالے سے ان کی وہ غیرت کہاں چلی جاتی ہیں کہ جس کا حوالہ یہ مذہبی طبقات کو دیتے نہیں تھکتے۔ مذہبی طبقات کو قاری صاحب طعن کرتے ہیں کہ انہیں شرم نہیں آتی کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی حدیثوں کی نسبت کو صحیح مان لیتے ہیں؟ اور ان کا اپنا حال دیکھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ ان متجددین کے سامنے کوئی ایسی حدیث بیان کر دیں کہ جس سے ماڈرنٹی کی تائید ہوتی ہو تو آنکھیں بند کر کے اس پر ایمان لے آئیں گے۔ قاری حنیف ڈار صاحب لکھتے ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"دلیل 4: منظر پر غور فرمایئے، محبوب ﷺ بستر پر محو استراحت ہیں، منہ پر چادر ڈالی ہوئی ہے تو یار غار نے آپ ﷺ کو سوتا ہوا سمجھ کر یقیناً آرام کے خیال سے منع کر دیا نہ کہ حرام سمجھ کر، لیکن نبی کریم ﷺ نے کہا کہ رہنے دو ان کو گانے دو۔ گویا رسول اللہ ﷺ منہ پر چادر ڈالے ان کو گاتے ہوئے سن بھی رہے تھے۔ اب آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نہ صرف حرام گانے کو سماعت فرما رہے تھے بلکہ آپ نے ایک حرام کام کی اجازت بھی دے دی، اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہی عن المنکر سے روک بھی دیا؟ آپ تو یہ سوچ سکتے ہیں مگر میں ہر گز ایسا نہیں سوچ سکتا کہ خاتم الانبیاء والمرسلین اپنے سامنے کسی حرام کام کی اجازت دیں گے،، سبحانک ھذا بھتان عظیم۔"

اس روایت کے جمیع طرق کو سامنے رکھیں تو یہ تصویر سامنے آتی ہے:

- یہ انصار کی دو بچیاں تھیں اور پروفیشنل مغنیہ یعنی گانے بجانے والی نہیں تھیں۔
- رسول اللہ ﷺ نے انہیں عید کے دن کی وجہ سے گانے کی اجازت دی۔
- کل آلات موسیقی جو ان کے پاس تھے، وہ دف تھا۔
- جو وہ گا رہی تھیں، وہ یوم بعاث کے بارے شاعری تھی۔ یوم بعاث، اوس اور خزرج کے درمیان ہجرت مدینہ سے پہلے ہونے والی آخری جنگ تھی۔

اب اگر کوئی دو چھوٹی بچیاں، دف ہاتھ میں لے کر، 65ء کی جنگ میں پاکستانی سپاہیوں کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیے کوئی ملی نغمہ پڑھ لیں، تو کیا یہ وہ موسیقی ہے جس کا جواز قاری صاحب ثابت کرنا چاہ رہے ہیں؟ اور کیا اسے عرف عام میں موسیقی کہتے ہیں؟ تو اس موسیقی کو حرام کہا کس نے ہے کہ جس کے جواز کے لیے قاری صاحب اتنا زور لگا رہے ہیں؟

خیر ہماری نقد کی وجہ سے آج کل ان کا کاروبار کافی مندے میں جا رہا ہے، لوگ انہیں تیزی سے چھوڑ رہے ہیں۔[1] ان کی منطق، لاجک اور دلیل پاؤں تلے رُل رہی ہے لیکن پھر بھی یہ پوسٹ اسی لیے سہی کہ "گرتی ہوئی دیوار کو ایک دھکا اور دو۔"

[1] اس نقد کے تفصیلی مطالعہ کے لیے اس کتاب کے آخری باب کی طرف رجوع فرمائیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احادیث اور موسیقی

کچھ لوگ احادیث سے موسیقی کا جواز اخذ کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں سے گزارش ہے کہ اس موضوع پر تحقیق بہت آگے جا چکی ہے، اور آپ ابھی محض احادیث کا ترجمہ بیان کرنے پر ہی پہنچ پائے ہیں۔

اگر کسی کو کسی موضوع پر تحقیق کا شوق ہے تو اس کا صحیح طریقہ کار یہی ہوتا ہے کہ اس موضوع پر جو تحقیق پہلے سے موجود ہے، اس کو سامنے رکھے اور پھر اس کی بنیاد پر کوئی بات کرے۔ چاہے تو اس کی تائید کرے، چاہے اس کا رد کرے۔ اگر کسی شخص کو اس موضوع پر موجود تحقیقات کا علم ہی نہ ہو، اس نے اس موضوع پر کیا بات کرنی ہے؟ یا اگر کر بھی لی تو محققین نے اسے کیا اہمیت دینی ہے؟

احادیث اور موسیقی کے موضوع پر روایتی فکر میں مولانا ارشاد الحق اثری صاحب نے اپنی دو کتابوں میں جو تحقیق پیش کر دی ہے، وہ اب تک اس موضوع پر پیش کی جانے والی تحقیقات میں حرف آخر ہے۔ اگر کسی کو غنا کی احادیث کا معنی و مفہوم سمجھ نہ آ رہا ہو تو اثری صاحب کی درج ذیل دو کتابوں کا مطالعہ کریں۔ پھر اگر کوئی اختلاف ہے تو وہاں سے بات آگے بڑھائیں، جہاں انھوں نے چھوڑی ہے۔ یقین مانیں، اس ایکٹوٹی کے بغیر کوئی اہل علم کہ جسے اس موضوع پر تحقیق سے دلچسپی ہو گی، آپ کی پوسٹوں کو پڑھنا تو درکنار، دیکھنا بھی پسند نہیں کرے گا۔ کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

- اسلام اور موسیقی - شبہات و مغالطات کا ازالہ
- اسلام اور موسیقی پر "اشراق" کے اعتراضات کا جائزہ

موسیقی صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی نظر میں

امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"قال الله تعالى في سورة لقمان: ﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله﴾، قال حبر الأمة ابن عباس رضي الله عنهما: هو الغناء، وقال مجاهد رحمه الله: اللهو الطبل."

"اللہ سبحانہ وتعالی نے سورۃ لقمان میں فرمایا ہے: اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو لغو باتیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خریدتے ہیں، تاکہ بغیر کسی علم کے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکیں، اور اسے مذاق بنائیں، انہیں لوگوں کے لیے ذلت ناک عذاب ہے۔ حبر الامۃ ابن عباس رضی اللہ عنہ اس کی تفسیر میں کہتے ہیں، یہ گانا بجانا ہے۔ اور مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں: لہو سے مراد ڈھول اور ناچ گانا ہے۔"

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"وقال الحسن البصري رحمه الله: نزلت هذه الآية في الغناء والمزامير. قال أبو الصهباء: سألت ابن مسعود عن قوله تعالى: ﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث﴾، فقال: والله الذي لا إله غيره هو الغناء - يرددها ثلاث مرات، وصح عن ابن عمر رضي الله عنهما أيضا أنه الغناء."

"حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ آیت مبارکہ گانے بجانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ ابو الصہباء کہتے ہیں کہ میں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالی کے فرمان: ﴿ومن الناس من يشتري لهو الحديث﴾ کے متعلق سوال کیا کہ اس سے مراد کیا ہے تو ان کا جواب تھا: اس اللہ تعالی کی قسم جس کے علاوہ کوئی اور معبود برحق نہیں اس سے مراد گانا بجانا ہے۔ انہوں نے یہ بات تین بار دہرائی۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت سے ثابت ہے کہ اس سے مراد گانا بجانا ہی ہے۔"

امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عن نافع رحمه الله قال: "سمع ابن عمر مزمارا، قال: فوضع إصبعيه على أذنيه، ونأى عن الطريق، وقال لي: يا نافع هل تسمع شيئا ؟ قال: فقلت: لا قال: فرفع إصبعيه من أذنيه، وقال: كنت مع النبي صلى الله عليه وسلم فسمع مثل هذا، فصنع مثل هذا."

"اور نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بانسری بجنے کی آواز سنی تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں رکھ لیں اور راستے سے ہٹ کر مجھے کہنے لگے نافع کیا تم کچھ سن رہے ہو؟ تو میں نے عرض کیا: نہیں، تو انہوں نے اپنے کانوں سے انگلیاں نکال لیں، اور کہنے لگے، میں ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو انہوں نے ایسی آواز سنی تو اسی طرح کیا۔"

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

موسیقی: مذاہب اربعہ اور مسالک ثلاثہ کا موقف

فقہ حنفی اور موسیقی:

علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ "الدر المختار" میں فرماتے ہیں:

"وَالْمُذْهَبُ حُرْمَتُهُ مُطْلَقًا... وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يَسْمَعُ الْغِنَاءَ أَوْ يَجْلِسُ مَجْلِسَ الْغِنَاءِ."

"مذہب حنفی میں گانا بجانا مطلقاً حرام ہے...اور اس شخص کی گواہی قابل قبول نہیں ہے جو گانا بجانا سنتا ہے یا گانے بجانے کی مجلس میں بیٹھتا ہے۔"

فقہ مالکی اور موسیقی:

امام خلال رحمہ اللہ "الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر" میں فرماتے ہیں:

"عن إسحاق بن عيسى الطباع قال: سألت مالك بن أنس عما يترخص فيه أهل المدينة من الغناء؟ فقال: إنما يفعله عندنا الفساق."

"امام مالک رحمہ اللہ سے یہ سوال ہوا کہ اہل مدینہ گانے بجانے کو جائز سمجھتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہمارے ہاں کے فاسقوں کا مشغلہ ہے۔"

فقہ شافعی اور موسیقی:

امام شافعی رحمہ اللہ "الأم" میں فرماتے ہیں:

"إن الغناء لهو مكروه يشبه الباطل، ومن استكثر منه فهو سفيه ترد شهادته."

"امام شافعی رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ گانا بجانا لہو ولعب میں سے ہے، مکروہ ہے بلکہ باطل سے مشابہت رکھتا ہے۔ جو اس میں بہت زیادہ مشغول ہو، تو وہ احمق ہے اور اس کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔"

فقہ حنبلی اور موسیقی:

امام خلال رحمہ اللہ "الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر" میں فرماتے ہیں:

"عن عبد الله بن أحمد بن حنبل قال: سألت أبي عن الغناء فقال: الغناء ينبت النفاق في القلب لا يعجبني."

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"عبد اللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے گانے بجانے کے بارے سوال کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ گانا بجانا دل میں نفاق پیدا کرتا ہے اور مجھے پسند نہیں ہے۔"

بریلویت اور موسیقی:

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد "خوب و ناخوب" میں اعلی حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمہ اللہ کا فرمان نقل کرتے ہیں:

"مزامیر جنھیں مٹانے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے کما فی الحدیث مطلقاً حرام ہے۔"

دیوبندیت اور موسیقی:

مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی کتاب "اسلام اور موسیقی" میں لکھتے ہیں:

"موسیقی قرآن اور حدیث کی روشنی میں ناجائز ہے اور فقہاء امت کے چاروں مکاتب فکر اس مسئلے پر متفق ہیں۔"

اہلحدیث اور موسیقی:

مولانا ارشاد الحق اثری رحمہ اللہ اپنی کتاب "اسلام اور موسیقی: شبہات و مغالطات کا ازالہ" میں لکھتے ہیں:

"موسیقی کے حرام اور ناجائز ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔"

اسلامی میوزک

دوست کا سوال ہے کہ میوزک بہت سنتا ہوں اور سننے کو دل بھی بہت کرتا ہے لیکن ساتھ میں ڈر بھی لگتا ہے تو کیا اسلامک میوزک نام کی کوئی چیز موجود ہے؟ جواب: بھئی، اسلامک میوزک تو نہیں کہتا لیکن جائز موسیقی ضرور کہہ سکتا ہوں، اگر سننا چاہتے ہیں تو زین بھیکا (Zain Bhikha) کے اناشید (poems) سنیں۔

زین بھیکا بہت ہی باذوق اور نفیس الطبع سنگر ہے، شاعری کا انتخاب بھی عمدہ ہے اور آواز بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خوبصورت ہے اور کمال یہ ہے کہ دل سے پڑھتا ہے۔ زین بھیکا نے اس میدان میں ایک بہت بڑے خلاء کو پُر کیا ہے، لیکن ہمارے مذہبی طبقات شاید اس بات کو نہیں سمجھ سکتے۔ زین بھیکا کے جو اناشید سننے کے لائق ہیں:

1- Allah Made Everything

2- The Moment He Smiled (Naat)

3- Mountains of Makkah

4- Eidun

5- First, We Need the Love

6- Better Day

نوٹ: زیادہ مذہبی لوگ انہیں سننے سے پرہیز کریں۔

اردو کے بہترین ناول

"علی پور کا ایلی": اگر میرے پاس اس کی ہارڈ کاپی ہوتی تو کسی پکوڑے سموسے بیچنے والے کو ہدیہ کر دیتا کہ اس کا صحیح استعمال یہی ہے کہ ضخیم بھی کافی ہے، شاید اردو ادب کا سب سے ضخیم ناول ہے۔

"آگ کا دریا": ایک دل تو کرتا ہے کہ ابوالکلام آزاد کو عالم برزخ میں تحفے میں بھجوادوں کہ رات ہی عالم نیند میں برزخ سے ان کا اڑھائی صفحات کا ایک تعریفی خط موصول ہوا ہے کہ جس میں انہوں نے راقم کی ایک تحریر کی ستائش فرمائی ہے۔ اور ایک دل کرتا ہے کہ کسی اچھے سنسکرت جانے والے کو ہدیہ کر دوں کہ اس کے پہلے دو سو صفحات کا اردو ترجمہ کر دے۔

"اداس نسلیں": بس ٹھیک ہے۔ اس لیے ضرور پڑھنا لینا چاہیے کہ اسے اردو کے دس بہترین ناولوں میں شمار کیا گیا ہے۔ پڑھ کر وقت اچھا گزر گیا لیکن کوئی خاص اثر نہ ہوا۔

"راجہ گدھ": ایک اچھا ناول ہے۔ بہترین دماغوں اور سوچنے سمجھنے والے اذہان کے لیے اردو ادب میں ایک عمدہ تحفہ ہے۔ پڑھنے کے بعد تقریباً ایک ہفتہ تک اس کے اٹھائے گئے فلسفیانہ سوالات کے سحر میں شدت سے مبتلا رہا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"خدا کی بستی": عمدہ اور بہترین ناول ہے۔ ضرور پڑھنا چاہیے۔ پڑھ کر یہ اثر ہوا کہ ختم کرنے کے بعد دو رکعت نماز ادا کی اور سجدے میں خوب رویا۔

"قیصر و کسریٰ": اردو زبان کا شاہکار ناول۔ ہر ایک کو ضرور پڑھنا چاہیے۔ پڑھ کر یہ اثر ہوا کہ اب کے زندگی بامقصد معلوم ہونے لگی۔

جانگلوس از شوکت صدیقی: ایک تنقیدی مطالعہ

"جانگلوس" اردو کے ضخیم ترین ناولوں میں سے ہے کہ میرے پاس اس کا جو نسخہ ہے، وہ تین حصوں میں تقریباً دو ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔ شوکت صدیقی اچھے لکھاری ہیں اور ان کے دونوں شاہکار ناولوں، خدا کی بستی اور جانگلوس، میں مجرمانہ معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے۔ جانگلوس کی کہانی دراصل دو قیدیوں، لالی اور رحیم داد، کی کہانی ہے کہ جو جیل سے فرار ہوتے ہیں۔ اور پولیس سے چھپنے کے لیے دربدر کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے مختلف جرائم پیشہ افراد سے ان کو سابقہ پڑتا ہے۔

شوکت صدیقی ایک تخلیق کار لکھاری ہے کہ کہانی کو اس انداز میں مرتب کیا ہے کہ قاری اس میں کھو جاتا ہے۔ ان کی کہانی میں ہر درجے کے ذہن کے لیے طمانیت کا سامان موجود ہے، ان کے لیے بھی کہ جو کہانی کو ایک کہانی کے طور پڑھتے ہیں اور ان کے لیے بھی جو کہانی کو ایک فلسفہ سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ پہلے حصے میں کہانی کا پلاٹ بہت جاندار ہے کہ قاری کا دل کہانی چھوڑنے کو آمادہ نہیں ہوتا لیکن جیسے ہی لالی کے کردار سے کہانی کا رخ رحیم داد کے کردار کی طرف مڑتا ہے اور ناول کے دوسرے حصے کا آغاز ہوتا ہے تو قاری کو احساس ہوتا ہے کہ اب ناول کی ضخامت بڑھانے کی خواہ مخواہ کی کوشش جاری ہے لہذا دلچسپی کم ہو جاتی ہے۔

جہاں تک ناول کی زبان کا تعلق ہے تو شوکت صدیقی صاحب نے ناول میں دیہاتی لب و لہجے کو اسی زبان میں نقل کیا ہے جیسا کہ "قتل" کو "کتل" اور "موقع" کو "موکع" لکھا ہے۔ یہ ایک طرف کہانی کا حسن بھی ہے اور دوسری طرف خامی بھی ہے۔ حسن اس اعتبار سے کہ ناول نگار نے حقیقت کا اس حد تک بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے کہ الفاظ کے حقیقی رسم کو بھی پیچھے چھوڑ دیا اور خامی اس پہلو سے کہ زبانیں اسی طرح بگڑتی ہیں۔ اگر کوئی دو چار الفاظ کا معاملہ ہوتا تو ہم یہ بات بیان نہ کرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ناول کے ہر صفحہ پر آپ کو دس بارہ الفاظ ایسے مل جائیں گے کہ جو اپنے اصل رسم میں نہیں لکھے گئے ہیں بلکہ دیہاتی لب و لہجے کے اعتبار سے انہیں نیا رسم دیا گیا ہے۔ اور تنقید کا مطلب بھی یہی ہوتا ہے کہ آپ کسی شاہ پارے کی خوبی اور خامی دونوں نقل کر دیں۔

جہاں تک ناول نگار کی سوچ کا تعلق ہے تو کسی ناول کے تنقیدی مطالعے میں اس کا جاننا بہت ضروری ہے اگرچہ اس میں مبالغے سے بچنا چاہیے۔ کچھ نقاد تو اس قدر مبالغہ کرتے ہیں کہ وہ ناول کے ہر دوسرے جملے میں مصنف کا ذہن پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ضروری نہیں ہے کہ ناول نگار کا ہر جملہ اس کے ذہن ہی کی عکاسی کرتا ہو، بعض اوقات وہ معاشرے کے مسائل بھی بیان کر رہا ہوتا ہے۔ اور یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ ناول نگار اپنی تصنیف میں بس معاشرے کے حقائق ہی کو نقل کرتا ہے، اس کی اپنی سوچ اس میں نہیں ہوتی۔

ناول نگار نے ناول کے پہلے صفحہ پر کارل مارکس کا اقتباس نہ بھی دیا ہوتا تو بھی ناول سے یہ معلوم کرنا بہت آسان ہے کہ مصنف پر اشتراکیت کے فلسفے کا گہرا اثر موجود ہے اور ان کے ناول میں جو مقصدیت پائی جاتی ہے، وہ اشتراکی ہے نہ کہ مذہبی۔ اگرچہ ناول نگار کی سوچ کا مثبت پہلو یہ ہے کہ وہ اشتراکی فلسفہ سے متاثر ہونے کے باوجود معاشرے کو مذہب سے اس طرح بدظن کرنے کی کوشش نہیں کرتے جیسا کہ اشتراکیوں کی عادت ہے کہ اہل مذہب کی برائیاں بیان کر کر کے مذہب کو بدنام کیا جائے اور اسے ایک افیون ثابت کیا جائے۔

ناول میں کہیں کہیں مذہب کے نام پر معاشرے میں پائی جانے والی برائیوں کا ذکر موجود ہے لیکن میرے رائے میں وہ مناسب انداز میں موجود ہے کہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کیا گیا ہے۔ جانگلوس میں اہل مذہب پر تنقید کا انداز یہ بتلاتا ہے کہ مصنف مذہب سے تعصب نہیں رکھتا ہے لیکن یہی مصنف جب خدا کی بستی میں اہل مذہب ہر نقد کرتا ہے تو اسلوب یہ بتلاتا ہے کہ وہ مذہب پر زیادہ تنقید اس لیے نہیں کرنا چاہتا کہ معاشرہ اسے قبول نہ کرے گا، اسے اس کی حکمت کہیں یا مصلحت، بہر حال یہ تو کہنا بنتا ہے کہ مناسب طرز عمل ہے۔

عام لوگ تو ناول کو کہانی کی طرح پڑھتے ہیں کہ بس تفریح ہے، وقت گزارنے کا ایک بہانہ ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن ایک نقاد اس طرح سے کہانی کا مطالعہ نہیں کرتا بلکہ وہ تو یہ بھی دیکھتا ہے کہ اس ناول یا کہانی کے انسانی لاشعور پر کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ ناول نگار نے ناول میں جس طرح سے جرم کو پیش کیا ہے، اس میں صاف طور مبالغہ موجود ہے۔ چلیں، مبالغے کے بغیر تو کہانی بنتی ہی نہیں ہے، یہ ہمیں بھی معلوم ہے لیکن اتنا مبالغہ کہ ہر شخص ہی مجرم نظر آئے تو یہ مناسب نہیں ہے۔ معاشرے میں شر کے علاوہ خیر بھی ہر دور میں موجود رہا ہے کہ جس طرح دکھ کے ساتھ سکھ انسانی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔ البتہ اس اعتراض کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ناول معاشرے کے ایک خاص طبقے کے احوال بیان کرتا ہے نہ کہ بحیثیت مجموعی پورے معاشرے کی تصویر کشی ہے۔

اب تک جو باتیں ہم نے کی ہیں تو ان میں خوبی اور خامی دونوں پہلو موجود ہیں لیکن ناول نگار کی دو باتیں ایسی ہیں کہ جن میں خامی ہی کا پہلو غالب ہے۔ ایک یہ کہ ناول نگار جب بھی کسی جرم کو بیان کرتا ہے تو اس کے بیان کا جو اسلوب ہے، وہ معتدل نہیں ہے۔ جرم تو اپنی تفصیل میں بیان ہو گیا لیکن اس جرم کی برائی اور شناعت اتنی تفصیل سے نہ نقل ہو سکی۔ اس کا قاری پر اثر یہ ہو گا کہ جب قاری نے یہ پڑھا کہ معاشرے میں تو ہر طرف جرم ہی جرم ہے کہ ہر دوسرا شخص جرم میں مبتلا ہے تو اب اگر وہ خود کسی جرم میں مبتلا ہے تو بڑی آسانی سے اپنے آپ کو یہ کہہ کر مطمئن کر لے گا کہ یہاں ہر دوسرا شخص بھی تو مجرم ہی ہے ناں۔

اس کا حل یہی تھا کہ ناول نگار ہر جرم کے بیان کے ساتھ اس کی برائی اور برے اثرات کو اس قدر مبالغے سے بیان کرتے کہ قاری کو اس جرم سے طبعاً نفرت پیدا ہو جاتی تاکہ اگر وہ کسی جرم میں مبتلا بھی ہے یا ہونے جا رہا ہے تو کم از کم اپنے لیے یہ کہہ کر اطمینان کا سامان نہ پیدا کر لے کہ ہر دوسرا شخص بھی تو مجرم ہی ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ ناول نگار جرم کے بیان میں جس قدر فصیح ہے، قاری کے دل میں جرم سے نفرت پیدا کرنے میں اس قدر کامیاب نہیں ہے۔ اور ہم یہ نہیں کہہ رہے کہ جرم سے نفرت پیدا کرنے کے لیے آپ ناول میں وعظ شروع کر دیں، آپ جب اسے جرم کہہ رہے ہیں تو وہ لازماً عقل اور طبعیت کے بھی خلاف ہی ہو گا، تو اس سے عقل و منطق، انسانی جذبات واحساسات کے تعلق کی نسبت سے نفرت پیدا کریں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس ناول کی دوسری خامی جو کہ نسبتاً گہری ہے اور عام افراد کی سمجھ سے بہت بالا ہے، کو ایک مثال سے سمجھیں۔ ناول نگار نے اپنے ناول میں ایلیٹ (elite) کلاس کے ایک لائف اسٹائل کو بیان کیا ہے کہ جسے وہ سسپنس نائٹ کہتا ہے۔ سسپنس نائٹ یہ ہے کہ آٹھ بیوروکریٹس ہیں کہ جن میں ایک ڈپٹی کمشنر، ایک ایس۔ایس۔پی، ایک کامیاب بزنس مین، ایک سیکرٹیری وغیرہ ہیں۔ وہ آٹھوں ہر مہینے ایک رات اپنی بیویوں سمیت ایک بنگلے میں جمع ہوتے ہیں اور ایک کھیل کھیلتے ہیں کہ جس کا ایک ایمپائر ہوتا ہے۔ اتفاق سے لالی جو کہ جیل سے مفرور ہے، اس کا واسطہ ڈپٹی کمشنر سے پڑتا ہے کہ جس کی گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو چکا ہے اور اسے دھکا لگانے کے لیے کسی فرد کی ضرورت ہے۔ لالی یہ ضرورت پوری کرتا ہے اور ڈپٹی کمشنر اسے اپنے گھر میں رکھ لیتا ہے۔

جب سسپنس نائٹ آتی ہے تو اتفاق سے ایمپائر بیمار ہو جاتا ہے لہذا لالی کو ایمپائر بنا لیا جاتا ہے۔ ایک رات ایک بیوروکریٹ کے بنگلے میں آٹھوں بیوروکریٹس اپنی بیویوں سمیت جمع ہوتے ہیں جو کہ خوب بن سنور کر آئی ہوتی ہیں۔ ایک طرف صوفے پر آٹھ بیویاں بیٹھتی ہیں، دوسری طرف آٹھ مرد۔ اوپر والی منزل میں دس کمرے ہیں۔ قرعہ اندازی ہوتی ہے اور پہلے ہر بیوی کے نام سے ایک کمرے کا نمبر نکلتا ہے تو اس بیوی کو وہاں اسی کمرے میں لالی چھوڑ آتا ہے اور باہر سے دروازہ لاک کر دیتا ہے۔ اس طرح آٹھ بیویوں کے آٹھ کمروں میں چلے جانے کے بعد مردوں کی قرعہ اندازی ہوتی ہے اور ہر مرد کے نام سے ایک کمرے کا نمبر نکلتا ہے اور اسے اسی کمرے میں لالی چھوڑ آتا ہے۔ اگر اتفاق سے کسی مرد کے نام ایسے کمرے کا نمبر نکلے کہ جس میں اسی کی بیوی موجود ہو تو اس کی قرعہ اندازی دوبارہ کی جاتی ہے۔ اس طرح یہ آٹھوں بیوروکریٹس ایک دوسرے کی بیویوں کے ساتھ قرعہ اندازی کر کے رات گزارتے ہیں۔

مجھے اس پر اس وقت کوئی مذہبی نقد نہیں کرنی کہ اس کا مذہبی اسٹیٹس سب کو معلوم ہے اور ویسے بھی ادیبوں کو وعظ سے نفرت ہوتی ہے کہ ان کے نزدیک واعظ کا ذہن سطحی ہوتا ہے۔ یہاں دراصل لالی کا ڈپٹی کمشنر اور اس کی بیگم سے ایک مکالمہ ہوتا ہے جبکہ وہ ان دونوں کو ان کے کمرے میں چھوڑنے جا رہا ہوتا ہے، وہ مکالمہ بہت اہم ہے۔ لالی، ڈپٹی کمشنر سے پوچھتا ہے کہ اس کا دل کیسے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس پر راضی ہو جاتا ہے کہ اس کی بیوی دوسرے کے ساتھ رات گزارے جبکہ یہ تو سیدھی سادھی بے غیرتی ہے۔ ڈپٹی کمشنر اپنے اس فعل کو لاجیسائز کرتا ہے یعنی اس کو لاجیکل بنا کر پیش کرتا ہے۔ مثلاً ڈپٹی کمشنر کا کہنا یہ ہے کہ انسانی طبیعت کی یہ فطرت ہے کہ وہ ایک ہی چیز سے اکتا جاتی ہے لہذا ہم دراصل اپنی اکتاہٹ کا علاج کرتے ہیں اور یہ اکتاہٹ میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے سے ہو جاتی ہے۔ بہر حال دوسری شادی اور ہیرا منڈی کے چکر لگانے کے جو جھنجھٹ ہیں، وہ اس میں نہیں۔

چلیں، آپ کسی درجے میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو ایک سطحی لاجک ہوئی لیکن اس لاجک پر ایک اور لاجک بیوی کی طرف سے یہ دی گئی کہ اس طرح کرنے سے بیویوں کو یہ فائدہ ہوا کہ اب وہ بننا سنورنا شروع ہو گئی ہیں یعنی پہلے وہ شوہروں سے اکتاہٹ کے نتیجے میں موٹی اور بھدی ہو گئی تھیں لیکن جب سے سسپنس نائٹ کا دور شروع ہوا ہے تو انہوں نے دوسرے مردوں کی خواہش میں تیار ہونا شروع کر دیا ہے اور اب جسمانی طور پر فٹ ہیں کہ جس کا فائدہ ظاہری بات ہے کہ ان کے شوہروں کو بھی ہوتا ہے۔

چلیں، یہ بھی ایک اور سطحی لاجک کہہ لیں، لیکن خطرناک ترین بات وہ تھی جو ڈپٹی کمشنر نے یہ کہہ کر لالی سے کہی کہ اس طرح کی نائٹ گزارنے سے میاں بیوی کی محبت بڑھ جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ جب اس کی بیوی دوسرے کے شوہر کے ساتھ رات گزارتی ہے اور اگر وہ شوہر اس سے زیادہ ہینڈسم اور مضبوط ہو تو وہ اس کی طرف ایٹریکٹ ہوتی ہے اور شوہر اس ایٹریکشن سے خار کھاتا ہے لہذا بیوی کی طرف زیادہ توجہ کرتا ہے اور دوسرے مرد کو اپنا رقیب سمجھتا ہے، اس طرح وہ اپنی بیوی کا زیادہ خیال رکھنا شروع ہو جاتا ہے اور ان کی ازدواجی زندگی بہتر ہو جاتی ہے۔

جس طرح سے شوکت صدیقی صاحب نے اس سسپنس نائٹ کو فلوسوفائز کیا ہے، اس سے ایلیٹ کلاس میں اس کی طرف رغبت تو بڑھ سکتی ہے، اس سے نفرت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ لاجکس تو اس کے خلاف بھی بہت موجود ہیں۔ ہمیں اکتاہٹ کے مسئلہ ہونے سے انکار نہیں ہے لیکن ہم آپ کو یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ میاں بیوی کی اکتاہٹ کا جو علاج سسپنس نائٹ میں تجویز کیا گیا ہے، اس سے اکتاہٹ دور نہیں ہوتی بلکہ بڑھ جاتی ہے۔ مغرب کو بیوی سے اکتاہٹ ہوئی تو عورت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف متوجہ ہوا، اس سے اکتاہٹ ہونے لگی تو ہم جنس پرستی پر آ گئے کہ مرد، مرد سے اور عورت، عورت سے شہوت حاصل کرے۔ اس سے اکتائے تو جانوروں کی طرف متوجہ ہو گئے، وہاں سے بھی اکتا گئے تو اب انہیں سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا کریں، سب کچھ تو کر لیا ہے۔

بات یہ ہے کہ سیکس دو قسم کا ہے؛ ایک وہ جو انسان کی بائیولوجیکل ضرورت ہے، اور اس کے لیے بیوی کافی ہے بشرطیکہ وہ شوہر سے اس مسئلے میں مکمل تعاون کرتی ہو جبکہ عورت کی طبعاً زیادہ ضرورت رومانس ہے نہ کہ سیکس۔ اور دوسرا سیکس وہ ہے جو انسان کی ذہنی ضرورت ہے تو اس کے لیے کچھ بھی کافی نہیں ہے۔ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جب سیکس انسان کے دماغ میں گھس جائے تو وہ ہمیشہ سیکس کے مسئلے میں پریشان رہے گا۔ ہمارے معاشروں بلکہ فلسفیوں، ادیبوں اور آرٹسٹوں کا اصل مسئلہ یہی ہے کہ سیکس جو کہ بائیولوجیکل ضرورت تھی، اسے ذہنی ضرورت بنا دیا گیا ہے۔ مصنف نے لالی کی زبانی اسے بے غیرتی کہہ کر اس پر جو نقد کی ہے، اسے جذبات سے جوڑ کر ہلکا بنا دیا ہے اور خود اس عمل کو لاجک کی بنیاد فراہم کر کے اعلیٰ سوچ بنا دیا ہے۔

اس لیے جب سے وہ ذہنی ضرورت بنا ہے، ہر ناول نگار نے اسے معاشرے کا بنیادی ترین مسئلہ دکھایا ہے۔ بھائی، سامنے کی بات ہے کہ ایک بھوک وہ ہے جو تمہارے پیٹ کی ہے اور یہی اصل بھوک ہے اور ایک وہ ہے جو تمہارے ذہن میں ہے، تو جو تمہارے ذہن میں ہے، وہ دھوکا ہے۔ اس کا حل یہ نہیں ہے کہ ذہنی بھوک کو مٹانے چل پڑو بلکہ اس کا علاج یہ ہے کہ ذہن کی اصلاح کرو۔ بھئی، دو لفظوں میں خلاصہ یہ ہے کہ اکتاہٹ تمہارے دل میں نہیں، ذہن میں ہے۔ اور ذہن کی اکتاہٹ، ایبنارمیلٹی ہے، اس کا علاج کرو۔ اور بھی بہت سی باتیں کرنے کا جی چاہ رہا ہے، لیکن تحریر پہلے ہی کافی طویل ہو گئی ہے۔

جنت کی تلاش از رحیم گل

"جنت کی تلاش" از رحیم گل کمال ناول ہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ اردو ادب میں دانش کی انتہائی مثال "راجہ گدھ" کی صورت میں ہی ہے لیکن اب یہ خیال تبدیل ہو گیا ہے۔ اگر اردو ادب میں دانش کی انتہاء دیکھنی ہو تو "جنت کی تلاش" کا مطالعہ ضرور کریں۔ باقی ناولز ایک خاص پاس منظر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رکھتے ہیں، کچھ تاریخی ہوتے ہیں، کچھ رومانوی اور کچھ سماجی لیکن اس ناول کا اصل خاصہ عصر حاضر کی دانش کا تجزیاتی مطالعہ ہے۔

میرے بس میں ہو تو اس ناول کو درس نظامی کے نصاب میں ادب کے مضمون کا حصہ بنا دوں کہ طلباء کی ذہنی، فکری، تجزیاتی اور تنقیدی صلاحیتوں کو بہتر بنانے کے لیے اس سے بہتر متن نظر سے نہیں گزرا۔ جن لوگوں کا ذوق فکری ہے، وہ اس کا مطالعہ ضرور کریں لیکن داستان عشق سمجھ کر نہیں بلکہ فلسفہ حیات اور انسان کے بارے پوشیدہ راز جاننے کے لیے۔

آل پاکستان ڈیکلامیشن کانٹیسٹ

بہت سی یونیورسٹیز اس عنوان سے ہر سال طلباء میں تقریری مقابلہ جات کا انعقاد کرواتی ہیں۔ اور ہر اچھی یونیورسٹی میں کوئی نہ کوئی ڈیبیٹنگ سوسائٹی موجود ہے کہ جس سے محسوس ہوتا ہے کہ یونیورسٹی اسٹوڈنٹس میں تاحال اس آرٹ کے سیکھنے سکھانے میں رغبت موجود ہے۔ ہماری یونیورسٹی میں بھی سال میں کوئی دو مرتبہ اسٹوڈنٹ۔ ویک میں یہ مقابلہ جات منعقد ہوتے ہیں۔

آج بھی ایک آل پاکستان ڈیکلامیشن کانٹیسٹ تھا کہ جس میں پاکستان کی مختلف یونیورسٹیز سے طلباء شامل ہوئے کہ جنہوں نے اردو اور انگریزی میں سنجیدہ اور مزاحیہ موضوعات پر تقاریر فرمائیں۔ پچھلے کچھ سالوں سے یہ ڈیکلامیشن دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے تو اس کی بہتری کے لیے کچھ تجاویز ذہن میں ہیں، سو وہ ان سوسائیٹیز کے لیے مفید ہو سکتی ہیں جو یہ مقابلہ جات منعقد کرواتی ہیں۔

ان تقریری مقالہ جات میں ایک چیز تو یہ دیکھنے کو ملی کہ سنجیدہ تقاریر ہوں یا مزاحیہ، ان کے اسالیب اور لہجے متعین ہوتے ہیں، ان میں کوئی کریٹوٹی نہیں ہے۔ مثلاً سنجیدہ تقریر ہمیشہ شعلہ بیانی کی صورت ہو گی اور مزاحیہ تقریر کا بھی ایک خاص قسم کا لگا بندھا سالب ولہجہ ہے کہ جس میں تقریر پڑھنا گویا فرض سمجھ لیا گیا ہے۔ خطابت ایک بہت بڑا فن ہے، اور یہ فن اتنا بانجھ بھی نہیں ہے کہ اس میں آپ کو گلا پھاڑنے اور لہک لہک کر تقریر گانے کے علاوہ کوئی اسلوب کلام نہ ملے۔

جہاں تک مواد کی بات ہے تو سنجیدہ تقریروں کے شعلہ بیان خطباء کے الفاظ لگے بندھے اور اتنے دقیق اور مشکل کہ شاید ہی انہیں خود سے بھی ان کے معانی و مفاہیم معلوم ہوں۔ اور سامعین کو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صرف ان کا لب ولہجہ اور باڈی لینگوئج ٹرانسفر ہو رہی ہوتی ہے۔ اور مزاحیہ تقاریر والوں کے پاس تو شاید سب سے بڑا عنوان "لڑکی" کا ہے، کبھی محبوبہ کی صورت میں تو کبھی بیوی کے رنگ میں۔ ٹھیک ہے اس عمر کے نوجوانوں کا ایک بڑا مسئلہ لڑکی ہے لیکن اب اتنا بھی کیا کہ ہر مزاحیہ تقریر لڑکی سے شروع ہو اور لڑکی پر ختم ہو۔

باڈی لینگوئج البتہ ان مقررین کی بہتر ہے لیکن اسٹیج کی حد تک۔ اس لیے یہ مقررین سے زیادہ فنکار (actors) معلوم ہوتے ہیں۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ سنجیدہ تقریر کرنے والا کہ جیسے مجمعے کو رُلا کر چھوڑے گا، جیسے ہی اسٹیج سے اتر رہا ہوتا ہے تو کسی دوست کو مسکراتے ہوئے ایسے اشارہ دے رہا ہوتا ہے کہ جیسے ڈاکٹر عامر لیاقت کسی سے پوچھ رہا ہو کہ "کیسا دیا، ابے؟"۔ اور مزاحیہ تقریر والے کا چہرہ اسٹیج کی سیڑھیاں اترتے ہی ایسے سپاٹ معلوم ہوتا ہے جیسے شہباز شریف صاحب ابھی ابھی کابینہ کو ڈانٹ کر فارغ ہوئے ہوں۔

پھر ان ڈیبیٹنگ سوسائیٹیز کے مقاصد کیا ہیں؟ یہ بچے تقریر سیکھنے کے بعد کیا کریں گے؟ چلیں، سرٹیفکیٹ تو حاصل کر لیا، اب کیا کریں؟ کپ جیت لیا، اب کیا کریں؟ کچھ پتہ نہیں ہے۔ مدرسہ کا ایک طالب علم اگر تقریر کی صلاحیت حاصل کرتا ہے تو کم از کم جمعہ کے خطبے یا درس قرآن میں اس کو استعمال کر کے معاشرے کی اصلاح میں اپنا کردار ادا کر سکتا ہے لیکن یونیورسٹی کے ان اسٹوڈنٹس کا اس فن میں کیا کیریئر ہے؟ مجھے سمجھ نہیں آتی۔

نہ تو ان کا ایسا سوشل اسٹیٹس ہے کہ سیاست دان بن کر اپنی تقریروں سے عوام کو بے وقوف بنا سکیں اور نہ ہی مذہبی بیک گراؤنڈ ہے کہ مولوی کی طرح معاشرے کی اصلاح میں کوئی کردار ادا کر سکیں۔ اور نہ ہی شادی کے بعد یہ رٹی رٹائی تقریریں اپنے پارٹنر کے سامنے جھاڑی جا سکتی ہیں۔ تو بس اگر تو وقت گزارنے کا ایک اچھا بہانہ ہے تو اس حد تک تو بات ٹھیک ہے۔ لیکن یہ کہ یہ کوئی بامقصد ایکٹوٹی ہے تو اس سے اتفاق مشکل ہے۔ کچھ دوستوں کا کہنا ہے کہ اس سے اعتماد پیدا ہوتا ہے تو چلیں، اتنا فائدہ تو شاید اس سے حاصل ہو ہی جاتا ہے لیکن ہم تو اسے مزید بامقصد بنانے کی بات کر رہے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہلیہ کے نام محبت کا خط

عید کے موقع پر اہلیہ کو تحفہ دیا تو اصرار کے ساتھ فرمائش کرنے لگیں کہ اتنا کچھ لکھتے ہیں، کچھ میری تعریف میں بھی تحفے کے ساتھ لکھ دیں کہ سندر ہے۔ پہلے تو بہت پریشانی ہوئی کہ کہاں سنجیدہ مذہبی تحریریں اور کہاں محبت نامہ بلکہ سند نامہ، کیسے لکھ پاؤں گا لیکن پھر ذہن میں خیال آیا کہ اللہ کے رسول ﷺ کی عادت تھی کہ ازواج کی تعریف کیا کرتے تھے جیسا کہ کہا کہ عائشہ کو عورتوں پر ایسی فضیلت حاصل ہے جیسا کہ ثرید کو کھانوں پر۔

ایک اور موقع پر فرمایا کہ مجھے عورتوں میں سب سے زیادہ محبت عائشہ سے ہے اور مردوں میں عائشہ کے والد سے۔ نکتہ یہ ہے کہ یہ نہیں کہا کہ مردوں میں ابو بکر سے سب سے زیادہ محبت ہے بلکہ عائشہ کے والد سے ہے، رضی اللہ عنہما۔ ایک موقع پر اماں عائشہ کے سامنے خاوندوں کی گیارہ قسموں اور ان کی خصوصیات کا ذکر فرمایا اور آخر میں کہا کہ اے عائشہ ! میں آپ کے لیے ایسا ہی ہوں جیسا کہ ابو زرع، ام زرع کے لیے تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی یہ تمام تعریفیں حدیث کی کتابوں میں نقل ہوئی ہیں۔ اب تو عجب تقوی ہے کہ بیوی کی تعریف کریں تو واعظ صاحب وعظ شروع فرمادیں گے کہ بیڈ روم میں کیا کرو۔ اور اگر محبوبہ کی تعریف میں غزل کہہ دیں تو یہی واعظ صاحب ادیب کا خطاب عنایت فرمادیں گے۔

سو یہ سب سوچ کر کہ شاعروں نے تو ہمیشہ محبوباؤں کی تعریف میں مبالغہ کیا ہے اور بڑا شاعر ہی اسے سمجھا جاتا ہے جو محبوب کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملادے۔ اور رہی بیوی تو اس کے بارے معروف کر دیا کہ وصال کے بعد کہاں کی محبت کہ عشق کا بخار تو سارا فراق میں چڑھتا ہے۔ اور ہمارے بہترین اردو ادب میں شاید ہی بیوی کے لیے کوئی غزل کہی گئی ہو۔ ہو سکتا ہے کہ کہی گئی ہو لیکن میرے علم میں نہیں ہے۔

پس اسی سبب سے کہ اور نہ سہی تو اسے رومانس کی اسلامائزیشن ہی سمجھ لیں کہ اہلیہ کے لیے نصف بھر گھنٹہ میں ایک ہلکی پھلکی تحریر مرتب کر دی کہ شاید ان کی خوشی کا باعث بن جائے۔ پہلے سوچا کہ اس کے حقوق عام کر دوں کہ تمام مومن مرد اس سے ترغیب پاکر عید کے موقع پر اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بیویوں کے لیے اس سنت کو تازہ کر سکیں کہ ان کے لیے کسی طرح سے بھی خوشی اور راحت کا باعث بنیں لیکن پھر یہ سوچ کر رک گیا کہ زیادہ مذہبی لوگوں کا تقوی خراب ہو جائے گا اور اس کا الزام بھی مجھ پر آئے گا۔ ہمارے مشرقی مرد، خاص طور مذہبی لوگ اپنی بیوی سے اظہار محبت کے بارے کنواری لڑکی کی طرح شرمیلے واقع ہوئے ہیں جبکہ میر وغالب کی شاعری کے ان کے خیالی محبوب کے بارے یہ ساری حیاء معلوم نہیں کہاں چلی جاتی ہے؟ اور یہ شاعری تو اردو کی ٹیکسٹ بکس میں شامل ہے، لڑکے بھی پڑھ رہے ہیں، لڑکیوں کو بھی پڑھنا ہے۔ بس ہمارے مذہبی طبقات کی دینی غیرت ایسی ہی رہ گئی ہے کہ مسجد میں عورت نماز کے لیے نہیں جاسکتی لیکن بازار جاسکتی ہے۔ اور دلیل یہ ہے کہ مسجد جانے میں فتنہ زیادہ ہے۔

عشق کیا ہے؟

آج صبح صبح "ریختہ"[1] کی ورق گردانی کے دوران ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کی ایک کتاب بعنوان "رموز عشق" سامنے آئی کہ جس کا مطالعہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ کتاب "ندوۃ المصنفین"، دہلی سے شائع ہوئی ہے اور تقریباً دو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ اس موضوع پر اس سے جامع کتاب اردو، فارسی اور انگریزی میں موجود نہیں ہے۔

بہر حال عشق کیا ہے؟ اس بارے ولی الدین صاحب نے صوفیاء اور علماء کی آراء کو بالتفصیل نقل کیا اور یہ جان کر حیرت ہوئی کہ ہماری تاریخ کے بڑے بڑے نامور صوفیاء اور علماء نے عشق اور محبت کے موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے جیسا کہ جنید بغدادی، امام غزالی، امام ابن قیم، شیخ عبد الحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ عبد العزیز رحمہم اللہ وغیرہ۔

عشق کیا ہے؟ اس کا جواب ایک جیسا آنا ممکن نہیں ہے کہ ہر کسی کے تجربات یا احساسات اپنے ہیں لہذا اس کو ڈیفائن کرنے میں لوگوں کا اختلاف ہو گیا بلکہ اس کے درجات کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ کتنے ہیں اور کس ترتیب سے ہیں۔ شرح عقیدہ طحاویہ میں قلبی تعلق کے دس درجات بیان ہوئے ہیں کہ جن میں سے پانچویں کا نام عشق ہے۔ بہر حال میر تقی میر سے اختلاف کے ساتھ

[1] https://rekhta.org/

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس سوال کا جواب کہ "عشق کیا ہے؟"، یہ بھی ہو سکتا ہے:

کیا کہوں میں تم سے کہ کیا ہے عشق.....دل کا درد بلا کا سوز ہے عشق

ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب نے اپنی کتاب میں اسباب عشق پر بھی ایک باب باندھا ہے اور یہ لکھا ہے کہ عشق کے اسباب میں صرف "حسن و جمال" شامل نہیں ہے جیسا کہ عام طور سمجھا جاتا ہے بلکہ بعض اوقات آپ کو کسی سے محبت اس لیے ہو جاتی ہے کہ اس نے آپ پر "احسان" کیا ہو۔ یا محبت کا ایک سبب "کمال" بھی ہے کہ کسی کے اوصاف اور اخلاق کے کسی درجے کامل ہونے کے سبب اس سے محبت محسوس ہونے لگتی ہے۔

یا محبت کا ایک سبب "تعارف روحانی" بھی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے یہ ارواح لشکروں کی صورت میں ایک ساتھ تھیں۔ تو کچھ ارواح کی آپس میں ملاقات ہوئی تو ان میں الفت پیدا ہو گئی اور کچھ ارواح ایک دوسرے سے دور رہیں تو ان میں ناآشنائی باقی ہے۔ تو بعض اوقات آپ کو خواہ مخواہ کسی سے الجھن محسوس ہوتی ہے اور معلوم بھی نہیں ہوتا کہ کیوں ہو رہی ہے؟ تو اس کی وجہ یہی ناآشنائی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

کتاب میں ایک باب عشق مجازی پر بھی ہے اور اس کی دو قسمیں انہوں نے بیان کی ہیں؛ عشق حیوانی اور عشق نفسانی۔ عشق حیوانی وہ ہے جو معشوق کی رنگت، شکل و صورت اور حسن و جمال کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور اس میں حرص و ہوس ہوتی ہے لہذا اس میں کوئی خیر نہیں ہے اور نہ ہی عشق کی یہ قسم پسندیدہ ہے۔

عشق مجازی کی دوسری قسم یعنی عشق نفسانی یہ ہے کہ جو عشق کسی سے اس کے اوصاف اور خصائل کی وجہ سے پیدا ہو اور اس میں لطافت اور نفاست ہوتی ہے لہذا یہ دل کی نرمی، فکر کی اصلاح اور شخصیت کی تعمیر کا باعث بن جاتا ہے لہذا یہ مذموم نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

فن تعمیر کی شرعی حیثیت

تعمیر میں اصل اباحت ہے کہ سورۃ النحل میں ہے کہ اللہ عزوجل نے تمہارے لیے تمہارے گھروں کو سکونت کی جگہ بنایا اور اس نے تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے گھر بنائے کہ جنہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تم سفر اور قیام میں ہلکا پھلکا پاتے ہو۔ لیکن فن تعمیر اپنے عرفی معنی میں، تو دین اسلام میں یہ اصلاً ممنوع ہے کہ جس دین کا مزاج یہ ہو کہ ضرورت سے زائد بستر بنانے کو ناپسند جانا گیا ہو وہاں ضرورت سے زائد عمارت بنانا کیسے پسندیدہ ہو سکتا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک بستر تمہارے لیے، ایک تمہاری بیوی کے لیے، تیسرا مہمان کے لیے، اور چوتھا شیطان کے لیے ہے۔

اُس دین میں تاج محل یا اہرام مصر بنانے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے کہ جس دین کے پیغمبر ﷺ کا فرمان ہو کہ ہر عمارت اس کے بنانے والے پر وبال ہے، سوائے اس عمارت کے کہ جس کے بنائے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔ یہ روایت سنن ابو داؤد میں ہے۔ اور اللہ کی کتاب میں اس کی مذمت قوم عاد کے جرائم کی فہرست بیان کرتے ہوئے یوں کی گئی ہے: ﴿أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ﴾ [الشعراء: 128]۔ ترجمہ: کیا تم ہر اونچے ٹیلے پر ایک یادگار عمارت تعمیر کرتے ہوئے بے کار کام کرتے ہو۔ اور خود ازواج مطہرات کے حجرات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھر اس پر شاہد ہیں کہ مومن، مسافروں کی طرح گھر بناتا ہے نہ کہ بادشاہوں کی طرح محلات۔

حدیث جبرئیل علیہ السلام میں قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی کے طور اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ چرواہے بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کریں گے۔ یہ روایت صحیح بخاری میں ہے۔ پس ہر وہ عمارت کہ جو ضرورت سے زائد ہو اور اسراف اور فضول خرچی ہو یا ہر وہ عمارت کہ جس کا مقصد فخر اور ریا ہو، اس کا بنانا اصلاً ممنوع ہے۔ سنن الترمذی کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ انسان کو اس کے ہر قسم کے خرچ کا ثواب ملے گا سوائے اس خرچ کے کہ جو اس نے مٹی میں لگا دیا یعنی عمارت بنانے میں۔ صحیح مسلم کی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے قبر پر عمارت بنانے سے منع فرمایا۔

سنن ابن ماجہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ ایک دن باہر نکلے تو آپ نے ایک بلند گنبد دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ اس قسم کی ہر عمارت قیامت والے دن اس کے بنانے والے پر وبال ہو گی۔ یہ بات ان انصاری صحابی تک پہنچی کہ جنہوں نے وہ گنبد بنایا تھا تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے اسے گرا دیا۔ کچھ دن بعد آپ ﷺ کا دوبارہ اس رستے سے گزر ہوا تو وہاں وہ گنبد موجود نہ تھا تو آپ نے صحابہ سے پوچھا تو صحابہ نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ آپ نے یہ سن کر ان صحابی کو دعا دی کہ اللہ ان پر رحم فرمائے، اللہ ان پر رحم فرمائے۔

لڈو کھیلنے کا شرعی حکم

دوست کا سوال ہے کہ کیا لڈو کھیلنا حرام ہے کہ مفتی صاحب کا کہنا ہے کہ حدیث میں لڈو کھیلنے سے منع کیا گیا ہے۔ جواب: حدیث میں جس کھیل سے منع کیا گیا ہے، اس کا نام "نرد" یا "نرد شیر" ہے جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں کہ جس نے "نرد" کھیلا تو اس نے گویا خنزیر اور اس کے خون میں اپنا ہاتھ ڈبویا۔ "نرد" دراصل آپ ﷺ کے زمانے میں اہل فارس کا ایک کھیل تھا جسے ہم انڈور گیمز میں شامل کر سکتے ہیں۔

اسلام میں کھیل کے مقاصد میں راحت نفس، ذہنی سکون اور جسمانی صحت شامل ہے لہذا ایسے تمام کھیل جائز ہیں کہ جن سے یہ مقاصد پورے ہوتے ہوں۔ اور جو کھیل اذیت نفس، ذہنی بے سکونی اور جسمانی صحت کے لیے نقصان کا باعث بنے تو وہ اسلام میں جائز نہیں۔ یہ تو ایک اصولی بات ہوئی۔ اب تفصیل یہ ہے کہ ایسے تمام کھیل کہ جن میں جواء شامل ہو جائے کہ یہ اذیت نفس اور ذہنی بے سکونی کا باعث ہے، حرام ہیں۔ اور جو کھیل جائز بھی ہیں، اگر انہیں اس قدر کھیلا جائے کہ وقت کا ضیاع ہو اور دینی فرائض مثلاً نماز وغیرہ سے کوتاہی ہو اور کھیل ایک نشہ (addiction) کی صورت اختیار کر جائے تو ایسی صورت حال میں وہ جائز کھیل بھی ناجائز بن جاتا ہے۔

"نرد" کے کھیل سے جو رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اس منع کرنے کی علت یعنی وجہ کیا ہے؟ بعض علماء نے کہا کہ یہ کھیل چونکہ لکڑی کے ایک تختے پر کھیلا جاتا تھا لہذا ایسے تمام کھیل ممنوع ہیں جو لکڑی کے تختے پر کھیلے جاتے ہوں جیسا کہ لڈو، کیرم بورڈ اور اسنوکر وغیرہ۔ کچھ علماء نے کہا کہ "نرد" ایک ایسا کھیل تھا کہ جس میں پاسہ (dice) یعنی دانہ پھینکا جاتا ہے لہذا ایسے تمام کھیل جائز نہیں ہیں کہ جن میں دانہ پھینکا جاتا ہو جیسا کہ لڈو وغیرہ۔

ہماری نظر میں اس کھیل کی ممانعت کی یہ دونوں وجہ اصل نہیں ہیں کیونکہ کسی شیء کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ممانعت کی وجہ معقول (reasonable) ہونی چاہیے اور لکڑی کے تختے کو ممانعت کی وجہ بنانا تو بالکل بھی لاجیکل نہیں ہے البتہ دانے اور ڈائس کو وجہ بنایا جا سکتا ہے کہ یہ جوئے اور قمار کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن اس صورت میں بھی یہ کھیل اسی وقت حرام قرار پائے گا جبکہ اس میں شرط اور جواء وغیرہ شامل ہو جائے۔ پس لڈو اگر شرط اور جوئے کے بغیر ہو تو جائز ہے۔

ہمارے نزدیک "نرد" کی ممانعت کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس کھیل کا تعلق شرک سے تھا، ربوبیت کے شرک سے جیسا کہ اس کھیل کی تفصیل کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے مثلاً علامہ الدمیری رحمہ اللہ نے "حیاۃ الحیوان" میں لکھا ہے کہ "نرد" میں بارہ گھر بارہ مہینوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور ان کی چار حصوں میں تقسیم سے مراد سال کے چار موسم ہیں۔ اور تیس سفید اور سیاہ خانوں سے مراد مہینے کے دن رات ہیں۔ اور دانے کی چھ جہات سے مراد جہات ستہ (three dimensions) ہیں۔ اور دانے کی چھ اطراف میں جو نکتے ہیں، وہ آسمانوں، افلاک، زمین، اور سیاروں کی تعداد واضح کرتے ہیں۔ تو "نرد" کھیلنے والا دراصل اس کائنات کے نظام کو اپنی حسن تدبیر اور عقل سے چلانے کی کوشش کرتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی کھیل ایسا ہو کہ جس میں غالب طور شرط اور جواء ہی لگایا جاتا ہو تو ایسا کھیل اگر شرط اور جوئے کے بغیر بھی کھیلا جائے تو اس سے منع ہی کیا جائے گا کہ شریعت نے ایسے برتنوں کے استعمال سے بھی منع کر دیا کہ جو شراب کے لیے مستعمل ہوں۔ پس تاش کے پتوں اور اسنوکر وغیرہ سے کھیلنے کو اسی اصول کے تحت دیکھ لیا جائے کہ جائز ہے یا نہیں؟ لیکن بغیر شرط کے ایسے کھیل کے کھیلنے کو بھی حرام نہیں بلکہ مکروہ (discouraged) ہی کہیں گے کہ حرام وہ شرط اور جوئے سے ہی ہو گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ شریعت میں علل (causes) کے علاوہ مقاصد (objectives) بھی اہم ہیں۔ پس اگر کسی جائز کھیل سے دین کا کوئی مقصد فوت ہو رہا ہو تو اس کھیل سے اس وقت تک منع کر دیا جائے گا جب تک کہ وہ مقصد پورا نہ ہو جائے یعنی نماز کے لیے آذان ہو جانے کے بعد جائز کھیل سے بھی روک دیا جائے گا یہاں تک کہ نماز ادا کر لے۔ اسی طرح اگر کسی جائز کھیل میں اتنی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ مشغولیت ہو جائے کہ وہ ایڈکشن بن جائے یا اس سے وقت کا ضیاع ہو تو اس سے بھی منع کیا جائے گا کیونکہ اسلام ایڈکشن کو پسند نہیں کرتا کہ ذہنی بے سکونی کا باعث ہے۔

چوتھی بات یہ کہ بعض کمپیوٹر یا موبائل گیمز ایسی ہیں کہ جن میں آپ کو اسٹرز جیتتے یا ہارتے ہیں تو کیا یہ گیمز کھیلنا جائز ہے؟ ایسی گیمز کا کھیلنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ جیتنا اور ہارنا ورچوئل ہے نہ کہ حقیقی لیکن اگر ان گیمز میں انوالومنٹ اس قدر بڑھ جائے کہ یہ اصل جوئے کی طرف جانے کا ذریعہ بن جائیں تو ایسی صورت میں ان گیمز سے بھی منع کر دیا جائے گا۔ اور اگر کوئی کمپیوٹر یا موبائل گیم ایسی ہو کہ جس کے کھیلنے والے غالب طور اس کی ایڈکشن میں مبتلا ہو جاتے ہوں تو ایسی گیم سے بھی منع کیا جائے گا۔

پانچویں اور آخری بات یہ کہ انڈور گیمز میں بھی ان گیمز کو ترجیح دیں کہ جن سے شریعت کے مقاصد پورے ہوں مثلاً ایسی گیمز کھیلیں کہ جن سے ذہنی استعداد اور صلاحیت بڑھے یعنی ذہانت میں اضافہ ہو۔ محض گیم کھیلنا کوئی مقصد نہیں ہے جیسا کہ لڈو وغیرہ۔ اس لیے لڈو کھیلنا اگرچہ حرام نہیں ہے لیکن بہتر نہیں ہے کہ اس کھیل سے کسی انسانی صلاحیت کی نشوونما نہیں ہوتی۔ امید ہے کہ اس تفصیل سے معاملے کی وضاحت ہو گئی ہو گی۔

فیس بک ایک مایا جال ہے!

دوست کا کہنا ہے کہ فیس بک ایک مایا جال (matrix) ہے، ہم سب کو یہ پہچان کر فیس بک استعمال کرنی چاہیے، یہاں لفظ آ کر اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔ فیس بک خود نمائی کا سب سے بڑا اڈا ہے جو خود نما نہیں بھی بننا چاہتا وہ بن جائے گا، جیسے سٹیج کلاکار کہ خود نمائی کے بغیر وہ کامیاب کلاکار نہیں بن سکتا۔ پہلے تنہائی خود نمائی کا ازالہ ہوتی تھی مگر اب تنہائی بھی خود نمائی ہو گئی ہے۔

فیس بک استعمال کرنا چھوڑ دیں!

بہت سے دوست مجھے یہ مشورہ دیتے رہتے ہیں کہ میں فیس بک چھوڑ دوں؛ وہ بھی جو فیس بک پر ہیں، اور وہ بھی جو فیس بک پر نہیں ہیں۔ بعض دوستوں کا خیال ہے کہ فیس بک پر آنے کی وجہ سے میرے ایٹی چیوڈز تبدیل ہو گئے ہیں یا آسان الفاظ میں، میں خراب ہو گیا ہوں یا ہو رہا ہوں۔ کچھ کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خیال یہ بھی ہے کہ فیس بک کا استعمال گناہ کا کام ہے۔ کچھ اسے دجالی فتنہ کہتے ہیں تو کچھ کی رائے ہے کہ اس کا نقصان، اس کے فائدے سے بڑھ کر ہے وغیرہ وغیرہ۔

میں ان سب تبصروں کی جزوی حقیقت کا قائل ہوں کہ فیس بک کے نقصانات ہیں اور بہت ہیں اور میں خود بھی اس پر پوسٹیں لگاتا رہتا ہوں لیکن اسے دجالی فتنہ قرار دینا یا گناہ کا کام کہنا تو ایسے فتوے کچھ عرصہ بعد لطیفے بن جاتے ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کی مخالفت سے لے کر ڈیجیٹل تصویر کی حرمت اور ٹیلی ویژن توڑنے کی مہم جوئی تک کے سارے فتوے آج علمی حلقوں میں بھی بطور مذاق نقل کیے جاتے ہیں۔ بس دس بارہ سال کی دیر ہے تو تقوی کے یہ نقوش کہ فیس بک کا استعمال گناہ ہے یا دجالی فتنہ ہے، بھی دھندلا جائیں گے۔ ہم ہندوستان میں رہتے ہوئے یہ فتوی دینا چاہتے ہیں کہ گاندھی جی کی تصویر والے نوٹ کا استعمال مسلمانوں کے لیے حرام ہے!

باقی میں اپنے دوستوں کی نصیحت پر غور کرتا رہتا ہوں اور شاید کسی وقت فیس بک چھوڑ بھی دوں لیکن اس لیے نہیں کہ اس کا استعمال شرعی طور ناجائز ہے بلکہ اس لیے کہ مجھے اس کا استعمال اب پسند نہیں رہا ہے یا کسی ایسے شخص نے مجھے اس کے استعمال سے منع کر دیا کہ جس کی بات ٹالنا میرے لیے ممکن نہیں ہے مثلاً اہلیہ محترمہ۔ بہر حال انباکس میں ایک دوست کی نصیحت ملاحظہ فرمائیں، اللہ تعالی عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

> "فیس بک استعمال کرنا چھوڑ دیں۔ آپ کو میری بات بہت بری لگے گی۔ مگر میں نے آپ کو پڑھا ہے۔ آپ ہمارے معاشرے میں علماء کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس فیس بک کی وجہ سے آپ کے رویوں میں تبدیلی آگئی ہے۔ یہ فیس بک کوئی کام کی شے نہیں ہے- میں 15 سال کا تھا جب سے علمی، فکری اور تحریکی لٹریچر پڑھ رہا ہوں- گزشتہ 4 سال سے فلسفہ پڑھ رہا ہوں۔ یہ میڈیا کسی طرح اسلام کی خدمت کرنیکا اہل نہیں ہے۔ جب میں کسی کو دیکھتا ہوں کہ ہمارا معاشرہ کا اچھا داعی اسلام اس دلدل کی بھینٹ چڑھ گیا ہے تو جو افسوس مجھے ہوتا ہے میں وہ لفظوں میں بیان نہیں کر سکتا۔ آج پہلی میں نے فیس بک پہلی بار جوائن کی ہے اور آپ کے بارہ میں آپ کا نیا مؤقف جان کر مجھے دلی صدمہ ہوا-"

جواب: جزاکم اللہ، اللہ آپ کو خوش رکھے، آپ کے فیس بک چھوڑنے کے مشورے پر غور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کروں گا، اگرچہ اس سے پہلے دس بار سوچ چکا ہوں، لیکن ایک بار مزید غور کروں گا۔ لیکن اس حیثیت سے کہ یہ ایک دوست کی نصیحت ہے نہ کہ اس اعتبار سے کہ اس میں کوئی شرعی وزن ہے۔

فیس بک چھوڑنے کے لیے شرعی دلیلیں بھی ان کی ایسی ہی ہیں کہ پہلے خود سے ہی یہ مقدمہ قائم کر لیا کہ فیس بک ایک دجالی فتنہ ہے اور پھر حدیث سے استدلال کر لیا کہ دجال کا سامنا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ فیا للعجب! پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ مقدمہ ہی قابل اعتبار نہیں ہے کہ فیس بک ایک دجالی فتنہ ہے۔ فیس بک ایک فتنہ ہے، بس اتنا بیان کافی ہے۔ اگر فیس بک دجالی فتنہ ہے تو کیا اسمارٹ فون دجالی فتنہ نہیں ہے؟ یعنی جس جدید ایجاد کا طوق آپ اپنی گردن سے اتار نہ سکیں تو وہ تو دجالی فتنہ نہیں ہے لہذا اس کی مذمت پر وعظ کہنے اور لیکچر دینے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اور جس ایجاد کا استعمال دوسروں نے آپ سے بہتر سیکھ لیا ہے، وہ دجالی فتنہ بن گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں کچھ لوگوں کو دجال کے نکالنے کی جتنی فکر ہے، اتنی شاید خود دجال کو اپنے نکلنے کی نہ ہو۔ دجالی فتنہ، دجالی فتنہ ایسی باتیں اسی مزاج کا شاخسانہ ہیں جو پچھلی نصف صدی سے دجال کو نکالنے کے لیے فکر مند ہے لیکن ان کی انتہائی کوششوں کے باوجود وہ نکل نہیں پا رہا۔ اللہ، ان لوگوں کو ہدایت دے، یہی کہا جا سکتا ہے کہ امت مسلمہ کی جو گھڑی خیریت سے گزر جائے، اس پر اللہ کا شکر ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں رسول اللہ ﷺ نے اس بندہ مومن کے ایمان کی تعریف بیان کی ہے جو دجال کا سامنا کرے گا اور اس کے فتنے کا شکار ہو گا بھی اور نہیں بھی ہو گا۔

فیس بک پر میں کیوں ہوں، ہر شخص کا جواب مختلف ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو اس کا جواب ہو، وہی اس کا عمل بھی ہو۔ کچھ لوگ فیس بک پر اس لیے ہیں کہ انہیں اپنا تعارف چاہیے، لائکس چاہییں، فالوورز چاہییں۔ کچھ اس لیے ہیں کہ وہ دین کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ اسے انٹرٹینمنٹ کی جگہ قرار دیتے ہیں کہ جہاں لوگ ہلکا پھلکا ہونے آتے ہیں۔ کچھ اسے اپنا فارغ وقت گزارنے کا ایک اچھا پلیٹ فارم سمجھتے ہیں۔ کچھ لوگ دوسروں سے سیکھنا چاہتے ہیں اور کچھ کو دوسروں کو سکھانے کا شوق ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ کتاب کل کی کل ہماری فیس بک کی تحریروں کا مجموعہ ہے اور آج کل فیس بک۔ لائیو پر ایک ترجمہ قرآن کی کلاس بھی جاری ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب سیزدھم

امن اور جنگ

اس باب میں امن اور جنگ (Peace and Violence) کے بارے بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جذبہ شہادت

رات ایک نمازی کو بے قراری میں روتے دیکھا تو پوچھا کیا ہوا؟ کہنے لگا اللہ کی رضا کے لیے، دین اسلام کے غلبہ کے لیے اور اس امت کے دفاع کے لیے جان قربان کرنے کو دل تڑپتا ہے۔ میں نے کہا تو جہاد پر کیوں نہیں جاتے؟ کہنے لگا کہ کہاں جائیں، بیس سال ہو گئے مجھے اس کے لیے روتے ہوئے، اور بیس سال ہی ہو گئے یہ دیکھتے ہوئے کہ جہاد کا آغاز کافروں کے ظلم کے خلاف اٹھنے کے نعرہ سے ہوتا ہے اور اختتام مسلمانوں کی باہمی لڑائی پر۔ میں یہی سوچ کر خاموش ہو گیا کہ اس امت میں ضرور جہاد کی کوئی ایسی اجتماعی صورت پیدا ہو گی کہ ایسا جذبہ ضائع نہ ہو۔

شکوہ اور جواب شکوہ

شکوہ: عید کا دوسرا دن تھا، ایک دوست شہر سے باہر جا رہے تھے، پہاڑوں کی طرف کا رخ تھا۔ میں نے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ کہا کہ سامنے کے پہاڑ کی چوٹی کا۔ میں نے کہا کہ خیریت ہے؟ کہا کہ شہر کے لوگ "روہنگیا" کے خدا کو دُہائیاں دے رہے ہیں کہ آ کر ان کی مدد فرما لیکن کوئی جواب نہیں آ رہا۔ میں نے سوچا کہ ذرا اس کے قریب ہو کر پکار کر دیکھتے ہیں، شاید کوئی آواز پہنچ جائے۔

جواب شکوہ: عید کا تیسرا دن تھا، وہی دوست شہر کی طرف تشریف لا رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ خدا نے کوئی جواب دیا پھر؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں نے جوش میں کہا: کیا؟ اس نے کہا کہ خدا یہ کہہ رہا ہے کہ اب تم بڑے ہو گئے ہو، کچھ اپنے آپ کو خود سے بھی سنبھالو۔ میں نے کہا کہ تم اس جواب سے مطمئن ہو؟ اس نے کہا کہ مجھے یہ تو معلوم نہیں لیکن میری ماں بھی مجھے یہی کہتی تھی۔ میں نے کہا کہ مجھے شاعری نہیں آتی، ورنہ تمہارے جذبات کو شعر میں ضرور ڈھال دیتا۔

حلب کی بربادی

حلب کی بربادی، امت کے لیے عذاب ہے یا آزمائش، مجھے کیا معلوم۔ آؤ مل کر ایک نئے حلب کی بنیاد رکھیں اور اپنے خدا سے یہ عہد کریں کہ اس شہر میں تیرے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کریں گے، آپس میں محبت کے ساتھ، مل جل کر رہیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حلب جل رہا ہے!

آؤ حلب پر بھی مل کر رو لیتے ہیں کہ رونے کے بعد نیند اچھی آتی ہے۔[احمد جاوید صاحب]

حلب پر پوسٹیں لگانے کا فائدہ کیا ہے؟

دوست نے سوال کیا ہے کہ حلب پر پوسٹیں لگانے کا فائدہ کیا ہے جبکہ آپ اس کے لیے کچھ کر نہیں سکتے؟ جواب: اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ اہل ایمان کی باہمی محبت، مودت اور الفت کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ اگر جسم کے ایک عضو میں درد ہو تو سارا جسم تکلیف اور اذیت سے بے چین رہتا ہے۔ یہ روایت صحیح بخاری میں ہے۔

کانٹا ہاتھ میں چبھے تو آہ زبان سے نکلتی ہے، درد دل میں ہو تو سوج آنکھیں جاتی ہے، اور تکلیف پاؤں میں ہو تو آنسو آنکھ بہاتی ہے لیکن کوئی آنکھ سے نہیں پوچھتا کہ پگلی تو کیوں روتی ہے؟ یہ تو فطرت ہے کہ ایسا ہوتا ہے۔ اگر درد سر میں ہو گا تو پورا جسم اذیت محسوس کرے گا۔ کیا تم نے کسی کو یہ کہتے سنا ہے کہ درد پیٹ کو ہے اور آہیں زبان بھر رہی ہیں، آنسو آنکھیں گرا رہی ہیں؟

حلب پر پوسٹیں تو اس بات کی علامت ہیں کہ مسلمان ایک امت بننے جا رہے ہیں، یہ ایک جسم بن رہے ہیں کہ جس کے ایک حصے کی تکلیف ان سب کو بے چین کر دیتی ہے۔ آنکھ اور زبان، پاؤں میں لگے کانٹے کو نکال تو نہیں سکتے لیکن آنسو بہا کر اور آہ بھر کر پاؤں کو یہ پیغام ضرور دیتے ہیں کہ ہم تمہاری تکلیف اور اذیت کو برابر محسوس کر رہے ہیں۔

اور پاؤں کی تکلیف پر اگر زبان آہ نہ بھرے، آنکھ آنسو نہ بہائے تو یہ ایک جسم نہیں ہے، واللہ! یہ ایک جسم نہیں ہے۔ یہ امت نہیں ہے، واللہ! یہ امت نہیں ہے۔ اور اگر یہ ایک جسم اور امت ہے تو تمہارا یہ سوال لغو ہے، تمہارا یہ اعتراض بے کار ہے۔ تم آنکھ کو یہ سمجھانے کی لغو کوشش کر رہے ہو کہ کانٹا تو پاؤں میں چبھا ہے، تیرے رونے سے کیا اس کی تکلیف دور ہو جائے گی؟ جذبات اپنے اظہار کے لیے کسی عقلی و منطقی دلیل کا انتظار نہیں کیا کرتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جہاد کے معانی کی تجدید

جہاد ایک ایسی اصطلاح ہے کہ جس کے اصل معانی کی تجدید وقت کی ایک اہم ضرورت ہے، ورنہ تو جہاد اور فساد میں کچھ فرق نہ رہ جائے گا۔ اور وہ وقت بھی آ گیا ہے کہ جہاد کا نام لینا ہمارے لیے شرم کا باعث بن جائے گا کہ جہاد کی اصطلاح میں اس قدر ابہام پیدا ہو جائے گا کہ اس کے معانی فسادی سرگرمیوں کے جنگل میں گم ہو جائیں گے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو کچھ جہاد کے نام پر ہو رہا ہے، وہ سب جہاد نہیں ہے۔ تو جہاد کیا ہے؟

اس بارے اب علماء کو کسی کانفرنس میں ایک متفقہ اعلامیہ جاری کرنا ہو گا کہ جس میں کم از کم اس نکتے پر اتفاق کر لیا جائے کہ کلمہ گو کی باہمی لڑائی ہرگز جہاد نہیں ہے۔ مسلمان کی جگہ کلمہ گو اس لیے کہا کہ عجب تماشا ہے کہ جب دوسرے مسلمان کو مارتے ہیں تو مرتد اور کافر بنا کر ہی مارتے ہیں یعنی دوہرا ظلم کرتے ہیں۔ تو جو کلمہ گو ہے، کلمہ پڑھنے والا ہے، اس کا قتل جہاد نہیں ہے، چاہے پاکستان میں ہو یا افغانستان میں، شام میں یا عراق میں، لیبیا میں یا افریقہ میں، کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کی باہمی لڑائی کو جہاد نہیں قتال کہا ہے۔ بس، اس کو طے کر لیں، پھر دیکھیں، کہ جہاد کے بارے امت میں اعتماد بڑھتا ہے یا کم ہوتا ہے؟

جب تک ہم جہاد کی تعریف میں اس بات کو ایک بنیادی حیثیت نہیں دے پاتے، اس وقت تک جہاد کی اصطلاح کا خود مسلمان معاشروں میں دفاع کرنا بھی ناممکن رہے گا۔ کوئی بھی جہادی تحریک مسلمانوں میں جہاد کے عمل کو نیکی کا عمل بھی باور نہیں کروا سکتی، چہ جائیکہ کہ مسلمانوں کی نجات کا رستہ قرار دے سکے جب تک کہ وہ یہ طے نہیں کر لیتی کہ اس کے پلیٹ فارم سے جہاد کے نام پر کسی کلمہ گو کا خون جائز نہیں کیا جائے گا۔ امت کی تاریخ میں مسلمانوں کی باہمی لڑائی کو کس نے جہاد کہا ہے؟ اور آج بد قسمتی سے جہاد کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے، وہ مسلمانوں کی باہمی لڑائی ہی ہے۔

پس ایک بات تو یہ ہوئی کہ جہاد کی اصطلاح کو ری ڈیفائن کرنے کی ضرورت ہے اور وہ علماء کی ایک جماعت ہی کر سکتی ہے۔ اور ری ڈیفائن کرنے سے ہماری مراد یہ ہے کہ افغان جہاد کے بعد سے عام طور اور نائن الیون کے بعد خاص طور جہاد کا جو غلط تصور عام کر دیا گیا ہے، اس کی نفی کر کے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے تاریخی تصور کو بحال کیا جائے کہ جس میں یہ بات بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے کہ مسلمانوں کی باہمی لڑائی جہاد نہیں ہے، جہاد صرف اور صرف غیر مسلم جنگجو سے ہوتا ہے۔ آپ مسلمانوں کے قتل کو جہاد قرار دے کر انہی سے یہ امید لگا سکتے ہیں کہ وہ آپ کو اسپورٹ کریں گے؟

اور دوسری اہم بات یہ ہے کہ یہ بھی طے کر لیا جائے کہ علماء ہر اس جہادی تحریک سے لاتعلقی کا اعلان کریں جو غیر مسلم شہریوں کے خون کو حلال کرتی ہو۔ جب تک ہم یہ تصور عام کرنے میں کامیاب نہیں ہو جاتے کہ مسلمان، دیگر مذہب کے ماننے والے پر امن شہریوں کے لیے اتنے ہی بے ضرر ہیں، جتنے کہ اپنی قوم کے لیے تو اس وقت تک ہم غیر مسلم دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے موجود منفی تاثر کو ختم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور جب تک یہ منفی تاثر ختم نہیں ہوتا کہ مسلمان ایک خونخوار قوم ہے، اس وقت تک اسلام کی دعوت و تبلیغ میں موجود بڑے بند کو کھولا نہیں جا سکتا۔

جہاد کا معنی و مفہوم

کسی نے پوچھا ہے کہ جہاد کا معنی مفہوم کیا ہے۔ جہاد کا لفظ "جہد" سے بنا ہے جو کہ کوشش کے معنی میں ہے۔ پس جہاد عدل کے قیام کے لیے، ظلم کے خلاف جدوجہد کرنے کا نام ہے۔ قرآن مجید اس مسئلے میں بالکل واضح ہے کہ جہاد کی علت اور وجہ ظلم کا خاتمہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا﴾ الحج: 39] ترجمہ: ان لوگوں کو جہاد کی اجازت دی گئی ہے کہ جن سے لڑائی کی گئی، اس وجہ سے کہ ان پر ظلم ہوا۔

اس آیت میں باء، تعلیل کے لیے ہے یعنی جہاد کی علت (cause) بیان کر رہی ہے۔ اللہ عزوجل کفر کو برداشت کر لیتے ہیں لیکن ظلم کو برداشت نہیں کرتے۔ مستدرک حاکم کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص سید الشہداء ہے یعنی شہیدوں کا سردار کہ جو ظالم اور جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق کہے۔

اس مسئلے میں دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ عدل اور ظلم کوئی اضافی (relative) اصطلاحات نہیں ہیں کہ اشخاص اور افراد کے اعتبار سے ان کا مفہوم بدلتا رہے۔ عدل وہ ہے کہ جس کا اللہ عزوجل نے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حکم دیا ہے اور ظلم وہ ہے کہ جس سے اللہ عزوجل نے منع فرمایا ہے۔ جہاں کفر ہے، وہاں ظلم ہے۔ کفر کا اجتماعی نظام در اصل ظالمانہ نظام ہی ہے، لیکن جہاد کی علت کفر نہیں ظلم ہے کیونکہ علت "معقول المعنی" (reasonable) ہونی چاہیے اور حکم سے عقلی مناسبت رکھتی ہو۔ بعض اوقات ظلم لازم ہوتا ہے یعنی اس کا اثر انسان کی اپنی ذات تک محدود ہوتا ہے جیسا کہ شراب پینا اور خودکشی کرنا وغیرہ۔ اور بعض اوقات ظلم متعدی ہوتا ہے یعنی اس سے دوسرے انسان اور معاشرہ بھی متاثر ہوتا ہے۔ اور جب ظلم متعدی ہو تو جہاد کی علت ہے۔

اور جہاد کے تین درجات ہیں۔ پہلا درجہ جو کہ کمزور ترین درجہ ہے، وہ ظلم کو دل میں برا جاننا ہے جو کہ فرض عین ہے کہ اس کے بغیر تو رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان نہیں ہے۔ اور دوسرا درجہ ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کا ہے کہ یہ فرض کفایہ ہے۔ اور تیسرا اور اعلیٰ ترین درجہ ظلم کو بزور بازو روکنے کی کوشش کرنا ہے اور یہ استطاعت اور اہلیت کے ساتھ مشروط ہے۔

جہاد کی تین صورتیں ہیں؛ پہلی صورت اپنے نفس سے جہاد کرنا یعنی اسے اللہ کا مطیع اور فرمانبردار بنانے میں مجاہدہ کرنا کہ جسے "اصلاح نفس" بھی کہتے ہیں اور اس کا منہج اور طریق کار "تزکیہ نفس" کہلاتا ہے۔ دوسری صورت معاشرے میں موجود فکری و عملی بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کرنا کہ جسے "اصلاح معاشرہ بھی کہتے ہیں اور اس کا منہج و طریق کار "دعوت و تبلیغ" کہلاتا ہے۔ اور تیسری صورت ظالم کے ظلم کو روکنے کے لیے قوت اور طاقت کا استعمال کرنا کہ جسے "اعلائے کلمۃ اللہ" بھی کہتے ہیں اور اس کا منہج و طریق کار "جہاد بالید" کہلاتا ہے۔ یہ ہر شخص اپنے دائرہ کار میں کرنے کا پابند ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی باہمی لڑائی اور جنگ و جدال کو جہاد نہیں کہتے اور جہاد ظالم کافروں سے ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں سے ایک گروہ اگر دوسرے پر ظلم کرے تو ظالم کو بزور بازو روکا جا سکتا ہے لیکن قرآن مجید نے اس کو قتال کا نام دیا ہے نہ کہ جہاد کا۔ جہاد کی اصطلاح صرف کافروں کے ساتھ لڑائی کے تناظر میں قرآن مجید نے استعمال کی ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جہاد بمعنی جنگ، ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اور اس کے لیے عام افراد کی ذمہ داری صرف یہی ہے کہ ریاست کو اس کی ذمہ داری پر متنبہ کریں۔ پانچویں بات یہ ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں اور کافروں کے درمیان اصل حکم صلح کا ہے نہ کہ لڑائی کا، جب تک کہ کافر مسلمانوں پر ظلم نہ کریں یا دین حق کی تبلیغ سے نہ روکیں۔ آخری بات یہ کہ کافر دو قسم کے ہیں؛ ایک وہ جو مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں، ان سے بغض رکھنا ایمان کی علامت ہے اور ان سے کسی قسم کا تعاون حرام ہے۔ دوسرا وہ جو مسلمانوں پر ظلم کرنے والے نہیں تو ان سے نیکی اور حسن سلوک جائز ہے۔

مذہبی، سیاسی اور ریاستی دہشت گردی

دہشت گردی (terrorism) کی فنی تعریفات جو مغرب میں بیان ہوئی ہیں، ایک سو سے کچھ زائد ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ دہشت گردی ایک ایسا فعل ہے کہ جس سے افراد اور معاشروں میں خوف اور دہشت پھیلے مثلاً ڈکیتی کا عمل دہشت گردی کا عمل ہے کہ اس سے لوگوں کے دلوں میں ڈاکوؤں کا خوف اور دہشت بیٹھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے ایسے دہشت گردانہ افعال کی سزا سورۃ المائدۃ کی آیت 33 میں یہ بیان کی ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے قتل کر دیا جائے یا مخالف سمت سے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا سولی دے دیا جائے یا ملک بدر کر دیا جائے۔

دنیا جس دہشت گردی کو جانتی ہے، وہ مذہبی دہشت گردی ہے۔ اور بدقسمتی سے ہمارے مذہبی حلقوں کو بھی یہ یقین دلا دیا گیا ہے کہ دنیا میں دہشت گردی بس صرف مذہبی ہی ہوتی ہے حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ دہشت گردی مذہبی، سیاسی، لسانی، اور ریاستی بھی ہوتی ہے۔ ہمیں مذہبی دہشت گردی سے انکار نہیں ہے کہ ہم نے خود سب سے پہلے اس کے خلاف لکھا اور بھرپور لکھا اور ٹی۔ ٹی۔ پی اور القاعدہ جیسی عسکری تنظیموں کے منہج کا خوب رد کیا۔ لیکن ہم اب یہ بات شدت سے محسوس کر رہے ہیں کہ جس قدر مذہبی دہشت گردی کے خلاف لکھا گیا ہے، اس کا دس فی صد بھی سیاسی اور ریاستی دہشت گردی کے خلاف نہیں لکھا گیا ہے۔ اور ہمارے معاشروں کا ناسور اب مذہبی دہشت گردی سے زیادہ سیاسی اور ریاستی دہشت گردی ہے کہ ضرب عضب وغیرہ سے ہم نے مذہبی دہشت گردی پر کافی حد تک قابو پا لیا ہے اور اس کے لیے ہمیں پاکستانی افواج کا شکر گزار ہونا چاہیے۔

سیاسی دہشت گردی وہ ہے کہ جس کی بنیاد سیاسی اختلافات ہوں اور یہ کسی سیاسی پارٹی کی طرف سے ہو رہی ہو جیسا کہ ایم۔ کیو۔ ایم کی دہشت گردی۔ ہر شخص کراچی شہر میں اس سیاسی جماعت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے خوف اور دہشت کی پیدا کی ہوئی فضا کو نہ صرف محسوس بلکہ دیکھ بھی سکتا ہے۔ اور اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف یہ فضا انہوں نے اپنے ظلم و ستم سے قائم کی ہے کہ جس میں بھتہ خوری، ناجائز قبضہ، اغواء، قتل و غارت، بوری بند لاشوں سے لے کر ڈرل مشینوں سے زندہ انسانوں کے جسموں میں کیے جانے والے سوراخ تک شامل ہیں۔

اسی طرح بلوچستان میں لسانی بنیادوں پر دہشت گردی ہو رہی ہے کہ پنجاب کا آئی۔ ڈی کارڈ دیکھ کر ہی گولی مار دی جاتی ہے کہ مقتول کا جرم صرف پنجابی ہونا ہے۔ سیاسی اور لسانی دہشت گردی کے خلاف بھی اب ریاست حرکت میں آئی ہے لیکن اتنی شدت سے نہیں جتنا کہ مذہبی دہشت گردی کے خلاف ریاست نے کام کیا ہے۔ اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں اس امتیاز کو مذہبی طبقات بہت شدت سے محسوس کرتے ہیں اور کرنا بھی چاہیے۔ پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ، کے نعرے پر وجود میں آنے والی ریاست میں پارلیمنٹ، عدلیہ اور انتظامیہ میں لا الہ الا اللہ کو کیسے اجنبی بنایا جا سکتا ہے؟ ایسا کرنا خود ریاست کا اپنے وجود پر کلہاڑی چلانے کے مترادف ہو گا۔

اور سب سے خطرناک، ریاستی دہشت گردی ہے کہ جب خود ریاست اپنے شہریوں کے لیے یا ایک ریاست دوسری ریاست کے لیے خوف اور دہشت کا نشان بن جائے۔ مذہبی طبقات کا کہنا ہے کہ مذہبی دہشت گردوں کے خلاف ریاستی آپریشن قابل تحسین تھا لیکن اب اس کی آڑ میں کچھ غیر قانونی اور بلاوجہ کی پکڑ دھکڑ شروع ہو چکی ہے کہ جس سے پر امن مذہبی جماعتوں اور تحریکوں کے کارکنان خوف اور دہشت کی فضا میں رہنا شروع ہو گئے ہیں کہ معلوم نہیں کہ کب اور کس جرم میں کہاں سے اٹھا لیا جائے۔

بنگلہ دیش میں جو "جماعت اسلامی" کے ساتھ ہوا اور مصر میں "الاخوان المسلمون" کے ساتھ ہوا تو یہ ریاست کی اپنے پر امن شہریوں کے خلاف دہشت گردی ہے اور یہ دہشت گردی کی بدترین صورت ہے کہ اس کی شنوائی کہیں نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اسرائیل نے جو کچھ فلسطین اور امریکہ نے جو کچھ افغانستان میں کیا تو یہ ایک ریاست کی دوسری ریاست کے خلاف دہشت گردی ہے اور یہ بھی دہشت گردی کی بدترین صورت ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پُرامن مذہبی جماعتیں اور اسلامی تحریکیں سوچتی ہیں کہ مذہبی دہشت گردی کے خلاف یہ آپریشن پاکستانی ریاست کو مصر اور بنگلہ دیش جیسے حالات کی طرف نہ لے جائے کہ محض مذہبی جماعتوں اور دینی اداروں کے حق میں بات کرنے سے پہلے آپ کو دس مرتبہ سوچنا پڑے کہ میری اس بات کو معلوم نہیں کتنے حکومتی ادارے مانیٹر کر رہے ہیں۔ مغرب میں بھی مذہبی دہشت گردی کے خلاف جنگ جاری ہے لیکن کم از کم انہوں نے اپنے شہریوں کو انسانی حقوق سے محروم نہیں کیا ہے۔ پس اس وقت پرامن مذہبی طبقات کو اپنے انسانی حقوق کی جنگ لڑنے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، اسلامی حقوق تو بہت بعد کی بات ہے۔

غیر مسلموں کے حقوق اور ان سے تعلقات

غیر مسلم دو طرح کے ہیں؛ ایک وہ جو مسلمان ممالک میں ہیں اور اقلیت میں ہیں اور دوسرے وہ جو اپنے ہی ملک میں اکثریت میں ہیں۔ جو غیر مسلم اقلیت میں ہیں جیسا کہ پاکستان میں ہندو اور عیسائی تو ان کے حقوق ہیں اور اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اسی طرح غیر مسلم سے حسن سلوک کیا جا سکتا ہے اور کاروباری تعلق رکھا جا سکتا ہے، اس میں بھی شک نہیں ہے۔

سنن ابوداؤد کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے کسی معاہد یعنی وہ غیر مسلم کہ جو کسی معاہدے کے تحت مسلمان ملک میں ہو، پر ظلم کیا، یا اس کے حق میں کمی کی، یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالا، یا اس کی کوئی چیز اس سے چھین لی تو قیامت کے دن میں اس معاہد کا وکیل ہوں گا۔ اسی طرح قرآن مجید میں سورۃ الممتحنہ میں ارشاد ہے: "اللہ عزوجل تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

سورۃ المائدۃ میں نے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی ہے۔ مسلمانوں نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ تجارت کی ہے اور انہیں اپنی سروسز فراہم کی ہیں۔ یہودی بچے نے آپ ﷺ کی خدمت کی، اور آپ نے اس کی عیادت فرمائی۔ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کے پاس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کثرتیت (pluralism) اور کثیر الثقافتی (multicultural) سوسائٹی میں دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ برداشت اور حسن سلوک کے ساتھ زندگی گزارنے کے حوالے سے اسلامی اصول وضوابط یا تعلیمات نہیں ہیں بلکہ مسئلہ کچھ اور ہے۔

مسئلہ مذہبی نہیں ہے بلکہ معاشرتی اور نفسیاتی ہے۔ مغرب مسلمانوں کو برداشت (tolerance) سکھانا چاہتا ہے کہ مسلمان دوسرے مذاہب کے لوگوں کے بارے میں برداشت پیدا کریں لیکن خود مغرب کا رویہ مسلمانوں کے بارے عدم برداشت کا ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کو برداشت تو کجا، ان سے حسن سلوک کا داعی ہے لیکن اس عالمی منظر نامے اور سیناریو میں کہ جس میں پوری مسلم دنیا جنگ کی آگ میں جھونک دی گئی ہو، اور اس میں مغرب کا کردار بھی واضح ہے، مسلمانوں سے یہ اپیل کرنا کہ وہ برداشت کا رویہ پیدا کریں، انہیں جذباتی بنا دیتا ہے۔

لیکن میں پھر بھی اپنی قوم کے لوگوں سے یہی کہتا ہوں کہ مغرب میں اسلاموفوبیا یعنی اسلام کا بلاوجہ کا خوف اور اسلام سے نفرت بھی ہے لیکن مغرب سارا برا نہیں ہے۔ ہمیں اس دنیا میں دوسرے مذاہب کے ساتھ مل کر گزارا کرنا ہے۔ ہمیں دنیا کے سامنے اپنا امیج خود بہت بنانا ہے۔ اگرچہ دنیا یہی سمجھتی ہے کہ مسلمان صرف نفرت کرنا جانتے ہیں لیکن ہمیں بحیثیت قوم یہ پیغام دوسرے مذاہب کے پیروکاروں تک پہنچانا ہو گا کہ اگر مسلمانوں سے ایک دفعہ محبت کا اظہار کرو گے تو یہ تمہیں دو مرتبہ پیار دیں گے جیسا کہ ہم نے یہ پیغام بہت اچھی طرح پہنچا دیا ہے کہ اگر ہم سے نفرت کرو گے تو ہم تم سے اس سے بڑھ کر نفرت کا اظہار کریں گے۔ یہ پیغام مغرب میں اسلام کے بارے اس بلاوجہ کے خوف کو کم کرنے میں بہت مدد دے گا کہ جس کا یہ نتیجہ ہے کہ ان شاء اللہ! کہنے پر ایک مسلمان نوجوان جہاز سے اتار دیا جاتا ہے۔

پوپ فرانسس اور مسلمان علماء

ایک دوست نے کہا کہ چند ہفتے پہلے پوپ فرانسس نے اپنے مذہبی تہوار کے موقع پر 12 مہاجرین کے نہ صرف پاؤں دھوئے ہیں بلکہ ان کا بوسہ بھی لیا ہے۔ اور ان مہاجرین میں عیسائیوں کے علاوہ تین مسلمان اور ایک ہندو بھی شامل تھے۔ دوست کا سوال ہے کہ کیا پوپ کے جیسی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عاجزی اور ہمدردی کا اظہار کبھی کسی معاصر نامور مسلمان عالم دین کی طرف سے دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے حق میں دیکھنے کو ملتا ہے؟

جواب: میرے علم میں ہے کہ عیسائیوں میں بہت سے انتہا پسند اور مسلمان دشمن گروہ موجود ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ عیسائیوں نے ماضی میں مسلمانوں کا بہت دفعہ اجتماعی قتل عام کیا ہے۔ میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیوں سے بھی واقف ہو۔ ان میں سے بہت سو کا مسلمانوں سے بغض بھی میرے علم میں ہے۔ لیکن اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے پوپ کا اپنے اس عمل کے ذریعے اپنی قوم کے لوگوں کو واضح پیغام دینا کہ یہ سب بھی اسی خدا کے بندے ہیں کہ جس کے ہم ماننے والے ہیں۔ اور اسی طرح ہمارے لیے قابل احترام ہیں جیسا کہ ہمارے اپنے مذہب کے لوگ تو یہ واقعتاً ایک قابل تحسین اور قابل رشک امر ہے۔

اور صحیح بات تو یہ ہے کہ جس کے کہنے میں حرج نہیں ہے کہ مسلمانوں میں اس کا تصور بھی ممکن نہیں ہے کہ پوپ کے مقام اور مرتبے کا کوئی عالم دین کسی عام عیسائی کے پاؤں دھوئے گا۔ تبلیغی جماعت کے رہنما حاجی عبدالوہاب صاحب جیسے شاید تیار ہو جائیں لیکن مسلم معاشرے میں اس کے ممکنہ رد عمل کے خوف سے عملاً کبھی بھی ایسا کرنے کی جرات نہ کر پائیں۔

ہم تو ابھی عیسائیوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانا کھا لینے کے جواز اور عدم جواز سے نہیں نکل رہے۔ اور یہ پوپ ہی کا حوصلہ ہے کہ وہ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے پاؤں دھونے اور ان کا بوسہ لینے تک جا پہنچا ہے۔ اور یہ پوپ اس قابل ہے کہ ایک مسلمان کے پاؤں دھونے کے بدلے میں اس کے پاؤں دو مرتبہ دھوئے جائیں۔

اسی لیے تو اللہ عزوجل نے عیسائیوں کے بارے سورۃ المائدۃ میں ارشاد فرمایا ہے: "ایمان لانے والوں کے لیے دوستی میں قریب تر ان لوگوں کو پاؤ گے جنہوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ ان میں عبادت گزار عالم اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور اُن میں غرور نفس نہیں ہے۔" بلاشبہ پوپ فرانسس بھی انہی عیسائی رہنماؤں کی طرح ہیں کہ جو ہرقل روم، مقوقس مصر اور نجاشی حبشہ کی طرح اسلام کے بارے نرم گوشہ رکھتے تھے اور ان عیسائی راہبوں میں سے ہیں کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو عاجزی کا اظہار کرنے والے ہیں اور متکبر نہیں ہیں۔

کشمیر کا جہاد

دوست کا کہنا یہ ہے کہ کشمیر کے جہاد کے بارے آپ کی کیا رائے ہے؟ جواب: اس میں کوئی دو رائے نہیں ہیں کہ ہم پاکستانیوں کے دل کشمیریوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں، ہم ان کی تحریک آزادی کے حامی ہی نہیں بلکہ پرجوش مبلغ بھی ہیں۔ کشمیر تو کیا، فلسطین، افغانستان اور برما کے مسلمانوں کے لیے بھی ایک آزاد اور خود مختار ریاست کے قیام کے ہم سب حامی ہیں لیکن اختلاف صرف طریق کار اور اسٹریٹیجی کا ہو سکتا ہے۔

یہ دنیا فساد کے لیے بنی ہے لہذا اس سے بڑا بے وقوف کوئی نہیں ہے جو یہ کہے کہ اسلام میں جہاد و قتال نہیں ہے۔ فرشتوں نے تو ابتدا میں ہی کہہ دیا تھا کہ انسان تو خون ریزی کرے گا اور فساد برپا کرے گا۔ اور جہاں فساد ہو گا، وہاں قتال ہو گا۔ حضرت عیسی بن مریم علیہ السلام کا نزول جب "دمشق" میں ہو گا تو اس وقت مسلمان حالت جنگ میں ہوں گے۔ اس دنیا کی ابتداء وانتہاء جنگ وجدال ہے، اس کی تقدیر قتل و قتال ہے۔

بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ فرائیڈ نے جنگ عظیم اول کے بعد اپنے نظریہ "جنس" کی جگہ نظریہ "جنگ" کو پیش کیا تھا اور اسے انسان کی تقدیر قرار دیا تھا جبکہ اس کا شاگرد ایڈلر تو نظریہ حب تفوق (urge to dominate) کے تحت پہلے ہی سے اس کا قائل تھا کہ انسان کی سب سے قوی جبلت اور خواہش جنگ وجدال ہی کی ہے۔ یہ دنیا کشمکش کے لیے بنی ہے۔ یہ میدان جنگ تھی، ہے، اور رہے گی۔ ہیگل اور کارل مارکس تک نے اپنے فلسفوں کی بنیاد جدلیات (dialectics) کو بنایا تو دنیا کی حرکت کی کل حقیقت نہ سہی لیکن ایک بڑی حقیقت جنگ وجدال ضرور ہے۔

لیکن اس سب کچھ کے باوجود ہمیں دو باتیں کہنی ہیں کہ ایک تو جہاد و قتال کی ذمہ داری مسلم ریاستوں کی ہے نہ کہ پرائیویٹ عسکری جماعتوں کی۔ پرائیویٹ عسکری تنظیمیں ایک تو اس کی اہلیت اور استطاعت نہیں رکھتیں لہذا نقصان زیادہ کرتی ہیں اور دوسرا فہم وفراست اور ایک نظم نہیں رکھتیں لہذا آپس میں لڑنا شروع ہو جاتی ہیں۔ افغانستان میں روس کے جانے کے بعد یہی ہوا کہ وہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی جہادی جماعتیں آپس میں لڑنا شروع ہو گئیں اور عظیم جہاد، عظیم فساد بن گیا۔ عراق، شام، لیبیا اور یمن میں یہی ہو رہا ہے کہ جہادی تنظیمیں آپس میں بھی لڑ رہی ہیں۔

96ء میں جبکہ میں اٹک گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج میں فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا کہ ایک بہت ہی معروف کشمیری جہادی تحریک کے سپریم کمانڈر، میں نام نہیں لیتا، تشریف لائے، جہاد کے لیے موٹیویٹ کیا اور یوں نقشہ کھینچا کہ جیسے اس جہاد کے نتیجے میں کل ہی کشمیر آزاد ہو جائے گا۔ سوال وجواب کے سیشن میں ایک طالب علم نے سوال کیا کہ اس کی کیا ضمانت ہے کہ کشمیر میں لڑنے والی چودہ جہادی تنظیمیں کشمیر کی آزادی کے بعد آپس میں نہیں لڑیں گی؟ جیسا کہ یہ افغانستان میں اقتدار کے لیے لڑ چکے ہیں۔ تو ان سپریم کمانڈر کا جواب تھا کہ ہم نے کشمیر کو چودہ حصوں میں بانٹ رکھا ہے۔ اناللہ وانا الیہ رجعون۔ اب آپ مجھ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ میں ایسے "بھولوں" کے جہاد کی تائید کروں گا؟

اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ کہ کسی قوم نے جنگ کرنی ہے یا نہیں، یہ پوری قوم کا فیصلہ ہونا چاہیے یا ان کی اکثریت کا۔ بھئی، کشمیریوں نے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ انہوں نے لڑنا ہے یا نہیں؟ انہیں یہ فیصلہ کرنے دیں۔ میں اور آپ چھاپہ مار کاروائیاں کر کے ان کے لیے مزید مشکلات پیدا کر دیں، تو یہ درست نہیں ہے۔ اگر وہ سب لڑنا چاہتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ ہیں۔ اگر وہ سب پرامن جدوجہد سے آزادی چاہتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ ہیں۔ یہ فیصلہ اس قوم کو کرنے دیں، جس کا مسئلہ ہے، آپ ان کے چاچے مامے نہ بنیں۔ ہوتا اصل میں یہ ہے کہ قوم لڑنا نہیں چاہتی اور جنگجو آنہ طبیعت کے چند مسلمان جہادی جماعتیں بنا کر ان کے نمائندہ بن کر لڑائی چھیڑ دیتے ہیں اور ان بیچاروں پر ظلم وستم اور بڑھ جاتا ہے۔

اسی لیے ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ مجھے چند جوان دے دیں تو میں آپ کو مکہ فتح کر دیتا ہوں تو آپ نے جواب دیا تھا کیا یہ شخص جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جنگ سے اجتناب کیا کہ قوم کی تیاری نہیں تھی اگرچہ کچھ جوان اپنی چھاپہ مار کاروائیوں سے امید لگائے بیٹھے تھے کہ دشمن کو فتح کر لیں گے لیکن آپ نے ان پر اعتماد نہ کیا اور ان کے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فعل کی مذمت کی۔ غزوہ بدر، احد، خندق حتی کہ کون سی جنگ ہے کہ جس سے پہلے آپ ﷺ نے پوری قوم کو اعتماد میں نہ لیا ہو؟ قوم نے آزادی حاصل کرنی ہے تو فیصلہ بھی قوم ہی کرے کہ لڑائی کے ذریعے حاصل کرنی ہے یا پرامن جدوجہد سے۔

غزوہ ہند کے بارے احادیث

ایک دوست نے غزوہ ہند کے بارے مروی احادیث کی صحت کے حوالے سے سوال کیا ہے۔ اس بارے عام طور پانچ روایات بیان کی جاتی ہیں کہ جن میں غزوہ ہند کی فضیلت کا بیان ہے۔ ان پانچ میں سے چار روایات محققین کے نزدیک ضعیف ہیں جبکہ ایک روایت صحیح ہے۔

غزوہ ہند کے بارے وہ روایت کے کہ جسے علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے دو گروہ ہیں جن کو اللہ آگ سے بچائے گا ایک وہ جو اہل ہند سے لڑے گا اور دوسرا وہ جو عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہو گا۔ یہ سنن النسائی کی روایت ہے اور یہ بھی کوئی بہت اعلی درجے کی صحیح روایت نہیں ہے۔

جماعۃ الدعوۃ کے پلیٹ فارم سے دار الاندلس نے "غزوہ ہند" کے نام سے جو ایک کتابچہ شائع کیا ہے تو اس میں احادیث کی تحقیق میں بہت ہی غیر ذمہ دارانہ رویے کا اظہار کیا گیا ہے۔ مولف نے تین صریح ضعیف روایات کو اپنے کتابچے میں بیان تو کر دیا ہے لیکن ان تینوں روایات پر موجود جرح کو بیان نہیں کیا کہ جس سے قاری کو یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ روایات صحیح ہے۔ بقیہ دو روایات میں سے ایک روایت حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ والی تو صحیح ہے لیکن دوسری حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ والی ضعیف ہے۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کو بھی شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ نے تو صحیح کہا ہے لیکن بقیہ محققین نے اسے ضعیف کہا ہے۔ لیکن "غزوہ ہند" نامی کتابچے کے مولف نے شیخ احمد شاکر رحمہ اللہ کا حکم تو بیان کر دیا لیکن دیگر محققین نے اسی روایت پر جو جرح کی ہے اور اس کی بنیاد پر اس روایت کو ضعیف کہا ہے تو نہ تو ان محققین کا اجمالی حکم نقل کیا ہے اور نہ ہی ان کی تفصیلی جرح کا جواب دیا ہے کہ جس سے قاری کو دوبارہ یہ تاثر ملتا ہے کہ اس روایت کی صحت پر کوئی سوال نہیں ہے۔

اسی طرح غزوہ ہند کے حوالے سے مسند اسحاق بن راہویہ کی ایک روایت جو کہ بہت معروف

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی، یہ ہے کہ مسلمان ہندوستان سے جہاد کریں گے اور سندھ کے بادشاہوں کو زنجیروں میں جکڑ کر لائیں گے اور جب وہ واپس آئیں گے تو عیسی ابن مریم علیہ السلام کو شام میں پائیں گے۔ یہ روایت بھی ضعیف ہے۔ پس غزوہ ہند کی روایات کو بنیاد بنا کر کوئی قطعی بات کرنا ممکن نہیں ہے کہ اسناد بھی ضعیف ہیں اور متون بھی واضح نہیں ہیں جیسا کہ اسی روایت میں ہے کہ جہاد تو ہندوستان سے ہو گا لیکن قیدی سندھ کے بادشاہ بنائے جائیں گے۔

البتہ غزوہ ہند کی تمام روایات کے متون کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسی علیہ السلام کے نزول کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت ہندوستان سے جہاد کرے اور اس کے نتیجے میں ہندوستان کے بادشاہوں کو قید کرے۔ لیکن یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہو گی، اس سے پہلے ان احادیث کا ہندوستان سے مسلمانوں کی کسی جنگ پر اطلاق کرنا قطعی طور غلط ہے اور جماعتی سیاست کے زمرے میں داخل ہے۔

مسلمانوں کے مسائل کا حل: دعوت و تبلیغ یا جنگ و جدال

اس تحریر کی حیثیت اس نکتے پر مکالمے کا آغاز کرنے کی سی ہے کہ مسلمانوں کے لیے حالیہ پستی وذلت اور ظلم و ستم سے نکلنے کا رستہ جنگ و جدال ہے یا تحمل و برداشت۔ اس میں اصولی طور دونوں رایوں کی گنجائش ہے کہ شریعت میں دونوں مناہج موجود ہیں۔ پس یہ کہنا درست نہیں ہے کہ اب قیامت تک جہاد و قتال کا منہج ہی باقی ہے اور صبر و مصابرت یا دعوت و تبلیغ یا تعلیم و تزکیہ کوئی منہج نہیں ہے۔

مکی اور مدنی منہج میں واضح فرق موجود ہے کہ مکہ کا ماڈل صبر اور دعوت کا ہے اور مدینہ کا جہاد اور قتال کا۔ اور یہ دونوں ماڈل قیامت تک کے لیے امت کے لیے اسوہ حسنہ ہیں۔ ان میں کسی ایک کو منسوخ کرنے کا اختیار کسی کو بھی حاصل نہیں ہے البتہ کوئی شخص امت مسلمہ کے مجموعی حالات کے تناظر میں کسی ایک ماڈل کو امت کے مسائل کے حل کے لیے فی الوقت بہترین ماڈل کے طور تجویز کر سکتا ہے۔

مجھے اس وقت اپنے دوستوں پر اپنی رائے کو تھوپنا نہیں ہے بلکہ صرف یہ بیان کرنا ہے کہ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امت میں دونوں مزاج موجود ہیں۔ دعوت و تبلیغ کا بھی اور جہاد و قتال کا بھی۔ دونوں قسم کے مزاج اپنی جماعتوں اور تحریکوں کی صورت میں کام کر رہے ہیں۔ بہت سے لوگ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ امت کے مسائل کا حل جنگ و جدال میں ہے۔ اور کچھ میری طرح بھی سوچ رہے ہوں گے کہ نہیں اس وقت دعوت تبلیغ ہماری اصل ضرورت ہے کہ ہمارے حالات مکی دور سے زیادہ ملتے ہیں۔ آپ ہم پر تنقید کریں، ہم آپ پر کریں لیکن مہذب انداز میں، لٹھ نہ ماریں۔

دوسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ جو لوگوں کو سمجھ نہیں آتی کہ جنگ صرف ہتھیار اٹھانے کا نام نہیں ہے مثلاً سرد جنگ (cold war) کو ہی دیکھ لیں۔ بڑی طاقتیں اب اس طرح جنگ لڑتی ہیں جبکہ ہم ابھی تک جنگ کے پرانے طریقوں کو سینوں سے لگائے بیٹھے ہیں۔ دعوت تبلیغ والوں نے کم از کم دعوت تبلیغ کے طریقے سیکھ لیے ہیں لیکن جنگ و جدال والے ابھی جنگ و جدال کے طریقے سیکھ نہیں پائے لہذا امت کا نقصان زیادہ ہو رہا ہے۔ یہ متبادل آپشنز پر غور ہی نہیں کرتے۔ کیا پاکستان کسی جہاد و قتال کے نتیجے میں ملا ہے؟ جہاد و قتال تو 1857ء کی جنگ آزادی میں ناکام ہو گیا تھا۔ ان میں جذباتیت زیادہ ہے اور حقائق سے بہت دوری ہے۔ ہر حادثے پر شکوہ یہ ہے کہ یہودی سازش ہے، لہذا مسلمان ذلیل و خوار ہیں۔ بھائی، تم بھی سازشیں کر لو، تمہیں کسی نے منع کیا ہے؟ یہودی دنیا کی آبادی کا ایک فی صد بھی نہیں ہیں لیکن امریکہ پر حکومت کر رہے ہیں۔ یہ جنگ ہوتی ہے اور اسے فتح کہتے ہیں۔

دعوی یہ ہے کہ افغان جنگ ہم نے جیت لی ہے حالانکہ اس جنگ میں امریکہ کے اڑھائی ہزار بھی مردار نہیں ہوئے۔ امریکہ آج بھی سپر پاور ہے جبکہ افغانستان کھنڈر بن چکا ہے، آج بھی لوگ اس کے ویزے کو ترستے ہیں، آج بھی وہ سائنسی علوم کا مرکز ہے۔ ہم نے تو یہ بھی سمجھ لیا تھا کہ شاید روس ختم ہو گیا ہے لیکن اس خطے کی نئی صف بندی اور وہ بھی روس کی سرپرستی میں یہ ظاہر کر رہی ہے کہ ہماری وہ سوچ بھی غلط تھی۔ ہمارا حال یہ ہے کہ کوئی ہمارے گھر کو بلڈوزر چڑھا کر ملیامیٹ کر دے اور ہم اسے پتھر ماریں کہ جن میں دو چار اس کے بلڈوزر کو لگیں اور دو چار اسے لگیں اور وہ وہاں سے نکل جائے تو ہم کہتے ہیں کہ ہم جیت گئے ہیں۔ ہاں، مظلوم قوموں کے ہاں جیت اور فتح کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفاظ کے معانی بھی کتنے محدود ہوتے ہیں!

جنگجو مسلمانوں کی خدمت میں

بھائی! جنگیں لڑنے سے خدا اور اس کے رسول نے منع نہیں کیا لیکن جیسے تم لڑتے ہو تو اس طرح لڑنے سے ضرور منع کیا ہے۔ امریکہ اور روس پچھلے سو سال سے جنگ لڑ رہے ہیں، میچور قومیں اس طرح جنگیں لڑتی ہیں، جیسے وہ لڑ رہے ہیں۔ پہلے ویت نام میں لڑے، پھر افغانستان میں اور آج کل شام میں لڑ رہے ہیں۔

انہوں نے سو سالہ جنگ میں اپنی زمین کو میدان جنگ نہیں بننے دیا اور تم نے بیس سالوں میں سارا عالم اسلام میدان جنگ بنا دیا ہے۔ ایسے میں تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ جنگیں نہ لڑو، پہلے لڑنے والوں سے لڑنا سیکھ لو۔ جب آ جائے تو پھر یہ شوق بھی پورا کر لینا۔ میرے بچے کو لڑنا نہ آتا ہو اور میں اسے موٹیویٹ کر کے گلی میں بھیج دوں کہ محلے کے ان لڑکوں سے جا کر زور آزمائی کرو جو تمہیں تنگ کرتے ہیں تو وہ مار کھا کر ہی واپس آئے گا، یہ بات ہمیں کیوں سمجھ نہیں آ رہی۔

بے وقوفوں کی طرح "جہاد قیامت تک جاری رہے گا" کے نعرے لگاتے رہو گے تو دنیا میں مزید مار کھاؤ گے۔[1] تمہارا ہر ملک حالت جنگ میں ہے اور ان کا ہر شہر حالت امن میں ہے۔ اور نتیجہ کیا ہے، سب کے سامنے ہے کہ تم ہی قاتل بھی ہو اور مقتول بھی اور وہ اسلحہ بیچنے والے۔ تم پناہ گزین ہوں اور وہ پناہ دینے والے۔ تم زخمی ہو اور وہ تمہیں اٹھانے والے۔ ہمیں یہ نعرہ لگانا ہے لیکن ان کے کہنے پر نہیں بلکہ اس وقت جبکہ ہماری تیاری مکمل ہو۔

ایسے حالات میں دوسروں سے یہ شکوہ رکھنا کہ انہوں نے ہم پر جنگ مسلط کی ہے، اور بھی بڑی بے وقوفی ہے۔ لیبیا، یمن اور شام کی جنگیں ہماری اپنی جنگیں ہیں۔ سعودی عرب، ایران، ترکی اور پاکستان سب اِن ایکشن ہیں۔ جنگیں تو ہم لڑ ہی رہے ہیں، لیکن ہم جنگوں سے امت کے مسائل حل نہیں کر پائے بلکہ بڑھا چکے ہیں۔

ہمیں آپریشن جبرالٹر، کارگل اور نائن الیون ایسی شرارتوں سے باز آنا ہو گا کہ جن کے نتیجے میں

[1] واضح رہے کہ ان الفاظ کے ساتھ منقول روایت ضعیف ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور بعد میں ہم بھولپن سے یہ دعوی کر رہے ہوتے ہیں کہ فلاں نے ہم پر جنگ مسلط کر دی ہے۔ ہمیں فی الحال جنگوں کے علاوہ راستوں سے مسلمانوں کے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے۔ دعوت تبلیغ کا رستہ، خدمت خلق اور اخوت کا رستہ، تعلیم و تحقیق کا رستہ، معاشی خوشحالی کا رستہ، خطے میں نئی صف بندی کا رستہ، ڈپلومیسی کا رستہ وغیرہ وغیرہ۔

روہنگیا مسلمانوں کے مسائل کا حل کیا محض عسکری گروپ بنا کر چھاپہ مار کاروائیاں کرنے میں ہی ہے؟ ایسی کاروائیوں کا نتیجہ ہم کشمیر میں بھی دیکھ لیا ہے کہ مسلمانوں پر ظلم اور بڑھ گیا۔ کیا تم سب مل کر روہنگیا مسلمانوں کے لیے سمندر میں ایک جزیرہ یا افریقہ میں ایک صحراء نہیں خرید سکتے کہ جہاں ان کی الگ ریاست قائم کر سکو۔ تم یقیناً ایسا کر سکتے ہوں لیکن تمہارا مزاج ایسا بنا دیا گیا ہے کہ ہر شخص پھٹنے کو تیار بیٹھا ہے تو ایسے میں جنگ ہی تمہاری تقدیر ہے۔ اس سے انکار نہیں ہے لیکن تم پھٹو یا مرو، ہو ہمارے ہی۔ ہم تمہارے ساتھ تمہارے لیے روتے رہیں گے۔

تم نے سیرت کو ہمیشہ جنگجو آنہ نظر سے دیکھا ہے اور اسی نظر سے پڑھا بھی ہے اور اسی نظر سے کتابیں مرتب کر دی ہیں اور یہ سیرت کا ایک اہم پہلو ہے لیکن کبھی اس نظر سے بھی سیرت کا مطالعہ کر لو کہ صلح حدیبیہ بھی ہوئی ہے اور میثاق مدینہ بھی ہے۔ بس آپ ﷺ حکیم تھے لہذا یہودیوں اور مشرکین مکہ سے بھی وقت پڑنے پر صلح کر لیتے تھے لیکن آج وہ حکمت اور دانائی کہاں؟ اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے کہ جہاد و قتال کے بارے قرآنی آیات کو سیرت نبوی کی عینک لگائے بغیر پڑھا اور بیان کیا جائے۔ اور یہ امت اس فتنے میں پڑ چکی ہے۔

مستقبل کی سپر پاور

مستقبل میں عالمی قیادت اور سپر پاور بننے کے لیے اہل ترین قوم وہی ہو گی جو آج اپنے آپ کو جنگ سے بچا پائے گی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو سب بڑی طاقتوں کو سمجھ آ چکی ہے اور خوشی کی بات ہے کہ مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے کو بھی سمجھ آ رہی ہے۔

وہ ظالم اسے عرب بہار (Arab Spring) کہتا رہا لیکن یہ امت کے حق میں ایک ایسی خزاں ثابت ہوئی کہ سارا مڈل ایسٹ کھنڈر بن چکا یا بننے کے دھانے پر کھڑا ہے۔ لیبیا میں تین اور یمن میں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دو حکومتیں قائم ہو گئیں۔ عراق میں تین اور شام میں چار حکومتیں بن گئیں۔ اور سب آپس میں لڑ رہے ہیں۔ یہ عرب میں بہار آئی ہوئی ہے۔ ظلم کے خلاف جدوجہد نے اور ظلم پیدا کر دیا ہے۔

ہمیں مسلم معاشروں میں ہونے والا ظلم ضرور ختم کرنا ہے اور اس کے خلاف آواز بھی بلند کرنی ہے لیکن اس طرح نہیں جیسے وہ ظالم چاہتے ہیں کہ ان کا مقصد یہ ہے کہ ظلم کو اس طرح ختم کیا جائے کہ مزید ظلم پیدا ہو۔ اس وقت نکتہ ایک ہی ہے کہ مسلمانوں کو اگر عالمی قیادت چاہیے تو اس وقت ہر قسم کے جنگ وجدال سے بچنا ہو گا، آپس میں بھی اور دوسروں سے بھی۔ باقی خطے میں نئی صف بندی کریں، سیاسی چالیں چلیں، معاشی اور عسکری طور مضبوط ہوں، خارجہ پالیسی پر نظر ثانی کریں، اور دعوت و تبلیغ میں تیزی لائیں تو یہ سب تو کرنے کے کام ہیں ہی۔

دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف جنگ کے نتائج

دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خلاف جنگ ہونی چاہیے، اس میں تو کوئی دو رائے نہیں ہیں لیکن ہمارے ہاں اس جنگ کے نتائج بڑے دلچسپ نکل رہے ہیں۔ ایک نتیجہ تو یہ ہے کہ اب ماحول کچھ ایسا بنتا چلا جا رہا ہے کہ جہاد، خلافت، کتاب وسنت کے نفاذ، غلبہ دین، اتحاد امت کے تصورات اجنبی بنتے چلے جا رہے ہیں یعنی آپ کے لیے ان اصطلاحات اور اس حوالے سے کسی پر امن جدوجہد (soft revolution) کی بات کرنا بھی انتہا پسندی میں شامل ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کا مطلب سیکولرازم کا فروغ بنتا چلا جا رہا ہے نہ کہ اسلام کے صحیح تصور کی تبلیغ۔

امر واقعہ یہی ہے کہ داعش کی خلافت اور ٹی۔ٹی۔پی کا جہاد دیکھنے کے بعد کسے خلافت اور جہاد کے تصورات میں رغبت محسوس ہو گی؟ عام آدمی کے سامنے خلافت اور جہاد کے یہ جو دو نئے ورژن آئے ہیں، وہ اس سے وحشت میں مبتلا ہو گیا ہے اور اسے ہونا بھی چاہیے کہ خلافت راشدہ میں نہ تو ایسی خلافت تھی اور نہ ہی ایسا جہاد۔ اور رہی حکومتیں تو انہیں تو پہلے ہی کوئی بہانا چاہیے تھا کہ یہ تصورات عام نہ ہو سکیں کہ ان تصورات کے عام ہونے سے ان کی بادشاہتوں اور سلطنتوں کو خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

حل اس کا یہی ہے کہ خلافت اور جہاد کے غلط تصورات کی نفی کی جائے، ان سے اعلان براءت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا جائے اور یہ مان لیا جائے کہ یہ فتنے خلافت اور جہاد کے تصورات کو مسخ کرنے کے لیے وقت کی سپر پاورز نے پیدا کیے ہیں۔ اور اس کے بعد خلافت اور جہاد کے مثبت تصورات کو واضح کیا جائے۔

آج لوگ خلافت کا مطلب ڈنڈے کی شریعت کا نفاذ سمجھتے ہیں، انہیں بتلائیں کہ خلافت تو ایک ویلفیئر اسٹیٹ کا نام ہے کہ جس میں ہر شخص کے معیار زندگی کو بلند اور بنیادی ضروریات مثلاً رہائش، کھانا، تعلیم، صحت، سیکورٹی وغیرہ کو پورا کرنا ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

کیا یہ سب خلافت راشدہ میں نہیں تھا؟ کیا خلافت راشدہ صرف چند حدود کے نفاذ کا نام تھا؟ کیا خلافت راشدہ میں اتنی معاشی خوشحالی نہ تھی کہ زکوۃ وصول کرنے والے نہ ملتے تھے؟ کیا خلافت راشدہ میں بے روزگاروں کو الاؤنس نہیں ملتا تھا؟ کیا خلافت راشدہ میں اتنا امن نہیں تھا کہ ایک عورت زیورات سے لدی پھندی یمن سے سفر کرتی اور مکہ پہنچتی اور کوئی اس کی طرف میلی آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرات نہ کرتا؟ یہ سب اگر خلافت راشدہ میں موجود تھا۔ اور ہم ایسی ہی خلافت کے قیام کے داعی ہیں تو ہم خلافت کا نعرہ لگاتے وقت لوگوں کو یہ تاثر کیوں دیتے ہیں کہ جیسے خلافت چار پانچ حدود کے لاگو کرنے کا ہی نام ہے! خلافت تو دراصل لوگوں کی دنیاوی فلاح و بہبود کا نام ہے، ان کی دنیا بہتر بنانے کا نام ہے۔ حدود کا نفاذ بھی جرائم کو کم کرنے اور سیکورٹی اور امن وامان کو بہتر بنانے کے لیے ہی ہے۔

دوسری طرف ریاستی اداروں کا معاملہ یہ ہے کہ جہاں خلافت، جہاد، نفاذ شریعت کا لفظ دیکھا تو کتاب بین (ban) کر دی، یہ دیکھے سمجھے بغیر کہ اس میں کیا پیش کیا گیا ہے۔ وہ کتاب کے ٹائیٹل میں صرف داعش اور طالبان کا لفظ دیکھتے ہیں تو آپ کا پیچھا شروع کر دیتے ہیں لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ آپ نے پوری کتاب داعش اور طالبان کے خلاف لکھی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ مذہبی طبقے میں معتدل مزاج علماء نے انتہا پسندوں کے خلاف لکھنا اور بولنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ اب مارکیٹ میں خلافت اور جہاد کا تصور بتلانے والے صرف انتہا پسند رہ گئے ہیں۔ بس، ایک عجیب ہی صورت حال سے ہم گزر رہے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلمان اور یہودی

ٹرمپ کے سات مسلمان ممالک کے شہریوں کے امریکہ میں داخلے پر پابندی کے اعلان کا سعودی عرب اور متحدہ عرب امارات نے خیر مقدم فرمادیا ہے۔ امریکہ نے غیر سرکاری طور پاکستانی ریاست کو دھمکی لگائی کہ اگر جماعت الدعوۃ اور فلاح انسانیت فاؤنڈیشن کو بین نہ کیا گیا تو پاکستان بھی ان ممالک کی فہرست میں شامل ہو جائے گا، لہذا پاکستان نے پابندی لگادی ہے۔

امریکہ میں مسجد کے جلائے جانے پر یہودیوں نے مسلمانوں کو پیش کش کی ہے کہ وہ ان کے سینیگاگ میں عبادت کر لیں۔ واضح رہے کہ یہ بھی دعوی کیا گیا ہے کہ مسجد جلانے والا ایک شرابی نو مسلم تھا۔ سٹار بکس کے مالک، کٹر یہودی اور اسرائیل نواز بزنس مین، ہاورڈ شلٹز نے ٹرمپ کے فیصلے کے بعد دس ہزار مسلمان مہاجرین کو اپنی فرم میں نوکری دینے کا اعلان کر دیا۔

پروردگار! یہ ہو کیا رہا ہے؟ دوسری قسم کی خبروں کو یہودی سازش کہہ دیں لیکن پہلی والی خبروں کی کیا توجیہ ہے؟ نیو یارک، نیو جرسی، ورجینیا، لاس اینجلس، شکاگو، سانس فرانسسکو میں مسلمانوں کا ایئرپورٹس پر استقبال ہو رہا ہے۔ اور لندن، مانچسٹر اور گلاسگو مسلمانوں کے حق میں باہر نکل آئے ہیں۔ اور سعودی وزیر یہ فرمارہے ہیں کہ امریکی قوم نے مسلمانوں پر پابندی لگا کر اپنا حق استعمال کیا ہے!

تحریک آزادی اور روہنگیا

روہنگیا کے مسئلے کے جتنے حل پیش کیے گئے ہیں، ان میں سے اب تک کا بہترین اور قابل عمل حل یہی ہے کہ ہر ملک میں "میانمار" کے سفارت خانے کے باہر احتجاج کیا جائے۔ ملحق امیج میں جرمنی کے مسلمان "میانمار" کے سفارت خانے کے باہر احتجاج کرتے ہوئے دکھائے گئے ہیں۔

پرائیویٹ عسکری تنظیموں کا جہاد اس مسئلے کا حل نہیں ہے۔ اس جہاد کے نتیجے میں آپ دو دن خوشی منائیں گے کہ مجاہدین نے ستر کافر پھڑکا دیے اور پھر دو ہفتے روئیں گے کہ مسلمانوں کی ستر بستیاں جلادی گئیں، ستر ہزار مسلمان بے گھر ہو گئے، دس ہزار شہید ہو گئے وغیرہ جیسا کہ اب کی بار بھی پچھلے چار ہفتوں کی فیس بک ہسٹری کھنگال لیں۔ بات جہاد کے جواز اور عدم جواز کی نہیں ہے،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات کسی قابل عمل حل کی ہے۔

رہی مسلمان حکومتیں تو وہ اس مسئلے کو حل تو کر سکتی ہیں لیکن ان سے کوئی امید رکھنا بے کار ہے سوائے اس کے آپ پاکستانی اپنے ووٹ کا اعلان اس سیاسی جماعت کے حق میں کر دیں جو روہنگیا کے مسئلے کو اپنی فارن پالیسی کی ترجیحات میں شامل کرنے کا اعلان کرے۔ اور بڑی طاقتوں سے تو اس سے بھی زیادہ ناامیدی ہے سوائے اس کے کہ چین کی برما میں بھاری سرمایہ کاری کے خلاف امریکہ کا کارڈ استعمال کر لیا جائے اور وہ اسی بنیاد پر استعمال ہو بھی رہا ہے۔

مسئلے کا فوری حل تو یہی ہے کہ "میانمار" کے سفارت خانوں کے باہر احتجاج کیے جائیں اور یہ احتجاج "آپ" نے کرنا ہے، یہ ذہن میں رہے۔ مذہبی جماعتوں سے اس کی امید نہ لگائیں۔ وہ صرف اپنا فائل ورک مکمل کرنے کے لیے احتجاج کرتی ہیں کہ ریکارڈ پر آ جائے کہ ہماری جماعت نے بھی مسلمانوں کے حق میں کچھ کہا ہے یا یہ کام کیا ہے۔ آپ کے اس احتجاج سے اس مسئلے کو کم از کم اس دجالی میڈیا میں کوئی کوریج تو مل جائے گی۔

اور مستقل حل یہ ہے کہ اگر کر سکتے ہوں تو روہنگیا کے مسلمانوں میں وہ سیاسی شعور بیدار کریں کہ جو برصغیر کے مسلمانوں کو حاصل رہا تا کہ وہ ایک آزاد ریاست کے قیام کے لیے پرامن اور احتجاجی سیاسی جدوجہد کا آغاز کر سکیں اور پھر اس کے لیے قربانیاں دیں کہ پاکستان بھی قربانیوں کے بغیر وجود میں نہیں آیا۔ اس مسئلے کے حل کا رستہ وہی ہے کہ جس سے پاکستان حاصل ہوا ہے یعنی "تحریک آزادی"۔ ذہن میں رہے کہ ان حالات میں ہمیں "عطاء اللہ" کے جہادی جذبے کی نہیں بلکہ "محمد علی جناح" کی سیاسی بصیرت کی ضرورت ہے۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب چھاردہم

اعلام اور شخصیات

اس باب میں اعلام اور شخصیات (Personalities and Celebrities) سے متعلق
بنیادی سوالات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

والدہ محترمہ

والدہ محترمہ کا تعلق مقبوضہ جموں وکشمیر سے ہے۔ وہ بتلاتی ہیں کہ قیام پاکستان سے پہلے ہی ان کا خاندان، جو کہ مسلکاً اہل تشیع ہیں، ہجرت کر کے پاکستان آ گیا تھا اور قیام پاکستان کے وقت ان کی عمر کوئی سات آٹھ برس تھی۔ کچھ رشتہ دار "بٹنگیاں" آزاد کشمیر میں آباد ہوئے اور کچھ نے پنجاب میں واہ فیکٹری، تلہ گنگ اور پنڈی گھیب کو مسکن بنایا۔ ہماری والدہ بالکل بھی پڑھی لکھی نہیں ہیں؛ نہ اسکول کا اور نہ ہی مدرسے کا۔ اپنا نام لکھنا تو دور کی بات، اتنی بھی صلاحیت نہیں ہے کہ اپنا لکھا ہوا نام پڑھ سکیں لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنی اولاد کی پڑھائی پر بہت محنت کی ہے اور ان کی پرورش اور تربیت میں جان ماری ہے۔

میں نے چھٹی سے دسویں کلاس کے دوران اسکول کے ساتھ حفظ کیا اور روٹین یہ تھی کہ فجر سے اشراق، ظہر سے عصر اور مغرب سے عشاء تک کا وقت مدرسہ میں گزرتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ مجھے کتوں سے بہت ڈر لگتا تھا اور کئی مرتبہ والدہ محترمہ عشاء کے وقت مدرسہ لینے آ جاتی تھیں اور فجر کو وقت پر اٹھانا اور مدرسہ بھیجنا ان کے معمولات میں سے تھا۔ ہمارے اسکول بیگ کی خریداری سے لے کر پیپرز کی تیاری کے لیے بٹھانے تک کے تمام معاملات وہ اپنی نگرانی میں کرتی تھیں۔

وہ اگرچہ پڑھی لکھی نہیں ہیں لیکن کتاب اور ڈائجسٹ میں فرق کر لیتی تھیں۔ مجھے بچپن میں جاسوسی اور سسپنس ڈائجسٹ پڑھنے کی بہت عادت تھی لیکن چھپ چھپ کے پڑھا کرتا تھا کہ اگر والدہ کو پتہ چل جاتا تو پھر خیر نہ ہوتی تھی۔ ابھی تک یاد ہے کہ ایک مرتبہ جاسوسی ڈائجسٹ پڑھ رہا تھا، کمرے میں اور بھی بہن بھائی موجود تھے کہ اچانک والدہ داخل ہوئیں، میں نے فوراً ڈائجسٹ تکیے کے نیچے رکھا اور مستعدی سے کھڑا ہو گیا اور کہا کہ "میں رسالہ تو نہیں پڑھ رہا تھا"۔ انہیں تو خیر بات سمجھ نہ آئی کہ ان کی نظر نہیں پڑی تھی لیکن بہن بھائیوں کا قہقہہ ضرور بلند ہوا۔

قرآن مجید ناظرہ بچپن میں نہ پڑھ سکیں، بڑے ہو کر پڑھنے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ پھر مجھے کہنے لگیں کہ کیا میں ہر لائن پر بسم اللہ پڑھ لیا کروں؟ میں نے کہا کہ پڑھ لیا کریں۔ ایک مرتبہ میں نے جنت کے بارے کچھ حدیثیں سنائیں کہ یہ یہ جنت میں ہو گا تو فرمانے لگیں کہ یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بتاؤ کہ جنت میں "تنور" بھی ہوں گے۔ میں نے کہا کہ بالکل ہوں گے۔ اچھا پھر روٹیاں بھی پکیں گی؟ میں نے کہا کہ جی ہاں، وہ بھی پکیں گے۔ تو انہیں اس سے کافی اطمینان ہوا۔

برسوں سے ان کی عادت ہے کہ تہجد پڑھتی ہیں اور فجر کی نماز کے بعد ٹیلی ویژن پر ایک پارہ قرآن مجید اردو ترجمہ کے ساتھ سنتی ہیں۔ مجھے بھی اور دوسرے بچوں کو بھی بتلاتی رہتی ہیں کہ قرآن مجید میں یہ لکھا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ انہیں اردو نہیں آتی اور ویسے بھی ترجمہ قرآن کی اردو ثقیل بھی ہوتی ہے لیکن وہ پھر بھی کچھ نہ کچھ سمجھنے کی کوشش کرتی ہیں اور سمجھ ہی لیتی ہیں۔ اس سے کبھی کبھی خیال آتا ہے کہ وہ لوگ اللہ کے ہاں قرآن مجید کو سمجھ کر نہ پڑھنے کے حوالے سے کیا عذر پیش کریں گے کہ جن کے پاس دنیا کی اعلیٰ تعلیم موجود ہے!

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

بلاشبہ امام ابن تیمیہ (661-728ھ) تاریخ اسلام کے عظیم ترین مجدد تھے۔ فلسفہ، کلام، منطق، لغت، بلاغت، تفسیر، حدیث، اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر، عقیدہ بلکہ کون سا علم ایسا ہے کہ جس میں انہوں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا لوہا نہ منوایا ہو۔ ان کی تعریف میں اتنا کہنا ہی کافی ہے کہ ان کے بعد جس نے بھی کسی بھی فن میں قلم اٹھایا، تو یا تو ان کے حق میں لکھا ہے، یا پھر ان کے خلاف لکھا ہے۔ ان کے افکار کی وسعت اور گہرائی اور ان کی قوت استدلال نے بعد میں آنے والی امت کو صدیوں اپنے ساتھ مشغول رکھا۔

دینی علوم میں اس قدر رسوخ تھا کہ سترہ سال کی عمر میں فتوی دینا شروع کر دیا۔ ان کے شاگردوں میں جلیل القدر ائمہ دین شامل ہیں جیسا کہ امام ابن قیم، امام ابن کثیر، امام ذہبی، امام ابن عبد الہادی المقدسی رحمہم اللہ وغیرہ۔ فقہ میں حنبلی مسلک کی نسبت رکھتے تھے۔ ائمہ اربعہ کی رائے کو اپنے فتاوی میں اہتمام سے بیان کرتے لیکن وہ مقلد محض نہ تھے۔ انہوں نے تقریباً چالیس مسائل میں ائمہ اربعہ کے فتاوی سے اختلاف کیا۔ اور اس شان سے کیا ہے کہ آج امت مسلمہ کے اکثر ممالک میں ائمہ اربعہ کے اجتہادات کی بجائے ان کے اجتہادی آراء کو بطور قانون نافذ کیا جا رہا ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بیسیوں کارنامے ہیں۔ انہوں نے ائمہ اربعہ کے عقیدے کو سلفیت کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نام سے اجاگر کیا۔ ان کے نزدیک صحابہ، تابعین، تبع تابعین، فقہاء اور محدثین، خاص طور ائمہ اربعہ یعنی امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کا عقیدہ ایک ہی عقیدہ تھا اگرچہ ان میں فقہی مسائل میں باہمی اختلافات موجود تھے۔ انہوں نے عقیدے میں سلف صالحین کی اتباع کی دعوت دی۔ ان کا کہنا تھا کہ فقہاء کے مقلدین نے فقہ میں تو ان کی تقلید کی لیکن عقیدے میں ان کی تقلید کو چھوڑ کر ماتریدیت اور اشعریت کی طرف چلے گئے جو کہ غلط تھا۔

ان کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے فقہی جمود کو توڑا۔ انہوں نے عوام کے لیے تقلید کو لازم اور علماء کے لیے اجتہاد کو واجب قرار دیا۔ انہوں نے ائمہ دین کی علمی روایت سے تمسک بھی رکھا اور ان سے اختلاف بھی کیا۔ انہوں نے اجتہاد کے بند کیے جانے والے دروازے کو اپنی اجتہادی کاوشوں کے ذریعے علماء کے لیے کھول دیا۔ انہوں نے ائمہ دین کے مکمل احترام اور ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے اقوال کو کتاب وسنت پر پیش کرنے کی فکر پوری شد ومد کے ساتھ پیش کی۔ انہوں نے فقہاء سے طعن کو دور کرنے کے لیے "رفع الملام عن الأئمة الأعلام" کے نام سے کتاب بھی لکھی۔

فلسفیوں کے رد میں "درء تعارض العقل والنقل" لکھی تو یونانی منطق کی اساسات کی دھجیاں "الرد على المنطقيين" میں بکھیر دیں۔[1] عیسائیوں کے طعن کے جواب میں "الجواب الصحيح لمن بدل دين المسيح" لکھی تو ناموس رسالت کے حق میں "الصارم المسلول على شاتم الرسول" مرتب کی۔ متکلمین کے رد میں "بيان تلبيس الجهمية في تأسيس بدعهم الكلامية" مرتب کی تو روافض کے رد میں "منهاج السنة النبوية في نقض الكلام الشيعة القدرية" لکھی۔ انہوں نے فکری جہاد کے علاوہ تاتاریوں کے خلاف تلوار کا جہاد بھی کیا۔

انہوں نے دمشق اور حلب کے دفاع کے لیے باقاعدہ مسلمان لشکروں کی قیادت بھی کی۔ ان کی

[1] مولانا حنیف ندوی رحمہ اللہ کا یہ اعتراض سطحی ہے کہ "الرد على المنطقيين" میں مضامین کا تکرار تحصیل حاصل ہے۔ قرآن مجید میں بھی مضامین کا تکرار ہے اور اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ کسی مصنف کا جذبہ یہ ہوتا ہے کہ ریڈر ان کی بات پر عمل کر کے فلاح سے ہمکنار ہو جائے کہ مقصود عمل ہوتا ہے اور کسی۔ مصنف کا مقصد محض معلومات منتقل کر دینا ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علمی آراء کو برداشت نہ کرنے والے فرقہ پرست علماء کی وجہ سے کئی مرتبہ انہیں جیل جانا پڑا اور جیل میں ہی ان کی وفات ہوئی۔ امام ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے آخری ایام میں فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی امتی کو کافر نہیں کہتا۔

کسی آیت کی تفسیر کے لیے ایک صد کتب تک کا مطالعہ کر لیتے اور اگر پھر بھی اس کی تفسیر نہ کھلتی تو دمشق کی ویران مسجد میں جا کر اس کے صحن میں اپنے گال مٹی میں رگڑتے اور اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے دعا کرتے: «يَا مُعَلِّمَ اِبْرَاهِيْمَ عَلِّمْنِي وَ يَا مُفَهِّمَ سُلَيْمَانَ فَهِّمْنِي»۔ ترجمہ: اے ابراہیم علیہ السلام کے معلم! مجھے علم سکھادے اور اسے سلیمان علیہ السلام کو سمجھ دینے والے! مجھے سمجھداری عطا فرمادے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "الحي القيوم" کہتے تو ایسا لگتا کہ جیسے وجد کی کیفیت طاری ہو گئی ہو۔ فجر کے بعد سے لے کر طلوع آفتاب تک سورہ فاتحہ کی تلاوت فرماتے اور کہتے کہ یہ ذکر بھی ہے اور قرآن مجید بھی۔

اور دوران قید کہا کرتے تھے کہ میرے دشمن مجھ سے کیا چھین سکتے ہیں! میری جنت کہ جسے میں اپنے سینے میں لیے پھرتا ہوں۔ اور جب کسی ایسے شخص کی وفات کی اطلاع ملتی کہ جس نے ان کو بہت اذیت پہنچائی ہوتی تو اس کے اہل خانہ کے پاس جا کر افسوس کرتے اور کہتے کہ کوئی ضرورت ہو تو پوری کر دوں۔

ان کے حالات زندگی پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں کہ جن میں سے شیخ ابوزہرہ مصری رحمہ اللہ کی کتاب کافی معروف ہے۔ جناب رئیس احمد جعفری ندوی رحمہ اللہ نے اس کا ترجمہ "حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ" کے عنوان سے کیا ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ

بلاشبہ فکر اسلامی کی تجدید اور احیائے دین میں مولانا مودودی رحمہ اللہ کے حصے میں جو ملی خدمات آئی ہیں، وہ دوسروں کے حصے میں کم ہی آئی ہیں۔ ہمارا کون سا عالم دین ایسا ہے، جسے برصغیر پاک و ہند سے باہر دنیا ویسے ہی جانتی ہو جیسے سید مودودی علیہ الرحمۃ کو آج دنیا جانتی ہے۔ اور برصغیر پاک و ہند میں بھی جن لوگوں نے فکری، علمی، دعوتی اور تحریکی کام کیے ہیں، ان پر مولانا مودودی کے واضح

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اثرات موجود ہیں۔

مولانا علی میاں، مولانا اصلاحی، ڈاکٹر اسرار احمد رحمہم اللہ وغیرہ، ان سب کی "فکری تربیت" میں مولانا مودودی رحمہ اللہ کا بنیادی کردار رہا ہے۔ مولانا نے صرف برصغیر پاک وہند کو نہیں کیا بلکہ عالم اسلام کو متاثر کیا ہے۔ الاخوان المسلمون نے ان سے استفادہ کیا اور پھر اخوان نے حزب التحریر وغیرہ کی صورت میں اپنے بچے پیدا کیے۔ اور یہ بات سچ ہے کہ اگر سید مودودی رحمہ اللہ نہ ہوتے تو ہم فکری طور یتیم ہوتے۔ سید مودودی رحمہ اللہ نے ہمیں یہ اعتماد دیا کہ آج ہم مغرب پر کچھ تنقید کرنے کے اہل ہیں۔ اور دین پر عمل تو پہلے بھی ہو رہا تھا لیکن سید مودودی رحمہ اللہ نے ہمیں یہ بھروسا دیا کہ آج کے اس الحادی دور میں بھی ہم پورے اعتماد کے ساتھ دین پر عمل کر سکتے ہیں۔ بلاشبہ آج جماعت کی ایک خاتون جس اعتماد کے ساتھ یونیورسٹی میں پردہ کرتی ہے، وہ اعتماد روایتی پردہ کرنے والوں کو حاصل نہیں ہے، یہ اعتماد سید مودودی رحمہ اللہ نے مسلم سوسائٹی کو دیا۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ برصغیر پاک وہند میں تجدید واحیائے دین کے کام میں جن دو بڑی شخصیات پر ابن تیمیہ کے اثرات ہیں، وہ شاہ ولی اللہ دہلوی اور سید مودودی رحمہم اللہ ہیں۔ وہ ماہنامہ ترجمان القرآن، مئی 2004ء کے شمارے میں لکھتے ہیں:

> "ابن تیمیہ سے مولانا مودودی کی عقیدت بہت قدیم بھی ہے اور ابتداء میں بڑی شدید بھی تھی۔ مولانا کی جن کتابوں کو ان کے نظام فکر میں کلیدی حیثیت حاصل ہے، ان میں تجدید واحیائے دین ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ اس مقالے کے لکھے جانے سے کچھ ہی قبل، 1937ء اور 1938ء کے سالوں میں، مولانا نے ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید ابن القیم کی تصنیفات سے بہت استفادہ کیا۔"

ایک اور جگہ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> "ابن تیمیہ کے اثرات مولانا پر ایک دوسرے راستے سے بھی پہنچے۔ یہ راستہ شاہ محدث دہلوی کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ کے بارے میں بعض ارباب نظر کا کہنا ہے کہ اس کے بعض حصے ابن تیمیہ کی کتابوں کے براہ راست اثرات کے تحت لکھے گئے۔ اگر ایسا نہ بھی ہو تو بھی حجۃ اللہ البالغہ کے بعض ابواب اور ابن تیمیہ کے خیالات میں حیرت انگیز

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ مولانا نے 1938-1939ء میں حجۃ اللہ البالغۃ کے بعض حصوں کا ترجمہ کیا۔ یہ وہ حصے تھے جہاں شاہ ولی اللہ کے افکار اور ابن تیمیہ کے خیالات میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔"

ایک اور جگہ ڈاکٹر محمود احمد غازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"دونوں حضرات کی علمی اور دینی کاوشوں کا اہم ترین میدان تجدید واصلاح دین ہے۔ مسلمانوں میں رائج دینی تصورات کی قرآن وسنت کی روشنی میں تنقید اور کمزور پہلوؤں کی اصلاح ان دونوں شخصیتوں کے کام اور دل چسپی کا اصل میدان ہے۔ دونوں کو اپنے معاصر علما اور دینی اکابر کی شدید تنقیدوں کا سامنا کرنا پڑا ... یوں تو مولانا مودودی اور ابن تیمیہ دونوں کے ہاں عقل و نقل کا امتزاج یکساں طور پر پایا جاتا ہے لیکن اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ابن تیمیہ کا زیادہ زور نقل پر اور مولانا کا عقل پر ہے۔"

مولانا تقی عثمانی صاحب کا تبصرہ کتاب

عرصہ ہوا کہ عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کے موضوع پر راقم نے ایک کتاب تصنیف کی تھی کہ جس کی بعض اہل علم نے بہت زیادہ تحسین فرمائی۔ ابھی حال ہی میں ہمارے ایک فاضل دوست نے اسی حوالہ سے ایک پوسٹ لگائی کہ جس سے یہ احساس پیدا ہوا کہ اس موضوع پر ابھی تک لوگ الجھن میں مبتلا ہیں۔

ذیل میں اپنی کتاب اور اس پر جسٹس ریٹائرڈ مولانا تقی عثمانی صاحب کا تبصرہ کا فوٹو بھی شیئر کر رہا ہوں۔ مولانا تقی عثمانی صاحب کا یہ تبصرہ شیئر کرنے کا صرف مقصد یہ ہے کہ انہوں نے طالبانائزیشن، تکفیر، جہاد، نفاذ شریعت وغیرہ جیسے مسائل میں اس رائے کو معتدل قرار دیا ہے جو کہ میں نے اپنی اس کتاب میں پیش کی ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے اس کتاب کی اشاعت پر ٹیلی فون کے ذریعے بھی مبارک باد پیش کی ہے اور اسے وقت کی ایک اہم ضرورت قرار دیا۔

اس کے علاوہ جناب شیخ الحدیث ارشاد الحق اثری صاحب نے بھی بعض طلبۃ العلم کو ان مسائل میں راقم کی کتاب پڑھنے کی تجویز دی، وغیر ذلک کثیر۔ اس وقت مقصود یہ نہیں ہے کہ میں اپنی اس کتاب کی تعریف میں رطب اللسان رہوں کہ اس بات کے ذکر کرنے سے مجھے دلی طور شرمندگی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوتی ہے کہ جس میں میری تعریف کا کوئی پہلو نکل رہا ہو لہذا کافی عرصے بعد ایک ضرورت کے تحت یہ بات کر دی ہے۔ان علماء کی آراء ذکر کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ جن لوگوں کو ان علماء پر اعتماد ہے، وہ اس کتاب کا مطالعہ کریں اور جو لوگ ان مسائل میں غلط منہج اور رستے کو اختیار کر بیٹھے ہیں تو انہیں یہ کتاب پڑھنے کی تجویز دیں۔

دنیا میں شاید کسی کو کسی سے صد فی صد اتفاق نہ ہو لیکن اس کتاب میں کبار اہل علم کی نسبت سے جو رائے پیش کی گئی ہے، اس کے غالب حصہ سے اتفاق کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ خلاصہ یہی ہے کہ حکمرانوں کو کافر قرار دینے اور ان کے خلاف خروج کے رستے کسی مسلم ریاست کے اسٹرکچر کو گرانے کی کوشش کرنا پرلے درجے کی بے وقوفی ہے کہ اس قسم کے قائم اسٹرکچر کے بغیر دین کا عالمی غلبہ خواب وخیال سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہے۔

تین بڑے آدمی

میں اپنی زندگی میں جتنے لوگوں سے ملا ہوں تو ان میں سے تین کو بڑا آدمی پایا ہے؛ مولانا عبد الرحمن مدنی صاحب، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور احمد جاوید صاحب۔ تینوں کی صحبت میں رہنے اور ان سے براہ راست استفادہ کا موقع ملا اور ان تینوں کا میری شخصیت پر بہت گہرا اثر ہے اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میری شخصیت کی تعمیر اور تکمیل میں ان تینوں کا بہت حصہ ہے۔

ان تینوں اساتذہ اور شیوخ میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ فکری ذوق رکھنے والے ہیں جبکہ ان میں امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ مولانا عبد الرحمن مدنی صاحب تعلیم و تعلم، ڈاکٹر اسرار احمد صاحب دعوت و تحریک اور احمد جاوید صاحب تزکیہ و تربیت کے میدان کے آدمی ہیں۔

مجھے کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے کہ میری شخصیت میں تین پہلو نمایاں ہیں؛ علمی، تحریکی اور اخلاقی۔ اور ان تینوں حضرات میں یہ تینوں پہلو موجود تھے لیکن علمی شعور کی تکمیل مولانا عبد الرحمن مدنی صاحب کے مرہون منت ہے، تحریکی شعور ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ سے حاصل ہوا اور اخلاقی شعور کی بنیاد احمد جاوید صاحب کی صحبت سے پڑی۔ کبھی علمی شعور غالب آ جاتا ہے تو کبھی تحریکی اور کبھی اخلاقی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحریکی شعور غالب آ جائے تو مصلح بن جاتا ہوں اور اخلاقی شعور غالب آنے لگے تو صالح بننے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور علمی شعور غالب آ جائے تو پریشان ہو جاتا ہوں کہ صالح بننا ہے یا مصلح؛ یعنی اپنی اصلاح کو اہمیت دینی ہے یا دوسروں کی تربیت کو۔ اور عجب یہ ہے کہ اسی شعور کی روشنی میں اس الجھن میں وقتی طور اعتدال حاصل ہو جاتا ہے۔

پچھلے دنوں قاری حنیف ڈار صاحب نے احمد جاوید صاحب کی شخصیت پر اپنی وال سے کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی تو قلبی اذیت ہوئی۔ اور اب مبشر حسین لاہوری صاحب نے مولانا عبدالرحمن مدنی صاحب کی شخصیت کو بدنام کرنا چاہا تو ذہنی کوفت ہوئی حالانکہ لاہوری صاحب بھی مدنی صاحب کے شاگردوں میں سے ہیں۔ اللہ عزوجل ان دونوں حضرات کو ہدایت دے کہ وہ کوئی مثبت کام کر سکیں ورنہ کیچڑ تو پیغمبروں پر بھی بہت اچھالا گیا جبکہ وہ معصوم بھی تھے۔

چند دن پہلے استاذ محترم مولانا عبدالرحمن مدنی صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی تو سیر پر لے کر نکل پڑے۔ اور اکثر جب بھی حاضری ہوتی ہے تو سیر پر لے کر نکل جاتے ہیں اور خوب علمی بحثیں کرتے ہیں۔ جس پارک میں سیر کر رہے تھے تو اس کا چکر کوئی ایک کلو میٹر کا ہو گا تو چار چکر مکمل ہونے کے بعد مجھ سے کہنے لگے کہ ہم نے ایک چکر لگا لیا ہے؟ میں نے کہا نہیں، یہ چوتھا ہے۔ میرا تھکاوٹ سے برا حال تھا اور وہ پچھتر سال سے اوپر ہونے کے باوجود علمی بحث کے دوران اپنے آپ کو یوں محسوس کر رہے تھے جیسے بیس سال کا جوان ہو۔

برادر محترم طاہر الاسلام عسکری صاحب کا شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے بروقت استاذ محترم کے دفاع میں مبشر حسین لاہوری صاحب کو ریسپانس کیا۔ جزاکم اللہ خیرا! رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی تعظیم اور ادب نہ کرے۔ یہ دین ہم میں ایک نظام درجات قائم کرتا ہوں کہ جس میں کوئی چھوٹا ہے اور کوئی بڑا۔ اور اسی نظام درجات کا تقاضا ہے کہ شاگرد اپنے استاذ کا احترام کرے اور اس پر یوں تنقید نہ کرے کہ جسے استاذ اپنے لیے گالی سمجھے۔

احمد جاوید صاحب

بہت سے دوست اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ اپنی اصلاح کرنا چاہتے ہیں لیکن ہوتی نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ گناہ کی عادت ترک کرنا چاہتے ہیں لیکن گناہ چھوٹتا نہیں ہے۔ تو جن دوستوں کو اپنے تزکیہ نفس کی خواہش اور شوق ہو لیکن اس کے باوجود کچھ کرنے کی ہمت نہ ہوتی ہو تو کیا کریں؟

ان دوستوں کے لیے تجویز ہے کہ وہ احمد جاوید صاحب کے جمعہ کے اصلاحی درس میں شریک ہوا کریں جو کہ ان کے گھر ہی پر مغرب کے بعد منعقد ہوتا ہے۔ ان شاءاللہ! امید ہے کہ چھ ماہ اور سال کی مسلسل شرکت سے نیکی کرنا آسان لگے گا اور گناہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔

البتہ میں نے تزکیہ نفس میں ایک اصول کو بنیاد کی حیثیت سے جانا ہے اور یہ تزکیہ نفس کے باب کا خلاصہ ہے کہ اگر خود سے تزکیہ کی طلب اور کوشش نہ ہو گی تو نبی کی صحبت سے بھی فائدہ نہ ہو گا۔ بس اس کو جان کر کسی صاحب حال کی صحبت میں کچھ عرصہ گزاریں تو آپ کی زندگی تبدیل ہو جائے گی۔ ابو جہل کو نبی کی صحبت کا فائدہ نہ ہوا اور نہ ہی منافقین کو کہ اندر طلب موجود نہ تھی۔ تو تزکیہ نفس میں شیخ کا بھی کمال ہوتا ہے لیکن آپ کا کمال شیخ کے کمال سے زیادہ ہوتا ہے۔

حامد کمال الدین صاحب

مدیر "ایقاظ" حامد کمال الدین صاحب کا حالیہ آرٹیکل جو کہ "دلیل" ویب سائیٹ پر پبلش ہوا ہے اور بعد ازاں سید عدنان کاکاخیل صاحب نے اسے اپنی وال سے پبلش کیا ہے، بہت اہم ہے۔ ہر تحریکی ذہن کو اس آرٹیکل کا کھلے دل و دماغ سے مطالعہ کرنا چاہیے۔ بلاشبہ یہ وہ حکمت اور فراست ہے جو فی زمانہ تحریکی ذہن سے مطلوب ہے، اور اس کا ہونا بہت ضروری ہے۔

حامد کمال الدین صاحب کے آرٹیکل بعنوان "آپ فی الوقت ان دونوں پارٹیوں کے سوتیلے ہیں" کا خلاصہ یہ ہے کہ پاکستانی مذہبی سیاسی جماعتیں ملکی سیاست میں بری طرح ناکام ہیں اور وقت کی ایک اہم ضرورت یہ ہے کہ ایک ایسی مذہبی سیاسی جماعت وجود میں آئے جو طیب اردوغان کی طرح کی سیاسی جماعت ہو؛ یعنی فکری طور تو مذہبی ذہن ہو لیکن حلیے کے اعتبار سے مذہبی نہ ہو بلکہ عام سیاسی جماعت کے جیسی سیاسی جماعت ہو کہ جس کا نعرہ اسلام اور خلافت کی بجائے عدل اور ویلفیئر ہو۔ اور ایسی جماعت ملکی سیاست میں ایک مین۔ سٹریم جماعت بن کر اوپر آسکتی ہے اور کچھ کام کر سکتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس آرٹیکل میں دونوں سیاسی جماعتوں سے ان کی مراد جماعت اسلامی اور جمعیت علمائے اسلام ہے۔ اور سوتیلے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان جماعتوں کے کارکنان اور محبان اپنے آپ کو ان جماعتوں کا سوتیلا سمجھ کر ان کا یہ مضمون پڑھیں گے تو کچھ فائدہ حاصل ہوگا ورنہ جماعتی عصبیت کسی بھی قسم کی بصیرت اور سوجھ بوجھ پر غالب آجاتی ہے۔ حامد کمال الدین صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ ساتھ مذہبی جماعتوں اور اسلامی تحریکوں کا الگ سے معاشرے میں وجود بھی ضروری ہے کہ اس کے اور بہت سے دینی، اخلاقی اور سماجی فوائد ہیں۔ تمام تحریکی حضرات اس آرٹیکل کو بغور پڑھیں کہ آرٹیکل میں گہرائی بہت ہے۔ مجھے اس میں پیش کیے گئے فکر سے صد فی صد اتفاق ہے۔

ادریس آزاد

ادریس آزاد صاحب کا موضوع "فلاسفی آف سائنس" ہے۔ مختلف یونیورسٹیز میں اس حوالے سے ورکشاپس کرواتے رہتے ہیں۔ الحاد (Atheism) کے خلاف ان کی تحریریں بہت ہی جاندار، دلچسپ اور سنجیدہ ہوتی ہیں۔ مشکل مباحث کو بہت ہی آسان انداز میں بیان کرنے کا ملکہ انہیں حاصل ہیں۔

جو دوست بھی سائنس یا فزکس کے طالب ہوں یا جنہیں "فلاسفی آف سائنس" یا نظریاتی فزکس سے دلچسپی ہو تو وہ ان کو ضرور پڑھیں بلکہ ایک دن ان کی ویب سائیٹ پر گزاریں۔ ان کی ویب سائیٹ کا ایڈریس شیئر کر رہا ہوں۔[1]

استاذ نعمان علی خان

استاذ نعمان علی خان ایک پاکستانی امریکی ہیں جو پچھلے بیس سال سے امریکہ میں قرآن مجید اور عربی زبان کی جدید انداز اور اسلوب میں تعلیم کے لیے بے پناہ محنت کر رہے ہیں۔ "بینة" (Bayyinah) کے نام سے ایک انسٹی ٹیوٹ چلاتے ہیں، ان کے شاگرد ہزاروں میں جبکہ فالوورز لاکھوں میں ہیں۔ میں نے ان کی کچھ ویڈیوز دیکھی ہیں، قرآن مجید کی تفہیم کا ایسا خوبصورت اور نادر انداز کہ جس سے اللہ کی کتاب سے مردہ تعلق میں جان پڑ جائے۔

[1] http://www.idrisazad.com

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ڈیلی پاکستان کی ایک خبر فیس بک پر گردش کر رہی ہے کہ نعمان علی خان پر ان کے بعض دوستوں کی طرف سے الزام لگایا گیا ہے کہ وہ اپنی فالوور خواتین کے ساتھ "غیر مناسب" تعلق رکھتے ہیں اور اس الزام میں "غیر مناسب" کی وضاحت نہیں ہے۔ نعمان علی خان نے اس کے جواب میں یہ کہا ہے کہ دو سال پہلے ان کی طلاق ہو چکی لہذا انہوں نے بعض خواتین سے نکاح کے سلسلہ میں رابطہ کیا تھا۔ بس بات اتنی تھی کہ جسے اچھال دیا گیا۔

جو شخص بھی دین کا کوئی بڑا کام کرے گا، اسے ایسے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مولانا شبلی نعمانی رحمہ اللہ پر اردو زبان کے ایک بہت بڑے محقق صاحب نے کتاب لکھ دی کہ انہوں نے ادھیڑ عمر عطیہ بیگم سے عشق میں گزار دی۔ بھائی، اب مولانا شبلی شاعر تھے، انہوں نے عشقیہ شعر و شاعری بھی کی ہے۔ چلیں، نہیں کرنی چاہی تھی، اتنی بات تو ہو سکتی ہے لیکن محقق صاحب یہ دعوی کریں کہ شبلی یہ شعر عطیہ بیگم کے لیے کہتے تھے، تو یہ الزام لگانا مناسب نہیں ہے۔ چاہے وہ کرتے بھی ہوں کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ ایک مرتبہ تقریر کے لیے کھڑے ہوئے۔ سیاسی مخالفین نے ایک لڑکے کو تیار کیا ہوا تھا کہ مولانا کی تقریر ختم ہونے کے بعد جلسے میں کھڑے ہو کر یہ کہنا کہ مولانا کے میرے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں۔ آزاد تقریر کر کے سٹیج پر بیٹھے ہی تھے کہ شور ہو گیا۔ سٹیج پر موجود کسی شخص نے آزاد سے کہا کہ سپیکر پر جا کر وضاحت کیجیے تو وہ کہنے لگے کہ اس لڑکے کی بات کچھ لوگوں نے سنی ہو گی اور کچھ نے نہیں۔ اور جنہوں نے سنی وہ بھی جلسے کے بعد بھول جائیں گے۔ اگر آزاد نے اسپیکر پر آ کر وضاحت شروع کر دی تو ایک تو سارا مجمع سنے گا اور دوسرا یہ بھی سوچیں گے کہ کوئی بات ہے تو وضاحت ہو رہی ہے۔

کچھ مخالفین نے مولانا مودودی رحمہ اللہ کے بارے بھی لکھ دیا کہ وہ مریم جمیلہ میں انٹرسٹڈ تھے۔ اول تو ہمارے پاس اس کے کوئی شواہد نہیں ہیں اور اگر تھے بھی تو کیا ہوا؟ شادی ہی کے لیے انٹرسٹڈ ہوں گے ناں، تو اس میں گناہ ہی کیا ہے؟ اللہ عزوجل نے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے سورۃ الاحزاب میں فرما دیا کہ اب آپ کے لیے کسی اور عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے چاہے آپ کو اس کا حسن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتنا ہی کیوں نہ بھائے۔ ایک دیندار آدمی کسی دیندار خاتون سے شادی میں انٹرسٹڈ ہو اور اس کی کوئی صورت نکل آئے تو بہت اچھا، اور نہ نکلے تو اللہ اللہ خیر سلا!

اصل میں ہوتا کیا ہے کہ جن لوگوں نے دین میں کوئی بڑا کام کیا ہے تو ان کے فالوورز میں مرد بھی ہوتے ہیں اور خواتین بھی۔ اور لوگوں کو ان کی دینی خدمات کی وجہ سے ان سے ایک محبت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح شاگرد اپنے استاذ سے بہت جلد اور زیادہ متاثر ہو جاتا ہے اور اگر مخالف جنس سے ہو تو تعلقات میں پیچیدگی بڑھ جاتی ہے جیسا کہ عموماً پی۔ ایچ۔ ڈی کروانے والے میل سپر وائزر اور فی میل اسٹوڈنٹ کے تعلقات میں پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ بھئی، اسلامیات والے کا کیا ہے، وہ دوسری شادی ہی کرے گا ناں، مسئلہ تو لبرلز کا ہے، جو گندماریں گے۔

ڈاکٹر بلال فلپ نے چار شادیاں کر لیں، چلیں شادیاں ہی کی ہیں ناں۔ عطاء الرحمن ثاقب صاحب نے اپنی شاگردہ سے شادی کر لی، چلیں شادی ہی کی تھی ناں۔ لہذا ایسی باتوں کو سکینڈل بنا کر پیش نہ کریں۔ وہ بھی انسان ہی ہیں، فرشتے نہیں ہیں۔ کیا آپ کے لیے اتنا کافی نہیں ہے کہ ان کا کوئی فزیکل ریلیشن شپ نہیں تھا، وہ کہیں ڈیٹ پر نہیں جاتے تھے، انہوں نے فحش گفتگو نہیں کی۔ تو بھئی یہ تو ان کا تقوی ہے کہ ایسے مواقع اگر آپ کو میسر آ جاتے تو آپ یہ سب کر گزرتے۔ اور ان کے بارے صرف اتنی بات کہ وہ کسی میں شادی کے لیے انٹرسٹڈ تھے، بس بات کا بتنگڑ بنا دیا اور اگلے کی پوری کی پوری شخصیت ہی مسخ کر دی۔

باقی داعیان دین کو محتاط ہونے کی ضرورت ہے، اس میں شک نہیں ہے، خاص طور اپنی فی میل فالوورز سے کہ مخالف جنس کی کشش فطری ہے۔ اب اگر عورت پر اس کا دل نہیں آئے گا تو کیا گدھے گھوڑے پر آئے گا؟ بی۔ بی۔ سی کے مطابق کیمسٹری کی ایک انٹرنیشنل کانفرنس میں ایک بہت بڑے پروفیسر کے اس جملے پر میڈیا میں بڑی لے دے ہوئی کہ انہوں نے کہا کہ ہمیں یعنی پروفیسرز کو اب اس بات کا اقرار کر لینا چاہیے کہ جب فی میل اسٹوڈنٹ لیب میں ہمارے ساتھ کام کرتی ہے اور اس سے کام نہیں ہو پاتا تو اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر ہم اس کے ساتھ ایک پیچیدہ تعلق میں بندھ جاتے ہیں اور تعلق آگے آ جاتا ہے اور تحقیق پیچھے رہ جاتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو تعلق کی اس پیچیدگی کا سامنا ہمیں ہر اس جگہ ہو رہا ہے جہاں مخالف جنس کے ساتھ انٹرایکشن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس پر ڈسکشن ہونی چاہیے۔ کوئی بھی طبقہ اس پر ڈسکشن کے لیے تیار نہیں ہے؛ نہ دنیادار اور نہ ہی دین دار۔ ایک پیر صاحب سے ان کے مریدوں کو جذباتی وابستگی ہو جاتی ہے، اور مریدوں میں عورتیں بھی ہوتی ہیں۔ مولانا ذوالفقار نقشبندی صاحب کے بارے بھی کچھ ایسی باتیں ہوئی تھیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کو مخالفین نے طعنہ دیا کہ اپنی مرید سے دوسری شادی کر لی ہے۔ تو شادی ہی کی ہے نا بھائی، کوئی بھگا کر تو نہیں لے گئے تھے۔ تو میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ میلان، رجحان اور جذباتی وابستگی نیچرل ہے اور قانون فطرت کے عین مطابق ہے۔

اصل یہ ہے کہ آپ نے اس کو ہینڈل کیسے کیا ہے، دیندار آدمی اگر اس میں الجھ گیا تو اسے شادی کی طرف لے جائے گا یا حکمت سے معاملہ ختم کر دے گا لیکن دنیادار گناہ اور فسق وفجور اور ظلم وزیادتی کی طرف لے جائے گا۔ اب تو یونیورسٹی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کے میل اسٹوڈنٹس میں یہ معروف ہے کہ فی میلز کے لیے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری لینا کون سا مشکل کام ہے؟ تعلقات کی اس پیچیدگی سے بچنا چاہتے ہیں تو اس میں اصل نکتہ یہی ہے کہ حجاب قائم رکھیں اور حجاب کا مطلب ہچکچاہٹ (hesitation) کہ تعلقات میں اتنا تکلف ہو کہ اگلا آپ سے کھل کر بات نہ کر سکے۔ یہ کیا حجاب ہے کہ نقاب بھی اوڑھا ہوا ہے اور بے تکلفی ایسی جیسے بہن بھائیوں میں ہوتی ہے۔ تو استاذ نعمان علی خان، آئی لو یو برادر۔ اللہ آپ کو اس آزمائش پر صبر جمیل عطا فرمائے۔

ایک دوست نے کہا کہ آپ نے نعمان علی خان کے لیے ہمارے اکابر کی بے عزتی فرما دی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جتنی باتیں میں نے کی ہے، یہ امر واقعہ ہیں۔ ان میں سے کوئی بات خلاف واقعہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ کے اکابر آپ کے نزدیک کوئی فوق الفطرت ٹائپ مخلوق ہوں گے جیسا کہ مغرب میں سپرمین وغیرہ کے تصورات ہیں جبکہ میری نظر میں وہ عام انسان ہی تھے۔ انسانوں سے ایسے رویوں کی ہی امید کی جا سکتی ہے اور کی جانی چاہیے۔ کسی کے اچھا ہونے کا بس اتنا مطلب ہے کہ اس میں اچھائی غالب ہے، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ فرشتہ ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اعلی حضرت کی فقہی بصیرت

مجھے اعلی حضرت کے فقیہ ہونے میں ہر گز شک نہیں ہے لیکن ان کے فتاوی کا مطالعہ کرتے ہوئے کبھی کبھار ان کی فقہی بصیرت پر سوال پیدا ہو جائے تو اسے ہر گز گستاخی پر محمول نہ کیا جائے۔ اور اس سوال کے پیدا کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ کوئی بریلوی صاحب علم اس اشکال کو دور کر دیں تو اعلی حضرت کے مقام و مرتبے پر اعتماد میں اضافہ ہو گا۔

اعلی حضرت نے غیر مقلد سے نکاح کے بارے سوال کے جواب میں کہا ہے کہ وہابی مرد اور عورت مرتد ہیں اور ان کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا، نہ کافر سے، نہ مرتد سے، نہ مسلمان سے، نہ انسان سے، نہ حیوان سے، اور اگر کسی سے کیا بھی تو زنا خالص ہو گا۔ [فتاوی رضویہ: 510/11-511]

وہابی مرد اور عورت کا نکاح، سنی مرد اور عورت سے نہیں ہو سکتا، یہ نکتہ تو سمجھ میں آتا ہے لیکن وہابی مرد اور عورت کا نکاح آپس میں بھی نہیں ہوتا اور اگر وہ نکاح کر بھی لیں تو زنا کر رہے ہیں، یہ نکتہ سمجھ نہیں آیا۔ اور اگر کوئی سنی عالم دین یہ بھی بتلا دیں کہ وہابی مرد اور عورت اگر نکاح کرنے کے بعد رہ رہے ہوں تو ان پر زنا کی حد نافذ ہو گی یا نہیں؟ تو ممنون ہوں گا۔ اللہ ہماری امت کو ایسے شدت پسند مولویوں سے بچائے کہ انہوں نے ہی اس امت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کے دلوں میں بغض اور نفرت کے بیج بوئے۔

فاضل بریلوی اعلی حضرت کو رحمہ اللہ کہنا

ایک دوست نے پوچھا کہ اعلی حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کے نام کے ساتھ رحمہ اللہ کیوں نہیں لکھ سکتے؟ میں نے جواب دیا کہ لکھیں، ضرور لکھیں لیکن اعتدال ملحوظ رہے۔ انہوں نے کہا کہ اعتدال کیا ہے؟ میں نے کہا کہ بس مظلوم کی دل آزاری نہ ہو۔ انہوں نے کہا کہ بات سمجھ نہیں آ رہی۔ میں نے کہا کہ سمجھاتا ہوں۔

اس وقت مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب کی چھ سات کتابیں یا رسائل میرے سامنے کھلے ہے کہ جن میں حسام الحرمین، فتاوی افریقہ، الکوکبة الشهابية في كفريات أبي الوهابية، سل

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

السیوف الهندیة علی کفریات بابا النجدیة، ازالة العار بحجر الکرائم عن کلاب النار، الدلائل القاهرة علی الکفرة النیاشرة وغیرہ شامل ہیں۔ جبکہ ان کتابوں کے رد میں لکھی گئی علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب کی کتاب "بریلویت: تاریخ وعقائد" بھی سامنے ہے۔

فاضل بریلوی اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب کا اپنی کتابوں اور رسائل میں کہنا ہے کہ دیوبندی علماء مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا اشرف علی تھانوی کے کفر میں کوئی شک نہیں ہے اور جو انہیں کافر کہنے میں توقف کرے تو اس کے کفر میں بھی کوئی شک نہیں۔ اعلیٰ حضرت کا یہ بھی کہنا ہے کہ اہل حدیث علماء مولانا ثناءاللہ امرتسری اور علامہ نذیر حسین دہلوی کافر، مرتد اور اسلام سے خارج ہیں۔

اعلیٰ حضرت کا کہنا ہے کہ دیوبندی اور نجدی [یعنی سعودی] دونوں کافر ہیں اور جو ان کو کافر نہ کہے تو وہ بھی انہی کی طرح کافر ہے اور قیامت میں یہ ایک ہی رسی سے باندھے جائیں گے۔ اعلیٰ حضرت کا کہنا ہے کہ دیوبندیوں کا جنازہ پڑھنا اور مسلمانوں کے قبرستان میں ان کو دفن کرنا حرام ہے اور علمائے اہل حدیث اور ان کی پیروی کرنے والے کافر ہیں۔ وہابیوں اور ان کے پیشوا شاہ اسماعیل صاحب کا کفر ایسا یقینی، قطعی اور ثابت ہے کہ ان کے کلمہ پڑھنے کا بھی انہیں کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اعلیٰ حضرت کا کہنا ہے کہ غیر مقلدین، پکے بے دین، شیاطین اور ملاعین ہیں۔ غیر مقلدین، جہنم کے کتے ہیں۔ وہابیہ، ہندوؤں سے بدتر ہیں۔ جس نے کسی وہابی کی نماز جنازہ پڑھی، وہ دوبارہ اسلام قبول کرے اور دوبارہ نکاح پڑھوائے۔ دیوبندی عالم دین مولانا رشید احمد گنگوہی کو جہنم میں پھینک کر کہا جائے گا: ذق الأشرف الرشید یعنی اے رشید جہنم کا عذاب چکھ۔ اعلیٰ حضرت نے اس کے علاوہ بہت کچھ اپنی کتابوں، رسائل اور فتاوی میں اپنے مخالفین کو کہا ہے کہ جو پڑھنے کے لائق بھی ہے اور تبصرہ کرنے کے بھی۔

ہاں تو اب جناب فاضل بریلوی اور اعلیٰ حضرت کو رحمہ اللہ کہہ لیں، بلکہ رضی اللہ عنہ کہہ لیں یا علیہ السلام کہہ لیں، تو ان شاءاللہ! مظلوم کی دل آزاری نہیں ہوگی۔ توازن اور اعتدال اسی کا نام ہے۔

اور بعض بریلوی علماء مثلاً مولانا محمد طیب ہمدانی اور مولانا حشمت علی صاحب کا "تجانب أهل

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

السنة" میں یہ بھی کہنا ہے کہ علامہ اقبال نے اپنی نظموں کے ذریعے دہریت، الحاد اور زندیقیت پھیلائی ہے تو وہ مسلمان کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور مسٹر محمد علی جناح تو قطعی طور مرتد اور خارج اسلام ہے اور جو محمد علی جناح کے کافر ہونے میں شک کرے تو وہ بھی کافر اور مرتد ہے۔ مولانا طیب ہمدانی تو مولانا حشمت علی کے داماد ہیں اور مولانا حشمت علی خان صاحب، مولانا احمد رضا خان صاحب کے خلیفہ مجاز ہیں۔ یہ بات درست ہے کہ علامہ اقبال اور قائد اعظم پر اعلی حضرت نے کفر کے فتوے نہیں لگائے لیکن دیوبندیوں، اہل حدیثوں وغیرہ پر کفر کے فتوے لگا لگا کر اعلی حضرت صاحب اپنے پیروکاروں کی جو تربیت فرما گئے تھے، اس کا نتیجہ یہی نکلنا تھا کہ ان کے خلفاء علامہ اقبال اور قائد اعظم تک کو کافر بنا گئے۔

اور اب تو بریلوی علماء کی شدت پسندی کا جو عالم ہے، الامان والحفیظ کہ ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہیں۔ مفتی محمد حسین قادری رضوی سمیت بریلی شریف کے چھ علماء نے جسٹس ریٹائرڈ پیر محمد کرم شاہ ازہری صاحب کو کافر قرار دیا اور اس بارے صرف فتوی دینے پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ انہیں کافر ثابت کرنے کے لیے ایک کتاب "جسٹس محمد کرم شاہ صاحب کے اہل سنت وجماعت سے مختلف اعتزالی نظریات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ مع اہم فتاوی" بھی شائع کی۔ علامہ مفتی محمد فضل رسول سیالوی صاحب نے پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب کو کافر ثابت کرنے کے لیے "طاہر القادری کے خلاف قرآن کی فریاد اپنے ماننے والوں سے" کے نام سے کتاب لکھی ہے۔ بریلوی علماء کے اسی طرح کے فتوے دعوت اسلامی اور ان کے امیر مولانا محمد الیاس قادری صاحب کے بارے میں بھی مل جائیں گے۔

البتہ بریلوی علماء میں پیر مہر علی شاہ صاحب اور پیر کرم شاہ ازہری صاحب دونوں علماء ایسے ہو گزرے ہیں کہ جو معتدل تھے اور انہوں نے دوسروں کو کافر نہیں کہا۔ ہماری رائے میں جب تک بریلوی مسلک کا امام اعلی حضرت کی جگہ پیر مہر علی شاہ صاحب کو نہیں بنایا جاتا، اس وقت تک اس مسلک سے شدت پسندی کو علیحدہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ ظاہری بات ہے کہ جسے آپ امام بنائیں گے، اس کی زبان، اس کا لب ولہجہ، اس کی سوچ، اس کی فکر، اس کا نظریہ، اس کی شدت پسندی، اس کی انتہا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پسندی، اس کا مزاج وغیرہ تو مسلک کے لوگوں کی نفسیات کا حصہ بنے گا۔

ڈاکٹر خضر یاسین صاحب کی تکفیری مہم

کئی ایک دوستوں نے سوال کیا کہ ڈاکٹر خضر یاسین صاحب کی فکر کے بارے کیا رائے ہے۔ میں نے عرض کیا کہ ایک نئی تکفیری مہم ہے کہ جس میں ختم نبوت کے نام پر ساری امت کو کافر بنانے کا مذہبی فرض سرانجام دیا جارہا ہے۔ اس فکر کا کہنا ہے کہ احادیث، تفاسیر اور فقہ کی کتب، سب کی سب، ختم نبوت میں نقب زنی ہے۔ اور محدثین، مفسرین اور فقہاء، سب کے سب، ختم نبوت کے منکر ہیں۔ بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث مفسرین اور علماء ان کے نزدیک نئے قادیانی ہیں۔ معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!

اچھی بات تو یہ ہے کہ اس فکر میں فصاحت نہیں ہے اور ان کے کلام میں گرہیں بہت ہوتی ہیں لہذا بہت کم لوگوں کو بات سمجھ آتی ہے لیکن اب آکر کچھ ایسی بے ہودہ باتیں سامنے آنا شروع ہو گئی ہیں کہ جس سے لوگوں کو اس فکر کے مخبوط الحواس ہونے کا یقین ہونے لگا ہے۔ مثلاً اس فکر کا کہنا ہے کہ قرآن مجید نے جانوروں میں سے صرف خنزیر کو حرام کیا ہے لہذا خنزیر کے علاوہ کسی جانور کو حرام کہنا ختم نبوت کا انکار ہے۔ فیا للعجب!

اب مجھے دوست کہتے ہیں کہ میں اس فکر کا رد کروں۔ بھئی! مجھے تو سمجھ ہی نہیں آرہی کہ رد کس چیز کا کریں۔ رد تو کسی ایسی چیز کا ہوتا ہے کہ جس کی کوئی بنیاد ہو۔ رد تو اس کا ہوتا ہے کہ جس کی کوئی دلیل ہو۔ یہاں دلیل تو ہے کوئی نہیں، بس صرف جذبات کا بخار ہے۔ اور اس بخار کی کرامات ہیں کہ مفکر صاحب صبح شام ایمان، کفر اور نفاق کے سرٹیفکیٹ بانٹنے میں لگے ہیں۔

اور جہاں آپ دلیل دیں گے تو مفکر صاحب استغفار کی تسبیح شروع کر دیں گے۔ ویسے جیسی ان کی فکر ہے، اس حساب سے تو ان کے لیے استغفار نہیں، بلکہ سید الاستغفار بنتا ہے۔ باقی ختم نبوت کا یہ خود ساختہ تصور جس جہالت پر کھڑا ہے، اس پر اجتہاد کے نام سے ایک علیحدہ تحریر میں روشنی ڈالوں گا۔ آپ کو ایمان کی سند چاہیے تو ان بے ہودہ افکار پر ایمان لے آیئے۔ اور اگر کافر اور منافق ہونے کا سرٹیفکیٹ چاہیے تو ان سے اختلاف کر لیں۔ ویسے اختلاف ہی کر لیں تو بہتر ہے کہ امت کی چودہ سو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سالہ تاریخ میں ایسی مخبوط الحواس فکر پہلی مرتبہ ہی پیش ہوئی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ علمی فتنے ہر گز نہیں ہے کہ علم کا تو نام ونشان نہیں ہے، یہ فکر معاشرے کی اخلاقی گراوٹ کا نتیجہ ہے، امت کے گناہوں کی سزا ہے۔

بھئی خلاصہ یہی ہے، اس قسم کی فکر دراصل امت کے اجتماعی گناہوں کی سزا ہیں۔ امت آج توبہ کر لے تو مسلمان معاشروں میں ایسے بے ہودہ افکار پیدا ہونا بند ہو جائیں گے۔ اور اب تو اسلام کے نام پر نت نئے افکار کا ایک ایسا جنگل آباد ہو رہا ہے کہ ہم اور کسی شے میں نہ سہی لیکن مفکرین کی ایکسپورٹ میں ضرور خود کفیل ہو سکتے ہیں۔ ان چار پانچ ہزار معاصر فقیہان حرم سے وہ اگلے وقتوں کے چار پانچ ہی بھلے۔ یہ انفرادیت (individualism) کے فلسفے کا نتیجہ ہے کہ اب ہر فرد اپنی جگہ ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے، نہیں بلکہ سند بننا چاہتا ہے۔

قرآن مجید کا ترجمہ، خلاصہ اور تفسیر حرام ہے؟

ڈاکٹر خضر یاسین صاحب کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ، خلاصہ اور تفسیر حرام ہے کہ ان کے بقول ترجمہ، خلاصہ اور تفسیر اللہ کے کلام میں اضافہ کرنے کے مترادف ہے۔ اور تماشا یہ ہے کہ خود اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کے لیے ڈاکٹر صاحب قرآن مجید کا ترجمے پر ترجمہ اور تفسیر پر تفسیر کیے جا رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> "اللہ تعالی نے خنزیر کے سوا کسی جانور کا گوشت حرام نہیں فرمایا، الا یہ کہ مردہ کا گوشت کھانا حرام، زندہ جانور کا گوشت کھانا حرام ہے اور اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے جانے والے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے۔ مردہ جانور کا گوشت حرام ہے چاہے وہ گلا گھٹنے، چوٹ لگنے، گرنے اور سینگ لگنے سے مر جائے۔"

کوئی ڈاکٹر صاحب سے پوچھے کہ مردہ جانور کا لفظ قرآن مجید میں کہاں ہے؟ قرآن مجید میں تو "میتة" کا لفظ ہے۔ اللہ عزوجل نے "میتة" کو حرام کہا ہے، اور یہ کہہ رہے ہیں کہ مردہ جانور حرام ہے۔ یہ تو ترجمہ کر رہے ہیں، حرام کام کر رہے ہیں، کیا اللہ پر بہتان لگا رہے ہیں؟ مردہ جانور کو حرام کہہ رہے ہیں؟ مردہ جانور تو ان کے ترجمے سے حرام ہوا ہے نہ کہ قرآن مجید سے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح قرآن مجید نے تو ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ [المائدۃ: 3] کہا ہے اور ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ مردہ کا گوشت کھانا حرام ہے۔ یہ گوشت اور کھانا دو الفاظ کا انہوں نے قرآن مجید میں اضافہ کر دیا ہے۔ قرآن مجید میں اپنی تفسیر سے اضافہ کر رہے ہیں۔ اچھا! اب یہ شارع بھی بن گئے ہیں۔ استغفر اللہ! استغفر اللہ! یہ وہ منطق ہے جو ڈاکٹر صاحب ختم نبوت کے نام پر دوسروں کے خلاف استعمال کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"سنو پرانے اور نئے قادیانیو! میرے سامنے، خنزیر کے سوا کسی جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کرو میں اس کا گوشت نہ کھاؤں تو مسلمان نہیں۔ خدا کی قسم حدود نبوت میں تمہیں قدم رکھنے دوں گا اور نہ حدود نبوت کو تمہیں دھندلانے دوں گا۔"

ڈاکٹر صاحب کہہ رہے ہیں کہ خنزیر کے علاوہ ہر جانور ان کے لیے حلال ہے اور پرانے اور نئے قادیانیوں کا ذبیحہ بھی ان کے لیے حلال ہے۔ یہ ڈاکٹر صاحب قرآن مجید کی تفسیر نہیں کر رہے تو اور کیا کر رہے ہیں کہ حلال تو ان کے نزدیک قرآن مجید ہی سے ثابت ہوتا ہے۔ اور قرآن مجید میں تو واضح طور خنزیر کے علاوہ جانوروں کو نہ تو حلال کہا گیا اور نہ ہی نئے یا پرانے قادیانیوں کے ذبیحے کا ذکر ہے۔

پس کسی باطنی تفسیر سے ہی ڈاکٹر صاحب ثابت کر سکتے ہیں کہ پرانے اور نئے قادیانی خنزیر کے علاوہ کتا بلا بھی اللہ کے نام پر ذبح کر دیں تو اس کا کھانا ڈاکٹر صاحب کے لیے حلال ہو گا۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ ان کا ختم نبوت پر ایمان اتنا پکا ہے کہ قادیانیوں سے ذبح کروانے اور اس ذبیحہ کے کھانے سے بھی اس ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا۔

مولانا امجد عباس صاحب

ہر مذہب اور مسلک میں جہاں آپ کو خوارج اور غالی فکر کے علماء ملیں گے کہ جو اپنے علاوہ کسی کو مسلمان نہ سمجھتے ہوں گے، اسی طرح ہر مذہب اور مسلک میں کچھ ایسے علماء بھی ہوتے ہیں جو دوسرے مذاہب اور مسالک سے زیادہ اپنے مذہب اور مسلک کی اصلاح کے لیے فکر مند رہتے ہیں۔ شیعہ مذہب میں در آنے والی خرافات کی اصلاح اور مذہبی انتہا پسندی کے خاتمہ کے لیے جن شیعہ علماء نے بہت سی قربانیاں دیں، ان میں معروف ایرانی عالم الامام الاکبر سید ابو الحسن الموسوی الاصفہانی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اُن کے پوتے ڈاکٹر موسیٰ الموسوی کی کوششیں خاص طور پر قابل تعریف ہیں۔

علاوہ ازیں علامہ آیت اللہ شریعت سنغلجلی، سید ابوالفضل آیت اللہ العظمی البرقعی، الاستاذ علی الاکبر حکمی زادہ، علامہ ڈاکٹر علی شریعتی، علامہ نعمت اللہ صالحہ نجف آبادی، الاستاذ حیدر علی بن اسماعیل قلمداران، السید مصطفی طبطبائی، علامہ احمد کسروی، سید حسن الموسوی کربلائی نجفی رحمہم اللہ اور ہمارے فیس بک کے دوست امجد عباس جیسے شیعہ علما کی کوششیں خراجِ تحسین کے لائق ہیں۔ یہ حضرات نہ صرف اپنے مذہب کے مصلحین ہیں بلکہ شیعہ سنی اتحاد اور مفاہمت میں بھی ان کا کام قابل تعریف ہے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ اس قسم کی کاوشوں کے نتیجے میں شیعہ سنی اختلافات ختم تو نہ ہوں گے لیکن قابل برداشت ضرور ہو جائیں گے۔

ان شیعہ علماء میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ جن پر اہل تشیع کی طرف سے یہ طعن بھی کیا گیا کہ وہ شیعیت ترک کر چکے ہیں لیکن ہماری رائے میں یہ طعن درست نہیں ہے۔ ہر مکتب فکر میں جب کچھ علماء نے اس مکتب فکر کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تو انہیں سب سے پہلے اپنے مکتب فکر کے لوگوں کی طرف سے یہی طعن سننے کو ملا کہ وہ مکتب فکر کو چھوڑ چکے ہیں۔ بلاشبہ ہر مذہب اور مسلک میں مذہبی دوکانداروں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے جو دوسرے مذہب اور مسلک کے خلاف اپنے لوگوں کے جذبات کو بھڑکا کر خوب اپنی دنیا بناتے ہیں اور ایسے لوگوں کو پہچاننے کی ضرورت ہے۔

سید ابوالحسن الموسوی بہت بڑے ایرانی شیعہ عالم اور فقیہ ہیں۔ ان کے علم کے بارے میں یہ قول شیعہ میں بڑا معروف ہے: أنسٰی من قبله وأتعب من بعده۔ یعنی اپنے سے پہلے لوگوں کو بھلوا دیا اور اپنے بعد والوں کو عاجز کر دیا۔ ان کے پوتے ڈاکٹر موسیٰ الموسوی نے طہران یونیورسٹی سے اسلامی قانون میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔ پیرس یونیورسٹی سے فلسفہ میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی۔ عراق، جرمنی، لیبیا اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں تدریس کی۔ شیعہ کے عقائد اور رسومات کی تصحیح پر کئی کتب لکھیں جن میں سے معروف کتاب "الشیعة والتصحیح" ہے جس کا اُردو ترجمہ "اصلاحِ شیعہ" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

علامہ آیت اللہ شریعت سنغلجلی نے شیعہ مذہب کی اصلاح کے لیے "الإسلام والرجعة"،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید ابو الفضل آیت اللہ العظمی البرقعی نے "کسر الصنم"، الاستاذ علی الاکبر حکمی زادہ نے "اسرار ہزار سالہ"، علامہ ڈاکٹر علی شریعتی نے "التشیع العلو والتشیع الصفو"، علامہ نعمت اللہ صالحہ نجف آبادی نے "شہید جاوید"، الاستاذ حیدر علی بن اسماعیل قلمداران نے "طریق النجاۃ من شر الغلاۃ"، علامہ احمد کسروی نے "التشیع والشیعۃ" اور سید حسن الموسوی کربلائی نجفی نے "ثم للتاریخ" مرتب کیں۔ کاش کہ پاکستان میں بھی یونیورسٹیوں سے پڑھے لکھے شیعہ نوجوان اپنے مذہب کے ان مصلحین کی تحریک کو آگے بڑھا کر امت میں اتحاد کی راہ ہموار کریں۔ میری فرینڈز لسٹ میں جتنے شیعہ دوست ہیں، ان سے گزارش ہے کہ وہ شیعہ عالم دین امجد عباس کی وال ضرور وزٹ کیا کریں۔[1]

ڈاکٹر اثر الاسلام سید

حضرت کا نام اثر الاسلام ہے، اپنے آپ کو مفکر قرآن کہلواتے ہیں، جنت پارٹی کے نام سے ایک پارٹی کے سربراہ ہیں، اب معلوم نہیں اس پارٹی کے کارکنوں کی تعداد پرویز مشرف کی پارٹی کے کارکنان سے تھوڑی زیادہ ہے یا کم لیکن حضرت کا دعوی یہ ہے کہ فیس بک کی برکت سے دو کروڑ پاکستانی عوام ان سے واقف ہیں۔

حضرت کے بہت سے سیاسی، معاشی اور مذہبی ایجنڈے ہیں۔ سیاسی ایجنڈوں میں سے اہم تر یہ ہے کہ موجودہ آرمی کو ختم کر کے ایک نئی آرمی تشکیل دیں کہ جس کے کمانڈر ان چیف وہ خود ہوں گے، اور اس آرمی میں ہر پاکستانی مرد اور عورت کو ایک کمشنڈ آفیسر کی حیثیت حاصل ہو گی۔ ان کے دور خلافت میں کمیونزم کا راج ہو گا اور ہر پاکستانی صاحب ملازمت ہو گا۔

ہمیں اس وقت حضرت کی سیاسی پرواز پر نہیں بلکہ ان کے مذہبی شعور پر کچھ گفتگو کرنی ہے۔ مفکر قرآن آیت مبارکہ ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ﴾ کی تشریح میں بیان فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں لفظ "دین" سے مراد گورنمنٹ ہے کہ ایک گورنمنٹ نبی کریم ﷺ نے قائم کی تھی اور دوسری مسیلمہ کذاب کی تھی۔ مفکر قرآن کا کہنا یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کے لفظ "الحج البیت"

[1] https://www.facebook.com/AmjadAbbasMufti?fref=ts

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یعنی بیت اللہ کے حج سے مراد ڈیفنس منسٹری ہے اور "عمرہ" سے مراد امیگریشن کے قوانین ہیں۔

مفکر قرآن کا کہنا ہے کہ نماز روزہ زمانہ ملوکیت کی ایجاد ہے، مولویوں نے عبادات کے نام پر عوام کو مذہبی افیون پلا رکھی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں رمضان کا مہینہ تک موجود نہ تھا۔ بلاشبہ ان صاحب کا سارا فکر قرآنی پرویز سے مستعار ہے اور علماء پرویز کو کافی وشافی جواب دے چکے ہیں جیسا کہ ڈاکٹر محمد دین قاسمی صاحب کی کتابیں تو اس بارے لاجواب ہیں۔

لیکن ایک بات تشویش ناک ضرور ہے کہ اس قسم کے مسخرے اب اپنا پیغام پھیلانے کے لیے ویڈیو کو بطور میڈیم استعمال کر رہے ہیں اور اس سے بہت فساد پھیل رہا ہے۔ مثلاً انہی صاحب کے آفیشل پیج پر ان کی یہ ویڈیو کہ جس میں رمضان، نماز، روزے کو افیون قرار دیا گیا ہے، کو چار لاکھ سے زائد لوگوں نے دیکھا اور چھ ہزار سے زائد نے شیئر بھی کیا حالانکہ انتہائی سطحی اور بچگانہ باتیں ہیں کہ جن کا جواب مدرسے کی پہلی کلاس کے طالب علم کو بھی سوجھ سکتا ہے۔

قاری حنیف ڈار صاحب اور انجنیئر محمد علی مرزا صاحب کے پاس بھی عموماً یہی دلیل ہوتی ہے کہ ہمیں اتنے لوگ پسند کرتے ہیں یا سنتے ہیں تو یہ صاحب تو پسندیدگی میں اور سامعین کی تعداد کے اعتبار سے ان سے بہت آگے ہیں۔ بعض نوجوان علماء کو اس طرف توجہ دینی چاہیے کہ وہ ویڈیو ریکارڈنگ کے ذریعے فتنوں کا مقابلہ کریں کہ اب کے پڑھنے لکھنے کا رجحان ختم ہو چکا ہے۔ یہ جہالت کا زمانہ ہے، اور زمانہ جاہلیت میں زیادہ سننے دیکھنے والے لوگ ہوتے ہیں نہ کہ پڑھنے لکھنے والے۔

علماء اپنی ویڈیو ریکارڈنگ میں قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنے کی بجائے ان مفکرین قرآن کو ریسپانس کریں، یہ زیادہ اہم ہے۔ آپ کی تفسیر کی دو سو گھنٹے کی ریکارڈنگ کوئی نہیں دیکھنے والا جبکہ دس منٹ کے ریسپانس کو پچاس ہزار دیکھیں گے، یہ حقیقت ہے کہ یہ معاشرے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر شبیر احمد اور انکار حدیث

منکرین حدیث اپنی چرب زبانی کے ذریعے حدیث کے بارے ویسے ہی غلط فہمیاں گھڑتے ہیں جیسا کہ ملحدین قرآن مجید کے بارے۔ دونوں کے ذہنی پیٹرن اس معاملے میں ایک ہی طرح کام کرتے ہیں اور دونوں ماشاءاللہ سے غیر جانبدار تحقیق کے دعویدار ہیں۔ مثال کے طور ڈاکٹر شبیر احمد کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیس لے لیں۔

ڈاکٹر شبیر احمد نے انکار حدیث پر ایک کتاب لکھی کہ جس کا عنوان "اسلام کے مجرم" تھا کہ جس میں محدثین، فقہاء اور علماء کو اسلام کا مجرم قرار دیا گیا کہ انہوں نے ایسی روایتیں بیان کی ہیں کہ جن میں بے حیائی اور فحاشی ہے۔ اس کے جواب میں محمد حسین میمن صاحب نے "اسلام کے مجرم کون؟" کے نام سے کتاب لکھی کہ جس میں منکرین حدیث کی جدلیات اور دجلیات پر خوب روشنی ڈالی ہے کہ حدیث پر تنقید کرتے ہوئے ظالموں نے عربی عبارات کو اپنے معانی پہنائے ہیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ منکرین حدیث کی ایک جماعت احادیث سے عوام الناس کو متنفر کرنے کے لیے باقاعدہ حدیثوں کو وہ معانی پہنانے کی کوشش کرتی ہے کہ جو ان کے گھٹیا ذہن میں موجود ہوتے ہیں۔ ذیل میں ہم نمونے کے طور اس کی ایک مثال پیش کیے دیتے ہیں۔ ڈاکٹر شبیر احمد نے اپنی کتاب "اسلام کے مجرم" ص26 پر لکھا ہے:

"عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور میں ایک ٹب میں نہاتے تھے۔"

حالانکہ صحیح بخاری میں ایسی کوئی حدیث موجود نہیں ہے جس میں یہ منقول ہو کہ: "رسول اللہ ﷺ اور میں ایک ٹب میں نہاتے تھے۔" صحیح بخاری کی روایت کے جو الفاظ ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

«كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، تَخْتَلِفُ أَيْدِينَا فِيهِ»

"میں اور نبی کریم ﷺ ایک ہی برتن سے پانی لے کر غسل کرتے تھے جبکہ ہمارے ہاتھ آپ میں ایک دوسرے کو مس بھی کرتے تھے۔"

جبکہ صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں: «من إناء - بيني وبينه - واحد»۔ یعنی میرے اور آپ ﷺ کے درمیان ایک برتن ہوتا تھا۔

اس حدیث سے جو بات معلوم ہوتی ہے، وہ صرف اتنی ہے کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ غسل کر سکتا ہے۔ اس میں اعتراض کی بھلا کیا بات ہے؟ اگر اعتراض یہ ہے کہ اس طرح پردہ پوشی نہیں ہو رہی تھی تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی کی روایت کے الفاظ ہیں کہ ازواج کے گھروں میں چراغ نہیں ہوتے تھے۔ پس اندھیرے میں میاں بیوی کا ایک ہی برتن سے پانی لے کر اکٹھے نہانا، کس قرآنی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلیل کے خلاف ہے؟ اور تو اور جب یہ منکرین احادیث ایسی روایات کے بارے یہ کہتے ہیں کہ یہ فحش روایات ہیں تو سمجھ نہیں آتی کہ ان کے نزدیک فحش کہتے کسے ہیں؟ اگر تمہارا فحش کا یہی معیار ہے تو ملحدین نے تو قرآن مجید میں موجود حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کے واقعے کو بھی داستان عشق قرار دیا ہے۔ پس جس طرح ملحدین قرآن مجید سے فحش نکالنے میں دجل سے کام لے رہے ہیں، اسی طرح منکرین حدیث احادیث سے بے حیائی ثابت کرنے میں فریب سے کام لے رہے ہیں۔ انہیں حدیث پر کوئی اور اعتراض نہ ملے گا تو یہی بیان کر دیں گے کہ دیکھیں، حدیث میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ ایک بستر میں سوتے تھے!، چول نہ ہوں تو۔

قاری حنیف ڈار صاحب کے انکشافات

محترم قاری حنیف ڈار صاحب نے انکشاف ٹی۔وی کی ویب سائیٹ پر "آج کل درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے" میں کچھ انکشافات کیے ہیں کہ جن میں سے بعض کو ہم نیچے قوسین میں بیان کر کے اس پر اپنا تبصرہ بھی نقل کر رہے ہیں کہ بعض دوستوں نے اس پر تبصرہ کی خواہش ظاہر کی تھی۔ قاری صاحب اپنی تعریف میں رطب اللسان ہوتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میرے خطبات کی آڈیوز پورے برصغیر پاک وہند اور بنگلہ دیش میں پھیل چکی تھیں۔ ہندوستان کی ویگنوں میں میرے آڈیو کیسیٹ چلتے تھے تو دوبئی کی ہر دوسری ٹیکسی میں میرے کیسٹس موجود تھے۔ پرائیویٹ گاڑیوں میں بھی سنے جاتے تھے، گھروں میں بھی سنے جاتے تھے۔ جاپان، برطانیہ، کنیڈا آرڈر پر منگوائے جاتے تھے۔"

جناب قاری صاحب! کیسٹس تو عطاء اللہ خان عیسی خیلوی کے آپ سے زیادہ بکتے اور سنے جاتے ہیں۔ اور ہاں! آپ کے جتنے کیسٹس پورے یورپ میں بکتے ہوں گے، اس سے دوگنا تو جناب عیسی خیلوی صاحب کے صرف میانوالی ڈسٹرکٹ میں بک جاتے ہوں گے۔ کسی کے سامعین کا زیادہ ہونا اگر اس کے دینی فکر کے صحیح ہونے کی دلیل ہے تو مبارک ہو کہ ڈاکٹر عامر لیاقت صاحب آپ سے کہیں زیادہ سلامتی فکر کے حامل ہیں۔ جناب قاری صاحب لکھتے ہیں:

"یو۔ٹیوب پر میرے خطبے ہر موضوع پر موجود ہیں جن میں، میں نے وہی سب کچھ کہا ہوا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے جو اسلاف کہتے چلے آئے ہیں اور جن کا مربہ مدارس میں ڈالا جارہا ہے، اور جو کچھ ہم اپنے علماء سے سنتے چلے آئے تھے۔ اس میں جمع قرآن کی روایات اور قصے، عیسی علیہ السلام کی واپسی، دجال کے خروج، امام مہدی کے ظہور سمیت سب مصالحہ موجود ہے۔ احادیث کی وہ تمام روایتیں جن پر آج مجھے اعتراض ہے اور جن کے خلاف میں لکھتا ہوں وہ سب خود میرے اپنے بیانات میں موجود ہے۔"

جناب قاری صاحب! مربہ اور مسالہ مدارس اور کتب احادیث میں نہیں بلکہ آپ کے افکار اور بیان میں ہے۔ افکار آپ کے ہڑ ہڑ کا مربہ ہیں تو بیان آپ کا سرخ اور ہری مرچوں کا مسالہ۔ آپ ہی سے سوال ہے کہ کیا اللہ تعالی کسی کو ہدایت دینے کے بعد اس کو گمراہ نہیں کرتا۔ اگر نہیں تو اللہ نے ہمیں یہ دعا کیوں سکھائی ہے کہ "اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت دینے کے بعد ٹیڑھا نہ کر دینا۔"

امر واقعہ یہ ہے کہ لوگوں کو آپ سے شکایت یہ نہیں ہے کہ آپ ان کی بات نہیں مانتے یا آپ حدیثوں کی تحقیق کیوں کرنا چاہتے ہیں۔ لوگوں کو آپ سے شکایت یہ ہے کہ آپ بازاری زبان استعمال کرتے ہیں اور اس بارے اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ تک کو معاف نہیں کرتے۔ آپ سلطان راہی کے لب ولہجے میں ائمہ دین کو مخاطب کرتے ہیں۔ آپ کی زبان وبیان گواہ ہے کہ درد آپ کے دل میں نہیں، آپ کے پیٹ میں ہے۔ جناب قاری صاحب لکھتے ہیں:

"میری معلومات کا اصلی ذریعہ عالم عرب اور عربی لٹریچر ہے جہاں الحاد کا ایک طوفان کھڑا ہو چکا ہے۔ میری تو نیند اڑ چکی ہے، عرب نوجوان جس کی مادری زبان عربی ہے وہ باغی اور ملحد ہو چکا۔ زیادہ نہیں بس 8 یا 10 سال کے اندر آپ اس کو موسلا دھار بارش کی طرح برستا دیکھیں گے۔ عرض کرتا رہتا ہوں کہ عام عرب نہیں وہ اساتذہ جن کی زندگیاں پڑھتے پڑھاتے گزر گئی ہیں، جو ایک کرتے میں جامعہ ازھر میں بٹھائے گئے تھے اور جن کو پڑھاتے ہوئے 18 سال ہو گئے ہیں، وہی صحاح ستہ کو الحاد کی فیکٹریاں کہتے ہیں۔"

جناب قاری صاحب! یا تو جس عرب دنیا کی آپ بات کر رہے ہیں وہ کہیں گوجر خان کے نواح میں آباد ہے یا پھر آپ کا دعوی ایسا ہے جیسا کہ میں کہوں کہ سارا یورپ مسلمان ہو رہا ہے، مغرب کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نوجوان الحاد سے باغی ہو چکا ہے۔ارے، جانیں دیں قاری صاحب! شاید کوئی فلمی سین آپ نے دیکھ لیا ہے۔اب کی بار حج یا عمرے پر جانے کا اتفاق ہو تو وہاں عرب نوجوانوں کی تعداد گنیے گا۔

اور آپ کا یہ انکشاف تو سردار جی کے کسی لطیفے سے کم نہیں ہے کہ عالم عرب میں علماء صحاح ستہ کو الحاد کی فیکٹریاں قرار دے رہے ہیں۔آپ کو عالم عرب کا کیا پتا؟ عالم عرب میں پچھلی تین دہائیوں میں جو دین کا کام ہوا ہے، وہ پوری تین صدیوں میں نہیں ہوا ہے۔علمی سطح پر، اصلاحی سطح پر اور تحریکی سطح پر۔ کبھی ملتقى أهل الحديث، ألوكة، ابتسامة جیسے نیٹ فورمز پر بیٹھیے گا تو معلوم ہو گا کہ علم کی کسی اور ہی دنیا میں آ گئے ہیں، اور وہاں سارا عرب نوجوان بیٹھا ہے۔

اور کبھی بیروت سے پبلش ہونے والی دینی کتب کی فہرست ایک نظر دیکھ لیں۔اور نہ سہی تو کم از کم سلطان ڈاٹ آرگ نامی ویب سائیٹ پر ہی ایک نظر ڈال لیں تو کافی افاقہ ہو گا یہ جان کر کہ عالم عرب میں دین کی کتنی خدمت کیسے کیسے اور کہاں کہاں ہو رہی ہے۔لکھنے کو تو بہت کچھ لکھ سکتا ہوں لیکن سمجھنے والے کے لیے اشارہ ہی کافی ہوتا ہے۔لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اب تو آپ کے لیے اشارہ بھی کافی نہیں رہا کہ آپ کو مفتی زاہد صاحب، رعایت اللہ فاروقی صاحب اور سید متین احمد صاحب وغیرہ بہت اشارے کر چکے ہیں۔

مذہبی دکان

ایڈیٹر "مکالمہ" جناب ایڈوکیٹ انعام رانا صاحب، اپنے ممدوح قاری حنیف ڈار صاحب کی تعریف میں کچھ یوں رطب اللسان ہیں:

> "قاری صاحب کو میں اب اتنا جانتا ہوں کہ یہ کہہ سکوں کہ ہم خوش نصیب ہیں کہ قاری صاحب نصیب ہیں۔بدلتے دور میں تبلیغ کے انداز بھی بدلے ہیں اور مرشد نے وہ انداز استعمال کیے ہیں کہ آپ ملحد ہیں یا جھلمل مسلمان، آپ وہابی ہیں یا شیعہ، بریلوی ہیں یا دیوبندی، عورت ہیں یا مرد (یا مکس)، مدرسے والے ہیں یا یونیورسٹی والے؛ آپ کو دوکان سے خالی ہاتھ نہیں لوٹایا جائے گا۔"

کسی دوست نے اس پوسٹ پر کمنٹ کرنے کو کہا، مجھے تو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تعریف ہے یا تنقیص؟ عجب دکان ہے کہ ملحد اور مومن دونوں فیض پاتے ہیں۔ اللہ بخشے، ہمارے ایک دوست کہا کرتے تھے کہ اللہ میاں نے ہر لیڈر کے حق میں کچھ "جھلے" لکھ دیے ہیں، جو اسے مل کر رہنے والے ہیں لہذا زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ تقدیر کا معاملہ ہے اور ہم تقدیر پر ایمان رکھتے ہیں۔ بعض اوقات کسی فیس بکوی امام کی وال پر والہانہ کمنٹس کی بھرمار دیکھ کر یہ قول زریں یاد آجاتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اور پروفیسر طفیل ہاشمی صاحب

پروفیسر طفیل ہاشمی صاحب نے ایک عرصے سے اپنی فیس بک وال کو حدیثوں اور صحیح بخاری کے لیے طعن و تشنیع سے مزین تحریروں کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ اب کی بار کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ حدیث کی کتاب مرتب کی ہے یا حنفیہ کے خلاف چارج شیٹ تیار کی ہے۔

وہ پروفیسر صاحب جو یہ دعوی کرتے نہیں تھکتے کہ میرا کسی فرقے سے تعلق نہیں، صحیح بخاری کو حنفیہ کے خلاف چارٹ شیٹ قرار دے کر حنفیوں کو اہل حدیث کے خلاف بھڑکانے کا مذہبی فرض سرانجام نہیں دے رہے کیا؟ ہم اس پر لکھ چکے ہیں کہ "فرقہ واریت" علمی روایتوں کے حاملین کو آپس میں بھڑکانے اور آگ لگانے کا مزاج ہے اور وہ پروفیسر صاحب میں ماشاءاللہ! مولویوں سے زیادہ موجود ہے۔

پروفیسر صاحب! آپ کا تعلق کسی فرقے سے ہو یا نہ ہو لیکن یہ ضرور ہے کہ اہل حدیثوں کا کہنا ہے کہ آپ کی بہت سی پوسٹوں میں اہل الحدیث اور محدثین عظام سے بغض ایسے ہی چھلک کر باہر آ رہا ہوتا ہے جیسا کہ کسی پیالے سے شراب۔ ان کا کہنا ہے کہ جن مولویوں کو فرقہ واریت کے نام پر لعن طعن کرتے آپ نہیں تھکتے، انہی کے اسٹائل میں تو آپ مذہبی منافرت پھیلا رہے ہیں۔

آپ کو امام بخاری رحمہ اللہ سے اختلاف کا حق ہے، ٹھیک ہے ہو گا۔ آپ کو بخاری، محدثین اور اہل حدیث سے بغض رکھنے کا حق ہے، ٹھیک ہے ہو گا۔ آپ نے بخاری کے خلاف پوسٹیں لگا دی تھیں، حدیثوں کا مذاق اڑا لیا تھا، لوگوں نے بھی تبصرہ کر دیا تھا، اور آپ ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور حدیثوں کی جان چھوڑے پر ہی نہیں آ رہے، حدیثوں کے خلاف مہم جوئی ہی شروع کر دی ہے، کچھ آپ ہی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اپنی اداؤں پر غور کریں۔

ایک طرف وہ اہل حدیث علماء ہیں کہ جو یہ ثابت کر رہے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ کی "قال بعض الناس" سے مراد، حنفیہ نہیں ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ، اہل الرائے سے اپنی صحیح بخاری میں کیسے استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ اور وہ سلفی علماء بھی ہیں جو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب اور فضائل پر کتابیں مرتب کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف آپ جیسے پروفیسر صاحب ہیں، جو ان کے دبے ہوئے تعصب کو پھونکیں مار کر ہوا دے رہے ہیں۔

باقی، اہل الحدیث اور اہل الرائے کا اختلاف شروع سے ہی ہے اور چلتا رہے گا۔ دونوں طرف کے سنجیدہ علماء نے علمی انداز میں ایک دوسرے پر نقد کیا ہے اور کرتے رہیں گے لیکن کبار محدثین کے بارے آپ کی زبان ہر گز مہذب زبان کہلانے کی حقدار نہیں ہے، بھلے آپ اصول تحقیق کا کورس پچھلے تیس سال سے پڑھا رہے ہوں۔ لوگوں کے بھی دل ہیں، ان کے بھی جذبات ہیں، جب آپ ان کو اذیت دیں گے تو آپ جواب میں ان سے کیا توقع رکھتے ہیں؟

امام بخاری رحمہ اللہ کے خلاف آپ ہی کی زبان اور اسلوب کلام کی برکات ہیں کہ آپ کے داڑھی والے تبلیغی فالوورز، بخاری کی حدیثوں کے خلاف ہر پوسٹ پر کمنٹس میں ڈھول لے کر میراثیوں کی طرح دھمال ڈالنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور اب اس پوسٹ کو بھی حسب عادت ایک فرقہ وارانہ پوسٹ کہہ کر جان چھڑالیں کہ چور بھی کہے چور چور چور۔ ہمیں معلوم ہے کہ ہماری زبان سخت ہے لیکن اس سختی کا آغاز آپ کی طرف سے ہوا ہے، اور وہ بھی ہمارے بڑوں کے خلاف۔

پروفیسر ڈاکٹر محی الدین ہاشمی صاحب کے ساتھ

ہاشمی صاحب سے پچھلے ہفتے "خطبات اسلام آباد" کے سلسلے میں پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی۔ بہت ہی ملنسار، نفیس الطبع، مہمان نواز، سنجیدہ، فکری ذوق رکھنے والے اور سب سے اہم کہ کچھ کر کے دنیا سے جانے کا جذبہ رکھنے والے سچے انسان اور پختہ عالم دین ہیں۔ جناب علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک تھاٹ، ہسٹری اینڈ کلچر کے چیئرمین ہیں اور تقریباً ساری زندگی اس شعبہ کی تعمیر و ترقی میں کھپا دی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کی سرپرستی میں اس ڈیپارٹمنٹ کے تحت "خطبات اسلام آباد" کے نام سے سلسلہ وار خطبات کا ایک پروگرام شروع کیا گیا ہے کہ جس میں اب تک نو خطبات ہو چکے ہیں۔ ان خطبات کا مقصد امت مسلمہ کے ذہین اور فہیم عناصر میں نہ صرف غزو فکری (intellectual war) کا شعور بیدار کرنا ہے بلکہ انھیں خواب غفلت سے جگا کر اس کے لیے تیار کرنا بھی ہے۔ اگرچہ قوموں اور تہذیبوں کے عروج میں سب اہم کردار فکری کام کا ہوتا ہے لیکن امت میں نہ تو اس کا ذوق ہے اور نہ ہی اس کی طرف توجہ ہے۔ ایسے میں "خطبات اسلام آباد" جیسے مواقع اور ہاشمی صاحب جیسے اہل علم غنیمت ہیں کہ وہ نامساعد حالات کے باوجود اس کے لیے آواز بلند کر رہے ہیں۔

پچھلے ہفتے کا خطبہ دینے کا اعزاز راقم کو حاصل ہوا کہ جس کا موضوع "قرآن مجید کا نظریہ تاریخ اور معاصر نظریہ ہائے تاریخ کا تقابلی مطالعہ" تھا۔ اس موضوع کے تحت راقم نے نظریہ تاریخ، فلسفہ تاریخ اور تاریخ کی حرکیات یعنی وہ اصول کے جن کی بنیاد پر تاریخ حرکت کرتی اور آگے بڑھتی ہے، کے تصورات پر کچھ گزارشات پیش کیں کہ جنہیں بردار محترم حافظ طاہر الاسلام عسکری صاحب نے اپنی فیس بک وال سے آن لائن بھی کر دیا اور بعد میں بہت سے لوگوں نے فیس بک ہی سے دیکھ کر اس کے بارے اچھا فیڈبیک بھی دیا تو گویا فیس بک لائیو ویڈیو کا تجربہ اچھا رہا۔

خطبے کا مقصد یہ تھا کہ امت مسلمہ بھی مغربی تاریخی بیانیوں، جدلیات، مادی جدلیات (Dialectical Materialism)، بقاء للاصلح (Survival of The Fittest)، تہذیبوں کا تصادم (Clash of Civilization) اور تاریخ کا خاتمہ (End of History) کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنا ایک تاریخی مہابیانیہ (meta narrative) تشکیل دینے کی ضرورت محسوس کرے اور اس کی طرف عملی اقدام کا آغاز کرے۔

خواجہ شمس الدین عظیمی

دوست کا سوال ہے کہ خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب کے بارے آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: عظیمی صاحب کی ایک کتاب "ٹیلی پیتھی سیکھیے" چند سال پہلے ہاتھ لگی، اچھی لگی تو ان کی تقریباً تمام کتب کا مطالعہ کر ڈالا۔ ذہین اور محنتی ہیں، صوفی ہیں، حق کے متلاشی ہیں، نیک ہیں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ساتھ میں رج کے گمراہ بھی ہیں۔

ان کے معتقدات (beliefs) اور کتاب وسنت کو ایک ساتھ جمع نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان کی گمراہی کی وجہ یہ ہے کہ اپنے مراقبوں کے مشاہدات اور کشف کے علم کو وحی کے علم پر ترجیح دیتے ہیں۔ مراقبے کا علم کیا علم ہے بھئی، میں ذرا گردن جھکالوں، آنکھیں موند لوں، تو اگلے ہی لمحے کسی دنیا میں پہنچ جاؤں گا، اس علم میں کون سی حقیقت ہے، بس اپنے ہی ذہن کی سیر ہے اور کیا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ ان کے لٹریچر میں حکمت کی باتیں نہیں ہیں۔ مجھے بھی ان کی تحریروں میں کام کی باتیں مل جاتی ہیں جیسا کہ منٹو کی تحریروں میں بھی مل جاتی ہے۔ ان کی تحریروں کا مطالعہ وہی صاحب کریں جو کوڑے کے ڈھیر سے کچھ اچھا تلاش کر لینے میں مہارت رکھتے ہوں۔

اب ان کی کتاب "جنت کی سیر" کا ہی مطالعہ کر لیں۔ پہلے صفحہ پر ہی حضرت عزرائیل علیہ السلام سے مصافحہ فرما رہے ہیں۔ پھر لعل شہباز قلندر سے لے کر خواجہ غریب نواز، اور آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اور کرشن جی سے لے کر گوتم بدھا تک کون ہے کہ جن سے ان کی ملاقات اور مکالمہ نہ ہوا ہو۔

بس یونانی دیومالائی قصوں (Greek Mythology) کی طرح کے قصے کہانیاں ہیں، جن کا کوئی سر پیر ہی نہیں ہے مثلاً "سداسہاگن مستانی" کو پڑھ لیں، اوہ میرے خدا! مراقبوں کے مشاہدات یعنی خرافات کے اوپر پورے دین اور اعتقادات کی عمارت کھڑی کر رکھی ہے اور دینی علم میں رسوخ کا عالم یہ ہے کہ "محمد الرسول الله" کے نام سے کتاب لکھ رہے ہیں۔ جی ہاں، کتاب کے ٹائیٹل پر غور کریں، یہ کتاب تین حصوں میں ہے اور تینوں میں عنوان یہی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ وہ نیک آدمی نہیں ہے۔ نیک ہونا کسی کے راہ راست پر ہونے کی دلیل نہیں ہے ورنہ تو خوارج سے زیادہ نیکی تو شاید ہی یہ زمین اور آسمان کسی میں دیکھ سکیں۔ اور ان کی نیکی بھی کیا ہے، کل نیکی کا تصور بس یہی ہے کہ مراقبہ کر لو، وہی اسم اعظم بھی ہے، وہی افضل ترین عبادت بھی، نہ قرآن کی طرف توجہ اور نہ نماز کی ترغیب۔

خواجہ صاحب اللہ کے قدموں میں سر رکھ کر سجدہ کر چکے ہیں، بلکہ اللہ کے پاؤں کی ٹھنڈک بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

محسوس کر چکے ہیں اور انہیں جاہل سمجھتے ہیں جو یہ دعوی کرتے ہیں کہ اللہ کو دیکھا نہیں جا سکتا۔ ان کا خیال ہے کہ عالم برزخ ہماری زمین سے دو سو کلو میٹر اوپر ہے۔ انسان کا روحانی وجود اس کے سر سے چند فٹ اوپر ہوتا ہے اور اس طرح کی باتیں، الابلا۔ الامان والحفیظ۔

ایک دوست نے کہا کہ ایک شخص نیک بھی ہو اور گمراہ بھی تو یہ کیسے ممکن ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے ہاں نیکی کا تصور بہت بڑا ہے۔ مشرکین مکہ بھی حاجیوں کو پانی پلاتے تھے اور کافر بھی صدقہ خیرات اور ویلفیئر کا کام کرتے ہیں تو یہ سب نیکی ہی کے کام ہیں۔ پس ایک کافر بھی نیکی کر سکتا ہے اور گمراہ آدمی کا نیکی کرنا تو اور بھی واضح ہے مثلاً وہ نماز روزہ کرتا ہے، ذکر اذکار کا اہتمام ہے، صدقہ خیرات کرنے والا ہے وغیرہ وغیرہ۔

مولانا عمار خان ناصر صاحب کی خدمت میں

آج کل عمار خان ناصر صاحب کا قلم صحابہ، فقہاء اور روایت پسندوں کے خلاف حالت استحاضہ میں ہے۔ اللہ عزوجل جلد شفائے کاملہ عاجلہ نصیب فرمائے۔ مولانا ہر دوسرے گھنٹے میں نئی پوسٹ میں روایت پسندوں کو طعنے مار کر اپنے بیانیے میں علمی وزن ڈالنا چاہتے ہیں۔ اللہ عزوجل مساعی جمیلہ قبول فرمائے۔ اس سے بدتر رویے کیا ہوں گے کہ آپ سے لڑائی میں کوئی آپ کے آباء واجداد کو ننگا کرنا شروع کر دے۔ اللہ عزوجل ہدایت نصیب فرمائے۔

محترم عمار صاحب! جھگڑا آپ کا آج کے مولویوں سے ہے اور آپ کے ساتھ اگر کسی نے زیادتی کی بھی ہے کہ جس کا آپ کو شکوہ ہے تو آج کے مولویوں نے کی ہے۔ اور آپ ہیں کہ اس کا بدلہ صحابہ کے ایسے آثار بیان کر کے لینا چاہتے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر یہ مولوی شرمندہ ہو جائیں کہ دیکھو! تمہارے بڑے اپنی لونڈیوں کے ساتھ کیا کچھ کرتے تھے۔ پس مولویوں نے جب آپ کے استاذ جناب جاوید احمد غامدی صاحب پر نقد کی کہ وہ یونیورسٹی میں لڑکے اور لڑکی کے باہمی ہاتھ ملانے کو جائز قرار دیتے ہیں تو آپ نے جواب میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ استاذ نے تو ہاتھ ملانے کی اجازت دی ہے جبکہ تمہارے صحابہ تو لونڈیوں کے ساتھ معلوم نہیں کیا کچھ کرتے تھے۔ اور یہی آثار آپ کی وال سے اٹھا اٹھا کر دہریوں نے اپنی تحریروں میں سجائے ہیں۔ اگرچہ آپ کا یہ مقصد ہرگز نہیں تھا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ دہریوں کو اسلام کا مذاق اڑانے کے لیے ایک دلیل مل جائے لیکن آپ کے اس عمل کا نتیجہ تو یہی نکلا ہے۔

عمار صاحب کا کہنا یہ ہے کہ مولویوں نے بھی تو ان کے استاذ جناب غامدی صاحب کی تحقیر اور تذلیل کی ہے۔ مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ غامدی صاحب کے رد میں مذہبی حلقے ان پر زیادتی بھی کر جاتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ تو ہرگز نہیں ہے کہ کوئی اگر آپ کے استاذ کو برا کہے تو آپ اس کے استاذ کو برا کہیں۔ بھائی، استاذ کا کیا قصور ہے؟ پھر آپ نے تو مولویوں کے استاذ کو بھی برا نہیں کہا بلکہ سیدھا ہی صحابہ پر جا پہنچے کہ ان کے بارے ایسے آثار نکال لائے کہ جنہیں پڑھ کر ان مولویوں کے سر شرم سے جھک جائیں۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ اس طرح آپ انہیں چپ کروا سکتے ہیں تو چپ کروانے کا یہ طریقہ بہت ہی سطحی ہے۔ آپ انہیں لگام دیں، ضرور دیں لیکن ان کے باپ دادا کے قصے چھیڑ کر نہیں بلکہ انہیں ان کی اپنی اخلاقی حالت کا حوالہ دیتے ہوئے۔

باقی آپ اخلاق میں، تقوی میں مجھ سے بہتر ہوں گے بلکہ ہیں۔ معاصر مولویوں سے اچھے ہوں گے بلکہ ہیں۔ اور واقعتاً یہ الفاظ اسی شخص کے ہو سکتے ہیں جو اللہ سے حقیقی معنی میں ڈرنے والا ہو:

"سچی بات یہی ہے کہ ریا اور عجب وغیرہ سے دل کو پاک کرنا تکلیف مالا یطاق کے زمرے میں آتا ہے۔ خاص طور پر غزالی وغیرہ نے جو معیارات بتائے ہیں، وہ فرشتوں کی تحلیل نفسی میں تو مدد دے سکتے ہیں، ہمارے کسی کے کام کے نہیں۔" [از عمار خان ناصر]۔ لیکن آپ کے فکر اور رویوں میں جو کجی ہیں، سو وہ ہے اور اس کی نشاندہی ضروری ہے۔ واضح رہے کہ اخلاق اور رویوں (Ethics and attitudes) میں فرق ہوتا ہے۔

محمد حسن الیاس صاحب کی خدمت میں

جناب محمد حسن الیاس صاحب اس اعتبار سے "مجمع البحرین" ہیں کہ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے داماد ہیں اور مولانا یوسف بنوری رحمہ اللہ کے نواسے ہیں۔ مولویوں کو ہر وقت نصیحتیں کرتے ہیں اور کرنی بھی چاہییں کہ مولوی کوئی معصوم تھوڑے ہیں۔ لیکن ہمیں شکوہ یہ ہے کہ جو نصیحتیں وہ مولویوں کو کرتے ہیں، تو کیا خود انہی نصیحتوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ اپنے آپ کو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولوی ہی ثابت نہیں کر رہے ہوتے ہیں؟ جناب محمد حسن صاحب اپنی ایک حالیہ تحریر میں لکھتے ہیں:

"اے کاش! رسول اللہ ﷺ کے سامنے، قیامت میں، یہ سب کمنٹ پڑھ کر سنائے جائیں، جو ہمارے مولوی اپنے سے اختلاف کرنے والوں کی پوسٹ پر کرتے ہیں۔ ان دین کے سپاہیوں کو تب اللہ کے رسول بتائینگے کہ تمہاری دینی حمیت نے اگر تمہیں اخلاق نہ سکھایا تو کیا سکھایا۔"

اور یہی محمد حسن الیاس صاحب امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں ایک پوسٹ بعنوان "امام ابو حنیفہ ناشتے کی ٹیبل پر" لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ایک منٹ کے لیے تصور کریں... امام ابو حنیفہ ابھی سو کر اٹھے ہیں۔ مائے جاری کے کنویں کے تازہ پانی سے غسل فرما کر شہد اور کھجور سے ناشتہ کیا اور نبیذ تمر کا گھونٹ بھرا ہے۔ پھر رسوئی سے نکل کر دو سو رکعات نفل ادا کرنے کے بعد اچانک انہیں یاد آیا ان کے استاد حماد نے انہیں ایک اسائنمنٹ دیا تھا جہاد پر، اب آپ رحمہ اللہ اس موضوع پر علمی کام کرنا چاہتے ہیں۔ تو لاؤنج سے اسٹڈی میں تشریف لاتے ہیں۔ جب آپ نے کام کا آغاز کرنا چاہا تو سامنے جو کل ذخیرہ معلومات موجود ہے وہ درج ذیل ہے۔ قران مجید کا ایک نسخہ، سن کر یاد کی ہوئی چند روایات، استاد کے درس کی یاداشتیں، اقصی المدینہ کے لوگوں کے تاثرات۔ اور ...اور بس!"

پوسٹ جاری ہے اور مکالمہ کے اخلاق سیکھنے کے لیے پڑھنے کے قابل ہے۔ جناب حسن الیاس صاحب! بھلے امام صاحب علمی مقام و مرتبے میں آپ کے چھوٹے بھائی کی جگہ ہوں، لیکن بات تو انداز تخاطب کی ہے۔ آپ حضرات مولویوں کو ایسے مخاطب کرتے ہیں جیسے ان کے تو دل ہی نہیں ہے لیکن جب خود اپنے طبقے کی باری آتی ہے تو اخلاق کے امام بن جاتے ہیں۔ اب ذرا اپنی ہی وال پر اپنی بعض پوسٹوں کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں اور ہمیں بتلائیں کہ قیامت والے دن اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے آپ کے یہ اقتباسات رکھے جائیں گے تو کیا کہیں گے اللہ کے رسول ﷺ؟ تمہیں اگر مولویوں سے اختلاف تھا تو اس کا یہ مطلب تھوڑا تھا کہ ان پر زبان کے تیر چلا کر ان کے سینے زخمی کرو۔ اور آپ کی تحریر میں طنز ہے یا نہیں، اس کا فیصلہ آپ نے نہیں کرنا بلکہ اس نے کرنا ہوتا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ جس کے بارے آپ کی وہ تحریر ہوتی ہے۔

باقی ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ کی ہر پوسٹ میں طنز ہوتا ہے لیکن لوگوں کو آپ سے شکایت ہے کہ آپ کی ہر دوسری پوسٹ میں طنز نظر آتا ہے۔ جیسا کہ آپ نے لکھا ہے:

"لیفٹیننٹ جنرل عاصم باجوہ نے ٹوئٹر پر پیغام میں کہا ہے کہ حملے کی اطلاع ملتے ہی فوج کی سریع الحرکت فورس کے دستے پشاور سے جائے وقوع پر پہنچ گئے اور علاقے کو گھیرے میں لے کر آپریشن شروع کر دیا۔ یہ سریع الحرکت فورس ان مذہبی اداروں تک کیوں نہیں پہنچ پاتی جہاں اس طرح کے حملوں کے مذہبی بیانیے پڑھے اور پڑھائے جاتے ہیں!"

مانا کہ آپ اقلیت میں ہیں، اور اقلیتوں کے حقوق ہوتے ہیں اور آپ اقلیتوں کے حقوق کے لیے آواز بھی اٹھاتے رہتے ہیں جیسا کہ آپ نے لکھا ہے کہ:

"اگر روز قیامت مرزا غلام احمد قادیانی اپنے مسیح ہونے کے دعوے پر جواب دہ ہونگے۔ تو یقیناً دوسرے کٹہرے میں مسلمان ان کی جماعت پر ظلم اور زیادتیوں کے جرم میں شرمندہ کھڑے ہونگے۔"

لیکن اقلیت ہونے کا مطلب یہ تھوڑا ہے کہ اکثریت کا کوئی حق ہی نہیں، جو چاہے مرضی کہتے پھرو۔ اللہ عزوجل نے ہمیں عدل کا حکم دیا ہے، چاہے امیر ہو یا غریب، اقلیت ہو یا اکثریت۔ آپ ہمارے اچھے دوست ہیں، ہم سے اچھا بننے کی توقع رکھتے ہیں، آپ کی توقعات سر آنکھوں پر، لیکن کیا ہم بھی آپ سے ایسی ہی توقع رکھ سکتے ہیں؟ یا یہ طے ہے کہ اقلیت ہمیشہ معصوم ہی ہوتی ہے!

انجینئر محمد علی مرزا صاحب کی ایک ویڈیو پر تبصرہ

ایک دوست نے انجینئر محمد علی مرزا صاحب کی ایک ویڈیو شیئر کی ہے[1] اور پوچھا ہے کہ اس ویڈیو میں کی گئی باتیں کس حد تک درست ہیں؟

انجینئر محمد علی مرزا، بنیادی طور مکینکل انجینئر ہیں۔ چالیس سال کے قریب عمر ہے، جہلم شہر کے رہائشی ہیں۔ ڈیفنس منسٹری میں انیسویں گریڈ میں سرکاری ملازم ہیں۔ جہلم میں ہی قرآن وسنت

[1] https://www.facebook.com/waseem.akhter/videos/vb.568723410/10153992822408411/?type=2&theater

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریسرچ اکیڈمی کے نام سے ایک ادارہ چلاتے ہیں۔ انہوں نے ایک سو سے زائد اختلافی موضوعات پر ویڈیو لیکچرز دیے ہیں۔ اپنے آپ کو کسی مکتب فکر سے وابستہ نہیں سمجھتے۔ دین کا باقاعدہ علم کسی مدرسہ سے حاصل نہیں کیا ہے اور وہ اسے ضروری بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ مولویوں کو رگڑا لگانا ان کے معروف موضوعات میں سے ہے۔ وہ ایک داعی ہیں، عالم دین نہیں ہیں۔ محنتی آدمی ہیں، ان میں اخلاص ہے، کتاب وسنت اور دین اسلام سے محبت رکھنے والے لوگوں میں سے ہیں البتہ ان میں رویوں کے مسائل موجود ہیں۔ میں انہیں اہل حدیث مولویوں کی طرح گمراہ، بدعتی اور رافضی نہیں کہتا اور نہ ہی میرا مزاج روایت پسندوں پر فتوے لگانے والا ہے البتہ یہ ضرور کہتا ہوں کہ ان میں سے جن کے نظریات سے اختلاف ہے اور جن باتوں میں اختلاف ہے، اس کا رد ضروری سمجھتا ہوں۔

دیکھیں! آپ کا تعلق کسی مسلک، جماعت، گروہ یا تنظیم سے ہو یا نہ ہو، جب بھی آپ پر نقد کی جاتی ہے، وہ سو فی صد غلط نہیں ہوتی، اور نہ ہی سو فی صد درست ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ بات دس فی صد ہو اور نقاد نے اسے سو فی صد بنا دیا ہو۔ پس انجنیئر محمد علی مرزا صاحب کی ویڈیو کے بارے ایک عمومی تبصرہ تو یہی ہے کہ اس میں مرزا صاحب نے نہ صرف مبالغہ کیا ہے بلکہ لوز ٹاکنگ کی ہے کہ ایک خرابی اگر پانچ فی صد میں تھی تو سو فی صد کو خراب بتلایا ہے اور اس طرح سے بتلایا ہے کہ اس پر حد قذف بھی واجب ہو جاتی ہے، اگر مرزا صاحب چار عینی شاہدین نہ لا سکیں تو۔ دوست نے کہا کہ کیا آپ مرزا صاحب کی لوز ٹاکنگ کی مثالیں دے سکتے ہیں۔ میں نے کہا کہ جیسے یہ بات کہ

> "مولویوں کا علاج میرے پاس ہی ہے... ان کو جواب وہ دے گا جو دنیاوی طور پر بھی میرے جیسا پڑھا لکھا شخص ہو گا اور مولوی چوں وڑ کے نکلیا ہووے گا... کس مدرسے میں یہ کام [homosexuality] نہیں ہوتا... ایک مدرسے کو کلین چٹ دیں... اس سے اسکول ہزاروں درجہ بہتر ہیں... کیونکہ اسکولز میں ہاسٹلز نہیں ہوتے... ان میں یہاں بچوں کے ساتھ ٹیچرز یہ کام نہیں کر سکتے... لیکن مولویوں کے پاس رات کے وقت بھی بچے ایوے لیبل ہوتے ہیں اور دن کے وقت بھی، پردے میں بھی، اور یہ بچوں کے ساتھ منہ کالا کرتے ہیں... جو آپ غلط الزام لگائیں گے تو لا کے تہاڈے ہتھ وچ پھڑا دیں گے... پانچ چھ سال میری عمر تھی، اس وقت سے میں نے مدرسوں میں جانا شروع کیا... تمام مکاتب فکر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے مدرسے بچیوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں، بچوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں، سب مجھے پتا ہے... جس فارغ التحصیل بچے نے مدرسہ سے پڑھا تو اسے کہیں کہ جو باتیں میں کر رہا ہوں، قرآن پر ہاتھ رکھ کر میری بات کا انکار کر دے..."

اگر آپ عالم دین ہیں یا علماء سے نسبت رکھتے ہیں تو آپ کی ذمہ داری یہ ہے کہ آپ مرزا صاحب کی باتوں پر غور کریں اور ان میں جو نقد درست ہے، اس کی بنیاد پر اپنی اصلاح کریں اور جو غلط ہے، اس کا رد کر دیں۔ مرزا صاحب کی یہ بات درست ہے کہ ایدھی پر نقد میں علماء افراط و تفریط کا شکار ہوئے ہیں۔ مرزا صاحب کی یہ بات بھی درست ہے کہ علماء کے طبقے میں علمائے سوء بھی موجود ہیں کہ ہر طبقے میں کالی بھیڑیں موجود ہوتی ہیں۔

لیکن مرزا صاحب کی جو نقد غلط ہے، وہ یہ ہے کہ وہ علماء پر نقد میں متوازن نہیں ہیں۔ وہ سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں۔ وہ یہ تو کہہ دیتے ہیں کہ علمائے حق بھی ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ مجھ سے نہ پوچھنا کہ وہ کون ہیں، میں نہیں جانتا لیکن دوسری طرف غیر علماء میں سے وہ کئی ایک ایسے نام گنوا دیتے ہیں کہ جو ان کے نزدیک دین کی خدمت کا بہت کام کر رہے ہیں یا انہوں نے کیا ہے۔

مرزا صاحب کی ان ساری باتوں پر تبصرہ کیا جائے تو بات بہت لمبی ہو جائے گی۔ اگر صرف آخری بات کو ہی لے لیں کہ مرزا صاحب! اگر مولوی آپ سے یہ سوال پوچھ لے کہ آپ قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر بتلائیں کہ پانچ چھ سال کی عمر سے آپ کے بقول آپ مدرسہ جا رہے ہیں تو آپ کو کتنے استاذوں نے چھیڑا ہے؟ اور کتنے مدرسوں میں چھیڑا گیا ہے؟ کیا آپ کو اس طرح کا انداز گفتگو پسند آئے گا؟ ہر گز نہیں! تو آپ دوسروں کی بھی اصلاح اس طرح کے سلطان راہی کے انداز میں کرنا چاہیں گے کہ "لاہ کے ہتھ وچ پھڑا دیواں گا" تو آپ انہیں اور بگاڑ دیں گے۔ جب آپ کو پسند نہیں ہے کہ کوئی آپ سے اس طرح سے گفتگو کرے تو آپ کیوں دوسروں سے اس انداز میں گفتگو کرتے ہیں؟ مرزا صاحب! میں نے اہل حدیث کے نوجوان محققین کی جماعت کو نزدیک سے دیکھا ہے اور میں یہ بات بخوبی سمجھ سکتا ہوں کہ انہوں نے آپ کا کیس بگاڑا ہے کہ آپ مولویوں کے اتنے خلاف نہیں تھے لیکن ان کی طعن و تشنیع اور رویوں نے آپ میں ری ایکشن پیدا کر دیا اور آپ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس رد عمل میں بہت آگے نکل گئے۔ بہر حال اللہ عزوجل نے آپ کو بدلہ لینے کی اجازت ضرور دی ہے لیکن بدلہ لینے میں بھی حد سے بڑھنے کی نہیں۔ میں نے بہت پہلے ایک ای۔ میل میں آپ سے گزارش کی تھی کہ جن رویوں اور شدت پسندی کی شکایت آپ مولویوں سے کرتے ہیں، اگر انہی رویوں اور شدت پسندی کا اظہار آپ سے ہونا شروع ہو جائے گا تو لوگ آپ کی بات کیوں سنیں گے؟ بس مسلک پرستی کا رد کرتے کرتے اپنی رائے اور موقف کو یوں پیش نہ کریں کہ جیسے آپ خود سے ایک مسلک لگنے لگیں۔

کیا آپ غور نہیں کرتے کہ اس طرح کی اصلاح سے دراصل آپ اصلاح نہیں فساد کا کام کر رہے ہیں؟ ٹھیک ہے، آپ کی اس ویڈیو کو ڈیڑھ ہزار لوگوں نے شیئر کیا ہے، پچیس ہزار لوگوں نے دیکھا ہے لیکن نیچے کمنٹس سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ شیئر کرنے والے لوگ کون ہیں، یہ وہ ہیں جو آپ کے بھی دوست نہیں ہیں۔ آپ نے اس ویڈیو کے ذریعے دراصل لبرلز کے ہاتھ میں، مولویوں نہیں بلکہ اسلام کے خلاف، ایک اور دلیل پکڑا دی ہے۔ ہم نے بھی مدرسہ میں پڑھا پڑھایا ہے لیکن آپ کے اس مبالغہ آمیز دعوی کے جواب میں "کہ ایک مدرسہ کو کلین چٹ دیں" یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ محض جھوٹ نہیں، بلکہ بہتان بھی کہلایا جا سکتا ہے۔ باقی بھائی مرزا صاحب! آپ مجھ سے اخلاق میں اچھے ہوں گے یا زیادہ نیک ہوں گے بلکہ ہیں لیکن فکر کا اختلاف ہے لہذا آپ پر نقد کر دی۔ آپ بھی نقد کر دیجیے گا، میں آپ کی بات غور سے سن لوں گا۔ بس غلطی کا امکان تو دونوں طرف موجود رہتا ہے، میں کبھی اصرار نہیں کرتا کہ غلطی کا امکان دوسرے کی طرف ہی ہے اور اصرار کر بھی کیسے سکتا ہوں کہ یہ تو اپنے آپ کو معصوم سمجھنے کے برابر ہے۔

مدرسہ سے ہارورڈ تک

ملحق امیج ہمارے دوست مولانا مبشر حسین لاہوری صاحب کی ہے، کئی ایک کتب کے مصنف ہیں۔ معروف اہل حدیث عالم دین مولانا مبشر احمد ربانی صاحب کے شاگرد خاص رہے ہیں۔ مجلس تحقیق اسلامی، لاہور میں مولانا عبد الرحمن مدنی صاحب کے پاس کافی عرصہ کام کرتے رہے۔ پھر اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد چلے گئے اور آج کل ہارورڈ یونیورسٹی میں پوسٹ ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان کے بارے یہ امیج سوشل میڈیا اور واٹس ایپ گروپس میں کافی دنوں سے گردش کر رہی تھی اور مختلف قسم کے تبصرے بھی سننے کو مل رہے تھے۔ میں نے پہلی مرتبہ جب تصویر دیکھی تو یقین نہیں آیا کہ یہ مولانا مبشر حسین لاہوری صاحب ہیں جو کئی ایک دینی کتب کے مصنف ہیں کہ انہوں نے ہار ورڈ جانے کے بعد نہ صرف اپنی داڑھی منڈوادی بلکہ اب داڑھی منڈوانے کے حق میں دلائل بھی دے رہے ہیں۔ مجھے لگا یہ سب جھوٹ ہے، لیکن بعض دوستوں نے تصدیق کی کہ یہ سچ ہے، پھر ان کی وال سے بھی اس کی تصدیق ہو گئی کہ یہ سچ ہے۔

ڈاڑھی منڈوانے کے حق میں ان کی دلیل انہی کی زبانی سنیے:

"عالم عرب کے جو اہل علم داڑھی سے متعلقہ روایات کی "سنن العاداۃ" کے پس منظر میں تشریح کرتے ہیں، ان کی رائے اور دلایل کا اظہار میں نے 2005ء میں اپنی ایک کتاب "لباس کے اسلامی احکام" میں تفصیل سے کیا تھا۔ جس کا اندراج اس وقت اپنی کتابوں کی فہرست میں شامل اشاعت بھی کر دیا تھا مگر کچھ دوستوں کے مشورہ پر یہ کتاب آج تک شایع نہیں کر سکا۔ امریکہ میں اسلامی سنٹروں اور کانفرنسوں/سیمیناروں وغیرہ میں دنیا بھر سے آنے والے اہل علم سے تبادلہ خیال کے بعد اس رائے کی معقولیت میں مزید وزن محسوس ہوا اور یہ بھی اندازہ ہوا کہ برصغیر کا اسلام باقی عالم اسلام سے کتنا مختلف اور اپنے اندر کتنا "مقامی پن" رکھتا ہے۔ جب یہی بات ڈاکٹر محمود احمد غازی اور ظفر اسحاق انصاری جیسے اہل علم سے سنتے تھے تو کسی قدر "عجیب" لگتی تھی! امریکہ میں حالیہ قیام کے دوران حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے عرف وعادت سے متعلق جملہ مباحث کو پڑھنے سے بھی اس رائے کے بارے میں "لچک" پیدا کرنے کی طرف رجحان پیدا ہوتا ہے اور خاص طور پر اس لیے بھی کہ یہ کوئی ایسی سنت بہر حال نہیں ہے جس کے تارک پر "حد شرعی" شریعت نے عاید کی ہو یا جہنم کی وعید سنائی ہو۔ مزید تفصیل کے ساتھ دو طرفہ دلایل کا محاکمہ آیندہ کسی وقت پیش کروں گا۔"

یہ اب لوکل سے انٹرنیشنل اسکالر بن گئے، بہر حال وہ جو بھی بن جائیں، ہمیں اس سے کیا غرض۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ مولوی بننے سے پہلے ہی سب کچھ بن چکے ہوتے ہیں لیکن انھیں اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے اظہار کے مواقع بعد میں ملتے ہیں لہذا موقع ملنے پر جو وہ ہوتے ہیں، ظاہر ہو جاتے ہیں۔ البتہ اس بات کا افسوس ضرور ہوا کہ مبشر بھائی نے بطور ایک عالم دین کے اپنا سارا کیریئر تباہ کر کے رکھ دیا، البتہ ان کا دنیاوی کیریئر اس عمل سے شاندار ضرور ہو جائے گا کہ اداروں میں انتظامی عہدوں سے عموماً ایسے ہی عالمی موقف کے حامل اسکالرز کو نوازا جاتا رہا ہے۔ بھائی، اگر ڈاڑھی رکھنا واجب نہیں تو گناہ بھی تو نہیں ہے لہذا رکھ لیتے تو کیا گناہ ہو جاتا۔ مولانا وحید الدین خان صاحب اتنے لبرل ہونے کے باوجود داڑھی رکھے ہوئے ہیں۔ داڑھی تو پچھلی صدی تک پوری دنیا میں مردانگی کی علامت سمجھی جاتی رہی ہے کہ یہی وجہ ہے کہ فرائیڈ، کارل مارکس، ڈارون وغیرہ تک کی داڑھی تھی۔

باقی جنہیں آپ مقامی پن کا طعنہ دے رہے ہیں، اور اب آپ ماشاءاللہ انٹرنیشنل اسکالر بن چکے ہیں، ان میں سے بہت سو جبکہ آپ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے تو اس وقت یورپ اور امریکہ کے چکر لگا چکے تھے لیکن وہ داڑھی کے وجوب کے آج بھی قائل ہیں۔ کیا مفتی تقی عثمانی صاحب اور مولانا عبد الرحمن مدنی صاحب اور اس طرح کے بیسیوں علماء نے یورپ یا امریکہ نہیں دیکھا؟ لیکن اس کے باوجود ان کے مقامی موقف میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں آئی کہ وہ عالمی بن جاتا۔ اور شیخ یوسف القرضاوی سے بڑا عالمی یا ماڈرن اسکالر کون ہو گا لیکن انہوں نے بھی لکھا ہے کہ سلف میں کوئی بھی ڈاڑھی مونڈنے کا قائل نہیں ہے البتہ ڈاڑھی کے زائد بال لینے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

میرے ایک کولیگ جو کہ کمپیوٹر سائنس پڑھاتے ہیں، اور انہوں نے ہارورڈ میں بھی کچھ عرصہ گزارا ہے، تو وہ مدرسہ کے بچوں کو کمپیوٹر کی تعلیم دینا چاہ رہے تھے، تو میں انھیں یہی کہہ رہا تھا کہ ایک نیکی کا کام یہ ہے کہ دینداروں کو دنیا میں آگے بڑھائیں تو انہوں نے تو دنیا دیکھی نہیں لہذا جب دیکھتے ہیں تو فوراً مرعوب ہو جاتے ہیں لہذا یہ خطرے کا کام ہے۔ دوسرا یہ کام ہے کہ دنیاداروں کو دین پڑھائیں، یہ وہ لوگ ہیں جو کہ آج کی دنیا میں کچھ بڑا کام کر سکتے ہیں، اور تحریکوں نے یہی کام کیا ہے۔ آج جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی اور تبلیغی جماعت کا ایک کارکن امریکہ کی یونیورسٹی میں سائنس کا مضمون پڑھاتے ہوئے بھی اسلام پر جو اعتماد رکھتا ہے اور اسلام کو جس طرح پریکٹس کرتا ہے، وہ آپ کے اسلامیات کے پروفیسر اور مسجد کے مولوی کو بھی نصیب نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک دوست نے کمنٹ کیا کہ داڑھی مونڈنا، فکر میں تبدیلی کا آغاز بھی ہو سکتا ہے۔ یاد رکھیے شروع میں غامدی صاحب بھی سید مودودی کی فکر کے اسیر تھے اور پھر امین احسن اصلاحی کی دی گئی رخصتوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اور آج ہر مسلم چیز کا انکار کرتے نظر آتے ہیں۔ کیا گارنٹی ہے کہ داڑھی کے بعد مبشر حسین صاحب کی فکر میں مزید ارتقا وارد نہیں ہو گا۔ بلاشبہ اسلام میں داڑھی ہے، داڑھی میں اسلام نہیں لیکن یہ بات یاد رکھیے کہ اسلام میں داڑھی ہے۔ جب کہ موصوف غامدی اور اب مبشر حسین صاحب بھی اس کو اسلام سے دیس نکالا دے چکے ہیں۔ کوئی صاحب کسی مجبوری یا بشری یا ایمانی کمزوری کے تحت داڑھی نہ رکھیں تو میرے نزدیک قطعی لائق ملامت بات نہیں کہ ہم میں سے کس کا تقوی ایسا ہے کہ دوسرے کے اعمال کی کوتاہیوں پر تنقید کر سکے۔ لیکن الجھن وہاں ہوتی ہے جہاں اپنی مجبوری یا تقوی کی کمی کو علمی جواز فراہم کرنے کی کوشش میں داڑھی کو دین سے دیس نکالا دینے کی کوشش کی جاتی ہے، پھر یہ عمل نہ صرف مذموم بن جاتا ہے بلکہ درشتی و تنقید کا مستحق بھی۔

ناقدین کی خدمت میں

ڈاکٹر مبشر حسین لاہوری صاحب کے بارے پوسٹ پر بعض دوستوں نے کچھ ایسے کمنٹس کیے جو کہ نازیبا تھے تو میں نے ان کمنٹس کو بھی ڈیلیٹ کر دیا اور ان دوستوں کو بھی بلاک کر دیا کہ یہ کام ایک عرصے سے کر رہا ہوں۔ عموماً اس ایکٹوٹی کا مقصد ان لوگوں کی تربیت کرنا ہوتا ہے کہ جن کے نزدیک ''تنقید'' اور ''بکواس'' میں کوئی فرق نہیں ہوتا لیکن ان لوگوں کا ریسپانس یہ ہوتا ہے کہ تمہیں اپنے پر تنقید برداشت نہیں ہوتی حالانکہ انہیں تنقید کرنی نہیں آتی۔

یہ قصائیوں کی طرف آپ کے بال کاٹتے ہیں اور ساتھ میں یہ بھی خواہش رکھتے ہیں کہ آپ ان کے بال کاٹنے کی تعریف بھی کریں۔ بھائی مبشر صاحب کے فالوورز کے کئی اس طرح کے کمنٹس اور انباکس میسیجز اور موبائل میسیجز موصول ہوئے کہ جن میں سے ایک کو شیئر کر رہا ہوں، ضرور لائک فرمائیں تاکہ انھیں بھی کچھ سکون ملے۔ انھیں لگتا ہے کہ مجھ میں برداشت نہیں ہے۔ چلیں، ان کا یہ شکوہ تو شاید اس بہانے دور ہو جائے کہ ان کی تنقید اپنی وال پر شائع کر رہا ہوں۔ بھائی،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر میں ایسا ہی ہوں تو مجھے ایسی تنقید کیوں بری لگے اور اگر میں ایسا نہیں ہوں تو پھر تو بالکل بھی بری نہیں لگے گی۔ بہر حال ڈاکٹر مبشر حسین لاہوری صاحب کی ایک فالوور لکھتی ہیں:

"ہیجڑوں کی طرح ڈاکٹر مبشر حسین صاحب اور دوسروں کو بلاک کیوں کر دیا؟ اور ان کے ایس۔ایم۔ایس کیوں ڈیلیٹ کر دیے؟ اپنی بار ہمت نہیں ہوئی سچ بات سننے کی؟ آگ لگی؟ ویسے بہت عالم بنتے ہو، جہالت کی انتہا ہے تم جیسے لوگوں پر! کوئی شرم ہوتی ہے!! کوئی حیا ہوتی ہے!! ریال کھانے کی بھی کوئی حد ہوتی ہے!! حرام کھانے والو!!" [عائشہ مہک]

بس اتنا عرض کرنا ہے کہ ڈاکٹر مبشر حسین صاحب میرے پاس بلاک نہیں ہیں، باقی اللہ سے ہمیشہ دعا گو رہتا ہوں کہ پروردگار میری محبت میں کسی شاگرد یا فالوور کو اتنا اندھا نہ کرنا کہ مجھ پر تنقید سن کر وہ تنقید کرنے والے پر اس قسم کی چڑھائی کرے۔ یہاں سب کے جیالے موجود ہیں، کیا بریلوی، کیا دیوبندی اور کیا اہل حدیث۔ بس اللہ عزوجل ہمیں یہ توفیق نصیب فرمادے کہ جس پر تنقید کریں، اس کے حق میں تنہائی میں دعا کرنے والے بھی بن جائے۔ آمین یارب العالمین! یہی تنقید کو سیکھنے کا پہلا قدم ہے، چاہے تکلف سے ہی ہو۔

ہر دور کا ایک عمومی طعنہ ہوتا ہے، ایک دور میں ڈالروں کا طعنہ دیا جاتا تھا یعنی جس سے اختلاف ہوا، جھٹ کہہ دیا کہ امریکہ کا ایجنٹ ہے، اسے ڈالر ملتے ہیں۔ اب ڈالروں کی دہائی گزر چکی ہے، اب امریکہ پاکستان کے تعلق خراب ہیں لیکن پاکستان سعودی عرب کے تعلقات اچھے جا رہے ہیں، اب حکومت کو بھی سعودی عرب سے ریال ملتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی جن پر آپ نے تنقید کرنی ہو، خاص طور اگر وہ شخص اہل حدیث ہو تو اسے تو لازماً ہی ملتے ہوں گے۔

اتفاق اور اختلاف

اپنے مکتب فکر، اپنی جماعت اور اپنے مسلک کے لوگوں سے تو سب سیکھتے ہیں، مزہ تو تب ہے کہ آپ دوسرے مکتبہ فکر، مسلک اور جماعت کے لوگوں سے اختلاف کرتے ہوئے، ان سے سیکھنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر لیں۔ پس فیس بک پر رہتے ہوں کم از کم تین افراد تو ایسے تلاش کر لیں کہ جو آپ کے مکتب فکر، جماعت اور مسلک کے تو نہ ہوں لیکن آپ ان سے اختلاف رکھنے کے باوجود

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ان سے سیکھتے بھی ہوں۔

میں اگرچہ سلفی فکر سے گہری ذہنی اور قلبی مناسبت رکھتا ہوں لیکن یہاں فیس بک پر جن تین دوستوں سے جو کہ سلفی نہیں ہیں، سب سے زیادہ سیکھنے کو ملتا ہے، ان میں رعایت اللہ فاروقی، ڈاکٹر زاہد صدیق مغل اور عظیم الرحمن عثمانی صاحب ہیں۔ فاروقی صاحب کا انداز صحافیانہ، مغل صاحب کا فلسفیانہ اور عثمانی صاحب کا اصلاحی ہے۔

تینوں میں جو چیز مشترک ہے، وہ گہرائی اور ذہانت ہے اور دوسرا روایت سے تمسک، اور یہ دونوں چیزیں میرے مزاج کو بہت اپیل کرتی ہے۔ اور جن کو میں پڑھتا ہوں، ان میں سب سے زیادہ ذہانت کا استعمال فاروقی صاحب کی تحریر، سب سے زیادہ گہرائی زاہد صدیق مغل صاحب کی تحریر میں اور سب سے زیادہ ترغیب عظیم الرحمن عثمانی صاحب کی تحریر میں ملتی ہے۔

اگر آپ ان تین حضرات کو نہیں پڑھتے تو ضرور پڑھا کریں، ان سے اختلاف بھی آپ کو کچھ سکھا جائے گا کہ ذہانت کی معراج وہی ہے، جو انسانی رویوں کے گہرے تجزیات سے پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی اچھے لکھاری کی نشانی ہے کہ وہ اپنے مخالفین کو بھی کچھ نہ کچھ دے ہی جاتا ہے۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب پانزدھم

مسالک اور جماعتیں

اس باب میں مسالک اور جماعتوں (Schools of Thoughts and Movements) کے بارے بنیادی سوالات پر بحث کی گئی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میرا کوئی مسلک نہیں ہے!

میرا کوئی مسلک نہیں ہے، یہ بیان خود ایک مسلکی بیان ہے۔

تعبیر دین کا اختلاف

"تنوع" کے اختلاف میں دین کی ایک سے زیادہ تعبیریں صحیح ہو سکتی ہیں لیکن "تضاد" کے اختلاف میں دین کی ایک تعبیر ہی "حق" ہوتی ہے، باقی سب "باطل"۔ اسے مانے بغیر چارہ نہیں ہے۔

اخوان الصفا

وہ سات دوست تھے جو کہ شہر سے باہر ایک پہاڑ کی چوٹی پر حلقہ لگائے بیٹھے تھے تاکہ اس ویرانی سے وہ، وہ باتیں کر سکیں جو وہ شہر کی آبادی سے نہیں کر سکتے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ اس بار ہم یہاں اس لیے جمع ہوئے ہیں کہ ہم آدمی کی اچھل کود کی وجہ اور مقصد کو جان سکیں۔ دوسرے نے کہا کہ وہ وجہ یا تو پیٹ ہے، یا جنس ہے، یا دوسروں پر غالب آنے کی خواہش ہے۔

تیسرے نے کہا کہ ہم مذہبی آدمی کی بات کر رہے ہیں نہ کہ عام انسان کی، لہذا وجہ کے تعین میں تھوڑا خاص (specific) ہو جاؤ۔ چوتھے نے کہا کہ مذہبی آدمی کا المیہ بھی وہی ہے جو عام انسان کا ہے کہ جس قدر مذہبی علم میں اضافہ ہوتا ہے، اس کے شکوک و شبہات بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس کے علمی اجمال میں جو یقین کی کیفیت تھی، وہ علم کی تفصیل میں پڑنے سے شک میں تبدیل ہو گئی۔ تیسرے نے کہا کہ اسے شک کی ابتلاء کی بجائے یقین کے زوال کا نام دینا چاہیے۔

پانچویں نے کہا کہ مذہبی آدمی کا بحران اخلاقی ہے کہ سو میں سے پچانوے دوسروں کی اصلاح اور تربیت میں لگے ہیں۔ اصلاح و تبلیغ، دعوت و تربیت اور تحریک و جہاد کے نام پر ان میں سے ہر ایک لیڈر اور امام بننا چاہتا ہے، بھلے چار لوگوں کا ہی کیوں نہ ہو۔ ہر شخص اپنا ادارہ، اپنی جماعت، اپنی تحریک چاہتا ہے تاکہ اپنا "حق" (truth) دوسروں تک پہنچا سکے۔ سو مذہبی آدمیوں میں سے پچانوے نے حق بات کی تبلیغ کے لیے اسپیکرز کھول رکھے ہیں اور عام انسان تو کجا خود انہیں کچھ سنائی نہیں دے رہا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں! دوسروں نے کہا کہ مسئلے کا حل کیا ہے؟ اس نے کہا کہ خاص انسان سے عام

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آدمی بننے کی کوشش کرو۔ اپنی اصلاح پر خوب توجہ دو جبکہ دوسروں کی اصلاح کے لیے اتنی مذہبی ایکٹوٹی کافی ہے کہ ہفتے میں ایک درس ہو گیا۔ اگر دین کے لیے بھی ایک "گدھے" کی طرح کام کرتے رہو گے تو جدید انسان کی طرح بہت جلد اس زندگی سے تھک جاؤ گے۔

چھٹے نے کہا کہ جب تم بچے کو یہ کہتے ہو کہ تم میں کچھ خاص ہے، تم یہ کر سکتے ہو، دنیا میں کچھ مشکل نہیں ہے تو اس کی تخلیق اور پروڈکٹوٹی دونوں بڑھ جاتی ہیں۔ اگر انسان کی زندگی سے "تحریک" نکال دو گے تو ان دونوں صلاحیتوں کو زنگ لگ جائے گا اور مذہبی آدمی کی ان دونوں صفات کے کامل اظہار کے بغیر نہ تو اس امت کے لیے دنیا کی امامت کا خواب پورا ہو سکتا ہے اور نہ ہی یہ خلافت ارضی کی مستحق قرار پا سکتی ہے۔ اور اس سب کچھ سے گزرے بغیر نہ ہی خود انسان مکمل ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کی شخصیت کی تعمیر کا خواب پورا ہو سکتا ہے۔ اگر بڑے بڑے خواب نہیں دیکھو گے تو اپنے زندہ رہنے کی وجہ جواز کھو بیٹھو گے اور بہت جلد زندگی سے اکتا جاؤ گے۔ پس اس امت کا اصل المیہ تحریکی شعور کی کمی ہے۔

ساتویں نے کہا کہ ہمارا اصل مسئلہ علمی شعور کا نقص ہے، اسے پورا کر لو تو وہ سکون میسر آ جائے گا کہ جس کی تلاش میں تم یہاں جمع ہوئے ہو۔ علمی شعور کے کمال نے ہماری اس طرف راہنمائی کی ہے کہ مذہبی افکار کے اس جنگل میں کھو جانے والے معاصر مذہبی آدمی کا اصل مسئلہ "دانش" ہے۔ باقیوں نے سوال کیا کہ "دانش" کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "بکواس"۔ انہوں نے کہا کہ "بکواس" کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جو ہم کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسئلے کا حل کیا ہے؟ اس نے کہا کہ "بکواس" بند کر دو یا کم کر دو تو اس الجھن سے نکل آؤ گے کہ جس کے لیے یہاں جمع ہوئے ہو۔

دوسرے نے کہا کہ مجھے تو لگتا ہے کہ تم سب میرے شعور کی ہی مختلف فیکلٹیز ہو جو مختلف احوال میں زندگی گزار رہی ہیں۔ پہلے نے کہا جو کہ معمر تھا کہ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ تم سب میرا ماضی ہو اور یہ سب باتیں، کیفیتیں اور احوال جو کہ تم بیان کر رہے ہو، مذہبی آدمی کے رستے کے سنگ ہائے میل (milestones) ہیں۔ تیسرے نے کہا کہ مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ "جہالت" بہت بڑی نعمت ہے لہذا اپنے شعور کی تمام فیکلٹیز کو جگانے کی غلطی نہ کرنا کہ ان میں باہمی اختلاف کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

احساس زندہ ہو جائے گا۔ چوتھے نے کہا کہ نہیں "جہالت" کو نہیں بلکہ "کم علمی" کو نعمت سمجھو کہ ایسے شخص کو آسانی سے یکسوئی حاصل ہو جاتی ہے۔ ساتویں نے کہا کہ "علم" تو کم ہی دیا گیا ہے، جو زیادہ ہے، وہ "دانش" ہے۔ پس دانش کی کمی بہت بڑی نعمت ہے۔ "علم" سب کا ایک ہے جبکہ "دانش" اپنی اپنی ہے۔

پہلے نہ کہا کہ یہ "واہ واہ" ہمیشہ ساتویں کے حصے میں ہی آتی ہے! دوسرے نے کہا کہ مجھے آج اپنے سوال کا جواب مل گیا کہ "بکواس بند کر دو"۔ تیسرے نے کہا کہ آدمی کا المیہ یہ نہیں ہے کہ اسے جواب نہیں ملتا، اس کا المیہ یہ ہے کہ ہر جواب کچھ عرصہ بعد عارضی ثابت ہوتا ہے۔ ساتویں نے کہا کہ کچھ کر سکتے ہو تو پہلی فرصت میں یہ کر لو کہ اس "دانش" کے حصول کی دوڑ اور ریس سے نکل جاؤ۔ اور اگر نہیں نکلو گے تو نہ ختم ہونے والی پستی (infinite regression) میں لڑھکتے چلے جاؤ گے۔ شروع میں نکلنا آسان ہے، کچھ آگے پہنچ گئے تو بہت مشکل ہو جائے گا۔ ایک غیر دانشمند کو اس عذاب کا احساس تک نہیں ہے کہ جس سے تمہارے دانشور گزر رہے ہیں۔

تنقید کے اصول اور آداب

اس میں کوئی شک نہیں کہ تنقید کرنا ایک بوجھ ہے کہ جو ہم قیامت کے دن تک کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ مجھے تنقید کرنے کے حوالے سے کچھ بنیادی باتیں سیکھنے میں دس سال لگ گئے۔ میں نے لوگوں کو سنائیں اور انہوں نے مجھے بہت سنائیں اور بالآخر میں نے یہ طے کر لیا کہ چاہے فریق مخالف جیسا بھی ہو، اگر کلمہ گو ہو گا تو کبھی گالی نہ دوں گا۔ اور ذات پر تنقید کی ابتداء میری طرف سے نہیں ہو گی اور جو جواب میں ہو گی تو وہ اس سے زیادہ نہ ہو گی جتنی اس نے کی ہے۔

میں ممکن حد تک ان دو اصولوں کی پاسداری کرتا ہوں اور جب بھی کوئی بھی ان دو باتوں کے حوالے سے مجھے متوجہ کرے تو چاہے اس سے لاکھ اختلاف ہوں، کوئی تاویل کیے بغیر اپنے الفاظ سے رجوع کر لیتا ہوں اور تنہائی میں اپنا محاسبہ کرتا ہوں۔ اسی طرح مجھے جن لوگ سے اختلاف ہے، وہ اگر اللہ کے لیے ہے تو میں نے اپنے لیے اور اپنے دوستوں کے لیے یہ طے کیا ہے کہ فریق مخالف کو گالی نہ دیں لہذا اپنی وال پر گالی والے کمنٹس پر نظر پڑتے ہی فوراً ڈیلیٹ کر دیتا ہوں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میری رائے ہے کہ تنقید کے اصولوں پر تو فرائض کی طرح عمل پیرا ہونا چاہیے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کے کسی ایسے دشمن کو گالی نہیں دی کہ جس کی دشمنی پر قرآن گواہ تھا تو ہم ایک ایسے شخص کو کیسے گالی دیں کہ جو زبان سے تو کم از کم کلمے کا اقرار تو کر رہا ہے۔

تنقید کے آداب وہ ہیں کہ جن کا لحاظ رکھنے سے ہم "السابقون الاولون" میں شامل ہو سکتے ہیں، ان شاء اللہ۔ ان آداب کا خلاصہ یہ ہے جو کہ میں نے جناب احمد جاوید صاحب سے سنا ہے کہ جن پر آپ تنقید کرتے ہیں؛ تنہائی میں ان کے لیے رویا کریں، اس کا فائدہ شاید ان لوگوں کو تو ہو یا نہ ہو لیکن ہماری تنقید کی بنیاد اخلاص پر قائم ہو جائے گی۔ اور تنقید سے نفسانیت نکالنے کے لیے ایسا تکلفاً کر لینا بھی عبادت کہلائے گا۔ واللہ اعلم

بغض اور تکفیر

جب ماضی پر غور کرتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ میں بنیادی طور ایک محقق اور نقاد ہوں، اور پچھلے بارہ سال کے عرصے سے لکھ رہا ہوں۔ بہت مکالمے، مباحثے، مجادلے اور مناظرے کرنے کے بعد یہ طے کر لیا کہ نہ تو کسی مسلمان سے بغض رکھوں گا اور نہ ہی کسی مسلمان کو کافر یا فاسق قرار دوں گا۔ البتہ جنہیں کبار علماء نے کافر یا فاسق قرار دیا ہو تو ان کی رائے پر میں غور کروں گا۔

ہم میں سے ہر شخص کی یہ حالت ہونی چاہیے کہ وہ کہہ سکے کہ واللہ! میرے دل میں کسی مسلمان کے لیے بغض نہیں ہے، بھلے ہزاروں اختلافات ہوں۔ جہاں تک غصے کا معاملہ ہے تو غصہ تو آ ہی جاتا ہے، جو ایک آدھ دن تک باقی بھی رہتا ہے۔ اور اگر پھر بھی نہ اترے تو اس کے حق میں دعا کا اہتمام کرے کہ جس پر غصہ ہو۔ اور اس تدبیر سے وہ بھی جاتا رہے گا کہ غصے میں اپنا خون جلانا کوئی نیکی کا کام نہیں ہے۔

دوسروں پر نقد کے بعد ہمیشہ استغفار کرنا چاہیے، بعض اوقات نقد کرنے کو دل نہیں کرتا کہ دوستوں کی دل آزاری ہو گی، لیکن رہا نہیں جاتا، عادت یا مزاج ایسا ہو تو پھر انسان کر ہی لیتا ہوں، لیکن بعد میں اس کا کفارہ توبہ کے نوافل کی صورت میں ادا کر دے کہ اگر اس میں کوئی شر کا پہلو ہے تو جاتا رہے۔ یہ سمجھ مجھے دس سال بعد آئی، اور جسے اس عرصے سے پہلے آ جائے، تو واقعتاً میرے لیے بہت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی قابل رشک ہے۔

کسی مسلمان کو کافر اور فاسق نہ کہے اور نہ ہی دل سے سمجھتا ہو۔ جو ہے، مجھ سے بہتر ہے، لیکن علمی موقف میں جو درست ہے، وہ بیان کرتا رہے، یہ بھی کہ اس کے کلام میں کفر، شرک اور گمراہی ہے۔ کبھی میں غصے میں ہوتا ہوں، تو آپ خاموش ہو جاتے ہیں، میں اس کی قدر کرتا ہوں۔ اور کبھی آپ غصے میں ہوں گے، تو میں خاموش ہو جاؤں گا، یہی دوستی ہے۔

ہم میں سو فی صد اتفاق ممکن نہیں ہے، جس سے ستر اسی فی صد باتوں میں اتفاق ہو تو یہی دوست ہے۔ اگر دس بیس فی صد میں اختلاف ہو بھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کبھی آپ بول لیں، میں سن لوں، کبھی میں بول لوں گا، آپ سن لیں، بات ختم۔ اور اگر ہمارا اختلاف ہی ستر اسی فی صد ہے تو پھر ہمیں احترام کے ساتھ ایک دوسرے سے استفادہ کرنا چاہیے، بولنے سے فائدہ نہیں ہو گا یا رستہ علیحدہ کر لینا چاہیے۔

لبرل ازم اور انتہا پسندی

لبرل ازم اور انتہا پسندی کی مثال قطب شمالی اور قطب جنوبی یعنی ساؤتھ اور نارتھ پول کی سی ہے کہ ایک کے بغیر دوسرے کو سمجھنا بلکہ اس کا تصور کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر مشرق ہی نہیں ہو گا تو مغرب کیسے سمجھ میں آئے گا۔ لبرل ازم اور انتہا پسندی یہ دونوں ایک دوسرے کی وجہ بھی ہیں اور نتیجہ بھی۔

اگر انتہا پسندی کو ختم کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ایک بڑی وجہ کو ختم کرنا ضروری ہے، اور وہ لبرل ازم ہے۔ مسلم معاشروں میں اکثر و بیشتر انتہا پسندی، رد عمل کی انتہا پسندی ہے جو لبرل ازم کی کوکھ سے برآمد ہوئی ہے۔ انتہا پسندی کی روک تھام کے لیے اس معاشرے میں لبرسٹوں کا اٹھایا جانا بہت ضروری ہے کہ ان کا "بھینسا" جیسا ایک فیس بک پیج ایک ہزار انتہا پسندوں کو جنم دیتا ہے۔

یہ لبرل ہی ہیں، جو کہ انتہا پسند ہیں، یعنی مذہب اور مولوی کی مخالفت میں انتہا پسند۔ اور انتہا پسندی، ہمیشہ انتہا پسندی کو جنم دیتی ہے۔ پس لبرسٹوں کی یہ انتہا پسندی، ایک اور انتہا پسندی کو جنم دیتی ہے، اور وہ ہے مذہبی انتہا پسندی۔ لبرل ازم دراصل، انتہا پسندی کی سب سے بڑی نرسری بن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چکی۔ یہ لبرل اپنی حرکتوں اور گستاخیوں سے پرامن معاشروں میں جنگ کی آگ بھڑکانا چاہتے ہیں۔

اور رہے مذہبی انتہا پسند تو وہ تو پہلے ہی لائن حاضر ہیں اور ان کی اس حاضری کی وجہ سے بہت سوں کو سمجھ آ گئی ہے کہ کام کرنے کا یہ طریقہ درست نہیں ہے لہذا وہ اچھے شہری بن رہے ہیں۔ لیکن لبرسٹوں کو اچھا شہری بننے کے لیے ابھی قربانیاں دینی پڑیں گی، مطلب جیل اور عقوبت خانوں کی ہوا کھانے کی قربانی۔ اور ایسا کرنا اس معاشرے کو زندہ رکھنے کے لیے بہت ضروری ہے ورنہ تو لڑ مر کر تباہ ہو جائے گا۔

شیعہ مجالس کی حالتِ زار

فیس بک پر ہمارے شیعہ عالم دین دوست امجد عباس صاحب جو کہ جامعہ کوثر، اسلام آباد میں مدرس بھی ہیں، اپنی وال پر لکھتے ہیں:

"کسی زمانے میں اہلِ تشیع کی مجالس کافی علمی ہوا کرتی تھیں، اِن میں بڑے بڑے صاحبانِ علم و فضل علماء تشریف لاتے تھے۔ ایک عرصے سے شیعہ مجالس کا منبر عوامی خطیبوں اور جاہل ذاکروں کے ہاتھوں یرغمال ہو چکا ہے، جہالت کو فروغ دینے کا یہ مجالس اب بدترین ذریعہ بن چکی ہیں، اب اِن مجالس کو بے عمل، بے دین، مشرک، غالی خطیبوں نے اپنی کمائی اور فاسد عقائد پھیلانے کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ ابھی ایک عوامی، مشرک، غالی، نُصیری، جاہل، بازاری خطیب "علامہ" علی باقر نقوی آف کراچی کی مجلس کا ایک کلپ سُنا ہے، موصوف کہتے ہیں کہ آیتِ تطہیر میں تحریف کی گئی ہے، یہ یوں تھی "لیُذھبَ عنکم الرجِس بِ اھل البیت۔" یعنی اہلِ بیت، اپنے ماننے والوں کی تطہیر کریں گے، گویا شیعہ بھی معصوم قرار پائیں گے۔ حدیثِ کساء کے حوالے سے کہا کہ سبھی آئمہ چادر میں آ گئے، اللہ تعالیٰ نے خود کو حضرت عباس کے پیکر میں ڈھالا، یہ عباس نہ تھا، در حقیقت خدا تھا (نعوذ باللہ)۔ موصوف نے اپنی طرف سے عربی بھی گھڑنے کی جسارت کی ہے۔ یہ وضاع بھی ہے، تحریفِ قرآن کا مرتکب بھی، شرک اور غلو بھی موصوف دھڑلے سے پھیلا رہا ہے۔ مجھے سب سے زیادہ افسوس اُن جاہلوں پر آتا ہے جو ایسے احمقوں کو سنتے ہیں، ایسی جھوٹی مجالس میں آتے ہیں، پھر بے پناہ داد دیتے ہیں۔ اِن لوگوں کے جذبات "خوارج" کے سے ہیں، یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظالم انتہائی بکواسات پھیلا رہے ہیں۔ایک ایک مجلس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں، افسوس ہوتا ہے کہ کوئی ایک آدمی اِنھیں نہیں ٹوکتا کہ آپ کیا پڑھ رہے ہیں۔زیادہ تر شیعہ مجالس کی یہی حالت ہے،اکثر خطیب و تمام ذاکر حضرات دین کی ابجد سے بالکل ناآگاہ ہیں۔ شیعہ علماء نے ہمیشہ اِن عناصر کی مذمت اور ملامت کی ہے۔ خُدا گواہ ایسی مجالس، ایسے خطیب و جاہل ذاکرین، اُن کی حوصلہ افزائی اور موالیانِ اہل بیت کی اُن میں کثرت سے شرکت سے معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر موالیانِ اہلِ بیت "غالی/مشرک" ہیں۔ شیعہ علماء نجانے کیوں خاموش ہیں، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ شیعیت کو سب سے زیادہ نقصان ہمیشہ اِس کے اندر چھپے "غالی مشرکوں" نے پہنچایا۔ یہ قوم کس طرف جارہی ہے!"

مکتبِ اہلِ بیت سے وابستہ احباب

فیس بک پر ہمارے شیعہ عالم دین دوست امجد عباس صاحب جو کہ جامعہ کوثر، اسلام آباد میں مدرس بھی ہیں، اپنی وال پر لکھتے ہیں:

"جیسا کہ کئی بار گزارش کر چکا ہوں کہ موالیانِ اہلِ بیت کی زیادہ تر مجالس میں پڑھنے والے خطباء حضرات نام نہاد عوامی خطیب ہوتے ہیں، جنھوں نے باضابطہ علمِ دین کہیں سے نہیں سیکھا ہوتا۔ اکثر حضرات نُصیری فرقہ سے ہیں جو غلو اور شرک پھیلاتے اور پیسہ بٹورتے ہیں۔ میں نے "ولی العصر" نامی ویب سائٹ کو دیکھا، یہاں "شیعہ" علماء کے نام، پتے اور فون نمبر درج ہیں۔ میں وہ لسٹ دے رہا ہوں اگرچہ یہ لسٹ ذرا پُرانی ہے، اِس میں دو تین مرحوموں کا نام بھی آیا ہوا ہے۔ آپ اچھی طرح اِس لسٹ کو پڑھیے گا، پھر اِس میں سے صرف پانچ ایسے افراد بتادیں جو شیعہ ہوں، جنھوں نے باقاعدہ علمِ دین پڑھا ہو اور صحیح "تبلیغِ دین" کرتے ہوں۔ اِسے میرا کھلا چیلنج سمجھیے، اگر پانچ نام نہ مل سکیں تو میری بات مان لیجیے کہ زیادہ تر مجالس جہالت پھیلاتی ہیں، اکثر خطباء جاہل، غالی، نُصیری، مشرک ہیں۔ یہ جھوٹ بول کر پیسہ کماتے ہیں، یہ اِن کا روزگار ہے، یہ حضرات فی گھنٹہ 30 ہزار سے ایک لاکھ روپے تک وصولتے ہیں۔ ہاں بہت ہی کم صحیح علماء ہیں جو مجالس میں گفتگو کیا کرتے ہیں، یہ آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ آج کے شیعہ نوجوان کو اِن جاہلوں کی محافل سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتناب برتنا چاہیے، ہمارے ملک میں بہت کم علمی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے لیکن اُن میں بھی زیادہ وقت واقعہِ کربلا پر لگایا جاتا ہے۔ درسِ قرآن، درسِ تفسیر، درسِ عقائد و درسِ حدیث کا سلسلہ موجود ہی نہیں۔ سو مکتبِ اہلِ بیت کی دینی تعلیمات کے لیے مستند دینی مراکز، وہاں موجود علماء اور معتبر کتب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ شیعہ علماء اور مذہبی اکابر نے ہمیشہ اِن عوامی خطباء سے اظہارِ براءت کیا ہے۔ وہ اِنھیں شیعیت سے خارج اور دشمنِ اسلام جانتے ہیں۔ اُن کے خیال میں شیعہ عوامی مجالس کا منبر نُصیری، غالیوں کے ہاتھ لگ چُکا، جو خود کو شیعیت کے لبادہ میں پیش کرتے اور عوام کو گمراہ کرتے اور فرقہ واریت پھیلاتے ہیں۔"

صفویت کیا ہے؟

دوست کا سوال ہے کہ صفویت کیا ہے؟ اصل میں شروع اسلام میں مسلمانوں میں دو رجحانات پیدا ہو گئے تھے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت عثمان، حضرت علی سے افضل ہیں۔ یہ لوگ اکثریت میں تھے اور اہل سنت والجماعت کہلائے۔ اس کے برعکس کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت علی، حضرت عثمان سے افضل تھے۔ یہ لوگ اقلیت میں تھے اور اہل تشیع کہلاتے تھے، رضی اللہ عنہم۔

لیکن ان دونوں کا اتفاق تھا کہ شیخین حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما امت میں سب سے افضل ہیں، صحابہ کرام سے بھی اور اہل بیت سے بھی۔ اسی لیے شریک بن عبد اللہ رحمہ اللہ سے جب سوال ہوا کہ آپ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے ہیں حالانکہ آپ شیعہ ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ تمام شیعانِ علی کا یہی عقیدہ ہے۔ یہی وہ اہل تشیع ہیں کہ جن سے اہل سنت کے کبار محدثین مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ نے اپنی کتابوں میں روایت لی ہے۔

لیکن آہستہ آہستہ کچھ غالی قسم کے لوگ اہل تشیع میں گھس گئے کہ جنہوں نے اس مذہب کو شیعیت سے رافضیت کی طرف پھیر دیا۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ رافضی کون ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ رافضی وہ ہے جو ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دے۔ پس ایک شیعہ ہے اور ایک رافضی ہے، دونوں میں فرق ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں دو وجہ سے رافضی کہا گیا؛

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک وجہ یہ تھی کہ انہوں نے زید بن علی بن حسین رحمہ اللہ کی امامت کا انکار کیا کہ زید بن علی بن حسین رحمہ اللہ ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما پر تبرا کرنے سے منع کرتے تھے۔ اور دوسرا اس وجہ سے رافضی کہا گیا کہ انہوں نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کی خلافت کا نہ صرف انکار کیا بلکہ انہیں گالی بھی دی۔

ان رافضیوں سے پھر صفوی پیدا ہوئے۔ یہ ایک رافضی خاندان تھا کہ جس نے تقریباً تین سو سال تک (1199-905ء) ایران میں حکومت کی۔ ان کے جد امجد کے شیخ زاہد الجیلانی نے انہیں خبر دی تھی کہ یہ ظہور مہدی تک عالم دنیا پر راج کریں گے۔ واضح رہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتح ایران کے بعد سے ایران کا سرکاری مذہب سنی رہا ہے اور وہاں شوافع کی اکثریت تھی۔ صفویوں کے جد امجد شاہ اسماعیل اول نے تلوار کے زور پر سنیوں کو رافضی بنایا اور جنہوں نے انکار کیا، انہیں قتل کر دیا گیا۔

ایرانی سلطنت عراق اور افغانستان تک وسیع ہوئی، لاکھوں سنی قتل ہوئے، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مقبرہ گرایا گیا بلکہ اسے کوڑا کرکٹ کا ڈھیر بنایا گیا، شاہ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کی قبر اکھیڑی گئی، بازاروں اور منبروں پر شیخین اور خلفائے ثلاثہ پر تبرا کو رواج دیا گیا، ماتم اور زنجیر زنی کی محافل کا اہتمام شروع ہوا، آذان میں "أشهد أن عليا ولي الله" کے الفاظ شامل کیے گئے، کربلا کی مٹی پر سجدے کی بدعت کا آغاز ہوا وغیرہ وغیرہ۔ اگر آپ نے اہل تشیع اور صفویہ میں آسان سا فرق جاننا ہو تو جو فرق عام یہودی اور صیہونی (Zionist) میں ہے، وہی ایک شیعہ اور صفوی میں ہے۔ صفویت کے بارے مزید مطالعہ کے لیے عبد العزیز بن صالح المحمود الشافعی کی کتاب "عودة الصفويين" کا مطالعہ مفید رہے گا جو کہ کئی ایک سنی اور شیعہ مصادر تاریخ کی روشنی میں مرتب کی گئی ہے اور اپنے موضوع پر ایک مختصر اور جامع کتاب ہے۔

سعودی عرب اور خلیجی ممالک کا خیال یہ ہے کہ معاصر ایرانی حکومت بھی صفوی دور حکومت کی ایکسٹینشن ہے جو عالم اسلام بلکہ بلد حرمین پر حکومت کے خواب دیکھ رہی ہے۔ یہودی گریٹر اسرائیل بنانا چاہتے ہیں تو ایرانی گریٹر ایران۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اہل تشیع کو تو اسپورٹ کیا جائے اور رافضیوں کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ اہل تشیع پاکستان کے ساتھ مخلص ہو سکتے ہیں لیکن صفوی کبھی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہو سکتا۔ اب بھی یونیورسٹی وغیرہ یا پڑھے لکھے طبقے میں آپ کو ایسے لوگ مل جاتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت سے بہت عقیدت رکھتے ہیں لیکن شیخین پر تبرا کو جائز نہیں سمجھتے بلکہ ان کے احترام اور فضیلت کے قائل ہیں، یہی اصل شیعہ ہیں۔

شیعہ کی بنیاد اہل بیت سے محبت ہے جبکہ رافضہ اور صفویہ کی بنیاد بغض شیخین ہے تو جس میں شیخین کا بغض ہو تو وہ رافضی ہے۔ تو اہل تشیع سے اتحاد ہونا چاہیے، ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ ان کے مذہب کی بنیاد اہل بیت سے محبت ہے لیکن رافضی اور صفوی آپ سے راضی ہو جائیں تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ سنی حکومتیں ان کے حوالے کر دیں کہ ان کے مذہب کی بنیاد بغض اور دشمنی ہے، نہ صرف شیخین اور صحابہ کرام سے بلکہ اہل سنت والجماعت سے بھی۔

شیخین کو گالی دینے کا حکم

دوست کا سوال ہے کہ شیخین کو گالی دینے والے کا دین میں کیا حکم ہے؟ جواب: شیخین سے مراد حضرت ابو بکر الصدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس مسئلے میں کئی ایک صورتیں ہیں؛ ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص شیخین کو کافر سمجھے تو ایسا شخص خود کافر ہے اور اس پر اہل ایمان کا اتفاق ہے۔ اور ایسے شخص کے کافر ہونے میں ذرا بھی شک نہیں ہے بلکہ اسے کافر نہ سمجھنا نفاق کی علامت ہے اور ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے کہ جسے ایمان کی حلاوت نصیب نہ ہوئی ہو۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ شیخین کا ایمان کتاب وسنت کی قطعی نصوص سے ثابت ہے لہذا ان کے ایمان کا انکار کرنے والا کتاب وسنت کی ان قطعی نصوص کا منکر ہے۔ اور قرآن مجید اور ایسی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر کہ جس کی صحت پر امت کا اجماع ہو، دائرہ اسلام سے خارج متصور ہو گا۔

دوسری صورت یہ ہے کوئی شخص شیخین کو گالی دے اور گالی دینے کا سبب ان سے بغض ہو تو ایسا شخص بھی دائرہ اسلام سے خارج ہے اور ایسے شخص کی سزا تعزیر ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جو ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو گالی دے تو میری رائے میں وہ اسلام پر نہیں ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایسے شخص کو تعزیر لگائی جائے گی۔ لیکن یہ تعزیت اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ فرد کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ریاست کو اس کی ذمہ داری پر متنبہ کرے اور ایسے شخص

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے قطع تعلق کر لے۔

امام مالک رحمہ اللہ نے یہ بھی فتوی دیا کہ جس نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو گالی دی تو اسے تعزیر لگائی جائے گی اور جس نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کو گالی دے تو اس سے قتال بھی جائز ہے۔ تو امام مالک رحمہ اللہ سے سوال ہوا کہ یہ فرق کیوں؟ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ جس نے ام المومنین رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی، اس نے قرآن کی مخالفت کی۔ لیکن یہ قتال ریاست کی ذمہ داری ہے نہ کہ افراد کی۔ افراد کی ذمہ داری صرف اتنی ہے کہ ریاست کو اس کی ذمہ داری پر متنبہ کرے اور ایسے شخص سے قطع تعلق کر لے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ اپنی معروف تالیف "عقیدہ طحاویہ" میں امام ابو حنیفہ، قاضی ابو یوسف اور امام محمد اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "ونحب أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا نفرط في حب أحد منهم، ولا نتبرأ من أحد منهم، ونبغض من يبغضهم...وحبهم دين وإيمان وإحسان، وبغضهم كفر ونفاق وطغيان."۔ ترجمہ: ہم اصحاب رسول سے محبت رکھتے ہیں، اور ان میں سے کسی ایک کی محبت میں بھی کمی نہیں کرتے، اور نہ ہی ان میں سے کسی ایک کو برا بھلا کہتے ہیں، اور جو اصحاب رسول سے بغض رکھے تو ہم بھی اس سے بغض رکھتے ہیں... اور اصحاب رسول سے محبت دین، ایمان اور احسان ہے۔ اور ان سے بغض رکھنا کفر، نفاق اور سرکشی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ کی یہ رائے "ایگریسو ایٹی چیوڈ" ہے تو جس رائے پر یہ رائے پیش کی جا رہی ہے، وہ کیا "ایگریسو ایٹی چیوڈ" نہیں ہے؟ یعنی جو شیخین کو کافر کہے تو وہ "ایگریسو" نہیں ہے؟ البتہ یہ واضح رہے کہ اگر کسی نے اصحاب رسول پر ایسا طعن کیا کہ جس کا تعلق ان کی عدالت سے نہیں ہے جیسا کہ کسی صحابی کو بخیل اور کنجوس کہہ دیا یا یہ کہہ دیا کہ ان میں زہد نہیں تھا یا انہیں بزدل کہہ دیا وغیرہ وغیرہ تو یہ گالی دینے میں شامل نہیں ہے اور نہ ہی ایسا کہنے والا شخص کافر ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کو بس سمجھایا جائے گا کہ وہ ایسا نہ کرے۔

غدیر خم کا واقعہ

غدیر خم مکہ اور مدینہ کے مابین ایک جگہ کا نام ہے کہ جہاں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے واپسی کے موقع پر ایک خطبہ دیا تھا کہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان فرمائی۔ بعض لوگوں نے اس خطبے کو بنیاد بنا کر یہ غلط فہمی عام کر دی کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام اور خلیفہ مقرر کرنے کا خطبہ تھا حالانکہ اس خطبے کا مقصد لوگوں کے دلوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے منفی جذبات کو ختم کرنا اور ان کی محبت اور مودت پیدا کرنا تھا۔

ہم اس خطبے کے سبب (context) کو بیان کریں گے کہ جس کے بغیر اس خطبے کو سمجھنا بالکل بھی ممکن نہیں ہے۔ اگر آپ کسی واقعے میں سے اس کے سبب کو نکال دیں تو آپ کبھی بھی اس واقعے کی حقیقت تک نہ پہنچ پائیں گے۔ اور جب آپ واقعے کا اصل سبب نقل نہ کریں گے تو پھر آپ اس واقعے کا سبب گھڑیں گے اور یہاں ہی سے آپ حقیقت کا چہرہ مسخ کرنا شروع کر دیں گے اور یہی ہمارے ہاں جاہل ذاکر اپنی مجلسوں میں کرتے ہیں کہ ان کا دعوی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی زندگی میں خلیفہ بنا گئے تھے جبکہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی خلافت غصب کر لی تھی۔

غدیر خم کے خطبے کے سبب کے بارے روایات جو کہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام وغیرہ میں نقل ہوئی ہیں، کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن میں مال کو تقسیم کرنے اور اس میں سے خمس وصول کر کے لانے کے لیے صحابہ کرام کی ایک جماعت پر امیر بنا کر بھیجا تھا۔ واپسی میں کچھ واقعات ایسے ہوئے کہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بد دل اور متنفر ہو گئے اور انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایات لگائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب لوگوں کے دل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے رنجش دیکھی تو غدیر خم پر خطبہ دیا۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق بعض صحابہ کو یہ اعتراض تھا کہ یمن سے جو مال ملا ہے، اس میں خمس میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے لیے سب سے بہترین لونڈی رکھ لی تھی۔ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی شکایت کی تو آپ نے پوچھا: اے بریدۃ رضی اللہ عنہ کیا آپ علی رضی اللہ عنہ سے رنجش رکھتے ہیں تو انہوں نے کہا: ہاں! تو آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کریں کہ علی رضی اللہ عنہ کے لیے خمس میں اس سے بھی زیادہ حصہ ہے جو انہوں نے رکھ لیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سیرت ابن اسحاق کے مطابق یمن سے واپسی پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو قافلے کا امیر بنایا اور خود مکہ کی طرف جلدی کی تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں شریک ہو سکیں۔ اب جس شخص کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر بنایا تھا، اس نے سب کو صدقہ کے مال میں سے قیمتی چادریں پہننے کا حکم دیا تاکہ مکہ میں داخل ہوتے وقت مسلمان ان کا استقبال کریں تو خوش ہوں۔ ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حج سے فارغ ہوتے ہی قافلے کی طرف نکلے کہ مکہ میں ان کے ساتھ داخل ہوں لیکن جب ان کو چادریں پہنے دیکھا تو ڈانٹا کہ جس سے بہت سے لوگ ناراض ہو گئے۔

دلائل النبوۃ کی روایت کے مطابق یمن سے واپسی پر لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا تھا کہ ہمارے اونٹ تھک گئے ہیں لہذا ہمیں صدقہ کے اونٹوں پر سواری کی اجازت دیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سختی سے انکار کر دیا۔ اس سے لوگوں کو رنجش پیدا ہوئی اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے واپسی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو آپ نے ان کی بات کے درمیان میں کاٹتے ہوئے کہا کہ ٹھہر جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سختی اور ڈانٹ ڈپٹ اللہ کی راہ میں تھی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے ان سے کبھی رنجش محسوس نہ کی۔

پس اس قسم کے کئی ایک واقعات کے نتیجے میں جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کے دلوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے رنجش محسوس کی تو واپسی پر غدیر خم پر خطبہ دیا اور اہل بیت سے محبت رکھنے کا حکم دیا کہ جسے بعض لوگوں نے ان کی امامت اور خلافت کا حکم سمجھ لیا اور شیخین کو غاصب قرار دے کر اپنی عاقبت خراب کرنے لگے۔

اس خطبے میں جو باتیں نقل ہوئیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جس کا میں مولی ہو، علی اس کا مولی ہے۔ یعنی میں جس کا محبوب ہوں، علی اس کا محبوب ہے۔ جو مجھ سے محبت کا دعوی رکھتا ہے، وہ علی سے بھی محبت رکھے۔ جو مجھے محبوب رکھتا ہے، وہ علی کو بھی محبوب بنالے۔ اور دوسرا یہ فرمایا کہ دیکھو، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں اللہ سے ڈراتا ہوں۔ یعنی ان سے زیادتی نہ کرنا، ان سے دشمنی اور عداوت نہ رکھنا۔ پس اہل بیت سے دشمنی اور عداوت رکھنا اور ان سے ظلم و زیادتی کرنا یہ ایمان کے منافی ہے۔ اللہ سمجھ عطا فرمائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

واقعہ فدک کی حقیقت

فدک، خیبر کے قریب ایک یہودی قصبہ تھا کہ جہاں کھجوروں کا باغ اور چشمہ تھا اور اس پر مسلمانوں کو بغیر جنگ کے فتح حاصل ہوئی تھی۔ اور جس جنگ میں لڑائی کے بغیر فتح حاصل ہو تو اس کے مال کو "مال فے" کہتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور عام مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ویلفیئر میں استعمال ہوتا ہے اور مال غنیمت کی طرح تقسیم نہیں ہوتا۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کی وفات کے بعد حضرت السیدۃ فاطمہ الزھراء رضی اللہ عنہا، خلیفۃ الرسول ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور ان سے مطالبہ کیا کہ فدک میں جو ان کی وراثت بنتی ہے، وہ انھیں دی جائے۔ اس پر حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے کہا ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کوئی وراثت نہیں چھوڑتے، بلکہ جو ہم چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اللہ کی قسم! اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں اس باغ کی جو حیثیت تھی، میں وہی باقی رکھوں گا، اور آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں اس باغ کے بارے جو فیصلہ کیا، میں بھی وہی میں کروں گا۔ یعنی اس کا پھل اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا رہوں گا جیسا کہ آپ ﷺ اپنی زندگی میں کرتے تھے۔ اور یہ روایت حضرت السیدۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کے علم میں نہ تھی کہ انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی۔ یہ روایت اہل تشیع کے نزدیک بھی صحیح ہے۔

صحیح بخاری ہی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس جواب پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رنجش ہوئی اور انہوں نے دوبارہ اپنی وفات تک اس بارے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے گفتگو نہ کی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو اپنے گھر بلوایا اور کہا کہ ہم آپ کے مقام اور مرتبے کے قائل ہیں لیکن آپ نے اس معاملے میں ہمارے ساتھ زیادتی کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ بات سن کر حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ رو پڑے اور کہا کہ اللہ کی قسم، رسول اللہ ﷺ کے آل بیت مجھے اپنے آل بیت سے زیادہ محبوب ہیں لیکن اس معاملے میں، میں اللہ کے رسول ﷺ کے طرز عمل کو نہیں چھوڑ سکتا۔

صحیح بخاری ہی کی روایت میں یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ظہر کی نماز ہوئی، حضرت ابو بکر الصدیق

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رضی اللہ عنہ نے منبر پر خطبہ دیا کہ جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان بیان فرمائی۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی شان بیان فرمائی اور کہا کہ ہم آل بیت کو حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت سے انکار نہیں ہے لیکن ہم آل بیت یہ سمجھتے تھے کہ یہ ہماری وراثت ہے لیکن ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ایسا نہیں سمجھتے تھے تو ہمیں یہ بات محسوس ہوئی تھی۔ پس اس صلح پر مسلمان خوش ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام ان کے دلوں میں اور بڑھ گیا۔

یہ اس واقعے کی کل حقیقت ہے اور جو جاہل ذاکر مسالے لگا لگا کر اس واقعے کو بیان کرتے ہیں، تعصب اور فرقہ واریت کی آگ بھڑکاتے ہیں، خوب داد وصول کرتے ہیں، کہ ان کا دعوی ہے کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے السیدۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کو دھکا دیا تھا کہ جس سے ان کا حمل ضائع ہو گیا تھا وغیرہ تو یہ سب کذب، بہتان اور افتراء ہے کہ جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ یہ جاہل، شیر خدا کو بزدل ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کی بیوی کا حمل گرا دیا گیا اور وہ گھر سکون سے بیٹھے رہے۔ ظالمو! قصہ گھڑتے ہوئے کچھ تو خیال کر لیتے کہ آل بیت کی مظلومیت ثابت کر رہے ہو یا بزدلی؟

اور روایات میں تو یہ بھی ملتا ہے کہ جب ازواج مطہرات نے حصہ مانگا تھا تو انھیں بھی حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے یہی جواب ملا تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو بھی حصہ نہ ملا تھا لیکن اسے کوئی ذاکر بیان نہیں کرتا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جو اصرار رہا ہے، وہ اس بات پر نہیں تھا کہ میں حصہ نہیں دیتا بلکہ آپ کا اصرار اس بات پر تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک طرز عمل جو آپ کی زندگی میں ثابت ہے، میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں؟

فدک کے مسئلہ میں السیدۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کی ناراضگی

ہم نے اپنی پچھلی تحریر میں ذکر کیا کہ فدک کے باغ کے مسئلہ میں السیدۃ الزھراء رضی اللہ عنہا اور اہل بیت کو حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے رنجش پیدا ہو گئی تھی۔ بعض دوستوں نے اس پر سوال کیا کہ السیدۃ الزھراء رضی اللہ عنہا نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جو وفات تک کلام نہ کیا تو اس کی کیا حقیقت ہے؟

ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ اس رنجش کی حقیقت کچھ نہ کچھ ہے لیکن زیب داستان کے لیے جاہل ذاکر جس طرح اس واقعے کو بڑھا چڑھا کر اور مسالہ لگا کر بیان کر کے دکانداری کرتے ہیں،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تو یہ ایک ایسی حرکت ہے کہ جس کے ذریعے امت مسلمہ میں تفرقہ، انتشار، نفرت اور دشمنی کی آگ بھڑکائی جاتی ہے۔ تو اس بارے ہمیں کچھ اصولی باتیں کرنی ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے رنجش پیدا ہوئی تھی اور یہ بات درست ہے لیکن یہ بات بھی حقیقت ہے کہ السیدۃ الزہراء اپنی وفات سے پہلے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے راضی تھیں جیسا کہ سنن بیہقی کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں السیدۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے ملنے کی اجازت چاہی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے السیدۃ الزہراء رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے اجازت دی۔ روایت میں ہے کہ ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں نے اپنا گھر بار، اپنی جان مال اور اپنی آل اولاد سب اللہ، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آل بیت کو راضی کرنے کے لیے قربان کر دی۔ اس طرح کی باتوں سے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے السیدۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی رنجش دور کرنی چاہی تو وہ ان سے راضی ہو گئیں۔ اور اس بات کا بیان کہ السیدۃ الزہراء رضی اللہ عنہا وفات سے پہلے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے راضی ہو گئی تھیں۔ بعض جید شیعہ علماء جیسا کہ ابن ہیثم اور ابن ابی حدید نے "نهج البلاغة" کی شرح میں لکھا ہے کہ السیدۃ الزہراء رضی اللہ عنہا وفات سے پہلے ان سے راضی ہو گئی تھیں۔

بعض جاہل ذاکر واقعہ فدک کے ساتھ یہ روایت بیان کرتے ہیں کہ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور جس نے انھیں ناراض کیا، اس نے مجھے ناراض کیا اور اس سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ ! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی حاصل کر لی ہے۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے تھا۔

صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے السیدۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسرا نکاح کرنا چاہا تو السیدۃ الزہراء رضی اللہ عنہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر آئیں اور کہا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کے بارے میں غصہ نہیں کرتے؟ یہ سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے اور کہا کہ میں نے ابو العاص رضی اللہ عنہ کو اپنی بیٹی دی اور انھوں نے اس کی اچھی خدمت کی۔ فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، جس بات سے اسے تکلیف ہوتی ہے، اس سے مجھے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تکلیف ہوتی ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ جس نے اسے غصہ دلایا، اس نے مجھے غصہ دلایا۔

یہ خطبہ سن کر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسری شادی کی بلکہ نو شادیاں کیں کہ جن سے ان کی نسل خوب آگے چلی۔ تو کہاں یہ روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تناظر میں تھی اور کہاں اسے ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ پر چسپاں کر دیا گیا؟

آپ آل بیت اور اہل بیعت یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں نفرت دکھا کر امت میں نفرت ہی پیدا کر سکتے ہیں، ان میں محبت دکھائیں جو کہ حقیقت بھی ہے تو امت میں محبت پھیلے گی۔ اگر آل بیت سے محبت کرنا شیعیت ہے تو سارے اہل سنت، شیعہ ہیں لیکن اگر شیعیت شیخین، ازواج اور صحابہ سے نفرت کا نام ہے تو یہ الحاد اور زندقہ ہے۔ میں تو اپنے شیعہ دوستوں کو کہتا ہوں کہ آپ اپنا مذہب مت چھوڑیں لیکن اس کی اصلاح ضرور کریں، اسے منفی کی بجائے مثبت بنیادوں پر استوار کریں، اسے نفرت کی بجائے محبت پر کھڑا کریں۔

انبیاء کی وراثت کے بارے آل بیت اور ازواج مطہرات کا موقف

ایک دوست نے یہ سوال کیا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے یہ جو روایت ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کچھ ورثہ نہیں چھوڑتے بلکہ جو ہم چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے، کیا یہ اور صحابہ سے بھی مروی ہے۔ تو عرض ہے کہ اس روایت کو صرف حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے نقل نہیں کیا بلکہ سنن النسائی میں حضرت عائشہ، صحیح بخاری میں حضرت ابو سلمہ، اور مسند حمیدی میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہم سے بھی یہ روایت مروی ہے۔

اسی طرح صحیح بخاری وغیرہ کی روایات کے مطابق حضرت عمر نے حضرت علی، حضرت عباس، حضرت عثمان، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت زبیر، حضرت سعد اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہم کو قسم دے کر پوچھا تھا کہ کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کہا تھا کہ ہم انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی اور جو ہم چھوڑ جاتے ہیں تو وہ صدقہ ہوتا ہے۔ تو ان سب نے اسکی تصدیق کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کہا تھا۔

جہاں تک ازواج مطہرات کا موقف ہے تو سنن النسائی کی ایک روایت کے مطابق نبی کریم

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ﷺ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت ابو بکر الصدیق کی طرف حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو بھیجا جائے کہ وراثت میں انہیں ان کا حصہ دیا جائے لیکن اس مشاورت کے دوران ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بقیہ ازواج کو یاد کروایا کہ کیا اللہ کے رسول ﷺ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ ہم انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی اور جو ہم چھوڑ جاتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے۔ پس اس کے بعد انہوں نے مطالبہ نہ کیا۔

اور جہاں تک آل بیت کا تعلق ہے تو ان کا موقف شروع میں یہ رہا ہے کہ ہمیں آپ ﷺ کی وراثت ملنی چاہیے لیکن صرف السیدۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کو چھوڑ دیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت سب نے اپنے اس موقف سے رجوع کر لیا تھا اور اسی موقف کے قائل ہو گئے تھے جو شیخین کا تھا۔ البتہ السیدۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کا موقف وفات تک یہی رہا کہ ہمیں وراثت ملنی چاہیے تھی۔

آل بیت باغ فدک کی وراثت کے مسئلے میں شیخین کی رائے کے قائل ہو گئے تھے کہ یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں فدک ان کی اولاد میں تقسیم نہیں ہوا۔ اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فدک ان کے بہن بھائیوں میں تقسیم ہوتا۔ اہل تشیع کی کتب "شرح نهج البلاغة" لابن ابی الحدید اور "الشافي للمرتضى" میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کے دور خلافت میں فدک واپس لینے کی بات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ ایک مسئلے میں ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے ایک فیصلہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے جاری رکھا اور میں اس کے خلاف کروں۔

اور شرح نہج البلاغہ لابن ابی الحدید ہی کی ایک روایت کے مطابق محمد الباقر رحمہ اللہ سے جب یہ سوال ہوا کہ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ فدک کے مسئلے میں شیخین نے آپ لوگوں پر ظلم کیا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں۔ اور اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس دور میں بھی ایسے لوگ تھے جو آل بیت کو مظلوم ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے کہ تبھی تو ایسے سوال کر رہے تھے۔ اور یہ دراصل وہ لوگ تھے جو آل بیت پر سیاست کرنا چاہتے تھے اور انہوں نے کر کے دکھا بھی دی ہے، اور یہ ان کا کمال ہے، اسے ماننا چاہیے۔ کیا یہ کمال نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ میرے اوپر ظلم نہیں ہوا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن سامنے والا کہے کہ نہیں، ظلم ہوا ہے۔ اور آپ کی بات کوئی نہ سنے اور اس کی بات ہر کوئی سنے اور سر بھی دھنے۔

اہل بیت اور اہل بیعت کی باہمی محبت

اہل بیت یا آل بیت سے مراد نبی ﷺ کے گھر والے ہیں کہ جن میں ازواج مطہرات، آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل، آل حارث رضوان اللہ علیہم اجمعین شامل ہیں۔ اور اہل بیعت سے مراد آپ کے مشن کے ساتھی ہیں یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جماعت کہ جنہوں نے دین ہی کے لیے جینے مرنے پر آپ سے بیعت کی۔ بیعت رضوان میں چودہ سو صحابہ موجود تھے کہ جنہیں اللہ نے اپنی رضا کا پروانہ اسی دنیا میں ہی سورۃ الفتح میں یہ کہہ کر دے دیا کہ اللہ ان سے راضی ہو گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ تقسیم کسی درجہ میں صحابہ کے زمانے میں موجود تھی کہ یہ آل بیت ہیں اور یہ اہل بیعت میں سے ہیں لیکن یہ ویسی ہی تقسیم تھی جیسی کہ انصار اور مہاجرین کی تقسیم معروف تھی۔ لیکن بد قسمتی سے ایک طبقے نے اپنا مقصود اسی کو بنا لیا ہے کہ وہ آل بیت اور اہل بیعت کو دو سیاسی پارٹیوں کی طرح ایک دوسرے کا حریف اور دشمن ثابت کریں اور امت کو آپس میں تقسیم کریں کہ جیسے اسی تقسیم ہی کی وجہ سے ان کی روزی روٹی لگی ہوئی ہو۔

روایات میں ہمیں کثرت سے یہ ملتا ہے کہ آل بیت اور اہل بیعت یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے سے محبت رکھنے والے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی مدح بیان کرتے تھے، ایک دوسرے کو تحفے تحائف دیتے تھے، ایک دوسرے سے رشتے قائم کرتے تھے۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ مجھے آل بیت سے محبت اپنے گھر والوں سے محبت سے بھی بڑھ کر ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام کلثوم رحمہا اللہ سے ہوئی۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت نفیسہ رحمہا اللہ سے ہوئی۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی ام اسحاق رحمہا اللہ سے ہوئی۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی شادی حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی پوتی حضرت حفصہ رحمہا اللہ سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہوئی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت عاتکہ بنت زید رحمہا اللہ سے شادی کی جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بھتیجی تھیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے محمد الباقر رحمہ اللہ کی شادی حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی ام فروہ رحمہا اللہ سے ہوئی۔ اس بارے مزید تفصیل کے لیے سید ابو معاذ احمد بن ابراہیم کی کتاب "الأسماء والمصاهرات بين أهل البيت والصحابة رضوان الله عليهم" ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

اسی طرح اہل بیت اپنے بچوں کے نام ابو بکر، عمر اور عائشہ رکھتے تھے اور اس کی وجہ یہی تھی کہ انہیں ان شخصیات سے گہری محبت تھی۔ حضرت حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ایک بیٹے کا نام ابو بکر اور دوسرے کا نام عمر تھا۔ حضرت علی زین العابدین رحمہ اللہ کے ایک بیٹے کا نام عمر تھا۔ اسی طرح حضرت موسی الکاظم رحمہ اللہ کے ایک بیٹے کا نام عمر تھا۔ حضرت جعفر الصادق رحمہ اللہ کی بیٹی کا نام عائشہ تھا۔ حضرت موسی الکاظم رحمہ اللہ کی بیٹی کا نام بھی عائشہ تھا۔ حضرت علی الرضا رحمہ اللہ کی بیٹی کا نام بھی عائشہ تھا۔ اس بارے مزید تفصیل کے لیے سید ابو معاذ احمد بن ابراہیم کی کتاب "الأسماء والمصاهرات بين أهل البيت والصحابة رضوان الله عليهم" ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے بنو حنفیہ کے قیدیوں میں سے حضرت خولہ رحمہا اللہ، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ہبہ کیں اور ان سے محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ پیدا ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو ایک چادر ہبہ کی کہ وہ اسے ہمیشہ اوڑھے رہتے تھے کہ اکثر لوگ پوچھتے کہ آپ اس چادر کو ہر وقت کیوں پہنے رکھتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے کہ یہ میرے خلیل، صفی اور صدیق نے مجھے پہنائی ہے۔

کیا اہل بیت میں ازواج مطہرات شامل ہیں؟

قرآن مجید کے بیان کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں ازواج مطہرات بھی شامل ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں سورہ احزاب کی آیت 33 کہ جس میں اللہ کی طرف سے اہل بیت کو اچھی طرح پاک کرنے کا عندیہ دیا گیا ہے تو اس آیت کا آغاز ازواج مطہرات سے خطاب کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ اس سے اگلی آیت میں بھی ازواج مطہرات ہی سے خطاب ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام طبرانی رحمہ اللہ کی المعجم الکبیر کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اہل بیت کو خوب پاک کرنے والی آیت میرے گھر میں نازل ہوئی تھی تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو بلوا بھیجا اور کہا کہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ تو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا میں آپ کے اہل بیت سے ہوں؟ تو آپ نے فرمایا: ان شاء اللہ۔ ایک اور روایت کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی اہل بیت میں شامل فرمایا۔

قرآن مجید ہی میں سورۃ ہود میں آیت 73 میں اہل بیت کا لفظ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام کے لیے استعمال ہوا لہذا قرآن مجید سے یقینی طور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات بھی نبی کے اہل بیت میں شامل ہیں۔ رہے آل بیت تو ان میں ازواج مطہرات، آل علی کے علاوہ آل جعفر، آل عقیل اور آل حارث بھی شامل ہیں کہ وہ اہل بیت سے وسیع تر اصطلاح ہے۔

نکاح متعہ اور آل بیت

نکاح متعہ سے مراد متعین مدت تک کے لیے نکاح ہے اور یہ اسلام سے پہلے دورِ جاہلیت میں رائج تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شروع اسلام میں جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم غزوات کے لیے نکلتے تھے تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی بیویوں سے دور اور سفر میں ہونے کی وجہ سے نکاح متعہ کی اجازت دے دیتے تھے لیکن فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعہ کے نکاح کو ہمیشہ کے لیے حرام قرار دے دیا۔

پس جن روایات میں نکاح متعہ کی اجازت کی بات ہے تو وہ فتح مکہ سے پہلے کی روایات ہیں جبکہ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا۔ صحیح مسلم کی ایک روایت کے الفاظ ہیں کہ اے لوگو! میں نے تمہیں عورتوں سے نکاح متعہ کی اجازت دی تھی، اور اب سن لو کہ اللہ عزوجل نے نکاح متعہ کو قیامت تک کے لیے حرام قرار دے دیا ہے۔ پس جس کے پاس متعہ کی عورت ہو تو وہ اسے چھوڑ دے اور اسے جو حق مہر دے دیا ہے، وہ اس سے واپس نہ لے۔

آل بیت کا بھی متعہ کے نکاح کے بارے یہی موقف تھا کہ یہ منسوخ ہو چکا ہے۔ موطا امام مالک

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی روایت کے مطابق حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر متعہ کے نکاح کو اور گھریلو گدھوں کو، دو چیزوں کو حرام قرار دیا تھا۔ البتہ صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ حالت اضطرار یعنی بہت مجبوری کی حالت میں نکاح متعہ کی اجازت دیتے تھے جیسا کہ ان سے سوال ہوا کہ کیا متعہ کا نکاح جائز ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں! تو ان کے آزاد کردہ غلام نے کہا کہ یہ جواز تو عورتیں کم ہونے اور شدید حالات میں ہے، نہ کہ مطلق۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہاں! تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ یعنی ان کے نزدیک بھی نکاح متعہ کا جواز مضطر کے لیے تھا، نہ کہ ہر شخص کے لیے، جیسا کہ مضطر کے لیے حرام کھانا حلال ہو جاتا ہے۔

سنن الترمذی کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی اس رائے سے رجوع کر لیا تھا۔ اور اس رجوع کی وجہ یہ تھی کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ فتوی دینے سے منع کیا تھا جیسا کہ صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ اور حسن اپنے والد محمد بن حنفیہ رحمہم اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ متعہ کے نکاح کے جواز کا فتوی دیتے ہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کو کہا کہ اے ابن عباس! رضی اللہ عنہ ایسا فتوی دینے سے رک جائیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم متعہ کے نکاح اور گھریلو گدھوں دونوں کو خیبر کے موقع پر حرام کر چکے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اس مسئلے میں چونکہ صریح نص موجود ہے لہذا قیاس کرنا درست نہیں۔ اور مستخرج ابی عوانۃ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ انہوں نے اس رائے سے رجوع کر لیا تھا۔

متعہ کے جواز کے دلائل

پہلی بات تو یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت 24 کے الفاظ ﴿فَمَا اسْتَمْتَعْتُم بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ سے متعہ کے جواز پر جو استدلال کیا جاتا ہے، تو وہ درست نہیں ہے کہ اس آیت کا سیاق (context) متعہ نہیں ہے بلکہ عام نکاح ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ اس آیت سے متعہ ثابت ہوتا ہے تو وہ درج ذیل

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آیات سے منسوخ بھی ہو گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿5﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿6﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ﴾ [المؤمنون]

سورۃ مومنون کی اس آیت میں صرف دو طرح سے خواہش پوری کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ایک زوجہ سے اور دوسرا لونڈی سے۔ اور متعہ جس سے کیا جاتا ہے، اسے "زوجہ" کوئی بھی نہیں کہتا بلکہ اہل تشیع میں اسے "مستاجرہ" کہا جاتا ہے یعنی ایسی عورت جو اجرت پر لی گئی ہے۔ اگر متعہ والی عورت زوجہ ہوتی تو اس کے لیے وراثت جاری ہوتی۔ چونکہ وہ زوجہ نہیں ہے لہذا اہل تشیع کے نزدیک اس کے لیے وراثت نہیں ہے۔ اور قرآن مجید نے زوجہ اور لونڈی کے علاوہ سے خواہش پوری کرنے سے منع فرمادیا ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں سورۃ نور آیت 33 میں حکم ہے:

﴿وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ﴾

اس آیت میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اگر نکاح کی استطاعت نہیں رکھتے تو عفت اور پاکیزگی کی زندگی اختیار کرو۔ اگر متعہ کی اجازت ہوتی تو یہاں یہ حکم ہوتا ہے کہ اگر نکاح کی استطاعت نہیں ہے کہ بیوی کو رہائش اور خرچہ دے سکو تو متعہ کر لو۔

اسی طرح قرآن مجید میں سورۃ النساء آیت 24 میں ہے:

﴿وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ...ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنكُمْ﴾

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اگر پاکدامن مومن عورتوں سے نکاح کی استطاعت نہیں ہے تو لونڈی سے نکاح کر لو، لیکن لونڈی سے نکاح وہی کرے کہ جسے زنا میں پڑنے کا اندیشہ ہو۔ اب اگر متعہ کے نکاح کی اجازت ہوتی، بحالت مجبوری بھی، تو لونڈی کی جگہ اس کا حکم نازل ہوتا۔

ہم نے یہ کہا ہے کہ دور نبوی میں متعہ پہلے جائز رہا ہے کہ یہ دورِ جاہلیت سے چلا آرہا تھا۔ اسلام نے نکاح کی ایک قسم کو جاری نہیں کیا تھا بلکہ محض اتنا کیا کہ شروع میں خاموشی اختیار کی گئی اور بعد

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں منسوخ کر دیا گیا۔ باقی ایک سوال ضرور ہے کہ جس پر غور کیجیے گا کہ کیا ایسا کوئی ثبوت ملتا ہے، اہل تشیع کی کتب میں، کہ آل بیت کی عورتوں نے نکاح متعہ کیا ہو؟ یعنی بارہ آئمہ تک کی بات کر رہا ہوں، اگر نہیں کیا تو کیوں نہیں؟ اور اگر کیا تو اس کی دلیل کیا ہے؟

متعہ دو قسم کا ہے؛ ایک "متعة الحج" کہ جسے حج تمتع بھی کہتے ہیں اور دوسرا "متعة النساء" کہ جسے نکاح متعہ بھی کہتے ہیں۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کے بارے روایات میں جس متعہ کا ذکر ہے وہ متعۃ الحج ہے کہ صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق وہ کہتی ہیں کہ ہم عورتیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں متعہ کیا کرتی تھیں یعنی متعۃ الحج کرتی تھیں لیکن روافض نے اس متعہ کے لفظ کو پکڑ لیا اور اسے متعۃ النساء بنا لیا۔ اور جن روایات میں متعۃ النساء کا لفظ ہے تو وہ ضعیف ہیں۔ صحیح مسلم کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا موقف تھا کہ متعۃ الحج جائز ہے لیکن حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اس کے قائل نہ تھے لیکن ان کی والدہ کا موقف بھی ان کے برعکس تھا۔ تو بعض لوگوں نے ان کی والدہ محترمہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے اس بارے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی اجازت دی تھی۔

کیا امام ابو حنیفہ، امام جعفر الصادق رحمہما اللہ کے شاگرد تھے؟

دوست کا سوال ہے کہ کیا امام ابو حنیفہ، امام جعفر الصادق رحمہما اللہ کے شاگرد تھے، اس کا کہنا ہے کہ بعض اہل تشیع کا یہ دعوی ہے کہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک دونوں امام جعفر الصادق کے شاگرد تھے، اور امام شافعی، امام مالک کے شاگرد تھے اور امام احمد، امام شافعی رحمہما اللہ کے شاگرد تھے تو سب ائمہ اہل سنت، اہل تشیع سے نکلے ہیں؟ کیا یہ دعوی درست ہے؟

یہ بات بہت عام ہے کہ امام ابو حنیفہ، امام جعفر الصادق کے شاگرد تھے لیکن یہ ثابت نہیں ہے بلکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اسے جھوٹ اور بہتان کہا ہے۔ اور وہ روایت جھوٹی روایت ہے اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر کذب اور بہتان ہے کہ جس میں ہے کہ امام صاحب نے کہا کہ "لو لا السنتان لهلك النعمان" کہ اگر وہ دو سال نہ ہوتے تو ابو حنیفہ ہلاک ہو جاتا۔ اور دو سالوں سے ان کی مراد امام جعفر الصادق رحمہ اللہ کی شاگردی کے دو سال ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی پیدائش 80ھ میں ہوئی جبکہ امام جعفر رحمہ اللہ ان سے تین سال بعد 83ھ میں پیدا ہوئے تو امام حنیفہ تو ان سے عمر میں بڑے ہیں بلکہ امام ابو حنیفہ، امام جعفر الصادق کے والد محمد الباقر رحمہ اللہ کی زندگی میں فتوی دیتے تھے۔ تو جو والد کی زندگی میں مفتی بن چکا ہو، وہ بیٹے کا شاگرد کیسے ہو سکتا ہے؟ امام ابو حنیفہ ساری عمر کوفہ میں رہے اور امام جعفر الصادق مدینہ میں تھے تو کیسے استادی شاگردی ہو گئی؟ چلیں، بالفرض ہم مان لیتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے دو سال امام جعفر الصادق کی شاگردی اختیار کی ہے؟ تو اب دو صورتیں ہیں؛

ایک صورت تو یہ ہے کہ دونوں کی فقہ ایک تھی، کچھ انیس بیس کا فرق تھا لہذا امام ابو حنیفہ کی فقہ وہی ہے جو ان کے استاذ کی تھی اور اہل تشیع نے امام جعفر الصادق پر جھوٹ بولا ہے کہ ایک نئی فقہ وضع کر لی، فقہ جعفری کے نام سے۔ یا دوسری صورت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ ایک طرف تو یہ کہہ رہے ہیں کہ اگر میں امام جعفر کا شاگرد نہ ہوتا تو ہلاک ہو جاتا اور دوسری طرف امام جعفر کے مقابلے میں ایک فقہ وضع کر رہے ہیں یعنی خود اپنے ہلاک ہونے کی تصدیق کر رہے ہیں؟ امام ابو حنیفہ کی طرف دوسری بات کی نسبت تو ناممکن ہے، البتہ پہلی کی نسبت ہو سکتی ہے لیکن اہل تشیع اس پر راضی نہ ہوں گے لہذا شاگردی کا قول ہی باطل ہے۔

بعض اہل تشیع "قراء" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ امام ابو حنفیہ نے امام جعفر سے قرآن مجید پڑھا حالانکہ امام ابو حنیفہ نے جن سے قرآن مجید پڑھا، وہ امام عاصم رحمہ اللہ ہیں۔ علامہ ابن الجزری سے بڑھ کر قراءات کی اسناد کا احاطہ کس نے کیا ہے؟ انہوں نے "النشر في القراءات العشر" میں امام ابو حنیفہ کے قرآن کے استاذ کے طور امام عاصم رحمہ اللہ وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اور رہی فقہ کی بات تو اس میں امام ابو حنیفہ، حماد کے شاگرد ہیں۔ اور حماد، علقمہ کے، اور علقمہ، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔

البتہ بعض محدثین نے یہ بات کہی ہے کہ امام ابو حنیفہ نے امام جعفر سے روایت لی ہے اور روایت لینے کا لفظ کسی ایک روایت کو نقل کر دینے پر بھی بولا جاتا ہے۔ اسے اصول حدیث کی اصطلاح میں "رواية الأقران" کہتے ہیں یعنی ساتھیوں کا ایک دوسرے سے حدیث روایت کر لینا بلکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بعض اوقات تو بڑے، اپنے چھوٹوں سے حدیث نقل کر لیتے تھے لیکن اس سے وہ شاگرد نہیں بن جاتے تھے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، کعب الاحبار سے روایت نقل کر لیتے تھے جبکہ کعب تابعی تھے اور عمر صحابی تھے۔ اسی طرح تابعین، اپنے چھوٹوں یعنی تبع تابعین سے روایت نقل کر لیتے تھے جیسا کہ اور عبداللہ بن عون اور یحی بن سعید، امام مالک سے روایت کرتے ہیں جبکہ وہ دونوں تابعی ہیں اور امام مالک تبع تابعی۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک شاگرد اپنے استاذ کی مطلق علمی برتری کا اعتراف کر کے اس سے بعد المشرقین جتنا اختلاف کر لے، اس کا ایک ہی مطلب نکلتا ہے کہ شاگرد اپنی تعریف میں جھوٹا ہے بلکہ اصول کافی کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابو جعفر الصادق رحمہ اللہ نے سدیر سے کہا تھا کہ کیا میں تمہیں وہ لوگ نہ دکھاؤں جو لوگوں کو اللہ کے دین سے روک رہے ہیں تو انہوں نے امام ابو حنیفہ اور سفیان ثوری رحمہما اللہ کی طرف اشارہ کیا جو مسجد نبوی میں حلقے لگا کر بیٹھے تھے کہ یہ وہ لوگ ہیں اور ان دونوں کو خبیث تک کہا۔ تو آپ کے اپنے بنیادی مصادر تو یہ کہانی بیان کر رہے ہیں اور آپ اہل سنت کی کتابوں سے امام ابو حنیفہ کو شاگرد ثابت کرنے میں لگے ہیں۔

اعلی حضرت کی مسلمان امت کی تکفیر میں خدمات

اس وقت ہمارے سامنے فتاوی رضویہ ہے جو کہ تیس جلدوں میں، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور نے 2006ء میں شائع کیا ہے۔ اس فتاوی میں جناب اعلی حضرت نے تقریباً آدھی امت کو کافر بنا دیا ہے۔ اعلی حضرت کا کہنا ہے کہ گنگوہی، نانوتوی، انبیٹھوی اور تھانوی علمائے حرمین کے فتوی کے سبب مرتد ہیں اور جو دیوبندی، ان کو مرتد نہ سمجھے تو وہ بھی کافر ہے۔ [فتاوی رضویہ: 590/6] وہ مزید فرماتے ہیں کہ دیوبندیہ بالاتفاق مرتد ہیں اور جو ان کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر۔ اور جو انہیں عالم دین سمجھے تو اس کے پیچھے نماز باطل۔ اور جو ان کو قابل امامت سمجھے، اس کے پیچھے نماز باطل اور وہ انہی میں سے ہے۔ [فتاوی رضویہ: 621/6] مزید فرماتے ہیں کہ ہندوستان میں کفر کی تعلیم، ارتداد کی تلقین اور ایمان سلب کرنے کا مدرسہ، دیوبند کا مدرسہ ہے۔ [فتاوی رضویہ: 267/21] اعلی حضرت کا کہنا یہ بھی ہے کہ دیوبندی عقیدے والوں کے پیچھے نماز باطل ہے، ہو گی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہی نہیں،اور فرض باقی رہے گا جبکہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا گناہ بھی شدید ہو گا۔ نماز پنجگانہ، عید، جمعہ، جنازہ کچھ جائز نہیں اور جو ان کے کفر میں شک کرے تو وہ خود کافر ہے۔[فتاوی رضویہ: 573/6]

اعلی حضرت کا کہنا ہے کہ غیر مقلد کے کافر ہونے میں شک نہیں لہذا اگر کسی سنی مسجد میں کوئی غیر مقلد صف میں کھڑا ہو گا تو اس کی وجہ سے صف، قطع ہو جائے۔اور صف کا قطع ہونا حرام ہے لہذا اگر سنی اس غیر مقلد کے نماز باجماعت میں شریک ہونے پر راضی تھے یا راضی تو نہ تھے لیکن اسے منع بھی نہیں کیا تو ایسے سنی گناہ گار اور عذاب کے مستحق ہیں۔[فتاوی رضویہ: 151/7] مزید فرماتے ہیں کہ غیر مقلدین بد مذہب ہیں[فتاوی رضویہ: 375/11] جو عورت کسی بد مذہب کی بیوی بنی تو وہ کتے کے تصرف میں آئی۔ بد مذہب کتے سے بھی بدتر اور ناپاک تر ہے کہ کتا فاسق نہیں ہے اور یہ فاسق ہے۔اور کتے پر عذاب نہیں ہے اور یہ شدید عذاب کا مستحق ہے۔ بد مذہب جہنمیوں کے کتے ہیں۔ [فتاوی رضویہ:401/11] مزید فرماتے ہیں کہ وہابی مرد اور عورت مرتد ہیں اور ان کا نکاح کسی سے نہیں ہو سکتا، نہ کافر سے، نہ مرتد سے، نہ مسلمان سے، نہ انسان سے، نہ حیوان سے، اور اگر کسی سے کیا بھی تو زنا خالص ہو گا۔[فتاوی رضویہ:511/11]

اعلی حضرت فرماتے ہیں کہ وہابیہ، دیوبندیہ اور غیر مقلدین مرتد ہیں اور ان سے میل جول رکھنا اور ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے، چاہے باپ اور بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ [فتاوی رضویہ: 278/21]؛اہل کتاب سے بدتر مجوس ہیں، مجوس سے بدتر مشرکین ہیں جیسے ہندو۔ مشرکین سے بدتر مرتدین ہیں جیسے وہابیہ اور خاص طور دیوبندیہ[فتاوی رضویہ:264/21]؛وہابیوں کا کفر ایسا ہے کہ کلمہ پڑھنے سے بھی مسلمان نہ ہوں گے۔[فتاوی رضویہ:177/15] وہابیوں کو کافر قرار دینا فقہاً واجب ہے۔ [فتاوی رضویہ:235/15]

اعلی حضرت فرماتے ہیں کہ شیعہ کفار اور مرتدین ہیں، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام ہے، ان سے نکاح حرام بلکہ خالص زنا ہے۔اگر مرد سنی اور عورت شیعہ ہو تو اولاد، ولد الزنا ہو گی، اولاد کو باپ کا ترکہ نہ ملے گا کہ ولد الزنا کے لیے وراثت نہیں ہے۔ عورت کو نہ ترکہ ملے گا اور نہ حق مہر کہ وہ زانیہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے اور زانیہ کے لیے نہ وراثت ہے اور نہ حق مہر ہے۔ کسی شیعہ مرد عورت، عالم جاہل، سے سلام کرنا، میل جول رکھنا، کبیرہ گناہ اور حرام ہے۔ اور جو سنی ان کو مسلمان جانے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرے تو وہ خود کافر اور بے دین ہے۔ [فتاوی رضویہ: 269/14]

اس کے علاوہ بہت سے فتاوی ہمارے پاس ہیں لیکن یہ تفصیل کا مقام نہیں ہے۔ بعض دوستوں کا کہنا ہے یہ شدت تو ہر مسلک کے علماء میں ہے۔ ہم مانتے ہیں کہ شدت دوسرے مسالک میں بھی ہے اور جہاں بھی ہے، قابل مذمت ہے لیکن خدارا ہ، دل پر ہاتھ رکھ کر بتلائے گا کہ ہندوستان کی تاریخ میں اتنے بڑے پیمانے پر اور اس طرح مسلمان امت کی تکفیر یعنی انہیں کافر قرار دینے کی سعادت اعلی حضرت کے علاوہ کسی اور کے حصے میں بھی آئی ہے۔

اور بعض دوست کہتے ہیں کہ انہوں نے اخلاص سے ایسا کیا ہے۔ تو بھئی، اس امت کو دو چار اور مخلصین ایسے دے دو، اللہ تمہارا بھلا کرے۔ اور ان کا اخلاص تو اپنی جگہ اور تم 2006ء میں یہ سب کچھ اعزاز اور فخر کے ساتھ شائع کر رہے ہو، تو اس اخلاص کا ہم کیا کریں؟ خدارا ہ! ان فتاوی کے معاشرتی اثرات پر غور کرو کہ تمہارے مفتیوں کی تو بات ہی کیا، تمہارے پی۔ ایچ۔ ڈی ریاضی، دیوبندیوں اور اہل حدیثوں کے سلام کا جواب تک نہیں دیتے، کیونکہ وہ بھی رضوی اخلاص ہی رکھتے ہیں۔ اس مذہبی انتہا پسندی سے فساد نہیں پھیلے گا تو کیا کوئی خیر برآمد ہو گا؟

اعلی حضرت اور سنیوں اور بریلویوں کی تکفیر

سنی اور بریلوی عام طور یہ سمجھتے ہیں کہ اعلی حضرت نے صرف اہل تشیع، وہابیوں، دیوبندیوں، اہل حدیثوں اور غیر مقلدین کی تکفیر کی ہے جبکہ سب سے زیادہ تکفیر جن کی اعلی حضرت نے کی ہے، وہ سنی اور بریلوی ہیں۔ بعض لوگوں کو اس پر حیرت ہو لیکن یہ حقیقت ہے لیکن بات سمجھنے کی ہے۔

فتاوی رضویہ میں اعلی حضرت نے کسی کے کافر بن جانے کے جو اصول وضوابط بیان کیے ہیں، ان میں سے ایک ضابطہ اور قاعدہ جو کئی ایک مقامات پر بیان ہوا ہے، یہ ہے کہ جو کافر کو کافر نہ مانے تو وہ بھی کافر ہے۔ انہوں نے کئی فتاوی میں ایسے سنیوں کو کافر قرار دیا جو اہل تشیع، وہابیوں، دیوبندیوں اور غیر مقلدین کو کافر نہیں جانتے تھے یا ان کے کافر ہونے میں شک کرتے تھے۔ اعلی حضرت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانے کے روافض قطعی طور کافر اور مرتد ہیں اور جو ان کو کافر نہ جانے، وہ بھی کافر ہے۔[فتاوی رضویہ: 260/14] مزید فرماتے ہیں کہ جو شخص وہابیہ اور اہل سنت دونوں کو علماء سمجھتا ہے تو اس قدر بات اس کے اسلام سے خارج ہونے کو جائز ہے اور ایسے شخص کے پیچھے نماز ایسے ہی ہے جیسے ہندو اور عیسائی کے پیچھے نماز۔ایسے شخص کے پیچھے جمعہ نہ پڑھے بلکہ ظہر کی نماز پڑھ لے۔ اور اگر ایسے شخص کے پیچھے جمعہ پڑھے گا تو کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے گا۔[فتاوی رضویہ: 638/6]

مزید فرماتے ہیں کہ بہشتی زیور ایسے شخص کی تصنیف ہے کہ جس کے کفر میں شک کرنا بھی کفر ہے۔[فتاوی رضویہ: 328/14] مزید فرماتے ہیں کہ دیوبندیہ بالاتفاق مرتد ہیں اور جو ان کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر۔اور جو انہیں عالم دین سمجھے تو اس کے پیچھے نماز باطل۔اور جو ان کو قابل امامت سمجھے، اس کے پیچھے نماز باطل اور وہ انہی میں سے ہے۔[فتاوی رضویہ: 621/6] خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو بریلوی، اہم تشیع، وہابیوں اور دیوبندیوں کو کافر نہیں سمجھتا یا ان کے کافر ہونے میں شک کرتا ہے تو وہ بھی کافر ہے۔

وہابیوں، دیوبندیوں اور غیر مقلدین کا خدا

اعلی حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی صاحب رحمہ اللہ جن بنیادوں اور اسباب کی بنا پر مختلف گروہوں، جماعتوں اور مسلکوں کو کافر قرار دیتے تھے، وہ واقعی ان کی فقہی بصیرت اور رسوخ فی العلم کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ باقی گستاخ نہ مانیں، تو وہ تو ہیں ہی بد مذہب کہ کیونکر ان کی فضیلت کا اقرار کریں گے۔ذیل میں ہم فاضل بریلوی کے فقیہانہ استدلال اور مجتہدانہ استنباط کے چند نمونے ان کے فتاوی سے پیش کر رہے ہیں۔اللہ سمجھ عطا فرمائے۔

اعلی حضرت کا دعوی ہے کہ وہابی ایسے کو خدا کہتا ہے کہ جو بہکتا ہے، بھولتا ہے، سوتا ہے، اونگھتا ہے، کھاتا ہے، پیتا ہے، غافل ہے، ظالم ہے، ناچتا ہے، تھرکتا ہے، پیشاب پاخانہ کرتا ہے، عورتوں سے جماع کرتا ہے، لواطت کا مرتکب ہوتا ہے، مفعول بن سکتا ہے، خنثی مشکل ہے، ماں باپ سے پیدا ہوا ہے، ربڑ کی طرح پھیلتا اور سمٹتا ہے۔[فتاوی رضویہ: 546/15-547] مزید کہتے ہیں کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیوبندی ایسے خدا کو مانتے ہیں جو بالفعل جھوٹا ہے، دیوبندی خدا چوری کر سکتا ہے، وہ تمام جہاں کا تنہا مالک نہیں، ظالم بھی ہو سکتا ہے، دیوبندی خدا وہ ہے کہ علم میں شیطان اس کا شریک ہے۔ اور اوپر وہابیوں کے خدا کی ساری صفات بھی ان کے خدا میں شامل کر لیں۔ [فتاوی رضویہ: 15/548-550] مزید کہتے ہیں کہ غیر مقلد کا خدا وہ ہے جو وہابی اور دیوبندی کا خدا ہے۔ ان کے خدا کے دین میں کتا حلال، سور کی چربی حلال، شراب سے نہا کر سارے کپڑے اس میں رنگ کر نماز پڑھنا حلال اور ایک عورت متعدد مردوں پر حلال ہے۔ [فتاوی رضویہ: 15/550-551]

بریلویوں سے درخواست ہے کہ آپ اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو آپ کو اپنے شہر، قصبے، بستی، محلے، رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں وغیرہ میں کوئی نہ کوئی وہابی، اہل حدیث، غیر مقلد اور دیوبندی مل جائے گا۔ اب اس سے پوچھیں کہ کیا وہ ایسے خدا کو مانتا ہے کہ جو عورتوں سے جماع کرتا ہے، ہیجڑا ہے، ماں باپ سے پیدا ہوا ہے، پیشاب پاخانہ کرتا ہے، ناچتا ہے؟ اگر آپ کے معاشرے میں، آپ کے جانے والوں میں، آپ کے حلقہ احباب میں وہابی تو موجود ہیں لیکن ان کے ایسے عقائد ہر گز نہیں ہیں تو پھر اس کا لازمی مطلب کیا یہ نہیں نکلتا کہ اعلی حضرت جھوٹے ہیں؟

اتحاد امت اور تکفیری سوچ

اتحاد امت، اس وقت کا سب سے بڑا تقاضا ہے لیکن اس تقاضے کو پورا کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ اگر کوئی ہے، تو وہ تکفیری سوچ ہے۔ ہم نے ہمیشہ اس سوچ کی مخالفت کی ہے کہ جس کے ذریعے امت کے ایک بڑے حصے کو کافر قرار دیا جائے، چاہے وہ سوچ اپنے آپ کو سلفی کہنے والوں کی طرف سے ہو، یا چاہے وہ عاشق رسول ہونے کے دعویداروں کی طرف سے ہو۔

جناب اعلی حضرت صاحب کی تکفیری سوچ کے حوالے سے چند گزارشات پیش کی تھیں کہ جن پر بعض دوستوں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ ان گزارشات سے ہمارا مقصد یہ ہر گز نہیں ہے کہ بریلوی، دیوبندی یا اہل حدیث بن جائیں کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے لہذا بریلوی حضرات پریشان نہ ہوں کہ ان کی مرغیاں کم ہو جائیں گی۔ ہمارا مقصود صرف اتنا تھا کہ ہر جماعت اور مسلک میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو تکفیری ذہن نہیں رکھتے اور معتدل مزاج ہوتے ہیں جبکہ کچھ ایسے ہوتے ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جو تکفیری سوچ رکھتے ہیں۔ پس اپنے مسلک میں معتدل مزاج رکھنے والے علماء کو اپنا امام بنائیں کہ اسی میں آپ کے مسلک کی بھی بھلائی ہے۔

اتحاد امت کی راہ اسی صورت ہموار ہو سکتی ہے جبکہ معتدل اور غیر تکفیری سوچ رکھنے والے علماء کو ہر مسلک میں نمائندہ علماء کا درجہ دیا جائے اور تکفیری سوچ رکھنے والے علماء کو اس مسلک میں تیسرے درجے کے علماء میں شمار کیا جائے۔ ہماری نظر میں بریلوی مکتبہ فکر کی امامت کا حق اگر کسی کو حاصل ہے، تو وہ پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کی شخصیت ہے۔

بریلوی بھائیو! میں یہ نہیں کہتا کہ آپ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اور مولانا نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کو فالو کریں لیکن اتنا تو کہہ سکتا ہوں کہ اپنے مسلک کے علماء میں سے پیر مہر علی شاہ کو اپنا امام بنائیں، آپ پیر کرم شاہ صاحب رحمہ اللہ کو فالو کریں، آپ پیر نصیر الدین صاحب رحمہ اللہ کو پیشوا مانیں، کہ یہ آپ کے مسلک کے ایسے معتدل لوگ ہیں کہ دوسرے مسلک کے علماء بھی ان کے اعتدال کے قائل ہیں۔

اعلیٰ حضرت صاحب کو بریلوی مسلک میں جو درجہ دے دیا گیا ہے، یہ اسی کا فیضان ہے کہ آج یہ مزاج بریلوی مسلک کے گھر میں آگ لگا رہا ہے۔ آج اگر نمائندہ بریلوی علماء پیر کرم شاہ ازہری صاحب رحمہ اللہ، پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب، مولانا الیاس قادری صاحب وغیرہ کو کسی نے کافر قرار دیا ہے اور ان کے کفر کے فتوے جاری کیے ہیں تو اسی جماعت یعنی بریلوی مسلک ہی کے علماء نے ہی ایسا کیا ہے نہ کہ دیوبندیوں اور اہل حدیثوں نے۔

ہمیں اچھی طرح ادراک ہے کہ انگریز نے نفرت کا جو بیج بو دیا ہے اور مسلمان امت کو تین مسالک میں جس طرح تقسیم کر دیا ہے، اسے ختم کرنا ناممکن ہے لیکن اتنا تو کیا جا سکتا ہے اور کرنا چاہیے کہ ہر مسلک میں اس عالم دین کو امامت کا درجہ دیا جائے کہ جو کم از کم تکفیری سوچ نہ رکھتا ہو۔ میں تو خود اہل حدیث کو کہتا ہوں کہ مولانا نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کے فتاوی کا مطالعہ کریں کہ وہ کس طرح اپنے فتاوی میں فقہ حنفی کی کتب سے بھی حوالہ دیتے ہیں۔

لیکن یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ ہر مسلک میں ان لوگوں کو امام بنا لیا جاتا ہے کہ جو محبت کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بجائے نفرت کی بات زیادہ کرتے ہیں، جو جوڑنے کی بجائے توڑنے کی بات کرتے ہیں۔ بریلوی بھائیو! آپ کی مرغیاں آپ کو مبارک، مجھے ان مرغیوں سے کچھ لینا دینا نہیں، بس یہی کہنا تھا کہ ان کے لیے خوراک اعلیٰ حضرت صاحب کے فتاوی کی بجائے پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کے طرز عمل سے لے لیا کریں تو یہ دوسروں کی دیواروں پر بیٹ کرنا بند کر دیں گے۔ اللہ سمجھ عطا فرمائے!

بریلویت کے اصل امام

پیر نصیر الدین شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک بریلوی عالم دین، محقق، صوفی، شاعر اور خطیب ہیں۔ آپ معروف بریلوی عالم دین پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کے پڑپوتے ہیں۔ پیر مہر علی شاہ بریلوی علماء میں معتدل ترین عالم شمار ہوتے ہیں کہ جب اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ، دیوبندی علماء کی تکفیر کر رہے تھے تو پیر مہر علی شاہ صاحب انہیں اپنی کتابوں میں رحمہ اللہ لکھ رہے تھے بلکہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کو توبیعت تک کی اجازت بھی دی۔ اپنی کتاب "تصفیہ مابین سنی وشیعہ" میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے اختلاف کے باوجود انہیں دعائیہ کلمات سے یاد فرمایا۔ برصغیر کے تمام مکاتب فکر کی نمائندگی کرتے ہوئے قادیانیت کا مقدمہ لڑا۔

ذیل میں پیر نصیر الدین نصیر شاہ صاحب رحمہ اللہ، سجادہ نشین گولڑہ شریف کی چار منٹ کی ایک ویڈیو شیئر کر رہا ہوں کہ جس میں انہوں نے اپنے مسلک میں مروجہ شرکیہ رسوم ورواج پر تنقید کی ہے اور اہل حدیثوں کی توحید کی تعریف بیان کی ہے۔ اپنے حلقے میں منبر پر بیٹھ کر اپنے ہی مسلک کے ماننے والوں کے خلاف بات کرنا اور وہ بھی ایک پیر اور سجادہ نشین کا، واللہ! فی زمانہ یہ فعل جہاد سے کم درجہ نہیں ہے۔ سب دوسرے کے مسلک کی اصلاح میں لگے ہیں، کوئی بھی اپنی اصلاح نہیں چاہتا۔ سب یہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ہماری تعریف کریں اور خوب کریں، ہمیں کسی کی تعریف کرنی پڑ جائے تو اختلافات یاد آجاتے ہیں۔

بس ہر مسلک کو ایسے ہی علماء اور صوفیاء چاہییں جو اپنے مسلک پر نقد کریں اور دوسروں کی مدح کریں۔ پیر صاحب واقعی میں مصلح بھی ہیں اور مجاہد بھی۔ یہ جہاد اپنے نفس سے بھی ہے کہ اپنے ہی مخالف ہو جاتے ہیں کہ ہم تو پیر صاحب سے لینے آئے تھے اور یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ سے جا کر لو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منبر پر بیٹھ کر کون اپنوں پر تنقید کی جرات کرتا ہے، عام سلفی اور دیوبندی بھی نہیں کرتے، اس ڈر سے کہ فریق مخالف طعن بنالے گا۔

بلاشبہ بریلوی اس ملک کا سواد اعظم ہیں۔ ان میں پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کے منہج پر چلنے والے معتدل علماء بھی موجود ہیں جیسا کہ پیر کرم شاہ صاحب رحمہ اللہ اور مفتی منیب الرحمن صاحب وغیرہ جو دوسرے مسلک سے مکالمہ کے ساتھ اپنے مسلک والوں کی بھی اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں ایسے بریلوی علماء کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے نہ کہ ان کے بیان حق کو ان کے مسلک کے خلاف طعن بنالیں۔

بھئی، بریلویوں نے اہل حدیثوں کو بہت کچھ دیا لیکن اہل حدیثوں نے انکی قدر نہ کی۔ یہاں ہر دوسرا اہل حدیث وہ ہے، جو پہلے بریلوی تھا۔ بریلویوں میں حق بات قبول کرنے کا جذبہ دوسروں کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ مسلک اہل حدیث کی آبیاری میں بریلویوں کا کردار بہت نمایاں ہے۔

یہ اگر بھولے ہیں تو بھولا ہونا بھی مومن کی نشانی ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ مومن بھولا بھالا اور سیدھا سادھا ہوتا ہے۔ یہ دیوبندی نہیں ہیں یہ بریلوی ہیں بریلوی جو کہ تھوڑی سی تعریف پر راضی ہو جاتے ہیں۔ اہل حدیثو! تم دیوبندیوں کو خوش کرنے میں لگے رہے اور وہ "ھل من مزید" کا تقاضا ہی کرتے رہے اور بریلویوں پر تم نے مشرک کے فتوے لگائے حالانکہ یہی تمہاری جماعت کی اصل نرسری بنے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

صحیح حدیث میں ہے کہ تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں والدین، اولاد اور ہر انسان سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔ اب علماء کا اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ یہ مطلوب محبت طبعی اور جذباتی ہے یا عقلی اور شعوری۔ کچھ علماء کا کہنا یہ ہے کہ ہم سے جذباتی محبت کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر ہو جبکہ بعض کا کہنا یہ ہے کہ ہم سے عقلی اور شعوری محبت کا مطالبہ ہے کہ وہ سب سے بڑھ کر ہونی چاہیے۔

محبت تو نام ہی جذبات کا ہے لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ محبت ہو اور جذباتی نہ ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیونکہ محبت خود ایک جذبہ ہے لہذا آپ ﷺ سے تعلق اور نسبت میں جذبات وابستہ رہیں گے۔ تو جو علماء عقلی اور شعوری محبت غالب رکھنے کا کہتے ہیں تو ان کی مراد یہ نہیں ہوتی کہ رسول اللہ ﷺ سے جذباتی محبت نہیں ہونی چاہیے یا نہیں ہو سکتی۔ وہ دراصل یہ کہتے ہیں کہ عقل اور شعور کو جذبات پر غالب رہنا چاہیے۔

محبت تو ایک جذبہ ہے اور جذبات اندھے ہوتے ہیں، چاہے کسی کے بارے میں ہوں، خدا کے بارے میں ہی کیوں نہ ہوں، چاہے جھوٹا خدا ہو یا سچا تو اس خدا کی محبتِ محض بھی بہت خطرناک ہے بلکہ فساد ہے۔ دنیا کے مختلف مذاہب میں خدا کے نام پر قتل وغارت اس کی ایک بہت بڑی علامت ہے۔ داعش والے کلمہ گو مسلمانوں کو خدا کی محبت میں قتل کرتے ہیں تو پاسداران انقلاب حسین کی محبت میں، رضی اللہ عنہ۔ اولاد کی محبت میں اگر شعور غالب نہ رہے تو اولاد تباہ ہو جاتی ہے اور نبی کی محبت میں شعور غالب نہ رہے تو انہیں خدا کا بیٹا یا جزء بنا لیا جاتا ہے۔

عقل اور شعور یہ دو ایسی چیزیں ہیں جو جذبات کو کنٹرول کرتی ہیں اور محبت کے جذبے میں اعتدال پیدا کرتی ہیں ورنہ تو وہ ایک اندھا جذبہ ہے جو اپنی تسکین کے لیے ہر اندھے رستے پر چل سکتا ہے۔ تو اصل سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے محبت میں جذبات غالب رہنے چاہییں یا شعور؟ تو اس کے جواب کے طور پر دوسری قسم کے علماء یہ کہتے ہیں کہ شعور غالب رہنا چاہیے اور ہماری رائے بھی یہی ہے۔

اس کو آسان الفاظ میں ایک مثال سے یوں سمجھ لیں کہ بریلوی حضرات رسول اللہ ﷺ سے جو محبت رکھتے ہیں، اس میں جذبات غالب ہیں، اس لیے وہ ہر وقت عشق رسول کی بات کرتے ہیں۔ اور اہل حدیث حضرات رسول اللہ ﷺ سے جو محبت رکھتے ہیں، اس میں شعور غالب ہے کہ وہ ہر وقت اطاعت رسول کی بات کرتے ہیں۔ دونوں کا رسول اللہ ﷺ سے جو تعلق ہے، اس کے احوال اور انفس میں فرق ہے۔ ایک کو نعت سن کر نبی سے تعلق محسوس ہو گا تو دوسرے کو حدیث پڑھ کر۔

توہین رسالت کا قانون اور سزا

بہت سے دوست توہین رسالت کے قانون اور اس کی سزا کے بارے سوال کرتے ہیں۔ یہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تین سوال اہم ہیں؛ ایک یہ کہ دین اسلام میں اس شخص کی سزا کیا ہے کہ جو نبی کریم ﷺ کو گالی دے؟ تو دین اسلام میں ایسے شخص کی سزا موت ہی ہے اور نبی کریم ﷺ نے یہ سزا اپنی زندگی میں خود نافذ کروائی ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آپ ﷺ اپنی ذات کے دفاع کے لیے حساس تھے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس ذات سے دین صادر ہو رہا ہے، اس کے داغدار ہونے کا مطلب پورے دین کا داغدار ہو جانا ہے اور یہی تو وجہ ہے کہ مشرکین مکہ دین اسلام کو کرپٹ دین ثابت کرنے کے لیے آپ ﷺ کی ذات پر طعن کرتے تھے کہ آپ شاعر ہیں، مجنون ہیں وغیرہ وغیرہ

البتہ یہ بات درست ہے کہ جب تک قوت اور اقتدار نہیں تھا تو یہ سزا نافذ نہیں کی گئی یعنی مکہ میں اور وہاں صبر کا رویہ اختیار کرنے کے عمومی حکم پر عمل کیا جاتا رہا البتہ جب قوت اور اقتدار حاصل ہو گیا تو پھر مدینہ میں جا کر اس سزا کا نفاذ ہوا۔

دوسری بات یہ کہ ائمہ میں اس بات میں اختلاف ہے کہ توہین رسالت کی یہ سزا حد ہے یا تعزیر۔ تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ان کے متبعین اور حنفیہ کی ایک جماعت کے نزدیک یہ حد ہے جبکہ بعض حنفی فقہاء کے نزدیک یہ تعزیر ہے لیکن یہ لفظی اختلاف ہے۔ حد کا مطلب ہے کہ توہین کے مرتکب کا قتل شرعاً جائز ہے اور تعزیر کا مطلب ہے کہ اس کا قتل سیاستاً اور مصلحتاً جائز ہے۔ ماہنامہ محدث میں کئی ایک ایسے مضامین شائع ہوئے ہیں کہ جن میں ایسے واقعات کا تذکرہ ہے کہ جن میں توہین کا ارتکاب کرنے والوں کے لیے موت کی سزا کا تذکرہ ہے۔

دوسرا یہ کہ پاکستان میں توہین رسالت کی سزا موت کا جو قانون نافذ ہے[1] تو وہ نہ صرف اسلام بلکہ جمہوریت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اور اگر اسلام میں یہ سزا نہ بھی ہوتی تو بھی دین جمہور کے تحت اس قانون کا بنایا جانا اور اس کا نفاذ عین عقلی اور منطقی قرار پاتا۔ پاکستان میں مسلمانوں کی تعداد 96 فی صد ہے اور سروے یہ بتلاتے ہیں کہ پاکستانی شہریوں کی اکثریت نہ صرف اس قانون

[1] Whoever by words, either spoken or written, or by visible representation or by any imputation, innuendo, or insinuation, directly or indirectly, defiles the sacred name of the Holy Prophet Muhammad (peace be upon him) shall be punished with death, or imprisonment for life, and shall also be liable to fine [295-C]

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حق میں ہے بلکہ اس کی پر جوش حامی ہے کیونکہ وہ توہین رسالت کو اپنے خلاف جرم (offense) سمجھتے ہیں۔ تو توہین رسالت ایک شخص کے خلاف نہیں بلکہ پوری قوم کے خلاف جرم ہے اور فساد فی الارض کی بنیاد ہے۔ پس اس سے نہ صرف قوم کے جذبات مجروح ہوتے ہیں بلکہ اس قدر مجروح ہوتے ہیں کہ زمین میں فساد برپا ہو جاتا ہے لہذا اس کی یہ سزا سو فی صد شرع اور عقل کے مطابق ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اس قانون کا غلط استعمال ہوتا ہے تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ جس قانون کا غلط استعمال ہو تو وہ قانون ہی ختم کر دیں بلکہ اس کا حل یہی ہے کہ اس کا غلط استعمال روکیں اور اس کے لیے مزید قانون سازی کریں۔ اب یہاں تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا فرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ توہین رسالت کی سزا نافذ کرے؟ تو اس کا جواب یہی ہے کہ یہ حق ریاست ہی کا ہے کہ وہ یہ سزا نافذ کرے لیکن ریاست ایک طرف تو مذہبی انتہا پسندی کے خلاف ایکشن میں اپنی آخری حد تک چلی جاتی ہے اور دوسری طرف لبرل انتہا پسندی اور فساد فی الارض میں ملنے کو تیار نہیں ہوتی تو لوگ قانون ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ اب یہاں مسئلے کا حل یہ نہیں ہے کہ ریاست مولویوں کی منتیں کرے کہ وہ عوام کو سمجھائیں۔ بھئی، مولوی تو عوام کو کب سے یہ بھی سمجھا رہے ہیں کہ چوری ڈکیتی جائز نہیں لیکن پھر بھی ہو رہی ہے اور خوب ہو رہی ہے۔

مسئلے کا اگر سنجیدہ حل چاہیے تو توہین رسالت کے قانون کو اسی طرح موثر کریں جیسے نیشنل ایکشن پلان کو موثر کیا گیا ہے۔ نبی کریم ﷺ کو گالی دینے والے، خدا کا مذاق اڑانے والے اور مذہب کی توہین کرنے والے کو ریاستی سطح پر دہشت گرد ڈیکلیئر کریں اور اسے اسی طرح عقوبت خانوں میں رکھیں جیسے مذہبی انتہا پسندوں کو رکھا جاتا ہے تو نہ توہین ہو گی اور نہ ہی فساد برپا ہو گا۔ یہ توہین کرنے والے بہت خبیث اور کمینے ہیں، اب معاملہ یہ نہیں ہے کہ کسی کی زبان سے غلطی سے کوئی لفظ نکل گیا تو آپ کہیں کہ چھوڑو معاملہ رفع دفع کرو۔ اب تو یہاں سوشل میڈیا پر ہی ان کا انداز دیکھ لیں کہ صرف توہین نہیں کرتے بلکہ بار بار کرتے ہیں اور مجمعے کو اکساتے ہیں، توہین کرنے کے بعد مذہبی دوستوں سے پوچھتے ہیں کہ کتنی مرچیں لگیں؟ تو ایسے فسادیوں کو کھلی چھوٹ دینا معاشرے کو تباہی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی طرف دھکیلنا ہے۔

بعض دوستوں نے یہ سوال کیا ہے کہ اگر کوئی توہین رسالت کے مرتکب کو قتل کر دیتا ہے تو اس کی کیا سزا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا کیس عدالت میں جائے گا اور اگر عدالت یہ فیصلہ سنائے کہ مقتول نے نبی کو گالی دی تھی تو مقتول کا خون رائیگاں ہے اور قاتل کو قانون ہاتھ میں لینے کی کوئی تعزیری سزا مثلاً قید یا جرمانہ کیا جائے۔ اور اگر عدالت یہ فیصلہ کرے کہ مقتول نے توہین نہیں کی تھی تو پھر قاتل سے قصاص لیا جائے اور سر عام لیا جائے۔

فرقہ اہل حدیث اور فکر اہل حدیث

حضرت الاستاذ مولانا عبد الرحمن مدنی اکثر فرماتے تھے کہ معاصر اہل حدیث حضرات کے دو طبقے ہیں؛ ایک وہ جو فرقہ اہل حدیث سے تعلق رکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک اصل اہمیت چند امتیازی مسائل کی ہے کہ جن پر بحث و تحقیق، مجادلہ و مناظرہ اور انہی مسائل کی دعوت و تبلیغ اور حنفیت کا رد ان کی زندگی کا کل مقصد ہے۔

دوسری طرف بعض علماء "فکر اہل حدیث" کے قائل ہیں کہ جنہیں حنفیہ سے اختلاف تو ہے لیکن وہ ان سے رد عمل میں نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک اصل اہمیت امتیازی مسائل کی نہیں بلکہ فکر اہل حدیث کی ہے۔ اور ان کے ہاں دنیا میں "ردِ حنفیت" کے علاوہ بھی بہت سے اہم کام اہل حدیث کے کرنے کے ہیں جیسا کہ دہریت والحاد کا رد، مغربی افکار کا رد، جدیدیت کا رد، تجدد پسندی کا رد، انکار حدیث کا رد وغیرہ۔

حضرت الاستاذ کہا کرتے تھے کہ برصغیر میں اہل حدیث اس سوچ اور فکر کا نام ہے کہ جو شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے تقلیدی جمود کے خلاف پیش کی تھی۔ برصغیر میں اکابر اہل حدیث علماء کو حنفیہ سے اختلاف تو رہا ہے لیکن کوئی بھی ان سے چڑ ان کی کیفیت میں نہیں رہا۔ شیخ الکل فی الکل حضرت نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنے فتاوی میں کتاب و سنت سے براہ راست استدلال کے علاوہ حنفی کتب فقہ بدائع الصنائع، فتاوی عالمگیری، الدر المختار اور برصغیر کے حنفی علماء کی عبارتوں سے کثرت سے استدلال کرتے نظر آتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

برصغیر میں جماعت اہل حدیث کے بانی محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ میں اجتہادی مسائل میں، کہ جن میں کتاب وسنت کا کوئی واضح اور صریح حکم نہ ہو، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مقلد ہوں۔ جماعت اہل حدیث کے امیر مولانا اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کہا کرتے تھے کہ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ اہل حدیث کے اماموں میں سے ہیں کہ وہ تقلیدی جمود کے قائل نہیں تھے۔

پاکستان میں فکر اہل حدیث کا ترجمان ادارہ جامعہ رحمانیہ، گارڈن ٹاؤن، لاہور میں ہے کہ جس کے بانی و مہتمم جناب مولانا حافظ عبدالرحمن مدنی صاحب ہیں جو ایک طرف جامعہ اشرفیہ اور دوسری طرف مدینہ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہیں۔ اور ان کی درسگاہ میں جہاں اہل حدیث اساتذہ ہیں تو وہاں بعض دیوبندی اساتذہ بھی پڑھاتے رہے ہیں۔ ہم نے اہل حدیث مدرسہ میں مشکوۃ شریف ایک دیوبندی عالم دین مولانا رحمت اللہ صاحب رحمہ اللہ سے پڑھی ہے۔

اس درسگاہ سے فارغ ہونے والے طلباء کی ایک بڑی تعداد دین کا اتنا کام کر رہی ہے کہ انہیں اپنی ذات میں ایک جماعت اور انجمن قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہاں فیس بک پر ہی ہمارے کلاس فیلوز میں جناب طاہر الاسلام عسکری، سید علی القاری، جواد احمد، قاری فہد اللہ، فیض اللہ ناصر، حافظ شفیق الرحمن، حافظ عبدالحنان کیلانی، نعیم ناصف صاحب وغیرہم کثیر موجود ہیں کہ جنہیں قریب سے جاننے والے ان کی کثیر الجہات صلاحیتوں اور دینی خدمات سے اچھی طرح واقف ہیں۔

اہل الحدیث کا ذوق عبادت

دوست نے سوال کیا ہے کہ اہل حدیث میں صرف عقیدہ ہی عقیدہ ہے یا عمل کی بھی کوئی خوبی موجود ہے؟ میں نے کہا کہ اہل حدیث کی وہ خوبی کہ جس کا اعتراف ہر وہ شخص کرتا ہے کہ جسے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، وہ ان کا نماز کا اہتمام ہے۔ وہ نہ صرف نماز کو اعتدال اور ٹھہراؤ سے ادا کرتے ہیں بلکہ اسے ضائع کرنے سے بھی بچتے ہیں۔ بلاشبہ تناسب کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اہل حدیث میں نمازیوں کی تعداد بھی بہت بڑھ کر ہے۔

یہ ان کے افراد کی نہیں بلکہ جماعتی خوبی ہے کہ آپ برصغیر پاک وہند میں ان کی کسی مسجد میں چلے جائیں، جتنے سکون اور اطمینان سے وہ نماز کو ادا کرتے ہیں، دوسرے بحیثیت جماعت اس کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قریب کسی طور بھی نہیں ہے۔ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کی نماز کی ظاہری ہیئت کو جس قدر اپنے عمل سے محفوظ کیا ہے، اس قدر کسی اور نے نہیں کیا ہے۔ قیام ہو یا قومہ، رکوع ہو یا سجدہ، تشہد ہو یا سلام، جو سکون ان کے ہاں ان ارکان کو ادا کرنے میں ہے، وہ کہیں اور کم ہی ملے گا۔

فجر اور عشاء کی نماز جس اہتمام سے وہ ادا کرتے ہیں، فجر منہ اندھیرے، لمبی قراءت کے ساتھ، اور عشاء آخر وقت میں، اطمینان اور سکون کے ساتھ، تو انہوں نے اپنی ایسی نمازوں کے ذریعے سلف کے زمانے کی یاد تازہ کر دی ہے۔ ہر نماز کو اول وقت میں ادا کرنے کی سنت بھی صرف انہی کے ہاں ملے گی۔ انہوں نے، رمضان ہو یا غیر رمضان، بہترین قراء کے ذریعے نمازوں میں حجازی لب و لہجے میں قرآن مجید کی تلاوت کو فروغ دے کر عبادت کا ایک ماحول پیدا کر دیا ہے۔ یہ ان کا ذوق عبادت ہے کہ عبادت تو نام ہی نماز کا ہے۔

میں اگر لیٹ ہو جاؤں یا سفر میں ہوں تو حنفی مساجد میں بھی نماز پڑھ لیتا ہوں اور اس معاملے میں سخت نہیں ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو اطمینان اہل حدیث مسجد میں نماز پڑھنے سے ملتا ہے، وہ دوسری مساجد میں نہیں ملتا کہ اکثر و بیشتر مساجد میں چار سے چھ منٹ میں نماز پڑھا دی جاتی ہے جبکہ اہل حدیث مساجد میں نماز کا یہ دورانیہ دس سے پندرہ منٹ تک کا ہوتا ہے۔ اگر آپ کو اپنی نماز اچھی کرنی ہے تو کچھ عرصہ اہل حدیث مساجد میں نماز پڑھنے کا اہتمام کریں، آپ واضح فرق محسوس کریں گے۔

ایک حنفی دوست نے کمنٹ کیا کہ بعض اہل حدیث مساجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا تو مشاہدہ یہ ہے کہ وہ پاؤں ملانے میں سختی اور تکلف کرتے ہیں۔ اور اپنی داڑھی اور سر پر رکھے سعودی رومال سے بہت زیادہ کھیلتے رہتے ہیں۔ اس پر تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اہل حدیث میں جو لوگ ایسا کرتے ہیں تو انہیں اپنی اصلاح کرنی چاہیے کہ نماز میں یہ عمل خشوع و خضوع کے منافی ہے لیکن ان کی جو خوبی ہے تو بہر حال حنفیہ کو اس کا اقرار کرنا چاہیے کہ یہ اپنے نفس کی اصلاح کے لیے بہت ضروری ہے کہ دوسروں کی خوبیوں کا اقرار کیا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلفیہ اور اہل الحدیث

سلفیہ اور اہل الحدیث مختلف پس منظر رکھنے والے دو الگ الگ مکاتب فکر ہیں کہ جنہیں اکثر لوگ ایک ہی سمجھ لیتے ہیں۔ان دونوں میں وہی فرق ہے جو اشعریہ اور شافعیہ یا ماتریدیہ اور حنفیہ میں ہے۔سلفیت اصل میں عقیدے کی اصلاح کی تحریک ہے جبکہ اہل حدیث ایک فقہی مکتب فکر ہے۔

اہل حدیث فقہی جمود کی اصلاح کی تحریک ہے کہ جس کا بطور تحریک برصغیر میں آغاز حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ سے ہوا۔ حضرت شاہ صاحب سے بہت پہلے امام ابن حزم رحمہ اللہ اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فقہی جمود کے خلاف آواز بلند کی تھی۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کی تحریک رد عمل کی تحریک تھی۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی جلالت علمی کے باوصف ائمہ پر بعض اوقات طنز اور طعن بھی کر جاتے ہیں۔امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحریک اصلاحی تحریک تھی کہ وہ ائمہ سے اختلاف کرتے ہوئے پورے ادب اور احترام کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہیں۔اور برصغیر کی تحریک اہل حدیث کے بانیوں پر اصل اثر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا ہے نہ کہ ابن حزم رحمہ اللہ کا۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ حنفیہ سے رد عمل میں نہیں ہیں۔ لیکن متاخرین اہل حدیث میں بعض لوگ ابن حزم رحمہ اللہ سے زیادہ متاثر ہو گئے کہ جس کی وجہ سے اہل حدیث کی ایک پہچان ردِ حنفیت بھی بن گئی۔

سلفیت عقیدے کی اصلاح کی تحریک ہے کہ جس کا آغاز تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے ہوا لیکن اسے ایک باقاعدہ تحریک کی صورت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے دی۔ یہ تحریک دراصل یونانی فلسفے اور منطق اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی مسلم فلاسفی، علم الکلام اور نظریاتی تصوف سے پیدا ہونے والے بگاڑ اور فساد کی اصلاح کے لیے کھڑی ہوئی۔اور ماضی قریب میں حجاز کے علاقے میں شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ کے ہاتھوں اس تحریک کی تجدید ہوئی ہے۔

اہل الحدیث میں اکثر سلفی ہوتے ہیں لیکن بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کا عقیدہ سلفی نہیں ہے جیسا کہ مولانا حنیف ندوی رحمہ اللہ کہ فقہی مسائل میں تو اہل حدیث ہیں جبکہ عقیدے میں اشعریت کی طرف مائل ہیں بلکہ وہ تو عقلیات ابن تیمیہ میں امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا موقف بیان کرنے کی بجائے اس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پر نقد شروع کر دیتے ہیں۔ اور بعض سلفی ایسے ہیں جو اہل الحدیث نہیں ہیں جیسا کہ حنابلہ بلکہ حنفیہ میں بھی سلفی العقائد علماء موجود ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ سعودی عرب وغیرہ میں عقیدے کی اصلاح پر زور ہے کہ وہاں کی وہابی تحریک کا اصل مقصد یہی تھا جبکہ فقہ کے معاملات میں وہ چاروں فقہیں پڑھاتے ہیں اور خود حنبلی مسلک کی نسبت رکھتے ہیں جبکہ برصغیر میں اہل حدیث نے زیادہ کام فقہی جمود کے خلاف کیا ہے لیکن جب یہاں سے طلباء اور علماء سعودی عرب جانا شروع ہوئے تو یہاں بھی توحید اسماء وصفات کی بحثیں عام ہونا شروع ہو گئیں۔

میں خود سلفی العقیدہ ہوں اور فقہی طور اہل حدیث کے مسلک سے فکری مناسبت رکھتا ہوں لیکن یہ بات کہنے میں حرج محسوس نہیں کرتا کہ آج سلفیت اور اہل حدیث کی دعوت اور منہج کے پھیلاؤ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ خود ہیں۔ اور اس کی وجہ دلیل کی کمزوری نہیں بلکہ اخلاق اور رویوں کی کمی ہے۔ آج اہل حدیث کو ابن حزم رحمہ اللہ کی ضرورت نہیں بلکہ جنید بغدادی رحمہ اللہ کی ضرورت ہے لیکن ان کا سارا زور اور وسائل ابن حزم رحمہ اللہ پیدا کرنے پر صرف ہو رہے ہیں۔

سلفیوں کی خدمت میں

برصغیر پاک وہند میں اہل حدیث اور عرب دنیا میں حنبلی عموماً سلفی کہلاتے ہیں کہ جن کا دعوی ہے کہ وہ واحد جماعت ہیں جو سلف صالحین کے عقیدے پر ہیں۔ میں عقیدے میں سلفیہ کی خدمات کا ہمیشہ معترف رہا ہوں بلکہ تاحال ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ سلفی عقائد ہی کتاب وسنت کا صحیح بیان ہیں اور سلفیہ ہی وہ واحد جماعت ہے جو سلف صالحین، صحابہ وتابعین، فقہائے دین، ائمہ اربعہ اور محدثین عظام کے عقیدے پر ہے۔

لیکن مجھے آج ان کے عقیدے پر بات نہیں کرنی بلکہ اخلاق اور رویوں پر کرنی ہے۔ جب بھی دوست سلفیوں کے رویوں کی شکایت کرتے ہیں تو میں ہمیشہ ان سے اتفاق کرتا ہے کہ ان میں رویوں کا بہت بگاڑ اور فساد موجود ہے، عوام میں بھی، طلباء میں بھی، اور علماء میں بھی۔ رویوں کی خرابی میں سب سے نمایاں طور ہمیں ان کی شدت وسختی اور تجہیل وتضلیل نظر آتی ہے کہ ذرا ذرا سی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات پر پھٹ پڑنا، دوسروں کو جاہل اور گمراہ کہہ دینا، انہیں حقیر سمجھنا، فتوی لگانے میں جلدی کرنا، جس سے اختلاف ہو، اس سے دل سخت کر لینا وغیرہ عام نظر آئے گا۔ اور میں یہ دعوی نہیں کرتا کہ میں خامیوں اور کوتاہیوں سے پاک ہوں کہ میں بھی انہی میں سے ایک ہوں۔ اور یہ کوشش کرتا رہتا ہوں کہ دوسرے مکاتب فکر کی علمی اور اصلاحی مجالس میں شریک رہوں تاکہ کسی قدر اعتدال نصیب ہو۔

یہ صرف یہاں برصغیر پاک وہند میں نہیں ہے بلکہ عرب کی سلفی علمی دنیا تک اس وقت قطبی، حزبی، مدخلی، سروری، علمی، جہادی، تکفیری وغیرہ میں نہ صرف منقسم ہیں بلکہ ایک دوسرے کا اس شدت سے رد بھی کرتے ہیں کہ جیسے دوسری قسم کے سلفی گمراہ فرقے ہوں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں ہر ایک کتاب وسنت کے اپنے فہم کو اتنا حتمی سمجھتا ہے کہ دوسرے کو اختلاف کی گنجائش ہی نہیں دیتا اور فوراً فتوی جڑ دیتا ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ سارے سلفیوں کے رویے ایسے ہیں، وہ جو باہر نکلے ہیں، معاشرے میں، وہ جو دوسروں کے ساتھ اٹھے بیٹھے ہیں، ان کے رویوں میں آپ کو اعتدال نظر آئے گا۔ دو چار دن پہلے ایک سلفی دوست اپنے بھائی کو جو کہ ایک سلفی مدرسہ کے منتظم ہیں، کہہ رہے تھے کہ ہماری مسجد کے فلاں نمازی حنفی تو ہیں لیکن معتدل ہیں، لہذا انہیں کبھی کبھار مصلے پر امامت کے لیے کھڑا کر دیا کرو۔ اس سے امت میں اتحاد اور محبت کے جذبات کو فروغ ملے گا۔ اب یہ بھی سلفی ہیں لیکن ان کا تبلیغ میں وقت لگا ہے لہذا ایک مسلک کی بجائے امت کی سطح پر سوچتے ہیں۔

تو جو سلفی حضرات آپ کو جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت، تنظیم اسلامی یا دیگر مسالک کے ساتھ نیکی کے کاموں میں تعاون کرتے نظر آئیں گے تو ان میں اعتدال ہو گا۔ اور سلفی حضرات میں رویوں کا اعتدال کیسے پیدا ہو سکتا ہے، میری نظر میں اس کا حل یہی ہے کہ یہ اپنے مسلک کے علاوہ لوگوں کے ہاں بھی اٹھیں بیٹھیں، کچھ ان کی بھی سنیں، سنائیں۔ ورنہ تو پھر ٹھیک ہے، دیگر فرقوں کی طرح یہ بھی ایک فرقہ بن کر رہ جائیں گے کہ باہمی تمزق و تفرق کا شکار ہو کر تقسیم در تقسیم ہوتے چلیں جائیں گے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رویے اس قدر خراب ہیں کہ یقین مانیے کہ ایک دیوبندی اور بریلوی سے معذرت کرتے ڈر نہیں لگتا کہ امید ہوتی ہے کہ معاف کر دے گا بلکہ شاید معافی کے الفاظ آپ کی زبان پر ہوں تو اس دوران وہ کہہ دے کہ حضرت کیا کرتے ہیں؟ معذرت کی کیا ضرورت؟ شرمندہ نہ کریں وغیرہ لیکن سلفی سے معذرت کرتے وقت پہلے دل پر بھاری پتھر رکھنا پڑتا ہے کہ اسے آپ سے صرف معذرت نہیں مطلوب بلکہ وہ آپ سے زمین پر ناک رگڑنے کا مطالبہ کرے گا اور اس کے بعد میں بھی کچھ نہ کچھ ایسا کمنٹ مار کر ہی آپ سے رخصت ہو گا کہ آپ اندر تک سڑ کر رہ جائیں۔

ایک دوست کا کہنا یہ ہے کہ دلوں کا سخت ہونا کیا یہ شبہ پیدا نہیں کرتا کہ عقیدہ میں بھی کہیں کجی ہے؟ تو عرض یہ ہے کہ اللہ کے بارے تو عقیدہ ٹھیک ہے البتہ لوگوں کے بارے ٹھیک نہیں ہے۔ برے رویوں کا تعلق عموماً اس عقیدے سے ہوتا ہے جو مخلوق کے بارے رکھا جاتا ہے جیسا کہ کسی کو کم علم، جاہل، حقیر سمجھنا وغیرہ

ایک دوسرے دوست کا کہنا ہے کہ "سلفی عقائد ہی کتاب وسنت کا صحیح بیان ہیں"....اگر آپ کا یہ بیان درست ہے، تو سلفیوں کی غیر سلفیوں کے خلاف شدت ٹھیک ہے۔ جواب: کوئی بھی یہ نہیں سمجھتا کہ میرا عقیدہ کتاب وسنت کے خلاف ہے، مسکراہٹ۔ عقیدہ کہتے ہی ذہنی گرہ کو ہیں کہ "عقدۃ" سے بنا ہے، ہر مجتہد اپنے نزدیک "مصیب" ہوتا ہے۔ ہم کسی مجتہد سے یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ وہ اپنے آپ کو "مخطئ" قرار دے۔ ایسا کرنے سے تو مذاق بن جائے گا۔

دوست کا کہنا ہے کہ خود کو قابل ترجیح سمجھنے سے بھی گزارا ہو جاتا ہے۔ میری رائے میں ہر جگہ نہیں ہو گا مثلاً قادیانی، باطنی، منکر حدیث وغیرہ جیسوں کی تفسیر کے مقابلے میں آپ اپنے فہم قرآن کو قطعی درجے حتمی سمجھیں گے مثلاً مفکر قرآن صاحب کہہ رہے ہیں کہ قرآن مجید میں عمرہ سے مراد امیگریشن (immigration) کے قوانین ہیں کہ یہ لفظ آبادکاری سے نکلا ہے یعنی غیر ملکیوں کو اپنے ملک میں آباد کرنے کے قوانین وضوابط بنانا۔ تو اس کے مقابلے میں کیا آپ اپنے فہم قرآن کہ عمرہ سے مراد عمرہ ہی ہے، کو قابل ترجیح سمجھیں گے کہ ہو سکتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں اور مفکر قرآن درست ہو، ہر گز نہیں!

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سلفی تند خو ہیں یا نرم مزاج

ہم نے "سلفیوں کی خدمت میں" کے عنوان سے ایک پوسٹ لگائی تھی کہ جس پر بہت سے فاضل سلفی دوستوں کے کمنٹس اور تبصرے موصول ہوئے کہ جن میں سے بعض سے ہمیں اتفاق بھی ہے۔ کچھ دوستوں کا کہنا ہے کہ سلفیوں کے اخلاق برے نہیں بلکہ وہ اس بارے بدنام زیادہ ہیں۔ یہ مشاہدہ ہمارے سلفی دوستوں کا ہے تو ہمیں کسی کے مشاہدے کو جھٹلانے کا اختیار نہیں بلکہ جو ہم کر سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ اپنا مشاہدہ بیان کر دیں۔

اس پر ہمارا کہنا یہ ہے کہ بعض اوقات ایک ہی بات کو دیکھنے کے زاویے مختلف ہوتے ہیں لہذا ہر زاویے سے جو جو منظر یا تصویر نظر آ رہی ہوتی ہے، اس میں اختلاف ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی پوزیشن مختلف ہوتی ہے۔ میں اپنے گھر کی کھڑکی سے گلی کا منظر بیان کروں گا تو وہ، وہ نہیں ہو گا جو کہ میرا ہمسایہ اپنے گھر کی کھڑکی سے جھانک کر بیان کرے گا۔ تو ایک تو زاویہ نگاہ کا اختلاف ہے کہ جس کی وجہ پوزیشن کا اختلاف ہے یعنی آپ کے کھڑے ہونے کے مقام کا۔

یہاں پوزیشنیں اصل میں دو ہیں؛ ایک دفاع کی اور دوسری اصلاح کی۔ سلفی اگر دفاع کی پوزیشن سے دیکھے گا تو اسے اپنے حلقے کی اخلاقیات اور رویے سب سے بہتر نظر آئیں گی۔ اور وہ اس بات کو پسند بھی نہیں کرے گا کہ سلفی جماعت پر تنقید کی جائے کہ مخالفین پھر اسی تنقید کے حوالے دے دے کر طعنہ مارتے ہیں۔ یہ صرف سلفیوں کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ہر مسلک اور جماعت کا معاملہ ہے کہ وہ ڈر کی نفسیات کا شکار ہیں کہ اگر ہم نے اپنے مسلک اور جماعت پر کھلے عام نقد کیا تو فریق مخالف اس کو میرے لیے طعن بنا لے گا۔ اور یہ بات درست بھی ہے کہ مناظرانہ ماحول نے ہمیں اس حد تک پہنچا دیا ہے۔

دوسری پوزیشن اصلاح کی ہے کہ جسے اپنی جماعت یا مسلک کو آگے لے کر جانا ہے تو وہ ضرور ان پر نقد کرے گا کیونکہ بہتری کے لیے نقد ضروری ہے۔ اور اگر سب اچھا کرتے رہیں گے تو وہیں کھڑے کے کھڑے رہ جائیں گے جیسا کہ وہی باپ اپنی اولاد کو کچھ بنانے میں کامیاب ہوتا ہے جو اسے کبھی یہ احساس نہ ہونے دے کہ وہ کچھ بن چکا ہے۔ اور جس دن اولاد کو یہ احساس ہوا نہیں، وہی دن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے زوال کا دن ہے۔

اور جب میں یہ کہتا ہوں کی میری جماعت یا مسلک میں یہ مسائل ہیں تو ان میں سب سے پہلے "میں" خود مراد ہوتا ہے۔ مجھ سے جب کسی نے میرے رویوں کے بارے شکایت کی تو میں نے کہا، بالکل ٹھیک کہتے ہیں، میں اپنی اصلاح کروں گا۔ اب چاہے تنقید کرنے والے نے مبالغہ ہی کیا ہو لیکن میرے مان لینے سے کیا جاتا ہے؟ سوائے اس کے کہ میں اپنے آپ کو مزید بہتر بنالوں گا۔ لیکن میرے لیے یہ سمجھنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ میں اپنی اصلاح کی پوزیشن لیے ہوئے ہوں نہ کہ دوسروں کی۔ اور آپ پر کی گئی تنقید اگر سو فی صد درست نہیں ہوتی تو سو فی صد غلط بھی نہیں ہوتی۔

اور بلاشبہ ہر مسلک اور جماعت نے لفظوں کی حد تک "مناظر" سے "مصلح" بننے کی پوزیشن لینے کا دعوی کیا ہے لیکن یہ "مصلح" بھی وہ دوسروں کے لیے ہوتے ہیں، اپنے لیے نہیں۔ میری جماعت اور میرا مسلک، میرا خاندان ہے۔ مجھے اگر اپنے بچوں کی اصلاح کرنی ہے تو میں اپنے پڑوسی کے بچوں کی بری عادتیں انہیں نہیں گنواؤں گا، چاہے وہ میرے بچوں سے لاکھ برے ہوں۔ پس اگر میری نوے فی صد پوسٹیں دوسروں کی اصلاح کے بارے ہوتی ہیں تو دس فی صد تو اپنی اصلاح کے بارے بھی ہونی چاہییں، یہ ہر اس جماعت اور مسلک کو سوچنا چاہیے جو دوسروں کے ساتھ اپنی اصلاح بھی چاہتے ہیں۔

اکیسویں صدی میں امت مسلمہ کی امامت

عالم اسلام کے فکری، علمی اور سیاسی احوال کا مشاہدہ واضح طور یہ بتلا رہا ہے کہ امر تکوینی یہی ہے کہ جس طرح بیسویں صدی میں امت مسلمہ کی علمی، فکری اور سیاسی امامت دیوبند کے پاس تھی، اسی طرح اکیسویں صدی میں یہ امامت سلفیوں کے پاس ہو۔ اب یہ بعد کا مسئلہ ہے کہ اکیسویں صدی والے بیسویں والوں کی امامت یا بیسویں والے اکیسویں صدی والوں کی امامت کے بارے یہ تبصرہ کریں:

﴿وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرٌّ أُرِيدَ بِمَن فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا﴾ [الجن: 10]

"ہمیں نہیں معلوم کہ جو زمین میں بستے ہیں، ان کے پروردگار نے ان کے ساتھ کوئی بھلائی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کا ارادہ کیا ہے یا شرکا۔"

فکری اہل حدیث

علمی بات یہ ہے کہ اہل الحدیث کی اصطلاح دو طرح سے استعمال ہوتی ہے۔ ایک تو اہل الرائے کے بالمقابل، اور اس اعتبار سے اہل الحدیث وہ مکتب فکر ہے کہ جس کے بانی امام مالک رحمہ اللہ ہے اور پھر اس مکتب فکر کو ان کے شاگرد امام شافعی رحمہ اللہ نے آگے بڑھایا۔ پھر ان کے شاگرد امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ لے کر چلے۔۔ پھر ان کے شاگرد امام بخاری رحمہ اللہ نے اس میں اضافے فرمائے۔ اس اعتبار سے اہل الحدیث ایک بہت قدیم سوچ اور فکر ہے جیسا کہ اہل الرائے یا حنفی ایک قدیم مکتب فکر ہے۔ اہل الحدیث اور اہل الرائے کے ان دو اجتہادی مکاتب فکر کے اختلافات پر میری مستقل تحریریں شائع ہو چکی ہیں جیسا کہ ماہنامہ الاحیاء وغیرہ میں۔

میں اپنی تحریروں میں امام مالک رحمہ اللہ کے زمانے سے مدینہ سے شروع ہونے والے اس قدیم مکتب فکر کو "فکری اہل حدیث" کا نام دیتا رہا ہوں۔ مجھ سے جب بھی کوئی پوچھتا ہے تو میں یہی کہتا ہوں کہ میں "فکری اہل حدیث" ہوں یعنی ان ائمہ دین کی فکر پر ہوں اور وہ فکر یہ ہے کہ ائمہ کے اقوال کو کتاب وسنت پر پیش کرتے رہو نہ کہ کتاب وسنت کو ائمہ کے اقوال پر پیش کرو۔ یہ فکری اہل حدیث آج بھی پائے جاتے ہیں لیکن تعداد میں بہت کم ہیں۔ یہ ائمہ دین پر طعن نہیں کرتے، یہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے استفادہ کے بھی قائل ہیں اور ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔ اشارتاً عرض کرتا چلوں کہ "فکری حنفی" بھی موجود ہیں جو اختلافی مسائل میں سخت نہیں ہیں یعنی رفع الیدین سے بھی نماز پڑھ لیں گے لیکن فکری وابستگی اہل الرائے/حنفیہ سے ہے۔

دوسرا اہل الحدیث سے مراد برصغیر کی "جماعت اہل حدیث" ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ ایک خاص دور میں وجود میں آئی اور شیخ الکل نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ کو ان کا نقطہ آغاز کہا جا سکتا ہے۔[1] برصغیر میں تقلیدی جمود کی اصلاحی تحریک کا آغاز شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ اور ان کے

[1] یہ در اصل اس موضوع پر دو تحریریں تھیں، جو کہ فیس بک پر پبلش کی گئی تھیں۔ پہلی تحریر کا خلاصہ یہ تھا کہ برصغیر کے اہل حدیث، حنفیوں سے نکلے ہیں لہذا ان سے اختلاف ضرور کریں لیکن ان کا احترام واجب ہے۔ بعد میں محترم ارشاد الحق اثری صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا کہ یہ مقدمہ تاریخی طور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خاندان کی "فکر اہل حدیث" سے ہوا تھا کہ جس نے شیخ الکل نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ پر آ کر ایک جماعت کی صورت اختیار کر لی لیکن اب بد قسمتی سے یہ "فرقہ اہل حدیث" بن چکا ہے۔ اور ان کے شاگرد مولانا محمد حسین بٹالوی رحمہ اللہ نے قادیانیت، نیچریت اور تقلید کے رد میں بہت کام کیا اور 1877ء میں "إشاعة السنة" کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ انہوں نے ہی سرکاری کاغذات میں اپنے ہم فکر ساتھیوں کے لیے "وہابی" کی جگہ "اہل حدیث" کا نام پسند کیا۔ البتہ یہ بات تاریخی طور درست ہے کہ برصغیر میں حنفیت جو تین مسالک میں تقسیم ہوئی ہے تو اس میں اہل حدیث پہلے وجود میں آئے۔ دار العلوم دیوبند کے قیام سے تقریباً بیس سال پہلے شیخ نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ نے شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ کی مسند پر بیٹھ کر برصغیر میں اہل حدیث کی پہلی درسگاہ کی بنیاد رکھ دی تھی۔

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ یہی مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب رحمہ اللہ اپنے آپ کو "حنفی اہل حدیث" لکھتے تھے۔ وہ اجتہادی مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتوی دینے کے قائل تھے کہ عرف میں فقہ حنفی تھی لہذا مناسب یہی تھا کہ جن مسائل میں صریح احادیث موجود نہ ہوں تو امام صاحب کے قول پر فتوی دیا جائے۔ پھر اس کے بعد برصغیر کے اہل حدیث میں سختی آتی چلی گئی اور ان کی اکثریت میں امام صاحب سے چڑ پیدا ہو گئی بلکہ اہل حدیثیت نام ہی حنفیت کے رد کا پڑ گیا۔

درست نہیں ہے۔ عام طور اہل حدیث علماء برصغیر پاک وہند میں اپنا تاریخی آغاز محمد بن قاسم رحمہ اللہ کی آمد سے شروع کرتے ہیں نہ کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کی تقلیدی جمود کے خلاف اجتہادی مساعی سے۔ تو وہ تحریر اس کتاب میں شامل نہیں کی گئی۔ اور موضوع پر دوسری تحریر کو بھی استاذ محترم مولانا عبد الرحمن مدنی صاحب کے تبصرہ کے بعد تہذیب وتنقیح کے ساتھ "فکری اہل حدیث" کے نام سے پیش کر دیا گیا ہے۔ مجھے یہی بات سمجھ آتی ہے کہ برصغیر کی "جماعتِ اہل حدیث"، حنفیہ سے ہی نکلی ہے بایں معنی کہ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ "حنفی اہل حدیث" تھے اور پھر ان کے پڑپوتے شاہ محمد اسحاق رحمہ اللہ کی مساعی سے یہ اجتہادی فکر احناف کے ایک گروہ نے قبول کی اور اہل حدیث ہو گئے۔ رہی "فکر اہل حدیث" تو وہ شروع سے ہی چلی آ رہی ہے۔ واللہ اعلم۔ باقی ہماری اس تحریر پر بعض کٹڑ قسم کے اہل حدیثوں کی طرف سے جو شدید رد عمل واٹس ایپ گروپس میں دیکھنے کو ملا تو اس سے معلومات میں یہ اضافہ ہوا کہ یہ حضرات بھی گالیاں دینے میں بہت فصیح وبلیغ ہیں۔ ان میں بعض ایسی ہیں کہ جو اب یہاں نقل نہیں کی جا سکتی۔ البتہ بعض اہل حدیث کا رد عمل بہت معتدل بھی تھا اور میں ان کا شکر گزار ہوں۔ یعنی انہیں میری بات سے اتفاق نہیں تھا لیکن انہوں نے بہت احسن انداز میں رد بھی کیا اور مکالمہ بھی اور یہی مطلوب ہے۔ اہل حدیثوں کے معتدل اداروں میں جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور جامعہ رحمانیہ لاہور ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام صاحب کو لعن طعن کرنے والے بھی موجود ہیں اگرچہ کم ہیں۔ آج کل وہی لوگ جماعت میں غالب ہیں کو فقہ حنفی کا خوب رگڑا لگائیں۔ اور معاشرے میں انہی کو اہل حدیث کا نمائندہ سمجھا جاتا ہے لیکن میں انہیں اہل حدیث کا اصل نمائندہ نہیں سمجھتا بلکہ "فکری اہل حدیث" کو اہل حدیث کا حقیقی نمائندہ سمجھتا ہوں اور انہی کی طرف نسبت رکھتا ہوں۔

مسلک سے براءت نہیں، مسلک کی اصلاح

اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد مسلکوں سے بیزار آچکی ہے اور اس کی وجہ مسلکوں کا باہمی تعصب اور منافرت ہے۔ مجھے دعوت اور تبلیغ کے کام کے دوران بہت سے ایسے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ سب مسلکوں سے نکل جائیں، انہوں نے ہمارا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ میں نے اس مسئلے پر پورے اخلاص کے ساتھ غور کیا ہے اور اس نتیجے تک پہنچا ہوں کہ مسئلے کا حل مسلکوں سے براءت نہیں، ان کی اصلاح ہے کہ یہ تعصب کی بنیاد پر کھڑے ہیں اور آپ ان سے محبت کا اظہار کر کے تو اس تعصب کو کم کر سکتے ہیں لیکن ان سے لاتعلقی کا اعلان کر کے اس تعصب کو مزید ہوا ہی دے سکتے ہیں۔

اب مسلکوں کی اصلاح کے لوگوں نے دو مطلب سمجھے اور دونوں غلط سمجھے کہ وہ دونوں ہی مسلک پرستی تھے۔ ایک مطلب یہ نکالا گیا کہ سب مسلکوں سے اعلان براءت کرو اور اپنے آپ کو مسلمان کہو اور بعد میں "جماعۃ المسلمین" بن جاؤ یعنی سب مسلک غلط اور ٹھیک صرف تم ہو۔ اور دوسرا یہ کہ مسلکوں کی اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ میں نے دوسرے کے مسلک کی اصلاح کرنی ہے نہ کہ اپنی۔ اپنے مسلک کی اصلاح چھوڑ کر دوسرے کے مسلک کی اصلاح کرنا اتنا ہی لغو ہے جتنا اپنی ذاتی اصلاح چھوڑ کر دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنا۔

مسلکوں کی اصلاح کا جو مفہوم مجھے سمجھ میں آیا، وہ یہ ہے کہ آپ کسی نے کسی مسلک سے منسلک رہیں، اس سے نسبت رکھیں، اسے اپنا سمجھیں، لیکن تقلیدی جمود کا شکار نہ ہوں، آنکھیں بند نہ کر لیں، دوسرے مسلک کی اصلاح پر اگر ستر فی صد وقت لگاتے ہیں تو بیس فی صد اپنے مسلک کی اصلاح پر لگائیں۔ اور یہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ آپ کو اپنے مسلک میں کوئی اچھائی نظر ہی نہ آئے،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ آپ غلط جگہ آ گئے ہیں، دوسری جگہ چلے جائیں کہ جن سے آپ کو اتفاق زیادہ ہے۔

اپنے مسلک کو اپنا فرقہ نہ بنائیں بلکہ اس سے صرف نسبت رکھیں، فکری نسبت، بس۔ اور مسلک کو فرقہ بنانا یہ ہے کہ آپ نے ساری زندگی دوسرے کی مسلک کی اصلاح میں گزار دی اور اپنے مسلک کی اصلاح کے لیے کچھ نہ کیا۔ ہم ایک دوسرے کی اصلاح میں بری طرح ناکام ہو چکے، ہماری نمازیں حالت احسان میں ہوتی ہیں لیکن ہمارے قلم، فریق مخالف کا خون ٹپکا رہے ہوتے ہیں اور ہم اسے جہاد سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ آج ہمیں احسان والی نماز نہیں، احسان والا قلم چاہیے کہ جو دوسروں کے بارے لکھتے ہوئے اللہ کی جناب میں موجود ہونے کے تصور سے لرز اٹھتا ہو۔

ہم کس قدر دینی اور اخلاقی بحران کا شکار ہیں، ہمیں ہر وہ شخص معتدل نظر آتا ہے جو اپنے مسلک پر نقد کرے اور ہم اسے لائک بھی خوب کریں گے، شیئر بھی کریں گے لیکن اپنے مسلک پر نقد کر کے خود ویسا معتدل بننا پسند نہیں کریں گے کہ ہم نے تنہائی میں مصلے پر بیٹھ کر اپنے غلط ہونے پر رب سے مکالمہ ہی نہیں کیا۔ یا اگر اپنے مسلک کو غلط سمجھا بھی ہے تو نقد اس لیے نہ کی کہ دوسرے مسلک سے ریسلنگ جو ہو رہی ہے، وہ ہار جائیں گے حالانکہ یہی ہار، آخرت میں ہماری جیت کی علامت ہے۔ بس، مسلک کی اصلاح اسی وقت ہو سکتی ہے، جب ہم حالت احسان میں آ جائیں۔ اور آج بد قسمتی سے کوئی حالت احسان میں نظر نہیں آتا، نہ سلفی نہ صوفی، میں آپ کی نماز نہیں آپ کا قلم دیکھ کر یہ بات کر رہا ہوں۔

ماضی میں ہوا یہی ہے کہ جس نے مسلک پرستی کے خلاف کام کیا اور کتاب و سنت کی طرف دعوت دی تو خود سے ایک نیا مسلک بنا لیا۔ مسعود الدین عثمانی اور مسعود احمد بی۔ ایس۔ سی اس کی دو بہترین مثالیں ہیں۔ اور آج کل انجنیئر محمد علی مرزا صاحب اس کی بہترین مثال ہیں۔

اور حقیقت یہی ہے کہ مسلکوں کا رد کرنے والے اپنی تحقیق اور تشریح کے صحیح ہونے پر اتنی ہی شدت سے اصرار کر رہے ہوتے ہیں جتنا کہ مسلک والے۔ بھئی، اگر کسی مسلک کی تشریح نہیں لیں گے تو عامی کہاں سے تشریح لے گا، آپ سے۔ اور جب آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ سب مسلک غلط

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں تو آپ خود ایک مسلک ہیں۔ یہ بات تو بہت سادہ سی ہے۔

تنظیم سازی اور جماعتیں بنانے کی شرعی حیثیت

جماعۃ الدعوۃ کی سیاسی جماعت "ملی مسلم لیگ" کے سیاست میں آنے کے اعلان کے ساتھ ہی "جماعۃ الدعوۃ" اور "مرکزی جمعیت اہل حدیث" کے کارکنان کے درمیان سوشل میڈیا پر ایک غزو فکری (intellectual war) کا آغاز ہو گیا۔ ایسے میں اہل حدیث میں سے سنجیدہ علماء کی ایک جماعت نے دوبارہ سے اس بحث کو شروع کر دیا کہ جو تقریباً پچھلی صدی میں نصف صدی تک اہل ان کے مابین باعثِ نزاع رہی ہے اور وہ یہ کہ اسلام میں تنظیمیں اور جماعتیں بنانا جائز ہے یا نہیں؟

اہل حدیث علماء کی ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ اسلام کے بعد کسی جماعت اور تنظیم کی ضرورت نہیں ہے۔ اور یہ جماعتیں اور تنظیمیں امت میں افتراق وانتشار اور تحزب وعصبیت (fanaticism) کا باعث بنتی ہیں۔ ہر جماعت اور تنظیم کے کارکنان اپنی جماعت سے مخلص ہیں اور دوسری کے دشمن، چاہے ایک مسلک ہی کی کیوں نہ ہوں۔ ان سب کا دعوی یہ ہے کہ یہ دین کا کام کر رہی ہیں لیکن ان کا دینی کام تحزب اور تعصب کی بنیادوں پر ہوتا ہے کہ اپنی جماعت کے ساتھ کرنا ہے ورنہ نہیں کرنا۔

یہ اعتراض بہت قوی اعتراض ہے اور مشاہدے کے عین مطابق ہے کہ جماعتوں اور تنظیموں نے امت میں حزبیت اور تعصب کو ہوا دی ہے۔ اور تو اور تبلیغی جماعت والے تنظیم اسلامی والوں کو اپنی مسجد میں درس قرآن نہیں دینے دیتے۔ اور تنظیم اسلامی والے کون سا ان کے گشت میں شریک ہو جاتے ہیں؟ جماعت اسلامی اور جماعۃ الدعوۃ والے اپنا پلیٹ کسی اور جماعت کو دعوتی مقاصد کے لیے استعمال کرنے دیں گے کیا؟ پہلے مسلکوں کی مساجد ہوتی تھی، اب جماعتوں کی بھی ہیں۔

اور ان کے ہاں اگر "وتعاونوا على البر والتقوى" کا نعرہ لگایا بھی جاتا ہے تو اس کا معنی اور مفہوم یہی ہوتا ہے کہ دوسری جماعت ہماری جماعت کے ساتھ تعاون کرے، باقی ہم اس کے ساتھ کریں تو یہ کسی کے ذہن میں نہیں ہے۔ علاوہ ازیں ان جماعتوں اور تنظیموں کے وسائل ان کے بانیان کی خدمت کے لیے وقف ہو کر رہ جاتے ہیں اور اس پر مستزاد یہ کہ یہ خاندانی وراثت بن کر رہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہیں حالانکہ انہیں پبلک پراپرٹی ہونا چاہیے کہ جماعتیں اور تنظیمیں کارکنان کی قربانی اور عوام کے پیسے سے بنتی ہیں۔

دوسری طرف جو علماء تنظیم سازی کے حق میں ہیں تو ان کا کہنا یہ ہے کہ جماعت کے بغیر مسلمان ایک ہجوم کی مانند ہیں اور ہجوم سے کسی اجتماعی کام کی امید کرنا عبث اور بے کار ہے۔ جو علماء جماعت سازی کے خلاف ہیں تو وہ اس کے نقصانات یعنی تحزب اور عصبیت وغیرہ کی وجہ سے ہیں۔ اس لیے جماعت سازی کی مخالفت کی بجائے اس کے نقصانات سے بچنے کی تدابیر اختیار کی جائیں کیونکہ جماعت کی افادیت سے کوئی کج بحث ہی انکار کر سکتا ہے۔

پس تحریکی اسلامی کے کارکنان کو چاہیے کہ عوام کو صرف جماعتی زندگی اختیار کرنے کی دعوت نہ دیں بلکہ حزبیت کے انکار کی دعوت بھی دیں، تب یہ "کلمہ" مکمل ہو گا یعنی "الجماعة ولا حزبية" یعنی جماعتی زندگی اختیار کرو لیکن حزبیت سے دور رہو۔ دوسرا یہ کہ ہماری مذہبی جماعتوں اور اسلامی تحریکوں میں "امیر" وقتی اور عارضی ہونا چاہیے۔ آپ شوری کے اعتماد سے آئیں، تین یا چار سال کے لیے جماعت کے امیر رہیں، اب جا کر آرام کریں، اور دوسروں کو کام کا موقع دیں کہ یہ جماعت پبلک پراپرٹی ہے، خاندانی نہیں۔ جب تک آپ مذہبی جماعتوں اور تحریکوں بلکہ دار العلوموں اور جامعات میں "خاندانی آمریت" یا "اشرافیہ" (aristocracy) کے نظام کو ختم نہیں کرتے، اس وقت تک یہ جماعتیں اور تنظیمیں اس امت کے "امت" بننے میں رکاوٹ ہی رہیں گی۔ میں ملوکیت کے نظام کے خلاف نہیں ہوں، اس کے جواز کا قائل ہوں کہ اسلام میں اس کی ممانعت نہیں ہے۔ خلیفہ ہو یا بادشاہ، دونوں اچھے یا برے ہو سکتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے والد کے وارث بنے تو اس میں حرج نہیں ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی دینی وراثت پائے جبکہ وہ اس کا اہل بھی ہو۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اس صورت میں آپ ملوکیت پر تنقید کرنے کا اخلاقی جواز کھو دیتے ہیں۔ یعنی آپ اگر ملوکیت کو جائز نہیں سمجھتے اور اس کے خلاف لمبی چوڑی تقریریں کرتے ہیں اور اسے ایک ظالمانہ اور استحصالی نظام قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف اپنی اولاد کو اپنا دینی وارث بنا دیتے ہیں تو یہ سیدھی سی منافقت ہے اور کچھ نہیں۔ ملوکیت کس چیز کا نام ہے؟ ملوکیت دو چیزوں کا نام ہے؛ بیٹا اپنے باپ کا وارث بنے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تاحیات بنے۔ اس کے علاوہ کوئی تیسری چیز ملوکیت میں شامل ہو گی تو اضافی ہو گی۔ ملوکیت ضروری نہیں کہ ظالمانہ ہو، وہ عادلانہ بھی ہو سکتی ہے، یہ بات ہر کسی کے لیے واضح ہے۔

جماعتی زندگی اختیار کیجیے!

جماعتی زندگی میں ایک مسلمان انفرادی زندگی کی نسبت زیادہ پروڈکٹو ہو جاتا ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے لہذا جماعت کے ساتھ جڑ کر رہیں۔ کتاب وسنت میں نیک لوگوں کی صحبت میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ فتنوں کے زمانے میں ایمان کی حفاظت اور دین پر عمل کا بہترین ذریعہ یہی ہے۔ اور نیک لوگوں کی صحبت کا ایک بہترین ذریعہ جماعتی زندگی بھی ہے۔

پاکستان میں کام کرنے والی چند ایک جماعتوں میں تنظیم اسلامی، جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت اور جماعۃ الدعوۃ وغیرہ ہیں۔ تو تنظیم اسلامی جوائن کر لیں، یا اگر ان سے اتفاق نہیں تو جماعت اسلامی میں شامل ہو جائیں، ان سے بھی اختلاف ہے تو تبلیغی جماعت کے ساتھ جُڑ جائیں، ان سے بھی مناسبت نہیں تو جماعۃ الدعوۃ کے کارکن بن جائیں۔ اور اگر کسی سے بھی اتفاق نہیں تو اپنی جماعت یا ادارہ بنالیں۔

اپنی جماعت بنانے کی ترغیب تو ہمارے استاذ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ بھی دیا کرتے تھے کہ ان کے نزدیک جماعتی زندگی اختیار کرنا لازم تھا کہ اس کے بغیر مسلمانوں کے فکری، علمی یا سیاسی غلبے کا کوئی خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ کام چالیس سے پہلے نہ کریں تو اچھا ہے۔ اگر آپ کی خواہش ہے کہ لوگ آپ کے ساتھ مل کر کام کریں تو آپ بھی تو پہلے یہ ثابت کریں کہ آپ نے بھی لوگوں کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ میرا جماعت یا ادارہ بنانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن اگر کوئی ایسا کرنا چاہے تو اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہوں اور ممکن تعاون بھی۔

فرد اور جماعت

اس میں کوئی شک نہیں کہ جماعت ایک فرد کی فکری، علمی اور اخلاقی تربیت کا ذریعہ بنتی ہے لیکن ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ جب یہی جماعت فرد کی فکری، علمی اور اخلاقی نشوونما میں رکاوٹ کا باعث بن جاتی ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ جماعت، فرد کے بارے میں خوف کی نفسیات کا شکار

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہو جائے۔ جماعت یہی چاہتی ہے کہ فرد، فرد ہی رہے، جماعت نہ بنے لہذا اسے جب بھی احساس ہوتا ہے کہ یہ فرد ایک جماعت بنے جا رہا ہے تو وہ اسے اپنے وجود کے لیے خطرہ سمجھتی ہے کہ جماعت کی موجودگی میں جماعت کے چہ معنی دارد؟ لہذا عموماً قابل افراد، کہ جماعت جن کی نشوونما میں رکاوٹ بن جائے، یا تو جماعت سے باہر ہو جاتے ہیں یا سائیڈ پر ہو کر زندگی گزارتے ہیں۔ اور یہ مشکل ہر جماعت کو پیش آتی ہے۔

فرد اور جماعت کا اختلاف ویسا ہی ہے جیسا کہ مزدور اور سرمایہ دار طبقے کا ہے، اور یہ دونوں طرف سے دنیاوی مفاد کا اختلاف ہے، یہ مان لینا ضروری ہے۔ ورنہ ایک کو دنیا پرستی کا طعنہ دینا درست نہیں ہے یعنی جماعت کے لیے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ فرد جماعت کے کندھوں پر چڑھ کر اپنا قد اونچا کرنا چاہتا ہے یا فرد کے لیے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ جماعت اس فرد کی نشوونما کے حوالے سے خوف کی نفسیات کا شکار ہے۔

جماعت کی طبعی عمر

فرد کی طرح جماعت کی بھی ایک طبعی عمر ہوتی ہے کہ جسے گزار کر وہ مر جاتی ہے، ایسے میں ایک نئی جماعت معاشرے کی ضرورت بن جاتی ہے۔ ہر جماعت، چاہے وہ آپ کی ہو یا دوسرے کی، کا ایک عروج ہے، جس کے بعد اس کو زوال ہے۔ یہ تاریخی اصول نہ صرف جماعتوں بلکہ ریاستوں اور تہذیبوں کے لیے بھی سو فی صد درست ہے۔ لہذا کبھی بھی نئی جماعتیں بننے کی مخالفت نہ کریں، ہمیشہ ان سے تعاون کریں کہ ایک نئی جماعت میں جذبہ بھی زیادہ ہوتا ہے، تخلیق بھی عمدہ ہوتی ہے اور سب سے اہم کہ فکری اور عملی جمود بھی کم ہوتا ہے کیونکہ تحریکوں میں فکری اور عملی جمود عموماً ایک وقت کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

دین کا دعوتی ماڈل، انقلابی ماڈل اور جہادی ماڈل

اس وقت امت میں دین کا جس قدر تحریکی کام ہو رہا ہے، ہم اسے تین کیٹیگریز میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ وہ ہیں جو موجودہ زمانے میں دین کے تبلیغی اور دعوتی کام پر زور دیتے ہیں اور غلبہ اسلام کا درست منہج اسی کو قرار دیتے ہیں کہ تعلیم و تربیت اور دعوت و تبلیغ کا کام کیا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس منہج کے تحت پھر کئی طرح کی جماعتیں ہیں کہ کچھ تو ایسی ہیں جنہوں نے تعلیم و تربیت کو اہمیت دی اور کچھ ایسی ہیں کہ جن کے ہاں دعوت و تبلیغ اصل قرار پائی۔ دین کے غلبے کی جدوجہد کا یہ ماڈل "دعوتی ماڈل" کہلاتا ہے، اس کی سب سے بڑی مثال "تبلیغی جماعت" ہے۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو غلبہ دین کے لیے صرف تعلیم و تربیت یا دعوت و تبلیغ کے قائل نہیں ہیں بلکہ ان کے ہاں ظلم کے خلاف جدوجہد کرنا وقت کا سب سے اہم دینی فریضہ ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غلبہ اسلام کی جدوجہد اور امت مسلمہ کو ذلت و رسوائی سے نکالنے کے لیے غیر عسکری جدوجہد کے قائل ہیں جیسا کہ ظلم اور ظالم کے خلاف مظاہرے، لانگ مارچ، دھرنے، انتخابی اور احتجاجی سیاست کے وہ تمام طریقے کہ جنہیں دنیا کے کسی بھی خطے میں انسانوں کے بنیادی حقوق (Fundamental Human Rights) میں شمار کر لیا گیا ہے۔ دین کے غلبے کی جدوجہد کا یہ ماڈل "انقلابی ماڈل" کہلاتا ہے۔ اس کی عمدہ اور بہترین مثالوں میں "جماعت اسلامی" اور "تنظیم اسلامی" ہے۔

تیسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو ظلم کے خاتمے اور دین کے غلبے کے لیے عسکری جدوجہد کو لازم سمجھتے ہیں، یہ عرف عام میں جہادی کہلاتے ہیں۔ یہ مسلم ممالک میں دین کے غلبہ اور غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم و ستم دونوں کے لیے جہاد و قتال ہی کو راہ نجات سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں اس کی مثال تحریک طالبان پاکستان (TTP) ہے۔

پہلی قسم کے لوگوں کے رویے کو "پیسو"، دوسری قسم کو "ایکٹو" اور تیسری قسم کے رویے کو "ایگریسو" کہہ سکتے ہیں۔ دعوتی ماڈل والوں کی دلیل یہ ہے کہ اسلام اوپر سے نہیں آسکتا، اندر سے آئے گا، تبدیلی اوپر سے نافذ نہیں کی جاسکتی، اندر سے آتی ہے۔ اگر معاشرہ اسلامی نہ ہو تو اسلامی حکومت قائم کرنے کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوگا۔ اس لیے پہلے افراد پر محنت کریں، پھر انہی افراد میں سے جو لوگ اوپر جائیں گے تو اگر معاشرہ صالح ہوگا تو وہ بھی صالح حکمران ہی ہوں گے۔ یہ لوگ غیر مسلم اقوام سے قتال کی بجائے انہیں مسلمان کرنے کی محنت پر زور دیتے ہیں۔

انقلابی ماڈل والوں کا کہنا ہے کہ اکثریت ہمیشہ ایسے لوگوں کی رہی ہے جو محض دعوت تبلیغ یا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منت سماجت سے نہیں سدھرتے۔ان کے خلاف جدوجہد کرکے ان کو عوامی پریشر میں لانا پڑتا ہے تا کہ وہ عوام کو ان کے جائز دینی حقوق فراہم کریں۔ تیسری قسم کے لوگ دراصل خود سے کوئی مستقل منہج نہیں ہیں بلکہ امریکی اور روسی ظلم وستم کا ردعمل ہیں۔اور ردعمل کی تحریکیں عموماً متوازن نہیں ہوتیں لہذا یہی وجہ ہے کہ ان تحریکوں سے امت کا نقصان زیادہ ہوا ہے۔خود مسلمان ریاستوں میں ظلم کے خلاف جو بھی عسکری جدوجہد ہوئی ہے،اس کا نتیجہ فساد کے علاوہ کچھ نہیں نکلا ہے۔

میری رائے میں غلبہ اسلام اور ظلم کے خاتمے کا قابل عمل ماڈل فی الحال دوسرا ہے، مسلمان ریاستوں میں بھی اور غیر مسلم ممالک میں بھی،اور اس بارے تفصیل سے گفتگو اپنی کتاب "عصر حاضر میں تکفیر، خروج، جہاد اور نفاذ شریعت کا منہج" میں کر چکا ہوں۔اس موضوع پر میری تمام پوسٹیں اسی تناظر میں دیکھی جائیں۔

دوست کا کہنا یہ ہے کہ تیسرا منہج تو کتاب وسنت کا ہے تو عرض یہ ہے کہ یہی مکالمہ بہت طویل ہے کہ نصوص میں وارد لفظ "جہاد" کا معنی کیا ہے بلکہ "قتال" کا معنی بھی۔ جہاد ہر گز "قتال" کے معنی میں نہیں ہے بلکہ "قتال" اس کا ایک معنی ہے۔اور "قتال" ہر گز "جنگ" کے معنی میں نہیں ہے بلکہ جنگ اس کا غالب معنی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر محدثین کو دیکھیں کہ "طائفة منصورة" والی روایت کا کامل مصداق اپنی جماعت محدثین کو قرار دیتے ہیں جبکہ اس میں قتال کا لفظ بھی ہے۔تو یہ بہت لمبی بحث ہے۔

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾ [الحجرات: 9] کا شان نزول یہی ہے کہ جنگ نہیں ہوئی تھی بلکہ جھگڑا ہوا تھا۔ تو قرآن مجید میں قتال کا لفظ جھگڑے کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔اور سلف نے بھی اس سے یہ معنی بھی مراد لیا ہے جیسا کہ اوپر محدثین کی رائے نقل ہو چکی۔ باقی آج کل جس طرح قتال کا غلبہ ہے تو یہ بیان بھی کہ قتال کا کوئی اور معنی بھی نصوص میں ہے،خود کو اجنبی اور مطعون بنانے کے مترادف ہی ہے،یہ بات درست ہے۔

دھرنے سے خروج تک

تحریک اسلامی سے تعلق رکھنے والے ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ کیا دھرنے،لانگ مارچ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور احتجاجی جلوس وغیرہ خروج میں شامل نہیں ہیں؟ جواب: دیکھیں، دھرنے، لانگ مارچ اور احتجاجی جلوس وغیرہ ایسی ایکٹویٹیز ہیں کہ جس کی اجازت آپ کو جمہوری نظام اور بنیادی انسانی حقوق کا چارٹر فراہم کرتا ہے لہذا دین اسلام کی نشر واشاعت اور اثر ونفوذ میں ان بنیادی آئینی حقوق سے استفادہ نہ کرنا بے وقوفی شمار ہوگا۔

باقی یہ بات درست ہے کہ اگر "ہجوم" دھرنے کی سیاست کی قیادت کرے گا تو وہی انجام ہوگا جو شام اور لیبیا میں ہوا کہ آج وہاں تین تین حکومتیں قائم ہیں جو آپس میں لڑ رہی ہیں۔ تو احتجاجی سیاست اگر منظم نہ ہو اور تشدد کے رستے پر چل پڑے تو اس کا انجام خروج ہی ہوتا ہے، چاہے ابتداء میں وہ خروج نہ بھی ہو۔ خروج کا مطلب صرف اتنا نہیں ہے کہ آپ حکومت کے خلاف کلاشنکوف اٹھالیں بلکہ خروج یہ بھی ہے کہ آپ حکومت کا پہیہ جام کر دیں، شاہراہیں بند کر کے اور ریاستی اداروں پر قبضہ کر کے حکومت کی رِٹ کو چیلنج کر دیں۔

تو انتہائیں دونوں طرف موجود ہیں؛ ایک انتہاء پر وہ لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حکمران کو بر سر منبر کوئی نصیحت کرنا بھی گناہ کا کام ہے کہ اس سے شر پھیلتا ہے۔ اور دوسری انتہاء پر وہ ہیں جو سڑک بلاک کر کے اسپیکر لگا کر حکمرانوں کو گالی دینا جائز سمجھتے ہیں کہ شاید اس سے اسلام مضبوط ہوتا ہو۔ اگرچہ ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے اپنی جماعت "تنظیم اسلامی" کی بنیاد اسی منہج پر رکھی ہے یعنی احتجاجی سیاست کے منہج پر کہ وہ اس کے ذریعے انقلاب لانا چاہتے ہیں۔

لیکن ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ اپنے اختیار کردہ انقلابی منہج کر بیان کرتے ہوئے اکثر گاندھی جی کی تحریک کا حوالہ دیا کرتے تھے۔ اور یہی بات بیان کرتے تھے کہ اس تحریک کی کامیابی اور گاندھی کو عالمی درجے کا سیاسی رہنما بنانے میں اصل کردار گاندھی جی کے عدم تشدد (non violence) کے فلسفے کا تھا۔ تو ڈاکٹر صاحب کا کہنا تھا کہ کسی بھی مذہبی اور اسلامی تحریک کی کامیابی کے امکانات اس عدم تشدد میں ہیں۔

جب تک اسلامی تحریک تشدد آمیز کاروائیوں سے دور رہے گی تو اسے خاموش عوام کی اکثریت کی ہمدردی حاصل رہے گی۔ اور جیسے ہی وہ پر تشدد کاروائیوں میں ملوث ہو جائے گی تو وہ نہ صرف

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عوام کی ہمدردی سے محروم ہو جائے گی بلکہ ریاست اور حکومت کو اسے کچل دینے (crush) کرنے کا بہانہ بھی ہاتھ آ جائے گا۔ اور ایسے حکومتی اور ریاستی اقدام کی صورت میں یا تو وہ تحریک اسلامی ختم ہو جائے گی یا مضبوط ہو جائے گی۔ ختم ہو جائے تو نقصان تو ہے ہی اور اگر مضبوط ہو جائے گی تو ریاست کمزور ہو جائے گی یا ٹوٹ جائے گی جیسا کہ شام اور لیبیا میں ہوا ہے۔

تو حالیہ ہجوموں مثلاً عمران خان، طاہر القادری اور تحریک لبیک کی احتجاجی سیاست اور دھرنوں نے اس منہج کو خاصا نقصان پہنچایا ہے۔ اب کی بار اگر کوئی سنجیدہ، منظم اور غیر متشدد اسلامی جماعت بھی اس رستے سے انقلاب لانے کی کوشش کرے گی تو لوگ اسے شک کی نظر سے دیکھیں گے کہ کہیں یہ فساد کا رستہ تو نہیں ہے؟ اور یہ سوالات تو اب تحریک اسلامی کے کارکنان بھی کرنا شروع ہو گئے ہیں کہ احتجاجی سیاست (agitation) بھی فساد کا رستہ تو نہیں ہے؟ کیا ہمیں اس رستے سے تبدیلی لانے کی کوشش میں حصہ لینا چاہیے؟

اس میں کرنے کا کام یہی ہے کہ میڈیا اور سوشل میڈیا کے ذریعے سے یہ اویئرنیس بیدار کی جائے کہ احتجاجی سیاست کے منہج کی کامیابی اسی صورت ممکن ہے جبکہ یہ منظم جماعت اور غیر متشددانہ ایکٹوٹیز کے رستے ہو کہ جس میں تیسرے فریق یعنی عوام کو ذرا برابر بھی تکلیف نہ دی جائے ورنہ تو پھر یہ خروج اور فساد کا رستہ ہی ہے۔ ہجومی سیاست والے یہی کہیں گے کہ اگر روڈ بلاک نہیں کریں گے تو حکومت نہیں سنے گی؟ لیکن منظم جماعت کبھی یہ کام نہیں کرے گی، کبھی نہیں کہ جس سے عوام اذیت میں مبتلا ہو، عوامی املاک کو نقصان پہنچایا جائے، جلاؤ گھیراؤ کیا جائے، گاڑیوں کو آگ لگائی جائے۔ یہ سب تو فساد ہے بھائی۔

اگر اس رستے سے کامیابی چاہتے ہو تو ایک ہی صورت ہے، میرا سینہ گولی کھانے کے لیے حاضر ہے لیکن تمہیں پتھر مارنے کے لیے بھی میرے ہاتھ جیسے ٹوٹ گئے ہوں۔ یہ ہندوستان کی تاریخ میں گاندھی جی نے کر کے دکھایا۔ اب شیطان تمہیں غیرت دلائے گا کہ تم گاندھی جی کے فلسفے کی پیروی کرو گے؟ اس سے بہتر سیاست تو تمہارے مولانا جانتے ہیں۔ اے کاش کہ وہ اتنی سیاست جانتے ہوتے! یہی تو المیہ ہے کہ نماز اور سیاست کی امامت کو تم نے ایک ہی بات سمجھ رکھا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبلیغی/دعوتی جماعت کیسی ہونی چاہیے؟

اہل حدیث میں دعوت تبلیغ کا کام کھڑا کرنا چاہتے تھے، لہذا ان کی مختلف لوگوں سے مشاورت ہو رہی تھی۔ اس سلسلے میں، میں نے بھی کچھ تجاویز مرتب کی ہیں کہ جن کا خلاصہ یہ ہے:

مثلاً میرے خیال میں ایک تبلیغی اور دعوتی نیٹ ورک میں مقامی کام کو مرکزی اہمیت حاصل ہونی چاہیے اور یہ بہت ضروری ہے۔ ہمارے ہاں تبلیغی جماعت نے گھروں سے نکالنے پر زیادہ زور دیا ہے کہ جس کے کچھ فوائد بھی ہیں کہ انسان مادی ماحول سے نکل کر مسجد کے ماحول میں آ کر کچھ عرصہ اپنے آپ کو پر سکون محسوس کرتا ہے لیکن دعوت کا یہ نبوی منہج نہیں ہے کہ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ گھروں سے باہر نکالا جائے۔ دعوت کے نبوی منہج میں مقامی تبلیغی کام پر زور زیادہ ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ کی تیرہ سالہ تبلیغی زندگی میں صرف ایک مرتبہ طائف کا سفر کیا ہے۔

یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ تبلیغ کے لیے دوسرے شہر جانا ثابت نہیں ہے۔ تبلیغ کے لیے دوسرے شہر جانا بالکل جائز ہے لیکن ہم نکتہ یہ بیان کر رہے ہیں کہ اگر مقامی تبلیغی کام میں دلچسپی نہیں ہے اور وہ بالکل نہ ہونے کے برابر ہے تو اندرون ملک چار ماہ یا بیرون ملک سال لگانے پر زور دینا بالکل غیر مناسب ترتیب ہے۔ اسی طرح اگر بیوی حاملہ ہے اور بچہ ہونے کے قریب ہے یا بچہ بیمار ہے یا گھر والوں کے لیے نان نفقے کا انتظام نہیں ہے تو انہیں اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر کے دوسرے شہر تبلیغ پر نکل جانا جہالت اور بے وقوفی ہے۔

اس قسم کے حالات میں بیوی بچے عموماً رشتہ داروں کے کھاتے میں پڑ جاتے ہیں کہ جنہیں چار وناچار انہیں سنبھالنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح بعض تبلیغی اور داعی، اپنی گھریلو ذمہ داریاں دوسروں پر پھینک کر خود اپنی دعوت تبلیغ کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ اس کا حل یہی ہے کہ دعوت تبلیغ کے لیے مقامی کام کو اہمیت دی جائے۔ دعوت تبلیغ کے لیے کیا یہ فرض ہے کہ آپ دوسرے شہر ہی جا کر دعوت تبلیغ کا کام کریں؟ بالکل بھی نہیں۔

دعوت و تبلیغ کے کام میں الاقرب فالاقرب کا اصول، بنیادی اصول ہے۔ پہلے اپنے گھر والوں کو تبلیغ کریں، پھر رشتہ داروں کو، پھر دوستوں کو، پھر محلے والوں کو، پھر شہر والوں کو، پھر دوسرے شہر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو۔اس طرح آپ اپنی دنیاوی ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش ہو سکتے ہیں اور دعوت و تبلیغ کے کام سے اپنی تربیت بھی کر سکتے ہیں کہ یہ مقامی لوگ ہی ہیں کہ جنہیں تبلیغ کرنے سے پہلے آپ کو اپنے آپ کو تبدیل کرنا ہو گا کیونکہ وہ آپ کی زندگی اور کاروبار زندگی سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں۔

جب بھی کچھ دوستوں نے کوئی نئی جماعت یا تحریک کھڑی کرنے کے لیے کسی عزم کا اظہار کیا تو میں نے ہمیشہ اسے تحسین کی نظر سے دیکھا کہ میری نظر میں ہر جماعت اور تحریک ایک مخصوص وقت گزارنے کے بعد تقلیدی جمود کا شکار ہو جاتی ہے اور اس کی اصلاح ممکن نہیں رہتی۔ایسے میں وقت کی ضرورت یہی ہوتی ہے کہ کچھ اور لوگ آگے بڑھ کر زمانے کے نئے تقاضوں کے مطابق اسی جماعتی اور تحریکی کام کو آگے بڑھائیں بشرطیکہ اپنے کام کو دین کا کل کام نہ سمجھیں بلکہ دین کا جزوی کام ہی سمجھیں اور دوسری جماعتوں کے ساتھ نیکی کے کام میں تعاون کریں۔

دیوبند کی تبلیغی جماعت کا نصاب دعوت و تربیت

ایک اہل حدیث عالم دین کہ جن کا تبلیغ میں بھی وقت لگا ہے، سے ملاقات ہوئی اور وہ یہ چاہ رہے تھے کہ اہل حدیث میں بھی رائے ونڈ کی تبلیغی جماعت کی طرح کا کام کھڑا کیا جائے تاکہ ان کی بھی اصلاح اور تربیت کا کام ہو سکے۔میں نے تبلیغ میں وقت لگایا ہے۔تین سال مقامی کام بھی کیا ہے، دو سال رائے ونڈ مرکز بھی آنا جانا رہا ہے۔اور بلاشبہ ہزاروں اہل حدیث اس وقت بھی تبلیغی جماعت میں وقت لگا رہے ہیں جو دل میں اس کام کی اہمیت پیدا ہونے کے سبب سے ہے۔

تبلیغی جماعت میں خیر کے پہلو بھی بہت ہیں لیکن وہاں مسائل بھی ہیں کہ جن سے وقت لگانے والے اہل حدیث عموماً بے چین رہتے ہیں۔ایک مسئلہ تو نصاب کا ہے کہ فضائل اعمال سے آگے نہیں بڑھتے۔یا بہت کر لیا تو فضائل صدقات پر چلے گئے اور حیات الصحابہ سے کچھ مطالعہ کر لیا۔اور قرآن مجید کے سمجھنے سمجھانے کی طرف تو بالکل رجحان نہیں ہے۔اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اکیسویں صدی قرآن مجید کی صدی ہے۔اب کوئی بھی تبلیغ یا تحریک قرآن مجید کو اپنا نصاب بنائے بغیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔شروع میں کل قرآن مجید نہ سہی لیکن اس کے بڑے بڑے مضامین یا منتخب حصوں کو تو دعوت کا نصاب بنایا جا سکتا ہے مثلاً توحید وعبادت، رسول ورسالت، دنیا وآخرت،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تلاوت و تزکیہ اور تعلیم کتاب و سنت۔

جس زمانے میں فضائل اعمال کو تبلیغ کا نصاب بنایا گیا تھا، اس وقت کے حساب سے ٹھیک تھا۔ آج تو ہر گلی محلے میں فہم قرآن کی تحریک پہنچی ہوئی ہے اور حدیث نہیں بلکہ صحیح حدیث پر عمل کی فکر بہت عام ہو چکی ہے۔ فضائل اعمال سے جتنا تبلیغ کا کام ہو سکتا تھا، ہو چکا۔ اب روایتی کام تو چلتا رہے گا، لیکن تبلیغی کام کا زمانے کے تقاضوں کے مطابق آگے بڑھنا تو یہ اب اس نصاب کے ساتھ ممکن نہیں ہے۔ آپ قرآن مجید کل کا کل نصاب میں نہ رکھیں لیکن کم از کم اس کو مرکزی حیثیت تو دیں۔ تبلیغی جماعت کا نصاب دعوت چھ نمبر زیعنی توحید، نماز، علم وذکر، اکرام مسلم، اخلاص نیت اور دعوت و تبلیغ تھے لیکن اب حقیقت یہی ہے کہ صرف "دعوت" کی ہی دعوت دی جا رہی ہے۔

تبلیغی جماعت میں دوسرا مسئلہ علماء کا ہے، یہ تبلیغ کو تبلیغ نہیں رہنے دیتے بلکہ مسلکی تعصب میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اگرچہ تبلیغی جماعت نے عام افراد کے لیے چار ماہ اور علماء کے لیے ایک سال رکھا ہے تاکہ انہیں مناظرانہ طبعیت سے دعوتی مزاج کی طرف پھیرا جا سکے لیکن اس کے باوجود یہ باز نہیں آتے۔ خود رائے مرکز میں ایک مفتی صاحب سوال پوچھنے پر یہ کہتے تھے کہ بھئی، غیر مقلد کے پیچھے نماز پڑھنے میں احتیاط ہے۔ البتہ انہیں یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ سوال پوچھنے والا بھی غیر مقلد ہی ہے۔ 99ء میں منڈی بہاؤالدین میں "چلے" میں چل رہا تھا تو جامعہ امدادیہ کے فارغ التحصیل ایک مولوی صاحب نے مجھے حنفی بنانے کے لیے بہت زور لگایا۔ لیکن عام تبلیغی ایسا نہیں ہے، یہ بات درست ہے، اور میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔

یہ بات اس لیے کر دی ہے کہ اہل حدیث میں اگر تبلیغ کا کام کھڑا کرنا ہے تو علماء سے تو نہیں البتہ علماء کے مزاج سے اسے بچا کر رکھیں، ورنہ ایک نئی مسلکی جماعت کا اضافہ ہو جائے گا، کام کچھ نہیں ہو گا۔ اور تبلیغ کے کام کی سرپرستی بھی وہی علماء ہی کریں کہ جن کا تبلیغ میں وقت لگا ہو۔ اس پر بالکل بھی کمپرومائز نہ کریں۔ تبلیغ کا کام ایک مزاج پیدا کرتا ہے اور وہ امت کو جوڑنے والا، اس کے لیے راتوں کو رونے والا، اس کے لیے درد رکھنے والا، اس کے لیے مارے مارے پھرنے والا مزاج ہے۔ یہ تبلیغی نصاب یا کتابیں پڑھنے سے نہیں، وقت لگانے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبلیغی جماعت کے بڑوں کی خدمت میں

سی پیک (CPEC) کی تکمیل کے ساتھ ہی اگلے چند سالوں میں چینیوں کا ایک سیلابی ریلہ پاکستان میں داخل ہونے والا ہے۔ ایسے میں وقت کی ایک اہم ضرورت ہے کہ آج چینی زبان اور کلچر کو سیکھنے کی طرف توجہ کی جائے تاکہ ایسے داعی پیدا ہو سکیں جو چینیوں کو مشرف بااسلام کریں۔ اور اس کی امید تبلیغی جماعت ہی سے کی جاسکتی ہے۔ خود چین میں تو تبلیغ پر پابندی ہے لیکن ان کے یہاں آنے کے بعد تو انہیں تبلیغ پر کوئی پابندی نہ رہے گی۔

دنیا میں اس وقت اگر کوئی طاقت امریکہ کے مقابلے میں کھڑی ہو سکتی ہے، تو وہ چینی قوم ہے اور اچھی بات تو یہ ہے کہ یہ روسیوں کی طرف "فکری" لوگ نہیں ہیں۔ تو کیا معلوم کہ اس دعوت اور تبلیغ کے نتیجے میں "پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے" والی صورت حال پیدا ہو جائے۔ آپ انہیں اپنی "مسجد" میں لانے کی فکر نہیں کریں گے تو وہ تو آپ کو اپنے "مساج سنٹر" میں لے جائیں گے۔ ایک سرکاری ادارے میں چینی زبان سکھانے والی کلاس کے تیس طلباء میں سے تقریباً چھبیس یا اٹھائیس کا تعلق فقہ جعفری سے ہے۔

تو بھئی آپ بھی کام کریں کام۔ دوسروں کو لعن طعن کرنے اور برا بھلا کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ دوسرے آپ سے تعداد میں بہت کم ہونے کے باوجود بہت کمیٹڈ ہیں اور بہت پلاننگ سے کام کر رہے ہیں۔ انہی سے کچھ سیکھ لیں۔ بریلوی تو ہجوم ہیں، اہل حدیثوں کو جماعتیں بنانے سے فرصت نہیں ہے، اب اہل سنت میں سے دیوبند کی تبلیغی جماعت سے ہی کچھ امید کی جاسکتی ہے۔ بھئی، میں بھی چینی زبان سیکھنا چاہتا ہوں، کوئی رہنمائی کر دے، یہ ہر عالم کا جذبہ ہونا چاہیے۔

اہل حدیثوں میں دعوتی کام

ہمارے مدرسہ کے کچھ ساتھیوں نے اہل حدیث جماعت میں دعوت تبلیغ کے کام کا آغاز کیا ہے کہ جس کا مقصد یہ ہے کہ اہل حدیث کی ہر مسجد چار اعمال پر کھڑی ہو جائے:

- ہر مسجد میں ترجمہ قرآن کی کلاس شروع ہو اور ترجمہ قرآن کروانے والے معلمین کی تربیت کا بھی ایک باقاعدہ نظام بنایا جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- ہر مسجد میں جمعرات کے دن بعد از نماز عصر محلے میں گھوما جائے، لوگوں کو مسجد میں آنے کی ترغیب دی جائے، بعد از نماز مغرب آدھے گھنٹے کا اصلاحی بیان ہو، پھر بیان کے بارے باہمی مذاکرہ ہو کہ وہ بیان ذہن نشین ہو جائے اور سامعین اس کو آگے پھیلائیں، مزید وقت ملے تو نمازیوں کو دعوت دینے کی تربیت دی جائے، پھر عشاء کی نماز ادا ہو، اجتماعی کھانا کھایا جائے، پھر جن ساتھیوں نے گھر جانا ہو، گھر چلیں جائیں اور کچھ ساتھی مسجد میں رات گزاریں، رات کو جاگیں، صبح کی نماز باجماعت کے بعد اصلاحی بیان ہو اور اشراق کے ساتھ یہ اجتماع ختم ہو۔
- ہر مسجد میں روزانہ عشاء کی نماز کے بعد "ریاض الصالحین" کی تعلیم ہو کہ پانچ سے سات منٹس میں ایک حدیث اور اس کی مختصر شرح بیان کی جائے۔
- ساتھ والے محلے کی مسجد کو بھی ان تین اعمال پر کھڑا کیا جائے۔

ان چار اعمال کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنی اصلاح کی فکر کرنے والے بنیں اور ہر شخص داعی بھی بنے۔ دعوت تبلیغ کے عمل میں دعوت کس چیز کی دی جائے گی تو اس بارے کل بارہ نکات سامنے آئے کہ ان کی اصلاح کے بارے دعوت دی جائے۔ ان بارہ نکات کو جوڑوں کی صورت میں چھ نکات بنا لیا گیا یعنی توحید و رسالت، دنیا و آخرت، تزکیہ و عبادت، اخلاقیات و معاملات، تعلیم کتاب و سنت، دعوت و تبلیغ۔

الحمد للہ! اس ترتیب پر لاہور اور ساہیوال کی بعض مساجد میں کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہمارے محلے کی مسجد میں بھی ڈیڑھ ماہ سے اس ترتیب پر دعوت کا کام چل رہا ہے۔ اس ماہ ساتھیوں نے علماء کے سامنے اس کام کو رکھنے، ان سے مشورے لینے، اور ان کی دعائیں لینے کا پروگرام بنایا تو یہ طے پایا کہ ہر مہینے دو سے تین دن کسی ایک شہر کے کبار علماء کی خدمت میں حاضر ہوا جائے۔ اس ماہ فیصل آباد کا دورہ رہا۔ فضیلۃ الشیخ حافظ شریف صاحب، مولانا مسعود عالم صاحب، مولانا ارشاد الحق اثری صاحب، مولانا نجیب اللہ طارق صاحب، مولانا عبد اللہ امجد چھتوی صاحب، مولانا عتیق اللہ صاحب، مولانا شعیب صاحب سے ملاقاتیں ہوئیں، سب علماء نے اس کام کی تائید فرمائی اور دعائیں دیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مولانا عتیق اللہ صاحب نے کہا کہ اب تو داعیان، خطباء، مبلغین اور واعظین میں بھی بس شوں شاں ہی رہ گئی ہے، عمل کچھ نہیں ہے۔ آپ لوگ بھی ایسے نہ ہو جانا۔ انہوں نے حاضرین مجلس سے پوچھا کہ آپ میں سے کوئی ایک بھی ایسا ہے کہ جس کی پچھلے چالیس دن میں ایک بھی تکبیر تحریمہ فوت نہ ہوئی ہو؟ انہوں نے کہا کہ وعدہ کر کے جاؤ کہ کوئی تکبیر تحریمہ فوت نہ ہو گی اور کوئی تہجد کی نماز نہ رہے گی۔ مولانا ارشاد الحق اثری صاحب نے فرمایا کہ انہوں نے کہیں پڑھا ہے کہ مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ نے کسی میواتی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں دعوت دی تو اس نے مولانا کو غصے سے کہا کہ میرا ہاتھ چھوڑ دو تو مولانا نے اس کے پاؤں پکڑ لے۔ تو یہ عاجزی اور انکساری ہو گی تو دعوت کا کام ہو گا۔

مولانا نجیب اللہ صاحب نے کہا کہ اہل حدیث کے ساتھ لوگوں کو مسلمان بھی بناؤ کہ اہل حدیث بننے کی شرائط تو کم ہیں لیکن مسلمان بننے کی زیادہ ہیں۔ مثلاً اہل حدیث بننے کے لیے رفع الیدین، آمین بالجہر وغیرہ پر عمل کرنا ہو گا لیکن مسلمان بننے کے لیے وعدہ بھی پورا کرنے پڑے گا وغیرہ۔ الحمد للہ! جن مساجد میں رات کو ساتھیوں کا قیام رہا تو وہاں کے مقامی ساتھیوں نے خوب اکرام کیا۔ اگلے ماہ گوجرانوالہ شہر کے علماء کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس کے بعد پشاور اور کراچی کا بھی پروگرام بنایا جائے گا، ان شاء اللہ۔

ملی مسلم لیگ

جماعۃ الدعوۃ سے تعلق رکھنے والے ایک دوست کا سوال ہے کہ آپ کی اس بارے کیا رائے ہے کہ جماعۃ الدعوۃ اپنی الگ سیاسی جماعت "ملی مسلم لیگ" کے نام سے قائم کر کے انتخابی سیاست میں آنا چاہ رہی ہے؟

جواب: جماعۃ الدعوۃ کا ویلفیئر کا کام مجھے بہت پسند ہے اور میں نے اس کی ہمیشہ تحسین کی ہے بلکہ سب ہی اسے اچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں الا یہ کہ جسے کوئی ان سے بہت ہی خار ہو۔ دوسری اچھی چیز جو جماعۃ الدعوۃ میں دیکھنے کو ملتی ہے لیکن ان کے معاصر تحریکوں میں کم ہے، وہ ان کے کارکنان کی محنت ہے۔ مجھے انہیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے اور یقین مانیے کہ ان جیسے جفاکش (hardworking) کارکنان پاکستان میں کسی تحریک تو کجا سیاسی جماعت کے پاس بھی نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مجھے ان کے سیاست میں آنے پر اختلاف نہیں ہے بلکہ اختلاف اس پر ہے کہ آپ نے ایک عرصہ اس پر سیاست کی ہو کہ سیاست میں نہیں آنا چاہیے اور پھر آ جائیں تو یہ بہت بڑی اخلاقی گراوٹ ہے۔ یعنی جس کے شرک اور کفر ہونے پر آپ لوگوں کو گھنٹوں وعظ کرتے رہے اور دوسری جماعتوں سے اپنے امتیاز کی بنیاد بناتے رہے، اسے اچانک سے آپ نے یوں گلے لگا لیا جیسے برسوں کی آشنائی ہو۔

ممکن ہے کہ ایسا علمی بنیاد پر کیا گیا ہے یعنی علمی موقف میں تبدیلی آ گئی ہے تو پھر پہلے اپنا نیا بیانیہ سامنے لائیں اور اپنے پچھلے موقف کی غلطی واضح کریں اور مانیں کہ ہم غلط تھے اور اب صحیح ہونے کی یہ دلیل ہے۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو آپ کے اپنی جماعت کے کارکنان بے چینی محسوس کریں گے اور وہ ایسا کر رہے ہیں کہ ان میں سے بعض جماعت سے متنفر ہو رہے ہیں جیسا کہ ان کے تبصروں سے اندازہ ہوتا ہے۔

بھائی، آپ نے اپنے موقف میں یو۔ٹرن لیا ہے، اس کے لیے کم از کم ایک سال تک جماعت کے اندر کارکنان کے لیول پر برین اسٹارمنگ ہونی چاہیے تھی تاکہ کارکنان کو واضح ہوتا کہ جماعت اس رخ پر جانا چاہ رہی ہے اور اس کے یہ دلائل ہیں۔ لیکن اب بھی جماعت کی لیڈر شپ کی طرف سے اس یو۔ٹرن کے بارے جو وضاحتیں آ رہی ہیں، ان پر ہنسا ہی جا سکتا ہے۔ ایک ذمہ دار کہہ رہے ہیں کہ موقف میں تبدیلی نہیں ہوئی، جمہوریت آج بھی کفر اور شرک ہے، بس "الحرب خدعة" ہو رہا ہے۔ یعنی جنگ ایک دھوکے کا نام ہے۔ بھئی، دھوکا آپ انڈیا کو دینا چاہتے ہیں اور آپ کی جماعت کے کارکنان یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم سے ہاتھ ہو گیا ہے۔

اور یہ اچھا "الحرب خدعة" ہے کہ جس میں سوشل میڈیا پر اعلان کیا جا رہا ہے کہ ہم "الحرب خدعة خدعة" کھیل رہے ہیں۔ یا تو آپ بہت سادہ ہیں یا انتہائی بے وقوف، اور خیر یہ تو ہماری اکثر جہادی تحریکوں کا مسئلہ ہے یعنی اسٹوپڈٹی۔ جب تک ہم ذہانت، حکمت، بصیرت اور فراست میں اس درجے کو نہیں پہنچ پاتے جہاں اہل مغرب کھڑے ہیں، محض جذبات اور ریلیجس ایکٹوٹی سے ہمارے عالمی اسٹیٹس میں کچھ تبدیلی نہیں آنے والی ہے۔ اس کو لکھ لیں۔ اب سب مذہبی جماعتیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور تحریکیں ذہانت اور بصیرت پیدا کریں، چاہے کسی یونیورسٹی سے آرٹیفیشل انٹیلیجنس کا کورس پڑھ کر ہی کچھ حاصل ہو جائے۔ جماعۃ الدعوۃ سے تعلق رکھنے والے کچھ دوستوں کا خیال ہے کہ سیاست میں ان کی آمد سے مراد انتخابات میں حصہ لینا نہیں ہے۔ چلیں، فی الحال تو اس معذرتی بیان پر کوئی بحث نہیں کرتا، صرف آپ کے اس بیان کی اسکرین شاٹس لے لیتا ہوں، کچھ وقت گزرنے دیں، آپ سے شیئر کر دوں گا۔

ملی مسلم لیگ کا نیا پاکستان

اس وقت ہمارے سامنے ملی مسلم لیگ کی آفیشل ویب سائیٹ ہے کہ جس میں اس "نئے پاکستان" کا خاکہ دیا گیا ہے جو کہ ملی مسلم لیگ بنانا چاہتی ہے۔ اس آفیشل ویب سائیٹ کے مطابق اس مذہبی سیاسی جماعت کی مذہبی سیاسی جدوجہد کے رنگ لانے کے نتیجے میں پاکستان میں چار قسم کی تبدیلیاں متوقع ہیں؛

- ایمپاورویمن: جدید تعلیم یافتہ لوگ "ویمن ایمپاورمنٹ" کا ترجمہ بہت اچھا سمجھتے ہیں کہ اب یہ سیکولر اسٹیٹس کی ایک عالمی اصطلاح ہے۔ اگر آپ کو معلوم نہیں ہے تو ضرور معلوم ہونا چاہیے کہ ملی مسلم لیگ کے اعلی تر مذہبی مقاصد میں سے ایک مقصد "ویمن ایمپاورمنٹ" بھی ہے۔ سادہ الفاظ میں "ویمن ایمپاورمنٹ" کا مطلب اس اصطلاح کے عالمی مفہوم اور اصول وضوابط کے مطابق زندگی کے ہر شعبے میں عموماً اور بزنس اور ملازمت میں خاص طور پر عورت کو بااختیار بنانے کی جدوجہد کرنا۔ سیکولر اسٹیٹس کا بیانیہ یہ ہے کہ دنیا میں عورتوں کے مظلوم ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ محسوس کی گئی ہے کہ اقتدار اور اختیار زندگی کے ہر شعبے میں مرد کے پاس ہے لہذا یہ اتھارٹی جب مرد سے عورت کو منتقل ہو گی تو ظلم خود بخود ختم ہو جائے گا اور عدل کا نظام قائم ہو جائے گا۔ اب یہاں پاکستان میں کون سی لبرل اور سیکولر سیاسی جماعت ایسی ہے جو "ویمن ایمپاورمنٹ" نہیں چاہتی یا اس کا نعرہ نہ لگاتی ہو؟
- ملی مسلم لیگ کے قیام کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی بیان ہوا ہے کہ وہ آئیڈیالوجی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آف پاکستان کی حفاظت کرے گی اور آئیڈیالوجی آف پاکستان کیا ہے؟ انہی کے الفاظ میں یہ وہ اصول وضوابط ہیں، جن پر قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کو قائم کیا تھا اور چلایا تھا۔ ویسے یہ پہلی مذہبی سیاسی جماعت ہو گی جو محمد رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ جماعت کی بجائے محمد علی جناح کی مسلم لیگ کو اپنا آئیڈیل بنائے گی۔ اگر کوئی سیاسی جماعت، جو مذہبی ہونے کی دعویدار ہو، اس قسم کی اسٹیٹمنٹس جاری کرے تو آپ اسے اسٹوپڈ ٹی نہ کہیں تو کیا کہیں؟ ہاں! یاد آیا کہ "الحرب خدعة" کہہ سکتے ہیں۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ اب اگر جماعۃ الدعوۃ کے سالانہ اجتماع میں "سبیلنا، سبیلنا" کا نعرہ لگے گا تو اس کا جواب کیا آئے گا؟ بھائی، یہی آنا چاہیے کہ "ویمن ایمپاورمنٹ" اور "قائد اعظم کی مسلم لیگ"۔ لیکن جس طرح ہر سیاسی جماعت کے پاس احمقوں اور بے وقوفوں کی کمی نہیں ہے لہذا یہاں بھی اطاعت امیر کے حیلہ کے نام پر وہی جواب آئے گا جو اندھی تقلید کا متقاضی ہو گا کہ "الجہاد، الجہاد" یعنی اب ویمن ایمپاورمنٹ اور قائد اعظم کی مسلم لیگ بنانے کے لیے جدوجہد بھی "جہاد" شمار ہو گی؟

- ملی مسلم لیگ کے ایجنڈے کا تیسرا نکتہ اقلیتوں کے حقوق ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا اس ملک میں مسلمانوں کو پورے حقوق مل رہے ہیں جو آپ کو اقلیتوں کے حقوق کی فکر کھائے جا رہی ہے؟ اور پاکستان کی کون سی سیاسی جماعت ایسی ہے جو اقلیتوں کے حقوق کے نام پر سیاست نہ کر رہی ہو۔ یعنی ایک مذہبی سیاسی جماعت اور ایک سیکولر سیاسی جماعت میں امتیاز کیا ہوا؟ ایک سیکولر سیاسی جماعت کیا ویمن ایمپاورمنٹ، قائد اعظم کی مسلم لیگ اور اقلیتوں کے حقوق کا نعرہ نہیں لگاتی؟ یا تو پھر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سیکولر سیاسی جماعتیں اس عالمی سیکولر ایجنڈے کے لیے صرف نعرے لگاتی ہیں جبکہ ہم اسے عملاً پورا کر کے دکھائیں گے، کیا یہ کہنا چاہتے ہیں یا پھر اس ایجنڈے کا مذہبی سیاسی جماعت سے تعلق کیا ہے؟ یہ سمجھ نہیں آ رہا۔ آپ کتاب وسنت کے نفاذ کے ایجنڈے کی بات کرتے، آپ کوئی آئین کو اسلامائز کرنے کی جدوجہد کی بات کرتے، آپ کوئی سود کے خاتمے کی جدوجہد کی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بات کرتے تو بات سمجھ میں بھی آتی کہ کسی مذہبی سیاسی جماعت کا ایجنڈا ہے۔ اور اب یہ نہ کہہ دینا کہ "الحرب خدعة" ہو رہا ہے۔ بھائی، اب یہ کبڈی کبڈی کہنا چھوڑیں اور کوئی کام کرنا ہے تو سنجیدگی سے کریں۔

- کشمیر پالیسی یعنی کشمیریوں کے حقوق کی وکالت کرنا۔ چلیں، یہ نکتہ تو معقول ہے کہ آپ نے ساری زندگی اسی پر سیاست کی ہے لیکن یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ کشمیریوں کے حقوق کی جس وکالت کی آپ نے بات فرمائی ہے، وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں حمایت کرنا ہے نہ کہ حق بات کی حمایت کرنا، یہ کیا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ پاکستان کی کون سی سیاسی جماعت ایسی ہے جو اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں کشمیریوں کے حقوق کی وکالت نہ کرتی ہو تو آپ کس اعتبار سے دوسری سیاسی جماعتوں سے مختلف ہیں؟

ابھی تو سوشل میڈیا پر جماعت کے کارکنان کے بیانات ہی پڑھنے سننے کے لائق ہیں۔ کچھ سنجیدہ اور ذمہ دار کارکنان کہہ رہے ہیں کہ ہماری سیاسی جماعت کا مقصد الیکشن لڑنا نہیں ہے بلکہ ہم تنظیم اسلامی کی طرح کی احتجاجی سیاست کریں گے؟ تو پھر الیکشن کمیشن میں اپنے آپ کو بطور سیاسی جماعت رجسٹر کروانے کی وجہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ "الحرب خدعة" ہو رہا ہے یعنی ہم مغرب کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چلیں جی، مغرب والے اتنے ہی سادہ ہیں جتنے کے آپ، اسی لیے تو دنیا پر حکومت کر رہے ہیں اور اگلا نمبر آپ کا ہی ہے، ان شاءاللہ۔

ایک اور ذمہ دار کارکن نے کہا کہ ہم تو بیس سال سے سیاست میں ہیں۔ تو یہی تو ہم پوچھ رہے ہیں کہ اگر پچھلے بیس سال سے جماعۃ الدعوۃ سیاست کر رہی ہے تو اب الیکشن کمیشن سے جماعت رجسٹر کروانے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟ ان کا جواب تھا کہ شیخ نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ نے بھی جماعت رجسٹر کروائی تھی۔ بھائی، الیکشن کمیشن سے رجسٹر کروانے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟ اور بطور سیاسی جماعت رجسٹریشن کے بارے میں سوال ہے؟

اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ ہماری جہادی تحریکوں کا ایک ہی مسئلہ ہے اور ان کی ناکامی کی ایک ہی وجہ ہے، ٹی۔ٹی۔پی سے لے کر داعش تک، اور وہ ایک لفظ میں "اسٹوپڈٹی" ہے۔ میں نے بات

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پوری کرلی ہے، اب آپ کے گالیاں دینے کا وقت ہوا چاہتا ہے! اور میں ہمہ تن گوش ہوں۔

باقی جو آپ کی جماعت میں اچھی باتیں ہیں، میں آج بھی ان کا قدر دان ہوں جیسا کہ آپ کا ویلفیئر اور خدمت خلق کا کام ایک بے نظیر کام ہے اور آپ کے جماعت کے کارکنان کی جفاکشی اور محنت قابل تقلید صفات میں سے ہے۔ اور اب جو آپ کی جماعت کے بڑوں نے سیاست میں آنے کا فیصلہ کیا ہے تو میں اس فیصلے کو بھی خیر سمجھتا ہوں کہ اس سے جماعت پاکستانی معاشرے کے مین دھارے کا حصہ بن گی جبکہ اس سے پہلے وہ اپنے محدود حلقوں میں ہی محدود تھی۔ اب مذہبی جماعتوں کو اپنے چھوٹے چھوٹے جزیروں سے باہر نکلنا چاہیے اور دنیا سے انٹرایکشن کرنا چاہیے۔ اس سے ان کے افکار اور رویوں میں تشدد کم ہوگا اور اعتدال بڑھتا جائے گا۔

جماعۃ الدعوۃ کے بڑوں کی خدمت میں

دو دن پہلے "الحکمۃ انٹرنیشنل" کے تحت ایک تقریب میں جماعۃ الدعوۃ کے مرکزی رہنما اور ملی مسلم لیگ کے صدر جناب مولانا سیف اللہ خالد صاحب سے ملاقات ہوئی کہ جہاں انہوں نے "ملی مسلم لیگ" کے نام پر جماعۃ الدعوۃ کے سیاست میں آنے کی وجوہات اور حکمتوں پر مفصل خطاب فرمایا۔ دستر خوان پر مولانا نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ کی اس بارے کیا رائے ہے؟

میں نے کہا: مولانا! میری رائے تو یہ ہے کہ آپ کی جماعت کو یہ کام بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا جو ابھی کر رہے ہیں۔ لیکن اصل مسئلہ آپ کی جماعت کے کارکنان ہیں، جو "میں نہ مانوں" والی ضد لگا کر بیٹھے ہیں۔ اور اب بھی اس بات پر مصر ہیں کہ جمہوریت کفر اور شرک ہے۔ اس لیے آپ پہلے اپنا جماعتی بیانیہ (narrative) واضح کریں۔

جس جماعت کی تیس سال تربیت اس نہج پر ہوئی ہو کہ جمہوریت کفر اور شرک ہے، الیکشن میں حصہ نہیں لیں گے، اس کے لیے اس پوسٹ سے ملحق امیر جماعۃ الدعوۃ جناب پروفیسر حافظ سعید صاحب کی ایک سابقہ تقریر بھی ضرور سماعت فرمائیں کہ جس میں وہ فرما رہے ہیں کہ سیاست میں کبھی نہیں آئیں گے، ممکن ہی نہیں کہ جہاد کے منہج کو چھوڑ کر کوئی اور منہج اختیار کر لیں، جمہوریت کفر اور شرک ہے، انتخابات میں کیسے حصہ لے سکتے ہیں۔ ان کی یہ تقریر اگرچہ بہت پرانی ہے لیکن

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بہت دلچسپ ہے۔ تو ان کی جماعت کا یہ فیصلہ ایک مہا یو۔ ٹرن ہے۔ تو ہمیں مسئلہ آپ کے سیاست میں آنے سے نہیں ہے کہ ہم تو خود آپ کو ووٹ دینے کے لیے تیار ہیں، اگر آپ سیاست میں صحیح طرح سے آتے ہیں تو۔

ہمیں مسئلہ آپ کے بیانیے سے ہے کہ بیانیہ کوئی نہیں ہے، ہر کارکن کا اپنا ہی موقف ہے۔ جماعۃ الدعوۃ کی لیڈر شپ کچھ کہہ رہی ہے، ان کے کارکنان کچھ کہتے ہیں اور ان کے علماء کچھ لکھ رہے ہیں۔ تو عوام ایک ایسی جماعت کی حمایت کیسے کر سکتے ہیں کہ جس کے بارے یہ ہی معلوم نہ ہو کہ اس کی علمی پوزیشن کیا ہے، فلاں مسئلے میں اس کا موقف کیا ہے اور وہ انتشار ذہنی کا شکار ہو۔

میری سوچی سمجھی رائے میں اس فتنے کا جماعۃ الدعوۃ کی لیڈر شپ کو ادراک نہیں ہے کہ جس میں وہ پڑ چکے ہیں اور وہ فکری انتشار کا فتنہ ہے اگرچہ یہ ان کی اپنی کھیتی ہے کہ جسے وہ کاٹ رہے ہیں کہ تیس سال دوسروں کو جمہوریت اور الیکشن کے نام پر طعنے دیے اور آج اسی گندی سیاست میں شامل ہونے جا رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی، بھئی علمی موقف تبدیل ہو سکتا ہے، مجبوریاں ہو سکتی ہیں، مصلحت ہو سکتی ہے لیکن اس کے لیے آپ کو موقف کی تبدیلی کا اعلان کرنا پڑے گا اور ایک نیا بیانیہ جاری کرنا ہو گا۔

ائمہ وفقہاء نے بھی اپنے موقف تبدیل کیے ہیں، آپ بھی کر لیں تو حرج نہیں ہے لیکن ابھی تک تو یہی نہیں معلوم ہو رہا کہ جماعت کا "جماعتی موقف" کیا ہے؟ اسے پہلے پرنٹ کر کے پبلش کریں اور پھر کارکنان سے کہیں کہ جسے اس سے اتفاق ہے، وہ جماعت میں رہے، نہیں تو جماعت چھوڑ جائیں۔ ورنہ تو جس طرح یہ چل رہے ہیں تو یہ "ہجوم" ہے، اسے سوشیالوجی میں "جماعت" نہیں کہتے۔ اور ہجوم فساد تو برپا کر سکتا ہے، کوئی مثبت کام نہیں کر سکتا۔ آپ اپنے موقف میں تبدیلی کا علمی بیانیہ جاری کریں، میں آپ کو ووٹ دوں گا۔ بھئی، اس پوسٹ کو سمجھنے کے لیے ویڈیو کلپ ضرور سنیں۔

حزب التحریر اور اجتہاد "تبنی" کی بدعت

حزب التحریر کی بنیادی ترین گمراہی ان کا اجتہاد "تبنی" کا اصول ہے۔ اس اصول کے مطابق

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خلیفہ جب مختلف اجتہادی اقوال میں سے ایک قول کو اختیار کر لیتا ہے تو بقیہ مجتہدین کے لیے لازم ہے کہ وہ خلیفہ کے اجتہاد کے مقابلے میں اپنے اجتہاد سے نہ صرف دستبردار ہو جائیں بلکہ ان کے لیے اپنے اجتہاد پر عمل کرنا بھی جائز نہیں رہ جاتا چہ جائیکہ کوئی دوسرا ان کے اجتہاد پر عمل کرے۔ اور یہ قانون کے ڈنڈے کے ذریعے دوسروں کو اپنا جبری مقلد بنانے کی بدترین صورت ہے کہ جسے خلافت کے نام پر پیش کیا جا رہا ہے۔ تقی الدین نبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"وهناك أحكام وأفكار وآرا قد اختلف المسلمون في فهمها، وفهمها كل مجتهد خلاف فهم الآخر، مثل صفات الخليفة، وأخذ العشر على الأرض الخراية، وإ ارة الأرض، وغير ذلك، فهذه الأحكام المختلف فيها يتبنى الخليفة رأياً منها فتصبح طاعته وا بة على الجميع، وحينئذٍ على كل من يفهم رأياً غير الرأي الذي أمر به الإمام أن يترك رأيه ويعمل برأي الإمام فقط، لأن أمر الإمام يرفع الخلاف، وطاعة الإمام في ذلك وا بة، ويجب أن ينفذ المسلمون جميعاً أمر الخليفة فيما يتبناه من أحكام، لأن أمره نافذ ظاهراً وباطناً أي في السر والعلانية، ويأثم كل من عمل بحكم شرعي غير الحكم الذي تبناه الإمام وأمر به، لأنه بعد أمر الخليفة يعتبر الحكم الشرعي في حق المسلمين هو ما أمر به الإمام، وما عداه لا يعتبر حكماً شرعياً بحق المسلمين. لأن الحكم الشرعي في المسألة الواحدة لا يتعدد بحق الشخص الواحد... وكذلك لا يتبنى الخليفة شيئاً في العبادات لأن هذا التبني يجعل المشقة على المسلمين في عباداتهم؛ ولذلك لا يأمر برأي معين في العقائد مطلقاً ما دامت العقيدة إسلامية، ولا يأمر بحكم معين في العبادات ما عدا الزكاة والجهاد وتحديد العيدين، ما دامت هذه العبادات أحكاماً شرعية، ويتبنى فيما عدا ذلك في المعاملات جميعها، من بيع وإجارة وزواج وطلاق ونفقة وشركة وكفالة...الخ وفي العقوبات جميعها من حدود وتعزير، وفي المطعومات والملبوسات والأخلاق، وعلى المسلمين أن يطيعوه فيما تبناه." [الدولة الإسلامية: ص 143-144]

"There are several rules and thoughts on which the Muslims differed, due to each Mujtahid understanding an issue

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

differently from the other. For example, the prerequisite of the Khaleefah or the taking of the tithe on the Kharaj land or the rental of land, amongst others. In the case of such laws, the Khaleefah adopts an opinion and obedience becomes compulsory on everyone. Everyone who holds a different opinion to that adopted by the Khaleefah should abandon that opinion and comply with the Imam's opinion. Thus, the opinion of the Imam settles all the differences and the obedience to the Imam is compulsory on everyone. The Muslims are all obliged to execute the order of the Khaleefah concerning the opinions which he adopts, and his opinion is binding on them, both publicly and privately. Whoever implements a Divine rule other than the one adopted by the Imam will be sinful. Once the Khaleefah enacts a Shari'ah rule it becomes binding upon all Muslims. The Shari'ah rule concerning one issue cannot be multiple for one person... Also, the Khaleefah should not adopt any particular law which concerns matters related to worship because this too would lead to a hardship for the Muslims. Therefore, the Khaleefah should not adopt any particular opinion in matters of 'Aqeedah as long as these were Islamic, and he does not adopt any particular law in matters of worship, except for Zakat, as long as these acts of worship are approved Divine laws. Other than that, the

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

Khaleefah can adopt and enact any particular law related to transactions, ranging from buying and selling, renting, marriage, divorce, alimony, business partnership, custody, etc. He can also enact and adopt a particular law concerning the penal code, or concerning diet, clothing or moral issues, and the Muslims are obliged to obey him in whatever he adopts." [Islamic State: pp. 137-138]

اس کا جواب حزب التحریر کی طرف سے یہ دیا جاتا ہے کہ یہ تو مختلف فیہ مسائل میں ایک قول کو اختیار کرنے کی بات ہے جو کہ ہر مجتہد کرتا ہے۔ بھائی، بات اتنی سادہ نہیں ہے کہ جتنی سادگی سے تم اس کو ریسپانس کر رہے ہو۔ تم یہاں ایک قول کو اختیار کرنے نہیں بلکہ اپنے اجتہاد کو دوسروں پر جبراً نافذ کرنے کی بھی بات کر رہے ہو یعنی تم یہ کہہ رہے ہو کہ حنفی خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ شافعی کو قانون کے جبر اور زور پر حنفی بنائے۔ اور شافعی خلیفہ کو یہ اختیار ہے کہ قانون کے جبر اور زور پر حنفی کو شافعی بنائے۔ یہ تو بدترین تشدد ہے جو خلافت کے نام پر روا رکھا گیا ہے۔ پھر تم صرف اتنا نہیں کہہ رہے کہ خلیفہ کی اجتہادی رائے نافذ ہونے کی صورت میں بقیہ مجتہدین کو اس قانونی اجتہادی رائے کی پابندی کرنی ہو گی بلکہ یہ بھی کہہ رہے ہو کہ دوسرے مجتہدین کو یہ اجازت نہ ہو گی کہ وہ اپنی اجتہادی رائے کا اظہار بھی کر سکیں یا اس پر عمل بھی کر سکیں یعنی نکاح طلاق کے مسائل میں اب حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور سلفی وغیرہ خلیفہ کے مقلد ہوا کریں گے اور ظاہری بات ہے کہ یہ حزب التحریر کا ہی منتخب کردہ خلیفہ ہو گا۔

چلیں، اس کو ایک اور طرح سے سمجھیں کہ کیا تمام فقہاء اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خلیفہ اپنے عوام کو اپنی اجتہادی آراء کا پابند بنا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور اس کے خلاف ہیں کہ خلیفہ کسی قاضی کو بھی اپنی اجتہادی رائے کا پابند نہیں بنا سکتا چہ جائیکہ پوری امت کو بنا دے۔ اگر خلیفہ ایسا کرنے کی کوشش کرے گا تو امت میں خون خرابہ اور فساد برپا ہو گا کہ کوئی بھی اپنے مسلک اور اجتہادی رائے سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا۔ تو یہ مسئلہ خود مختلف فیہ ہے کہ خلیفہ دوسروں پر اپنا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اجتہاد نافذ کر سکتا ہے یا نہیں تو تم بقیہ مسالک پر اس کو تلوار کے زور پر نافذ کرو گے کیا؟ اور یہی تو بدترین شر ہے جو تمہاری اس بات سے پیدا ہوتا ہے کہ جس کی طرف ہم اشارہ کر رہیں ہیں۔

اور ان کہنا یہ بھی ہے کہ خلیفہ کے اجتہاد "تبنی" کے مقابلے میں بقیہ مجتہدین اپنی اجتہادی آراء سے دستبردار ہو جائیں گے؛ نہ تو ان پر عمل کریں گے اور نہ ہی ان کی تبلیغ کر سکیں گے۔ اور یہ بدترین تقلید ہے۔ اور اسی تقلید کو حزب التحریر نے اپنے امیر کو "مجتہد مطلق" کے مقام پر فائز کر کے اپنی جماعت میں بھی جاری کر رکھا ہے کہ کسی کارکن کو یہ اختیار نہیں ہے کہ امیر کے اجتہاد کی مخالفت کرے یا اس پر عمل نہ کرے یا اس کے خلاف تبلیغ کرے۔ تو یہ نہ صرف خلافت کے قیام کی جدوجہد کے نام پر اپنے لیے مطلق العنانیت (absolute authority) حاصل کرنے کا حیلہ ہے بلکہ اپنی جماعت میں بھی اپنے کارکنان کو اپنا اندھا بہرا مقلد بنانے کی مذموم کاوش ہے۔

اگرچہ یہ حزب التحریر کی بہت بڑی خوبی ہے کہ ان میں میلیٹنسی نہیں ہے لیکن یہ سب طاقت کے حصول سے پہلے ہے۔ اللہ نہ کرے، اگر انہیں کوئی زمین کا ٹکڑا مل گیا تو انہوں نے داعش سے زیادہ فساد پھیلانا ہے کہ ان کی کتابیں اجتہاد "تبنی" کے اصول سے بھری پڑی ہیں کہ ان کی فکر میں اس اجتہاد سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے جبکہ انسانی نفسیات میں اس فکری جبر کو برداشت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ حزب التحریر اور "داعش" میں یہ کم مشابہت ہے کہ دونوں کے جھنڈے کالے ہیں، اس پر کلمہ ہے، دونوں اپنے ذیلی علاقوں کے لیے "ولایۃ" کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں، دونوں کی جہالت، خود اعتمادی اور باڈی لینگویج سیم ہے وغیرہ وغیرہ بلکہ اگر اس پر ریسرچ کی جائے کہ عراق میں "داعش" کو اسپورٹ کرنے والے اکثر یورپی مہاجر کس تحریک سے متاثر تھے تو مجھے امید ہے کہ ایک بڑی تعداد ان میں سے حزب التحریر کی فکر سے متاثر ہونے والوں کی ہو گی۔

حزب التحریر کے لٹریچر میں دو طرح کی کتب ہیں؛ "کتب متبناہ" اور "کتب غیر متبناہ"۔ "کتب متبناہ" سے مراد وہ کتابیں ہیں جو ان کے امام کے اجتہاد "تبنی" پر مبنی ہیں جیسا کہ اسلام میں اجتماعی نظام، اسلام میں سیاسی نظام، اسلام میں نظام حکومت، نظام اسلامی، اسلامی ریاست، اسلامی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ریاست کا مجوزہ دستور اور خلافت وغیرہ کے عناوین سے کتب ہیں۔ ان کتب سے کسی رکن کو اختلاف کی اجازت نہیں ہے، نہ ان کے خلاف عمل جائز ہے اور نہ ہی ان کے خلاف افکار کی دعوت جائز ہے۔

یعنی انجنیئر عطاء ابو رشتہ صاحب، حزب التحریر کے حالیہ امیر، اب امت میں ابو بکر اور عمر والا احترام اور مقام پائیں گے کیا؟ رضی اللہ عنہما بھئی، اب یہ کسی کے لیے ممکن نہیں ہے سوائے عیسی ابن مریم علیہ السلام کے کہ سب ان کے اجتہاد کی پیروی کریں۔ اب اس فینٹیسی سے نکل آئیں ورنہ امت میں پہلے بہت خون خرابہ ہو چکا ہے، اور کی ہمت نہیں ہے۔ خلیفہ اب شوری کا پابند ہو گا تو خلافت کا نظام چلے گا، ورنہ نہیں۔ اور یہ شوری تمام مسالک اور مذہبی جماعتوں کی شوری ہو گی۔ اور اختلاف کی صورت میں خلیفہ کی نہیں بلکہ شوری کی رائے نافذ ہو گی۔

ذرا اس کو مسلکی اور جماعتی اختلافات کے تناظر میں دیکھیں۔ اگر تو خلافت صرف آپ نے قائم کرنی ہے، داعش کی طرح تو پھر ضرور ایسا خلیفہ بنالیں۔ لیکن اگر امر واقعہ یہ ہے کہ سب مسالک اور جماعتوں کے تعاون اور محنت کے بغیر خلافت قائم نہیں ہو گی تو پھر "میں" خلیفہ بن جاؤں تو پھر تو ٹھیک ہے، بلکہ یہ سب اختیارات بھی کم ہیں۔ لیکن "آپ" بن جائیں تو پھر یہ اختیارات بہت زیادہ ہیں لہذا خلیفہ پر شوری کی رائے نافذ ہو گی۔ "میں" اور "آپ" سے مراد ہر مسلک یا جماعت اور اس کا فریق مخالف ہے۔

حزب التحریر کی بنیادی فکری غلطی ان کا اجتہاد "تبنی" کا بدعی اصول ہے۔ ان سے سوال صرف اتنا ہے کہ یہ اصطلاح آپ سے پہلے کس نے استعمال کی ہے؟ آپ ایک روایت کا حصہ ہیں، مسلم روایت کا۔ اور آپ اپنے بنیادی ترین فکر کی بنیادی ترین اصطلاح کو اس روایت سے لنک کر دینے سے محروم ہیں۔ تو آپ کا فکر مسلمانوں کا روایتی فکر تو نہ ہوا، یہ تو سب آپ کی اپنی اختراع ہے۔ اس اصول کے ذریعے خلیفہ کو انہوں نے چیف جسٹس، آرمی چیف، پرائم منسٹر اور صدر کے جمیع اختیارات دے دیے ہیں[1] تو یہ بدترین ڈکٹیٹر شپ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

[1] The *Khalifah* possesses the following powers: a. He is the one who adopts the *Shari'ah* rules derived by a correct *Ijtihad* from the Book of Allah (swt) and the *Sunnah* of his Messenger necessary for managing the affairs of the *Ummah* so that they become laws

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس طرح کی خلافت اور بادشاہت میں کیا فرق ہے؟ جسے آپ ملوکیت کہتے ہیں، تو اس ملوکیت کے نظام میں جو اختیارات بادشاہ کے تھے، وہ سب آپ نے خلیفہ کو عنایت فرما دیے۔ اور اب خلافت اور ملوکیت میں بس اتنا سا فرق باقی رہ گیا کہ ملوکیت میں بیٹا اپنے باپ کی جگہ لے سکتا ہے جبکہ خلافت میں نہیں لے سکتا جبکہ یہ بھی حقیقی فرق نہیں ہے۔ اگر شوریٰ ہی بیٹے کا بطور خلیفہ انتخاب کرلے گی تو آپ کے پاس لوگوں کو خلیفہ اور بادشاہ کا فرق بتلانے کے لیے کیا باقی رہ جائے گا؟ تو عرض یہ ہے کہ جہاں آپ طاقت کو جمع کریں گے، وہاں فساد برپا ہو گا۔ آج کے خلیفہ ابو بکر و عمر نہیں رضی اللہ عنہما بلکہ پرویز و کیانی ہوں گے، اگر ہوئے تو۔ آج حافظ سعید صاحب یا سراج الحق صاحب کو کوئی خلیفہ نہیں بنائے گا اور یہ آپ کو بھی معلوم ہے۔ اسی لیے تو آپ نصرت فوج سے ہی طلب کر رہے ہیں نہ کہ اسلامی جماعتوں اور مذہبی تحریکوں سے۔

اور پھر ان کے خلافت قائم کرنے کی میتھاڈالوجی پر بھی غور کریں کہ وہ دو نکات کے گرد گھومتی ہے؛ ہجرت اور نصرت۔ اہل مکہ نے ہجرت کی، اہل مدینہ نے نصرت کی تو اسلام غالب ہو گیا۔ اب وہ مسلمان حکومتوں سے نصرت طلب کرتے ہیں کہ وہ خلافت کا نظام قائم کریں۔ پاکستان میں وہ یہ کام

(Qawanin) which are obligatory to obey, and it is not permitted to oppose them. b. He is responsible for governing the domestic and foreign affairs of the State, and he takes command of the Army; he has the right to announce war, to sign peace treaties, truces and all other types of agreements. c. He is the one who can accept or reject foreign ambassadors and appoint and remove the Muslim ambassadors. d. He is the one who appoints and removes the assistants and governors. They are all responsible to him as they are responsible to the *Shura* council. e. He is the one who appoints and removes the head judge and judges with the exception of the *Madhalim* judge in the event of his looking into a case regarding the *Khalifah,* his assistants or his head judge. He also has the power to appoint and remove the department managers, the commanders of the army, and its generals. All of these are responsible to him and not to the *Shura* council. f. He is the one who adopts the *Shari'ah* laws according to which the budget of the State is decided, beside the sections of the budget and the amounts allocated to each aspect, irrespective to whether it was related to revenue or expenditure. [The Draft Constitution: pp. 239-240]

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فوج کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے بقول یہاں اصل حکومت فوج کی ہے۔ آسان الفاظ میں انہیں کوئی ایسا جرنیل چاہیے جو ان کی دعوت پر خلافت قائم کر دے۔

تو خلاصہ یہ ہوا کہ جنرل پرویز مشرف صاحب اگر حزب التحریر کی دعوت قبول کر لیتے ہیں اور اپنے خلیفہ ہونے کا اعلان کر دیتے ہیں تو خلافت قائم ہو جائے گی۔ اب انہیں چیف جسٹس، پرائم منسٹر اور صدر کے اختیارات بھی حاصل ہو جائیں اور وہ حضرت خلیفہ پرویز مشرف مدظلہ تعالی بن جائیں گے۔ یہ اجتہاد "تبنی" فرمائیں گے جو تمام امت پر نافذ ہو گا، فقہی اختلافات بھی ختم ہو جائیں بلکہ مجتہدین بھی۔ شوپیس کے طور پر وہ ایک "ڈمی شوری" بنائیں گے جیسے کہ حضرت ضیاء الحق صاحب کی مجلس شوری تھی اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو اپنی بیعت کا حکم فرمائیں گے اور جو انکار کرے گا، وہ باغی متصور ہو گا۔ اور باغی کا حکم قتل کا ہے۔

اور دلیل کیا ہے کہ ایک خلیفہ کے بعد دوسرا خلافت کا اعلان کرے تو واجب القتل ہے۔ حالانکہ یہ روایت اس ماحول کی ہے جہاں امت ایک جان تھی جبکہ اب امت ستر ریاستوں میں منقسم ہے۔ اور اس وقت میں بھی حضرت علی نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے واجب القتل ہونے کا فتوی اس حدیث کی بنا پر جاری نہیں کیا تھا حالانکہ انہوں نے ان کی زندگی میں ہی اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ اسی طرح عرب میں بنو عباس کی خلافت کے ساتھ اسپین میں بنو امیہ کی خلافت قائم رہی۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ دین نے اس بات کی وضاحت کی کہ ایک وقت میں دو خلافتیں جائز ہیں جبکہ علاقے دور دور ہوں۔

اب جبکہ امت ستر ریاستوں میں منقسم ہے، ایسے میں خلافت کا قیام دو صورتوں میں ممکن ہے؛ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ایک ریاست خلافت کا اعلان کر دے اور بقیہ 69 کو اپنا تابع بنانے کے لیے ان سے جنگ کرے اور امت مسلمہ مزید ایک صدی کے لیے خلافت کا مقدس حکم پورا کرنے کے لیے اپنا خون اپنے ہی ہاتھوں خدا کے حضور پیش کرتی رہے۔ کیا "کُردوں" نے "داعش" کی خلافت قبول کر لی؟ "داعش" نے "طالبان" کی امارت کو قبول کر لیا؟ "سنیوں" نے "علویوں" اور "حوثیوں" نے "سنیوں" کی امارت کو قبول کر لیا؟ کیا بات کرتے ہو صاحب کہ تمہارے "منصور جرنیل" صاحب پر تمام امت متفق ہو جائے گی اور وہ بھی کسی باہمی قتل وغارت کے بغیر! بہت دور کی کوڑی ہے، بہت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دور کی کوڑی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ امت کے تمام ریاستوں کی ایک شوری بنے اور اس شوری کا ایک امیر ہو لیکن اصل اختیارات "شوری" کے پاس ہوں نہ کہ اس کے امیر "خلیفہ" کے۔ تو یہ "شورائی خلافت" تو ممکن ہے اور رہی "فرد کی خلافت" تو وہ ایک ایسا خواب ہے جو امت کو مزید سو سال کے لیے جنگ کی بھٹی میں جھونکنے کے سوا کچھ نہیں ہے الا یہ کہ عیسی ابن مریم علیہ السلام پر یہ امت متفق ہو جائے۔ اور یہی طریقہ ایک ریاست میں خلافت قائم کرنے کا بھی ہے کہ تمام مسالک، جماعتوں اور تحریکوں کی مجلس شوری خلیفہ بنے نہ کہ ان میں سے کوئی ایک فرد۔ ورنہ یہ باہمی قتل وغارت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

دی گارڈین کے 8 اکتوبر کے شمارے کے مطابق امریکی سینیٹر باب کار کر نے امریکی صدر ٹرمپ پر تنقید کرتے ہوئے ٹویٹ کی کہ مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ وائٹ ہاؤس بڑی عمر کے بچوں کے لیے ایک ڈے کیئر سینٹر بن چکا۔ جب امریکی صدر ٹرمپ نے باب کار کر کی اس ٹویٹ کا جارحانہ انداز میں جواب دیا تو سینیٹر باب کار کر نے دوبارہ ٹویٹ کرتے ہوئے کہا کہ لگتا ہے کہ وائٹ ہاؤس میں پریزیڈنٹ کو ایسی حالت میں سنبھالنے والا اور ٹویٹس کرنے سے روکنے والا عملہ آج چھٹی پر ہے۔

امریکہ کا صدر زرداری کو بنا دیں یا ٹرمپ کو، امریکہ کو کوئی فرق نہیں پڑنے والا کیونکہ ان کا سسٹم مضبوط ہے۔ یہی بات میں کہتا چلا آ رہا ہوں کہ ہم خلافت کے نام پر افراد کو مضبوط کرنے کی بات کرتے ہیں، سسٹم کو نہیں۔ آپ نے خلیفہ کو دنیا جہاں کے اختیارات سونپ کر جتنی مقدس ہستی بنا دیا ہے اس کے بعد کیا کوئی اس پر ایسی تنقید کر سکتا ہے؟ خلیفہ تو کجا آپ کسی اسلامی تحریک یا مذہبی جماعت کے امیر پر ایسی تنقید نہیں کر سکتے جو امریکہ میں ایک سینیٹر اپنے صدر پر کر لیتا ہے۔

اور تنقید کی آزادی کے بغیر سسٹم مضبوط نہیں ہو سکتا، فرد مضبوط ہو جائے گا۔ ہماری تمام مذہبی جماعتیں اور اسلامی تحریکیں فرد کو مضبوط کرنے میں لگی ہوئی ہیں۔ اور فرد کی مضبوطی کا دوسرا نام ملوکیت ہے۔ ہر تین امریکیوں میں سے ایک امریکی ٹرمپ کو ذہنی بیمار سمجھتا ہے لیکن امریکہ چل رہا ہے بلکہ دوڑ رہا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حزب التحریر اور اجتہاد "تبني" کی دلیل

اجتہاد "تبنی" کی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں خلیفہ جو اجتہاد کرتے تھے تو وہ نافذ ہوتا تھا لہذا آج بھی خلیفہ جو اجتہاد کرے گا تو وہ بطور قانون نافذ ہو گا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ خلفائے راشدین کے دور میں بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے خلفاء کے اجتہادات سے اختلاف کیا جو اس بات کی صریح دلیل ہے کہ مکلف پر "حق" کی اتباع فرض ہے نہ کہ "خلیفہ" کے اجتہاد کی۔ اگر مکلف یہ سمجھتا ہے کہ "حق" خلیفہ کے اجتہاد کے ساتھ نہیں ہے تو خلیفہ کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسے اپنے اجتہاد کا بذریعہ قانون پابند کرے کہ نص نے ہمیں ہر حال میں "حق" کی اتباع کا حکم دیا ہے۔

یہی رائے مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور حنفی فقہاء کی ایک جماعت کی ہے اور سعودی عرب کی کمیٹی "هيئة كبار العلماء" کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ تفصیل کے لیے ششماہی رشد، جولائی 2004ء میں شائع شدہ ہمارا مقالہ دیکھیں جو اسلامی یونیورسٹی میں منعقدہ ایک کانفرنس میں پڑھا گیا تھا۔ امام مالک رحمہ اللہ سے جب خلیفہ المنصور نے کہا کہ آپ کی "المؤطا" کو ہم نافذ کر دیتے ہیں تو انہوں یہی کہہ کر انکار کیا کہ مجھے یہ حق کہاں سے حاصل ہو گیا کہ دوسروں کو بذریعہ قانون میری فقہی رائے کا پابند بنا دیا جائے؟

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی عورت سے شادی کر لی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا کہ اسے طلاق دے دیں۔ تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ کیا وہ مجھ پر حرام ہے؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ حرام تو نہیں ہے لیکن میں اس لیے منع کر رہا ہوں کہ تم ان کی بدکار عورتوں سے شادی کر بیٹھو گے۔ اور مصنف عبد الرزاق کی روایت میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے کے باوجود طلاق نہ دی البتہ بعد میں طلاق دے دی تھی۔ بعض آثار میں یہ بھی ہے کہ بعد میں کسی نے ان سے پوچھا کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر طلاق نہ دی اور بعد میں خود سے دے دی۔ تو انہوں نے جواب میں کہا کہ میں عمر رضی اللہ عنہ کو یہی بتلانا چاہتا تھا کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے، عمر رضی اللہ عنہ کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اس سے روک

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکیں۔ باقی ان کی توجیہ مناسب تھی لہذا میں نے طلاق دے دی۔

دوسری بات یہ ہے کہ خلفائے راشدین کے جو اختیارات تھے وہ "عمل صحابہ" ہے۔ اور یہاں فقہاء اور اصولیین کا اس میں اتفاق نہیں ہے کہ "قول صحابی" حجت ہے کہ نہیں چہ جائیکہ "عمل صحابی" کو مصدر شریعت (source of Islamic law) بنایا جائے۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اس بات پر صحابہ کا اجماع ہو گیا تھا کہ خلفائے راشدین کے یہ اختیارات ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اجماع تو اس پر ہوا تھا کہ یہ اختیارات ابو بکر اور عمر کے لیے ثابت ہیں، رضی اللہ عنہما کیا صحابہ کا اس پر بھی اجماع ہوا تھا کہ جو اختیارات انہوں نے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے لیے پسند کیے ہیں، وہ بعد میں آنے والے تمام خلفاء کو بھی دیے جائیں۔

پس ہر خلیفہ کے لیے ان اختیارات کا ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟ یہاں زیادہ سے زیادہ جو بات نکالی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ ابو بکر اور عمر جیسا خلیفہ ہو تو امت نے اسے ایسے اختیارات دیے ہیں۔ اور آج آپ میں ایسا کون ہے؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص آیا کہ میرے والد نے مجھے کہا ہے کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دے دوں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا کہ طلاق مت دو۔ اس نے کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے بیٹے کی شکایت کی تھی کہ میں نے عبد اللہ کو کہا ہے کہ بیوی کو طلاق دے دے تو وہ نہیں دے رہا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بلوا کر حکم دیا تھا کہ اپنے والد کی اطاعت کرو۔ تو امام احمد رحمہ اللہ نے اس شخص کی یہ دلیل سن کر کہا کہ تمہارا باپ عمر نہیں ہو۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کے فتاوی "الفتاوى الجامعة للمرأة المسلمة" میں اس واقعے کا تذکرہ ملتا ہے۔

حزب التحریر: افکار و نظریات

جناب تقی الدین نبہانی رحمہ اللہ ایک فلسطینی اسکالر اور حزب التحریر کے بانی ہیں کہ جنہوں نے 1953ء میں اس کی بنیاد رکھی۔ حزب التحریر ڈیموکریسی اور کمیونزم کو کفریہ نظام کہتی ہے اور خلافت کے نظام کے قیام کی داعی ہے اور یہی یعنی خلافت کے نظام کا قیام اس کی بنیادی فکر شمار ہوتی ہے۔ جناب تقی الدین نبہانی، حسن البناء اور سید قطب رحمہم اللہ سے متاثر تھے بلکہ بعض اخوانیوں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بقول تو وہ کچھ عرصہ "الاخوان المسلمون" کے ساتھ بھی رہے اور سید قطب رحمہ اللہ نے تقی الدین نبہانی رحمہ اللہ سے کہا تھا کہ جب "الاخوان المسلمون" موجود ہے تو آپ کو نئی جماعت بنانے کی ضرورت کیا ہے؟ اگرچہ حزب التحریر کے کارکنان اس کا سختی سے انکار کرتے ہیں لیکن میری رائے میں اس معاملے میں وہ حد سے زیادہ ہٹ دھرمی کا شکار ہیں کہ شاید اس میں ان کی جماعت کے بانی جناب تقی الدین نبہانی صاحب رحمہ اللہ کے لیے کوئی تحقیر کا پہلو نکلتا ہے کہ انہوں نے اپنے زمانے کے کسی بڑے سے استفادہ کیا ہے۔ تو تقی الدین نبہانی رحمہ اللہ کے حسن البناء اور سید قطب رحمہما اللہ سے استفادے میں تو کوئی شک نہیں ہے، باقی متعین باتیں ثابت ہیں یا نہیں ہیں، اس بارے دونوں طرف کی ابحاث کا مطالعہ کر لیا جائے۔

اصل میں ہمارے ہاں تحریکوں میں ایک عمومی رویہ یہ پایا جاتا ہے کہ اپنی تحریک کے بانی اور قائد کو ایک مافوق الفطرت اور سپر ہیومن بی انگ قسم کی شے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ اس کی شخصیت کے ساتھ عقیدت قائم کر کے تحریک کے ساتھ ارکان کا تعصب قائم کیا جا سکے۔ اور اس تحریکی تعصب کے فوائد بھی ہیں، اس سے انکار نہیں ہے کہ عموماً کسی تحریک کے پھلنے پھولنے میں جو فیکٹرز اہم کردار ادا کرتے ہیں، ان میں سے یہ ایک بنیادی فیکٹر ہے۔

ناقدین کہ جن کا تذکرہ آگے آ رہا ہے، نے حزب التحریر پر نقد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ خبر واحد کو عقیدے میں حجت نہیں مانتے پس یہی وجہ ہے کہ ان کے نزدیک عذاب قبر ثابت نہیں ہے، دجال کا خروج ثابت نہیں ہے، مہدی کی آمد کی ایک قصے سے زیادہ اہمیت نہیں ہے۔ نص اور عقل میں تعارض کی صورت میں عقل کو ترجیح حاصل ہو گی جبکہ نص کی تاویل ہو گی۔ تقی الدین نبہانی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا ثابت نہیں ہے۔ ان کا فرمانا یہ بھی ہے کہ غیر محرم عورت سے مصافحہ اور اس کا بوسہ لینا جائز ہے۔ غیر محرم کو بے لباس دیکھنا جائز ہے یعنی فحش فلمیں دیکھنا جائز ہے۔

ناقدین کا کہنا یہ بھی ہے کہ حزب التحریر والے شیعہ سنی تفریق کے قائل نہیں ہیں بلکہ ایرانی انقلاب کے موقع پر ان کے وفد نے علامہ خمینی کو پیشکش کی تھی کہ اگر آپ "خلافت" کا اعلان کر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دیں تو ہم آپ کی حمایت کریں گے لیکن ان کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ "خلافت" نہیں "امامت" کے قائل ہیں جو "خلافت" سے اونچا درجہ ہے لہذا وہ "امام خمینی" سے "خلیفہ خمینی" کیوں بنیں گے؟

بہر حال میں حزب التحریر کے بہت سے جوانوں کے ساتھ ملا ہوں اور میری ان کے بارے ذاتی رائے یہی ہے کہ "جہالت" اور "خود اعتمادی" کو جمع کر لیں تو حزب التحریر کا رکن بننے کے اوصاف مکمل ہو جاتے ہیں۔ جب بھی آپ کو ان سے واسطہ پڑے گا تو رٹی رٹائی اصول فقہ اور اس کی بھاری بھر کم اصطلاحات سد الذرائع، قاعدہ فقہیہ وغیرہ وغیرہ ضرور سننے کو ملیں گی اور اس اعتماد کے ساتھ کہ جیسے وہ کلین شیو حزبی کسی مدرسہ میں اصول فقہ کا بیس سال سے استاذ ہو اور اگر علامہ قرضاوی بھی اس کے سامنے بیٹھے ہوں اور اسے معلوم نہ ہو کہ یہ قرضاوی ہیں تو وہ انہیں بھی اصول فقہ سمجھانے بیٹھ جائے گا۔ یہ خاص قسم کا اعتماد یا تو ہارورڈ کے گریجویٹس کے پاس ہے کہ جنہیں اس کی خصوصی ٹریننگ دی جاتی ہے کہ آپ نے بکواس بھی اس اعتماد کے ساتھ کرنی ہے کہ آپ ہارورڈ کے گریجویٹ ہیں یا پھر حزب التحریر کے جیالوں کے پاس ہے۔

میری نظر میں انہیں بہت زیادہ اخلاقی اور روحانی تربیت کی ضرورت ہے کہ جس کی طرف ان کی جماعت کی بالکل توجہ نہیں ہے اور نہ ہی وہ ان کی ترجیحات میں شامل ہے۔ انہوں نے محض خلافت کے فکری مبلغ تیار کیے ہیں جو بدترین اخلاقی بحران کا شکار ہیں لیکن نوجوان ہیں، خود اعتماد ہیں، دنیاوی طور پڑھے لکھے ہیں، علوم دینیہ سے جاہل ہیں، فر فر انگریزی بولنے والے ہیں۔ اور زیادہ تر لوگ ان کی اسی آخری صفت کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ حزب التحریر کے افکار کے بارے تفصیلی مطالعہ کے لیے عبدالرحمن دمشقی کی کتاب "حزب التحریر" ایک عمدہ کتاب ہے۔

جب مصر، اردن اور شام میں حزب التحریر کے افکار پھیلنے سے "الإخوان المسلمون" کے اراکین میں بے چینی پیدا ہوئی تو سید قطب رحمہ اللہ نے "اخوانیوں" کو مشورہ دیا تھا کہ "حزب" کے اراکین کے ساتھ نہ الجھیں یہاں تک کہ یہ بھی وہاں پہنچ جائیں کہ جہاں سے اخوانیوں نے اپنے کام کا آغاز کیا ہے۔ شیخ حامد کمال الدین صاحب نے اس موضوع سے اپنے مجلہ "ایقاظ" میں ایک آرٹیکل بھی پبلش کیا ہے۔ بلکہ سید مودودی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک ان کے بارے "اخوانیوں" سے کہہ دیا تھا:

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"لا تجادلوهم دعوهم للأيام يموتوا" یعنی ان سے بحث مت کرو اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو، یہ خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ کا بھی حزب التحریر کے حدیث کے بارے افکار کے رد میں ایک تفصیلی مقالہ موجود ہے۔

حزب التحریر کا کہنا یہ ہے کہ سید مودودی رحمہ اللہ کے ان جملوں کا کوئی حوالہ موجود نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ یہ جملے ایک سے زائد ناقدین نے اپنی کتب اور تحریروں میں ذکر کیے ہیں اور سید مودودی رحمہ اللہ کی کسی تحریر میں ان کا نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا۔ بہر حال امکان دونوں باتوں کا ہے کہ انہوں نے یہ کہا ہو یا نہ کہا ہو۔ البتہ جس شخص کا بھی حزب التحریر کے دو چار جوانوں سے واسطہ پڑا ہو گا تو وہ تو ضرور یہ یقین کر لے گا کہ سید مودودی رحمہ اللہ نے ان کے بارے یہ جملے ضرور ہی کہے ہوں گے۔ باقی ہماری آپ پر نقد کی بنیاد محض یہ جملے نہیں ہیں۔ یہ تو اضافی طور نقل کیے گئے ہیں۔

بعض باتوں کا جواب حزب التحریر والے یوں دیتے ہیں کہ جسے ہم اپنی زبان میں یہ کہتے ہیں کہ سوال گندم اور جواب چنا۔ یعنی ناقدین کا اعتراض یہ ہے کہ تقی الدین نبہانی صاحب رحمہ اللہ نے یہ فتوی جاری کیا تھا کہ غیر محرم عورت کا بوسہ لینا جائز ہے۔ اور جواب یہ دیا جاتا ہے کہ حزب التحریر والے شافعی المسلک ہیں لہذا ان کے نزدیک کسی عورت کو چھونا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ کمال ہے! بھائی، یہ واضح کریں کہ ناقدین نے کیا تقی الدین نبہانی صاحب کے فتاوی اور تحریروں کے اسکین شدہ پیجز لگا کر جھوٹ بولا ہے یا تقی الدین نبہانی رحمہ اللہ کا واقعتاً ایسا کوئی فتوی تھا؟ اگر حزب التحریر نے نبہانی رحمہ اللہ کے بعض فتاوی کو نہیں لیا تو یہ بہت اچھی بات ہے اور قابل تحسین ہے لیکن اسے کھل کر بیان کریں ناں کہ نبہانی رحمہ اللہ سے غلطی ہو گئی تھی یا حزب التحریر کے حالیہ امیر کو ان کے فتاوی سے اتفاق نہیں ہے کیونکہ یہ اجتہاد "تبنی" نہیں ہے۔ تو اس قسم کے جارحانہ رویوں سے اگر آپ اپنے بانی کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش کریں گے تو یہ نقد اور مستند ہو جائے گی۔

حزب التحریر کے "جیالوں" کی خدمت میں

حزب التحریر کے جیالوں کا کہنا ہے کہ ان کے خلاف جو تحقیق کی گئی ہے، وہ ویب پیجز سے پیش

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی گئی ہے لہذا مستند نہیں ہے۔ اور بعض کا کہنا یہ بھی ہے کہ ہمارے بارے یہ تحقیقات سنی سنائی باتوں پر مبنی ہیں اور ناقدین نے ہمارے لٹریچر کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اور بعض کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے فکر کو بغیر سمجھے ہم پر نقد کی گئی ہے۔ بہر حال میرے پاس اس وقت حزب کی پندرہ کتابیں انگریزی میں، دس عربی میں اور دو کتابیں اردو میں ہیں۔ جو پندرہ انگریزی اور دس عربی والی ہیں، وہ تو ان کی آفیشل ویب سائیٹ سے لی ہیں جبکہ جو دو اردو والی ہیں؛ "ریاست خلافت کی حکومتی اور انتظامی تنظیم" اور "تبدیلی لانے کے لیے حزب التحریر کا منہج" تو وہ حزب التحریر کے ساتھیوں نے دی تھیں۔ ہم نے اپنی مذکورہ بالا تحریروں میں حزب کی بعض عربی اور انگریزی کتب کے حوالے نقل کیے ہیں۔ باقی حزب التحریر کے اراکین سے گاہے بگاہے ملاقاتیں بھی رہی ہیں کہ جن میں ان کی فکر براہ راست ان سے سمجھنے کی کوشش کی گئی بلکہ میں نے تو اس وقت نوید بٹ صاحب کی ایوان اقبال میں تقریر سنی تھی جبکہ حزب التحریر نئی نئی پاکستان میں لانچ ہوئی تھی اور یہ بھی کوئی تقریباً سترہ اٹھارہ سال پرانی بات ہے۔ اور عمر بکری نے جب "حزب التحریر" سے علیحدہ "المہاجرون" کی بنیاد رکھی تو یہاں پاکستان میں بھی اس تنظیم کو دیکھنے اور پڑھنے کا موقع ملا بلکہ حزب کے اکثر ساتھیوں سے میرا یہی سوال ہوتا تھا کہ یہ "المہاجرون" والے آپ سے علیحدہ کیوں ہوئے؟ اس زمانے میں ایک اور تنظیم بھی "حرکۃ الخلافۃ" کے نام سے تھی۔ اب ذہن میں تازہ نہیں ہے کہ یہ وہی "المہاجرون" تھے یا یہ بھی کوئی ان سے علیحدہ ہونے والا دھڑا تھا۔ آج البتہ ان دو موخر الذکر جماعتوں کا کوئی وجود نہیں ہے، مرور زمانہ کے ساتھ مٹ گئی ہیں۔

باقی حزب پر جن لوگوں نے نقد کیا ہے، ان میں عبد الرحمن دمشقی کا نام بہت معروف ہے لیکن حزب والے انہیں جھوٹا کہتے ہیں کہ اس نے حزب پر بے جا الزام لگائے ہیں۔ لیکن جس نے بھی عبد الرحمن دمشقی کی کتاب "حزب التحریر" پڑھی ہے تو اسے معلوم ہے کہ عبد الرحمن دمشقی نے اپنی کتاب میں حزب کی کتابوں کے اسکین شدہ پیجز دیے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ عبد الرحمن دمشقی نے بیس باتوں میں سے دو باتیں بغیر حوالہ کے بھی کر دی ہوں لیکن اگر اس منطق سے حزب والے اپنے خلاف مکمل تنقید کو اڑانا چاہتے ہیں، تو وہ اتنا آسان نہیں ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر یہ باتیں یہ صرف عبد الرحمن دمشقی نے نہیں کی ہیں کہ نبہانی صاحب رحمہ اللہ ایسے ایسے فضول فتاوی جاری کرتے تھے بلکہ اوروں نے بھی کی ہے۔یہی باتیں فرق وادیان کے معروف ترین انسائیکلوپیڈیا "الموسوعة المسيرة" میں بھی موجود ہیں۔ پھر جواد بحر النتشه نے اپنی کتاب "قراءات في فكر حزب التحرير الإسلامي" میں یہی باتیں باحوالہ لکھی ہیں بلکہ موخرالذکر نے ان کے فتاوی کے عکس بھی پیش کیے ہیں۔ان کے مجلات اور کتابوں کے حوالوں کے ساتھ ان کے اسکین شدہ پیجز لگائے ہیں۔ تو اتنا آسان نہیں ہے یہ کہہ کر ٹالنا کہ سب جھوٹ اور بہتان ہے اور یہ آپ کی فکر نہیں ہے۔

بعض حزبیوں کا اعتراض ہے کہ آپ "تنظیم اسلامی" پر تنقید کیوں نہیں کرتے؟ تو بھئی، یہ کام آپ کر لیں، کسی نے منع کیا ہے کیا؟ میں لائک اور شیئر کر دوں گا۔ باقی میں نے تنقید کی ہے، اور اگر آپ نے نہیں پڑھی یا سمجھی نہیں تو میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اگر تنظیم پر تنقید دیکھنی ہو تو ابو سعد ایمان کے ماہنامہ "البرھان" میں کچھ مضامین پبلش ہوئے ہیں، اور میں نے انہیں اس پر مبارکباد پیش کی تھی۔ باقی کچھ کتب کے لنکس کمنٹس میں موجود ہیں جو حزب پر نقد میں لکھی گئی ہیں۔ان میں حزب کی کتابوں کے حوالے اور بعض فتاوی کے اسکین شدہ پیجز دیکھے جا سکتے ہیں۔

تنظیم اسلامی کا اجتماع

تنظیم اسلامی کی بنیاد مولانا مودودی رحمہ اللہ کے شاگرد رشید جناب ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے رکھی تھی کہ جس کا مقصد پاکستان میں نظام عدل اور شریعت اسلامیہ کو پرامن طریقے سے غالب کرنا تھا۔ سید مودودی رحمہ اللہ نے دین اسلام کے غلبے کے لیے "انتخابی سیاست" کا طریق کار اختیار کیا تو ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ نے غلبہ دین کے لیے "احتجاجی سیاست" کے طریق کار کو پسند فرمایا۔

میں عام طور جن جماعتوں کے اجتماعات میں شامل ہوتا رہا ہوں، ان میں تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، تنظیم اسلامی اور جماعۃ الدعوۃ ہیں۔ میری رائے میں ہمیں ہر اس اسلامی تحریک کو اسپورٹ کرنا چاہیے جو کہ دین کی نشر و اشاعت اور اس کے غلبے کے لیے پرامن طریق کار سے جدوجہد کر رہی ہے اور میں اپنی ذات کی حد تک اسی پر عمل پیرا ہوں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تبلیغی جماعت والوں کا یہ کام اچھا ہے کہ وہ گشت کے ذریعے لوگوں کو نماز کے لیے مسجد میں لاتے ہیں تو تنظیم اسلامی والوں کو چاہیے کہ وہ ان سے اس نیکی میں تعاون کریں۔ اور تنظیم اسلامی والوں کا یہ کام اچھا ہے کہ قرآن مجید کی درس وتدریس کا کام کرتے ہیں تو تبلیغ والوں کو چاہیے کہ انہیں اپنی مسجد میں درس کی اجازت دیں یا ان کے درس قرآن میں شریک ہوں۔

اور جماعت اسلامی اگر سیاست میں ہے تو بقیہ جماعتوں کے کارکنان کو چاہیے کہ انہیں ووٹ دیں تاکہ پارلیمنٹ اور سینیٹ میں اسلام کی نمائندگی کرنے والے لوگ موجود ہوں۔ اور جماعۃ الدعوۃ اگر کشمیر کی آزادی کے لیے فکر مند ہے تو ہمیں اس سے اس بارے تعاون کرنا چاہیے کہ کم از کم کشمیر کی حد تک ہمارا عوامی اور ریاستی موقف ایک ہی ہے کہ کشمیر کو بھارت سے آزاد ہونا چاہیے۔

اور ان سب جماعتوں سے تعاون کی ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ ان کے سالانہ اجتماعات میں شرکت کی جائے، اس طرح تحریک اسلامی کے کارکنان کو ایک دوسرے کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا، نفرتیں کم ہوں گی، محبتیں بڑھیں گی، اور غلط فہمیاں دور ہوں گے۔ جزاکم اللہ خیرا!

بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث، صوفی، سلفی اور تحریکی کی خدمت میں

میری نظر میں آپ سب دین کے طالب علم ہیں۔ اور دین کے طالب کے جوتے اٹھانا بھی ثواب ہے اور اسے جوتے مارنا بھی ثواب ہے۔ یہ تو مزاح کی بات ہوئی اور سنجیدہ بات یہ ہے کہ ہر کسی میں خیر کا پہلو بھی ہوتا ہے اور شر کا بھی۔ نہ تو کوئی سو فی صد درست ہے اور نہ ہی کوئی سو فی صد غلط۔ میری وال پر آپ کو اپنے مسلک اور جماعت کی تعریف بھی ملے گی اور اس پر تنقید بھی۔

اور مجھے یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ ہر مسلک والے یہ چاہتے ہیں کہ ہماری تعریف ہی تعریف ہو، کوئی ہماری اصلاح نہ کرے۔ اور دوسرا مسلک یہ چاہتا ہے کہ ہمارے مخالف پر تنقید ہی تنقید ہو اور کوئی اس کی تعریف نہ کرے۔ لوگ کیا کرتے ہیں، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میں جو کرتا ہوں، اس پر تنہائی میں غور بھی کرتا ہوں، اس لیے سوچ سمجھ کر کرتا ہوں اور اگر اپنا کیا غلط لگے تو اپنی اصلاح بھی کرتا رہتا ہوں۔ اگر آپ نے میرے مزاج کو سمجھنا ہے تو میری کتاب "صالح اور مصلح" کا مطالعہ کر لیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل حدیث علماء میں اختلاف

اہل حدیث دوست کا سوال ہے کہ کچھ مسائل ایسے ہیں کہ جن میں خود اہل حدیث علماء میں اختلاف ہو جاتا ہے تو ایسی صورت میں کس کی پیروی کریں؟ جواب: عام طور اس سوال کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ کتاب وسنت کی اتباع کریں۔ تو بھئی، یہاں تو بات مخالف مسلک کی نہیں ہو رہی ہے، ایک ہی مسلک کے علماء ہیں تو ظاہری بات ہے کہ وہ سب کتاب وسنت کے منہج پر ہی ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ اہل حدیث علماء میں فکری اور فقہی اختلافات موجود ہیں اور دو چار نہیں بیسیوں بلکہ سینکڑوں ہیں۔ سید نذیر حسین دہلوی رحمہ اللہ سے لے کر شیخ زبیر علی زئی رحمہ اللہ تک کے فتاوی اٹھا کر دیکھ لیں، آپ کو بہت اختلافات ملیں گے۔ اس کے ساتھ عرب کے سلفی علماء کے فتاوی کو بھی اپنے تقابلی مطالعہ میں رکھیں تو یہ اختلافات اور بڑھ جائیں گے۔

نماز ہی کو لے لیں، کچھ اہل حدیث علماء کے نزدیک رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے، کچھ کے نزدیک نہیں۔ کچھ رکوع کے بعد ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں اور کچھ نہیں۔ کچھ تشہد کی حالت میں انگلی کو ایک مرتبہ حرکت دینے کے قائل ہیں اور کچھ مسلسل اشارہ کرتے رہنے کے۔ کچھ قنوت الوتر میں ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں اور کچھ نہیں۔ اسی طرح کچھ بیک وقت تین طلاقوں کو تین ہی شمار کرتے ہیں اور کچھ ایک۔ اور کوئی کسی ایک ہی حدیث کو ضعیف کہہ رہا ہے، کوئی حسن اور کوئی صحیح۔ وعلی ہذا القیاس۔

اہل حدیث علماء کا یہ فکری اور فقہی اختلاف رہے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل حدیث تحریک فکری اور فقہی جمود کی مخالفت پر کھڑی ہے لہذا یہ کبھی کسی متعین فقہ کی صورت اختیار نہیں کر سکتی کہ جس کی طرف اشارہ کر کے کہا جا سکے کہ یہ اہل حدیث کی فقہ ہے۔ ایسے میں دیکھا گیا ہے کہ کچھ نوجوان اہل حدیث محققین اپنی رائے کے حق میں شدت پسند بن جاتے ہیں اور اپنے سے مخالف رائے رکھنے والے اہل حدیث پر یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ وہ کتاب وسنت پر نہیں ہیں اور ہم کتاب وسنت پر ہیں۔ ہماری رائے میں یہ رویہ درست نہیں ہے۔ مسلک پرستی جب حد سے بڑھتی ہے تو اس کی آگ کی لپیٹ میں خود وہ مسلک آ جاتا ہے یہاں تک اس کے کئی دھڑے بن جاتے ہیں جو ایک

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسرے کے خلاف لڑتے رہتے ہیں اور یہ ہر مسلک میں ہو رہا ہے۔

اس شدت پسندی کا آغاز دوسرے مسالک پر برسنے کو ہی مقصد زندگی بنا لینے سے ہوتا ہے اور پھر یہ مزاج کا ایسا حصہ بن جاتی ہے کہ انسان کو اپنا ہر مخالف کتاب وسنت کے خلاف کھڑا نظر آتا ہے، چاہے وہ اس کے اپنے مسلک کا بڑا ہی کیوں نہ ہو۔ کئی اہل حدیث نوجوانوں کو میں نے سنا کہ وہ شیخ بن باز رحمہ اللہ اور علامہ البانی رحمہ اللہ تک کے فتاوی کے بارے کہتے ہیں کہ ان کی رائے پر نہیں کتاب وسنت پر عمل ہو گا۔ تو شیخ بن باز رحمہ اللہ اور علامہ البانی رحمہ اللہ کی رائے کیا کتاب وسنت کے باہر سے برآمد ہوئی ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ شیخ بن باز رحمہ اللہ اور علامہ البانی رحمہ اللہ کا فتوی ان کا کتاب وسنت کا فہم ہے اور آپ کی رائے آپ کی کتاب وسنت کی سمجھ ہے۔ بس دونوں اپنے کتاب وسنت کے فہم اور سمجھ پر عمل کر رہے ہیں۔ ایسے میں جس اہل حدیث عالم دین کے علمی رسوخ اور پرہیز گاری پر آپ کو اعتماد ہو تو اس کو فالو کر لیں۔ یعنی دو چیزیں دیکھ لیں کہ علم میں پختگی ہو اور دینداری میں اچھا ہو۔ البتہ میں دینداری میں عبادات سے پہلے اخلاق کو رکھتا ہوں کہ اس کے اخلاق اچھے ہوں۔ واللہ اعلم۔ اور ڈرتے ڈرتے ایک اور گزارش کر دوں تو وہ بھی سن لیں کہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی کے بارے بھی یہ نیک گمان رکھ لیں کہ وہ اپنے کتاب وسنت کے فہم پر عمل کر رہے ہیں۔ باقی ایک دوسرے سے اختلاف رکھیں، ضرور رکھیں، نقد بھی کریں لیکن یہ سب کچھ اصلاح اور خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ ہو نہ کہ ایک دوسرے پر غم وغصہ نکالنے کی غرض سے تاکہ ایک ہی بات مختلف زاویوں سے عوام کے سامنے آئے اور صحیح وغلط کی تمیز میں ان کے لیے آسانی پیدا ہو۔

حنفی دوست کا کہنا ہے کہ آپ نے شیخ زبیر علی زئی کو رحمہ اللہ لکھا حالانکہ وہ متشدد اور متعصب قسم کے اہل حدیث ہیں کہ حنفیہ کے امام، امام محمد رحمہ اللہ کو یہ صاحب کذاب کہتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ بھی انہی کی قسم کے اہل حدیث ہیں، لکڑ پھاڑ اہل حدیث۔ بھئی، میں نے اس کتاب میں حنفی عالم دین احمد رضا خان بریلوی صاحب کو بھی رحمہ اللہ لکھا ہے حالانکہ انہوں نے اہل حدیثوں کو کافر لکھا ہے تو اب میں کیا ہوا؟ لکڑ پھاڑ حنفی؟!

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اہل حدیث کو احناف سے اختلاف کیا ہے؟

دوست کا سوال یہ ہے کہ اہل حدیث کا احناف سے بنیادی اور اصولی اختلاف کیا ہے اور اس میں کیا کوئی بیچ کی راہ نکالی جاسکتی ہے کہ جس پر دونوں کا اتفاق ہو جائے؟ جواب: اہل حدیث اور احناف کا اصولی اختلاف دو قسم پر ہے؛ عقیدے میں اور فقہ میں۔

میری رائے میں اصولی اختلافات میں بیچ کی راہ نہیں نکلتی لہذا اس بارے منہج یہی ہو کہ خیر خواہی کے جذبے کے تحت ایک دوسرے کی اصلاح کی کوشش کی جائے نہ کہ عداوت اور دشمنی پال کر غصہ اور بغض نکالا جائے۔ عقیدے میں ان کا اختلاف یہ ہے کہ اہل حدیث کا دعوی یہ ہے کہ ان کا عقیدہ سلفی ہے یعنی وہ عقیدہ ہے کہ جس پر امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تھے اور وہ اس لیے عقیدے میں اپنے آپ کو "سلفی" کہتے ہیں۔ دوسری طرف احناف عقیدے میں اپنے آپ کو "سلفی" نہیں بلکہ "ماتریدی" یا بعض "اشعری" کہتے ہیں اور اپنے لیے "حنفی العقیدہ" کا لفظ بھی استعمال نہیں کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ حنفی ہونا فقہ کا مسئلہ ہے، عقیدے کا نہیں۔

عقیدے میں ہی ایک بنیادی اختلاف یہ بھی ہوا کہ احناف میں سے بعض جیسا کہ برصغیر پاک وہند میں بریلوی اور تصوف کے بعض حلقے مزار پرستی، قبر پرستی اور پیر پرستی کے صریح شرک میں مبتلا تھے لہذا ان سے اتفاق ہر گز ممکن نہیں تھا کہ یہ اللہ کی کتاب کی کھلم کھلا خلاف ورزی تھی۔ اسی طرح نظریاتی تصوف کے بنیادی عقائد یعنی وحدت الوجود اور وحدت الشہود سے اختلاف بھی اسی میں شامل ہے جو ان کے نزدیک کم از کم ایک بدعی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے زمانے میں نہ تھا، اور زیادہ سے زیادہ ایک کفریہ عقیدہ ہے۔

دوسرا بنیادی اختلاف فقہ میں ہے۔ فقہی مسائل کی دو قسمیں ہیں؛ ایک قدیم کہ جن میں قدیم فقہاء کی آراء موجود ہیں اور دوسرے جدید مسائل کہ جن مین قدیم فقہاء کی آراء موجود نہیں ہیں۔ جدید مسائل میں دونوں اجتہاد کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ عملاً کر بھی رہے ہیں۔ البتہ قدیم مسائل میں احناف فقہاء میں سے متعین فقہاء کی تقلید کرتے ہیں جبکہ اہل حدیث اجتہاد کے قائل ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن قدیم مسائل میں وہ "مطلق اجتہاد" کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ قدیم فقہی آراء میں سے جو رائے عالم دین کو کتاب وسنت کے زیادہ موافق معلوم ہو، وہ اس کی اتباع کرے۔ یعنی کتاب وسنت کو فقہاء کے اقوال پر نہیں بلکہ فقہاء کے اقوال کو کتاب وسنت پر پیش کرے۔

تیسرا مسئلہ تقلید اور عدم تقلید کا ہے۔ احناف کے نزدیک ان کے علماء اور عوام دونوں تقلید کریں گے جبکہ اہل حدیث کے نزدیک عالم دین پر اجتہاد لازم ہے اور عوام پر اتباع۔ اہل حدیث تقلید اور اتباع میں بھی فرق کرتے ہیں اور یہ عقیدے کا فرق ہے۔ تقلید ان کے نزدیک بلا دلیل عالم دین کی پیروی کرنے کا نام ہے جبکہ اتباع میں ایک عامی پہلے عالم دین سے دلیل پوچھتا ہے اور پھر اس کی پیروی کرتا ہے۔ اس طرح اس کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اس نے دلیل کی پیروی کی ہے، متعین شخص کی نہیں۔ یعنی وہ یہ چاہتے ہیں کہ عالم دین ایک عامی کے ذہن میں بھی دین معلوم کرنے کے ایک واسطے کے طور پر رہے نہ کہ کسی دین کا مصدر اور مرجع بن جائے۔ اسی لیے وہ کسی متعین امام سے مسئلہ پوچھنے کا پابند نہیں کرتے یعنی کسی سے بھی پوچھ لے کہ جس کے علم اور تقوی پر اس کا اعتماد ہو۔

ایک دوست نے کہا کہ وحدت الوجود کے بارے مولانا تقی عثمانی رحمہ اللہ نے جب وضاحت کر دی ہے کہ اس سے مراد یہ یہ ہے تو پھر اہل حدیث حضرات کیوں وحدت الوجود پر نقد کرتے ہیں اور اس کی اسی مراد پر اصرار کرتے ہیں جو کفر وشرک ہے۔ بھئی، آپ کی بات بالکل درست ہے کہ اگر آپ وحدت الوجود سے مراد یہ لیتے ہیں کہ مخلوق کی حقیقت "مثل معدوم" ہے تو وحدت الوجود کی اس تعبیر پر بدعت یا کفر یا شرک کا فتوی نہیں لگ سکتا اور نہ ہی لگانا چاہیے بلکہ یہ توحید کی کیفیات میں سے ایک کیفیت ہے جو سالک پر کبھی کبھار طاری ہو جاتی ہے اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "مجموع الفتاوی" میں یہ بات نقل کی ہے۔ لیکن اگر وحدت الوجود سے آپ کی مراد یہ ہے کہ مخلوق کی حقیقت "کالمعدوم" ہے تو یہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، سلفیہ اور اہل حدیث کے نزدیک بڑی گمراہی ہے کہ مخلوق کے وجود کو "اعیان ثابتہ" قرار دے کر خالق اور مخلوق کے "اتحاد" کا رستہ ہموار کرنا ہے۔

ایک دوست نے کہا کہ تقلید اور اتباع میں فرق تو ایک دھکا ہی معلوم ہوتا ہے، کوئی حقیقی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ تو بھئی، اگر آپ کو کوئی حقیقی فرق معلوم نہیں ہوتا تو مجھے آپ سے منوانا بھی تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نہیں ہے کہ ان دونوں میں کوئی فرق ہے ہی۔ مجھے تو صرف اپنی رائے بیان کرنی ہے کہ مجھے ان میں فرق لگتا ہے۔ اب آپ نے کہا کہ نہیں ہے تو میں یہ بھی نقل کر دیتا ہوں کہ آپ کے نزدیک فرق نہیں ہے۔ مجھے اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ میرے موقف کے ساتھ آپ کا موقف بھی نقل ہو جائے۔ دوسرا موقف سامنے نہ آجائے، اس خوف میں وہ لوگ مبتلا ہوتے ہیں جنہیں یہ ڈر ہوتا ہے کہ ہمارے دڑبے کی مرغیاں کہیں دوسرے کے دڑبے میں نہ چلی جائیں۔

ایک حنفی دوست نے کہا کہ حنفی عقیدے میں بھی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے عقیدے پر ہیں اور سلفی اور حنفی عقیدہ ایک ہی عقیدہ ہے اور آپ کی بات میں بہت تحکم اور یقینیت ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ میں نے اپنی تحریر میں کہا ہے کہ اہل حدیث کا "دعوی" یہ ہے کہ سلفی اور حنفی عقیدہ دو عقیدے ہیں۔ سلفی عقیدہ وہ ہے جو ائمہ اربعہ کا ہے جبکہ احناف کا عقیدہ وہ ہے جو امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ کا ہے۔ اب یہ ان کا دعوی ہے۔ آپ کے نزدیک یہ "دعوی" درست نہیں ہے تو آپ اسے غلط ثابت کر دیں۔ میں اس دعوی کے کچھ دلائل کا تذکرہ اپنی کتاب "وجود باری تعالی" کے آخری باب میں کیا ہے۔ اب "دعوی" کے لفظ میں تحکم اور یقینیت ہے تو سو ہے، اور اگر نہیں ہے تو سو نہیں ہے۔ باقی دیکھیں کوئی بھی محقق یا مفکر یا لکھاری جب لکھتا ہے یا بات کرتا ہے تو اس میں کسی قدر مبالغہ تو آ ہی جاتا ہے، اس کا انکار نہیں ہے کہ مبالغے کے بغیر بات بنتی نہیں ہے۔

احناف اور اہل حدیث کی خدمت میں

کوئی ایسی پوسٹ لگا دوں کہ جس میں اہل حدیث پر نقد ہو تو سارے حنفی خوش ہو جاتے ہیں، نہ صرف لائک کرتے ہیں بلکہ مجھے "معتدل" ہونے کے تمغے بھی دیتے ہیں۔ پھر کوئی ایسی پوسٹ لگا دوں کہ جس میں اہل حدیث کی سائیڈ لی ہو تو حنفی کہتے ہیں کہ یہ آپ کی پوسٹ معلوم نہیں ہوتی اور بعض تو اپنی وال پر جا کر میرے "اعتدال" کا بھانڈا پھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح کوئی ایسی تحریر لکھوں کہ جس میں احناف پر نقد ہو تو اہل حدیث واہ واہ کرتے ہیں اور اگر احناف کی سائیڈ میں بات جا رہی ہو تو اہل حدیث میں سے بعض اپنی وال پر میرے اہل حدیث ہونے کا بھانڈا پھوڑ دیتے ہیں۔

بھئی، ایک بات تو میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں ایک محقق اور نقاد ہوں، میرا کام اپنی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تحقیق کے نتائج بیان کرنا ہے کہ میں کسے صحیح اور کسے غلط سمجھتا ہوں۔ باقی میں نہ تو "مفتی" ہوں اور نہ ہی "مولوی"۔ اگر آپ نے ان دونوں میں سے کسی گروہ کی آخرت یا ضلالت کے بارے کوئی فیصلہ لینا ہو تو کسی "مفتی" اور "مولوی" کی طرف رجوع فرما کر "ثواب دارین" حاصل کریں۔ آپ دونوں تقوی اور پرہیز گاری میں مجھ سے چار ہاتھ آگے، آپ کے اخلاق بھی مجھ سے بہت عمدہ، آپ دونوں کی آخرت مجھ سے بہت اچھی لیکن مجھے جہاں آپ سے اختلاف ہے، وہ مجھے بیان کرنا ہے، بھلے یہ آپ کو آپ کے مسلک کے خلاف کوئی "یہودی سازش" معلوم ہوتی ہو۔

میں بھی پہلے ایک "مسلک پرست" تھا لیکن بہت تھوڑا عرصہ رہا کہ جلد ہی میں مسلک کے نام پر دوسروں سے نفرت اور بغض پالنے سے تھک گیا تھا اور اب دونوں مسالک میں میری طرح کے بہت سے نوجوان اس "مسلک پرستی" اور تعصب سے بیزار ہیں۔ مجھے اب کلمہ گو ہونے کی وجہ سے سب سے محبت محسوس ہوتی ہے اور کسی سے بغض نہیں ہے۔ مولوی طارق جمیل سے ویسی ہی محبت محسوس ہوتی ہے جیسی ڈاکٹر ذاکر نائیک سے اور اب تم دونوں کے فتوی اور میرے خلاف پوسٹ لگانے کا وقت ہوا چاہتا ہے کہ جس کے بارے مجھے بتلا دینا کہ کہاں لگائی ہے تو میں خود اپنے ریڈرز کو وہاں بھیج دوں گا تاکہ میری "راگنی" کے ساتھ تمہاری بھی سن لیں۔

سب کی طرح میری بھی فیس بکی "دکان" ہے لیکن مجھے اب یہ رغبت نہیں رہی ہے کہ کوئی اس سے "سودا" خریدے کہ مجھے رزق کہیں اور سے مل رہا ہے اور وافر مل رہا ہے۔ مجھے مسالک اور مذہبی جماعتوں کی "مرغیوں" سے دلچسپی نہیں ہے کہ ایک "ڈربے" سے دوسرے "ڈربے" میں آ جائیں۔ لیکن میری تحریروں سے انہیں یہی خوف لاحق ہوتا ہے کہ کہیں حافظ زبیر کو پڑھ کر ہماری مرغی دوسرے ڈربے میں نہ چلی جائے یا اس کا مسلکی تعصب کم نہ پڑ جائے۔ باقی میں تمہیں مسلک رکھنے سے منع نہیں کرتا کہ میں خود مسلکاً اہل حدیث ہوں، صرف مسلکی تعصب اور اس کی بنیاد پر نفرتوں سے منع کرتا ہوں۔

سو بھائی اچھے سے تہذیب کے دائرے میں میرے خلاف لکھو، میں اپنی وال سے شیئر کر دوں گا۔ کبھی دل آیا تو تمہاری گالیاں بھی شیئر کر دوں گا۔ مجھے یہ امید نہیں ہے کہ میں تم دونوں کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دلوں میں ایک دوسرے کے بارے موجود بغض اور نفرت نکال پاؤں گا لیکن اب چونکہ تم میرے ساتھ ایڈ ہو تو تمہیں یہ باتیں سننا پڑ جاتی ہے ورنہ میرے اصل مخاطب میرے جیسے دو چار لوگ ہی ہیں۔ پس مجھے ان فرینڈ یا بلاک کر کے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں اور اپنے "چوزوں" سے بھی کہیں کہ مجھ سے دور رہیں، اگر کچھ عرصہ میری وال پر رہے تو کہیں "گمراہ" نہ ہو جائیں۔

ایک فاضل حنفی عالم دین دوست نے ہماری اس پوسٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ابتداءً آنجناب کے بارے میں اس عاجز کی رائے بھی معتدل ہونے کی تھی مگر کئی تحاریر پڑھ کر اندازہ ہوا کے تحریر میں آپ کے دعوے یعنی "نقد و تحقیق" کی نسبت پرانی شراب نئے خم میں پلانے کا ہنر زیادہ کارفرما ہے، مسکراہٹ۔ نیز مجتہد فیہ امور میں جتنے کلیئر کٹ دوٹوک فیصلے آپ صادر فرماتے ہیں اس کے بعد پھر یہ "فتوی" اور کس چڑیا کا نام ہے؟، مسکراہٹ۔

آپ کی رائے سر آنکھوں پر، جتنا ہمیں دوسروں پر نقد کا حق حاصل ہے، اتنا ہی دوسروں کو بھی حاصل ہے۔ اگر ہم دوسروں کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ اختلاف رائے برداشت کریں تو خود ہمیں بھی اپنے اس وعظ پر عمل کرنا چاہیے۔ جتنی آپ سے محبت آپ کی اس نقد سے پہلے تھی، اس نقد کے بعد بھی اتنی ہی رہے گی اور اس میں کمی نہیں آئے گی۔ آپ میری خامیوں کے بارے ایک پوسٹ مرتب کر دیں گے تو ممنون و مشکور رہوں گا بلکہ شیئر بھی کروں گا اور اپنی نئی کتاب میں بھی شامل کروں گا بغیر کوئی اس پر تبصرہ کیے کہ یہ مجھ سے اختلاف رکھنے والے ایک فاضل اور دین کا درد رکھنے والے عالم دین کی میرے بارے رائے ہے، اس پر غور کریں اور میرے بارے کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہیں، اور کوئی بات۔

ایک دوست نے کہا کہ کیا آپ ہی صحیح ہیں اور باقی سارے غلط ہیں کیا؟ میں نے کہا کہ نہیں میں یہ نہیں کہہ رہا۔ میری ساری باتیں درست نہیں ہو سکتیں لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ میری ساری باتیں غلط ہی ہیں۔ تو آپ پر میری کچھ نقد درست ہو گی اور کچھ غلط۔ اور آپ کی مجھ پر کچھ نقد درست ہو گی اور کچھ غلط۔ یہ ایک اصولی بات ہے اور میں اس اصولی موقف پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں۔ اور آپ بھی اس پر کھڑے ہو جائیں، بس اسی کی خواہش ہے۔ جس طرح میری دوسروں پر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نقد سو فی صد درست نہیں ہوتی تو اسی طرح سو فی صد غلط بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح دوسروں کی مجھ پر نقد نہ تو سو فی صد درست ہوتی ہے اور نہ ہی سو فی صد غلط۔ اگر تو آپ کو میری نقد سے کبھی اتفاق ہوتا ہے اور کبھی اختلاف تو یہی میرا مطلوب ہے۔ اور اگر آپ کو میری نقد سے ہر صورت اتفاق ہوتا ہے تو بھی آپ میرے کام کے نہیں ہیں اور اگر میری نقد سے ہر صورت اختلاف ہی ہوتا ہے تو بھی میرے مزاج پر نہیں ہیں۔ اور میرے مزاج پر ہونا ہی درست ہونے کی دلیل نہیں ہے بھئی۔ یہ تو صرف اس لیے عرض کر دیا کہ انسان کو اپنے ہم مزاج سے مناسبت معلوم ہوتی ہے۔

ایک دوست نے کہا کہ آپ اپنی تحقیق میں جانبدار معلوم ہوتے ہیں جبکہ محقق کے لیے ضروری ہے کہ غیر جانبدار ہو۔ بھئی، مطلق غیر جانبداری تو کچھ نہیں ہے، ہر ایک کے ساتھ کوئی نہ کوئی ٹیگ لگا ہوا ہے، حنفی، اہل حدیث، صوفی، سلفی، قادری، چشتی، شیعہ، سنی۔ مطلق غیر جانبدار تو دہریہ (atheist) بھی نہیں ہوتا کہ جو کچھ بھی نہیں مانتا کہ یہ بھی کچھ ماننا ہی ہے۔ میں اگر اہل حدیث ہوں تو آپ سے مجھ سے یہ توقع کیوں رکھتے ہیں کہ میں ہر بار ایسی ہی تحقیق پیش کروں گا کہ جو احناف کے حق میں جاتی ہو گی جیسا کہ میں آپ احناف سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ آپ ایسی تحقیق پیش کریں گے کہ جو اہل حدیث کے حق میں ہی جاتی ہو۔ تو یہ جانبداری تو سب میں موجود ہے۔ ایک مسلمان کی تحقیق کبھی دہریت کے حق میں نہیں جائے گی اور ایک دہریے کی تحقیق کبھی اسلام کے حق میں نہیں ہو گی، یہ بات تو واضح ہے۔

تو ہم سب جانبدار محقق ہی ہوتے ہیں، اس معنی میں کہ ہم پہلے سے کچھ افکار اور نظریات رکھتے ہیں اور پھر تحقیق کرتے ہیں۔ بھئی یہاں فیس بک پر میں ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب، ڈاکٹر محمد مشتاق صاحب اور مولانا عمار خان ناصر صاحب سے کبھی یہ توقع نہیں رکھتا کہ ان کی تحقیقات سے اہل حدیثیت ثابت ہو۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ حنفی المسلک ہیں تو ان کی تحقیقات سے ان کا مسلک ہی ثابت ہو گا۔ تو اسی طرح یہاں موجود حنفی المسلک دوستوں سے گزارش ہیں کہ آپ کیوں یہ توقع رکھتے ہیں کہ حامد کمال الدین صاحب اور حافظ زبیر کی تحقیق سے آپ کا مسلک راجح ثابت ہو گا نہ کہ ان کا اپنا مسلک۔ تو بھئی یہ فطری معاملہ ہے، اس کو ایسے ہی رہنے دیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوست نے سوال کیا تو پھر معتدل یا غیر جانبدار محقق ہونے کا کیا معنی ہے؟ تو بھئی معتدل محقق ہونے کا معنی تو یہ ہے کہ کبھی اپنے پر بھی تنقید کر لیا کرے۔ اور غیر جانبدار محقق ہونے کا معنی یہ ہے کہ کبھی دوسرے میں بھی خیر تلاش کر لیا کرے اور اس کا اعتراف بھی کر لیا کرے۔ بس اتنا کافی ہے۔ میری اس کتاب کے قارئین سے گزارش یہ ہے کہ وہ میری کم از کم دس فی صد باتوں سے ضرور اختلاف کرنے کی کوشش کریں۔ اور اگر پھر بھی محسوس نہ ہو تو پھر شاید فریکوئنسی ایک جیسی ہے اور جب فریکوئنسی مل جائے تو دوسرے کی ہر بات ہی درست معلوم ہوتی ہے۔ یہاں فریکوئنسی سے مراد سوچ کا انداز اور مزاج ہے۔

مسلک پرستی کا فتنہ

اہل حدیث اور احناف کا اصولی اختلاف کیا ہے؟ اس پر ایک پوسٹ لگائی تھی کہ جس میں صرف اتنی بات تھی کہ اہل حدیث کو یہ دعوی ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ عقیدے میں سلفی تھے جبکہ آج کے حنفی عقیدے میں ماتریدی یا اشعری ہیں۔ بہت سے حنفی دوستوں نے اس کا جواب دیا، بہت اچھی بات ہے۔ تو جس طرح اہل حدیث میں "لکڑ پھاڑ اہل حدیث" موجود ہیں تو اسی طرح احناف میں بھی "لکڑ پھاڑ حنفی" موجود ہیں کہ جنہیں اتنا بھی برداشت نہیں ہے کہ کوئی ان کے مسلک سے اختلاف ہی کر لے۔ ان کا مسلک اور ان کی تحقیق ان کے نزدیک وحی الہی ہے کہ جس سے اختلاف پر کوئی شرعی حد یا تعزیز واجب ہو جاتی ہو۔

محترم جناب مدثر جمال صاحب نے جب ہماری پوسٹ پر نقد کرتے ہوئے ایک پوسٹ لگائی تو وہاں مسلک پرستی کے کئی ایک رنگ کمنٹس میں سامنے آئے کہ جن میں سے ایک یہ بھی تھا کہ "حافظ زبیر" صاحب کو ایسی پوسٹ لگانے پر روزانہ بیس کوڑوں کی سزا ہونی چاہیے۔ البتہ کمنٹ نگار کا کہنا اتنا تھا کہ یہ کام بادشاہ کا ہے، عام آدمی کا نہیں۔ چلیں، شکر ہے، اس نے اتنا لحاظ تو کیا۔ تو مسلکی اختلاف ہم ختم نہیں کر سکتے، ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ جو ہم ختم کر سکتے ہیں، وہ مسلکی تعصب ہے اور مسلکوں کی پرستش۔

تو کہنے کو تو بھئی یہ ایک کمنٹ ہے، ایسے بیسیوں کمنٹس آپ روزانہ دیکھتے ہوں گے کہ جن میں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسلکی تعصب کوٹ کوٹ کر بھرا ہو۔ آپ یہ کہہ کر گزر سکتے ہیں کہ ان کی طرف توجہ نہ دیں، نظر انداز کر دیں، جاہل لوگ ہیں۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ ایسے کمنٹ نگار کو اگر آپ جاہل کہہ بھی دیں تو اس حد تک اس کے اندر تعصب کس نے بھرا ہے؟ کسی "مولوی" نے ہی نا۔ تو ہمارے معاشرے میں آگ لگانے والے، نفرتیں بانٹنے والے، بغض پیدا کرنے والے "مولوی" موجود ہیں جو سادہ لوح عوام کی بیٹریاں ایک دوسرے کے خلاف چارج کرتے رہتے ہیں۔

تو جس طرح جدیدیت ایک فتنہ ہے، اس طرح مسلک پرستی بھی ایک فتنہ ہے اور اس کے خلاف علمی و فکری کام کرنے کی ضرورت ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اب آپ اپنی ذات پر تنقید کو محسوس کرنا شروع ہو گئے ہیں، اس لیے ان کو جواب دیتے ہیں۔ بھئی، آپ ٹھیک کہتے ہوں گے لیکن میں اس لیے جواب دیتا ہوں کہ میں اسے ایک فتنہ سمجھتا ہوں جو امت کو پارہ پارہ اور ٹکڑے ٹکڑے کر رہا ہے۔ میں نے نہ تو مسلک اختیار کرنے سے منع کیا ہے اور نہ اس کے اظہار سے۔ جس سے منع کرتا ہوں، وہ اپنے مسلک کی پرستش کرنا ہے جو خدا کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

فرقہ واریت اور مسلک پرستی یہ امت کے حق میں سیکولرازم اور لبرل ازم جیسا ہی بڑا فتنہ ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ۔[الأنعام: 159] ترجمہ: نبی کریم ﷺ جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا اور فرقوں میں تقسیم ہو گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، اللہ عزوجل قیامت والے دن انہیں بتلائیں گے کہ وہ کیا کرتے رہے۔

ایک دوست نے کہا کہ آپ کی تحقیق سلفیت اور اہل حدیثیت کی اسپورٹ میں ہی کیوں جاتی ہے؟ کیا یہ تعصب نہیں ہے؟ بھئی، یہ بات کہ کیا تعصب میں شامل ہے اور کیا نہیں تو اس پر بات ہو سکتی ہے۔ کچھ باتیں تو ایسی ہیں جو سب کے نزدیک متعصبانہ ہیں جبکہ کچھ کے بارے اختلاف ہو سکتا ہے۔ اس کا حل یہی ہے کہ آپ تعصب کو ڈیفائن کر دیں۔ میرے نزدیک تعصب عدم برداشت کا نام ہے نہ کہ اظہار اختلاف کا یا اپنی تحقیق کے نتائج بیان کرنے کا یا کسی کے ان سے اختلاف کرنے کا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باقی اپنے آپ کو صحیح سمجھنا تو یہ تعصب نہیں ہے، سب ہی اپنے کو صحیح سمجھتے ہیں اور کوئی بے وقوف ہی اپنے کو غلط سمجھے گا۔

غیر جانبدارانہ تحقیق محض ایک خوشنما نعرہ ہے کہ غیر جانبدار تو دہریہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ بھی کچھ مان رہا ہوتا ہے۔ میں جب ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب، ڈاکٹر محمد مشتاق صاحب اور مولانا عمار خان ناصر صاحب سے توقع نہیں کرتا کہ ان کی تحقیق کے نتائج وہ نکلیں کہ جو سلفیت اور اہل حدیثیت کو اسپورٹ کرتے ہوں تو احناف کو کیوں یہ امید ہے کہ ایک سلفی اور اہل حدیث کی تحقیق کے نتائج وہ نکلیں گے جو ان کے بیانیہ کے حق میں جائیں گے۔ بھئی، ہم سب ایک پوزیشن لے کر اور کچھ مان کر تحقیق کرتے ہیں۔ ایک دہریے کی تحقیق اسلام کے حق میں نہیں جائے گی اور ایک مسلمان کی دہریت کے حق میں نہیں۔ کچھ حقیقت پسند بن کر سوچیں۔

کبار سلفی علماء میں سے شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ کی مسلک پرستی کے خاتمے کے لیے علمی و فکری کاوشیں قابل قدر ہیں۔ لیکن بہت سے اہل حدیث ان پر بھی اس لیے نقد کرتے ہیں کہ انہوں نے یہ کیوں کہہ دیا کہ سلفیت کوئی گروہ نہیں ہے بلکہ ایک منہج ہے اور خود کو سلفی کہنا لازم نہیں ہے بلکہ سلف کے منہج کا پابند ہونا کافی ہے۔

باقی یہ بات ضرور ہے کہ ایک ہے فکر کا صالح ہونا اور ایک ہے اس کی قبولیت تو یہ دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ بعض اوقات آپ کی فکر صالح بھی ہو تو اس کی قبولیت میں صدیوں بیت جاتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر دور کا ایک خاص علمی اور فکری ماحول ہوتا ہے کہ جن کے بنانے میں بہت سے معاشی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی فیکٹرز اہم کردار ادا کر رہے ہوتے ہیں لہذا کوئی ایسی صالح فکر جو اس خاص علمی و فکری ماحول سے کسی قدر اختلاف پر مبنی ہو تو اس کی قبولیت ممکن نہیں ہوتی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حق میں پہلی کتاب ان کی شہادت کے تقریباً سو سال بعد لکھی گئی ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تحریریں ان کی زندگی میں شائع نہیں ہو سکتی تھیں کہ انہیں عموماً ضائع کر دیا جاتا یا جلا دیا جاتا تھا۔ اور جب کافی عرصہ گزر گیا اور ان سے مخاصمت کے ماحول کے اثرات کم پڑ گئے تو ان کے شاگردوں نے انہیں شائع کیا اور ان کی فکر کو قبولیت عام حاصل ہونا شروع ہوا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رحمہ اللہ کے زمانے میں انہیں قتل کرنے کی کاوشیں ہوئیں لیکن کافی عرصہ بعد اللہ عزوجل نے ان کی فکر ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ ہر مسلک کے ہاں ان کو عزت اور احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

دوست نے کہا کہ یہی بات تو غامدی صاحب بھی کہہ سکتے ہیں کہ میری فکر کو سو سال بعد قبولیت حاصل ہو جائے گی۔ بھئی کہنے کو کیا ہے، کہہ لیں لیکن فکر کی قبولیت کے بارے دو باتیں ذہن میں رکھیں؛ ایک یہ کہ وہ صالح ہونی چاہیے جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے: ﴿كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ﴾ [الرعد: 17] ترجمہ: اللہ عزوجل حق اور باطل کو آپس میں اسی طرح ٹکراتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جھاگ خشک ہو کر ختم ہو جاتی ہے اور جو چیز لوگوں کے لیے فائدہ مند ہوتی ہے تو وہ زمین میں بیٹھ جاتی ہے۔ اللہ عزوجل اسی طرح مثالیں بیان کرتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا تسلسل آج بھی جاری ہے جبکہ جہمیہ اور معتزلہ کتابوں میں گم ہو گئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ تاریخ کا سبق یہی ہے کہ تجدید کی وہی کاوشیں امت میں قبولیت حاصل کر پائی ہیں کہ جو روایت کے رد کی نہیں بلکہ اس کی اصلاح کی پوزیشن لے کر کھڑی ہوئی تھیں جیسا کہ امام ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہم اللہ کی تجدیدی کاوشیں ہمارے سامنے ہیں۔ اور غامدی صاحب روایت کی اصلاح نہیں بلکہ جدیدیت کے دعویدار ہیں جیسا کہ سرسید اور پرویز کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ امت نے سو سال گزر جانے کے بعد بھی ان کے فکر کے ساتھ کیا کیا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جدیدیت کے نمائندہ تھے نہ کہ روایت کے۔

فکر فراہی کے پانچ طبقات

- مولانا فراہی رحمہ اللہ عالم دین تھے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے اگرچہ بعض معاملات میں اہل علم کو ان سے اختلاف ہوا۔ یہ پہلا طبقہ ہوا۔
- مولانا فراہی کے شاگردوں میں نمایاں ترین مولانا اصلاحی بھی عالم دین تھے اور اللہ سے ڈرنے والے تھے اگرچہ بعض معاملات میں اہل علم کو ان سے اختلاف ہوا اور وہ اہل علم سے رد عمل میں آ کر ان کے خلاف ہو گئے۔ یہ دوسرا طبقہ ہوا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

- مولانا اصلاحی کے شاگردوں میں کوئی بھی عالم دین نہیں ہے، البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ ان میں سب سے قابل جاوید احمد غامدی صاحب ہیں۔ وہ اچھے مفکر ہیں، ذہین ہیں اور محنتی ہیں۔ علوم دینیہ کا عمومی مطالعہ نظر آتا ہے لیکن علوم الاصول، اصول فقہ، اصول حدیث، اصول تفسیر، اصول عقیدہ کی گہرائیاں اور وسعتیں، وہ ان میں دلچسپی نہیں رکھتے۔ شاید ان کے ہاں یہ واقفیت ضروری بھی نہیں ہے۔ یہ تیسرا طبقہ ہوا۔
- جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے شاگردوں میں عمار خان ناصر صاحب عالم دین ہیں اور ان کی تحریروں سے نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی وجہ غامدی صاحب نہیں، ان کا علمی گھرانہ اور مدرسہ ہے۔ جاوید صاحب کے باقی شاگرد اچھے کالم نویس ہیں، بس۔ یہ چوتھا طبقہ ہوا۔
- اور پانچواں طبقہ وہ ہے، جو بد قسمتی سے ہر مسلک اور جماعت میں پایا جاتا ہے۔ جنہیں جیالوں کے عنوان سے یاد کیا جا سکتا ہے۔ اور سوشل میڈیا اور فیس بک وغیرہ پر آج کل انہی کی بھرمار ہے۔

مکتب غامدی اور بھولے بادشاہ

ہمارے ممدوح ڈاکٹر عرفان شہزاد صاحب غامدی صاحب کی فکر کے حق میں لکھتے رہے، لوگوں نے توجہ ہی نہ دی۔ بس اتنا ہوتا تھا کہ واکنگ کسٹمر کی طرح کوئی چلتا پھرتا فیس بکیا ڈاکٹر صاحب کی وال پر آنکلتا تو لائک مار کر آگے نکل جاتا تھا اور رہا سنجیدہ فیس بکیا تو وال پر لگے فوٹو دیکھ کر ہی اتنا گھبرا جاتا کہ لائک مارنا تو دور کی بات، پیج کو اس تیزی سے یوں اسکرول کرنے لگ جاتا کہ جیسے کسی گناہ سے بھاگنے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر نہ معلوم محترم ڈاکٹر صاحب کو کیا سوجھی کہ انہوں نے بریلویوں کے خلاف پوسٹ لگا دی۔ اب دیوبندیوں اور اہلحدیثوں نے سمجھا کہ ڈاکٹر صاحب راہ راست پر آ گئے ہیں کہ ان کے نزدیک راہ راست بریلویت کے رد کا ہی دوسرا نام ہے، بس پھر کیا تھا، نہ صرف لائکس کی تعداد بڑھ گئی بلکہ روایت پسند بھی ڈاکٹر صاحب کی وال پر یوں جمع ہونے لگے جیسے پروانے شمع کے گرد۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر ڈاکٹر صاحب کو معلوم نہیں کیا سوجھی کہ تبلیغیوں کے خلاف قسط وار سلسلہ شروع کر دیا۔ اب بھی بہت سے روایت پسندوں نے لائک مارے کہ جنہیں تبلیغی جماعت سے شکایات تھیں۔ پھر اہل حدیثوں کی باری لگے گی تو پھر وہ روایت پسند جم کر لائک ماریں گے کہ جنہیں ان سے شکایات ہیں۔ اسی لیے میں ان روایت پسندوں کو "بھولے بادشاہ" کہتا ہوں۔ انہیں یہ سمجھ نہیں آتی کہ بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث اگر غلط ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ اس کا مطلب ہے، غامدی صاحب ٹھیک ہیں۔

غامدی صاحب ٹھیک ہیں، یہ بات کہنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریق کار ناکام ہو چکا کہ بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث سب ہی غامدی صاحب کو غلط کہہ رہے ہیں تو کون مانے گا کہ وہ ٹھیک ہیں۔ اور ایک طریق کار اب بھی کامیاب ہے اور وہ یہ کہ سب کو غلط ثابت کر دو تو نتیجہ خود نکل آئے گا۔ یہ بھولے بادشاہ کبھی کبھار ہم سے بھی پوچھتے ہیں کہ پی۔ ایچ۔ ڈی کا کیا فائدہ ہے، بھئی یہی فائدہ ہے۔ آپ کو اگر روایت پسندوں کی اصلاح چاہیے تو اس کے لیے ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب، مفتی زاہد صاحب اور حافظ زبیر کافی ہیں۔ یہ ان شاء اللہ سے اپنے مسلک اور روایت کی بھی اصلاح کرتے ہیں اور دوسرے کے بھی۔

باقی یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ میں تو لائک، بات اور پوسٹ کو کرتا ہوں۔ میں تو ہمیشہ لائک فکر اور سوچ کو کرتا ہوں۔ جس کی مجموعی فکر اور سوچ اچھی ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ وہ روایت پسند ہے تو میں اسے لائک کروں گا۔ ہاں، اگر ہمارے فریق مخالف ماڈرنسٹ کی کوئی بات ایسی ہے جو ہماری فکر کے مطابق ہے یعنی روایت پسندی کو اسپورٹ کرتی ہے تو ہم اس بات کو لائک کریں گے۔ ہم فکری لوگ ہیں اور فکر کی بنیاد پر تقسیم ہیں اور فکر ہی کی بنیاد پر اچھا برا ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ کیا ہم اتنے بانجھ ہو چکے ہیں کہ ان ماڈرنسٹوں سے اپنی اصلاح لیں گے؟

مغرب زدہ

مسلم معاشروں میں دو قسم کے طبقات مغرب زدہ ہیں؛ ایک وہ جو مغرب کو پڑھ کر اس سے متاثر ہو گئے اور دوسرے وہ جو مغرب کو پڑھ کر رد عمل کی نفسیات (psychology of

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(reaction کا شکار ہو گئے۔ یہ دوسرا طبقہ اگرچہ مغرب کا شدید ناقد ہے لیکن مغرب نے ان پر پہلے طبقے سے زیادہ گہرا اثر چھوڑا ہے۔ یہ اثر نیوٹن کے تیسرے قانون کے عین مطابق ہے کہ ہر عمل کا ایک رد عمل ہوتا ہے جو قوت میں برابر لیکن سمت میں مخالف ہوتا ہے۔

مغرب کے فکری اثر سے اگر کوئی طبقہ کسی قدر محفوظ ہے تو وہ، وہ طبقہ ہے جسے مغرب کو پڑھنے کی نعمت میسر نہیں ہے یا آسان الفاظ میں جنہیں اتنی انگریزی نہیں آتی کہ وہ مغرب کو پڑھ سکے اور اس پڑھنے کے نتیجے میں اس سے متاثر ہونے کے اسباب اور رستے ہی پیدا کر سکے۔

پس سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں اگر کوئی معتدل رائے سامنے آسکتی ہے تو اس کی امید روایتی علماء کے طبقے سے کی جاسکتی ہے۔ اور ان سب کا اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ ٹیکنالوجی ویلیو نیوٹرل ہے، بھلے انہوں نے ان الفاظ کو استعمال نہ کیا ہو یا وہ ویلیو نیوٹرل کی اصطلاح کو نہ جانتے ہوں لیکن ان کے فتاوی کا خلاصہ یہی ہے، جمع کر کے دیکھ لو۔

ٹیکنالوجی کے بارے میں جو رائے "انصاری" مکتب فکر نے پھیلا اور عام کر دی ہے، وہ نہ تو سو فی صد درست ہے اور نہ ہی سو فی صد غلط ہے۔ لیکن انہوں نے اللہ کے فضل و کرم سے نوجوان اسکالرز کی ایک ایسی جماعت ضرور پیدا کر دی ہے جو اسمارٹ فون جیب میں رکھ کر اس کی شناعت و مضرت پر ایسی عمدہ گفتگو کر سکتے ہیں کہ کسی دار العلوم کے آخری درجہ کے طلباء تو کجا دار الافتاء کے مفتی بھی مسحور ہو جائیں۔

یہ اس ماڈرن سوسائٹی میں رہتے ہوئے ٹیکنالوجی کے استعمال نہ کرنے کے بارے ایک ایسے شاذ موقف پر ضد کر رہے ہیں کہ جس میں امت تو کجا ان کی اولاد کو بھی پناہ نہ ملے۔ یہ دین ایسے موقف کا حامل کیسے ہو سکتا ہے کہ جس پر اربوں کی امت کی بجائے چار افراد کو لانا مشکل ہو جائے۔ فقہاء اور مفتی بھلے مغرب کو کچھ نہ جانتے ہوں، اور یہ ان کی خوبی ہے اور تمہاری خامی ہے، لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ کل کلاں کو تمہاری نسلیں بھی انہی کے بیانیے کی روشنی میں زندگی گزار رہی ہوں گی۔

جدید ٹیکنالوجی کے ضرر اور نقصانات سے انکار نہیں ہے لیکن اس کے بارے جو موقف آپ لوگ پیش کر رہے ہیں، وہ امت کو ایک فتنے سے نکال کر دوسرے فتنے میں ڈال دینے کے مترادف

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اور اس رہبانیت کے لیے صوفیانہ ڈسکورس سے کمک لینا مزید ایک حماقت ہے کہ وہ سب کا سب ضعیف اور موضوع روایات پر کھڑا ہے۔ امت اگر مجموعی حیثیت میں کسی ڈسکورس پر کھڑی ہو سکتی ہے تو وہ فقیہانہ اور قانونی ہے نہ کہ صوفیانہ اور اخلاقی۔ صوفیانہ اور اخلاقی ڈسکورس کوئی علمی پوزیشن لینے کے لیے بنیاد بن ہی نہیں سکتا، البتہ اس سے کسی علمی پوزیشن میں اعتدال لانے کے لیے ضرور مدد لی جانی چاہیے۔

یہ صوفیانہ ڈسکورس ہی کے فضائل و برکات ہیں کہ آج اکثر کو صحیح بخاری کی اس مستند ترین روایت کا علم نہیں ہے کہ بڑے گھر اور کھلے مکان کو رسول اللہ ﷺ نے ایک نعمت اور فضل قرار دیا لیکن یہ ضعیف روایت سب کو حفظ ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی کے "چوبارہ" بنانے کو اتنا ناپسند فرمایا کہ انہوں نے اسے گرا دیا تھا۔ ایک اور اعتبار سے بھی عرض کر دوں کہ یہ امت اپنی اجتماعی حیثیت میں گناہ گار ہے، لہذا اسے چلانے کے لیے گناہ گار مفتی زیادہ کارآمد ہیں، بنسبت متقی صوفیوں کے۔ مزید تفصیل اگر اللہ نے چاہا تو کسی تفصیلی ریسرچ آرٹیکل میں عرض کر دوں گا۔

بھائی، انصاری مکتب فکر کے سارے وابستگان مجھ سے بہت اچھے، بہت ہی نیک، بہت ہی دین کا سچا درد رکھنے والے ہیں۔ میں ان میں سے اکثر سے ملا ہوں اور انہیں نیک، تقوی اور دینی غیرت میں اپنے سے بہت بڑھ کر پایا ہے لیکن فکری اختلاف جہاں محسوس ہوا تو اس کا اظہار کر دیا۔ اس اختلاف کے اظہار سے پہلے ان کی جو قدر اور احترام دل میں تھا، اختلاف کے بعد بھی وہی ویسے ہی موجود ہے

اسلام اور ٹیکنالوجی

ٹیکنالوجی کے مضر اثرات سے انکار نہیں ہے لیکن ٹیکنالوجی کو معاشرے کے لیے زہر ثابت کرنے کے لیے جس طرح کا استدلال کیا جا رہا ہے، وہ بھی ایک لطیفے سے کم نہیں ہے۔ ذرا سا غور کریں تو ٹیکنالوجی پر کی جانے والی اس معاصر نقد کا حکیمانہ پن، بازاری پن محسوس ہونے لگتا ہے۔

"انصاری" مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے ایک فاضل بزرگ نے ٹیکنالوجی کے رد میں یہ مثال بیان فرمائی کہ بائیک کو ہی دیکھ لو۔ جس طرح بائیک پر دو افراد بیٹھے ہوتے ہیں یعنی آگے پیچھے، اگر یہ بائیک کے بغیر اس حالت میں بیٹھے ہوں تو تمہارے ذہن میں کیا خیال آئے گا؟ تو بھئی برا ہی خیال

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آئے گا، اچھا خیال کیا آئے گا۔ تو یہ ہے ماڈرن سواری کی نحوست! اب بھی افسوس ہوتا ہے ان علماء پر جو ٹیکنالوجی کو "ویلیو نیوٹرل" سمجھتے ہیں۔ پھر اس مکتب فکر سے وابستگاں کا خود کون سا ایک منہج پر اتفاق ہے۔ ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب تو فیس بک پر گاہے بگاہے اس اختلاف کا تذکرہ کرتے ہی رہتے ہیں، ڈاکٹر محمد علی جنید صاحب نے بھی "فلسفہ مغرب کی تفہیم جدید" کی تقریظ میں اس مکتب فکر کی متنوع شاخوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔[1]

یہ مثال سن کر میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ "اسلامی سواری" اونٹ پر جب رسول اللہ ﷺ کے دور میں دو لوگ بیٹھتے تھے تو کیسے بیٹھتے تھے؟ اب بتلائیں کیا آپ کی اسلامی سواری "ویلیو نیوٹرل" ہے۔ بھئی، ٹیکنالوجی پر ضرور تنقید کریں، اس تنقید میں ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں، بس مبالغہ تھوڑا کم کر لیں۔ ہم بحیثیت مسلمان جن المیوں سے دوچار ہیں تو ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ہمارے زاویہ ہائے نگاہ یعنی چیزوں کو دیکھنے کے اینگلز خراب ہو چکے ہیں، اس بات کو ایک مثال سے سمجھیں۔ ایک اسٹوڈنٹ نے کہا کہ سر! دیکھیں کہ "کوکا کولا" کی بوتل کو الٹا کریں تو جو انگریزی میں "کوکا کولا" کے الفاظ لکھے ہیں، یہ "لا مکه لا محمد" بن جاتا ہے۔ تو بھئی، سوال یہ ہے کہ تمہیں کہا کس نے ہے کہ تم اسے الٹا دیکھو۔ بنانے والے نے اسے سیدھا بنایا ہے، بس سیدھی طرح دیکھو۔ ہمیں ہر چیز کو الٹا دیکھنے کی عادت ہی کیوں پڑ گئی ہے؟ الٹا دیکھنے سے تو کچھ بھی کچھ بن جائے گا۔

قرآن مجید ہی کے حروف کو ذرہ الٹا کر کے دیکھ لو تو نتیجہ معلوم ہو جائے گا۔ اور تمہیں یہ بھی بتلاتا چلوں کہ بدترین جادو قرآن مجید کے حروف کو الٹا کرنے سے ہی پیدا کیا جاتا ہے۔ یقین نہ آئے تو کسی اچھے جادوگر سے پوچھ لو۔ ٹیکنالوجی پر رد سے انکار نہیں ہے لیکن اعتدال کی بہت ضرورت ہے کہ بہت زیادہ مبالغہ آرائی سے بات بگڑتی چلی جا رہی ہے۔

[1] ایک منفی رویہ جو اس مکتب فکر سے وابستہ بعض حضرات میں بھی ہے اور باسط بلال کوشل صاحب اور ان کے بعض مریدوں میں تو بہت زیادہ دیکھا گیا ہے کہ لوگوں کی تحقیر اور تذلیل کہ آپ نے پڑھا کیا ہے؟ یا آپ کو پتہ کیا ہے؟ آپ نے فلاں کو پڑھا ہے؟ آپ نے فلاں کتاب دیکھی ہے؟ کبھی کبھی تو دل کرتا ہے کہ ان دونوں مکاتب فکر کے ان ریسلرز کو میز پر آمنے سامنے بٹھا دیا جائے تا کہ بقیہ جہلاء کے علم میں اضافہ ہو سکے کہ ان میں سے زیادہ "پڑھاکو" کون ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کیا فیس بک آلہ تبلیغ ہے؟

جدید ذرائع اور وسائل (modern techniques and tools of communications) کو تبلیغ کا ذریعہ بنانے کے بارے ہمیشہ اختلاف رہا ہے۔ امت کی اکثریت اس کی قائل رہی ہے کہ جدید ذرائع ابلاغ کو دعوتی اور تبلیغی سرگرمیوں کے لیے استعمال کیا جائے جبکہ امت کا ایک طبقہ ہر دور میں کسی نہ کسی پہلو سے اس رویے پر تنقید کرتا رہا ہے۔ یہ بحث لاؤڈ اسپیکر سے شروع ہوئی، پھر تصویر، کیمرہ، ٹیلی ویژن سے ہوتی ہوئی فیس بک تک بھی پہنچ چکی ہے۔

"انصاری" مکتب فکر کی سوچ کا خلاصہ یہ ہے کہ چونکہ یہ ذرائع ابلاغ مغربی فکر و فلسفہ کی پیداوار ہیں لہذا ان سے کسی بھی قسم کی خیر کی توقع رکھنا عبث اور بے کار ہے، یہ شر محض ہیں۔ ہمیں اس بحث میں ابھی نہیں جانا کہ یہ ذرائع ابلاغ مغربی فکر و فلسفہ کی پیداوار ہیں یا انسانی جبلتوں اور ضرورتوں کے تقاضوں کے نتائج تھے۔ ہمیں اس وقت صرف ان وسائل ابلاغ کے ذرائع تبلیغ ہونے کے امکانات پر بحث کرنی ہے۔

دیکھیں، ہمیں اس سے انکار نہیں ہے کہ فیس بک کے استعمال کے بہت نقصانات ہیں اور جو لوگ ہماری ٹائم لائن کو روزانہ وزٹ کرتے ہیں تو انہیں اس بارے کچھ نہ کچھ پڑھنے کو ملتا ہی رہتا ہے۔ لیکن یہی تمام نقصانات علماء ٹیلی ویژن میں بھی گنواتے رہے اور اس سے بہت پہلے لاؤڈ اسپیکر میں بھی۔ بھئی، سادہ سی بات ہے کہ لاؤڈ اسپیکر لگا کر آپ پورے محلے میں اپنی تقریر کی آواز کیوں پہنچانا چاہتے ہیں؟ یہ ریاکاری نہ بھی ہو تو اس کی بنیاد تو اس کے استعمال سے پڑ ہی جاتی ہے۔

علماء کی اکثریت کا ہمیشہ سے یہ موقف رہا ہے کہ جدید ٹیکنالوجی میں استعمال ہونے والے ذرائع ابلاغ "ویلیو نیوٹرل" ہیں۔ "ویلیو نیوٹرل" کا آسان سا مطلب یہ ہے کہ آپ اس کو مثبت استعمال کر لیں تو اس میں خیر ہے اور منفی استعمال کر لیں تو اس میں شر ہے۔ اب یہاں ایک لایعنی بحث یہ چھیڑ دی جاتی ہے کہ یہ ذرائع ابلاغ "ویلیو نیوٹرل" کیسے ہو سکتے ہیں جبکہ ان کے بنانے والوں کے مقاصد منفی تھے؟ تو بھئی جس نے "تلوار" بنائی تھی تو کیا اس کا مقصد بہت نیک تھا؟ ظاہری بات ہے کہ قتل کرنے کے لیے ہی بنائی تھی۔ آپ نے اس کا استعمال مثبت کر لیا تو ٹھیک ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر ایک بحث یہ کی جاتی ہے کہ اگر کسی چیز کا غالب استعمال شر کے لیے ہو جائے تو اسے خیر کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ تو کلاشنکوف اور مشین گن سے لے کر میزائل اور جنگی جہازوں تک بلکہ تمام آلات جنگ وجدال کا غالب استعمال دنیا میں شر کے لیے ہو رہا ہے یا خیر کے لیے؟ تو سب کو آگ لگا دیں کیا؟ مجھے "انصاری" مکتب فکر کی کچھ باتوں سے اتفاق ہے کہ تنقید ہمیشہ سو فی صد غلط نہیں ہوتی لیکن مجھے جس بات پر غصہ آتا ہے، وہ یہ کہ اس مکتب فکر نے بہت ہی سطحی ذہن اور ردی دلیلوں کے ساتھ ٹیکنالوجی کے رد میں ایک موقف اپنانے اور پھیلانے کا فریضہ اپنے سر اٹھا رکھا ہے۔ چلیں، یہ اپنا موقف ایک رائے کے طور بیان کرتے رہتے تو بھی غنیمت تھی لیکن اب تو اپنی رائے میں قطعیت اس قدر غالب ہے کہ انہیں فریق مخالف باقاعدہ گناہ گار نظر آنے لگا ہے۔

پھر یہ ہے کہ تبلیغ صرف خیر کو پھیلانے کا نام نہیں ہے بلکہ شر کی روک تھام بھی تبلیغ میں شامل ہے۔ تو تبلیغ کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آپ لوگوں کو دین پر لائیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ آپ لوگوں کو دین سے دور جانے سے روکیں۔ پہلی صورت میں آپ لوگوں کو مسلمان کریں گے اور دوسری صورت میں الحاد اور فتنوں کی طرف جانے سے روکنے کا سبب بن جائیں گے۔ دوسری قسم کی تبلیغ ان جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ہی سے ممکن ہے۔ ایک شخص فیس بک پر بیٹھ کر الحاد کے فتنے کا شکار ہوا اور ہم اسے مسجد میں بیٹھ کر اس فتنے سے بچانا چاہتے ہیں؟

تو چلیں ٹیلی ویژن کو اس معنی میں آلہ تبلیغ نہ بھی مانیں کہ اس سے کوئی خیر پھیلے گا، اگرچہ بہت خیر پھیلتا ہے، لیکن اس معنی میں ٹیلی ویژن کو آلہ تبلیغ مانے بغیر چارہ نہیں ہے کہ اسے شر کا مقابلہ کر کے اس کے اثر کو کم کرنے کے لیے ایک ذریعے کے طور استعمال کر لیا جائے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک، ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا طارق جمیل صاحب وغیرہ کے ویڈیو بیانات سے خیر کے پھیلنے کا انکار کوئی ایسا شخص ہی کرے گا جو ضدی اور ہٹ دھرم ہو۔

باقی یہ بات درست ہے کہ لاؤڈ اسپیکر پر کھڑے جاہل مولوی، چینل پر آنے والے اکثر مداری اور فیس بک کے اکثر لکھاری ان ذرائع ابلاغ کے ذریعے دین کے نام پر خیر سے زیادہ شر پھیلا رہے ہیں، اپنے نفس میں بھی اور ارد گرد کے ماحول میں بھی۔ لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ ان

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تمام ذرائع ابلاغ کو شر محض ہی قرار دے دیا جائے اور یہ دعوی کیا جائے کہ تبلیغ کا ایک ہی طریقہ مسنون ہے کہ ذاتی ملاقات کی جائے تو پھر ہی کوئی اثر ہو گا۔ جن لوگوں کو فیس بک کے استعمال سے کوئی خیر پہنچا ہو تو وہ ضرور کمنٹس میں اپنی رائے کا اظہار کریں۔

باقی میں فیس بک کے مفاسد کا انکار نہیں کرتا، لیکن یہ مفاسد کہاں نہیں ہیں، مصلے پر بیٹھ جاؤ گے تو وہاں بھی ہیں، یہی وجہ ہے کہ تبلیغ والے جب مسجد سے گشت کے لیے نکلتے ہیں تو ان مفاسد سے بچنے کے لیے ہدایات جاری کرتے ہیں کہ بد نظری نہیں کرنی، دعوت دیتے وقت اگر کوئی الجھے تو اس سے بحث مباحثہ نہیں کرنا، صرف ایک بھائی نے گفتگو کرنی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو مفاسد تو لائیو میں بھی ہیں لہذا اصل چیز تربیت ہے۔ بس لوگوں کی تربیت کریں کہ وہ ان ذرائع کے استعمال میں ان کے نقصانات سے بچ سکیں۔

مثلاً یہ کہ کبھی دو چار دن کے لیے فیس بک چھوڑ دیں اور یہ بہت ضروری ہے بلکہ فرض ہے۔ کبھی کوئی پوسٹ شیئر کر کے اب اگلے دن ہی اس کو دیکھیں، کبھی دو دن تک نوٹیفکیشن نہ دیکھیں، کبھی ایک دو دن انباکس میسنجر نہ دیکھیں، کبھی ایک دو دن لائکس اور شیئرز کی طرف توجہ نہ دیں جو آپ کی پوسٹ کو ملیں اور یہ کام وقفے وقفے سے کرتے رہیں گے تو ہی اس کے نقصانات سے بچ پائیں گے۔ اور کبھی دو نفل اس مقصد سے پڑھ لیں کہ اللہ عزوجل اس کے نقصانات سے بچائے، وغیرہ وغیرہ۔

دینی صحافت کا ایک بہترین مجلہ

"معارف فیچر" ایک پندرہ روزہ مجلہ ہے جو کہ اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی کے تحت شائع ہوتا ہے۔ دینی صحافت سے متعلق چھوٹے بڑے بہت سے اخبارات، رسائل اور جرائد نظر سے گزرتے رہتے ہیں اور عموماً یہ شکایت پائی جاتی ہے کہ مذہبی اور دینی طبقات کی صحافیانہ تحریروں کا معیار پیشہ ورانہ معیارات سے پست ہوتا ہے۔

لیکن مجھے معارف فیچر نے کبھی بھی یہ احساس پیدا نہیں ہونے دیا۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہے کہ معارف فیچر کا تخصص یہ بھی ہے کہ وہ مغربی صحافت میں سے اس لٹریچر کو اردو میں ترجمہ کر کے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شائع کرتے رہتے ہیں کہ جس سے اسلامی معاشروں اور اسلامی تحریکوں کو تقویت اور اسپورٹ حاصل ہوتی ہو۔اور مغرب کا سوچ اور تحقیق کا معیار ہم سے بہت بلند ہے،اس میں کوئی شک نہیں ہے۔بہر حال معارف فیچر کی ویب سائیٹ کا لنک نیچے شیئر کر رہا ہوں۔

معارف فیچر کے تازہ شمارے میں معروف امریکی دانشور "نوم چومسکی" کے حالیہ انٹرویو کا ترجمہ شائع ہوا ہے کہ جس میں انہوں نے نو منتخب امریکی صدر ٹرمپ کے بعد وجود میں آنے والے نئے امریکہ، یورپ اور نئی دنیا کی تصویر کشی کی ہے۔دینی مدارس کے وہ طلبہ جو صحافت کے میدان میں کچھ دینی کام کرنا چاہتے ہیں تو انہیں اس پندرہ روزہ مجلے کے مطالعے کو اپنے لیے فرض سمجھ لینا چاہیے۔ اگر آپ اپنا فکری لیول بڑھانا چاہتے ہیں یا اپنی سوچ کو عالمی کرنا چاہتے ہیں تو اس مجلے کا معیار بہت اچھا ہے۔اسے سبسکرائب کر لیں۔[1]

درود ابراہیمی: امت کے حق میں بہترین دعا

دوست کا سوال ہے کہ امت مسلمہ آج کل جن مشکلات، آزمائشوں اور حادثات سے دوچار ہے تو دل کرتا ہے کہ انسان ہر وقت اس امت کے حق میں دعا گو رہے لیکن بہت سوچ بچار کی کہ کوئی ایسی دعا مل جائے جو مسنون بھی ہو اور اس کا موضوع امت مسلمہ ہو لیکن تلاش بسیار کے باوجود کوئی ایسی دعا نہ مل سکی، نہ قرآن مجید میں اور نہ ہی سنت میں۔آپ کسی ایسی دعا کی طرف رہنمائی فرمادیں کہ جو امت کے حق میں ہو کہ میں اسے اپنی صبح و شام کا ذکر بنانا چاہتا ہوں تاکہ دردِ دل کو کچھ سکون ملے۔کرنے کو تو انسان اپنے الفاظ میں بھی دعا کر سکتا ہے لیکن مسنون الفاظ سے قلب کو تسکین زیادہ ملتی ہے۔

اس امت کے حق میں رسول اللہ ﷺ سے ایک بہت ہی بہترین دعا منقول ہے۔اور ان شاء اللہ، ایسی دعا ہے کہ اگر اس کو ذکر بنالیں گے تو نہ صرف بے چین اور مضطر دل کو قرار آجائے گا بلکہ رسول اللہ ﷺ سے ایک نسبت بھی حاصل ہو جائے گی۔میرے علم میں امت کے حق میں اس سے بہتر کوئی دعا موجود نہیں ہے۔اور یہ دعا درود ابراہیمی ہے۔ صحیح تر قول کے مطابق اس درود میں

[1] http://irak.pk/an-interview-with-noam-chomsky/

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"آل محمد" سے مراد امت مسلمہ ہے۔

پس اس درود میں محمد ﷺ پر رحمتیں اور برکتیں نازل کرنے کی دعا کی گئی ہے اور ساتھ ہی آل محمد ﷺ پر بھی رحمتیں اور برکتیں نازل کرنے کی دعا ہے۔ پس اس دعا کے پہلے حصے کی قبولیت تو یقینی ہے اور اس کی برکت سے دوسرے حصے کی قبولیت بھی یقینی ہے، ان شاء اللہ۔ اور اس دعا کے نتیجے میں خود دعا کرنے والے امتی پر رحمتوں اور برکتوں کے نزول کی بھی حدیث میں بشارت ہے۔

بس امت کے لیے دعا کرنی ہے تو درود ابراہیمی کو اپنا ورد بنالیں کہ دعا کا مسنون طریقہ بھی یہی ہے کہ اس میں اللہ کی حمد وثنا بھی ہو اور رسول اللہ ﷺ پر درود بھی ہو اور اس دعا میں یہ سب بھی موجود ہے:

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا صَلَّيْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ، اللَّهُمَّ بَارِكْ عَلَى مُحَمَّدٍ، وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، كَمَا بَارَكْتَ عَلَى إِبْرَاهِيمَ، وَعَلَى آلِ إِبْرَاهِيمَ، إِنَّكَ حَمِيدٌ مَجِيدٌ۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب شانزدھم

طنز و مزاح

اس باب میں طنز و مزاح (Humor and Kidding) سے متعلق بنیادی سوالات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہنسنا منع ہے!

دوست کا کہنا ہے کہ آپ نے اپنی نئی کتاب "مکالمہ" کا انتساب اپنی اہلیہ محترمہ کے نام کیا ہے اور بہت خوب سے ان کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے کہ "اہلیہ محترمہ کے نام؛ کہ میں آج جو کچھ بھی ہوں، بلاشبہ اس کے ظاہری اسباب میں سے ایک بہت بڑا سبب وہ بھی ہیں۔" دوست کا سوال ہے کہ میرے کچھ بن جانے میں میری اہلیہ کا کردار کس طرح سے اتنا اہم رہا ہے، اسے ذرا مثال سے واضح کر دوں تاکہ وہ بھی اپنی پرسنیلیٹی ڈویلپمنٹ میں اپنی اہلیہ محترمہ کے کردار سے فائدہ اٹھا سکیں۔

دیکھیں بھئی، مثال تو بالکل سامنے کی ہے اور حال ہی کی ہے۔ اس ویک۔اینڈ پر مری، ایوبیہ وغیرہ کی طرف جانا ہوا، فیملی ٹرپ تھا، رات کے اندھیرے میں ٹھوکر لگی، بازو کے زور پر سیدھا زمین پر گرا، درد تو بہت ہوئی لیکن زیادہ اظہار نہ کیا کہ اہلیہ محترمہ کہیں گی کہ کام سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔ اہلیہ محترمہ سے چوٹ کا ذکر کیا تو کہنے لگی کوئی بات نہیں معمولی چوٹیں لگ جاتی ہیں لیکن اس کے لیے اب کام تو نہیں چھوڑے جا سکتے۔

بس اس ڈر سے کہ ابھی یہ سننے کو ملے گا کہ مرد ہو کر بھی کم ہمت اور سخت سست واقع ہوا ہوں، درد کو بھلایا، بچے کو گود میں اٹھایا اور صبح صبح ٹریکنگ کے لیے نکل کھڑے ہوئے، وہ تھک گئیں تو واپس آ گئے۔ لیکن درد تھا کہ جانے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ خیر، شام کو پھر پروگرام بنایا، ایوبیہ نیشنل پارک، ایک کلو میٹر پہاڑ کی چڑھائی، بچہ گود میں اٹھایا اور پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے، راستے میں کئی خیر خواہ ملے کہ بچے کو گود میں اٹھا کر جانا بہت مشکل ہے لیکن پروانہ کی، اس ڈر سے کہ یہ سننے کو ملے گا کہ مردوں کو کم ہمتی سوٹ نہیں کرتی۔ پہاڑ کی چوٹی پر کچھ فوٹو لیے اور واپسی پر فرمانے لگیں کہ صرف اپنے فوٹو کھچوانے کے شوق میں تم نے مجھے اتنا تھکا دیا۔

خیر بعد میں معلوم ہوا کہ فیملی کے کچھ مرد حضرات تو پہاڑ کی چوٹی کے اس ہیبت ناک سفر کا سن کر اوپر تشریف ہی نہیں لے گئے، اور کچھ آدھے رستے سے واپس ہو گئے تھے۔ واپس آئے تو اگلے دن پھر ٹریکنگ پر نکل گئے، لیکن بازو کی درد تھی کہ جا ہی نہیں رہی تھی، ایوبیہ سے لاہور تک کا سفر،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ہاتھ سے ڈرائیونگ کی۔ واپسی پر ایسے ہی ایکسرے کروانے چلا گیا، ڈاکٹر نے بتلایا کہ بازو فریکچر ہے، ہسپتال سے پلستر کروایا، ڈاکٹر نے پوچھا کہ واپس کیسے جاؤ گے، میں نے کہا کہ ڈرائیو کر کے۔

ڈاکٹر نے کہا کہ ایک ہاتھ سے تو ڈرائیونگ ممکن نہیں ہے، کیا آٹومیٹک گاڑی ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں مینوئل ہے اور میں تو گھر سے اکیلا ڈرائیو کر کے ہی آیا ہوں، اس کی آنکھیں کھلی رہ گئیں، پھر میں نے بتلانا مناسب نہیں سمجھا کہ ایوبیہ سے لاہور تک اسی حالت میں ایک ہاتھ سے ڈرائیو کی ہے کہ اس کی آنکھیں باہر ہی نہ آ جائیں۔ یہ سوچ کر اہلیہ محترمہ کو فون لگایا کہ دو ہفتے کاموں سے چھٹی مل جائے گی کہ ڈاکٹر صاحب کہہ رہے ہیں کہ فریکچر ہے اور پلستر بھی کر دیا ہے۔ تو جواب میں کہنے لگیں، ہاں! کوئی خراش آ گئی ہو گی، کوئی بات نہیں، کام تو اب کرنے ہیں ناں۔

اہلیہ محترمہ کا خیال ہے کہ مرد کسی بھی حال میں کچھ بھی کر سکتے ہیں بلکہ انہیں کرنا چاہیے کیونکہ وہ مرد ہیں۔ شادی کے شروع دنوں میں ایک مرتبہ مجھ سے کہا کہ گاڑی ڈرائیو کرو۔ میں بائیک چلاتا تھا، گاڑی چلانا سیکھی نہیں تھی۔ کہنے لگیں کہ مردوں کو سیکھنے کی کیا ضرورت ہے، دو چار مرتبہ سڑک پر نکالو گے تو آ جائے گی۔ پس ایک شادی میں شرکت کے لیے گاڑی سڑک پر نکالی اور گرین بیلٹ پر چڑھا دی۔ کچھ راہ گیر حیران ہوئے کہ یہاں گاڑی کیسے چڑھا لی لیکن بہر حال وہ پر سکون تھیں کہ کچھ نہیں ہوا، ایسا تو ہوتا ہی رہتا ہے۔ اور پھر شادی کی تقریب میں ڈرائیو کر کے ہی لے کر گیا۔ اللہ کا شکر ہے کہ ان کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا کہ میں جہاز بھی اڑا سکتا ہوں، اور جس دن آ گیا تو بس یہی کہیں گی کہ یو۔ ٹیوب سے اڑانے کا طریقہ دو چار مرتبہ دیکھ لو، مردوں کو اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اہلیہ محترمہ ایک پرائیویٹ اسکول میں پرنسپل ہیں، سب ان کو میڈیم کہتے ہیں، میرے لیے بھی وہ میڈم ہی ہیں۔ اسکول میں ان کے پاس 230 بچے ہیں لیکن میری نظر میں وہ 300 ہیں کہ جن میں سے 70 کے قریب تو ان بچوں کی مائیں ہیں جو ان کے زیر تربیت ہیں۔ ان کی ہمیشہ خواہش ہوتی ہے کہ میں "کام" کروں اور میں جب یہ کہتا ہوں کہ وہ تو میں کرتا ہوں کہ "ملازمت" کرتا ہوں، تو ان کا خیال ہے کہ یہ کام نہیں ہے۔ میں جب کہتا ہوں کہ کتابیں اور ریسرچ آرٹیکلز لکھتا ہوں، فیس بک پر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لوگوں کی رہنمائی کرتا ہوں تو یہ ان کے خیال میں "ذہنی عیاشی" ہے جو میں کرتا ہوں۔ اور آج کل یہ عیاشی ایک ہاتھ سے کر رہا ہوں۔ ان کے نزدیک "کام" تو یہ ہے کہ بچے کو گود میں اٹھالیا، بچے کو کھانا کھلا دیا، پیمپر تبدیل کروا دیا وغیرہ وغیرہ

میں نے جب جب "امام" بننے کی کوشش کی ہے تو انہوں نے مجھے "بندے کا پتر" بنایا۔ اور جب جب میں نے اپنے آپ کو "بزرگ" سمجھنا چاہا تو انہوں نے ریئلائز کروایا کہ میں ایک "عام انسان" ہوں، بہت ہی گیا گزرا سا۔ دوران سفر صوفیوں کے بارے بحث چھڑ گئی کہ انہیں تو ہر چیز نظر آتی ہے سوائے خدا کے۔ میں نے کہا کہ میں نے تو خدا کو بھی خواب میں دیکھا ہے اور خدا سے مکالمہ بھی کیا ہے اور ساتھ ہی خدا کو دیکھنے اور نہ دیکھنے کے بارے میں علمی بحث شروع کر دی اور جیسے ہی اپنا خواب سنانے کا آغاز کیا تو فرمانے لگی کہ توجہ سے ڈرائیونگ کرو، پہاڑی رستہ ہے، کہیں ایکسیڈنٹ نہ کر دینا۔ اور یہ خواب واب بیان کرنا ابھی رہنے دو۔

ایک مرتبہ فرمانے لگیں کہ تمہاری فیس بک ٹائم لائن دیکھی ہے۔ میں بڑا خوش ہوا کہ اب تو مجھ سے متاثر ہو گئی ہوں گی۔ میں نے پوچھا کہ اچھا لکھتا ہوں؟ کہنے لگی بات یہ ہے کہ جو فلسفے تم بکھارتے ہو، وہ سب سوچ سکتے ہیں۔ اب اصل چیز تو سوچنا ہے، اور وہ سب کر رہے ہیں، باقی تم نے لکھنا سیکھ لیا ہے، ٹھیک ہے۔ بارہ سال سے متاثر کرنے کی کوشش میں ہوں لیکن مجال ہے کہ کبھی متاثر کر پایا ہوں بالکل انہی "حضرت" صاحب کی طرح کہ جن کی ساری دنیا معتقد تھی لیکن بیوی انہیں کچھ نہیں مانتی تھی۔

ایک دن وہ "بزرگ" گھر میں تشریف لائے تو بیگم صاحبہ نے کہا کہ تم بھی کیا بزرگ بنے پھرتے ہو، بزرگ تو وہ ہے جو آج میں نے دیکھا ہے۔ انہوں نے بیگم سے پوچھا کہ آپ نے کیا دیکھا ہے؟ بیگم نے کہا کہ ایک بزرگ ہوا میں اڑ رہے تھے۔ تو وہ چیخ پڑے کہ وہ میں ہی تھا، وہ میں ہی تھا۔ تو بیگم فوراً بولی، اچھا... تو میں بھی کہوں کہ یہ ٹیڑھا میڑھا کیوں اڑ رہا تھا۔ تو بھائی اگر مجھ سے دوگنا پروڈکٹو بننا ہے تو اللہ سے دعا کرو کہ تمہیں ایسی دو دو بیویاں عطا فرمائے۔[1]

[1] اس تحریر کے بارے یہ سوچا تھا کہ اسے تزکیہ نفس کے باب کا حصہ بنایا جائے لیکن اس کے ظاہری الفاظ میں طنز و مزاح کا پہلو غالب تھا لہذا اسے طنز ومزاح کے باب کا حصہ بنا دیا گیا۔ اس کتاب میں بہت سی تحریریں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مثبت اور منفی ذہن

صبح اپنے گھر کے تالے کی چابی غلطی سے آفس کے دروازے میں لگا دی تو تالا فوراً کھل گیا، دوبارہ اور تیسری مرتبہ کا تجربہ بھی کامیاب رہا۔ اب منفی ذہن تنقید کرے گا کہ پاکستان میں تالے معیاری نہیں ہیں بلکہ کچھ بھی معیاری نہیں ہے۔ جبکہ مثبت ذہن یہ سوچے گا کہ پاکستان میں چابیاں کتنی اعلیٰ کوالٹی کی تیار ہوتی ہیں۔ ہر وقت منفی نہ سوچا کریں، کبھی مثبت بھی سوچ لیا کریں، یہ کرپٹ معاشرہ آپ کو نیک لگنے لگے گا۔

فراغت کا فتنہ

نوجوان کا کہنا ہے کہ جوان ہوں، اوپر سے فراغت بھی ہے، فرصت کے لمحات اچھے گزارنے کے لیے یا غلط غم کے لیے انٹرنیٹ پر بیٹھتا ہوں، تو معلوم نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جاتا ہوں۔ کچھ رہنمائی فرمائیں کہ انٹرنیٹ پر وقت اچھا گزر جائے اور بامقصد بھی ہو جائے اور کوئی وعظ بھی سننا نہ پڑے۔

جواب: بھئی، پاک رشتہ جیسی ویب سائیٹ آپ ہی کے لیے بنائی گئی ہیں۔ شادی شدہ ہیں یا غیر شادی شدہ، انٹرنیٹ پر اگر اس طرح وقت گزارنا چاہتے ہیں کہ وقت بامقصد بھی بن جائے اور گناہ بھی نہ ہو اور دل ودماغ کی دلچسپی بھی برقرار رہے، تو یہ سب کچھ کا ایک ہی پیکج ہے، اور وہ رشتے کروانے والی سائیٹس ہیں۔ فراغت کا بہترین حل شادی ہے۔ ایک کے بعد بھی فارغ ہیں تو پھر دوسری کر لیں۔ اس سے زیادہ پروڈکٹو کام کوئی نہیں ہے۔

خواتین اور چوہے

کیا ساری دنیا کی خواتین چوہوں سے ڈرتی ہیں؟ اگر واقعی میں ایسا ہے تو اس بات میں غور کرنے والوں کے لیے بہت کچھ موجود ہے، مثلاً یہی کہ ڈراتے انہیں چوہے ہیں اور اپنا حریف مردوں کو

ایسی ہیں کہ جو ایک سے زائد ابواب کے تحت آ سکتی تھیں اور ان کا کئی ایک ابواب کے عناوین سے تعلق بنتا ہے لیکن انہیں کسی ایک باب کے تحت کسی حکمت سے رکھا گیا ہے۔ انہی تحریروں کو اگر کسی۔ اور باب کے عنوان کی نسبت سے پڑھا جائے گا تو ان کا تاثر اور ان سے نکلنے والے نتائج مختلف ہوں گے اور یہ سب اختلاف تنوع کا ہو گا جو کہ تحریر میں مزید خوبصورتی پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثابت کرنے پر تلی ہیں، حقوق نسواں(women rights)والی بہنیں مخاطب ہیں!

اپنے اصل دشمن کو پہچانو کہ جسے دیکھتے ہی تمہاری چیخیں نکل جاتی ہیں۔ تمہیں غلط رستے پر لگا دیا گیا، تمہیں تو "ماؤس کلرز" بننا تھا۔ اگر نہیں بن سکتی تو بھی کوئی بات نہیں لیکن یہ ضرور یاد رکھو کہ مرد اس پوسٹ کے لیے بہترین کنڈیڈیٹ ہے، اسے اپنا دشمن سمجھنے کی غلط فہمی سے باہر نکلو اور پدرانہ نظام(patriarchy) کی بجائے چوہوں کے خلاف جدوجہد کو اپنا ہدف اول بناؤ۔

نوٹ: پدرانہ نظام(patriarchy) سے مراد وہ سوسائٹی ہے کہ جہاں مرد گھر کا بڑا سمجھا جاتا ہے۔ حقوق نسواں کی عالمی تحریک کا ایک بنیادی مقصد ایسے معاشروں کا احیاء بھی ہے کہ جہاں گھر میں مرد کی بڑائی ختم ہو جائے لیکن بی بیو! اس کے لیے پہلے چوہے مارنے کی ہمت پیدا کرنی ہو گی ورنہ تو مرد کی بڑائی تسلیم شدہ رہے گی۔

کیا جنت میں حوریں ملیں گے؟

دوست کا سوال ہے کہ کیا جنت میں ہمیں حوریں ملیں گی؟ میں نے کہا کہ خیریت ہے کہ حوروں کے ملنے میں کیا شبہ پیدا ہو گیا؟ کہنے لگے کہ قاری حنیف ڈار صاحب کہتے ہیں کہ جنت میں حوریں نہیں ملیں گی بلکہ یہی دنیا کی بیوی ہے کہ جسے قرآن وسنت میں حور کہا گیا ہے، اور یہی ملے گی، آپ ان کا رد کریں۔ میں نے کہا: حوروں کے انکار کی یہ سزا کیا کم ہے جو انہیں ملے گی، اب مزید بھی کسی رد کی ضرورت ہے کیا؟

بیویاں

بیویاں، سب ایک جیسی ہوتی ہیں، بس تھوڑا سا فرق ہوتا ہے، رنگت کا۔ اب تو وہ بھی رنگ گورا کرنے والی کریموں کی برکت سے ختم ہوتا جا رہا ہے۔ سب کو ٹٹول کر دیکھ لیں، ایک ہی خواہش رکھتی ہیں کہ کسی طرح اپنے شوہر کی دوسری شادی کروا دیں، تاکہ اس کے دل میں ان کی قدر پیدا ہو، یا اس سے انتقام لے سکیں۔ ویسے یہ قدر کروانے اور انتقام لینے کا انوکھا طریقہ ہے جو ہر دوسری بیوی کو سوجھتا ہے۔ اور اب بھی ان کا خیال ہے کہ یہ بہت سمجھدار ہوتی ہیں، چلیں، ہوتی ہوں گی، ہمیں کیا۔ دوسری کے بعد پہلی کی قدر کا تو ہمیں علم نہیں، لیکن شوہر جب آفس جانے کے لیے گھر سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باہر نکلتا ہے تو آواز آتی ہے، اجی! آج کیا پکانا ہے؟ لڑائی کے بعد صلح کی کوشش کرتا ہے تو اصرار ہوتا ہے کہ آپ مانیں غلطی آپ کی تھی۔ ایک دوسرے کو سمجھنے سمجھانے کی بات آتی ہے تو ایک ہی جیسا وعظ سننے کو ملتا ہے کہ عورت کو اپنے شوہر سے محبت، عزت اور احترام چاہیے۔ کسی بات پر ناراضگی کا اظہار کرنا ہو تو بھی جملے ایک جیسے ہی ہیں، ہاں! ہاں! دوسری لے آئیں، تو آپ کو میری قدر آئے گی بلکہ میں تو سوچ رہی ہوں کہ آپ کی ایک اور شادی کروا ہی دوں۔

آج صبح صبح "ازدوجیات" کے نام سے ایک گروپ دیکھنے کا اتفاق ملا کہ کسی نے مجھے بھی اس میں "غلطی" سے ایڈ کر دیا تھا۔ اس گروپ کا مقصد شاید دوسری شادی کے بارے "شوہروں اور بیویوں" کے احساسات وجذبات کی ترجمانی کرنا ہے۔ بہر حال مقصد جو بھی ہو، آج کی پوسٹ کی یہ دو چار سطریں دوسری شادی کے خواہش مند ان "لڑکوں اور لڑکیوں" کے نام جو ایک شادی کرنے کے بعد بھی اپنی سوچوں اور احساسات میں "کنوارے" ہی ہیں۔

یہ بات تو مزاح میں ہوئی اور سنجیدہ بات یہ ہے کہ اگر پہلی کو دل سے مصیبت سمجھتے ہو تو دوسری بھی مصیبت ہی ہو گی، وہ اسی کا ورژن ہے، اپ ڈیٹڈ بھی نہیں بلکہ سیم ٹو سیم۔ اور اگر پہلی کو رحمت سمجھتے ہو تو پھر یہ اللہ کی رحمت ہے بھئی، جتنی مرضی سمیٹ لو۔ تو مسئلہ تمہاری سوچ کا ہے، پہلی سے بھاگ کر شادی کرنے کا سوچنا بھی نہ کہ اس سے سکون نہیں ملا تو دوسری سے مل جائے گا۔

دوسری شادی کا اس وقت تک سوچیں بھی نہ جب تک کہ اس کی اہلیت نہ ہو۔ چلیں، آج آپ کو بتلا ہی دوں کہ دوسری شادی کی بنیادی اہلیت کیا ہے؟ کسی دن پہلی والی سے یہ سوال کر لیں کہ کیا آپ ایک اچھے سامع (listener) ہیں؟ اگر ہاں میں جواب آئے تو مبارک ہو، آپ دوسری شادی کے اہل ہیں۔ اور اگر ناں میں جواب آئے تو بھئی، پہلی ہی نہیں سنبھالی جا رہی تو دوسری کے خواب دیکھنا چھوڑ دو۔ بس، دوسری سے پہلے اتنا ضرور سوچ لیں کہ وہ ساری ریکارڈنگز جن کا اوپر تذکرہ کیا گیا ہے، دن میں دو مرتبہ سننی پڑے گی تو اس کے لیے اچھا سامع ہونا بنیادی اہلیت ہوا یا نہیں؟

فیس بک پر اِن ایکٹو فرینڈز کو اَن فرینڈ کرنا

کسی دوست کے علم میں ہے کہ فیس بک پر اِن ایکٹو (inactive friends) کو اَن فرینڈ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(unfriend) کرنے کی کیا کوئی آپشن موجود ہے؟

عموماً ہوتا یہ ہے کہ اکثر لوگ فیس بک پر شوقیہ اکاؤنٹ تو بنا لیتے ہیں لیکن پھر انہیں فیس بک کو انجوائے کرنے کے لیے بیگم سے ادھار وقت نہیں مل پاتا لہذا اس امید پر بہت سے فرینڈز بنا کر غیبوبت کبری میں چلے جاتے ہیں کہ کسی وقت بیگم کے میکے جانے پر اچانک ظہور فرمائیں گے۔ اور پھر جب اچانک کسی کی وال پر ظہور فرماتے ہیں تو پھر نہ آگے دیکھتے ہیں اور نہ پیچھے۔

بھئی، کسی کی وال پر تین سالوں میں پہلی مرتبہ کمنٹ کرنا ہے تو ایک دو گھنٹے اس کی وال پر گزار کر اس کا مزاج ہی چیک کر لو۔ یہ تو خیر مذاق کی بات ہوئی لیکن میری رائے میں فیس بک پر یہ آٹو آپشن ہونا چاہیے کہ آپ کے فیس بکی دوست نے اگر چھ ماہ تک آپ کی کسی پوسٹ کو لائیک نہیں کیا اور سال بھر میں کسی ایک پوسٹ کو شیئر نہیں کیا تو اسے خود سے ہی اَن فرینڈ ہو جانا چاہیے۔ ایسے بے قدروں کو دوست بنانے کا فائدہ؟

یا اگر اتنی ہی مصروفیت ہے کہ سال بھر میں عید کے صرف دو دنوں میں منہ دکھائی وصول کرنے کے لیے آجائیں کہ ہماری سیلفی کو لائک مار یو جی تو پھر لائن لگی فرینڈز ریکوئسٹس کو ایک چانس ضرور دینا چاہیے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ فیس بک انٹرٹینمنٹ کے لیے بنائی گئی ہے، اس کا مزاج خانقاہ اور معسکر کا نہیں ہے۔ یہاں ہلکے پھلکے انداز میں ہی دین کی تبلیغ ہو سکتی ہے البتہ یہ ہمارے مذہبی دوستوں کا کمال ہے کہ انہوں نے انٹرٹینمنٹ کے اس آلے کو دین کی تبلیغ کا ذریعہ بنا کر دکھا دیا ہے۔

اور فیس بک پر لائکس اور شیئرز کی خواہش رکھنا اتنا ہی فطری ہے جتنا کہ مسجد اور مدرسہ میں چندے کی خواہش رکھنا، پیر صاحب کا مریدوں کی تعداد میں اور مذہبی جماعت اور مسلک کا جماعت اور مسلک کے ممبران کی تعداد میں اضافے کی خواہش رکھنا۔ اس لیے زیادہ واعظ بننے کی ضرورت نہیں ہے، یہ وعظ کہیں اور جا کر فرمائیں۔

رہا غلو تو وہ تو کسی صورت بھی ناپسندیدہ ہے۔ اور آخری خواہش یہ ہے کہ اگر پوسٹ زیادہ پسند آئے تو براہ مہربانی دو مرتبہ لائک نہ کریے گا۔ اور یہ بھی کہ اگر اس پوسٹ میں کسی فیس بکی شیخ اکبر کو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خود پسندی یا ریاکاری نظر آئے تو اس پوسٹ کو کسی فیس بکی پطرس بخاری کی طرف سے اپنے طبقے پر لطیف طنز شمار کر لے کہ اس کا بہت کچھ سامان بھی اس پوسٹ میں موجود ہے، بس لسانیات کی کچھ تھیوریز کو آگے پیچھے سے پکڑنا پڑے گا۔

ٹھیکیدار

گھر میں کچھ کنسٹرکشن کا کام کروانا تھا تو دو ہفتوں کے لیے مستری مزدور ٹھیکے پر لگائے، اور اب دو مہینے ہو چکے لیکن کام ختم ہونے کو نہیں آ رہا، واٹس۔ایپ تو ڈیلیٹ کر ہی دیا، اب فیس بک بھی بھاگ رہی ہے۔ ہمارے ساتھ فیس بک پر بہت سے ایسے دوست ہیں جو دنیاوی کاموں میں تجربہ کار ہیں، لیکن اپنے تجربات شیئر نہیں کرتے، ہر کوئی دینی وعظ و نصیحت کرنے میں لگا ہے۔ بھئی، دینی وعظ کرنے والے بہت ہو چکے، اب کوئی دنیا کی بھی بات کر لو، کسی کا بھلا ہو جائے، کوئی نقصان سے بچ جائے، کسی کی ٹینشن کم ہو جائے، کوئی ڈیپریشن سے نکل آئے۔

ہماری اس سوسائٹی کا واحد کردار "مولوی" ہے جو فی سبیل اللہ کام کر دیتا ہے۔ باقی تو فی سبیل اللہ مشورہ بھی نہیں دیتے۔ ڈاکٹر سے لے کر ٹھیکیدار تک ہماری سوسائٹی کا کون سا کریکٹر ایسا ہے جو یہ کام ثواب کے جذبے سے کرتا ہو؟ ہر انسان ہر کام کا اہل نہیں ہوتا، جنت کا رستہ بتلانے والے زیادہ ہو چکے ہیں، چلنے والا کوئی نہیں ہے۔ اب لوگوں کو دنیا گزارنے کے رستے بتائیں، چھوٹے چھوٹے مشورے دیں، کہ وہ گاڑی خرید سکیں، گھر بنا سکیں، بچوں کو دنیاوی تعلیم دلوا سکیں، کوئی ہنر سیکھ سکیں، اپنا روزگار بہتر بنا سکیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کی صرف آخرت نہیں بنائی، دنیا بھی سنواری ہے۔ جس طرح آخرت کی رہنمائی ثواب دارین ہے، اسی طرح دنیا کی رہنمائی بھی ویلفیئر کا کام ہے جو کہ مولوی کے علاوہ دیگر طبقات کو اسی جذبے سے کرنی چاہیے، جس جذبے سے مولوی کر رہا ہے۔ ہر انسان ہر کام کا نہ اہل ہوتا ہے اور نہ تجربہ رکھتا ہے لہذا بہت نقصان اٹھاتا ہے۔ ایسے میں آپ کی تھوڑی سی رہنمائی اسے نہ صرف جان، مال اور اوقات کے نقصان سے بچا سکتی ہے بلکہ ٹینشن اور ڈیپریشن سے بھی نکال سکتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہاں فیس بک پر ہمارے ایک دوست زاہد صدیق مغل صاحب یہ کام کرتے ہیں اور بڑے جذبے سے کرتے ہیں کہ اگر کہیں شمالی علاقہ جات کی سیر پر بھی گئے تو مشورہ دیتے ہیں کہ یہ کر لینا اور یہ نہ کرنا۔ تو یہ کرنا چاہیے لیکن اگر ٹورازم کا ایکسپرٹ یہ کرے گا تو ہزاروں کا بھلا ہو گا۔ چلیں، اسے اپنے کام کی زکوۃ سمجھ کر ہی کر لیں۔ ہم میں سے ہر مرد کا معاملہ یہ ہے کہ اس نے گھر کی ذمہ داری اٹھانی ہے لیکن اکثر کو اگر پہلی مرتبہ اے۔ سی ٹھیک کروانا پڑ جائے تو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اے۔ سی میں گیس بھروانے کا مارکیٹ ریٹ کیا ہے؟ اور گیس کتنی قسم کی ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ

اگر کوئی دوست یہی کام کر لیں کہ "ٹھیکیدار" کے نام سے کوئی فیس بک پیج بنا لیں اور اس میں باقی دوست مختلف چیزوں کے بارے اپنے تجربات مثلاً ریٹس، کام کی نوعیت، دو نمبر اور اصلی کا فرق وغیرہ شیئر کر دیا کریں جیسا کہ "پاک ویلز" پر لوگ گاڑیوں کے بارے اپنے تجربات شیئر کرتے ہیں تو ان شاءاللہ! امید ہے کہ اس سے انھیں اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا واعظین کو وعظ سے ملتا ہے۔

بھئی، مولوی حضرات کو مشورہ یہ ہے کہ گھر ٹھیکیدار سے بنوانے کی بجائے خود ہی بنوائیں، تنگ تو ہوں گے اور نقصان بھی کریں گے لیکن اس قابل ضرور ہو جائیں گے کہ لوگوں کی آخرت کے ساتھ دنیا بھی سنوار سکیں کیونکہ خود دنیاداروں میں تو یہ جذبہ نہیں ہے کہ ایک دوسرے کی دنیا بھی سنوار سکیں، یہ کام مولوی ہی کر سکتے ہیں اور وہی اس کے اہل بھی ہیں۔ زاہد صدیق مغل صاحب اس کی اچھی مثال ہیں۔ اور ٹھیکیدار رکھ بھی لیں گے تو اس کی ٹھیکیداری بھی آپ ہی کو کرنی پڑے گی۔ ان کی آخرت کی جنت کے ٹھیکیدار تو ہم تھے ہی، اب ہمیں ان کی دنیا کی جنت کا ٹھیکیدار بھی بننا پڑے گا۔

قومی صفات

ایک دوست نے ایک ویڈیو شیئر کی اور دیکھنے کو کہا جو غالباً امریکی ٹیلنٹ کے نام سے تھی، میں نے صرف دو منٹ ویڈیو دیکھی، اب انہوں نے شاید امریکی ٹیلنٹ کو داد دینے کی غرض سے ویڈیو شیئر کی تھی لیکن میں نے اس ویڈیو سے کچھ اور تاثر لیا۔

میں نے نوٹ کیا کہ کچھ عام امریکی اسٹیج پر آتے ہیں اور اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرتے ہیں اور مجمع انھیں دل کھول کر داد دیتا ہے۔ میں نے کبھی کسی مجمعے کو اس طرح کسی کو داد دیتے نہیں دیکھا حالانکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فن کا مظاہرہ کرنے والے بھی عام لوگ تھے اور ان کا فن بھی کچھ خاص نہ تھا۔ اور کچھ تو کنفیوژڈ بھی تھے لیکن مجمعے نے ان کا مذاق نہیں اڑایا بلکہ حوصلہ دیا اور تالیاں بجائیں۔

اس سے میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ جس طرح افراد کی صفات ہوتی ہیں، اسی طرح قوموں کی بھی صفات ہوتی ہے۔ ہم پاکستانی بحیثیت قوم کسی کو داد دینے میں یا کسی کو اپری شیئیٹ کرنے میں بیت کنجوس اور حد درجے بخیل ہیں۔ البتہ کسی پر طعن و تشنیع کرنی ہو یا کسی پر تنقید کرنی ہو تو ہم بہت فیاض اور سخی بن جاتے ہیں۔ یہ رویہ آپ کو گھر، دفتر، آفس، گلی محلے بلکہ ہر جگہ نظر آئے گا۔ میاں بیوی ایک دوسرے پر تنقید کرنے میں خوب بلاغت کا اظہار کرتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو اپری شیئیٹ کرتے وقت ان کے پاس الفاظ دو چار ہی ہوتے ہیں۔ باس اپنے ماتحت کے کام میں نقص خوب فصاحت سے نکالے گا لیکن اس کی تعریف کرتے وقت اسے الفاظ بھول جائیں گے۔

جس طرح ایک فرد خوش اور غمگیں ہوتا ہے، اسی طرح ایک قوم بھی خوش اور غمگیں ہوتی ہے۔ مجھے معلوم نہیں کیوں یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہم پاکستانی خوش نہیں ہیں بلکہ غمگیں قوم ہیں یا ٹینس اور ڈیپریس قوم کہہ لیں۔ سڑک پر دیکھ لیں، گاڑی چلاتا ہوا ہر شخص آپ کو مضطرب، بے چین اور پریشان نظر آئے گا۔ ہم میں سے اکثر کے لبوں پر مسکراہٹ کی بجائے چہروں پر تناؤ اور کھچاؤ رہتا ہے۔ کسی سے بات کرتے وقت ہم کہیں اور کھوئے ہوتے ہیں۔ شاید ہم پر کام کا دباؤ زیادہ ہوتا ہے، یا ہماری خواہشات بہت بڑھ چکی ہیں، یا ہم زندگی کو جینے اور زندہ دلی جیسی صفات سے محروم ہو چکے ہیں، کچھ تو ہے جو صحیح نہیں ہے۔

پھر ہم نے اپنی کچھ خامیوں اور عادتوں کو مذہب کا جھوٹا سہارا بھی دے رکھا ہے۔ کسی کی تعریف کرتے وقت فوراً یہ سوچنا شروع کر دیں گے کہ کہیں یہ بگڑ نہ جائے، اس میں تکبر نہ آجائے بلکہ اکثر لوگوں سے آپ یہ جملہ سنتے بھی ہوں گے کہ بیوی یا ملازم کی کھل کر تعریف کر دیں گے تو بگڑ جائیں گے لیکن تنقید ہم پھر بھی کھل کر کرتے ہیں حالانکہ اس میں بھی بگڑنے کا شائبہ اتنا ہی موجود ہوتا ہے بلکہ صحیح حدیث کا مفہوم ہے کہ تمہاری عیب جوئی کسی مسلمان کو بگاڑ دیتی ہے۔ تو یا تو ہم اپنے آپ کو اس طرح متوازن کر لیں کہ اگر تعریف زیادہ نہیں کر پاتے تو تنقید ہی کم کر دیں۔ لیکن یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شاید ہماری فطرت کے خلاف ہے کہ ہم تنقید کم کر دیں لہذا ہمیں کم از کم تعریف میں اضافہ کر دینا چاہیے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر دوسروں کی حوصلہ افزائی کریں اور دل کھول کر کریں۔

میرا خود رویہ یہی رہا ہے کہ اگر میری پوسٹ پر کوئی زیادہ تنقید کر دے تو وہ کمنٹ تو ڈیلیٹ کرتا ہی ہوں اور اگر کوئی تعریف میں مبالغہ کر دے تو وہ بھی ڈیلیٹ کرتا رہا ہوں، اب میں نے اس پر غور کیا کہ میں ایسا کیوں کرتا ہوں تو شاید کسی تقوی یا نیکی کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ اس وجہ سے کہ ہمارے معاشرے میں اس کا رواج نہیں ہے اور یہ چیز کسی ایک کے ساتھ ہو جائے تو بہت عجیب معلوم ہوتی ہے اور عجیب شیء نظروں میں آ جاتی ہے اور پھر اس پر منفی سوچ شروع ہو جاتی ہے۔ اگر تعریف میں مبالغہ آمیز کمنٹ میری وال پر موجود ہو گا تو بہت سے لوگ یہ سوچنا شروع کر دیں گے کہ یہ اپنی تعریفیں پسند کرتا ہے اور اس منفی سوچ کی انتہا یہ ہو گی کہ یہ تعریف کا بھوکا ہے لیکن اگر سوسائٹی میں تعریف میں مبالغہ ایک عام چیز ہو گی تو کسی کو برا نہ لگے گا بلکہ ایک روٹین کی چیز معلوم ہو گی۔ رہی حدیث میں تعریف میں مبالغہ نہ کرنے کی بات تو وہ کسی اور کانٹیکسٹ میں ہے، جس پر پھر بات کروں گا۔

بد معاش کلاس

ہم اپنے معاشرے کو طبقاتی اعتبار سے چار قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں؛ لوئر کلاس، مڈل کلاس، ہائر کلاس اور ایلیٹ کلاس۔ لوئر کلاس تو بیچاری نہ تین میں نہ تیرہ میں۔ دو وقت کی روٹی ہی پوری کر لیں تو ان کی زندگی کا گویا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ رہی ہائر اور ایلیٹ کلاس تو ان کے اپنے مسائل ہیں لیکن مجھے اس وقت مڈل کلاس کے رویوں کو ڈسکس کرنا ہے۔

مڈل کلاس ہمارے معاشرے کا ایک بہت بڑا طبقہ ہے جو ہائر کلاس میں شامل ہونے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہے ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں کے نظام کو ایک لفظ میں اگر بیان کیا جائے تو وہ لفظ "اشرافیت" (aristocracy) ہے یعنی ہائر کلاس کی حکومت۔ یہ پولیٹیکل سائنس کی اصطلاح ہے اور آسان الفاظ میں اس سے مراد نہ تو جمہوریت ہے اور نہ ہی آمریت بلکہ ایک خاص کلاس کی حکمرانی ہے اور یہ کلاس، اس معاشرے کی ہائر کلاس ہوتی ہے۔ یہ کلاس ہر طبقے میں موجود ہوتی ہے، مذہبی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گروہ ہو یا سیاسی جماعت، فوج ہو یا پولیس۔

جس شخص نے بھی اس معاشرے کا ذرہ سی گہرائی سے تجزیہ کیا ہے وہ اس نتیجے تک پہنچ چکا ہے کہ بنیادی طور یہ بدمعاشوں کا معاشرہ ہے اور جسے آگے بڑھنا ہے یا اپنے حقوق کا تحفظ کرنا ہے، تو اس کا ایک ہی اصول ہے اور وہ ہے بدمعاشی۔ ہمارے ہاں ایک شخص کے بارے دعوی کیا گیا کہ وہ اپنے دور کا بدمعاش تھا یعنی پرویز مشرف۔ اس کی بدمعاشی ختم کرنے کے لیے ایک اور فریق میدان میں آیا اور یہ وکیل تھے۔ اب جب لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ بدمعاش بن گئے تو ان کی بدمعاشی ختم کرنے کے لیے ایک اور فریق میدان میں آیا اور اس کا نام میڈیا ہے اور اب عوام کے بقول انہوں نے بدمعاشی شروع کر دی۔ بدمعاشی کا علاج بدمعاشی ہے لیکن کیا کریں کہ ایک بدمعاش کو ختم کرنے کے لیے ایک دوسرا بدمعاش پیدا کرنا پڑتا ہے لہذا ایک طبقے کا مسئلہ تو حل ہو گیا لیکن معاشرے کا مسئلہ تو حل نہ ہوا۔

ہائر کلاس کی یہ حکومت صرف ایک اصول کے تحت چل رہی ہوتی ہے اور اس اصول کا نام ہے بدمعاشی۔ اس بدمعاشی کی وجہ سے ہی ہائر کلاس کی عزت بھی ہوتی ہے، ان کے حقوق بھی محفوظ رہتے ہیں اور معاشرے کی قوت اور اقتدار بھی ان کے ہاتھ میں ہی رہتا ہے۔ مڈل کلاس اس اصول سے متاثر ہو جاتی ہے اگرچہ اس کے پاس اس کے وسائل نہیں ہوتے۔ مڈل کلاس کے لوگ جو ہائر کلاس میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا ان کے جیسی عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں یا ان کے جیسا اپنے حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں تو وہ بدمعاش بننے کی شعوری یا لاشعوری کوششیں کرتے ہیں۔ وہ دوسروں کو اپنا تعارف ایسے کرواتے ہیں جیسے گورنر، وزیر اعلی، جرنیل، آئی۔جی وغیرہ ان کے ملازم رہے ہوں۔

آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ مڈل کلاس کے لوگوں سے جب آپ کا اختلاف یا جھگڑا ہو تو وہ آپ کو دھمکیاں بہت لگاتے ہیں جیسے یہ کہ ہمارے بڑے تعلقات ہیں، فلاں ہمارا رشتہ دار ہے، ہم دیکھ لیں گے، ہم یہ کر دیں گے، وہ کر دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان کے تعلقات ہوتے بھی ہوں لیکن اتنے ہی جیسا کہ کوئی ریٹائرڈ بریگیڈیئر جرنل فیس بک پر میرا فرینڈ ہو۔

اگر آپ کو ایسے لوگوں سے واسطہ پڑ جائے تو کیا کریں؟ بھئی، دو کام کریں ایک یہ کہ ایسے ذہن کا

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

استعمال کہ ان کے جذبات ٹھنڈے پڑ جائیں لیکن اپنا حق مت چھوڑیں کہ اس سے معاشرے میں بد معاشوں کی تعداد بڑھے گی۔ اور دوسرا یہ کہ جو ان کا حق بنتا ہے تو ان کی دھمکیوں کی وجہ سے رد عمل میں اسے روک نہ لیں، وہ انہیں ضرور دیں، اللہ عزوجل آپ کو دنیا میں اور آخرت میں بھی عزت دے گا، ان شاءاللہ۔



محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

باب ہفدہم

حجیت حدیث اور انکارحدیث

اس باب میں حجیت حدیث اور انکار حدیث (Authority of Sunnah) سے
متعلق بنیادی سوالات کو زیر بحث لایا گیا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید کی روایات

ہمارے دین کے دو بنیادی مصادر ہیں؛ قرآن مجید اور سنت۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اللہ کے رسول ﷺ سے قرآن مجید نقل کرتے ہیں تو ان کے اس نقلِ قرآن کو اصطلاح میں "قراءت" کہتے ہیں اور صحابہ کرام جب اللہ کے رسول ﷺ سے سنت نقل کرتے ہیں تو ان کے اس نقلِ سنت کو "حدیث" کہتے ہیں۔ پس قراءت، قرآن مجید کی روایت ہے اور حدیث، سنت کی روایت ہے۔

قرآن مجید اور سنت ہمیں اللہ کے رسول ﷺ سے قطعی خبر کے ذریعے سے ملے ہیں۔ قرآن مجید کی وہ روایات جو قطعی طور ثابت ہیں اور جنہیں امت میں تلقی بالقبول حاصل ہے اور ان پر امت کا اجماع ہے تو وہ کل بیس روایات ہیں کہ جنہیں اصطلاح میں قراءات سبعہ عشرہ بھی کہتے ہیں۔ قراءات کے امام دس ہیں کہ جن کے شاگرد بیس ہیں اور قرآنی روایات انہی شاگردوں کے نام سے منسوب ہیں۔[1]

امت مسلمہ کے پاس اس وقت جو قرآن مجید موجود ہے، وہ انہی قراء کی سند سے موجود ہے۔ اگر ان قراء کو درمیان سے نکال دیا جائے تو امت کے پاس موجود مصحف کو اللہ کے رسول ﷺ کا چھوڑا ہوا مصحف ثابت کرنا ممکن نہیں ہے۔ مسلم دنیا میں اس وقت قرآن مجید کی چار روایات رائج ہیں کہ جن میں معروف ترین روایت، "روایتِ حفص" ہے جبکہ دوسرے نمبر پر "روایتِ وَرش" ہے۔ ان کے علاوہ روایتِ قالون، روایتِ دُوری بھی بعض ممالک میں عوامی طور پر پڑھی پڑھائی جاتی ہیں۔

قرآن مجید کی "روایتِ دُوری" سوڈان، صومالیہ، نائیجیریا، چاڈ اور وسطی افریقہ میں عوامی سطح پر پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی "روایتِ قالون" لیبیا اور تیونس میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی "روایتِ ورش" الجزائر، موریطانیہ، مراکش، مالی، سینیگال وغیرہ میں پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ اور مسلم دنیا کے اکثر حصے میں "روایتِ حفص" پڑھی پڑھائی جاتی ہے۔ یہی روایت ہمارے ہاں جنوبی ایشیا اور مشرق وسطی میں رائج ہے۔[2]

[1] مودودی، ابو الاعلی، سید، قرآن مجید میں قراءتوں کا اختلاف، ماہنامہ رشد، ستمبر 2009ء، مجلس تحقیق اسلامی، لاہور، ص 48-49

[2] نعیم الرحمن ناصف، رشد قراءات نمبر اور منکرین حدیث کی بوکھلاہٹ، ماہنامہ رشد، مارچ 2010ء، مجلس

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دنیائے اسلام کے مشرق میں اگر مصحف، روایتِ حفص میں شائع ہوتے ہیں تو بلادِ مغرب اور افریقہ میں مصاحف کی اشاعت روایتِ ورش، قالون اور دُوری میں ہوتی ہے۔ اور بلادِ مغرب میں لاکھوں قراء کرام اور کروڑوں عوام الناس اپنی نمازوں اور نمازوں کے علاوہ میں بھی تلاوت اپنی روایت کے مطابق ہی کرتے ہیں۔ امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ سب روایات قطعی طور اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہیں۔

حال ہی میں شاہ فہد پرنٹنگ پریس، مدینہ منورہ، سعودی عرب نے بلادِ مغرب اور افریقہ کے مسلمانوں کے لیے ان کی روایات میں قرآن مجید پبلش کیے ہیں۔ جن میں سے ایک معروف روایت، "روایت ورش عن نافع" ہے۔ یہ مصحف اسی طرح سے پبلش کیا گیا ہے جیسا کہ بلادِ مغرب میں موجود مسلمان حکومتوں کی وزارت اوقاف انہیں اپنی عوام کے لیے شائع کرتی ہے۔ بلادِ مغرب کے ان شائع شدہ مصاحف میں ہمارے ہاں کے شائع شدہ مصاحف سے کچھ رسم، کچھ قراءات اور کچھ ضبط کے اختلافات ہیں۔ اور یہ تینوں مختلف علوم ہیں کہ جنہیں علوم قرآنیہ کے طلباء ہی اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر بلادِ مغرب میں جو مصاحف شائع ہوتے ہیں، ان میں بسم اللہ کو سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی پہلی آیت شمار کیا گیا ہے اور انہیں سورت میں شامل کر کے لکھا گیا ہے[1] جبکہ ہمارے ہاں شائع شدہ مصاحف میں بسم اللہ کو سورت سے علیحدہ لکھا جاتا ہے اور اسے سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کی مستقل آیت شمار نہیں کیا جاتا۔ یہ قراءت کا اختلاف ہے۔ اسی طرح بلادِ مغرب کے مصاحف میں قاف کو لکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کے اوپر ایک نقطہ ڈالا جاتا ہے جبکہ ہمارے ہاں قاف کے اوپر دو نقطے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں بلادِ مغرب کے مصاحف میں فاء کو لکھتے وقت اس کے نیچے ایک نقطہ ڈالا جاتا ہے جبکہ ہمارے ہاں فاء کو لکھتے وقت اس کے اوپر ایک نقطہ ہوتا ہے۔ یہ علم الضبط کی مثال ہے۔[2]

تحقیق اسلامی، لاہور، ص 14

[1]Al-Quran Al-Kareem bi Riwayat e Warsh, Retrieved 01 November, 2016 from https://archive.org/details/standard1-quran

[2]Al-Quran Al-Kareem bi Riwayat e Warsh, Retrieved 01 November, 2016 from

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قرآن مجید کی حفاظت کا اصل ذریعہ کتابت یا حفظ؟

ہر دور میں کسی شیء کو محفوظ کرنے کے ذرائع مختلف رہے ہیں۔ زمانہ قدیم میں عربوں میں علم کو محفوظ کرنے کا اصل ذریعہ حفظ تھا جیسا کہ دور جاہلیت کی عرب شاعری کو زبانی ہی محفوظ کیا گیا ہے اور زبانی ہی نقل کیا گیا ہے۔ قرون وسطی میں کتابت کو اہمیت حاصل ہوتی چلی گئی اور آج جدید دور میں کہ جسے ہم آئی ٹی کا دور کہتے ہیں، کتابت بھی متروک ہو چکی ہے اور اس کی جگہ کمپیوٹرائزیشن لے چکی ہے۔

اب ہم اپنا علم اپنی ڈائری کی بجائے اپنی ہارڈ ڈسک میں محفوظ رکھتے ہیں۔ اور اب تو کتابیں کیا، لائبریری تک ہارڈ ڈسک میں موجود ہوتی ہے۔ علوم اسلامیہ کے طلباء کے لیے اس کی بہترین مثال "المكتبة الشاملة" ہے کہ جس میں کوئی ساٹھ ہزار تک کتب جمع کی جا چکی ہیں۔ اب طلباء کتاب کی ہارڈ کاپی کی بجائے سوفٹ کاپی سے زیادہ استفادہ کرتے ہیں۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر زمانے کا علم کو محفوظ کرنے اور رکھنے کا ایک مزاج ہوتا ہے اور زمانہ قدیم میں یہ مزاج حفظ کا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی وفات ہوئی تو سینکڑوں حفاظ موجود تھے لیکن قرآن مجید کا ایک بھی لکھا ہوا مکمل نسخہ موجود نہ تھا حتی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آ کر سب سے پہلے قرآن مجید کا پہلا مکمل نسخہ تیار کروایا جو کہ ایک سرکاری نسخہ تھا۔ آپ ﷺ کے زمانے میں قرآن مجید جو کہ لکھا گیا تھا، وہ ایک جگہ جمع نہیں تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی قرآن مجید کا ایک سرکاری نسخہ تو تیار ہو گیا لیکن اس کی کتابی اشاعت نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت بھی گزر گیا اور قرآن مجید کا ایک ہی سرکاری نسخہ موجود رہا۔ پھر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور میں ایک سے زائد نسخے تیار ہوئے اور وہ بھی پانچ سے زائد نہ تھے۔[1] گویا خلافت راشدہ میں قرآن مجید کے عوامی سطح پر پڑھنے کا جو عمل جاری تھا، وہ استاذ اور شاگرد کے باہمی تعلق سے جاری تھا اور قرآن مجید کو محفوظ رکھنے کا جو ذریعہ استعمال ہوا، وہ

http://ia601606.us.archive.org/14/items/QRaaNT/QRaaNTH.pdf

[1] علي بن سليمان العبيد، الدكتور، جمع القرآن الكريم حفظا وكتابة، مجمع الملك فهد، المدينة المنورة، ص 55

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حفظ تھا۔اسی لیے تواللہ عزوجل نے قرآن مجید کا تعارف یہ کہہ کر کروایا کہ یہ اہل علم کے سینوں میں وہ آیات ہیں، جو واضح ہیں۔[1]

پس قرآن مجید وہی ہے جو اہل علم کے سینے میں محفوظ ہوااور پھر سینہ بسینہ نقل ہوا ہے۔ قراء کرام نے قرآن مجید کی اسناد اور روایات کو محفوظ کیااور آج ہر قاری قرآن کے پاس ایسی سند موجود ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ تک پہنچنے والی ہے۔ آج بھی جبکہ پرنٹنگ پریس کا زمانہ اپنے عروج پر ہے اور مصاحف لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو رہے ہیں، قرآن مجید میں اصل اعتبار حفظ کا کیا جاتا ہے نہ کہ کتابت کا۔

دنیا کے کسی بھی اسلامی ملک میں حکومت کی اجازت سے جو مصاحف شائع ہوتے ہیں تو ان کی تصدیق پہلے قراء کرام سے کروائی جاتی ہے۔ پاکستان کی وزارت مذہبی امور اس وقت تک کسی پبلشر کو مصحف شائع کرنے کی اجازت فراہم نہیں کرتی جب تک کہ دو قراء کرام اس مصحف کی صحت کی تصدیق نہ کر دیں۔ لہذا قرآن مجید کی نقل میں اصل قراء ہیں نہ کہ مصاحف کہ لکھے ہوئے کی تصدیق قراء اور حفاظ کر رہے ہیں۔ لکھا ہوا قرآن مجید یا مصحف اس وقت تک مستند نہیں ہے جب تک کہ اسے قراء اور حفاظ کی مہر تصدیق حاصل نہ ہو جائے۔

اور اہم تر بات یہ ہے کہ لکھے ہوئے کو پڑھنا اور صحیح پڑھنا کسی بھی زبان میں بغیر ماہر استاذ کے ممکن ہی نہیں ہے کہ ایک ہی زبان میں تلفظ اور لہجات [accents and dialects] کا فرق ہوتا ہے۔ کسی زبان میں کچھ حروف سائلنٹ ہوتے ہیں۔ انگریزی زبان کا ایک ہی لفظ امریکن کسی اور طرح ادا کرتے ہیں اور برطانوی کسی اور طرح سے۔ اور بعض اوقات تو زمین و آسمان کا فرق ڈال دیتے ہیں۔ پس قرآن مجید اگر لکھا ہوا بھی ہے تو اس لکھے ہوئے کو کیسے پڑھنا ہے؟ تو اس میں پھر اصل قراء اور حفاظ ہیں۔ اگر آپ لکھے ہوئے کو ویسے ہی پڑھیں جیسا کہ وہ لکھا ہوا ہے تو قرآن مجید کے بہت سے مقامات کو غلط پڑھ جائیں گے۔ اور ان باتوں کی گہرائی سے قراء خوب واقف ہیں کہ بعض مقامات پر قراءت، ظاہری رسم کے مطابق نہیں ہو رہی ہوتی ہے۔

[1] العنکبوت: 29: 49

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس لیے قرآن مجید میں اصل نقل ہے نہ کہ کتابت، اور نقل بھی ماہرین کی نہ کہ عوام کی۔ قراء اور عوام کے قرآن مجید محفوظ رکھنے میں جو فرق ہے، وہ سب کے علم میں ہے۔ دیہات میں بوڑھی اماں جی بھی بچوں کو قرآن مجید پڑھا رہی ہوں گی اور ان کے بھی سینکڑوں شاگرد ہوں گے اور ان کے اخلاص کا اللہ کے ہاں انہیں اجر بھی ملے گا لیکن کیا ان بوڑھی اماں نے قرآن مجید کو اسی طرح سے محفوظ رکھا ہوا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نماز میں تلاوت فرماتے تھے؟ تو یہ اعزاز صرف قراء کو حاصل ہے۔

کتاب وسنت کا باہمی تعلق

عرصہ ہوا کہ جناب مفتی فیصل جاپان والا کے توسط سے کراچی میں غامدی صاحب کے شاگرد معزامجد صاحب سے ایک علمی گفتگو ہوئی تھی کہ جس میں راقم کے ساتھ جناب طاہر الاسلام عسکری صاحب بھی شریک تھے۔ اس مجلس کا کل حاصل میرے لیے ایک جملے میں یہ تھا کہ معزامجد صاحب نے یہ کہا کہ میرے لیے بنیادی ترین سوال یہ ہے کہ کتاب وسنت کا باہمی تعلق کیا ہے؟

یہ امر واقعہ ہے کہ ان سے ملاقات سے پہلے میں نے اس سوال پر غور نہیں کیا تھا لیکن اس نشست کے بعد واقعتاً یہ محسوس ہوا کہ دین کے ایک سنجیدہ طالب علم کے لیے یہ بہت ہی بنیادی سوال ہے۔ اس سوال پر مطالعہ اور غور وفکر شروع کیا اور پھر اس موضوع پر کافی کچھ لکھا بھی کہ جس کا خلاصہ ذیل میں بیان کر رہا ہوں۔

سلف صالحین کا اس بارے اختلاف ہے کہ سنت، کتاب کے علاوہ کوئی دین کا مصدر ہے یا یہ دونوں ایک ہی مصدر ہیں۔ یہ بہت باریک نکتہ ہے کہ جسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جمہور کا موقف یہ ہے کہ کتاب ایک علیحدہ مصدر دین ہے اور سنت ایک علیحدہ مصدر دین ہے جبکہ امام شاطبیؒ کا موقف یہ ہے کہ نہیں، کتاب وسنت ایک ہی مصدر ہے، یہ دو مصادر نہیں ہیں[1] اور امام شافعیؒ کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی "کتاب الرسالۃ" میں بہت

[1] مصطفى بن حسني السباعي (المتوفى: 1384هـ)، السنة ومكانتها في التشريع الإسلامي، المكتب الإسلامي، دمشق، الطبعة الثالثة، 1402 هـ - 1982 م، ص 380

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سی ایسی احادیث کہ جنہیں علماء کتاب اللہ پر اضافہ سمجھتے تھے، انہیں کتاب اللہ کا بیان ثابت کیا ہے۔

اس بات کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جمہور کے نزدیک سنت، کتاب اللہ کے احکامات کی شرح اور بیان بھی ہے اور اس پر اضافہ بھی ہے کہ سنت میں بعض احکامات ایسے ہیں کہ جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا کہنا یہ ہے کہ سنت کل کی کل، قرآن مجید کا بیان ہے۔ یعنی سنت کا کوئی حکم ایسا نہیں ہے جو کتاب اللہ کی کسی آیت کی شرح اور بیان نہ ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے ایسی بہت سی احادیث کو کہ جنہیں لوگ کتاب اللہ پر اضافہ سمجھتے تھے، کتاب اللہ کا بیان ثابت کیا ہے۔

راقم کی رائے اس بارے یہ ہے کہ اگرچہ موقف دونوں درست ہیں کہ اصولی طور اللہ کے رسول ﷺ ہی دین کا مصدر ہیں۔ چاہے کتاب اللہ ہو یا سنت رسول ﷺ دونوں آپ ﷺ کی ذات ہی سے صادر ہوتے ہیں۔ لہذا آپ ﷺ کی سنت کو کتاب اللہ سے علیحدہ مصدر ماننے میں کوئی شرعی مانع موجود نہیں لیکن عملی بات امام شافعی رحمہ اللہ کی زیادہ صحیح ہے کہ سنت، کتاب اللہ کا بیان ہے اور یہ دونوں مل کر ایک ہی مصدر ہیں۔

سنت سے مراد رسول ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہے جو حدیث میں موجود ہے۔ اس مجلس کے بعد سے راقم کے سامنے جب بھی کوئی اہم سنت آتی ہے تو فوراً ذہن قرآن مجید کی کسی آیت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ یہ سنت اس آیت کا بیان ہے۔ پس صحیح بات یہی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی احادیث کے ذریعے کتاب اللہ کو کھول کر بیان کیا ہے اور ہر حدیث، کسی نہ کسی آیت ہی کا بیان ہے۔

پس قرآن مجید الفاظ ہیں اور سنت ان الفاظ کا معنی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں لفظ اہم ہے اور سنت میں معنی۔ قرآن مجید میں لفظ کی حفاظت پر زور ہے اور سنت میں معنی کی۔ لفظ اور معنی کا تعلق لازم و ملزوم کا ہے۔ جو لوگ سنت کا انکار کرتے ہیں، وہ صرف اللہ کے الفاظ کو قبول کرتے ہیں اور ان الفاظ سے اللہ کی مراد کو نکال کر اپنی مراد ڈال دیتے ہیں۔

قادیانیت، رافضیت، باطنیت، خوارجیت، اعتزال وغیرہ جیسی جتنی فکری گمراہیاں ہیں، سب کی بنیاد قرآن مجید ہے۔ اور قرآن مجید اسی وقت گمراہی کی بنیاد بن جاتا ہے جب اس کے الوہی معنی یعنی

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سنت کاانکار کر دیاجائے۔اور پھر تو صرف الفاظ ہیں،اب آپ ان سے جو کھیل کھیلناچاہیں، کھیل سکتے ہیں۔اوراسی لیے خود قرآن مجید نے کہاہے:

﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾[1]

"اس قرآن مجید کے ذریعے اللہ عزوجل بہتوں کو گمراہ کرتاہے اور بہتوں کو اسی سے ہدایت دیتاہے۔"

سنت اور حدیث میں فرق

دوست نے پوچھا کہ کیاسنت اور حدیث میں فرق ہے؟جواب یہ ہے کہ دونوں میں فرق ہے۔ انہوں نے پوچھاہے کہ ماخذ دین سنت ہے یاحدیث؟تواس سوال کاجواب پہلے سوال کے جواب میں موجود ہے۔اصل سوال پہلاہےاور پہلے سوال کاجواب صحیح تصور دین کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ سلف صالحین کی اصطلاح میں سنت،اللہ کے رسول ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں[2]اور حدیث،اس سنت کی روایت کا نام ہے۔پس سنت پہلے ہے اور حدیث بعد میں ہے۔سنت آپ ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہےاور حدیث اس قول، فعل اور تقریر کے بیان کا نام ہے کہ جو صحابی کا ہوتا ہے۔[3]اس لیے صحیح اور ضعیف حدیث ہوتی ہے نہ کہ سنت کیونکہ سنت تو اللہ کے رسول ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہے تو وہ کیسے ضعیف یاموضوع ہو سکتا ہے؟البتہ وہ حدیث ضعیف یاموضوع ہو سکتی ہے کہ جس میں سنت منقول ہو۔سنت اور حدیث کے اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کے سبب سے بہت سے لوگ بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہوئے۔

پس سنت مظروف ہے اور حدیث اس کا ظرف ہے۔سنت مکین ہے اور حدیث اس کا مکان

[1] البقرة: 2: 26

[2] وَأَمَّا مَعْنَاهَا شَرْعًا: أَيْ: فِي اصْطِلَاحِ أَهْلِ الشَّرْعِ فَهِيَ: قَوْلُ النبي صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِعْلُهُ وَتَقْرِيرُهُ [الشوكاني، محمد بن علي بن محمد بن عبد الله اليمني (المتوفى: 1250هـ)، إرشاد الفحول إلي تحقيق الحق من علم الأصول، دار الكتاب العربي، بيروت، الطبعة الأولى، 1419هـ - 1999م، 1/95]

[3] فَحَقِيقَةُ الرِّوَايَةِ: نَقْلُ السُّنَّةِ وَنَحْوِهَا وَإِسْنَادُ ذَلِكَ إِلَى مَنْ عُزِيَ إِلَيْهِ بِتَحْدِيثٍ أَوْ إِخْبَارٍ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ [السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين (المتوفى: 911هـ)، تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي، دار طيبة، الرياض، 1/26]

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہے۔اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب آپ اہمیت کی بات کریں گے تو اصل اہمیت مظروف اور مکین کی ہے نہ کہ ظرف اور مکان کی۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ بعض اوقات مظروف اپنے ظرف سے پہچانا جاتا ہے اور مکین کا تشخص اس کا مکان بن جاتا ہے۔ لہذا دونوں کی اہمیت مسلم ہے۔

تو جہاں تک دوسرے سوال کا جواب ہے تو وہ یہی ہے کہ سلف صالحین کے نزدیک مصادر شریعت کتاب وسنت ہی ہیں نہ کہ کتاب وحدیث جیسا کہ جمیع مذاہب کی کتبِ اصول میں مصادر دین کی بحث کے تحت کتاب اللہ کے بعد سنت رسول ﷺ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔اور ہمیشہ سے کتاب وسنت کی اصطلاح ہی مستعمل رہی ہے۔ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور سنت سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کا قول، فعل اور تقریر ہے۔ کتاب تو "مابین الدفتین" موجود ہے اور سنت کہاں ہے؟ یہ اہم سوال ہے کہ جس سے حدیث کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ سنت کا صرف اور صرف ایک ہی مصدر ہے اور وہ احادیث کی کتب ہیں۔

ہمارے ہاں سنت اور حدیث میں فرق کے حوالہ سے دو غلط فہمیاں پیدا ہوئیں بلکہ جان بوجھ کر پیدا کی گئی ہیں۔اور یہ دونوں غلط فہمیاں امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے پیدا کی ہے اور اس کا سبب یہ بنا کہ حدیث ان کا میدان نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کو یہ خبر پہنچی کہ امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ تدبر قرآن کے بعد تدبر حدیث لکھ کر حدیث کی بھی خدمت کرنا چاہتے ہیں تو مولانا نے کہا کہ اللہ ان سے یہ خدمت نہ ہی لے تو بہتر ہے۔اور وجہ یہی تھی کہ حدیث امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ کا میدان نہ تھا۔

امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے سنت سے مراد اللہ کے رسول ﷺ کا عمل لیا اور آپ ﷺ کا قول اور تقریر اس سے نکال دیا[1] حالانکہ اصول فقہ کی تمام کتابوں میں جمیع مکاتب فکر کے اصولیین کے نزدیک سنت کی تعریف میں فعل کے ساتھ آپ ﷺ کا قول اور تقریر بھی شامل کیا گیا ہے۔ دوسری غلط فہمی جو امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ نے پیدا کی، وہ یہ ہے کہ سنت کا مصدر احادیث کی کتابیں نہیں ہیں۔ پس سنت ہمیں کہاں ملے گی؟ اس کا جواب اصلاحی صاحب کے ہاں یہ نہیں ہے کہ

[1] اصلاحی، امین احسن، مولانا، مبادی تدبر حدیث، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، 1994ء، ص 19، 28

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث کی کتابوں میں بلکہ اس کا جواب ان کے ہاں یہ ہے کہ سنت ہمیں "تواتر عملی" میں ملے گی۔ حالانکہ اس امت میں بشمول امام مالک رحمہ اللہ کسی مذہب کے بانی کا یہ موقف نہیں رہا ہے کہ سنت ہمیں تواتر عملی میں ملے گی بلکہ سب نے اخبار آحاد ہی کو سنت کا ماخذ مانا اور قرار دیا ہے۔ اصلاحی صاحب کے اس تصورِ سنت کو غامدی صاحب نے ایک جامع فکر کی صورت میں نہ صرف پیش کیا بلکہ اس کی تشہیر بھی فرمائی۔[1]

پس سنت اور حدیث میں فرق معمولی ہے اور یہ فرق ایسا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں کہ سنت مکین ہے اور حدیث اس کا مکان ہے، سنت مظروف ہے اور حدیث اس کا ظرف ہے۔ یہ سلف کی اصطلاح میں ہے کہ جب وہ سنت کو بطور مصدر شریعت بیان کرتے ہیں تو اس سے یہی مراد لیتے ہیں۔ پس حدیث، سنت کا ماخذ اور مصدر ہے۔ اور سنت دین کا ماخذ اور مصدر ہے۔

تواتر عملی کی سند کہاں ہے؟

مکتب اصلاحی، فکر غامدی اور ان کے متاثرین کا کہنا ہے کہ دین، سنت میں ہے اور سنت، تواتر عملی میں ہے۔ لیکن سوال یہاں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ تواتر عملی کی سند کہاں ہے؟ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ لوگ صرف لفظ استعمال کرنا جانتے ہیں لیکن اس لفظ پر انہوں نے کبھی غور نہیں کیا کہ وہ کیا استعمال کر رہے ہیں؟

تواتر عملی سے مراد وہ عمل ہے جو مسلم معاشرے میں نسل در نسل اور پے در پے ہو رہا ہو۔ آج مسلم معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہے، چاہے وہ پے در پے ہی کیوں نہ ہو، تو وہ مستند نہیں ہے کیونکہ اکثر بدعات اور معاصی پے در پے ہی ہوتی ہیں۔ اور اگر آپ بدعات اور معاصی کو بدعت اور معصیت کا عنوان دینا بھی چاہیں گے تو خبر کی بنیاد پر ہی دیں گے۔ لہذا کسی معاصر معاشرتی عمل کو سنت ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی سند کو رسول ﷺ کے قدموں تک پہنچایا جائے۔

پس کسی عمل کو متواتر عملی کہنے کا مطلب یہ ہے اس عمل کو اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے سے لے کر آج تک مسلسل ہر زمانے میں ثابت کیا جائے۔ آپ ﷺ سے لے کر آج تک تقریباً بتیس

[1] غامدی، جاوید احمد، میزان، المورد، لاہور، 2009ء، ص 13-15

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نسلیں اور چودہ صدیاں گزر چکی ہیں۔ پس ایک عمل، تواتر عملی سے ثابت ہے تو اسکا مطلب ہے کہ وہ امت مسلمہ کی تاریخ میں چودہ صدیوں میں ہر صدی میں رائج رہا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ چودہ صدیوں میں ایک عمل ہر صدی میں امت مسلمہ میں رائج رہا ہے اور میں اور آپ اس وقت چودھویں صدی میں ہیں تو ہمارے پاس پہلی تیرہ صدیوں میں جھانک کر دیکھنے کا کیا ذریعہ ہے کہ یہ عمل ان صدیوں میں بھی امت مسلمہ میں رائج تھا یا نہیں؟ اور اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ جو چودھویں صدی میں امت میں رائج ہے، وہ سب پہلی صدی ہی سے چلا آرہا ہے؟ تو اس سے بڑی بے وقوفی کی بات نہ ہو گی۔

ماضی کے معاشروں کا تواتر عملی جاننے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے، اور وہ خبر کا ذریعہ۔ اب اسے تاریخ کہہ لیں یا روایت، اس سے آپ کی جان نہیں چھوٹنے والی۔ ماضی میں کسی عمل کا تواتر علمی سے ثابت ہونا بغیر خبر کے ممکن ہی نہیں ہے۔ لہذا جو حدیث کی خبر سے بھاگے ہیں، ان کے گلے تاریخ پڑ گئی ہے۔ اور اب تواتر عملی، تاریخ سے ثابت کرنے چلے ہیں۔ تو خبر اصل ہوئی یا تواتر عملی؟

کیا اللہ کا دین صحیح اور ضعیف ہو سکتا ہے؟

یہ وہ اعتراض ہے جو اکثر منکرین حدیث کی زبانوں پر ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر قرآن کی طرح حدیث بھی اللہ کا دین ہے تو اس میں صحیح اور ضعیف کا اختلاف کیوں ہے؟ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ حدیث کی طرح قرآن مجید میں بھی متواتر اور شاذ کا اختلاف موجود ہے۔

اگر آپ کے علم میں نہیں ہے تو حسن بصری متوفی 110ھ، ابن محیصن متوفی 123ھ، اعمش اسدی متوفی 148ھ اور یحی یزیدی متوفی 202ھ کی مروی قراءات دیکھ لیں۔[1] اور یہ چاروں حضرات تو اتنے معروف ہیں کہ ان کی شاذ قراءات کے مصاحف بھی پبلش ہوتے ہیں۔ لیکن جس طرح شاذ قراءات کے وجود سے قرآن مجید مشتبہ نہیں قرار پاتا، اسی طرح موضوع روایات کے موجود ہونے سے مقبول احادیث پر طعن وارد نہیں ہوتا۔

[1] أبو الفتح عثمان بن جني الموصلي (المتوفى: 392هـ)، المحتسب في تبيين وجوه شواذ القراءات والإيضاح عنها، وزارة الأوقاف-المجلس الأعلى للشئون الإسلامية، المملكة العربية السعودية، 1420هـ- 1999م

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری بات یہ ہے کہ احادیث کا ایک بڑا اور غالب ذخیرہ ایسا ہے کہ جس کی صحت وضعف میں اختلاف نہیں ہے اور کم احادیث ہیں کہ جن کی صحت وضعف کی بابت ائمہ سلف کا اختلاف ہوا ہے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ جن احادیث کی صحت وضعف میں ائمہ سلف کا اختلاف نقل ہوا ہے، وہ احادیث اصول ومبادی دین سے متعلق نہیں ہیں بلکہ جزئیات اور فروعات سے بحث کرتی ہیں لہذا دین کے اصول ومبادی کل کے کل مقبول روایات سے ہی ثابت ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ہم بار بار یہ واضح کر رہے ہیں کہ اللہ کا دین حدیث ہے یہ عوامی بیان ہے جبکہ علمی بیان یہ ہے کہ اللہ کا دین حدیث میں موجود ہے یعنی اللہ کا دین سنت ہے جو حدیث میں موجود ہے لہذا حدیث کے صحیح اور ضعیف ہونے کا مطلب دین کی صحت اور ضعف نہیں ہے بلکہ دین کی اپنے شارع کی طرف نسبت کا صحیح یا ضعیف ہونا ہے۔ اور نسبت کا صحیح یا ضعیف ہونا کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ کسی حدیث کی صحت وضعف میں اختلاف مخاطبین کی جہت سے ہے نہ کہ خدا کی جہت سے۔ پس اگر قرآن مجید میں موجود اللہ کے دین اور حکم تک بذریعہ فہم پہنچنے میں مجتہدین اور فقہاء کا اختلاف ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ تھوڑا ہے کہ شریعتیں دو ہیں۔ ہم یہ کہیں گے کہ اللہ کا حکم ایک ہی ہے لیکن بعض فقہاء نے اس کو پالیا اور بعض نہ پا سکے۔ اور اجر وثواب دونوں کے لیے ہے اگرچہ جس نے حکم پالیا اس کے لیے دوگنا اجر اور جس نے نہ پایا تو اس کے لیے ایک گناہ اجر ہے۔ پس جس طرح اللہ کی کتاب میں موجود حکم کو بذریعہ استدلال واستنباط پالینے میں دو رائیں ہو سکتی ہیں، اسی طرح احادیث میں موجود اللہ کے حکم کے اثبات ونفی میں بھی دو رائیں ہو سکتی ہیں۔

آخری اور چھٹی بات یہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ کا دین کتاب اللہ اور احادیث رسول ﷺ میں محفوظ ہے تو یہ من جملہ حفاظت کی بات ہوتی ہے۔ یعنی امت کے پاس وہ احادیث موجود ہیں کہ جن میں اللہ کا حکم ہے، لہذا کسی محدث نے اپنی تحقیق سے اس حکم کو پالیا اور کوئی نہ پا سکا کہ جس طرح اللہ کی کتاب میں موجود حکم کو کسی مجتہد نے پالیا اور کوئی اس کو نہ پا سکا۔ تو جس مجتہد نے اللہ کا حکم نہ پایا تو اس نے جو پایا ہے، وہ اللہ کا حکم نہیں ہے لیکن پھر بھی اس کے لیے ایک گنا اجر ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ گہری بات ہے اور یہی قاعدہ محدثین کے لیے بھی جاری ہوتا ہے۔

عہد نبوی اور عہد صحابہ میں احادیث کی کتابت

آغازِ اسلام میں اللہ کے رسول ﷺ نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا کہ اس میں کئی حکمتیں تھیں۔ ایک یہ کہ لوگ ابھی تک قرآن مجید کے اسلوبِ کلام سے مانوس نہ تھے لہذا وہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث کو خلط ملط کر دیتے تھے۔ دوسرا یہ کہ شروع اسلام میں قرآن مجید میں جن موضوعات کو زیر بحث لایا گیا، وہ عقائد، سابقہ اقوام کے قصص اور اخلاقیات تھیں کہ جن کی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ مکی سورتوں کے مضامین عموماً یہی ہیں لہذا مکہ کے ابتدائی تیرہ سالوں میں احادیث کی ضرورت نہ تھی، صرف قرآن مجید ہی کافی تھا۔ شریعت مدنی سورتوں میں مدینہ میں جا کر نازل ہوئی کہ جس کی تفصیل اور وضاحت اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی احادیث سے بیان فرمائی۔

صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق شروع اسلام میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن مجید کے علاوہ لکھا ہے، تو وہ مٹا دے۔[1] اس کے بعد جبکہ مسلمان قرآن مجید کے اسلوب کلام سے مانوس ہو گئے اور شرعی احکام کا نزول شروع ہو گیا تو آپ ﷺ نے احادیث لکھنے کی اجازت دے دی۔ سنن ابو داؤد میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ میں آپ سے بہت سی باتیں سنتا ہوں، کیا انہیں لکھ لیا کروں؟ تو آپ ﷺ نے کہا کہ ہاں! لکھ لیا کرو۔ انہوں نے کہا کہ آپ کبھی خوش ہوتے ہیں اور کبھی غصے میں ہوتے ہیں [تو کیا ہر حال میں کہی ہوئی بات لکھ لیا کروں]۔ تو آپ ﷺ نے کہا کہ ہاں، اللہ کی قسم! میری زبان سے حق کے علاوہ کچھ جاری نہیں ہوتا [چاہے میں کسی حال میں بھی ہوں]۔[2]

صحیح بخاری کی ایک روایت کے مطابق ابو شاہ یمنی رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے درخواست کی تھی

[1] مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري (المتوفى: 261هـ)، المسند الصحيح المختصر بنقل العدل عن العدل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، دار إحياء التراث العربي، بيروت، كِتَابُ الزُّهْدِ وَالرَّقَائِقِ، بَابُ التَّثَبُّتِ فِي الْحَدِيثِ وَحُكْمِ كِتَابَةِ الْعِلْمِ، 2298/4

[2] أبو داود، سليمان بن الأشعث بن إسحاق الأزدي (المتوفى: 275هـ)، سنن أبي داؤد، المكتبة العصرية، بيروت، كِتَاب الْعِلْمِ، بَابٌ فِي كِتَابِ الْعِلْمِ، 318/3

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ جو باتیں انہوں نے فتح مکہ کے خطبہ عام میں آپ ﷺ سے سنی ہیں، وہ انہیں لکھ کر دے دی جائیں۔ تو آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ ابو شاہ کو میرے خطبہ کی باتیں لکھ کر دے دو۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ہیں کہ جن میں نبی ﷺ کے زمانے میں ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے احادیث لکھنے کا بیان ہے۔[1] صحیح بخاری ہی کی ایک روایت کے مطابق حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی بھی حدیث نبوی کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں تھا کیونکہ وہ آپ ﷺ کی احادیث لکھ بھی لیتے تھے اور یاد بھی کرتے تھے جبکہ میں صرف یاد رکھتا تھا اور لکھتا نہ تھا۔[2] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ نے جب یہ سوال کیا کہ کیا آپ کے پاس قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی کا علم ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ بس قرآن مجید کا فہم ہے اور یہ ایک صحیفہ ہے۔ تو انہوں نے پوچھا کہ اس صحیفے میں کیا ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ دیت، قیدیوں کو چھوڑنے اور کافر کے بدلے مسلمان کو قتل نہ کرنے جیسے احکامات ہیں۔[3] پس تربیت یافتہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ایک جماعت آپ ﷺ کے زمانے میں ہی احادیث کو لکھا کرتی تھی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے اللہ کے رسول ﷺ سے جو احادیث لکھی ہیں، اسے "الصحيفة الصادقة" کہتے ہیں، یہ حدیث کی پہلی کتاب تھی جو آپ ﷺ کے زمانہ میں ہی مدون ہوئی اور محدثین میں نہ صرف اس کا تذکرہ عام ہے بلکہ بہت سے محدثین اپنی کتابوں میں اس سے روایات بھی لائے ہیں۔ اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا صحیفہ اہم ہے کہ جو ان احادیث پر مشتمل ہے جو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنی تھی۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا صحیفہ اہم ہے کہ جو ان احادیث پر مشتمل ہے جو انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ سے سنی تھی۔ اسی طرح ہمام بن منبہ رحمہ اللہ نے حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے جو احادیث سنی تھیں، انہیں ایک صحیفہ میں جمع کر دیا جو کہ "صحيفة همام بن منبه" کہلاتا ہے۔ یہ کل 138 احادیث ہیں، اور اس صحیفے سے امام

[1] محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي، صحيح البخاري، دار طوق النجاة، مصر۔ الطبعة الأولى، 1422هـ، كِتَاب فِي اللُّقَطَةِ، بَابُ كَيْفَ تُعَرَّفُ لُقَطَةُ أَهْلِ مَكَّةَ، 125/3

[2] صحيح بخاري، كِتَابُ العِلْمِ، بَابُ كِتَابَةِ العِلْمِ، 34/1

[3] صحيح بخاري، كِتَابُ الجِهَادِ وَالسِّيَرِ، بَابُ فَكَاكِ الأَسِيرِ، 69/4

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بخاری، امام مسلم، امام احمد رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر محدثین نے احادیث لی ہیں۔[1] اس صحیفے کے دو قلمی نسخے، دمشق اور برلن، میں موجود ہیں کہ جن میں فرق نہیں ہے۔ معروف محقق ڈاکٹر حمید اللہ رحمہ اللہ نے صحیفہ ہمام بن منبہ کو ایڈٹ کر کے شائع کیا ہے کہ جس کا اردو ترجمہ مارکیٹ میں عام دستیاب ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا حجیت احادیث اور آثار صحابہ کے بارے موقف

حضرت الامام رحمہ اللہ نے اپنے ہاں دین کے مصادر کی جو تعداد اور ترتیب بیان کی ہے، وہ قرآن، حدیث اور قول صحابی ہے۔ ذیل میں حدیث کے حجت ہونے اور مصدر دین ہونے کے بارے میں علامہ صیمری متوفی 436ھ اپنی سند سے امام رحمہ اللہ کا ایک قول نقل کر رہے ہیں:

أُخْبُرْنَا أَبُو الْقَاسِم عبد الله بن مُحَمَّد الْبَزَّاز قَالَ ثَنَا مكرم قَالَ ثَنَا أَحْمد بن عَطِيَّة قَالَ ثَنَا ابْن سَمَّاعَة عَن أبي يُوسُف قَالَ سَمِعت أَبَا حنيفَة يَقُول إِذا جَاءَ الحَدِيث عَن النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم عَن الثِّقَات أَخذنَا بِهِ فَإِذا جَاءَ عَن أَصْحَابه لم نخرج عَن أقاويلهم فَإِذا جَاءَ عَن التَّابِعين زاحمتهم.[2]

"امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جب ثقہ راویوں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ہم تک پہنچ جائے تو ہم اس کو پکڑ لیتے ہیں۔ اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کوئی بات ہم تک پہنچ جائے تو ہم صحابہ کے اقوال سے باہر نہیں نکلتے۔ اور جب تابعین کی بات آتی ہے تو ہم ان سے اختلاف کرتے ہیں۔"

اسی طرح امام ابن قیم رحمہ اللہ، نعیم بن حماد کی سند سے حدیث کی حجیت کے بارے میں امام صاحب کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قَالَ نُعَيْمُ بْنُ حَمَّادٍ: ثنا ابْنُ الْمُبَارَكِ قَالَ: سَمِعْت أَبَا حَنِيفَةَ يَقُولُ: إذَا جَاءَ عَنْ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَعَلَى الرَّأْسِ وَالْعَيْنِ، وَإِذَا جَاءَ عَنْ

[1] محمد عجاج بن محمد تميم بن صالح بن عبد الله الخطيب، السنة قبل التدوين، دار الفكر، بيروت، الطبعة الثالثة، 1400 هـ - 1980م، ص 348-361

[2] الحسين بن علي بن محمد بن جعفر، أبو عبد الله الصَّيْمَري الحنفي (المتوفى: 436هـ)، أخبار أبي حنيفة وأصحابه، دار عالم الكتب، بيروت، الطبعة الثانية، 1405هـ - 1985م، ص 24

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الصَّحَابَةِ نَخْتَارُ مِنْ قَوْلِهِمْ، وَإِذَا جَاءَ عَنْ التَّابِعِينَ زَاحَمْنَاهُمْ.[1]

"عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جب کوئی بات اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمارے پاس آ جائے تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر۔ اور جب صحابہ سے کوئی بات آئے تو ہم صحابہ کے اقوال میں سے کسی ایک قول کو اختیار کر لیتے ہیں اور جب تابعین کی بات آتی ہے تو ہم ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔"

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صحیح حدیث مطلقاً حجت ہے بلکہ وہ تو اس قدر روایت پسند ہیں کہ حدیث تو کجا صحابہ کے اقوال کی موجودگی میں بھی اپنے اجتہاد کا اظہار کرنا درست نہیں سمجھتے ہیں۔ اور پھر جس دین کی یہ شان ہو کہ اس کے جلیل القدر ائمہ کے اقوال کی اسناد تک محفوظ ہوں، تو عجب نہیں ہے کہ کچھ لوگ اس دین کے پیغمبر کے اقوال کے بارے شکوک و شبہات پیدا کر رہے ہوں۔

اور امام صاحب کے نزدیک صحیح حدیث وہی ہے جو کہ ثقہ راویوں سے مروی ہو جیسا کہ محدثین کے ہاں بھی حدیث کی صحت کا یہی معیار مقرر ہے۔ لہذا اس حوالے سے فقہاء اور محدثین کے منہج میں کوئی فرق نہیں ہے۔ فقہاء سے ہماری مراد متاخرین نہیں بلکہ بانیانِ مذاہب ہیں۔

خبر واحد سے دین کا قطعی علم ثابت ہوتا ہے

قرآن مجید اور احادیث دونوں اللہ کا دین ہے۔ اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے نہ کہ صرف قرآن مجید کی حفاظت کا۔ یہ دین ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعی خبر کے ذریعے ملا ہے۔ جس طرح قرآن مجید کی خبر قطعی ہے، اسی طرح احادیث کی خبر بھی قطعی ہے کیونکہ قرآن مجید اور احادیث ایک ہی ذریعہ سے اس امت کو منتقل ہوئے ہیں اور وہ ذریعہ "خبر قطعی" کا ہے۔

اور جس طرح فتنہ پروروں نے احادیث وضع کی ہیں، اسی طرح قرآن مجید بھی گھڑا گیا۔ جس طرح احادیث کی خبر میں "موضوع" اور "صحیح" کی مصطلحات موجود ہیں، اسی طرح قرآن مجید میں بھی "شاذ" اور "متواتر" کی اصطلاحات موجود ہیں۔[2] جس طرح محدثین نے احادیث میں "صحیح" کو

[1] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين (المتوفى: 751هـ)، إعلام الموقعين عن رب العالمين، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1411هـ - 1991م، 94/4

[2] السيوطي، عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين (المتوفى: 911هـ)، الإتقان في علوم القرآن، الهيئة المصرية العامة

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"موضوع" سے جدا کیا، اسی طرح قراء کرام نے "متواتر" کو "شاذ" سے ممیز کیا۔

جس طرح احادیث میں طبقات المحدثین ہیں، اسی طرح قرآن مجید میں طبقات القراء ہیں۔[1] جس طرح احادیث کی خبر کی صحت کی شرائط منقول ہیں جو کہ عام طور محدثین کے نزدیک پانچ ہیں، اسی طرح قرآن مجید کی خبر کی صحت کی بھی شرائط منقول ہیں جو عام طور قراء کے نزدیک تین ہیں کہ جن کا ذکر ہم ایک مستقل مقالہ میں کر چکے ہیں جبکہ تفصیل کے لیے علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ کی "منجد المقرئین ومرشد الطالبین" دیکھی جا سکتی ہے۔[2] جس طرح حدیث کی صحت کے اصول، اصولِ حدیث کی کتابوں میں منقول ہیں، اسی طرح قرآن مجید کی صحت کے اصول، علومِ قرآن کی کتب میں مذکور ہیں۔ تو جس طرح حدیث سند سے نقل ہوئی ہے، اسی طرح قرآن مجید بھی سند سے نقل ہوا۔

اس موضوع پر کچھ دوستوں سے ہمارا ایک مکالمہ ہوا تھا کہ خبر واحد سے ثابت شدہ دین قطعی ہوتا ہے یا ظنی۔[3] ہمارا موقف یہ ہے کہ خبر واحد سے قطعی دین ثابت ہوتا ہے کہ یہی سلف صالحین کا موقف ہے۔ سرِ دست اس مکالمے کے چند نکات یہاں رکھ رہا ہوں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ خبر واحد، حدیث کے مترادف ہے اور حدیث کو خبر متواتر اور خبر واحد میں تقسیم کرنا بے کار کی تقسیم ہے۔ متواتر کی اصطلاح سے قطع نظر عملی صورت حال یہ ہے کہ ذخیرہ حدیث میں صرف ایک حدیث ایسی ہے کہ جسے محدثین نے متواتر مانا ہے بقیہ سب اخبار آحاد ہی ہیں لہذا ایک حدیث کے لیے

للكتاب، مصر، 1394هـ/ 1974 م، 258/1

[1] جیسا کہ طبقات القراء کے بیان میں علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ کی کتاب "غاية النهاية في طبقات القراء" اور امام ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب "معرفة القراء الكبار على الطبقات والأعصار" معروف ہیں۔

[2] ابن الجزري، شمس الدين أبو الخير محمد بن محمد بن يوسف (المتوفى: 833هـ)، منجد المقرئين ومرشد الطالبين، دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 1420هـ -1999م، ص 18

[3] یہ مکالمہ راقم اور ڈاکٹر زاہد صدیق مغل صاحب کے مابین فیس بک پر ہوا تھا۔ اس مکالمے میں اگرچہ بعد دوسرے حضرات کے کمنٹس بھی آ گئے جیسا کہ جناب قاری حنیف ڈار صاحب، جناب عمار خان ناصر صاحب، جناب ڈاکٹر خضر یاسین صاحب، جناب محمد حسن صاحب، مولانا سرفراز فیضی۔ صاحب، جناب شکیل بن حسن صاحب، جناب محمد امجد مغل صاحب وغیرہ لیکن اصلاً یہ میرے اور زاہد مغل صاحب کے مابین ہی رہا ۔ یہ مکالمہ مولانا زاہد صدیق مغل صاحب کی وال پر موجود ہے۔ میں نے وہاں سے بعینہ اٹھا کر اس کی امیج بنا کر اپنی وال پر تصویر کے طور پبلش کر دیا ہے۔ اور یہ 32 صفحات پر مشتمل ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اصطلاح وضع کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اسی طرح متواتر کی اصطلاح سلف صالحین کی نہیں ہے، نہ ہی ائمہ اربعہ نے اسے استعمال کیا ہے۔ یہ یونانی اصطلاح ہے جو منطق کے رستے اصول فقہ میں داخل ہوئی۔ ہمارے سلف اس اصطلاح سے ناواقف ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابن الصلاح رحمہ اللہ نے اصول حدیث کی معروف کتاب "معرفة أنواع علوم الحديث" جو کہ مقدمہ ابن الصلاح کے نام سے بھی معروف ہے، میں لکھا ہے کہ متواتر محدثین کی اصطلاح نہیں ہے بلکہ یہ منطق کے رستے اصول فقہ میں آئی ہے اور وہاں سے خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اسے اصول حدیث میں داخل کیا ہے۔[1]

دیکھیں! خبر کو متواتر اور آحاد میں تقسیم کرنے میں ہمیں اعتراض نہیں کہ "لا مشاحة في الاصطلاح" یعنی اصطلاح بنانے میں کنجوسی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ لیکن اگر آپ یہ کہیں کہ اس تقسیم کا مقصود یہ ہے کہ متواتر سے قطعی دین ثابت ہوتا ہے اور آحاد سے ظنی، تو پھر ہم یہی کہیں گے کہ یہ تقسیم سلف سے دکھائیں کیونکہ اب آپ اس تقسیم کے ذریعے دین کو تقسیم کر رہے ہیں۔ آپ کی حدیث کا کل ذخیرہ ہے ہی خبر واحد۔ متواتر تو ایک اصطلاح ہے، بس! کہ جس کا اطلاق ڈھونڈے کو نہیں ملتا۔ محدثین کو صرف ایک روایت ملی ہے کہ جسے متواتر کہہ سکیں۔ ایک روایت کے لیے اصطلاح بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے خبر واحد برابر ہے حدیث کے، یہ کہنا ٹھیک ہے کیونکہ کل ذخیرہ احادیث ہے ہی خبر واحد۔ خبر واحد اور متواتر میں حدیث کی تقسیم کے رستے دراصل حدیث سے ثابت شدہ دین کو ظنی قرار دیا جاتا ہے۔ اور یہ رویہ ہماری نظر میں خطرناک ہے۔

تواتر، تواتر، تواتر، ایک رانگ نمبر ہے، جس پر ابھی تک کسی کی کال نہیں ملی۔ اگر کسی کی کال ملی ہو تو صرف اتنا بتلادے کہ کتنے ہوں تو تواتر حاصل ہوتا ہے؟ بس جس دن یہ بتلا دیا گیا کہ اتنوں سے

[1] وَمِنَ الْمَشْهُورِ: الْمُتَوَاتِرُ الَّذِي يَذْكُرُهُ أَهْلُ الْفِقْهِ وَأُصُولِهِ، وَأَهْلُ الْحَدِيثِ لَا يَذْكُرُونَهُ بِاسْمِهِ الْخَاصِّ الْمُشْعِرِ بِمَعْنَاهُ الْخَاصِّ، وَإِنْ كَانَ الْحَافِظُ الْخَطِيبُ قَدْ ذَكَرَهُ، فَفِي كَلَامِهِ مَا يُشْعِرُ بِأَنَّهُ اتَّبَعَ فِيهِ غَيْرَ أَهْلِ الْحَدِيثِ، وَلَعَلَّ ذَلِكَ لِكَوْنِهِ لَا تَشْمَلُهُ صِنَاعَتُهُمْ، وَلَا يَكَادُ يُوجَدُ فِي رِوَايَاتِهِمْ، فَإِنَّهُ عِبَارَةٌ عَنِ الْخَبَرِ الَّذِي يَنْقُلُهُ مَنْ يَحْصُلُ الْعِلْمُ بِصِدْقِهِ ضَرُورَةً، وَلَا بُدَّ فِي إِسْنَادِهِ مِنِ اسْتِمْرَارِ هَذَا الشَّرْطِ فِي رُوَاتِهِ مِنْ أَوَّلِهِ إِلَى مُنْتَهَاهُ. وَمَنْ سُئِلَ عَنْ إِبْرَازِ مِثَالٍ لِذَلِكَ فِيمَا يُرْوَى مِنَ الْحَدِيثِ أَعْيَاهُ تَطَلُّبُهُ. [ابن الصلاح، عثمان بن عبد الرحمن، أبوعمرو، تقي الدين (المتوفى: 643هـ)، معرفة أنواع علوم الحديث، ويُعرف بمقدمة ابن الصلاح، دار الفكر المعاصر، بيروت، 1406هـ - 1986م، ص 267-268]

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تواتر حاصل ہوتا ہے، اس دن کال مل گئی۔ کچھ نے کہا کہ تواتر چار سے حاصل ہوتا ہے، کچھ نے پانچ، کچھ نے سات، کچھ نے دس، کچھ نے بارہ، کچھ نے چالیس، کچھ نے ستر اور کچھ نے تین سو تیرہ وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ اسی لیے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور کا موقف یہ ہے کہ متواتر وہ ہے کہ جس سے علم قطعی حاصل ہو اور اس میں تعداد کا کوئی عمل دخل نہیں ہے کہ بعض اوقات خبر واحد سے بھی علم قطعی حاصل ہو جاتا ہے لہذا صحیحین کی اکثر روایات متواتر ہیں اور بعض اوقات جم غفیر کی خبر کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔[1] خدا کے دین میں ذریعہ ثبوت کے اعتبار سے قرآن مجید اور حدیث کے ذریعہ میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا کیونکہ دونوں دین ہیں۔ دونوں سند سے نقل ہوئے ہیں۔ دونوں سند ہی سے حجت قرار پاتے ہیں۔ دونوں سند ہی کی بنیاد پر قطعی ہیں۔

باقی صحیح موقف یہ ہے کہ قرآن بھی قطعی ذریعے سے ثابت ہے اور حدیث بھی۔ اور وہ قطعی ذریعہ سند ہے۔ نمبروں کے کھیل کا تعلق اس تصورِ دین سے ہے جسے انسانوں نے بنایا ہے۔ اگر نمبروں کی گیم اتنی ہی اہم ہوتی تو اللہ عزوجل قرآن مجید میں ہی امت کو حکم دے دیتے کہ جب تک چار، دس، سترہ، تیس، چالیس، ستر، سو، تین سو تیرہ وغیرہ جتنی تعداد سے قرآن نہ سن لینا، اس وقت تک اس کے قرآن ہونے پر ایمان نہ لانا۔ جن لوگوں نے متواتر کی اصل تعداد کو بنایا ہے، وہ آج تک

[1] وَأَمَّا الْمُتَوَاتِرُ فَالصَّوَابُ الَّذِي عَلَيْهِ الْجُمْهُورُ: أَنَّ الْمُتَوَاتِرَ لَيْسَ لَهُ عَدَدٌ مَحْصُورٌ بَلْ إذَا حَصَلَ الْعِلْمُ عَنْ إخْبَارِ الْمُخْبِرِينَ كَانَ الْخَبَرُ مُتَوَاتِرًا وَكَذَلِكَ الَّذِي عَلَيْهِ الْجُمْهُورُ أَنَّ الْعِلْمَ يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ حَالِ الْمُخْبِرِينَ بِهِ. فَرُبَّ عَدَدٌ قَلِيلٌ أَفَادَ خَبَرُهُمْ الْعِلْمَ بِمَا يُوجِبُ صِدْقَهُمْ وَأَضْعَافُهُمْ لَا يُفِيدُ خَبَرُهُمْ الْعِلْمَ؛ وَلِهَذَا كَانَ الصَّحِيحُ أَنَّ خَبَرَ الْوَاحِدِ قَدْ يُفِيدُ الْعِلْمَ إذَا احْتَفَّتْ بِهِ قَرَائِنُ تُفِيدُ الْعِلْمَ. وَعَلَى هَذَا فَكَثِيرٌ مِنْ مُتُونِ الصَّحِيحَيْنِ مُتَوَاتِرُ اللَّفْظِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ وَإِنْ لَمْ يَعْرِفْ غَيْرُهُمْ أَنَّهُ مُتَوَاتِرٌ؛ وَلِهَذَا كَانَ أَكْثَرُ مُتُونِ الصَّحِيحَيْنِ مِمَّا يَعْلَمُ عُلَمَاءُ الْحَدِيثِ عِلْمًا قَطْعِيًّا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَهُ تَارَةً لِتَوَاتُرِهِ عِنْدَهُمْ وَتَارَةً لِتَلَقِّي الْأُمَّةِ لَهُ بِالْقَبُولِ. وَخَبَرُ الْوَاحِدِ الْمُتَلَقَّى بِالْقَبُولِ يُوجِبُ الْعِلْمَ عِنْدَ جُمْهُورِ الْعُلَمَاءِ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَد وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ أَصْحَابِ الْأَشْعَرِيِّ كالإسفراييني وَابْنِ فورك؛ فَإِنَّهُ وَإِنْ كَانَ فِي نَفْسِهِ لَا يُفِيدُ إلَّا الظَّنَّ؛ لَكِنْ لَمَّا اقْتَرَنَ بِهِ إجْمَاعُ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ عَلَى تَلَقِّيهِ بِالتَّصْدِيقِ كَانَ بِمَنْزِلَةِ إجْمَاعِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْفِقْهِ عَلَى حُكْمٍ مُسْتَنِدِينَ فِي ذَلِكَ إلَى ظَاهِرٍ أَوْ قِيَاسٍ أَوْ خَبَرٍ وَاحِدٍ فَإِنَّ ذَلِكَ الْحُكْمَ يَصِيرُ قَطْعِيًّا عِنْدَ الْجُمْهُورِ وَإِنْ كَانَ بِدُونِ الْإِجْمَاعِ لَيْسَ بِقَطْعِيٍّ؛ لِأَنَّ الْإِجْمَاعَ مَعْصُومٌ فَأَهْلُ الْعِلْمِ بِالْأَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ لَا يَجْمَعُونَ عَلَى تَحْلِيلِ حَرَامٍ وَلَا تَحْرِيمِ حَلَالٍ كَذَلِكَ أَهْلُ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ لَا يُجْمِعُونَ عَلَى التَّصْدِيقِ بِكَذِبٍ وَلَا التَّكْذِيبِ بِصِدْقِ. وَتَارَةً يَكُونُ عِلْمُ أَحَدِهِمْ لِقَرَائِنَ تَحْتَفُّ بِالْأَخْبَارِ تُوجِبُ لَهُمْ الْعِلْمَ وَمَنْ عَلِمَ مَا عَلِمُوهُ حَصَلَ لَهُ مِنْ الْعِلْمِ مَا حَصَلَ لَهُمْ. [ابن تيمية، تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم الحراني (المتوفى: 728هـ)، مجموع الفتاوى، مجمع الملك فهد، المملكة العربية السعودية، 1416هـ/1995م، 18/40-41]

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ واضح نہ کر سکے کہ چار سے تواتر حاصل ہوتا ہے، دس سے، سترہ سے، تیس سے، چالیس سے، ستر سے، سو سے، تین سو تیرہ سے، کتنوں سے؟ پھر تواتر کے لیے مطلوب تعداد کے اثبات کے لیے جو دلائل بیان کیے گئے ہیں، وہ بھی مذاق ہی ہیں جیسا کہ جن لوگوں کا قول ہے کہ پانچ سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ اولوالعزم رسول پانچ ہیں۔ جنہوں نے کہا کہ سات سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ اصحاب کہف سات تھے۔ جنہوں نے کہا کہ دس سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو ان کی دلیل یہ ہے کہ جمع قلت کے لیے کم از کم دس افراد کا ہونا شرط ہے۔ جنہوں نے کہا کہ بارہ سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ بنی اسرائیل کے نقباء کی تعداد بارہ تھی۔ اور جنہوں نے کہا کہ چالیس سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو ان کی دلیل یہ ہے کہ جمعہ قائم کرنے کے لیے چالیس افراد کا ہونا معتبر ہے۔ جنہوں نے کہا کہ ستر افراد سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ عزوجل سے ملاقات کے لیے اپنی قوم میں سے ستر افراد کا انتخاب کیا تھا۔ اور جنہوں نے کہا کہ تین سو تیرہ کی تعداد سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو ان کی دلیل یہ ہے کہ اصحاب بدر کی تعداد اتنی تھی۔ اور جنہوں نے کہا کہ سات یا چودہ سو سے تواتر حاصل ہوتا ہے تو انہوں نے کہا کہ بیعت رضوان میں اتنے صحابہ تھے وعلی ہذا القیاس۔[1]

اگر خبر واحد سے دین کی قطعیت ثابت نہ ہوتی تو اللہ عزوجل ہر قوم کی طرف ایک رسول کیوں بھیجتے؟ اور رسول کی طرف وحی بھی ایک ہی فرشتہ کیوں لے کر آتا؟ پس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر جو کہ آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دی ہے، متواتر ہے، اس معنی میں کہ اس سے علم قطعی حاصل ہوتا ہے کہ قرآن مجید بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر واحد ہی ہے۔

تواتر اگر محض انفارمیشن کے لیے ایک اصطلاح ہے تو ہمیں اصطلاحات سے کوئی مسئلہ نہیں ہے جیسا کہ خبر واحد کو تین حصوں مین تقسیم کر دیں: غریب، عزیز اور مشہور۔ لیکن اگر آپ کی اصطلاح سے تصورِ دین بگڑنے لگے تو ہم اس وقت اس اصطلاح کا رد کریں گے۔ لوگوں نے تواتر کی یونانی اصطلاح سے اللہ کے دین کو تقسیم کر دیا۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو تقسیم کر دیا۔ قطعی کو

[1] إرشاد الفحول إلي تحقيق الحق من علم الأصول: 1/132-133

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ظنی بنادیا۔

ایک ایسے دور میں بیٹھ کر قرآن مجید کے متواتر ہونے کی باتیں کرنا جبکہ مصاحف لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو رہے ہوں، اور بات ہے۔ اور تابعین کے دور میں پہنچ کر یہ بات ثابت کرنا کہ انہیں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے قرآن مجید تواتر سے ملا ہے، اور بات ہے۔ وہاں تو ایک دوسرے کی قرآن کی وجہ سے تکفیر ہو رہی تھی۔ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں آذربائیجان اور آرمینیہ کے محاذوں پر سپاہیوں میں قرآن مجید پڑھنے کے بارے جو اختلاف ہوا تھا تو سپہ سالار حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر اس اختلاف کی اطلاع دیتے ہوئے کہا تھا کہ یہ اللہ کی کتاب میں اختلاف کر رہے ہیں لہذا ان کو کسی بات پر جمع کر دیں۔[1] اس کے بعد جمع عثمانی کا معاملہ ہوا۔ پس خلاصہ یہ ہے کہ اگر تواتر سے مراد قطعیت ہے تو ہم اس کے قائل ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث دونوں متواتر ہیں اور اگر مراد تعداد ہے تو آپ بیان کر دیں۔

تابعین کے دور میں اگر قرآن مجید کی کسی آیت کی تحقیق کے لیے کسی کو مکہ یا مدینہ نہیں جانا پڑا تو کسی حدیث کی تحقیق کے لیے بھی نہیں جانا پڑا۔ خلافت راشدہ میں جب ایک تابعی ایک صحابی سے قرآن مجید سنتے تھے، تو اس کے قرآن مجید ہونے کا ایمان رکھتے تھے۔ یہ نہیں تھا کہ جب تک ایک تابعی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے جم غفیر سے قرآن مجید نہیں سن لیتا تھا تو اس وقت تک اسے قرآن مجید نہیں مانتا تھا۔ خیر القرون کے بعد جب تحقیق کا دور شروع ہوا تو قرآن اور حدیث دونوں کی تحقیق ہوئی۔ طبقات المحدثین مرتب ہوئیں تو طبقات القراء بھی لکھی گئی۔ جب احادیث کی چھانٹی ہوئی تو قرآن بھی چھانٹ کر مرتب ہوا، اسی لیے تو موضوع، شاذ، ضعیف اور حسن قراءات وجود میں آئیں۔[2] یہ تو تاریخ قرآن کے موضوع کی بہت ہی بنیادی بات ہے۔ باقی ہمیں یہ فرق ضرور کرنا چاہیے کہ قرآن مجید کے نقل میں تلقی و تلاوت تھی جبکہ حدیث میں تحمل و اداء۔ تلقی و تلاوت میں

[1] أَنَّ حُذَيْفَةَ بْنَ اليَمَانِ، قَدِمَ عَلَى عُثْمَانَ وَكَانَ يُغَازِي أَهْلَ الشَّأْمِ فِي فَتْحِ أَرْمِينِيَةَ، وَأَذْرَبِيجَانَ مَعَ أَهْلِ العِرَاقِ، فَأَفْزَعَ حُذَيْفَةَ اخْتِلاَفُهُمْ فِي القِرَاءَةِ، فَقَالَ حُذَيْفَةُ لِعُثْمَانَ: يَا أَمِيرَ المُؤْمِنِينَ، أَدْرِكْ هَذِهِ الأُمَّةَ، قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا فِي الكِتَابِ اخْتِلاَفَ اليَهُودِ وَالنَّصَارَى [صحيح البخاري: 183/6]

[2] الإتقان في علوم القرآن: 258/1-281

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الفاظ اصل ہیں جبکہ تحمل واداء میں معنی کی اہمیت ہے۔ حدیث میں نہ تلقی تھی اور نہ ہی تلاوت۔ البتہ قرآن مجید اور حدیث دونوں کے منتقل ہونے کا ذریعہ ایک ہی تھا اور وہ قطعی سند تھی۔

ایک اور طرح سے بات کو سمجھیں تو یوں ہے کہ خبر میں دو پہلو ہوتے ہیں؛ جھوٹ اور سچ۔ جب ایک پہلو متعین ہو جائے تو اسے کہتے ہیں کہ خبر قطعی ہو گئی ہے یعنی دوسرا پہلو قطع ہو گیا، ختم ہو گیا۔ اور قطعیت کے لیے تعداد کا ہونا ضروری نہیں ہے، بس یہی ہمارا مقدمہ ہے۔ مثال کے طور آج میرے لیے امام مالک رحمہ اللہ کی المؤطا کی خبر قطعی ہے کہ اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ کے لیے امام نافع رحمہ اللہ کی خبر قطعی ہے۔ امام نافع رحمہ اللہ کے لیے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی خبر قطعی ہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر قطعی ہے۔

پس میں تواتر کو مان رہا ہوں، لیکن یہ کہہ رہا ہوں کہ اس میں تعداد اصل نہیں ہے۔ اگر آپ تعداد کو نکال دیں تو مجھ میں اور آپ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ تعداد پر حساس ہیں تو تعداد پھر آپ ہی بیان کریں گے کہ جس سے تواتر حاصل ہوتا ہے اور اس تعداد سے تواتر حاصل ہونے کی عقلی و نقلی دلیل بھی آپ کے ذمے ہے۔ اگر آپ کے نزدیک تعداد بھی تواتر کے مفہوم میں شامل ہے تو فرق یہ پڑے گا کہ میرے نزدیک تواتر ایک سے بھی حاصل ہو جائے گا جبکہ آپ کے نزدیک اس تعداد سے حاصل ہو گا جو آپ لوگ بیان کریں گے۔ پس ہمارے نزدیک تواتر سے مراد قطعیت ہے نہ کہ تعداد، لہذا امام مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر ایک متواتر خبر ہے۔ یہ کہنے والا میں پہلا نہیں ہوں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ خبر واحد اور متواتر کی تقسیم ہماری نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ تواتر سے مراد قطعیت ہو تو صحیح اصطلاح ہے، اگر تعداد ہو تو لایعنی مصطلح ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ قطعیت، خبر کا خاصہ ہو یا مخاطب کا فیصلہ دونوں صورتوں میں ایک کی خبر سے بھی قطعیت حاصل ہو جاتی ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ خبر تحقیق سے پہلے ظن کا فائدہ دیتی ہے اور تحقیق کے بعد یقین کا۔ بس جسے آپ خبر واحد کہتے ہیں، وہ ہر حال میں قطعی نہیں ہوتی، تحقیق کے بعد قطعی ہوتی ہے۔ پانچویں بات یہ ہے کہ کچھ اخبار آحاد ایسی ہیں جو تحقیق کے بغیر ہی قطعی ہیں اور یہی صحیح معنوں میں متواتر اخبار ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جیسا کہ مالک عن نافع عن ابن عمر۔ چھٹی بات یہ ہے کہ وہ خبر واحد جو کہ محتف بالقرائن ہو جیسا کہ صحیحین کی خبر واحد ہے یا جس خبر واحد کو تلقی بالقبول حاصل ہو تو یہ بھی عامی کے لیے بغیر تحقیق کے قطعی ہے اور صحیح معنی میں یہ بھی متواتر اخبار ہی ہیں۔ ساتویں بات یہ ہے کہ قرآن مجید کیسے ثابت ہو گا، یہ بھی قرآن ہی بیان کرے گا، کیونکہ یہ دین کا سب سے بنیادی موضوع ہے۔ قرآن نے ہمیں یہ کہا ہے کہ اللہ کی کتاب جب تمہیں ایک شخص سے بھی پہنچے تو تم تحقیق کے بعد اس کو قبول کر لو۔ بس اس کے بعد ہمیں کسی خارجی ذریعہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اور یہ دعوی درست نہیں ہے کہ قرآن مجید کے اثبات کے لیے سند کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ قرآن مجید کی بیس روایات میں سے کوئی ایک روایت بھی بغیر سند کے ثابت کر دیں۔ باقی قرآن کی اسناد کے لیے علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ کی "النشر في القراءات العشر" دیکھ لیں۔[1] اب چونکہ قراء نے کتابوں میں اسناد نقل کر دی ہیں تو متاخرین کو ضرورت نہیں ہے کہ اسناد پڑھیں پڑھائیں۔ ورنہ علمی طور تو قرآن مجید جہاں بھی پڑھیں گے، اگر روایت حفص بھی پڑھیں تو استاد جی، چاہے حنفی ہوں یا اہل حدیث، شافعی ہوں یا مالکی، پہلے یہ بتائیں گے کہ یہ روایت حفص بھی "شاطبیہ" کے طریق سے ہے یا "طیبہ" کے طریق سے۔

اور آج بھی شائع شدہ قرآن، قاری قرآن کی تصدیق کا محتاج ہوتا ہے۔ اور جب تک قاری صاحب تصحیح کا سرٹیفکیٹ نہ دے دیں، اس وقت تک قرآن مجید شائع نہیں ہو سکتا۔ تو اصل قاری صاحب ہیں نہ کہ لکھا ہوا۔ اور قرآن بھی تو بیس روایات میں سے ایک روایت ہے، یعنی روایت حفص۔ پس جسے آپ قرآن کہتے ہیں، علمی زبان میں وہ قراءتِ عاصم اور روایتِ حفص ہے۔ باقی آج سند کی ضرورت نہ قرآن مجید کے لیے اس طرح ہے، نہ حدیث کے لیے۔ دورِ تدوین کے بعد تو سند ایک اعزاز ہے۔

علاوہ ازیں اس بات کو یوں بھی سمجھ سکتے ہیں کہ کیا صحابہ کے لیے خبر واحد سے ثابت شدہ شریعت قطعی تھی اور ہمارے لیے ظنی؟ آپ ﷺ کی مجلس میں جب ایک صحابی کسی حدیث کو سنتا

[1] ابن الجزري، شمس الدين أبو الخير، محمد بن محمد بن يوسف (المتوفى : 833 هـ)، النشر في القراءات العشر، المطبعة التجارية الكبرى، مصر، 58-198

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اپنے گھر، محلے اور قبیلے میں جا کر وہ حدیث بتلاتا تو کیا مخاطبین کے لیے قطعی دین ثابت ہو رہا تھا یا ظنی؟ اسی طرح اگر اکیلا صحابی قرآن مجید کی تدوین سے پہلے اپنے شہر کے لوگوں کو قرآن مجید پڑھائے تو وہ تو قطعی ہے اور اگر حدیث بتلائے تو وہ ظنی ہے؟ پس ایسا نہیں ہے کہ واسطہ بڑھ جانے سے ایک چیز قطعی سے ظنی بن جائے کہ قطعیت شیء کا خاصہ ہے نہ کہ واسطے کا۔ اور اسی طرح ایسا بھی نہیں ہے کہ قرآن مجید کو ایک شخص نقل کرے تو وہ تو قطعی کہلائے لیکن حدیث کو ایک شخص نقل کرے تو وہ ظنی کہلائے۔

ایک صحابی جب اللہ کے رسول ﷺ سے قرآن مجید کی آیات یا کوئی سورت سیکھتے تھے اور اپنے گھر میں اپنی اہلیہ کو جا کر سناتے تھے تو ان کی اہلیہ کے لیے قرآن مجید کی وہ آیات یا سورت اسی قطعیت کے ساتھ ثابت ہو رہی تھی جس قطعیت کے ساتھ اس صحابی رسول ﷺ کے لیے۔ مانا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں خبر واحد کی صورت میں ملنے والے قرآن مجید کے بارے لوگ آپ ﷺ سے تصدیق کر سکتے تھے کہ یہ قرآن مجید ہے بھی یا نہیں لیکن کیا کسی نے ایسی تصدیق کی؟ پس یہ کہنا کہ یہ ہو سکتا تھا، فلاں کر سکتے تھے، تو بھئی! ہو سکتا تھا، کر سکتے تھے، کوئی دلیل ہے کیا؟ کیا ہوا ہے، وہ بیان کریں۔ ورنہ تو ہر صحابی کا ہر فعل حجت بن جائے گا۔ پس قرون اولی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے جس ذریعہ سے قرآن مجید ثابت ہوتا تھا، اسی سے حدیث بھی ثابت ہوتی تھی۔ ہمارے لیے بھی ایسا ہی ہے۔ اور وہ ذریعہ سند ہے، بس!

اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اگر دو چار روایات میں ایک دوسرے سے روایت کو قبول نہیں کیا تو اس سے زیادہ مرتبہ ایک دوسرے سے قرآن کو بھی قبول نہ کیا۔ آرمینیہ اور آذربائیجان کی جنگوں میں ایک دوسرے کے قرآن ہی کا تو انکار ہو رہا تھا۔ تو کیا اس انکار سے قرآن مجید ظنی ہو گیا تھا؟ ہرگز نہیں! آپ پہلے قطعی کا مفہوم ہضم کر لیں اور اس پر غور کر لیں کہ قطعیت خبر کا خاصہ ہے یا مخاطب کا فیصلہ۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ قطعی اور ظنی کی تقسیم نہیں ہے۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن مجید قطعی اور حدیث ظنی ذریعے سے ثابت ہے۔ اللہ کے دین میں یہ تقسیم غلط ہے۔

اور قطعیت کے لیے اجماع کا ہونا ضروری نہیں ہے کہ قرآن مجید اس وقت بھی قطعی تھا جبکہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اس کے بارے اختلافات ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا سے رخصت ہوئے تو قرآن پر اجماع نہیں تھا۔ اگر اس وقت قرآن مجید پر اجماع ہوتا تو جمع وتدوین قرآن کی ساری کہانی اور اس کی وجوہات واسباب سب جھوٹ تسلیم کرنا ہوگا۔ اجماع مصحف عثمانی پر ہوا ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں۔ اس سے پہلے قرآن مجید پر بہت اختلاف تھا جیسا کہ صحیح روایات میں موجود ہے۔ اس کے بیان کے لیے ابن ابی داؤد رحمہ اللہ کی کتاب المصاحف کافی ہے۔[1] لیکن اس اختلاف کا یہ مطلب نہیں تھا کہ قرآن مجید قطعی نہیں تھا۔

اسی طرح جب ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے علاوہ حدیث بھی دین ہے۔ جب یہ مان لیا تو اب پروردگار مجھے آدھا دین قطعی ذریعے سے دے اور آدھا ظنی ذریعے سے، یہ رانگ نمبر ہے۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی ہر دور میں قطعی سند سے ثابت ہوتے رہیں ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ یہی تاریخی حقیقت بھی ہے اور فرد پر اتمام حجت کے لیے پروردگار کی دلیل بھی۔

خبر واحد سے ثابت شدہ عقیدہ قطعی ہے یا ظنی؟

مکتب فراہی اور فکر غامدی سے متاثر لوگوں کا کہنا یہ ہے کہ خبر واحد سے کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا حالانکہ ایسی بات سلف صالحین میں سے کسی نے بھی نہیں کی ہے۔ روایتی مکاتب فکر میں خبر واحد جس طرح فقہی اعمال کا مصدر رہے، اسی طرح دینی عقائد کا بھی ماخذ ہے البتہ ان میں اس بارے اختلاف ہے کہ خبر واحد سے جو عقائد ثابت ہوتے ہیں، وہ قطعی ہیں یا ظنی ہیں۔ ہماری رائے میں خبر واحد سے ثابت شدہ عقائد قطعی ہیں کہ وہ عقیدہ ہی کیا ہے کہ جو ظن پر قائم ہو۔ عقیدہ اور اس کا ظنی ہونا، یہ دو متضاد باتیں ہیں۔ اگر وہ ظنی ہے تو وہ عقیدہ نہیں ہے اور اگر عقیدہ ہے تو ظنی نہیں ہو سکتا۔ چاہے آپ بغیر سوچے سمجھے زبان سے اس کو ظنی کہہ رہے ہوں لیکن آپ کا عمل اس کی قطعیت کی گواہی دے رہا ہوگا۔

وہ عقیدہ ہی کیا کہ جسے شک لاحق ہو۔ اور ظن تو کہتے ہی اس کو ہیں کہ جس میں شک کا پہلو

[1] ابن أبي داود، أبو بكر عبد الله بن سليمان بن الأشعث الأزدي السجستاني (المتوفى: 316هـ)، كتاب المصاحف، الفاروق الحديثة، القاهرة، الطبعة الأولى، 1423هـ - 2002م

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مغلوب ہو۔ البتہ شک اور شبہے میں فرق ہے کہ شبہ عارضی ہوتا ہے لہذا ایک حال ہے نہ کہ صفت جبکہ شک تو ایسا خلجان ہے کہ جس میں سلب وایجاب میں سے کوئی بھی پہلو غالب نہ ہو سکے۔ مومن کو شبہ لاحق ہو سکتا ہے لیکن وہ شک میں مبتلا نہیں رہ سکتا۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابن حزم اور حنفیہ کی ایک جماعت رحمہم اللہ کے نزدیک خبر واحد سے علم یقین حاصل ہوتا ہے نہ کہ محض ظن۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے جب سوال کیا گیا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خبر واحد سے عمل تو واجب ہو جاتا ہے لیکن اس سے یقینی علم حاصل نہیں ہوتا تو انہوں نے جواب میں کہا کہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کہاں سے یہ بات لے آئے ہیں ![1]

خبر واحد سے کون سے اسلامی عقائد ثابت ہوتے ہیں؟ ذرا اس پر ہم کچھ روشنی ڈال دیتے ہیں۔ پھر جو ان عقائد کو ظنی سمجھتے ہیں، وہ ذرا اس پر غور کر لیں کہ ان کا یہ عقیدہ ہے بھی یا نہیں!

- اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے افضل ہیں۔
- میدان محشر میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کریں گے۔
- اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جو احادیث میں نقل ہوئے ہیں۔
- انسان اور کائنات کی ابتداء، جنات اور فرشتوں کی صفات، جنت اور جہنم کی صفات۔
- عشرہ مبشرہ جنتی ہیں۔
- قیامت والے دن جو میزان لگایا جائے گا، اس کے دو پلڑے ہوں گے۔
- حوض کوثر پر ایمان، اور اس پر ایمان کہ جو حوض کوثر سے پانی پیے گا، کبھی بھی پیاسا نہ ہو گا۔
- قلم پر ایمان اور اس پر کہ قلم نے ہر شیء کو لکھ دیا ہے۔
- اس پر ایمان کہ اللہ تعالی نے انبیاء کا جسم زمین پر حرام کر دیا ہے۔
- امام مہدی کے خروج، دجال کی آمد، اور عیسی علیہ السلام کے نزول پر ایمان۔
- اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمانوں پر جانے اور اللہ کی ان نشانیوں پر ایمان جن کے دیکھنے کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی احادیث میں کیا وغیرہ

[1] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين (المتوفى: 751هـ)، مختصر الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطلة، دار الحديث، القاهرة، الطبعة الأولى، 1422هـ - 2001م، ص 553

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث کی درایتی تحقیق

حدیث کی درایتی تحقیق کی معاصر تحریک کو اس بارے دو بنیادی غلط فہمیاں لاحق ہوئیں۔ ایک یہ کہ ان کا خیال ہے کہ محدثین نے احادیث کی روایتی تحقیق کی ہے جبکہ درایتی نہیں لہذا ہمیں حدیث کی درایتی تحقیق کی ضرورت ہے۔ اور دوسری یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چند واقعات میں قلت تدبر کے نتیجے میں وہ یہ سمجھ بیٹھے کہ صحابہ بھی درایت بمعنی عقل کی بنیاد پر احادیث کو رد کر دیتے تھے۔

پہلی غلط فہمی تو صحیح حدیث کی شرائط پر غور نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ محدثین نے احادیث کی روایت اور درایت دونوں اعتبارات سے جانچ پڑتال کی ہے۔ صحیح حدیث کی پہلی تین شرائط کا تعلق روایت اور آخری دو کا درایت سے ہے کہ شذوذ اور علت کی بحث متن میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور علت کی بیسیوں قسمیں ایسی ہیں کہ جن کا تعلق متن سے ہوتا ہے اور اس کا اندازہ "کتب العلل" کے مطالعہ سے ہو جاتا ہے۔

پس محدثین نے احادیث کی اسناد اور متن دونوں کی تحقیق کے اصول وضع کیے اور ان دونوں پر اخبار آحاد کی جانچ پڑتال کی ہے۔ البتہ یہ واضح رہے کہ درایت یعنی متن کی تحقیق کا معنی و مفہوم محدثین کے ہاں کچھ اور ہے اور مکتب فراہی اور ان کے متاثرین کے ہاں کچھ اور ہے۔

ہمارے استاذ ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی صاحب نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالہ بعنوان "علم حدیث میں اسناد و متن کی تحقیق کے اصول" میں استدراکات صحابہ پر بہت عمدہ عقلی و منطقی گفتگو فرمائی ہے اور معاصر محققین میں سے مولانا فراہی رحمہ اللہ، مولانا اصلاحی رحمہ اللہ، غامدی صاحب، پروفیسر تقی امینی صاحب اور جناب عمار خان ناصر صاحب کے حدیث کی درایتی تحقیق کے بارے نظریات کا خوب تعاقب فرمایا ہے۔ ششماہی "رشد" کے حالیہ دو شماروں جنوری اور جولائی 2015ء میں حدیث کی درایتی تحقیق کے بارے صحیح فکر پر مشتمل قابل قدر مضامین شائع کیے گئے ہیں۔

دوسری غلط فہمی کی بنیاد دوہرا معیار ہے۔ یعنی جب پہلے سے ذہن میں یہ طے ہو کہ ہم نے ان احادیث کو قبول نہیں کرنا تو انسانی ذہن قابل توجیہ واقعات میں بھی اعتراضات تلاش کر لیتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہی کام مستشرقین میں سے نولڈکے، رچرڈ بیل اور آرتھر جیفری نے قرآن مجید کے ساتھ کیا ہے۔ اور انہوں نے قرآن مجید کے متن کی تحقیق اس کے متن سے کی ہے کہ جسے وہ "انتقاد اعلی کے اصول" (Principle of Higher Criticism) کا نام دیتے ہیں۔ مستشرقین کی ایک جماعت قرآن مجید کی درایتی تحقیق سے یہ نتیجہ نکالتی ہے کہ یہ خدا کا کلام نہیں ہو سکتا ہے۔[1] اور ہم مستشرقین کے اعتراضات کے بھی جوابات اپنی ایک مستقل تصنیف میں دے چکے ہیں۔

ہمیں یہ نہیں کہنا کہ حدیث کی درایتی تحقیق کا مطالبہ کرنے والے مستشرقین سے متاثر ہیں بلکہ یہ کہنا ہے کہ جب انسانی ذہن پہلے سے ایک متن (text) کے مقام اور مرتبے کا تعین کر چکا ہوتا ہے تو اس کا تجزیہ کرتے ہوئے اس کا سوچنے کا انداز بالکل ایک جیسا ہوتا ہے۔ قرآن مجید کی درایتی تحقیق کے دعوی کے نتیجے میں قرآن مجید کا انکار اور حدیث کی درایتی تحقیق کے دعوی کے نتیجے میں احادیث کا انکار کرنے والوں کا سوچنے کا انداز بالکل ایک جیسا ہے یعنی ان کے ذہنی پیٹرن ملتے ہیں۔ اور طرفہ

[1] Harald Motzk, "Alternative accounts of the Quran's formation", in The Cambridge Companion to the Quran, ed. Jane Dammen McAuliffe, UK: Cambridge University Press, 2006,pp. 59-71

Higher Critical scholarship of the Koran, using methodologies adapted from biblical criticism, is still largely confined to scholars working in Western universities. So, sensitive is this area for Muslims that `Ibn Warraq´, a Muslim-born writer trained in Arabic who accepts the findings of radical Western scholarship, has felt it necessary to publish his work under a pseudonym. [Malise Ruthven, Fundamentalism: A Very Short Introduction, London: Oxford University Press, 2007, p. 49]

As Richard Bell and Montgomery Watt argue in their scholarly Introduction to the Quran: The assumption that God is himself the speaker in every passage leads to difficulties. [Ibid., p. 50]

The Egyptian academic Nasr Abu Zaid, who ventured to use modern literary critical methodology in his approach to the Koran, was forced into exile. Higher criticism of the Koran, where the text is deconstructed in accordance with methods developed by biblical scholars since the 18th century, is still very largely confined to scholars who are not Muslims. Examples include the work of John Wansbrough, Patricia Crone, and Gerald Hawting, Western scholars of Islam who do not accept the traditional view of its origins as related in the earliest texts. [Ibid., pp. 40-41]

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تماشا یہ ہے کہ دونوں کی تحقیق ان کے خیال میں غیر جانبدارانہ ہے۔ حدیث کے معاصر درایتی محققین کا بس یہ ایمان ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی درایتی تحقیق نہیں کرنی ہے ورنہ وہ بھی مستشرقین کے نتائج کے حامل ہوں گے لہذا یہ درایتی محققین جب قرآن مجید کے معاملے میں ویسے ہی جانبدار ہیں جیسا کہ روایت پسند حدیث کے معاملے میں، تو یہ روایت پسندوں کو حدیث کے معاملے میں جانبداری کا طعنہ کیسے دے سکتے ہیں؟

ایک ملحد سے احادیث کے معانی پر مکالمہ

ملحد (atheist) کس طرح احادیث کو اپنے معانی پہناتے ہیں تو اس بارے ایک مکالمہ راقم اور ایک ملحد غلام رسول کے درمیان ہوا۔ راقم نے اس مکالمے کی امیج فائل اپنی فیس بک وال پر شیئر کی ہے۔ غلام رسول، ظاہری بات ہے کہ فیس بک پر اس ملحد کا فرضی نام ہے جبکہ وہ ایک ملحدانہ فیس بک پیج کا ایڈمن ہے اور فیس بک کی دنیا میں کافی معروف شخصیت ہے۔ غلام رسول صاحب نے اپنے پیج پر ایک حدیث شیئر کی کہ جس میں حدیث کا ترجمہ ایسا لگایا جو کہ بنتا نہیں تھا اور اپنے اسی ترجمے سے وہ صاحب اس حدیث میں عریانی اور فحاشی ثابت کر رہے تھے۔

اس مکالمے کا حاصل یہ ہے کہ ملحدین اور منکرین کس طرح حدیثوں کا معنی تبدیل کرتے اور اپنے ذہن کا گند احادیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب ان سے پوچھا جائے کہ انہوں نے اس حدیث کا یہ معنی کیسے کیا ہے؟ گرامر اور زبان کے کن اصول وضوابط کی روشنی میں کیا ہے؟ تو امر واقعہ یہ ہے کہ ان کے پاس اس کا کوئی علمی جواب نہیں ہوتا کہ انہوں نے یہ معنی کیوں کیا؟

پس اگر آپ احادیث کا صحیح ترجمہ کر دیں تو محض صحیح ترجمہ بیان کر دینے سے ملحد اور منکر حدیث کا وہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے کہ جسے وہ اپنے تئیں کوئی علمی اعتراض سمجھ رہا ہوتا ہے۔ اس کیس میں بھی حدیث پر اعتراض کی صرف ایک ہی بنیاد تھی اور وہ اس ملحد کا کیا ہوا ترجمہ تھا۔ جیسے ہی اس کے ترجمے پر سوالیہ نشان کھڑا ہوا اور وہ اپنے ترجمے سے رجوع کرنے لگا تو حدیث پر سے اعتراض بھی رفع ہو گیا۔ ملحد کا ترجمہ یہ تھا:

"عروہ بن الزبیر سے روایت ہے۔ حضرت عائشہ نے کہا۔ مجھے معلوم نہ ہوا کہ اچانک زینب

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بنت جحش میرے گھر بغیر اجازت کے آ گئیں وہ غصہ میں تھیں انہوں نے کہا یا رسول ﷺ میں سمجھتی ہوں جب ابو بکر کی چھوکری اپنے قمیض الٹے تو وہ آپ ﷺ کو کافی ہے۔"[سنن ابن ماجہ، حدیث 1982][1]

جبکہ اس حدیث کا عربی متن یہ ہے:

«عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ: مَا عَلِمْتُ حَتَّى دَخَلَتْ عَلَيَّ زَيْنَبُ بِغَيْرِ إِذْنٍ وَهِيَ غَضْبَى، ثُمَّ قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَحَسِبْتَ إِذَا قَلَبَتْ بُنَيَّةُ أَبِي بَكْرٍ ذُرَيْعَتَيْهَا»[2]

ملحد نے اس روایت میں موجود «بُنَيَّةُ» کے لفظ کا ترجمہ چھوکری اور «ذُرَيْعَتَيْهَا» کا ترجمہ قمیص کیا ہوا ہے؟ جب میں نے ملحد کو اس بات پر پکڑا کہ چھوکری کسی عربی لفظ کا ترجمہ کیا ہے تو وہ آئیں بائیں شائیں کرنے لگا اور کہنے لگا کہ میں نے تو فلاں مترجم سے ترجمہ لیا ہے۔ میں نے کہا کہ جو ترجمہ آپ نے کیا ہے، وہ کسی ایک مترجم سے دکھا دو۔ اب اسے وہ بھی نہ ملے۔ دراصل اس نے کیا یہ تھا کہ مختلف ترجموں کو ملا کر ایک ترجمہ بنا لیا تھا۔ یعنی جس ترجمے میں اس کے ذہنی گند کے مناسب کوئی لفظ اسے مل گیا، اس نے وہ اٹھا لیا اور ایک ترجمہ بنا لیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ احادیث کی کتابوں کے مترجمین کو الفاظ کے انتخاب میں احتیاط کرنی چاہیے کہ اسلام مخالفین عناصر ان کے تراجم کو منفی مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اور ہماری رائے میں کتبِ احادیث کے بہت سے تراجم کو نظرِ ثانی کی ضرورت ہے کہ اس کی کافی ساری مثالیں ہیں کہ حدیث کا مناسب ترجمہ نہ ہونے کی وجہ سے ملحدین اور منکرین کو اعتراض کا موقع مل گیا جیسا کہ کچھ مثالیں ہم آگے چل کر بیان بھی کریں گے۔

منکرین حدیث کی شطحیات

منکرین حدیث، حدیث کے انکار میں کس حد تک اخلاقی اور علمی طور گر سکتے ہیں کہ اس کا اندازہ

[1] Retrieved 2 February, 2016 from Pakistani Free Thinkers Facebook Page. For detail please visit my Timeline "Hm Zubair" post on 2 February, 2016.

[2] سنن ابن ماجة: 637/1

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انعام رانا صاحب[1] نے اپنی فیس بک وال پر ڈاکٹر شبیر احمد کے حوالے سے کچھ ایسی احادیث نقل کی ہیں کہ جو ان کی نظر میں واہیات احادیث ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ بھی ہے جو انہوں نے بیان کی ہے:

"ایک شخص نے حضور (ص) سے تنہا ہونے کی شکایت کی۔ کہا کبوتری کو زوجہ بنالو۔" [ابن القیم، المنار الحنیف، ص106][2]

اب یہ صاحب اپنی وال پر یہ نقل کر کے عام لوگوں کو یہ کہہ رہے ہیں کہ احادیث پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی باتوں کو اللہ کے رسول ﷺ کے اقوال مان لو۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ان صاحب کو اس کتاب کا صحیح نام بھی لکھنا نہیں آتا کہ جہاں سے وہ حدیث نقل کر رہے ہیں۔ چلیں! مان لیا کہ ٹائپنگ کی غلطی ہے لیکن اگر کتاب کا مکمل نام نقل کر دیتے تو وہ فحش غلطی نہ کرتے جو کہ یہ کر چکے ہیں۔ اس کتاب کا مکمل نام "المنار المنيف في الصحيح والضعيف" ہے کہ جس میں امام ابن قیم رحمہ اللہ نے ضعیف احادیث کو صحیح سے علیحدہ کیا ہے۔

اب امام ابن القیم رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کرنے سے پہلے لکھا ہے کہ کبوتروں کے بارے تمام روایات ضعیف اور موضوع ہیں اور اس کے بعد انہوں نے ان ضعیف اور موضوع روایات کا ذکر کیا ہے جو کبوتروں کے بارے نقل ہوئی ہیں۔ اور جناب ڈاکٹر شبیر احمد صاحب نے امام ابن القیم رحمہ اللہ کی کتاب سے یہ روایت بغیر سمجھے اٹھالی ہے اور اب ان کے مقلدین بھی بغیر سمجھے اسے نقل کیے جا رہے ہیں۔ اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ جواب دوناں! جواب دوناں! کی رٹ لگا رکھی ہے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

فَصْلٌ فِي ذِكْرِ جَوَامِعِ وَضَوَابِطِ كُلِّيَّةٍ فِي هَذَا الْبَابِ: فَمِنْهَا أَحَادِيثُ الْحَمَامِ - بِالتَّخْفِيفِ- لا يَصِحُّ مِنْهَا شَيْءٌ. وَمِنْهَا حَدِيثِ "كَانَ يُعْجِبُهُ النظر إلى الحمام"...وَحَدِيثِ "شَكَا رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَحْدَةَ

[1] پیشے کے اعتبار سے وکیل ہیں، لندن میں مقیم ہیں اور "مکالمہ" کے نام سے ایک ویب سائیٹ کے ایڈیٹر ہیں۔

[2] Retrieved 2 February, 2016 from Inam Rana Sb Facebook Page. For detail please visit my Timeline "Hm Zubair" post on 2 February, 2016.

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَقَالَ لَهُ: لَوِ اتَّخَذْتَ زَوْجًا مِنَ حَمَامٍ فَأَنَسَكَ ".[1]

"اس فصل میں ہم ضعیف روایات کے بارے کچھ کلیات اور ضوابط کا تذکرہ کریں گے۔ ان کلیات میں سے ایک کلیہ یہ ہے کہ کبوتر کے بارے مروی تمام روایات ضعیف ہیں۔ ان ضعیف روایات میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو کبوتر دیکھنا پسند تھا... اور ان ضعیف روایات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے تنہائی کی شکایت کی ہے تو آپ نے اسے کہا کہ تم کبوتر کو اپنی بیوی بنالو تو تمہاری تنہائی دور ہو جائے گی۔"

علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی کتاب "الموضوعات" میں نقل کیا ہے۔ اور اگر اس کتاب کا اردو ترجمہ ہو جائے تو یقین مانیے کہ حدیث پر اعتراض کرنے والوں کا بنیادی مصدر قرار پائے کہ کتاب کے نام اور موضوع پر غور کیے بغیر تھوک کے حساب سے حدیثوں پر اعتراضات کا ریکارڈ قائم کر دیں۔ اب معلوم نہیں، ان منکرین کو ہماری یہ بات سمجھ بھی آئی ہے یا نہیں۔ یہ منکرین جن احادیث پر اعتراضات قائم کرتے ہیں، ان کی بڑی تعداد ضعیف اور موضوع روایات پر مشتمل ہے کہ جنہیں پہلے ہی سے امت نے رد کر رکھا ہے۔

احادیث کے بارے قاری حنیف ڈار صاحب کے مغالطے

قاری حنیف ڈار صاحب نے آج کل اپنی وال سے احادیث کے بارے شکوک وشبہات کی تحریک چلا رکھی ہے کہ جس پر بعض دوستوں نے تبصرہ کرنے کی خواہش کا اظہار کیا ہے۔ عرض یہ ہے کہ محض اعتراض وارد کر دینے سے اگر کوئی کلام مشکوک ٹھہرتا تو سب سے پہلے اللہ کی کتاب مشکوک قرار پاتی کہ خود قرآن مجید کے بیان کے مطابق مشرکین مکہ کے اعتراضات میں سے یہ بھی تھا کہ جہنم میں زقوم کا درخت کیسے ممکن ہے؟ جہنم آگ کا دوسرا نام ہے اور اس میں درخت کا باقی رہنا ممکن نہیں ہے۔ پس محض اعتراض سے کوئی کلام مشکوک نہیں ہو جاتا بلکہ اعتراض کی نوعیت، معیار اور قوت دیکھی جاتی ہے۔

پس منکرین حدیث کا یہ قضیہ بہت ہی سطحی ہے کہ بخاری و مسلم انسانوں نے مرتب کی ہیں، اور

[1] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين (المتوفى: 751هـ)، المنار المنيف في الصحيح والضعيف، مكتبة المطبوعات الإسلامية، حلب، الطبعة الأولى، 1390هـ/1970م، ص 106

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسانی کام میں غلطی کا امکان ہے، پس بخاری و مسلم غلط ہیں۔ اگر بخاری و مسلم انسانوں نے مرتب کی ہے تو قرآن مجید کس نے مرتب کیا ہے؟ کیا جو قرآن مجید ہمارے پاس اس وقت موجود ہے، وہ ہمیں براہ راست حضرت جبرئیل علیہ السلام سے موصول ہوا ہے؟ کیا اس قرآن مجید کو فرشتوں نے لکھ کر ایک کتاب کی صورت دی ہے؟ کیا اس قرآن مجید کو آسمانوں سے ایسے ہی نازل کیا گیا تھا کہ جس صورت میں اب یہ ہمارے پاس ہے یعنی وزارت اوقاف کے رجسٹرڈ قاریوں کی مہرِ تصدیق کے ساتھ؟

بلاشبہ انسانوں نے ہی اس قرآن مجید کو یاد کیا، انسانوں نے ہی اس قرآن مجید کو نقل کیا، انسانوں نے ہی اس کو لکھا ہے، انسانوں نے ہی اس کے حرکات اور اعراب لگائے، انسانوں نے اس کے نقطے، رموز اور اوقاف ایجاد کیے، انسانوں نے اس کو رکوعوں اور پاروں میں تقسیم کیا، انسانوں نے ہی اس کو کتابی صورت دی، تو کیا انسانی کام میں غلطی نہیں ہو سکتی؟

یہاں سے ملحد اور مومن میں فرق ہو جاتا ہے۔ ملحد اور مستشرق یہ ثابت کرتا ہے کہ قرآن مجید کی تالیف و تدوین ایک انسانی کام ہے لہذا اس میں غلطیاں ہوئی ہیں۔ اور ملحدین کی دو صد تحریریں، جو ہمارے علم میں ہیں، اس مقدمے کو ثابت کرنے کے لیے موجود ہیں۔ لیکن مومن کا ایمان یہ ہے کہ یہ سب کچھ انسانوں نے ہی کیا ہے لیکن خدا نے ان سے کروایا ہے لہذا غلطی کا امکان نہیں ہے۔ اور حدیث کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ خدا نے اس کی تدوین انسانوں سے کروائی گئی ہے جبکہ اس کی حفاظت اللہ عزوجل نے اسی طرح فرمائی ہے جیسے قرآن مجید کی فرمائی ہے۔

اگر منکر حدیث کو حدیث پر یہ اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ سورج اللہ کے عرش کے نیچے جا کر کیسے سجدہ کر سکتا ہے؟ تو ملحد کو قرآن مجید سے یہ شکایت ہے کہ قرآن کا سورج ایک گدلے پانی کے چشمے میں غروب ہوتا ہے؟ اگر منکر حدیث کو یہ اعتراض ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام اپنی قوم کے سامنے بے لباس ہو گئے تھے تو ملحد کو قرآن سے یہ شکایت ہے کہ آدم اور حوا علیہما السلام اپنے دشمن کے سامنے بے لباس ہو گئے؟ اگر منکر حدیث کو یہ اعتراض ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم چھوٹی عمر کی لڑکی سے کیسے نکاح کر سکتے ہیں؟ تو ملحد کو یہ شکایت ہے کہ خدا چھوٹے بچے کے قتل کا حکم خضر علیہ السلام کو کیسے دے سکتا ہے؟ اگر منکر حدیث کو یہ اعتراض ہے کہ مرتد کی سزا قتل کیسے ہو سکتی ہے؟ تو ملحد کو قرآن مجید سے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ شکایت ہے کہ بچھڑے کی پوجا کرنے پر توبہ کی یہ صورت کہ آپس میں ہی ایک دوسرے کی گردنیں اڑائیں، کیسے خدا کی طرف سے ہوسکتی ہے؟ وعلی ہذاالقیاس، حدیث پر کوئی اعتراض ایسا نہیں ہے جو قرآن مجید پر بھی وارد نہ ہوتا ہو۔

ہمارے علم کی حد تک غلام احمد پرویز صاحب، جناب قاری حنیف ڈار صاحب سے زیادہ ذہین، زیادہ محنتی اور زیادہ علم رکھنے والے تھے۔ یقین نہ آئے تو ان کی کتابیں اٹھا کر دیکھ لیں۔ لیکن آج کتنے لوگ ان کے پیروکار ہیں؟ ہاں! لوگ پرویز صاحب کو جانتے ہوں گے، بہت لوگ جانتے ہوں گے، لیکن کن الفاظ میں؟ اور احادیث پر ایمان لانے والے آج بھی لاکھوں نہیں کروڑوں میں ہیں جیسا کہ ماضی میں ہر دور میں رہے ہیں اور علی وجہ البصیرۃ رہے ہیں۔

دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ منکرین حدیث میں سے کتنے ہیں کہ جنہوں نے قرآن مجید کا دفاع کیا ہو؟ امر واقعہ یہ ہے کہ ملحدین اور مستشرقین نے قرآن مجید پر جو کیچڑ اچھالا ہے، اس کا بھی علمی و تحقیقی جواب سینکڑوں کتب و مقالات کی صورت میں اگر کسی نے دیا ہے تو یہ وہی لوگ ہیں جو حدیثوں پر ایمان رکھنے والے ہیں۔ باقی یہ بات درست ہے کہ لوگوں کی ایک جماعت تماش بین ہوتی ہے کہ جہاں مداری کا تماشا دیکھیں گے، جمع ہو جائیں گے اور لانک مار چھوڑیں گے۔ لیکن یہ ہجوم ہمیشہ عارضی ہوتا ہے اور ثبات ہمیشہ حق کے لیے ہی ہوتا ہے۔

امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ائمہ محدثین، مفسرین اور فقہاء کی نظر میں

قاری حنیف ڈار صاحب نے اپنے پیش رو منکرین کے اس اعتراض کو شد و مد کے ساتھ دہرایا ہے کہ تابعین کے دور میں احادیث کو سب سے زیادہ نقل کرنے والے امام، ابن شہاب زہری رحمہ اللہ ناقابل اعتبار شخصیت ہیں لہذا حدیث کا اکثر ذخیرہ ناقابل اعتماد ہے۔[1] ہم ذیل میں امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۵ھ) کے بارے میں ائمہ جرح و تعدیل، ائمہ محدثین اور ائمہ فقہاء اور ان کے

[1] ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب کا تو انکار حدیث سے رجوع صریح ہے لیکن علامہ تمنا عمادی کے بارے بھی بعض محققین کا کہنا ہے کہ انہوں نے بھی اپنے انکار حدیث کے موقف سے رجوع کر لیا تھا۔ تفصیل کے لیے دیکھیں: محمد تنزیل الصدیقی الحسینی، کیا علامہ تمنا عمادی منکر حدیث تھے؟، مجلہ الواقعہ، کراچی، شمارہ 1، اپریل 2012ء

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاصر علماء کی آراء نقل کر رہے ہیں کہ جس سے منکرین حدیث کے اس اعتراض کی حقیقت واضح ہو جائے گی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: علیکم بابن شهاب هذا فإنكم لا تلقون أحدا أعلم بالسنة الماضية منه۔ تم ابن شہاب کو لازمی پکڑو (ان سے استفادہ کرو) کیونکہ گزری ہوئی سنن کے بارے میں ان سے بڑھ کر کوئی جاننے والا نہیں ہے۔ معروف تابعی قتادہ رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۹ھ) فرماتے ہیں: ما بقی أحد أعلم بسنة ماضية من ابن شهاب۔ گزشتہ سنن کے بارے میں ابن شہاب سے زیادہ علم رکھنے والا کوئی بھی باقی نہیں رہا۔ تابعی مکحول رحمہ اللہ (متوفی ۱۰۹ھ) فرماتے ہیں: ما بقی علی ظهرها أحد أعلم بسنة ماضية من الزهری۔ زمین کی پشت پر گزری ہوئی سنت کے بارے میں زہری رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عالم باقی نہیں رہا ہے۔ ابو ایوب سختیانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۱ھ) فرماتے ہیں: ما رأيت أعلم منه۔ میں نے ان سے بڑا عالم کوئی نہیں دیکھا۔

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بقی ابن شهاب وماله فی الناس نظير۔ ابن شہاب رحمہ اللہ باقی رہ گئے اور ان کی کوئی مثال اس دنیا میں نہیں ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: الزهری أحسن الناس حديثا وأجود الناس إسنادا۔ زہری رحمہ اللہ لوگوں میں حدیث کے اعتبار سے سب سے بہتر اور سند کے اعتبار سے سب سے عمدہ ہیں۔ امام لیث بن سعد (متوفی ۱۷۵ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ابن شہاب زہری سے زیادہ جامع العلوم کسی عالم کو نہیں دیکھا۔ ابو بکر الھذلی رحمہ اللہ (متوفی ۱۶۷ھ) فرماتے ہیں: قد جالست الحسن وابن سيرين فما رأيت أحدا أعلم منة يعنی الزهری۔ میں حسن بصری اور ابن سیرین رحمہما اللہ کے ساتھ بیٹھا، لیکن میں نے زہری رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔

محمد بن سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وكان الزهری ثقة كثير الحديث والعلم والرواية فقيها جامعا۔ محدثین کا کہنا ہے کہ زہری ثقہ راوی ہے اور کثرت سے علم رکھنے والا، احادیث کو جاننے والا اور احادیث کو نقل کرنے والا ہے۔ سعید بن عبد العزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ما كان الا بحرا۔ وہ تو

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علم کا ایک سمندر ہے سمندر۔ سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كان الزهری أعلم أهل المدينة۔ امام زہری رحمہ اللہ اہل مدینہ میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ عمرو بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ما رأيت أنص للحديث من الزهری۔ میں نے حدیث کی سند بیان کرنے میں زہری رحمہ اللہ سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں :قال الدارمی قلت له (يعنی يحيی بن معين) الزهری أحب إليك في سعيد بن المسيب أو قتادة فقال كلاهما فقلت فهما أحب اليك أو يحيٰی بن سعيد فقال كل ثقة۔ امام دارمی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے کہا کہ زہری آپ کو سعید بن مسیب سے زیادہ محبوب ہے یا قتادہ؟ تو انہوں نے کہا دونوں۔ تو میں نے پھر کہا کہ وہ دونوں آپ کو زیادہ محبوب ہیں یا یحییٰ بن سعید؟ تو یحییٰ بن معین نے کہا: یہ سب ثقہ راوی ہیں۔

امام علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حفظ العلم علی أمة محمد ستة فلأهل مكة عمرو بن دينار ولأهل المدينة بن شهاب الزهری۔ حدیث کا علم اُمت محمد میں چھ افراد نے محفوظ کیا: اہل مکہ میں سے عمرو بن دینار نے اور اہل مدینہ میں ابن شہاب الزہری نے۔ امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ما بقی عند أحد من العلم ما بقی عند ابن شهاب۔ کسی ایک کے پاس بھی وہ علم نہیں رہا جو ابن شہاب کے پاس ہے۔ امام ابو حاتم الرازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أثبت أصحاب أنس الزهری۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھنے والوں میں سب سے زیادہ ثابت زہری رحمہ اللہ ہیں ۔ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أحسن أسانيد تروی عن رسول الله أربعة منها: الزهری عن علی بن الحسين عن الحسين بن علی عن علی ابن أبی طالب عن رسول الله Uوالزهری عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود عن ابن عباس عن عمر عن رسول الله۔ سب سے بہتر اسناد جو کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں وہ چار ہیں: زہری، علی بن حسین سے، وہ حسین بن علی سے، وہ علی بن ابی طالب سے اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔ اور زہری، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود سے، وہ عبد اللہ بن عباس سے، وہ عمر بن خطاب سے اور وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امام ابن حبان رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رأى عشرة من أصحاب رسول اللهوكان أحفظ أهل زمانه وأحسنهم سياقا لمتون الأخبار وكان فقيها فاضلا۔ ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ نے دس صحابہ کی زیارت کی ہے اور اپنے زمانے کے سب سے بڑے حدیث کے حافظ تھے اور احادیث کے متون کو بیان کرنے میں سب سے اچھے تھے اور فقیہ اور فاضل تھے۔ امام احمد العجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تابعی ثقة۔ تابعی اور ثقہ تھے۔ امام ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: الفقيه الحافظ متفق على جلالته وإتقانه۔ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فقیہ اور الحافظ ہیں، علم حدیث میں ان کی بزرگی اور حافظے کی پختگی پر محدثین کا اتفاق ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: محمد بن مسلم الزهرى الحافظ الحجة۔ محمد بن مسلم الزہری رحمہ اللہ 'الحافظ' اور 'الحجۃ' ہیں۔ ان تمام اقوال کے حوالہ جات اور اس بارے تفصیل ہماری کتاب "فکر غامدی" میں موجود ہے۔[1]

امر واقعہ یہ ہے کہ امام المحدثین، امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی تعدیل و توصیف سے اسماء الرجال کی کتب بھری پڑی ہیں۔ اب امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ کے معاصر فقہاء، محدثین اور ائمہ دین کی شہادت ان کے حق میں ہم رد کر دیں کہ وہ حدیث کے امام تھے اور آج کے ان جدید محققین یا متجددین کی گواہی قبول کر لیں کہ جو تیرہ صدیوں بعد انہیں حدیث میں ناقابل اعتماد کہہ رہے ہیں۔

کتب احادیث میں شیعہ راویوں سے روایت

احادیث کی اکثر کتابوں میں شیعہ راویوں سے بھی روایت لی گئی اور منکرین حدیث کا حدیث پر ایک بڑا اعتراض یہ بھی ہے کہ شیعہ راویوں سے روایت کیوں؟ قاری حنیف ڈار صاحب نے بھی اس اعتراض کو مرچ مسالہ لگا کر دہرایا ہے۔ اس اعتراض کی حقیقت یہ ہے کہ مثال کے طور صحیح بخاری کی تدوین تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں ہوئی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تیسری صدی ہجری کے نصف اول میں جو تشیع تھا، کیا وہ یہی تھا جو آج چودھویں صدی ہجری میں ہے؟

محدثین نے شیعہ راویوں سے روایت اس لیے لی ہے کہ شروع میں تشیع محض ایک سیاسی رجحان تھا جو بنو امیہ کے مقابلے میں اہل بیت کے لیے مسلمانوں کے بعض گروہوں میں موجود تھا۔

[1] محمد زبیر، حافظ، فکر غامدی: ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ، مکتبہ رحمۃ للعالمین، لاہور، 2012ء، ص 88-95

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور اس رجحان نے بہت بعد میں غلو کی صورت میں رافضیت کی شکل اختیار کی ہے۔

امام ابن حجر رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ شروع میں تشیع دو قسم کا تھا۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ترجیح دیتے تھے لیکن یہ شیخین ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے تھے۔ اور دوسرا گروہ وہ تھا کہ جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مطلق فضیلت کے قائل تھے۔[1] لیکن ان دونوں گروہوں میں سے کوئی بھی شیخین یعنی ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما یا ازواج مطہرات یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو سب و شتم نہیں کرتے تھے۔

پس بخاری و مسلم میں کسی ایسے شیعہ راوی کی روایت نہیں ہے کہ جو رافضی ہو یا شیخین اور ازواج مطہرات پر لعن طعن کرتا ہو وغیرہ یا ان کی تکفیر کرتا ہو۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے کہ محدثین بدعت کبری کے مرتکب سے روایت نہیں لیتے ہیں اور بدعت کبری کا ارتکاب کرنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو شیخین پر زبان درازی کرتے ہیں۔[2] اور محدثین نے تو یہ بھی اہتمام کیا ہے کہ مذکورہ بالا دو گروہوں میں سے اس شیعہ راوی سے بھی روایت نہیں لی ہے کہ جو اپنے عقیدے کا داعی اور مبلغ ہو۔ شارح بخاری اور معروف محدث علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تہذیب میں یہی بات بیان کی ہے۔

مزید اگر کسی کو شیعہ راوی سے محدثین کے روایت کرنے کے اصولوں کے بارے جاننے کا اشتیاق ہو تو اس موضوع پر محمد خلیفہ الشرع کی کتاب "منهج الإمامين البخاري ومسلم في الرواية عن رجال الشيعة في صحيحيهما" اور کریمہ سودانی کی کتاب "منهج الإمام البخاري في الرواية عن المبتدعة من خلال الجامع الصحيح : الشيعة أنموذجا" کا مطالعہ کر لینا چاہیے۔

[1] ابن حجر العسقلاني، أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد (المتوفى: 852هـ) تهذيب التهذيب، دائرة المعارف النظامية، الهند، الطبعة الأولى، 1326هـ، 94/1

[2] الذهبي، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز (المتوفى: 748هـ)، ميزان الاعتدال في نقد الرجال، دار المعرفة للطباعة والنشر، بيروت، الطبعة الأولى، 1382 هـ - 1963 م، 6/1

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انکارِ حدیث کیا ہے؟

دوست نے کہا کہ چند حدیثوں کے انکار سے کوئی منکر حدیث تھوڑا ہو جاتا ہے۔ ہم نے عرض کیا کہ ہاں! ٹھیک کہتے ہو، چند آیتوں کے انکار سے کوئی منکر قرآن تھوڑا ہو جائے گا؟ اس نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی! میں نے کہا کہ وہی بات ہوئی کہ جو آپ نے کی۔ جیسی منطق ویسا جواب۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث اللہ کے رسول ﷺ سے ثابت ہو جائے اور اس کے ثبوت پر محدثین اور فقہاء کا اتفاق ہو تو اس ایک روایت کا انکار کرنے والا بھی منکر حدیث ہی کہلائے گا۔

یہ امت اپنی اجتماعی حیثیت میں معصوم ہے کہ اللہ عزوجل نے اسے ﴿شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ بنایا ہے[1] اور یہ شہادت اس دنیا میں تو اسی صورت قائم ہو سکتی ہے جبکہ یہ امت اجتماعی حیثیت میں معصوم قرار پائے۔ اگر امت اپنی اجتماعی حیثیت میں بھی غلط ہو سکتی ہے تو یہ دوسروں پر اللہ کے دین کے معاملے میں کبھی گواہ نہیں بن سکتی۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ بعض احادیث کا انکار کر دینا اور تمام احادیث کا انکار کر دینا تو یہ دونوں رویے اپنی شناعت میں برابر نہیں ہیں کہ دوسرا پہلے سے کہیں زیادہ شنیع فعل ہے۔

صحیح بخاری کے قلمی نسخے

اہل تشیع اور منکرین حدیث اہل سنت سے صحیح بخاری کے اصل قلمی نسخے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ امر واقعہ یہ ہے کہ صحیح بخاری کو نوے ہزار لوگوں نے ان کی زندگی میں ان سے سنا[2] تو اب بھی انہیں قلمی نسخے کی ضرورت ہے کیا؟ بھئی! ایسا قلمی نسخہ تو قرآن مجید کا بھی ہمارے پاس نہیں کہ جو اللہ کے رسول ﷺ لکھوا کر گئے ہوں۔ نہ جمع ابی بکر الصدیق موجود ہے، نہ حضرت عثمان کا نسخہ رضی اللہ عنہ بلکہ جو کچھ قدیم مصاحف میں سے موجود ہے تو وہ پہلی یا دوسری صدی ہجری کے مصاحف ہیں۔ تو کیا صرف اس بات پر قرآن مجید کا انکار کر دیں؟

[1] البقرة: 2: 143؛ الحج: 22: 78

[2] الخطيب البغدادي، أحمد بن علي بن ثابت بن أحمد بن مهدي (المتوفى: 463هـ)، تاريخ بغداد، دار الغرب الإسلامي، بيروت، الطبعة الأولى، 1422هـ - 2002م، 322/2

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگر قرآن مجید قولی تواتر سے ثابت ہو سکتا ہے تو صحیح بخاری نہیں؟ اب نوے ہزار کی روایت سے تواتر حاصل نہ ہو گا کیا؟ اور قرآن مجید کی طرح بخاری کے حفاظ ہر دور میں رہے ہیں اور خود امام بخاری رحمہ اللہ لاکھوں حدیثوں کے حافظ تھے تو ان کے شاگرد جو خود کبار محدثین تھے، ہزاروں روایتوں کے حافظ نہیں ہو سکتے تھے کیا؟ حفظ تو کجا آج بھی بلاد مغرب مراکش وغیرہ میں صحیح بخاری کی باقاعدہ تلاوت کی جاتی ہے۔

ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ ہمارا دین اصل میں حفظ و نقل، تحمل واداء اور تلقی و تلاوت سے منتقل ہوا ہے نہ کہ کتابت سے۔ کتابت تو اس کے انتقال کا ایک اضافی ذریعہ رہا ہے۔ لہذا دین میں کتابت کی شرط لگائیں گے تو قرآن مجید تک غیر محفوظ ہو جائے گا کہ اس وقت دنیا میں تین نسخے ایسے ہیں کہ جن کے بارے دعوی ہے کہ وہ مصحف عثمانی ہے اور تینوں نسخوں پر ﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ﴾ کے الفاظ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے نشانات ہیں۔ پس قرآن مجید اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جن چیزوں پر لکھا گیا، وہ آج ہمارے پاس محفوظ نہیں ہیں البتہ ان صحف سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مصحف تیار ہوا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا مصحف بھی موجود نہیں ہے البتہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مصحف سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف تیار ہوئے۔ آج حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مصاحف بھی موجود نہیں ہیں البتہ مصاحف عثمانیہ کی روشنی میں تیار ہونے والے مصاحف موجود ہیں۔[1]

تو ہمارا دین نسخوں سے منتقل نہیں ہوا، یہ نسخے تو کمزور لوگوں کے لیے تیار کیے گئے تھے جبکہ علماء شروع سے ہی حفاظ قرآن بھی ہوتے تھے اور حفاظ حدیث بھی بلکہ حفاظ علوم بھی۔ اور آج بھی ہماری درس گاہوں میں حفاظ قرآن اور حفاظ حدیث تو کجا تفسیر، نحو اور منطق جیسی درسی کتابوں کے حافظ بھی مل جاتے ہیں۔ اس دین کے نقل ہونے کا طریقہ جس دن آپ کو سمجھ آجائے گا تو اس دن آپ کا بخاری سے بغض بھی ختم ہو جائے گا۔ اور بخاری کے قلمی نسخوں کے بارے دوسری بات اگلی تحریر میں بیان ہوئی ہے۔

[1] سحر السيد عبد العزيز سالم، أضواء على مصحف عثمان بن عفان رضي الله عنه ورحلته شرقا وغربا، مؤسسة شباب الجامعة، الإسكندرية، 1991م، ص 22

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

صحیح بخاری کا قدیم ترین نسخہ

بعض مفکرین کا دعوی ہے کہ ہمارے پاس بخاری کا کوئی ایک بھی محفوظ قلمی نسخہ موجود نہیں ہے۔ جو موجود ہیں، ان میں بھی باہمی اختلافات ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کے کاتبوں نے اپنی طرف سے حدیثیں صحیح بخاری میں شامل کر دیں کہ جسے علمی اصطلاح میں الحاق کہتے ہیں۔ لہذا آج ہمارے پاس جو بخاری موجود ہے، وہ امام بخاری رحمہ اللہ کی چھوڑی ہوئی صحیح بخاری نہیں ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے نوے ہزار لوگوں نے صحیح بخاری کی سماعت کی کہ جن میں سے محمد بن یوسف الفربری، ابراہیم بن معقل النسفی، ابن سویہ حماد بن شاکر، منصور بن محمد البزدوی اور حسین بن اسماعیل المحاملی رحمہم اللہ امام بخاری سے صحیح بخاری روایت کرنے میں معروف ہیں۔[1] محمد بن یوسف الفربری رحمہ اللہ نے تین سال تک امام بخاری رحمہ اللہ سے صحیح بخاری کی سماعت فرمائی اور الفربری رحمہ اللہ سے بے شمار لوگوں نے صحیح بخاری کی سماعت کی لیکن ان سے صحیح بخاری کو روایت کرنے میں جو لوگ معروف ہیں، ان میں ابراہیم بن احمد المستملی، ابن حمویہ عبداللہ بن احمد، محمد بن مکی الکشمیہنی، ابن شبویہ محمد بن عمر، سعید بن عثمان البزار، محمد بن احمد المروزی اور محمد بن محمد الجرجانی رحمہم اللہ شامل ہیں۔[2] الفربری رحمہ اللہ کے شاگرد المستملی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

انتسخت كتاب البخاري من أصله كما عند ابن يوسف، فرأيته لم يتم بعد، وقد بقيت عليه مواضع مبيضة كثيرة، منها تراجم لم يثبت بعدها شيئا، ومنها أحاديث لم يترجم عليها، فأضفنا بعض ذلك إلى بعض.[3]

"میں نے صحیح بخاری کو اس کے اصل نسخے سے نقل کیا ہے جو کہ الفربری کے پاس تھا۔ میں نے وہ نسخہ دیکھا کہ وہ ابھی تک مکمل نہیں تھا اس معنی میں کہ اس میں کچھ جگہیں خالی تھیں۔ بعض مقامات پر ترجمۃ الباب تھا لیکن اس کے نیچے کوئی حدیث نہیں تھی۔ اور بعض

[1] محمد بن عبد الكريم بن عبيد، روايات ونسخ الجامع الصحيح للإمام أبي عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري دراسة وتحليل، دار إمام الدعوة، الرياض، 1426هـ، ص 19، 21-22

[2] ایضا: ص 20-21

[3] الباجي، أبو الوليد سليمان بن خلف بن سعد بن أيوب الأندلسي (المتوفى: 474هـ)، التعديل والتجريح لمن خرج له البخاري في الجامع الصحيح، دار اللواء للنشر والتوزيع، الرياض، الطبعة الأولى، 1406 – 1986، ص 310-311

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقامات پر احادیث تھیں لیکن ان پر ترجمۃ الباب نہیں تھا۔ تو ہم نے وہ ترجمۃ الباب کہ جس کے نیچے احادیث نہیں تھیں، اسے وہاں درج کر دیا کہ جہاں احادیث تھیں لیکن ترجمۃ الباب نہیں تھا۔"

امام بخاری رحمہ اللہ اپنی زندگی میں ہی صحیح بخاری لکھوا چکے تھے اور انہوں نے اسے مکمل کرنے کے بعد امام احمد بن حنبل، یحی بن معین اور علی بن مدینی رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر ائمہ محدثین کی خدمت میں پیش بھی کیا تو ان تمام محدثین نے چار احادیث کے علاوہ جمیع احادیث کو صحیح قرار دیا۔

اسی طرح الفربری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے اپنی صحیح بخاری میں کوئی حدیث ایسی نہیں لکھی ہے کہ جس سے پہلے غسل کر کے دو رکعت نماز استخارہ نہ پڑھی ہو۔ تو یہ بہت واضح دلیل ہے کہ صحیح بخاری کو امام صاحب اپنی زندگی میں مکمل کر چکے تھے۔

البتہ بعض تراجم بیان کر کے امام صاحب ان کے تحت کوئی حدیث لانا چاہتے تھے لیکن جب نہیں ملی تو انہوں نے اس کی جگہ خالی چھوڑ دی۔ یا بعض احادیث پر وہ کوئی جامع ترجمۃ الباب قائم کرنا چاہتے لیکن جب ان کے ذہن میں ان احادیث سے اخذ ہونے والے متنوع مسائل کے لیے کوئی جامع ترجمۃ الباب نہیں آیا تو انہوں نے ترجمۃ الباب کی جگہ خالی چھوڑ دی۔

اب الفربری رحمہ اللہ کے شاگردوں نے یہ کام کیا کہ جہاں ترجمۃ الباب کے نیچے احادیث نہیں تھیں، اس ترجمۃ الباب کو وہاں سے اٹھایا اور وہاں رکھ دیا کہ جہاں احادیث تھیں اور وہاں ترجمۃ الباب نہیں تھا۔ تو صحیح بخاری میں کسی نے کوئی اضافہ یا الحاق نہیں کیا، البتہ یہ ہوا ہے کہ تقدیم وتاخیر کر دی ہے۔ اسی لیے ابو الولید الباجی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ الفربری رحمہ اللہ سے جن چار لوگوں نے صحیح بخاری کو روایت کیا ہے، ان کی روایت میں تقدیم وتاخیر کا اختلاف ہے کہ حدیثیں آگے پیچھے ہیں یا ترجمۃ الباب آگے پیچھے ہے۔ اور یہ اختلاف ایسا نہیں ہے کہ جو موجب طعن ہو۔[1]

اور مولانا انور شاہ کاشمیری رحمہ اللہ فیض الباری میں لکھتے ہیں کہ صحیح بخاری کے انیس قدیم نسخے ہیں کہ جن میں تین تو امام بخاری کے حنفی شاگردوں کے ہیں کہ جن میں ابراہیم بن معقل النسفی

[1] ایضا: ص 311

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الحنفی رحمہ اللہ اور حماد بن شاکر الحنفی رحمہ اللہ دونوں امام بخاری کے براہ راست شاگرد ہیں۔ اور تیسرا شمس الدین صغانی رحمہ اللہ کا ہے۔[1]

امام بخاری سے اللہ کے رسول ﷺ کے نام پر بغض رکھنے والوں کی خدمت میں

بعض مفکرین صحیح بخاری کی بعض احادیث کو بنیاد بنا کر امام بخاری رحمہ اللہ سے جو بغض کا اظہار کر رہے ہیں تو اس کا سبب اللہ کے رسول ﷺ کی محبت بیان کر رہے ہیں۔ تو ان سے عرض ہے کہ کبھی تنہائی میں اس پر غور کرنا کہ کیا امام بخاری رحمہ اللہ ان روایات یا احادیث کو اپنی کتاب میں نقل کرنے کے سبب اللہ کے رسول ﷺ کی نظروں میں قیامت والے دن ایسے ہی مبغوض ٹھہریں گے جیسا کہ آج اس دنیا میں تمہارے دلوں میں ان کے بارے میں کینہ ہے؟

اگر ہاں تو اللہ تعالی کبھی صحیح بخاری کو وہ مقام نہ دیتا جو اسے اس امت میں حاصل ہے کہ مبغوضِ رسول، رسول ﷺ کی پہچان کا مقبول اور معروف ترین واسطہ بن جائے! ممکن نہیں ہے۔ اور اگر نہیں تو پھر اپنے آپ کو سمجھاؤ کہ جب آخرت میں وہ اللہ کے رسول ﷺ کے محبین میں سے ہوں گے تو پھر تم بخاری کے تذکروں سے اپنا خون کیوں جلا رہے ہو؟ ریلیکس رہو، کھاؤ پیو، لائف کو انجوائے کرو۔ اور بخاری کے بغض میں اپنے عشقِ رسول کی ایڈورٹزمنٹ کی بجائے کوئی مثبت کام کر لو تو سب روایت پسند تمہارے لیے دعائیں کریں گے۔

صحیح بخاری کا مقام علمائے دیوبند کی نظر میں

سوال: صحیح بخاری شریف ایک صحیح کتاب ہے کیا آپ کے پاس اس کی کوئی دلیل یا ثبوت ہے؟ برائے کرم قرآن اور حدیث یا اقوال یا اسلامی کتابوں سے، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین سے دلیل عنایت فرماویں کہ صحیح بخاری شریف ایک مستند کتاب ہے، اور دلیل یا ثبوت ان لوگوں کی جانب سے نہیں ہونے چاہئیں جو کہ تبع تابعین کے بعد پیدا ہوئے ہیں۔

جواب؛ بخاری شریف اپنی مختلف خصوصیات کی بنا پر قرآنِ کریم کے بعد سب سے زیادہ صحیح

[1] (أمالي) محمد أنور شاه بن معظم شاه الكشميري الديوبندي (المتوفى: 1353هـ)، فيض الباري على صحيح البخاري، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1426 هـ - 2005م، ص 33

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کتاب ہے، یہ کتاب آپ ﷺ اور اصحاب کے زمانے میں تو تھی نہیں، تو پھر بخاری شریف کے بارے میں فرمانِ نبوی اور اقوالِ صحابہ کہاں ملیں گے؟ البتہ بخاری شریف یہ آپ ﷺ کی احادیث کا مجموعہ ہے اور اس میں بھی وہ احادیث ہیں جن کی صحت میں شبہ نہیں۔ واضح رہے کہ احادیث سب ہی صحیح ہوتی ہیں، اس میں جو ضعف آتا ہے وہ راویوں کی وجہ سے آتا ہے۔ تو امام بخاری رحمہ اللہ نے جو احادیث نقل کی ہیں، اس میں راوی وغیرہ انتہائی ثقہ ہیں، جس سے اس میں موجود احادیث کے حدیثِ رسول ہونے میں شبہ نہیں رہ جاتا۔ اور جو بات حدیث ہو اس کے صحیح ہونے میں قرآن کی آیات بھی ہیں، احادیث بھی ہیں، اقوال صحابہ بھی ہیں۔ بخاری شریف کی صحت پر اجماعِ امت ہے، اور اجماع یہ حجت شرعیہ ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے معاصرین اور اس کے بعد کے معتبر علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے۔ بخاری لکھنے کا آغاز ۲۱۷ھ میں ہوا اور سولہ سال میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔[1]

کیا صحیح بخاری منزل من اللہ ہے کہ اس میں کوئی غلطی نہیں؟

جب بھی حدیث کا دفاع کیا جائے تو منکرین حدیث عموماً یہ سوال کرتے ہیں۔ تو پہلی بات یہ واضح رہے کہ صحیح بخاری کے دو گتوں کے مابین جو کچھ ہے، اس سب کو کوئی بھی "منزل من اللہ" نہیں کہتا۔ صحیح بخاری میں "منزل من اللہ" ہے نہ کہ کل صحیح بخاری "منزل من اللہ" ہے۔

دوسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ حدیث کو وحی کہا جاتا ہے نہ کہ صحیح بخاری کو۔ اور صحیح بخاری میں حدیث موجود ہے نہ کہ صحیح بخاری کی ہر بات حدیث ہے۔ حدیث سے مراد وہ روایت ہے کہ جس میں اللہ کے رسول ﷺ کا قول، فعل اور تقریر موجود ہو اور صحیح بخاری میں صحابہ کے اقوال بھی ہیں اور تابعین کے بھی۔ سلف کے اقوال بھی ہیں اور ائمہ کے بھی۔

تیسری اور اہم تر بات یہ ہے کہ حدیث کو لفظی وحی کوئی بھی نہیں کہتا بلکہ حدیث معنوی وحی ہے۔ پس حدیث کا معنی "منزل من اللہ" ہے جبکہ حدیث کے الفاظ اللہ کے رسول ﷺ کے ہوتے

[1] Hadith wa Sunnat, Dar ul Ifta Dar ul Uloom Deoband, India, QA No. 11124, Retrieved 01 November 2016 from http://www.darulifta-deoband.com/home/ur/Hadith--Sunnah/11124

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ہیں اگر وہ قولی سنت ہو۔ اور اگر فعلی یا تقریری سنت ہو تو حدیث کے الفاظ صحابی کے ہوتے ہیں۔ حدیث میں اگرچہ اللہ کے رسول ﷺ کے الفاظ کو محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے اور بہت حد تک محفوظ بھی ہیں لیکن اصل بات یہی ہے کہ اس میں معنی محفوظ ہے۔

منکرین حدیث عموماً اپنی نقد میں ان اصولی باتوں کا لحاظ نہیں رکھتے۔ مثال کے طور وہ صحیح بخاری پر یوں نقد کریں گے کہ اس میں یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک بندر نے زنا کیا تو بقیہ بندروں نے اس کو رجم کر دیا۔[1] اب امام بخاری رحمہ اللہ نے اس واقعے کو عمرو بن میمون تابعی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک دفعہ یمن میں ایسے ایسے دیکھا۔ اور وہ دیکھا بھی زمانہ جاہلیت میں ہے۔ اب یہ حدیث ہے ہی نہیں بلکہ ایک تابعی کا مشاہدہ ہے، اگرچہ واقعہ بخاری میں موجود ہے۔

رہی بات صحیح بخاری پر نقد کی تو ائمہ فن نے اس کی روایات پر نقد کی اور ائمہ فن نے ہی اس نقد کا جواب بھی دے دیا ہے۔ اور اب اس نقد اور دفاع سے یہ متعین ہو گیا ہے کہ صحیح بخاری میں کلام کی گنجائش کہاں کہاں ہے اور اس کا جواب کیا کیا ہے؟ یہ عمل علم کی دنیا میں ایک ہزار سال کے عرصے میں مکمل ہو چکا۔ اب آپ صحیح بخاری پر کوئی نیا اعتراض پیدا نہیں کر سکتے اور جو پیدا ہوئے تھے، ان کا جواب موجود ہے۔

اسی لیے صحیحین کی احادیث پر نقد کے بارے اپنے ایک مفصل مضمون کا خلاصہ یہاں نقل کر رہا ہوں[2] کہ صحیحین پر ہونے والی کبار محدثین کی تمام نقد اور کبار محدثین ہی کی طرف سے اس کے جواب کے بعد ان دونوں کتب میں وہ مقامات متعین ہو گئے کہ جن میں کوئی علل پائی جاتی ہیں اور ان علل کے درجہ کا تعین بھی ہو گیا ہے کہ وہ علل قادحہ ہیں یا نہیں؟

اب اگر کوئی شخص امام الدار قطنی رحمہ اللہ یا ائمہ سلف میں سے کسی اور محدث کی بیان کردہ تحقیقات کی روشنی میں صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی کسی حدیث پر نقد کرتا ہے تو اس کی یہ تنقید صحیحین پر

[1] عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، قَالَ: «رَأَيْتُ فِي الجَاهِلِيَّةِ قِرْدَةً اجْتَمَعَ عَلَيْهَا قِرَدَةٌ، قَدْ زَنَتْ، فَرَجَمُوهَا، فَرَجَمْتُهَا مَعَهُمْ» [صحيح البخاري: 44/5]

[2] محمد زبیر، حافظ، کیا صحیحین کی صحت پر اجماع ہے، ماہنامہ محدث، مارچ 2008ء، مجلس تحقیق اسلامی، لاہور، 3/40

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کوئی مستقل بالذات تنقید شمار نہ ہو گی اور ایسی تنقید کا ائمہ سلف ہی میں سے بہت سے ائمہ نے کافی و شافی جواب دے دیا ہے۔

اور اگر کوئی شخص صحیحین کی کسی ایسی روایت پر تنقید کرتا ہے کہ جس پر ائمہ سلف میں سے کسی نے بھی کلام نہ کیا ہو تو ایسا شخص اجماع محدثین کی مخالفت کر رہا ہے کیونکہ جن روایات پر محدثین نے نقد نہ کی تو اس سے یہ طے ہو گیا کہ تمام محدثین کے نزدیک یہ روایات صحیح ہیں لہذا ان روایات پر کلام کرنا جمیع محدثین کے دعوی صحت کو چیلنج کرنا ہے اور ایسا دعوی ہی ناقابل التفات ہے چہ جائیکہ اس کی تحقیق کی جائے۔

نکاح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہی مروی متفق علیہ روایت کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کے وقت ان کی عمر چھ سال تھی جبکہ رخصتی کے وقت نو سال تھی۔[1] اس روایت پر ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ یہ ظلم ہے۔ طرفہ تماشا یہ ہے کہ جس پر ظلم ہونے کا دعوی کیا جاتا ہے، اس سے کوئی نہیں پوچھ رہا۔ یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال کی عمر میں رخصتی پر راضی، ان کے والد ابو بکر رضی اللہ عنہ اس پر راضی، ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خاندان کے کسی فرد کو اعتراض نہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی۔ اب انہیں، دوسری دنیا کے لوگوں کو، یہ ظلم نظر آ رہا ہے۔

قاری حنیف ڈار صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ تو مانتے ہو کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چھ سال کی عمر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں لیکن اپنی بیٹی چھ سال کی عمر میں کسی کے نکاح میں نہیں دیتے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں! واللہ! اگر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو چھ سال کی عمر میں اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دینے میں آج بھی لاکھوں اپنے لیے سعادت سمجھتے۔

قاری حنیف ڈار صاحب کی خدمت میں عرض ہے کہ عام انسان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں کچھ فرق سمجھیں۔ ایک امتی کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو ایمانی تعلق ہے، اسے کسی مرشد اور پیر سے جذباتی تعلق پر قیاس نہ کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو خود اس روایت کی راویہ ہیں، انہوں نے کبھی اس پر افسوس کا

[1] صحيح البخاري: 55/5

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اظہار کیا کہ وہ نو سال کی عمر میں کیوں اللہ کے رسول ﷺ کی زوجیت میں آئیں؟ اور بعض لوگوں کو خواہ مخواہ کا بخار چڑھا جا رہا ہے۔

ایک پروفیسر صاحب نے کہا کہ امتی تو اپنی بیٹی دے دے گا لیکن رسول ﷺ لے نہیں سکتے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اتنے لوگ اگر کہہ رہے ہیں اور اتنی روایات اگر بیان کر رہی ہیں تو امکان تو ہے کہ قیامت دن معلوم ہو کہ ایسا ہی ہوا تھا تو اس وقت رسول کا رسول ہونا کیسے جسٹیفائی کرو گے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نو سال کی عمر میں اللہ کے رسول ﷺ کے نکاح میں آئیں، اس کا جواب چاہیے تو وہ عقلی نہیں ایمانی ہے۔ آج اپنے آپ سے یہ سوال کر لیں کہ اگر بالفرض تم سے اللہ کے رسول ﷺ تمہاری بیٹی نو سال کی عمر میں مانگ لیتے تو تمہارا رد عمل کیا ہوتا؟ اور پھر یہ کہ تمہارا رد عمل جو ہوتا سو ہوتا لیکن یہ بھی سوچ لو کہ اگر ابو بکر کا ایمان ہوتا تو اس کا اس پر کیا رد عمل ہوتا؟

ہمیں یہ کہنے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا کہ مغربی عقلیت پرستی کے زیر اثر کچھ لوگوں کو یہاں مشرق میں جذبات کی مخالفت کا بخار چڑھا ہوا ہے حالانکہ انہیں یہ معلوم نہیں کہ ایمان بھی ایک جذبہ ہی ہے۔ کائنات کا کل حسن جذبات میں ہے، اگر ایسا نہیں تو ہر زبان کے ادب کو اٹھا کر دریا میں پھینک دو۔ ہاں، ہاں، یہ کیا، جذباتی بات کر رہے ہو۔ تو کیا جذبات کے بغیر تمہارا ایمان مکمل تو کجا موجود بھی ہو سکتا ہے؟

ہماری نظر میں ہر سوال کا جواب نہ تو علمی ہوتا ہے اور نہ عقلی۔ بعض سوالوں کا جواب صرف ایمانی ہوتا ہے، جو صرف ایمان سے ہی دیا جا سکتا ہے اور محض ایمان ہی کی بدولت سمجھا جا سکتا ہے۔ اور مذہب کو اس کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ اس نکتے کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کیونکہ یہ تکمیل ایمان میں سے ہے۔ ایک دوست کا کیا خوب کہنا ہے کہ ایمان دلیل بھی ہے اور مدلول بھی لیکن اس جملے کو سمجھنے کے لیے بھی ایمان چاہیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر پر تحقیقی نظر از سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ

اپنے اس رسالے میں جناب سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے اپنے معاصرین میں سے منکرین اور متجددین کے ان دلائل کی خوب خبر لی ہے کہ جن سے یہ ثابت کیا جا رہا تھا کہ نکاح کے وقت حضرت

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر بڑی تھی۔ یہ رسالہ سید صاحب کی کتاب سیرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے آخر میں موجود ہے کہ جسے مکتبہ اسلامیہ نے شائع کیا ہے۔ منکرین اور متجددین نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر کے بارے میں صاحب مشکوۃ ولی الدین خطیب رحمہ اللہ کے ایک رسالہ "الإكمال في أسماء الرجال" کی ایک عبارت کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ جس کے مطابق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی بہن سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے دس سال چھوٹی تھیں۔[1]

صاحب مشکوۃ کے رسالہ "الإكمال في أسماء الرجال" کی عبارت کے بارے سید صاحب کا کہنا ہے کہ صاحب مشکوۃ نے اس رائے کو "قیل" کے صیغے سے پیش کر کے اس کے مجہول اور ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا تھا لیکن منکرین اور متجددین نے اسی قول کو اپنے حق میں دلیل بنا لیا جبکہ صاحب مشکوۃ کی اپنی رائے اس باب میں وہی ہے جو عام علماء کی رائے ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح چھ سال کی عمر میں اور رخصتی نو سال کی عمر میں ہوئی تھی۔[2]

سید صاحب نے لکھا ہے کہ احادیث میں صرف نو کا عدد نہیں ہے کہ جس کے بارے یہ دعوی کیا جا سکے کہ یہ انیس تھا اور راویوں نے اسے نو سمجھ لیا بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے نکاح کے وقت کے احوال بھی بیان کیے ہیں کہ وہ ہنڈولے جھولتی تھیں، گڑیاں کھیلتی تھیں، اور ایک روایت میں "جارية حديثة السن" کے الفاظ بھی ہیں۔ یعنی طرح طرح کے الفاظ اور قرائن سے نکاح کے وقت ان کے چھوٹے ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔[3]

سید صاحب کا یہ بھی کہنا ہے کہ عربوں میں نہ صرف کمسن بچیوں کے نکاح کا رواج تھا بلکہ شیر خوار بچوں کا بھی وہ نکاح کر دیتے تھے بلکہ ان بچوں کا بھی ان کے ہاں نکاح کر دیا جانا عام تھا کہ جو ابھی حمل میں ہوتے تھے جیسا کہ سنن ابو داؤد میں تو باقاعدہ ایک باب "باب في تزويج من لم يولد" کے عنوان سے موجود ہے کہ جس میں ان بچیوں کے نکاح کا تذکرہ ہے کہ جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔

[1] سلمان ندوی، سید، سیرت عائشہ، دار الابلاغ، لاہور، 2010ء، ص 316
[2] ایضا: ص 317-318
[3] ایضا: ص 341

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سید صاحب نے امام رازی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے کمسن لڑکے سلمہ رضی اللہ عنہ کا نکاح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی نابالغ لڑکی سے پڑھایا تھا۔ سید صاحب نے علامہ عینی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ نے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی نومولود لڑکی سے نکاح پڑھوایا تھا۔ سید صاحب کا یہ رسالہ اس موضوع پر ایک تحقیقی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔[1]

حدیثوں پر غیرت اور ان کا انکار

عجب حال ہے کہ جنہیں حدیثوں پر غیرت آتی ہے اور اس غیرت کے سبب حدیثوں کا انکار شروع کر دیتے ہیں، انہیں آیتوں پر غیرت نہیں آتی بلکہ وہاں ایمان یاد آجاتا ہے۔ چھوٹی عمر کی لڑکی کا نکاح تسلیم نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث میں آیا ہے لیکن چھوٹی عمر کے لڑکے کو بلاوجہ قتل کرنے پر ہم ایمان لائیں گے کہ یہ قرآن میں آیا ہے۔ یہ وہ تذبذب ہے کہ جس کا شکار آج کل کے منکرین حدیث اور متجددین ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام کا نابالغ بچے کو قتل کرنا، حضرت جبرئیل کا مریم علیہا السلام کی تنہائی میں مرد کی صورت میں آجانا، حضرت لوط علیہ السلام کا اپنی بیٹیوں کو اپنی قوم پر پیش کرنا وغیرہ جیسے قرآنی واقعات میں توہین، عقل، منطق سب بھول جاتا ہے، صرف ایمان یاد رہ جاتا ہے۔ تو غیرت، عقل اور منطق کے جس ترازو سے حدیث کو تول رہے ہیں، اسی ترازو سے اگر قرآن مجید کو بھی تولیں گے تو اپنے بوجھ میں کچھ نہیں بچے گا سوائے الحاد کے۔

اور حقیقت یہی ہے کہ رویے اصل میں دو ہی ہیں یا ایمان یا الحاد۔ اور جو ان کے بیچ کا ہے تو وہ یا تو منافقت ہے یا پھر وسعت مطالعہ کی کمی ہے کہ حدیث کے خلاف جتنے اعتراضات سوجھ رہے ہیں، وہ سب قرآن مجید کے خلاف مستشرقین بہت پہلے ہی نقل فرما چکے ہیں۔ قرآن بھی خبر ہے اور حدیث بھی خبر ہے۔ خبر کے اصولوں پر دونوں کو پرکھ لیں۔ اگر حدیث کو غیرت اور عقل کے اصولوں پر پرکھیں گے اور اپنے اس رویے میں مخلص ہوئے تو ضرور بالضرور قرآن کا بھی انکار کریں گے کہ قرآن میں وہ باتیں زیادہ صراحت سے موجود ہیں کہ جن کا آپ احادیث میں انکار کر چکے ہیں۔

[1] ایضا: 339

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ اگر حدیث میں منقول ہوتا تو لازماً اس کا انکار کر دیا جاتا لیکن چونکہ قرآن مجید میں نقل ہو گیا تو اب درایت و رایت کے سارے اصول بھول گئے اور محیر العقول تفصیلات اور خلافِ عقل امور کو وحی الٰہی تسلیم کر لیا گیا۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ دین کے ثبوت کا اصل ذریعہ خبر مقبول ہے۔ اور جب خبر مقبول سے دین ثابت ہو گیا تو چاہے وہ خبر قرآن مجید کی ہو یا حدیث کی، اس کو ماننا پڑے گا کہ یہی ایمان کا تقاضا ہے۔ اور کئی اور مقامات پر ہم اس موضوع پر تفصیل سے بحث کر چکے ہیں۔[1]

لڑکی کی رضامندی کی قانونی عمر

مختلف ممالک میں لڑکی سے رضامندی کا تعلق (the age of consent) قائم کرنے کے لیے مختلف عمر کو قانونی حیثیت دی گئی ہے۔ شمالی امریکہ، فلپائن اور انگولا میں یہ قانونی عمر 12 سال ہے۔ اور جاپان، ایران، نائیجر اور ارجنٹینا میں یہ عمر قانونی طور 13 سال ہے۔ اور جرمنی، آسٹریا، بلغاریہ، ہنگری، پرتگال، مقدونیہ، ایسٹونیا، البانیا، بوسنیا، اسرائیل، چین، بنگلہ دیش وغیرہ میں یہ 14 سال ہے۔ اور 15 اور 16 سال کی قانونی عمر تو آدھی سے زیادہ دنیا میں ہے۔[2] اور یہ تو آج کی متمدن دنیا کے ہم احوال بیان کر رہے ہیں جبکہ آپ ان قوموں کی تاریخ اٹھا کر دیکھیں تو معلوم پڑتا ہے کہ اس قانونی عمر کا تقرر بھی اچھی خاصی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔

اور یہ بحث کرنے کا مقصد یہ ہے کہ غلامی کے بارے میں مصادرِ احادیث میں جو روایات مروی ہیں، اگر ان کا تقابل آج کل کے تصورِ آزادی سے کریں گے تو اسلام پر طعن کرنا بہت آسان ہو جائے گا لیکن اگر احادیث میں مروی غلامی کے تصور کا اُسی دور کی معاصر اقوام میں رائج غلامی سے تقابلی مطالعہ کریں گے تو اسلام سے بڑی نعمت کوئی نہ معلوم ہو گی۔ پس ایک یہ ہے کہ اُس دور میں نکاح اور شادی بیاہ کے بارے میں کلچر اور رسوم و رواج کیا تھے؟ اور ایک یہ ہے کہ آج کے رسوم و رواج

[1] فکر غامدی: ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ، ص 21-71

[2] Unknown, Minimum age of sexual consent, Retrieved 31 October, 2016, from http://www.unicef.org/lac/2._20160308_UNICEF_LACRO_min_age_of_sexual_consent.pdf

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور ثقافت کیا ہے؟ تو ظاہری بات ہے کہ دونوں میں فرق ہے۔ تو کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک ہی بات کو دیکھنے کے دسیوں زاویے ہو سکتے ہیں لہذا ایک ہی زاویے سے کسی بات کو دیکھ کر اس پر کوئی قطعی حکم لگا دینا بالکل بھی مناسب نہیں ہے۔ اور دیکھنے کا ایک زاویہ یہ ہے کہ جس دور کی بات ہے، اس دور کے حالات میں اتر کر اس بات کے بارے کوئی مثبت یا منفی تبصرہ کیا جائے۔

ناقدین کو حدیثوں میں ایک مثال ملی تو چڑھائی کر دی کہ نو سال میں شادی کیسے ہو سکتی ہے۔ تو یہ جو ایشیا، افریقہ اور جنوبی امریکہ میں بارہ، تیرہ اور یورپ میں چودہ سال کی عمر میں قانون کی چھتری تلے ہو رہا ہے، کبھی اس پر سوال یا اعتراض کی جرات ہوئی کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ تیرہ یا چودہ سال کی لڑکی شادی کے قابل ہوتی ہے؟ اگر ہوتی ہے تو کیا اپنی بیٹی کا نکاح اس عمر میں کرنا پسند کریں گے؟ یہ وہ انداز ہے کہ جو منکرین حدیث عام طور حدیث پر اعتراض کرتے وقت اختیار کرتے ہیں۔

شکریہ قاری حنیف ڈار صاحب

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت کی عمر کی متفق علیہ احادیث پر ایک تنقیدی پوسٹ قاری حنیف ڈار صاحب نے لگائی۔ دراصل متقدمین مفسرین، فقہاء اور محدثین کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے وقت ان کی عمر چھوٹی تھی جیسا کہ روایات میں بیان ہوا ہے اور اس مسئلے میں انہوں نے قرآن مجید کی اس آیت سے بھی دلیل پکڑی ہے کہ جس میں ان عورتوں کی عدت بیان ہوئی ہے کہ جنہیں حیض نہیں آیا۔ ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ﴾[1]

"تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں حیض سے ناامید ہو گئی ہوں، اگر تمہیں شبہ ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور ان کی بھی جنہیں حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو۔"

اس دلیل پر پہلے قاری صاحب کا تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔ پھر ہم کچھ عرض کریں گے۔

"جو آیت کوٹ کی جاتی ہے سورہ الطلاق کی (4)، ذرا اس کی شروعات دیکھیے اور ہمارے

[1] الطلاق: 65: 4

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بزرگوں کی ترجمانیاں دیکھیے، یہ بات سمجھنے کے لئے مفتی ہونے کی ضرورت نہیں بس عقل ہونے کی ضرورت ہے کہ بات عورتوں کی ہو رہی ہے بچیوں کی نہیں، اور 8 یا 9 یا 10 سال کی بچی کو عربی میں کبھی نساء اور اردو میں کبھی عورت نہیں کہتے اور اللہ پاک فرمارہے کہ تمہاری عورتوں میں سے جو حیض سے خشک ہو گئی ہیں یا وہ کہ جن کو کسی بیماری یا کسی عذر کی وجہ سے حیض آیا ہی نہیں وہ سدا سے خشک ہیں ان کی عدت کی مدت تین حیض کی بجائے تین ماہ ہے۔"

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب قول کے علاوہ تابعین میں سے سدی، قتادہ، ضحاک اور مقاتل بن سلیمان رحمہم اللہ نے قرآنی الفاظ "لم یحضن" سے مراد وہ بچیاں لی ہیں کہ جو حیض کی عمر کو نہ پہنچی ہوں۔ علاوہ ازیں امام ابن جریر طبری، امام قرطبیؒ، امام بیضاوی، امام بغوی، امام ابن کثیر، امام سیوطی، امام رازی، امام نسفی، امام ابو حیان الاندلسی، امام ابن عطیہ، امام شوکانی، امام بقاعی، امام ابو السعود، علامہ ابن جوزی، علامہ زمخشری، علامہ مراغی، علامہ مظہری، علامہ صدیق حسن خان، علامہ طنطاوی، علامہ الجزائری اور سید قطب رحمہم اللہ اور ان کے علاوہ بہت سے عربی مفسرین نے بھی اس آیت سے مراد وہ بچیاں لی ہیں کہ جنہیں چھوٹی عمر ہونے کی وجہ سے حیض نہ آیا ہو۔

پہلے تو انہوں نے ہمارے علم میں یہ اضافہ فرمایا تھا کہ سلف کی قرآن فہمی درست نہیں ہے۔ اور اب ماشاءاللہ! یہ بھی بتلادیا ہے کہ سلف کو عربی نہیں آتی تھی۔ یعنی ابن جریر طبری، علامہ زمخشری، ابو حیان اندلسی، ابن عطیہ رحمہم اللہ جیسے ماہرین لغت اور بلاغت بھی اتنی عربی نہیں جانتے تھے کہ جتنی کامن سینس رکھنے والے گجرات کے ایک قاری صاحب کے پاس ہے۔ شکریہ قاری صاحب! آپ واقعتاً چھا گئے ہیں۔ کیا آج سے ہم اہل عرب سے یہ گزارش کر لیں کہ عربی زبان کے الفاظ انہی معانی میں استعمال کریں کہ جو قاری صاحب نے متعین کر دیے ہوں؟

بکری کے قرآن مجید کی آیات کھا جانے کی روایت

ایک دوست نے سنن ابن ماجہ کی ایک روایت کے بارے سوال کیا ہے کہ جس میں یہ ذکر ہے

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بکری قرآن مجید کی بعض آیات کھا گئی تھی تو کیا یہ صحیح روایت ہے؟[1] تو اس بارے عرض ہے کہ حدیث کی کتابوں میں کوئی حدیث نقل ہو جانے کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ وہ حدیث صحیح بھی ہے۔ صحیحین کے علاوہ کتب احادیث میں ضعیف روایات بھی موجود ہیں اور موضوع (fabricated) بھی۔ جہاں تک مذکورہ بالا روایت کا معاملہ ہے تو محققین نے اس روایت کو محمد بن اسحاق کے تفرد اور مخالفتِ ثقات کے سبب مردود قرار دیا ہے لہذا ایسا کوئی واقعہ کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے۔[2]

اور اگر اس روایت کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس کی وجہ سے قرآن مجید پر کوئی طعن وارد نہیں ہوتا کہ اس روایت میں یہ ذکر ہے کہ جو آیات اس بکری نے کھائی تھیں، وہ منسوخ التلاوۃ آیات تھیں یعنی رجم کی آیات اور رضاعت کبیر کی آیات۔ اور منسوخ آیات کو ضائع کروا دینا اور ذہنوں سے بھلوا دینا، یہ اللہ کی ذمہ داریوں میں سے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[3]

"ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا ویسی ہی اور آیت بھیج دیتے ہیں۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ عزوجل ہر بات پر قادر ہے۔"

رضاعت کبیر کے بارے روایات کی صحت

بعض صحیح روایات میں اس کا تذکرہ ہے کہ کسی ضرورت کے تحت کسی بڑے لڑکے کو دودھ پلا کر اپنا رضاعی بیٹا بنایا جا سکتا ہے لیکن کسی بھی صحیح روایت میں ایسا نہیں ہے کہ کوئی خاتون کسی بڑے لڑکے کو اپنے سینے سے لگا کر اسے دودھ پلا سکتی ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ کسی برتن میں نکال کر کسی بچے کو پلایا جا سکتا ہے جیسا کہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الاستذکار" میں ذکر کیا ہے۔[4]

[1] ابن ماجة، أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني (المتوفى: 273هـ)، سنن ابن ماجة، دار الرسالة العالمية، الطبعة الأولى، 1430 هـ - 2009 م، 125/3

[2] أيضا

[3] البقرة: 2: 106

[4] ابن عبد البر، أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد النمري (المتوفى: 463هـ)، الاستذكار، دار الكتب العلمية،

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اور عصر حاضر میں تو باقاعدہ انسانی ملک بینک (human milk bank) وجود میں آچکے ہیں جیسا کہ امریکہ اور یورپ میں بہت بڑے پیمانے پر انسانی دودھ کو ڈبے کی دودھ کی طرح محفوظ کر کے اس کا کاروبار کیا جارہا ہے۔ اور کھلاڑی عموماً کھیلوں میں بہتر کارکردگی دکھانے کے لیے انسانی دودھ کا استعمال کرتے ہیں کہ اس میں انرجی زیادہ ہوتی ہے لیکن یہ سب درست نہیں ہے کہ اس سے رضاعت کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اس بات کا تذکرہ اس لیے کیا ہے کہ عورت کا اپنا دودھ نکال کر کسی اور کو پلا دینا یہ ایک عام سی بات ہے۔

رضاعت کبیر سے حرمت ثابت ہوتی ہے یا نہیں تو اس بارے علماء کا اختلاف ہے۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ حرمت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ حرمت ثابت ہوتی ہے یعنی بڑی عمر کے بچے کو بھی اگر کوئی خاتون دودھ پلا دیں تو وہ ان کا رضاعی بیٹا بن جاتا ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اگر ضرورت اور نیت ہو تو ثابت ہوتی ہے اور یہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، امام ابن قیم رحمہ اللہ اور علماء کی ایک جماعت کا قول ہے[1] اور ہماری رائے میں یہی قول بہتر معلوم ہوتا ہے۔

حدیث میں رضاعت کبیر یعنی بڑی عمر کے بچے کو دودھ پلانے کا جو واقعہ نقل ہوا ہے تو اس میں بھی ضرورت کا بیان ہے۔ ایک صحابی ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے ایک بچے سالم رضی اللہ عنہ کو بچپن سے گود لیا اور جب وہ بالغ ہو گیا تو ان کی بیوی سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اب مجھے اس سے پردہ کرنا پڑے گا۔ لہذا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا اور آپ نے خاتون اور بچے کے تعلق کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دے دیا۔[2] اب ایک عورت نے ایک بچے کو بچپن سے پالا پوسا ہو تو اس کا اس سے محبت، الفت اور مانوسیت کا ایک تعلق قائم ہو جاتا ہے کہ وہ گھر کا ایک فرد بن چکا ہوتا ہے۔

لہذا اس قسم کے حالات میں پردہ دین میں ایک مشقت پیدا کر دیتا ہے اور اگر بچے کو گھر سے باہر

بيروت، الطبعة الأولى، 1421 – 2000، 255/6

[1] ابن قيم الجوزية، محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين (المتوفى: 751هـ)، زاد المعاد في هدي خير العباد، مؤسسة الرسالة، بيروت الطبعة السابعة والعشرون، 1415هـ /1994م، 527/5

[2] مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني (المتوفى: 179هـ)، موطأ الإمام مالك، مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان، أبو ظبي، الطبعة الأولى، 1425 هـ - 2004 م، كِتَابُ الرَّضَاعِ، بَابُ مَا جَاءَ فِي الرَّضَاعَةِ بَعْدَ الْكِبَرِ، 873/4

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

نکال کریں تو انسانی جذبات کا کیا کریں کہ یہ ایک دوسری بڑی مشقت ہے۔ تو اس کا علاج یہ بتلایا گیا کہ اگر ایسی خاتون ایسے بچے کو اپنا دودھ پلا کر اپنا رضاعی بیٹا بنالیں تو اس کی اجازت ہے۔ لیکن دودھ کس طرح پلائیں، اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

اللہ نے آپ کو کسی ایسی آزمائش میں نہیں ڈالا تو اللہ کا شکر ادا کریں ورنہ تو اس اجازت کی اہمیت کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے کہ جنہوں نے کسی سے بچہ لے کر پالا ہو۔ ایمان سے بتائیں کہ ایسا شخص ایسی حدیثوں کو سینے سے نہیں لگائے گا تو اور کیا کرے گا؟

غزوہ احد میں اللہ کے رسول ﷺ کے دندان مبارک کا شہید ہونا

دو دوستوں نے یہ سوال کیا ہے کہ کیا وہ روایت صحیح ہے کہ جس میں غزوہ احد میں اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کے دانتوں کے شہید ہونے کا تذکرہ ہے؟ اگر صحیح ہے تو ان روایات کا کیا کریں کہ جن میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ جب مسکراتے تو سامنے کے دانت چمکتے تھے؟ اور اس اعتراض کا کیا کریں کہ نبی کی ذات میں کوئی عیب نہیں ہو سکتا۔

ہمیں یہ اعتراف ہے کہ ہمارے ہاں قرآن مجید کے تراجم جس محنت سے ہوئے ہیں، احادیث کے تراجم اس قدر محنت اور دقت نظری سے نہیں کیے گئے۔ یہ اشکال دراصل بعض مترجمین کے ترجمہ سے پیدا ہوا کہ جنہوں نے اس واقعے میں مروی عربی الفاظ "رباعیة" کا ترجمہ سامنے کے دانت کر دیا ہے کہ جس سے تین غلط تاثر پیدا ہوئے کہ یہ "ثنایا" کی بات ہو رہی ہے، اور ثنایا علیا کی، اور دو دانتوں کی بات ہو رہی ہے۔

یہ روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ احادیث کے تقریباً تمام بنیادی مصادر میں موجود ہے[1] بلکہ سیرت اور تاریخ کے بنیادی مصادر میں بھی موجود ہے۔ یہ واقعہ سیرت ابن اسحاق اور سیرت ابن ہشام دونوں میں موجود ہے[2] اور ہر دور میں مسلمانوں میں اس قدر معروف اور رائج رہا ہے کہ ہمارے علم کی حد تک اس کا انکار کسی سے مروی نہیں ہے۔

[1] صحيح مسلم: 1417/3

[2] عبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري، جمال الدين (المتوفى: 213هـ)، السيرة النبوية لابن هشام، شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر، الطبعة الثانية، 1375هـ - 1955 م، 80/2

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثنایا، سامنے کے دانتوں کو کہتے ہیں اور جن میں سے دو اوپر کو "ثنایا علیا" اور دو نیچے کو "ثنایا سفلی" کہتے ہیں۔ جو عام طور مسکراتے ہوئے نظر آتے ہیں، وہ "ثنایا علیا" ہیں۔ اور اللہ کے رسول ﷺ کا غزوہ احد میں ایک دانت مبارک شہید ہوا جو کہ "رباعیة" تھا یعنی ثنایا کے ساتھ والا دانت۔

اللہ کے رسول ﷺ کے بارے جو روایات میں ملتا ہے کہ سامنے کے دانت چمکتے تھے تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ثنایا علیا کا ذکر ہے کہ ان سے گویا نور نکلتا تھا۔[1] اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ثنایا بہت چمکدار تھے۔[2] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ہے کہ دانتوں کے مابین خلاء تھا۔[3]

یہ تو روایات میں جمع ہو گئی کہ دونوں قسم کی روایات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جن روایات میں دانتوں کے چمکنے کا ذکر ہے تو وہاں ثنایا کی بات ہو رہی ہے اور غزوہ احد میں جو دانت مبارک شہید ہوا تو وہ رباعی تھا۔ اور دوسری بات یہ کہ نبی کی ذات میں عیب نہیں ہوتا تو یہ بات درست ہے۔ اور اللہ کے رسول ﷺ میں پیدائشی طور کوئی عیب نہیں ہے اور نہ ہی نبوت کے دعوی کے وقت ہے کہ لوگوں کو کوئی اشکال پیدا ہو۔

رہا، رسول ﷺ کا غزوہ احد میں دانت مبارک کا شہید ہونا تو یہ عیب نہیں یہ تو شہادت ہے، نبی کے اپنے دعوی نبوت میں سچے ہونے کی شہادت کہ جو انہوں نے اپنے وجود سے دی ہے۔ دنیا کی نظر میں اپنے دشمن کے ہاتھوں مقتول ہو جانے سے بڑا کوئی عیب ہے، اور رسول مقتول بھی ہوئے ہیں۔ لیکن اللہ کے لیے مقتول ہونا، چاہے دشمن سے ہو، یہ عیب نہیں ہے۔ اللہ سمجھ عطا فرمائے۔

چلیں! ایک اور مثال سے سمجھتے ہیں۔ آپ کے بال بہت خوبصورت ہیں، کندھوں تک آتے ہیں، ان بالوں کی وجہ سے آپ کی بہت وجاہت ہے، لیکن حج کے موقع پر آپ نے حلق کروالیا تو یہ

[1] الدارمي، أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن (المتوفى: 255هـ)، سنن الدارمي، دار المغني للنشر والتوزيع، المملكة العربية السعودية، الطبعة الأولى، 1412 هـ - 2000 م، 203/1

[2] ابن عساكر، أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله (المتوفى: 571هـ)، تاريخ دمشق، دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، 1415 هـ - 1995 م، 76/18

[3] البيهقي، أحمد بن الحسين بن علي، أبو بكر (المتوفى: 458هـ)، دلائل النبوة ومعرفة أحوال صاحب الشريعة، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1405 هـ، 303/1

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عیب نہیں ہے کہ اللہ کے لیے قربان ہونے والی شیء عیب دار نہیں، مزید خوبصورت بنا دیتی ہے، لیکن دیکھنے والی آنکھ ایمان کی ہو کہ وہ تو جسم میں اللہ کا حکم دیکھتی ہے، کہ کتنا جاری ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ بھی کندھوں تک بال رکھ لیتے تھے اور حلق بھی کروا لیتے تھے۔ اور اس حلق سے آپ ﷺ کی خوبصورتی بڑھ جاتی تھی۔ واضح رہے کہ مذکورہ بالا روایات وہ ہیں کہ جن کو بنیاد بنا کر قاری حنیف ڈار صاحب نے حدیث کے خلاف فیس بک پر مہم جوئی فرمائی اور ہم نے انہی کے اعتراضات کو ان تحریروں میں ایڈریس کیا ہے جو کہ عموماً دوسرے منکرین حدیث سے سرقہ ہی ہیں۔

قاری حنیف ڈار صاحب پرویزی فکر کے نقش قدم پر

ناقدین کے مسلسل اصرار کے بعد بالآخر قاری حنیف ڈار صاحب نے اپنا نظریہ حدیث پیش کر ہی دیا ہے کہ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "حدیث" کی حیثیت "تاریخ اسلام" کی جتنی ہے اور یہی تو پرویزی فکر کا خلاصہ ہے کہ وہ ساری زندگی یہی دعوی کرتے رہے کہ جس کی جگالی آج قاری حنیف ڈار کر رہے ہیں۔ یہ تو اس قابل بھی نہیں ہیں کہ کوئی ایسا نیا اعتراض ہی پیدا کر سکیں جو کہ ان کے فکری آباء واجداد نہ کر گئے ہوں۔ قاری حنیف ڈار صاحب لکھتے ہیں:

> "حدیث کے سارے مجموعے تاریخ اسلام سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی 95٪ انہی راویوں کی روایات 12 جلدوں میں تاریخ بخاری کہلاتی ہیں جبکہ 13 ویں جلد صحیح بخاری کہلاتی ہے۔ ہیں سب تاریخ تاریخ اسلام اور شخصیات کی بائیو گرافی، یعنی کہ ہسٹری آف اسلام اکارڈنگ ٹو محمد اسماعیل بخاری، مگر ان کتابوں کو قرآن کی سوکن بنا کر رکھ دیا گیا، قرآن سے زیادہ تقدس ان کا بھرا گیا، ان کو قرآن کا محافظ کہا گیا۔ زہر تو ہوتا ہی زہر ہے مگر بعض دفعہ خود دوا بھی زہر بن جاتی ہے۔"

اور صحیح بات یہ ہے کہ حدیث نہیں سیرت، پیغمبر کی زندگی کا تاریخی ریکارڈ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ سیرت اور حدیث کے مصادر جدا جدا ہیں۔ کتب سیرت کو کسی نے مصدر شریعت نہیں کہا لیکن کتب حدیث تمام مکاتب فکر کے نزدیک مصادر شریعت کے ماخذ میں سے ہیں۔ چلیں، مان بھی لیں کہ حدیث تاریخ کی جتنی حیثیت رکھتی ہے لیکن کس کی تاریخ؟ یہ اس پیغمبر اسلام کی تاریخ ہے کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جن کی اطاعت کو فرض کیا گیا ہے اور سنت کو اسوہ حسنہ بنایا گیا ہے۔

سلف صالحین کی اصطلاح میں سنت، اللہ کے رسول ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں اور حدیث، اس سنت کی روایت کا نام ہے۔ پس سنت پہلے ہے اور حدیث بعد میں ہے۔ سنت آپ کا قول، فعل اور تقریر ہے اور حدیث اس قول، فعل اور تقریر کے بیان کا نام ہے کہ جو صحابی کا ہوتا ہے۔ اس لیے صحیح اور ضعیف حدیث ہوتی ہے نہ کہ سنت کیونکہ سنت تو اللہ کے رسول کا قول، فعل اور تقریر ہے تو وہ کیسے ضعیف یا موضوع ہو سکتا ہے؟ البتہ وہ حدیث ضعیف یا موضوع ہو سکتی ہے کہ جس میں سنت منقول ہو۔ سنت اور حدیث کے اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کے سبب سے بہت سے لوگ بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہوئے ہیں۔

پس سنت مظروف ہے اور حدیث اس کا ظرف ہے۔ سنت مکین ہے اور حدیث اس کا مکان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جب آپ اہمیت کی بات کریں گے تو اصل اہمیت مظروف اور مکین کی ہے نہ کہ ظرف اور مکان کی۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ بعض اوقات مظروف اپنے ظرف سے پہچانا جاتا ہے اور مکین کا تشخص اس کا مکان بن جاتا ہے۔ لہذا دونوں کی اہمیت مسلم ہے۔ سلف صالحین کے نزدیک مصادر دین، کتاب وسنت ہی ہیں۔ کتاب تو "ما بين الدفتين" موجود ہے اور سنت کہاں ہے؟ یہ اہم سوال ہے کہ جس سے حدیث کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ سنت کا صرف اور صرف ایک ہی مصدر ہے اور وہ احادیث کی کتب ہیں۔

قاری حنیف ڈار اور محدثین کے منہج کا فرق

قاری حنیف ڈار صاحب کو شکایت ہے کہ انہوں نے دس حدیثوں کا انکار کیا ہے تو لوگ ان کے پیچھے پڑ گئے ہیں جبکہ وہ نماز روزے، حج زکوۃ، حلال وحرام، بیع شراء اور اخلاقیات وغیرہ کی حدیثوں کو مانتے ہیں۔

تو ہمیں یہ عرض کرنا ہے قاری صاحب کہ آپ کہتے ہیں کہ آپ نے دس حدیثوں کا انکار کر دیا تو آپ پر اتنی لعن طعن ہوئی لیکن یہ بھی تو سوچیں کہ ایک محدث دس ہزار حدیثوں کو رد کر دیتا ہے، کوئی اس پر لعن طعن نہیں کرتا۔ لوگ اسے سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں، اسے امیر المومنین فی الحدیث

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہا جاتا ہے، اس کی تحقیقات سے علماء استفادہ کرتے ہیں، منبروں پر بیان شروع ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث "مردود" (rejected) ہے، تو فرق کہاں ہے؟

پھر "انکار حدیث" اور "رد حدیث" میں فرق ہے۔ "انکار حدیث" کا کوئی اصول نہیں ہے، کوئی ضابطہ نہیں ہے، بس دل نہیں مان رہا لہذا حدیث کا انکار کر دو جبکہ "رد حدیث" ایک فن اور آرٹ ہے جو سیکھنے سے آتا ہے، حدیث کو مردود قرار دینے کے اصول وضوابط ہیں جو صدیوں میں متعین ہوئے ہیں، اس پر سینکڑوں کتب مرتب ہوئیں، ہزاروں شروحات لکھی گئیں۔

مسئلہ آپ کی اہلیت اور اسٹائل کا بھی ہے۔ اگر ایم۔بی۔بی۔ایس ڈاکٹر کسی مریض کی رسولی کا علاج کرنے کے لیے آپریشن تھیٹر میں اس کے پیٹ کی چیڑ پھاڑ کریں گے تو اگر مریض صحت یاب نہ بھی ہو تو لوگ ڈاکٹر کو الزام نہیں دیں گے کہ روزانہ ہسپتالوں میں ہزاروں مریض مرتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اس مرض کے علاج کی اہلیت رکھتا ہے اور وہ علاج کے طریقہ کار کی ہدایات (medical science) کو فالو کرتا ہے جبکہ "عطائی" کے پاس یہ سب کچھ نہیں ہوتا سوائے لوگوں کو بے وقوف بنانے کی خداداد صلاحیت کے۔

باقی میں نے شاید یہاں فیس بک پر ہر اچھے رائٹر کو پڑھا ہے، ان کو بھی کہ جن کے لائکس اور شیئرز ہزاروں میں ہوتے ہیں۔ لیکن میری رائے میں لفظ سے کھیلنا دو لوگوں کو آتا ہے؛ رعایت اللہ فاروقی صاحب اور قاری حنیف ڈار صاحب کو۔ چاہے کوئی ہماری مخالف ٹیم سے ہی کیوں نہ ہو لیکن ہم اس کے "کھیل" کو داد دینے میں بخل نہیں کریں گے۔ بھلے ان کی جیت پر لعنت بھیج کر داد دیں۔

اور اگر آپ میڈیکل سائنس کی دو چار کتابیں پڑھ کر کسی مریض کے پیٹ کی رسولی نکالنا شروع کر دیں گے تو ہر کوئی آپ کو لعن طعن کرے گا، چاہے آپ کتنے ہی مخلص کیوں نہ ہوں اور چاہے آپ اس کے پیٹ کی رسولی نکال بھی دیں تو بھی قانون کی نظر میں مجرم ہوں گے۔ علامہ البانی رحمہ اللہ نے ضعیف اور موضوع روایتوں کی نشاندہی کرتے کرتے انسائیکلوپیڈیاز مرتب کر دیے ہیں لیکن انہیں تو دنیا "محدث العصر" کا نام دے رہی ہے۔ اس فرق کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آپ نے اپنی نااہلی کے سبب دس حدیثوں کا جس طرح انکار کیا ہے، اس اسٹائل نے پورے ذخیرہ حدیث کے صحیح ہونے پر

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک سوالیہ نشان کھڑا کر دیا ہے؟

احادیث کی جانچ پڑتال یا اس کے رد و قبول کی ایک سائنس مرتب ہو چکی ہے کہ جسے "اصول حدیث" کہتے ہیں۔ اسے صدیوں میں ہزاروں علماء نے مرتب کیا ہے اور اب اس پر تمام مکاتب فکر کے علماء کا اتفاق چکا ہے کہ اسی سائنس کی روشنی میں حدیث کے ذخیرہ کو پرکھا جائے گا۔ حدیث کا رد کرنا آپ کا اتنا مسئلہ نہیں ہے جتنا کہ وہ طریقہ کہ جس سے آپ رد کرتے ہیں۔ آپ مروجہ میڈیکل سائنس کا انکار کر کے ایک نیا طریقہ علاج متعارف کروانا چاہتے ہیں جو اسی طرح ممکن ہے کہ آپ میڈیکل سائنس میں اپنا اتنا نام پیدا کر لیں کہ آپ بات کریں تو اس میدان کے ماہرین آپ کی بات کو توجہ سے سنیں، اور وہ اہلیت آپ میں بد قسمتی سے ہے نہیں۔

غامدی صاحب اور انکار حدیث

دوست کا سوال ہے کہ غامدی صاحب کو "منکر حدیث" کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ جواب: دیکھیں، اصل یہ ہے کہ آپ کی "انکار حدیث" سے مراد کیا ہے؟ اگر تو انکار حدیث سے مراد کلی طور پر حدیث کا انکار ہے تو ایسا غامدی صاحب نہیں کرتے۔ بہر حال یہ ماننا پڑتا ہے کہ وہ حدیث کے معاملے میں "پرویزی" نہیں ہیں۔ اور یہ ماننا مذہبی دیانت برقرار رکھنے کے لیے بہت ضروری ہے ورنہ تو ایک مسلک نے دوسرے مسلک پر یہ الزام لگا رکھے ہیں کہ وہ حدیث کو نہیں مانتے۔

اور اگر آپ کی انکار حدیث سے مراد یہ ہے کہ غامدی صاحب حدیث کو وہ مقام نہیں دیتے جو کہ خود قرآن مجید نے دیا ہے یا جس پر امت نے اتفاق کیا ہے تو یہ بات ایسے ہی ہے۔ عام طور لوگ کہتے ہیں کہ دیکھیں پرویز صاحب تو نماز روزے کے بھی قائل نہیں تھے لیکن غامدی صاحب تو ہیں۔ تو یہ بات درست ہیں کہ غامدی صاحب ارکان اسلام وغیرہ کے قائل ہیں لیکن وہ اسے حدیث سے نہیں، سنت سے مانتے ہیں۔ لہذا یہ ماننے کے باوجود یہ سوال پھر باقی رہ جاتا ہے کہ ان کے ہاں حدیث کا مقام کیا ہے؟

آسان الفاظ میں سوال یہ پیدا ہوا کہ کیا "حدیث" دین اسلام کا کوئی بنیادی ماخذ (primary source of Islamic law) ہے؟ مسلمانوں کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حدیث بھی بنیادی ترین مآخذ میں شامل ہے اور بنیادی ترین مآخذ دو ہیں؛ یعنی قرآن مجید اور سنت رسول ﷺ جو کہ حدیث میں ہے۔ جبکہ غامدی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ حدیث، دین اسلام کا بنیادی ترین ماخذ نہیں ہے۔ اور بنیادی ترین مآخذ ان کے نزدیک بھی دو ہی ہیں لیکن وہ قرآن مجید اور سنت ابراہیمی ہیں۔

اس کو ایک اور طرح سے سمجھ لیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا حدیث دین اسلام کا مستقل مآخذ ہے یعنی اللہ کے رسول ﷺ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ دین اسلام میں کسی چیز کو حلال یا حرام قرار دے سکیں؟ تو مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کو تشریع (legislation) کا یہ حق اللہ کی طرف سے دیا گیا ہے جبکہ غامدی صاحب اس کے قائل نہیں ہیں۔

غامدی صاحب کے نزدیک رسول اللہ ﷺ قرآن مجید میں موجود احکامات کی محض شرح اور تفسیر کر سکتے ہیں، ان میں اضافہ یا ان کے نسخ یا ان کی ایسی تشریح نہیں کر سکتے کہ جس سے وہ قرآنی حکم محدود ہو جائے۔ ان کے بقول رسول اللہ ﷺ کو اللہ کی طرف سے یہ حق نہیں دیا گیا ہے۔ شارع (legislator) صرف اللہ کی ذات ہے اور رسول ﷺ اس میں تبعاً بھی شریک نہیں ہیں۔

پس وہ حدیث کی حیثیت کو مانتے ہیں لیکن صرف اتنی کہ وہ قرآن مجید کی تفسیر یا شرح بن سکے۔ جہاں جہاں حدیث قرآن مجید کے کسی حکم پر اضافہ، یا نسخ یا اس کی تحدید کا باعث بنے گی، تو وہ اسے بیان شریعت ماننے کو تیار نہیں ہیں۔ پس ان کے نزدیک حدیث کی حیثیت ایک تاریخی ریکارڈ اور تفسیر کی سی ہے نہ کہ دین اسلام کے کسی بنیادی مصدر (basic source) کی۔ یہ ہے ان کے نزدیک حدیث کی اصل حیثیت کہ وہ دین اسلام کا مصدر نہیں ہے۔ پس اب ان کی اس بات پر حکم لگا لیں جو بھی لگانا ہو۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی کی بات پر حکم لگانے سے پہلے اس کی بات کو سمجھنا اور پھر من و عن بیان کرنا بہت ضروری ہے اور یہ علمی دیانت کا تقاضا ہے، چاہے ہمارے کسی سے ہزاروں اختلافات ہی کیوں نہ ہوں تو بھی ہم اسی طرح سے بیان اور نقد کریں گے۔

چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹی سے شادی

ایک دوست نے سوال کیا ہے کہ بعض منکرین حدیث کا دعوی ہے کہ چچا، پھوپھی، ماموں اور

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خالہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں ہے، تو اس کی کیا حقیقت ہے؟ میں نے پوچھا کہ وہ اس دعوے کی کیا دلیل بیان کرتے ہیں؟ تو دوست نے کہا کہ سورۃ الاحزاب کی آیت 50 کا حوالہ دیتے ہیں۔ مذکورہ آیت یوں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِي آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِي هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾[1]

"اے پیغمبر ہم نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں جن کو تم نے ان کے مہر دے دیئے ہیں حلال کر دی ہیں۔ اور تمہاری لونڈیاں جو خدا نے تم کو (کفار سے بطور مال غنیمت) دلوائی ہیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تمہارے ماموؤں کی بیٹیاں اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیاں جو تمہارے ساتھ وطن چھوڑ کر آئی ہیں (سب حلال ہیں)۔ اور کوئی مومن عورت اگر اپنے تئیں پیغمبر کو بخش دے (یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے) بشرطیکہ پیغمبر بھی ان سے نکاح کرنا چاہیں (وہ بھی حلال ہے لیکن) یہ اجازت (اے محمد ﷺ) خاص تم ہی کو ہے سب مسلمانوں کو نہیں۔"

اب احادیث کا انکار کرنے والوں نے ﴿خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کہ یہ اجازت اہل ایمان کے علاوہ خاص آپ ﷺ کے لیے ہے، کے الفاظ سے یہ استدلال کیا ہے کہ چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹی سے نکاح کی اجازت صرف آپ ﷺ کے لیے خاص ہے، عام مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ﴿خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کا تعلق صرف ﴿وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا﴾ سے ہے کہ اگر کوئی عورت خود سے اپنے آپ کو نبی ﷺ کے لیے ہبہ کر دے تو یہ صورت صرف آپ ﷺ کے لیے جائز ہے۔ عام مسلمان کے لیے جائز نہیں ہے کہ کوئی عورت خود سے اپنے آپ کو اس کے لیے ہبہ کر دے کہ اس

[1] الأحزاب: 33: 50

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عورت سے تمتع اس کے جائز ہو جائے۔ ہبہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ وہ عورت اپنے ولی کی اجازت اور حق مہر کے بغیر نبی کے نکاح میں آنا چاہے تو ایسا جائز ہے لیکن یہ حکم بھی عارضی تھا کہ بعد میں ﴿لَّا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِن بَعْدُ﴾ کے حکم کے ذریعے مزید کسی بھی قسم کے نکاح سے آپ ﷺ کو روک دیا گیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر ﴿خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ کا تعلق تمام آیت سے مان لیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ شروع آیت میں جو بیان ہے کہ وہ بیویاں کہ جن کے حق مہر ادا کیے گئے ہوں، وہ بھی صرف نبی ﷺ کے لیے ہی حلال ہوں گی۔ اور اس طرح منکر حدیث کے لیے اس کی کوئی بھی بیوی کہ جس کا حق مہر وہ ادا کر چکا ہو، حلال نہ رہے گی۔ تیسری بات یہ کہ ﴿خَالِصَةً﴾ جو کہ نصب میں ہے حال ہے، ﴿وَامْرَأَةً﴾ سے جو کہ اس کا ذوالحال ہے لہذا وہ معنی جو کہ منکر حدیث بیان کر رہا ہے، عربی زبان اور گرامر کے خلاف ہے۔ اور حال اور صفت میں فرق یہ ہے کہ حال عارضی ہوتا ہے جبکہ صفت میں دوام ہوتا ہے جیسا کہ ہنسنا انسان کا حال ہے جبکہ گورا ہونا صفت ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت 24 میں عام مسلمانوں کے لیے محرمات کی فہرست بیان کر کے باقی سب کو حلال کر دیا گیا۔ اور باقی سب میں چچا، پھوپھی، ماموں اور خالہ کی بیٹی بھی شامل ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ آل بیت میں ایسی شادیاں ہوئی ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی زینب رحمہا اللہ کا نکاح ان کے چچازاد بھائی عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ سے کیا۔ اسی طرح حضرت ام کلثوم بنت علی رحمہا اللہ کا نکاح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کے چچا زاد بھائی عون بن جعفر رحمہ اللہ سے ہوا۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی محمد بن جعفر رحمہ اللہ سے ہوا۔ اور ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی عبداللہ بن جعفر رحمہ اللہ سے ہوا اور انہی سے زینب بنت علی رضی اللہ عنہا کا نکاح بھی ہو چکا تھا۔[1] اور اس کی مثالیں صحابہ میں بہت زیادہ ہیں بلکہ ایک اعتبار سے غور کریں تو علی رضی اللہ عنہ کا نکاح بھی اپنے چچا کی پوتی سے ہوا ہے جبکہ بنات کا لفظ بیٹیوں اور پوتیوں دونوں کو شامل ہے۔

[1] محمد بن سعد بن منيع البصري، أبو عبد الله (المتوفى: 230هـ)، الطبقات الكبرى، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، 1410 هـ - 1990 م، 338/8

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

آتش نمرود اور پرویزی فکر

دوست کا سوال ہے کہ بعض منکرین حدیث کہتے ہیں کہ جس آگ میں ابراہیم علیہ السلام کو ڈالا گیا تھا تو وہ کافروں کے غصے اور نفرت کی آگ تھی نہ کہ کوئی حقیقی آگ، تو اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: اس خاص اعتراض کے جواب سے پہلے پرویزی [غلام احمد پرویز] اور نیچری [سر سید احمد خان] فکر کا اصل پرابلم سمجھنا ضروری ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ وہ معجزات (miracles) کے انکاری ہیں کہ ان کے نزدیک معجزہ دراصل قوانین فطرت (laws of nature) کی خلاف ورزی ہے اور قوانین فطرت اٹل (ultimate truth) ہیں لہذا کوئی معجزہ رونما نہیں ہو سکتا، نبی کے ہاتھ پر بھی نہیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآن مجید میں موجود انبیاء کے تمام معجزات کی گھٹیا اور من گھڑت تاویلات پیش کی ہیں۔ اور اٹل (ultimate truth) تو صرف خدا ہے نہ کہ اس کے بنائے ہوئے قوانین، ورنہ تو "قوانین فطرت" خدا کہلائیں گے کہ خدا ان کے آگے مجبوروں کی طرح ہاتھ باندھے کھڑا ہو گا۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید کی پرویزی اور نیچری تفسیر کسی لطیفے سے کم نہیں ہے اور یہ اسی صورت ممکن ہے جبکہ انسان کی عقل کے ساتھ اس کی مت بھی ماری گئی ہو اور وہ اس پر اصرار کر رہا ہو کہ میں نے قرآن مجید کی عربی زبان کو انگریزی گرامر کی روشنی میں سمجھنا ہے اور دلیل یہ ہو کہ وہ زبان ہے اور یہ بھی زبان ہے لہذا ایک زبان کو دوسری زبان کی گرامر کی روشنی میں سمجھنا منطقی اور لاجیکل ہے۔ لفظ میں اصل حقیقت ہے نہ کہ مجاز یعنی لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جائے گا جبکہ مجازی معنی کے لیے دلیل لانی پڑے گی۔

بہر حال پرویزی فکر پر بہت ہی شاندار اور عمدہ تحقیقی کام پروفیسر ڈاکٹر محمد دین قاسمی صاحب کا ہے کہ جنہوں نے پرویز کی تفسیر "مطالب الفرقان" پر اپنا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ "مطالب الفرقان کا علمی و تحقیقی جائزہ" کے نام سے مکمل کیا اور اسے جماعت اسلامی کے ادارہ "معارف اسلامی" نے لاہور سے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ یہ مقالہ گوگل کر لیں، آپ کو اس کی سافٹ کاپی مل جائے گی۔ علاوہ ازیں مولانا عبد الرحمن کیلانی صاحب کی "آئینہ پرویزیت" بھی پرویزی فکر کے مفصل

محکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

عقلی و منطقی رد کا شاہکار ہے اور آئن لائن بھی دستیاب ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کو جس آگ میں ڈالا گیا تھا تو اس کا ذکر قرآن مجید میں چار مقامات پر ہے۔ سورہ الانبیاء میں فرمایا کہ ﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ﴾ ترجمہ: انہوں نے کہا کہ ابراہیم کو جلا ڈالو۔ تو غصے کی آگ سے کسی انسان کو جلانے کا کیا معنی؟ اسی طرح سورۃ الصافات میں فرمایا: ﴿ قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ﴾ ترجمہ: انہوں نے کہا کہ ابراہیم کے لیے ایک مکان بناؤ اور اس مکان کی آگ میں اسے جھونک دو۔ اب غصے کا مکان بنانے کا کیا معنی؟

سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ﴿قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ﴾ ترجمہ: انہوں نے کہا کہ ابراہیم کو قتل کر دو یا آگ میں ڈال دو۔ تو یہاں وہ آگ مراد ہے کہ جس سے بندہ قتل ہو جاتا ہو اور آپ کے غصہ کھانے سے کوئی قتل ہو سکتا ہے کیا؟ پھر سورۃ الانبیاء میں فرمایا: ﴿قُلْنَا يَانَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ﴾ ترجمہ: اے آگ ابراہیم پر ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی ہو جا۔ مطلب یہ پرویزی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کافروں کا ابراہیم علیہ السلام پر غصہ ختم ہو گیا تھا؟ تو ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کیوں کی؟ پھر قرآن مجید نے "نار"، "تحریق" اور "الجحیم" کے الفاظ استعمال کیے ہیں کہ جن سے مراد حقیقی آگ ہی ہو سکتی ہے۔ باقی "چولیاں" جتنی مرضی مار لیں، کون سے پیسے لگتے ہیں!

خلاصہ کلام

خلاصہ کلام یہی ہے کہ احادیث پر اصولی اور فروعی اعتراضات یا تو نظری تعصب کا نتیجہ ہیں یا پھر مسلسل ایک مخصوص زاویے ہی سے احادیث کو دیکھنے کا اثر ہے۔ اور احادیث پر کوئی بھی اصولی یا فرعی اعتراض ایسا نہیں ہے کہ جس کا منقول و معقول جواب موجود نہ ہو۔ ہمیں احساس ہے کہ بعض ایسی روایات کا ابھی ہم نے طوالت کے خوف سے ذکر نہیں کیا ہے کہ جن پر اعتراضات کیے گیے ہیں۔